قرآن و حدیث دونوں ہدایت کے چراغ ہیں
المصباح فی زجاجۃ
وہ چراغ ایک فانوس میں ہے
تفسیر مصباحین
ترجمہ و شرح
تفسیر جلالین
نمبر 4
سورۃ النحل
سورۃ بنی اسرائیل
سورۃ الکہف
سورۃ مریم
سورۃ طٰہٰ
سورۃ الانبیاء
سورۃ الحج
سورۃ المؤمنون
تصنیف
امام جلال الدین محلی شافعی
امام جلال الدین سیوطی شافعی
مترجم و شارح
علامہ محمد لیاقت علی رضوی حنفی
شبیر برادرز ®
زبیدہ سنٹر، ۴۰، اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

نام کتاب ——— (نمبر 4) ——— تفسیر مصباحین تفسیر جلالین
تصنیف ——— امام جلال الدین محلی شافعی/امام جلال الدین سیوطی شافعی
مترجم ——— علامہ محمد لیاقت علی رضوی
کمپوزنگ ——— ورڈز میکر
باہتمام ——— ملک شبیر حسین
سن اشاعت ——— مئی 2014ء
سرورق ——— اے ایف ایس ایڈورٹائزر، لاہور 0322-7202212
طباعت ——— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ہدیہ ——— روپے

زبیدہ سنٹر ۴۰۔ اردو بازار لاہور
فون: 042-37246006
shabbirborther786@gmail.com

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

ترتیب

سورۃ الاسراء

سورۃ الکہف

سورہ مریم

سورۃ طٰہٰ

سورة الأنبياء

سورة الحج

سُورَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ

مقدمہ تفسیر مصباحین

قرآن مجید کی سات منازل ہونے کا بیان

حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ثقیف کے وفد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم بنی مالک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک قبہ میں ٹھہرایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب عشاء کے بعد ہمارے پاس آتے اور ہم سے گفتگو فرماتے رہتے اور زیادہ تر ہمیں قریش کے اپنے ساتھ رویہ کے متعلق سناتے اور فرماتے ہم اور وہ برابر نہ تھے کیونکہ ہم کمزور اور ظاہر طور پر دباؤ میں تھے جب ہم مدینہ آئے تو جنگ کا ڈول ہمارے اور ان کے درمیان رہا کبھی ہم ان سے ڈول نکالتے (اور فتح حاصل کر لیتے. اور کبھی وہ ہم سے ڈول نکالتے (اور فتح پاتے) ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ معمول سے ذرا تاخیر سے تشریف لائے تو میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج تاخیر سے تشریف لائے فرمایا میرا تلاوت قرآن کا معمول کچھ رہ گیا تھا میں نے پورا ہونے سے قبل نکلنا پسند نہ کیا۔

حضرت اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تم قرآن کی تلاوت کے لئے کیسے حصے کرتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ تین (سورتیں فاتحہ کے بعد بقرہ، آل عمران اور نساء) اور پانچ (سورتیں مائدہ سے براءۃ کے آخر تک) اور سات (سورتیں یونس سے نحل تک) اور نو (سورتیں بنی اسرائیل سے فرقان تک) اور گیارہ (سورتیں شعراء سے یٰسین تک) اور تیرہ (سورتیں والصافات سے حجرات تک) اور آخری حزب مفصل کا یعنی سورت ق سے آخر تک ہیں۔ (مسند احمد: جلد ہشتم: حدیث نمبر 855)

حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بھی اس لفظ کے معنی میں تردد پیش آیا تو آپ نے برسر منبر صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ لفظ تخوف کیا آپ کیا معنی سمجھتے ہیں؟ عام مجمع خاموش رہا مگر قبیلہ ہذیل کے ایک شخص نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین یہ ہمارے قبیلہ کا خاص لغت ہے ہمارے یہاں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی بتدریج گھٹانا فاروق اعظم نے سوال کیا کہ کیا عرب اپنے اشعار میں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اس نے عرض کیا کہ ہاں اور اپنے قبیلہ کے شاعر ابو کبیر ہذلی کا ایک شعر پیش کیا جس میں یہ لفظ بتدریج گھٹانے کے معنی میں لیا گیا تھا اس پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ لوگو تم اشعار جاہلیت کا علم حاصل کرو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی کا فیصلہ ہوتا ہے۔

اسرائیلی روایات سے تفسیر کرنے یا نہ کرنے کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ قاعدہ یہ ہے کہ ان میں سے جو واقعہ اس کے مطابق ہو جو حق ہمارے ہاتھوں میں ہے یعنی کتاب وسنت وہ تو سچا ہے اور قابل قبول ہے اس لئے کہ وہ صحت کے مطابق ہے اور جو خلاف ہو وہ مردود ہے۔ اور جس کی نسبت ہماری شریعت خاموش ہو، موافقت ومخالفت کچھ نہ ہو، گو اس کا روایت کرنا بقول اکثر مفسرین جائز ہے لیکن نہ تو ہم اسے سچا کر سکتے ہیں نہ غلط۔ ہاں یہ ظاہر ہے کہ وہ واقعات ہمارے لئے کچھ سند نہیں، نہ ان میں ہمارا کوئی دینی نفع ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری جامع نافع کامل وشامل شریعت اس کے بیان میں کوتاہی نہ کرتی۔ ہمارا اپنا مسلک تو اس تفسیر میں یہ رہا ہے کہ ہم ایسی بنی اسرائیلی روایتوں کو وارد نہیں کرتے کیونکہ اس میں سوائے وقت ضائع کرنے کے کہ کوئی نفع نہیں ہاں نقصان کا احتمال زیادہ ہے۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ بنی اسرائیل میں روایت کی جانچ پڑتال کا مادہ ہی نہ تھا وہ سچ جھوٹ میں تمیز کرنا جانتے ہی نہ تھے ان میں جھوٹ سرایت کر گیا تھا جیسے کہ ہمارے حفاظ ائمہ نے یہی تشریح کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

اسرائیلی روایات کی حیثیت کا بیان

اہل کتاب تورات عبرانی زبان میں پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے لیے اس کی تفسیر عربی زبان میں کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو اور کہو کہ ہم اللہ پر اور جو اس نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ نہ تم ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب یہ اس وجہ سے ہے کہ جن باتوں کی وہ خبر دے رہے ہیں وہ سچ اور جھوٹ دونوں کا احتمال رکھتی ہیں، اگر فی الواقع وہ سچ ہوں اور تم ان کی تکذیب کر دو یا اگر وہ جھوٹ ہوں اور تم اس کی تصدیق کر دو تو دونوں اعتبار سے حرج اور تنگی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے اس لیے ان کی بیان کردہ باتوں کو سن کر نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب؛ تا کہ فتنہ میں نہ پڑو۔ (فتح الباری)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت اختصار کے ساتھ مگر جامع بات لکھی ہے کہ تفسیر میں اسرائیلی روایتوں کو بیان کرنا دراصل یہ بھی ایک سازش ہے جبکہ یہ قاعدہ مسلم ہے کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ ان کی تکذیب کرو؛ لہٰذا اس قاعدہ کی بنیاد پر دو باتیں نہایت ضروری ہی۔

(۱) جب حدیث میں قرآن کریم کے اشارہ کی تفصیل موجود ہو تو اسرائیلی روایات کو تفسیر میں نقل نہیں کرنا چاہئے۔

(۲) قرآن کریم میں جس واقعہ کی طرف اشارہ آیا ہو اس کی تفصیل ضرورت کے بقدر ہی بیان کرنی چاہئے تا کہ قرآن کریم کی گواہی سے اس کی تصدیق ہو کیونکہ یہ بھی قاعدہ ہے کہ ضروری بات بقدر ضرورت مانی جاتی ہے۔ (فوز کبیر)

اہل کتاب کی روایات نقل کرنے والے حضرات

عہد صحابہ اور اس کے بعد کے ادوار میں بھی تفسیر قرآن کے ماخذ کے طور پر یہود ونصاریٰ رہے ہیں؛ کیونکہ قرآن کریم بعض

مسائل میں عموماً اور قصص انبیاء اور اقوام سابقہ کے کوائف واحوال میں خصوصاً تورات کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اسی طرح قرآن کریم کے بعض بیانات انجیل سے بھی ملتے ہیں؛ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا واقعہ اور ان کے معجزات وغیرہ۔ البتہ قرآن کریم نے جو طرز و منہاج اختیار کیا ہے وہ تورات وانجیل کے اسلوب بیان سے بڑی حد تک مختلف ہے، قرآن کریم کسی واقعہ کی جزئیات وتفصیلات بیان نہیں کرتا، بلکہ واقعہ کے صرف اسی جز پر اکتفاء کرتا ہے جو عبرت و موعظت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہوتا ہے، یہ انسانی فطرت ہے کہ تفصیلی واقعہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام اور بعد کے ادوار میں تابعین اور تبع تابعین حضرات اہل کتاب کے ان اہل علم سے جو حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے قرآن میں ذکر کردہ واقعات کی تفصیل کے واسطے رجوع کیا کرتے تھے، اسرائیلی روایات کا مدار وانحصار زیادہ تر حسب ذیل چار راویوں پر ہے: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، کعب احبار، وھب بن منبہ، عبدالملک بن عبدالعزیز ابن جریج، جہاں تک عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی بات ہے تو آپ کے علم وفضل میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور ثقاہت وعدالت میں آپ اہل علم صحابہ میں شمار ہوتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل ہوئیں، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر محدثین نے آپ کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔ حضرت کعب احبار بھی ثقہ راویوں میں سے ہیں، انہوں نے زمانہ جاہلیت کا زمانہ پایا اور خلافت صدیقی یا فاروقی میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ خلافت فاروقی میں آپ کے اسلام لانے کی بات مشہور تر ہے۔ (فتح الباری، حدیث نمبر ۹۵)

اسرائیلی روایات قصص کو سنانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میری طرف سے پہنچاؤ اگر چہ ایک ہی آیت ہو۔ اور بنی اسرائیل سے جو قصے سنو لوگوں کے سامنے بیان کرو یہ گناہ نہیں ہے اور جو آدمی قصداً میری طرف جھوٹ بات منسوب کرے اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ، حدیث نمبر 193)

حدیث میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر بنی اسرائیل سے کوئی قصہ سنو یا تمہیں ان سے کوئی واقعہ معلوم ہو تو تم اس کو لوگوں سے بیان کر سکتے ہو مگر ان کے احکام وغیرہ کو نقل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گذشتہ احادیث میں گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ کسی واقعہ یا قصہ کو محض خبر کے طور پر بیان کر دینا شرعی امور میں کوئی نقصان پیدا نہیں کرتا مگر ان کے احکام کو نقل کرنا یا ان کی تبلیغ کرنا شریعت محمدی کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کیونکہ جب اس دنیا میں شریعت محمدی کا نفاذ ہو گیا ہے تو اب تمام دوسری شریعتیں منسوخ اور کالعدم قرار دے دی گئی ہیں۔ لہٰذا شریعت محمدی کو چھوڑ کو دوسری شریعت کے احکام واعمال کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

محمد لیاقت علی رضوی

یہ قرآن مجید کی سورت نحل ہے

سورہ نحل کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ النَّحل (مَکِّیَّة إِلَّا الآیَات الثَّلاث الْأَخِیرَة فَمَدَنِیَّة وَآیَاتھَا 128 نَزَلَتْ بَعْد الْكَهْف)

سورہ نحل مکیہ ہے مگر آیت (فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ سے آخر سورت تک جو آیات ہیں وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں، یہ سورہ کہف کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں اور اقوال بھی ہیں۔ اس سورت میں سولہ ۱۶ رکوع اور ایک سو اٹھائیس آیات اور دو ہزار آٹھ سو چالیس کلمات اور سات ہزار سات سو سات حرف ہیں۔

سورہ نحل کی وجہ تسمیہ کا بیان

امام تفسیر امام قرطبی لکھتے ہیں کہ اس سورۃ کا نام سورہ نحل اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ اس میں نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا ذکر قدرت کی عجیب وغریب صنعت کے بیان کے سلسلے میں ہوا ہے اس کا دوسرا نام سورہ نعم بھی ہے نعم بکسر نون نعمت کی جمع ہے اس لئے کہ اس سورہ میں خاص طور پر اللہ جل شانہ کی عظیم نعمتوں کا ذکر ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نحل، بیروت)

سورہ نحل کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ نے جب آیت اقتربت الساعة نازل کی تو کافروں نے ایک دوسرے سے کہا کہ یہ شخص خیال کرتا ہے قیامت قریب ہے لہٰذا تم لوگ جو کام کرتے تھے ان سے رک جاؤ تا کہ ہم دیکھیں کہ یہ شخص کیا کرنے والا ہے جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی چیز نازل نہیں ہو رہی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں کچھ نظر نہیں آتا تو اس پر اللہ نے آیت اقتربت الساعة۔ نازل کی تو اس پر کفار خوف زدہ ہوئے اور قیامت کا انتظار کرنے لگے جب دن بڑھتے گئے تو انہوں نے کہا کہ یا محمد ﷺ ہمیں تو وہ کچھ نظر نہیں آتا جس سے تم ہمیں ڈراتے ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اور مجھے قیامت یوں کو بھیجا آپ نے انگلی سے اشارہ کر کے بتایا اور ہو سکتا ہے کہ مجھ سے پہلے آ جائے۔

دوسروں نے کہا کہ الامر سے مراد یہاں تلوار کے ذریعے عذاب ہے یہ النضر بن الحارث کی بات کا جواب ہے جب اس نے کہا تھا کہ اللهم ان كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء یعنی اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے

حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یعنی اس میں نے اس عذاب کا جلد مطالبہ کیا تھا۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ نحل، بیروت)

ابوبکر نے کہا کہ ربیعہ بہتر لوگوں میں تھے اور انہوں نے عمر بن خطاب کی مجلس کا وہ حال بیان کیا جو انہوں نے دیکھا تھا کہ انہوں نے منبر پر سورت نحل پڑھی یہاں تک کہ جب سجدے کی آیت تک پہنچے تو اترے اور سجدہ کیا اور تمام لوگوں نے سجدہ کیا یہاں تک کہ جب دوسرا جمعہ آیا۔ اور وہی سورت پڑھی یہاں تک کہ جب سجدے کی آیت آئی تو فرمایا کہ اے لوگو ہم سجدہ کی آیت پڑھ کر گزر جاتے ہیں جس نے سجدہ کیا تو اس نے درست کیا اور جس نے سجدہ نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں۔

اور عمر نے سجدہ نہیں کیا اور نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سجدہ فرض نہیں کیا بجز اس کے کہ ہماری مرضی پر منحصر ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1034)

اَتٰۤی اَمۡرُ اللّٰہِ فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡہُ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۝
اللہ کا حکم آ گیا، لہٰذا اس کے جلد آنے کا مطالبہ نہ کرو، وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔

مشرکین کا جلد عذاب کو طلب کرنے کا بیان

لَمَّا اسۡتَبۡطَأَ الۡمُشۡرِکُونَ الۡعَذَاب نَزَلَ "أَتَى أَمۡر اللَّه" أَيۡ السَّاعَة وَأَتَى بِصِيغَةِ الۡمَاضِي لِتَحَقُّقِ وُقُوعه أَيۡ قَرُبَ "فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوهُ" تَطۡلُبُوهُ قَبۡل حِينه فَإِنَّهُ وَاقِع لَا مَحَالَةَ "سُبۡحَانه" تَنۡزِيهًا لَهُ "وَتَعَالَى عَمَّا يُشۡرِكُونَ" بِهِ غَيۡره

جب مشرکین نے جلد عذاب آنے کا مطالبہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اللہ کا حکم یعنی قیامت جس کا وقوع قریب ہے۔ یہاں اتی صیغہ ماضی کا استعمال ہوا ہے کیونکہ اس کا وقوع محقق ہے۔ لہٰذا تم اس کے وقت سے پہلے اس کا مطالبہ نہ کرو۔ کیونکہ وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ومنزہ ہے اور بلند ہے اس سے جو تم اس کے ساتھ غیروں کو شریک بناتے ہو۔

قیامت کے جلد آنے کا بیان

امام تفسیر امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے قریب مغرب کی جانب سے ڈھال کی طرح کا سیاہ ابر نمودار ہوگا اور وہ بہت جلد آسمان پر چڑھے گا پھر اس میں سے ایک منادی کرے گا لوگ تعجب سے ایک دوسرے سے کہیں گے میاں کچھ سنا بھی؟ بعض ہاں کہیں گے اور بعض بات کو اڑا دیں گے وہ پھر دوبارہ ندا کرے گا اور کہے گا اے لوگو! اب تو سب کہیں گے کہ ہاں صاحب آواز تو آئی۔ پھر وہ تیسری دفعہ منادی کرے گا اور کہے گا اے لوگو امر الٰہی آ پہنچا اب جلدی نہ کرو۔ اللہ کی قسم دو شخص جو کسی کپڑے کو پھیلائے ہوئے ہوں گے سمیٹنے بھی نہ پائیں گے جو قیامت قائم ہو جائے گی کوئی اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہوگا ابھی پانی بھی پلا نہ پایا ہوگا جو قیامت آ جائے گی دودھ دوہنے والے پی بھی نہ سکیں گے کہ قیامت آ جائے گی ہر ایک نفسا نفسی میں

لگ جائے گا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نحل، بیروت)

قیامت کے قریب ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت قریب ہوگی تو مومن کا خواب جھوٹا نہیں ہوگا اور مومن کا خواب نبوت کے چھالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے محمد (ابن سیرین) کہتے ہیں کہ میں بھی یہی کہتا ہوں، ابن سیرین نے کہا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک تو نفس کے خیالات، دوسرے شیطان کی طرف سے ڈرایا جانا تیسرے اللہ کی طرف سے خوشخبری اس لئے جو شخص کوئی مکروہ چیز دیکھے تو اس کو کسی سے بیان نہ کرے اور اٹھ کر نماز پڑھے اور نیند میں طوق سے دیکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور بیڑی کو پسند کرتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ بیڑی سے مراد دین میں ثابت قدمی ہے اور قتادہ اور یونس اور ہشام اور ابوہلال نے بواسطہ ابن سیرین ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا ہے اور بعضوں نے ساری باتیں حدیث ہی میں درج کر دیں اور عوف کی حدیث زیادہ واضح ہے اور یونس نے کہا میں قید کے متعلق روایت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خیال کرتا ہوں ابوعبداللہ نے کہا اغلال گردنوں میں ہوتی ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1944)

جمعہ کے دن قیامت آنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورج نکلنے والے دنوں میں بہترین دن جمعہ کا دن ہے اس میں آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی اسی دن آپ جنت میں داخل کئے گئے اسی دن آپ جنت سے نکالے گئے اور قیامت بھی جمعہ کے دن ہی قائم ہوگی۔

اس باب میں حضرت ابولبابہ سلیمان ابوذر سعید بن عبادہ اور اوس بن اوس سے بھی روایت ہے امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوہریرہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 475)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ویران واجاڑ ہونے والے اسلامی شہروں میں سب سے آخری نمبر مدینہ کا ہوگا۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1301)

مطلب یہ ہے کہ جب قیامت قریب ہوگی تو تمام آبادیاں اور شہر ویران واجاڑ ہو جائیں گے اور ان میں مدینہ سب سے آخر میں ویران واجاڑ ہوگا۔ گویا مدینہ کو یہ برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ۝
وہ فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے کہ انہیں ڈر سناؤ کہ
میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

فرشتوں کے ذریعے انبیائے کرام کی جانب وحی آنے کا بیان

"یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ" أَیْ جِبْرِیل "بِالرُّوحِ" بِالْوَحْیِ "مِنْ أَمْرِہٖ" بِإِرَادَتِہٖ "عَلٰی مَنْ یَشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ" وَھُمْ الْأَنْبِیَاءُ "أَنْ" مُفَسِّرَۃ "أَنْذِرُوا" خَوِّفُوا الْکَافِرِینَ بِالْعَذَابِ وَأَعْلِمُوھُمْ "أَنَّہٗ لَا إِلٰہَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِی" خَافُونِ

وہی فرشتوں یعنی جبرائیل علیہ السلام کو وحی کے ساتھ اپنے حکم یعنی اپنے ارادے سے اپنے بندوں میں سے جو انبیائے کرام ہیں جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ یہاں پر لفظ اَن مفسرہ ہے۔ کہ لوگوں یعنی کفار کو عذاب کا ڈر سناؤ اور ان کو بتادو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا تم مجھ سے ڈرو۔

روح کے مختلف معانی کا بیان

لفظ رُوح سے مراد اس آیت میں بقول ابن عباس اور بقول بعض مفسرین ہدایت ہے۔ روح کا لفظ قرآن میں مندرجہ ذیل تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ روح بمعنی وہ لطیف جوہر جو جاندار میں موجود ہے اور جس کی وجہ سے اس جاندار کے اعضاء و جوارح حرکت کرتے ہیں اور جب یہ روح نکل جاتی ہے تو جاندار بے جان ہوجاتا یا مرجاتا ہے جس طرح اس روح کی حقیقت کا علم انسان کو بہت کم دیا گیا ہے اسی طرح روح کے معانی پر احاطہ کرنا بھی انسان کی دسترس سے باہر ہے۔

روح بمعنی فرشتہ جیسے فرمایا: (فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا 17) -19مریم:17)

(یعنی ہم نے مریم کی طرف اپنی روح یا فرشتہ بھیجا جو ایک تندرست انسان کی شکل بن گیا) روح سے مراد عام فرشتہ بھی ہوسکتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام بھی۔ مگر جب روح القدس یا روح الامین کا لفظ آئے تو اس سے مراد صرف سیّدنا جبرئیل علیہ السلام ہوں گے۔

روح بمعنی وہ پیغام جو فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور اس سے مراد وحی بھی ہوسکتا ہے اور سارا قرآن بھی۔ روح کے ساتھ جب من الامر یا من امر کے الفاظ آئیں تو اس سے مراد وحی ہی ہوتی ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے بالروح من امرہ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

(وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ 52) -42 الشوری:52)

اس مقام پر روح سے مراد پورا قرآن ہے نیز ایک دوسرے مقام پر وحی یا رسالت کے معنوں میں اس طرح آیا ہے۔

(یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ 15) -40غافر:15)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا پیغام نازل کرتا ہے۔ اور اس مقام پر جو وحی کے لیے روح کا لفظ استعمال فرمایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح جسمانی زندگی کے لیے روح کی ضرورت ہوتی ہے کہ اگر روح نہ رہے تو زندگی ختم

ہو جاتی ہے۔ اسی طرح صالح طرز زندگی یا نظام حیات کے لیے وحی الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر صالح نظام قائم ہو ہی نہیں سکتا اور اگر وحی الٰہی کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو اس نظام کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی اور فاسد نظام رائج ہو جاتا ہے۔

(بحر محیط، سورہ نحل، بیروت)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○
اُسی نے آسمانوں اور زمین کو درست تدبیر کے ساتھ پیدا فرمایا، وہ ان چیزوں سے برتر ہے جنہیں کفار شریک ٹھہراتے ہیں۔

زمین وآسمان کی تخلیق کے حق ہونے کا بیان

"خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض بِالْحَقِّ" أَيْ مُحِقًّا "تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ" بِهِ مِنْ الْأَصْنَام

اُسی نے آسمانوں اور زمین کو درست تدبیر یعنی حق کے ساتھ پیدا فرمایا، وہ ان چیزوں سے برتر ہے جن بتوں کو کفار شریک ٹھہراتے ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار مقامات پر شرک کی تردید میں زمین اور آسمانوں کی پیدائش کو ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ایک ایک چیز میں ہم آہنگی ہے۔ کائنات کا ہر کل پرزہ دوسرے کی تائید و توثیق کر رہا ہے۔ پھر اس کائنات کے نظام میں بے شمار فوائد، حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اور سب نتائج تعمیری قسم کے پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر اس کائنات کی تخلیق میں کوئی دوسرا بھی شریک ہوتا تو ایسا نظام وجود میں آ ہی نہ سکتا تھا اور اگر بالفرض محال آ بھی جاتا تو فوراً درہم برہم ہو جاتا۔ گویا کائنات کی ایک ایک چیز اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ اس خالق کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○
اُسی نے انسان کو ایک تولیدی قطرہ سے پیدا فرمایا، پھر بھی وہ کھلا جھگڑالو بن گیا۔

عاجز انسان کے جھگڑالو ہونے کا بیان

"خَلَقَ الْإِنْسَان مِنْ نُطْفَة" مَنِيّ إِلَى أَنْ صَيَّرَهُ قَوِيًّا شَدِيدًا "فَإِذَا هُوَ خَصِيم" شَدِيد الْخُصُومَة "مُبِين" بَيِّنهَا فِي نَفْي الْبَعْث قَائِلًا "مَنْ يُحْيِي الْعِظَام وَهِيَ رَمِيم"

اُسی نے انسان کو ایک تولیدی قطرہ یعنی منی سے پیدا فرمایا، پھر اس کو طاقتور بنا دیا پھر بھی وہ کھلا جھگڑالو بن گیا۔ یعنی وہ سخت جھگڑا کرنے والا بن گیا۔ اور مبین سے مراد یہ ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہونے کی نفی کرتا ہے کہ کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا جبکہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔

سورہ نحل آیت ۴ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت اُبی ابن خلف کے حق میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کسی مردے کی گلی ہوئی

ہڈی اٹھالایا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہڈی کو زندگی دے گا؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور نہایت نفیس جواب دیا گیا کہ ہڈی تو کچھ نہ کچھ عضوی شکل رکھتی بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ تو مَنی کے ایک چھوٹے سے بے حس وحرکت قطرے سے تجھ جیسا جھگڑالو انسان پیدا کر دیتا ہے، یہ دیکھ کر بھی تو اس کی قدرت پر ایمان نہیں لاتا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، لاہور)

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ ایک بوسیدہ ہڈی رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آیا اور اس نے کہا اے محمد ﷺ کیا تم خیال کرتے ہو کہ اللہ اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا؟ اس آیت کی نظیر سورہ یاسین میں اللہ کا فرمان یہ ہے۔ (اولم یر الانسان انا خلقنه سورہ یسین 77) الیٰ آخر السورۃ) پھر انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا پھر تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا۔ یہ آیت بھی اسی قصہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (نیسابوری 234، سیوطی 162، زادالمسیر 4-429)

روح پرواز ہونے کے وقت صدقہ کرنے کا بیان

حضرت بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ پر تھوکا اور اس پر انگلی رکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم! تو مجھے کس طرح عاجز کر سکتا ہے جبکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے؟ جب میں نے تجھے برابر اور معتدل بنا دیا تو تو دو چادروں کے درمیان چلنے لگا اور زمین پر تیری چاپ سنائی دینے لگی، تو جمع کر کے روک کر رکھتا رہا، جب روح نکل کر ہنسلی کی ہڈی میں پہنچی تو کہتا ہے کہ میں یہ چیز صدقہ کرتا ہوں، لیکن اب صدقہ کرنے کا وقت کہاں رہا؟ یہ حدیث اس کے علاوہ دوسری سند سے بھی روایت ہے۔ (مسند احمد: جلد ہفتم: حدیث نمبر 964)

اس نے انسان کا سلسلہ نطفے سے جاری رکھا ہے جو ایک پانی ہے۔ حقیر و ذلیل یہ جب ٹھیک ٹھاک بنا دیا جاتا ہے تو اکڑ فوں میں آجاتا ہے رب سے جھگڑنے لگتا ہے رسولوں کی مخالفت پر تل جاتا ہے۔ بندہ تھا چاہئے تو تھا کہ بندگی میں لگا رہتا لیکن یہ تو زندگی کرنے لگا۔ اور آیت میں ہے اللہ نے انسان کو پانی سے بنایا اس کا نسب اور سسرال قائم کیا۔ اللہ قادر ہے رب کے سوا یہ ان کی پوجا کرنے لگے ہیں جو بے نفع اور بے ضرر ہیں کافر کچھ اللہ سے پوشیدہ نہیں۔ سورہ یاسین میں فرمایا کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ تو بڑا ہی جھگڑالو نکلا۔ ہم پر بھی باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش بھول گیا کہنے لگا کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم ان سے کہہ دو کہ انہیں وہ خالق اکبر پیدا کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا وہ تو ہر طرح کی مخلوق کی پیدائش کا پورا عالم ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○
اور اسی نے تمہارے لئے چوپائے پیدا فرمائے، ان میں تمہارے لئے گرم لباس ہے اور فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

مویشی جانوروں میں تمہارے لئے فوائد ہونے کا بیان

"وَالْأَنْعَام" الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم وَنَصْبه بِفِعْلٍ مُقَدَّر يُفَسِّرهُ : "خَلَقَهَا لَكُمْ" مِنْ جُمْلَة النَّاس "فِيهَا دِفْء" مَا تَسْتَدْفِئُونَ بِهِ مِنْ الْأَكْسِيَة وَالْأَرْدِيَة مِنْ أَشْعَارهَا وَأَصْوَافهَا "وَمَنَافِع" مِنْ النَّسْل وَالدَّرّ وَالرُّكُوب "وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ" قَدَّمَ الظَّرْف لِلْفَاصِلَةِ،

اور اُسی نے تمہارے لئے چوپائے یعنی اونٹ ،گائے اور بکریاں پیدا فرمائیں، یہاں لفظ انعام فعل کے مقدر کے سبب منصوب ہے۔ جو اس کی تفسیر کررہا ہے۔ ان میں تمہارے لئے یعنی تمام لوگوں کیلئے گرم لباس ہے۔ یعنی ان کے بالوں اور ان کی اون سے کپڑے اور دیگر ملبوسات بناتے ہو اور دوسرے فوائد ہیں یعنی نسلی افزائش، دودھ اور سواری ہے۔ اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ یہاں پر ظرف کو بہ طور فاصل کے مقدم کیا گیا ہے۔

ان کے بال اون صوف وغیرہ کا گرم لباس اور جڑاول بنتی ہے دودھ پیتے ہیں گوشت کھاتے ہیں۔ شام کو جب وہ چر چگ کر واپس آتے ہیں، بھری ہوئی کوکھوں والے، بھرے ہوئے تھنوں والے، اونچی کوہانوں والے، کتنے بھلے معلوم ہوتے ہیں اور جب چراگاہ کی طرف جاتے ہیں کیسے پیارے معلوم ہوتے ہیں پھر تمہارے بھاری بھاری بوجھ ایک شہر سے دوسرے شہر تک اپنی کمر پر لاد کر لے جاتے ہیں کہ تمہارا وہاں پہنچنا بغیر آدھی جان کئے مشکل تھا۔ حج وعمرہ کے، جہاد کے، تجارت کے اور ایسے ہی اور سفر انہیں پر ہوتے ہیں تمہیں لے جاتے ہیں تمہارے بوجھ ڈھوتے ہیں۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○
اور ان میں تمہارے لئے رونق ہے جب تم شام کو چراگاہ سے لاتے ہو اور جب تم صبح کو لے جاتے ہو۔

مواشیوں کو چراگاہ میں لے جانے اور واپس لانے کا بیان

"وَلَكُمْ فِيهَا جَمَال" زِينَة "حِين تُرِيحُونَ" تَرُدُّونَهَا إِلَى مَرَاحهَا بِالْعَشِيِّ "وَحِين تَسْرَحُونَ" تُخْرِجُونَهَا إِلَى الْمَرْعَى بِالْغَدَاةِ،

اور ان میں تمہارے لئے جمال یعنی خوبصورتی ہے جب تم شام کو چراگاہ سے واپس لاتے ہو اس وقت وہ تمہیں خوبصورت لگتے ہیں۔ اور جب تم صبح کو چرانے کے لئے لے جاتے ہو۔

مویشیوں سے شان وشوکت کا اظہار

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قبیلہ حمیر کے ایک آدمی نے دشمنوں کے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور جب اس نے اس کا سامان لینے کا ارادہ کیا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس سامان کو روک لیا وہ ان پر نگران تھے پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

خالد سے فرمایا کہ تجھے کس نے اس کو سامان دینے سے منع کیا حضرت خالد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں نے (اس سامان کو) بہت زیادہ سمجھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے سامان دے دو پھر حضرت خالد، حضرت عوف کے پاس سے گزرے تو انہوں نے حضرت خالد کی چادر کھینچی پھر فرمایا کیا میں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تھا وہی ہوا ہے نا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن لی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو خالد تو اسے نہ دے اے خالد تو اسے نہ دے کیا تم میرے نگرانوں کو چھوڑنے والے ہو کیونکہ تمہاری اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے اونٹ یا بکریاں چرانے کے لئے لیں پھر ان جانوروں کے پانی پینے کا وقت دیکھ کر ان کو حوض پر لایا اور انہوں نے پانی پینا شروع کر دیا تو صاف صاف پانی انہوں نے پی لیا اور تلچھٹ چھوڑ دیا تو صاف یعنی عمدہ چیزیں تمہارے لئے ہیں اور بری چیز نگرانوں کے لئے ہیں۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 73)

اہل عرب کا اکثر پیشہ ریوڑ پالنا ہوتا تھا اور یہ ریوڑ عموماً بھیڑ بکریوں اور اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ خچر، گدھے اور گھوڑے بھی ہوتے تھے مگر نسبتاً کم ہوتے تھے۔ قریش مکہ تو تاجر پیشہ لوگ تھے اور ان کا مال و دولت نقدی درہم و دینار کی صورت میں ہوتا تھا۔ جبکہ عام قبائل عرب کے مالدار ہونے کی علامت یہی جانور تھے۔ جس کے پاس جتنے زیادہ جانور ہوتے اتنا ہی وہ مالدار سمجھا جاتا تھا اور یہی جانور اسکی چلتی پھرتی دولت سمجھے جاتے تھے اسی میں اس کی شان و شوکت ہوتی تھی۔ شام کے وقت ایسے گلوں اور ریوڑوں کے مالک ان کی انتظار میں اپنی آبادیوں یا گاؤں سے باہر نکل کر بیٹھتے۔ یہ مویشی جب چر چگ کر اور سیر ہو کر شام کو گھر واپس آتے تو اس کے مالک انہیں دیکھ کر پھولے نہ سماتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کے واپس آنے کا پہلے ذکر فرمایا اور صبح جانوروں کی روانگی کے وقت بھی عجب گہما گہمی اور مسرت کی کیفیت ہوتی تھی۔ اسی مسرت اور ٹھاٹھ کی کیفیت کو اللہ نے ذکر فرمایا۔ جو دوسرے فوائد سے زائد تھی۔

جب ڈھور ڈنگر گھر میں بندھے کھڑے ہوں یا جنگل میں غائب ہوں اس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب چرنے کے لیے گھر سے نکلتے یا شام کو جنگل سے شکم سیر ہو کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ خدا نے فلاں زمیندار کو کیسا دھن دولت دیا ہے۔

وَتَحۡمِلُ اَثۡقَالَكُمۡ اِلٰى بَلَدٍ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا بٰلِغِيۡهِ اِلَّا بِشِقِّ الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ۞
اور یہ تمہارے بوجھ ان شہروں تک اٹھا لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر جانکاہ مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے،
بیشک تمہارا رب نہایت شفقت والا نہایت مہربان ہے۔

سامان اٹھانے کیلئے حیوانات کی خدمات کا بیان

"وَتَحۡمِلُ أَثۡقَالَكُمۡ" أَحۡمَالَكُمۡ "إِلَى بَلَد لَمۡ تَكُونُوا بَالِغِيهِ" وَاصِلِينَ إلَيۡهِ عَلَى غَيۡر الۡإِبِل "إِلَّا بِشِقِّ الۡأَنۡفُس" بِجَهۡدِهَا "إِنَّ رَبّكُمۡ لَرَءُوف رَحِيم" بِكُمۡ حَيۡثُ خَلَقَهَا لَكُمۡ،

اور یہ جانور تمہارے بوجھ بھی ان شہروں تک اٹھالے جاتے ہیں جہاں تم بغیر جانکاہ مشقت کے نہیں پہنچ سکتے تھے، جہاں تم اونٹوں کے بغیر نہیں پہنچ سکتے، بیشک تمہارا رب نہایت شفقت والا نہایت مہربان ہے۔ کیونکہ اس نے ان حیوانات کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔

کئی اقسام کے جانور بوجھ اٹھا کر دور دراز کے ایسے علاقوں تک لے جاتے ہیں، جہاں تم اپنے آپ کو سخت مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ یہ جانور تمہارے ڈنڈے کھاتے ہوئے، سر جھکائے تمہارے حکم وارشاد کے مطابق چلے جاتے ہیں۔ نہ تم سے کسی اجرت ومزدوری کا کوئی سوال کرتے ہیں اور نہ تم پر کوئی احسان جتلاتے ہیں۔ حالانکہ وہ بھی مخلوق اور تم بھی مخلوق۔ پھر تم کیوں نہیں سوچتے اور غور کرے اے بے انصاف اور ناشکرے لوگو! کہ کون ہے وہ ذات اقدس جس نے ان کو اس طرح تمہارا تابع فرمان کردیا؟ اور کیا حق ہے اس محسن حقیقی جل جلالہ کا تم لوگوں پر؟ اور تم کیوں غور نہیں کرتے کہ یہ جانور محض تمہارے بھوسے اور چارے کے عوض تمہارے اس طرح تابع اور اس قدر فرمانبردار بنے ہوئے ہیں۔ تو تم پر یہ فریضہ کس شدت سے عائد ہوتا ہے کہ تم اپنے اس خالق ومالک کے حضور صدق دل سے جھک جاو اور ہمیشہ جھکے رہو جس نے تمہیں وجود بخشا اور تمہیں اس قدر عظیم الشان نعمتوں سے سرفراز فرمایا کہ تمہارا وجود سرتاپا اس کی نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے اور اس کے حضور جھکنا اس کا تم پر حق بھی ہے اور اس میں خود تمہارا ہی بھلا بھی ہے اور آخرت دونوں میں۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ٥
اور گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سواری کرسکو اور وہ باعثِ زینت بھی ہوں،
اور وہ پیدا فرمائے گا جنہیں تم نہیں جانتے۔

حیوانات کا بہ طور سواری وباعث زینت ہونے کا بیان

"وَ" خَلَقَ "الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً" مَفْعُول لَهُ وَالتَّعْلِيل بِهِمَا بِتَعْرِيفِ النِّعَم لَا يُنَافِي خَلْقَهَا لِغَيْرِ ذَلِكَ كَالْأَكْلِ فِي الْخَيْل الثَّابِت بِحَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ "وَيَخْلُق مَا لَا تَعْلَمُونَ" مِنْ الْأَشْيَاء الْعَجِيبَة الْغَرِيبَة،

اور گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تا کہ تم ان پر سواری کرسکو اور وہ باعثِ زینت بھی ہوں، یہاں پر یہ دونوں مفعول لہ ہے۔ اور زینت ورکوب کو علت قرار دینا یہ نعمتوں کی تعریف کیلئے ہے جبکہ اس کے سوا کیلئے ان تخلیق منافی نہیں ہے جس طرح گھوڑا جبکہ وہ کھانے کیلئے ہو جس طرح بخاری ومسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور وہ مزید ایسی باز ینت سواریوں کو بھی پیدا فرمائے گا جنہیں تم آج نہیں جانتے۔ یعنی عجیب وغریب اشیاء کی ایجاد ہوگی۔ (جیسا کہ دور حاضر میں جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے فضائی اور غیر فضائی سواریاں ہیں)۔

سواری کے جانوروں کے فوائد کا بیان

یہاں سے ایک نعمت بیان کیا جارہا ہے کہ زینت کے لئے اور سواری کے لئے اس نے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے ہیں بڑا مقصد ان جانوروں کی پیدائش سے انسان کا ہی فائدہ ہے۔ انہیں اور چوپایوں پر فضیلت دی اور علیحدہ ذکر کیا۔

اس وجہ سے بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی دلیل اس آیت سے لی ہے۔ جیسے امام ابوحنیفہ اور ان کی موافقت کرنے والے فقہا کہتے ہیں کہ خچر اور گدھے کے ساتھ گھوڑے کا ذکر ہے اور پہلے کے دونوں جانور حرام ہیں اس لئے یہ بھی حرام ہوا چنانچہ خچر اور گدھے کی حرمت احادیث میں آئی ہے اور اکثر علماء کا مذہب بھی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ان تینوں کی حرمت آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں چوپایوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہیں تو کھاتے ہو پس یہ تو ہوئے کھانے کے جانور اور ان تینوں کا بیان کر کے فرمایا کہ ان پر تم سواری کرتے ہو پس یہ ہوئے سواری کے جانور۔

مسند کی حدیث میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے خچروں کے اور گدھوں کے گوشت کو منع فرمایا ہے لیکن اس کے راویوں میں ایک راوی صالح ابن یحییٰ بن مقدام ہیں جن میں کلام ہے۔ مسند کی اور حدیث میں مقدام بن معدی کرب سے منقول ہے کہ ہم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں تھے، میرے پاس میرے ساتھی گوشت لائے، مجھ سے ایک پتھر مانگا میں نے دیا۔ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں تھے لوگوں نے یہودیوں کے کھیتوں پر جلدی کر دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کر دوں کہ نماز کے لئے آ جائیں اور مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آئے پھر فرمایا کہ اے لوگو تم نے یہودیوں کے باغات میں گھسنے کی جلدی کی سنو معاہدہ کا مال بغیر حق کے حلال نہیں اور پالتو گدھوں کے اور گھوڑوں کے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک کچلیوں والا درندہ اور ہر ایک پنجے سے شکار کھیلنے والا پرندہ حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت یہود کے باغات سے شاید اس وقت تھی جب ان سے معاہدہ ہو گیا۔ پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو بیشک گھوڑے کی حرمت کے بارے میں تو نص تھی لیکن اس میں بخاری و مسلم کی حدیث کے مقابلے کی قوت نہیں جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پالتو گدھوں کے گوشت کو منع فرما دیا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔ اور حدیث میں ہے کہ ہم نے خیبر والے دن گھوڑے اور خچر اور گدھے ذبح کئے تو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر اور گدھے کے گوشت سے تو منع کر دیا لیکن گھوڑے کے گوشت سے نہیں روکا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے مدینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گھوڑا ذبح کیا اور اس کا گوشت کھایا۔ پس یہ سب سے بڑی سب سے قوی اور سب سے زیادہ ثبوت والی حدیث ہے اور یہی مذہب جمہور علماء کا ہے۔ مالک، شافعی، احمد، ان کے سب ساتھی اور اکثر سلف وخلف یہی کہتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ پہلے گھوڑوں میں وحشت اور جنگلی پن تھا اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

لئے اسے مطیع کر دیا۔ وہب نے اسرائیلی روایتوں میں بیان کیا ہے کہ جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ان تینوں جانوروں پر سواری لینے کا جواز تو قرآن کے لفظوں سے ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر ہدیے میں دیا گیا تھا جس پر آپ سواری کرتے تھے ہاں یہ آپ نے منع فرمایا ہے کہ گھوڑوں کو گدھیوں سے ملایا جائے۔

یہ ممانعت اس لئے ہے کہ نسل منقطع نہ ہو جائے۔ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم گھوڑے اور گدھی کے ملاپ سے خچر لیں اور آپ اس پر سوار ہوں آپ نے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو علم سے کورے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نحل، بیروت)

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝
اور درمیانی راہ اللہ پر جا پہنچتی ہے اور اس میں سے کئی ٹیڑھی راہیں بھی ہیں، اور اگر وہ چاہتا تو تم سب ہی کو ہدایت فرما دیتا۔

سیدھے راستے پر کی ہدایت کا بیان

"وَعَلَى اللّٰه قَصْد السَّبِيل " أَيْ بَيَان الطَّرِيق الْمُسْتَقِيم "وَمِنْهَا" أَيْ السَّبِيل "جَائِر" حَائِد عَنْ الِاسْتِقَامَة "وَلَوْ شَاءَ" هِدَايَتكُمْ "لَهَدَاكُمْ" إلَى قَصْد السَّبِيل "أَجْمَعِينَ" فَتَهْتَدُونَ إلَيْهِ بِاخْتِيَارٍ مِنْكُمْ،

اور درمیانی راہ اللہ پر جا پہنچتی ہے یہاں پر صراط مستقیم کا بیان ہے۔ اور اس میں سے کئی ٹیڑھی راہیں بھی ہیں، یعنی جو راستے صراط مستقیم کے سوا ہیں۔ اور اگر وہ چاہتا تو تم سب ہی کو ہدایت فرما دیتا۔ یعنی تم ہدایت پا کر اس راستے کو اختیار کرتے۔

تقویٰ بہترین زادراہ ہے

دنیوی راہیں طے کرنے کے اسباب بیان فرما کر اب دینی راہ چلنے کے اسباب بیان فرماتا ہے۔ محسوسات سے معنویات کی طرف رجوع کرتا ہے قرآن میں اکثر بیانات اس قسم کے موجود ہیں سفر حج کے توشہ کا ذکر کر کے تقوے کے توشے کا جو آخرت میں کام دے بیان ہوا ہے ظاہری لباس کا ذکر فرما کر لباس تقویٰ کی اچھائی بیان کی ہے اسی طرح یہاں حیوانات سے دنیا کے کٹھن راستے اور دراز سفر طے ہونے کا بیان فرما کر آخرت کے راستے دینی راہیں بیان فرمائیں کہ سچا راستہ اللہ سے ملانے والا ہے رب کی سیدھی راہ وہی ہے اسی پر چلو دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ بہک جاؤ گے اور سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ گے۔ فرمایا میری طرف پہنچنے کی سیدھی راہ یہی ہے جو میں نے بتائی ہے طریق جو اللہ سے ملانے والا ہے اللہ نے ظاہر کر دیا ہے اور وہ دین اسلام ہے جسے اللہ نے واضح کر دیا ہے اور ساتھ ہی دوسرے راستوں کی گمراہی بھی بیان فرما دی ہے۔ پس سچا راستہ ایک ہی ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے باقی اور راہیں غلط راہیں ہیں، حق سے الگ تھلگ ہیں، لوگوں کی اپنی ایجاد ہیں جیسے یہودیت نصرانیت مجوسیت وغیرہ۔ پھر فرماتا ہے کہ ہدایت رب کے قبضے کی چیز ہے اگر چاہے تو روئے زمین کے لوگوں کو نیک راہ پر لگا دے

زمین کے تمام باشندے مومن بن جائیں سب لوگ ایک ہی دین کے عامل ہو جائیں لیکن یہ اختلاف باقی ہی رہے گا مگر جس پر اللہ رحم فرمائے۔اسی کے لئے انہیں پیدا کیا ہے تیرے رب کی بات پوری ہو کر ہی رہے گی کہ جنت دوزخ انسان سے بھر جائے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○
وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان کی جانب سے پانی اتارا، اس میں سے پینے کا ہے
اور اسی میں سے شجر کاری کا ہے جن میں تم چراتے ہو۔

پانی کے ذریعے نباتات کے پیدا ہونے کا بیان

"هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء لَكُمْ مِنْهُ شَرَاب "تَشْرَبُونَهُ "وَمِنْهُ شَجَر "يَنْبُت بِسَبَبِهِ "فِيهِ تُسِيمُونَ" تَرْعَوْنَ دَوَابّكُمْ

وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان کی جانب سے پانی اتارا، اس میں سے پینے کا ہے اور اسی میں سے شجر کاری کا ہے یعنی پانی سے اگتے ہیں۔جن میں سے مواشی تم چراتے ہو۔

ایک ہی پانی سے مختلف مزے کے، مختلف شکل وصورت کے، مختلف خوشبو کے طرح طرح کے پھل پھول وہ تمہارے لئے پیدا کرتا ہے پس یہ سب نشانیاں ایک شخص کو اللہ کی وحدانیت جاننے کے لئے کافی ہیں اسی کا بیان اور آیتوں میں اس طرح ہوا ہے کہ آسمان وزمین کا خالق، بادلوں سے پانی برسانے والا، ان سے ہرے بھرے باغات پیدا کرنے والا، جن کے پیدا کرنے سے تم عاجز تھے اللہ ہی ہے اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں پھر بھی لوگ حق سے ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○
اُسی پانی سے تمہارے لئے کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے،
بیشک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

نباتات سے استدلال توحید کا بیان

"يُنْبِت لَكُمْ بِهِ الزَّرْع وَالزَّيْتُون وَالنَّخِيل وَالْأَعْنَاب وَمِنْ كُلّ الثَّمَرَات إنَّ فِي ذَلِكَ " الْمَذْكُور "لَآيَةً" دَالَّة عَلَى وَحْدَانِيّته تَعَالَى "لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" فِي صُنْعه فَيُؤْمِنُونَ،

اُسی پانی سے تمہارے لئے کھیت اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے، یعنی اس آیت میں ذکر کردہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہیں۔ بیشک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔ تاکہ وہ ایمان لائیں۔

نظام کائنات سے استدلال توحید کا بیان

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کا ذکر کیا جن سے انسان لحمی غذائیں، روغن اور دوسرے فوائد حاصل کرتا ہے۔ ان دو آیات میں ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جو ہمارے جسم کے لئے نباتاتی غذاؤں کا کام دیتی ہیں۔ اور ان آیات میں جس بات کی طرف غور وفکر کرنے کی توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے اسی پانی سے تم خود بھی سیراب ہوتے ہو اور تمہارے ہی لیے زمین بھی سیراب ہوتی اور تمہارے لیے پانی کا ذخیرہ بھی محفوظ رکھتی ہے۔ پھر یہی ایک ہی قسم کا پانی، ایک ہی زمین، ایک ہی ہوا اور ایک ہی سورج ہے لیکن زمین سے ایک نہیں بلکہ لاکھوں قسموں کی نباتات اگ آتی ہیں۔ جھاڑیاں، جڑی بوٹیاں، غلے اور بے پھل اور پھل دار درخت پھر ان پودوں، غلوں اور پھلدار درختوں کی بھی بے شمار اقسام ہیں۔ جن میں سے کچھ تمہارے مویشیوں کی خوراک بنتی ہیں اور کچھ تمہاری خوراک کا کام دیتی ہیں۔ کیا یہ سمندروں سے بخارات کا اٹھنا، پھر بادلوں کی صورت میں رواں ہونا، پھر بارش کی شکل میں ان کا برسنا پھر اسی پانی کا زمین کو سیراب کرنا۔ زمین کا سب جانداروں کے لیے خوراک مہیا کرنا۔ پھر فالتو پانی کا ندی نالوں کی صورت میں بہہ کر دوسرے علاقوں کی زمین کو سیراب کرنا اور زائد پانی کا پھر سمندر میں جا گرنا۔ اور پھر سمندر سے بخارات بننا۔ اس پورے چکر میں تمہارے لیے بھی اور تمہارے مویشیوں کے لیے خوراک کا انتظام تو ہو گیا لیکن کیا یہ نظام از خود ہی چل رہا ہے؟ یا اسے کوئی حکیم وخبیر ہستی چلا رہی ہے؟ یا کیا اس پورے نظام میں اللہ کے سوا کسی دوسرے شریک کی کوئی مداخلت کہیں نظر آتی ہے؟ اگرچہ اس پورے نظام کے لیے اللہ نے طبعی قوانین بنا دیئے ہیں پھر بھی اس سارے نظام کی باگ ڈور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک ہی مقام پر ایک مقررہ موسم میں کسی سال بارش بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور کبھی بہت کم۔ اگر یہ محض طبعی قوانین کا کھیل ہوتا تو ایسا ہونا ناممکن تھا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۗ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝
اور اُسی نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، اور تمام ستارے بھی اُسی کی تدبیر کے پابند ہیں،
بیشک اس میں عقل رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

سورج اور چاند وغیرہ کی تسخیر کا بیان

"وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْس" بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى مَا قَبْله وَالرَّفْع مُبْتَدَأ "وَالْقَمَر وَالنُّجُوم" بِالْوَجْهَيْنِ "مُسَخَّرَات" بِالنَّصْبِ حَال وَالرَّفْع خَبَر "بِأَمْرِهِ" بِإِرَادَتِهِ "إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَات لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" يَتَدَبَّرُونَ،

اور اُسی نے تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا، یہاں لفظ شمس یہ ماقبل پر عطف کے سبب منصوب جبکہ

مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور چاند اور تمام ستارے بھی اُسی کی تدبیر کے پابند ہیں، قمر و نجوم کا اعراب بھی دونوں طرح سے ہے۔ مسخرات یہ منصوب ہے۔ اور خبر مرفوع ہے۔ بیشک اس میں عقل رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

سورج کا عرش کے نیچے سجدہ کرنے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب سورج غروب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں جاتا ہے میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج جاتا ہے حتیٰ کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے۔ پھر (طلوع ہونے کی) اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت مل جاتی ہے اور عنقریب وہ وقت آئے گا کہ یہ (جاکر) سجدہ کرے گا تو وہ مقبول نہ ہوگا اور (طلوع ہونے کی) اجازت چاہے گا تو اجازت نہ ملے گی بلکہ اسے حکم ہوگا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا اس وقت یہ مغرب سے طلوع ہوگا اور یہی اس آیت کریمہ کا مطلب ہے اور آفتاب اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اس کا جو زبردست ہے علم والا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 459)

چانداور سورج کی گردش کے مقاصد کا بیان

اس آیت میں انسان کی ایک اور اہم ضرورت کا ذکر ہے یعنی انسان جب تک پوری طرح آرام نہ کرلے وہ آگے نہ کام کرسکتا ہے نہ زندہ رہ سکتا ہے۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کے ایک مقررہ حساب کے تحت آنے جانے کا انتظام فرمادیا۔ سورج کی گردش سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ نیز سورج ہمیں روشنی بھی پہنچاتا ہے اور دھوپ اور حرارت بھی جو ہماری زندگی کے لیے نہایت ضروری چیزیں ہیں۔ اسی طرح چاند اور ستارے ہمیں رات کو روشنی بہم پہنچاتے ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو رات اس قدر تاریک اور گھناؤنی ہوجاتی ہے کہ راہ کا نظر آنا تو درکنار، انسان ایک دوسرے کو بھی دیکھ نہ سکتے۔ ان چیزوں کے علاوہ انسان کے لیے سورج، چاند اور ستاروں میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں اور یہ صرف اس وجہ سے حاصل ہورہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سیاروں کو انسان کی خدمت کے لیے مقررہ قواعد کا پابند بنادیا۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝
اور جو کچھ بھی اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا فرمایا ہے جن کے رنگ الگ الگ ہیں،
بیشک اس میں نصیحت قبول کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔

مختلف رنگوں کی تخلیق کا بیان

"وَ" سَخَّرَ لَكُمْ "مَا ذَرَاَ" خَلَقَ "لَكُمْ فِي الْاَرْض" "مِنَ الْحَيَوَان وَالنَّبَات وَغَيْر ذٰلِكَ "مُخْتَلِفًا اَلْوَانه"

كَأَحْمَر وَأَصْفَر وَأَخْضَر وَغَيْرِهَا "إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ" يَتَّعِظُونَ

اور جو کچھ بھی اس نے تمہارے لئے زمین میں حیوانات اور نباتات وغیرہ پیدا فرمائے ہے جن کے رنگ الگ الگ ہیں، جس طرح سرخ، زرد اور سبز وغیرہ ہیں۔ بیشک اس میں نصیحت قبول کرنے والے لوگوں کے لئے نشانی ہے۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وما ذرالکم۔ میں ماموصولہ ہے بمعنی الذی۔ اس جملہ کا عطف الیل آیۃ پر ہے۔ ای وسخر لکم ما ذرالکم۔ یا اس کا فعل محذوف ہے۔ ای خلق وابدع۔

ذرا یذرا (باب فتح) ذرء۔ مصدر ماضی کا صیغہ واحد مذکر غائب۔ اس نے پیدا کیا۔ اس نے پھیلایا۔ اس نے بکھیرا۔ وما ذرالکم فی الارض (اور اس نے ان چیزوں کو بھی پیدا کیا یا مسخر بنایا) جن کو اس نے تمہارے (فائدے کے) لئے زمین پر پھیلا دیا۔ مختلفا الوانه۔ یہ حال ہے فعل محذوف کا۔ الوانہ مضاف مضاف الیہ۔ الوان جمع لون کی جس کے معنی رنگ کے ہیں۔ کبھی الوان سے مراد کسی چیز کے انواع واقسام بھی مراد ہوتے ہیں چنانچہ محاورہ ہے الوان من الطعام قسم قسم کے کھانے۔

یہاں مختلف النوع اور مختلف اللون مراد ہو سکتے ہیں۔ یذکرون۔ مضارع جمع مذکر غائب ای یتعظون۔ نصیحت پکڑتے ہیں تذکر (تفعل) مصدر۔

ذوق جمال اور نباتات کی رنگینیوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے محض انسان کی ضروریات کو ہی ملحوظ نہیں رکھا بلکہ اس کے ذوق جمال کو بھی ہر کام میں ملحوظ رکھا ہے۔ رات کو اگر فضا صاف ہو تو یہی چاند اور ستارے انسان کو ایک بڑا حسین منظر پیش کرتے ہیں۔ پھر آپ کسی لہلہاتے کھیت میں جایئے۔ کسی باغ کی سیر کیجئے۔ وہاں بعض طویل القامت اور بعض چھوٹے درختوں کے مناظر دیکھئے۔ مختلف رنگ کے پھول دیکھئے۔ پھر ایک ہی پھول کے مختلف رنگ اور اس کی پنکھڑی اور کونپل کو ملاحظہ فرمایئے۔ پھر ان کی مہک اور خوشبو سے لطف اندوز ہویئے۔ یہ ان تمام اشیاء انسانوں کی ضرورتیں بھی پوری کرتی ہیں اور اس کے ذوق جمال کو تسکین دینے کے علاوہ اسے سُرور مہیا کرتی اور اس کی صحت پر بڑا خوشگوار اثر ڈالتی ہیں اور اگر انسان ان چیزوں کی تخلیق میں دھیان کرے تو اللہ کی قدرتوں پر بے اختیار عش عش کرنے لگتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ
وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝
اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا، تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی چیزیں نکالو، جنھیں تم پہنتے ہو۔
اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے، اس میں پانی کو چیرتی چلی جانے والی ہیں اور تاکہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

سمندروں کی تسخیر کا بیان

"وَهُوَ الَّذِی سَخَّرَ الْبَحْرَ " ذَلَّلَهُ لِرُكُوبِهِ وَالْغَوْص فِيهِ "لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا " هُوَ السَّمَك "وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَة تَلْبَسُونَهَا " هِيَ اللُّؤْلُؤ وَالْمَرْجَان "وَتَرَى" تُبْصِر "الْفُلْك" السُّفُن "مَوَاخِر فِيهِ" تَمْخُر الْمَاء أَيْ تَشُقّهُ بِجَرْيِهَا فِيهِ مُقْبِلَة وَمُدْبِرَة بِرِيحٍ وَاحِدَة "وَلِتَبْتَغُوا" عَطْف عَلَى لِتَأْكُلُوا تَطْلُبُوا "مِنْ فَضْله" تَعَالَى بِالتِّجَارَةِ "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" اللّٰه عَلَى ذَلِكَ،

اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا، یعنی تمہاری سواری کیلئے اوران میں غوطہ زنی کرنے کیلئے مسخر کر دیا ہے۔ تا کہ تم اس سے مچھلی کا تازہ گوشت کھاؤ اوراس سے زینت کی چیزیں یعنی لؤلؤ اور مرجان نکالو، جنھیں تم پہنتے ہو۔ یعنی تم دیکھتے ہو اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے، اس میں پانی کو چیرتی چلی جانے والی ہیں یعنی ایک ہی ہوا سے پانی کو آگے پیچھے کی طرف دھکیلتی ہیں۔ اور تا کہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو یہاں پر تبتغوا کا عطف تاکلوا پر ہے۔ یعنی تم تجارت کے ذریعے رزق تلاش کرو۔ اور تا کہ تم اس عطاء پر اللہ شکر کرو

سمندر کے پانی میں لؤلؤ ومرجان ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی اور مہربانی جتاتا ہے کہ سمندر پر دریا پر بھی اس نے تمہیں قابض کر دیا باوجود اپنی گہرائی کے اور اپنی موجوں کے وہ تمہارا تابع ہے، تمہاری کشتیاں اس میں چلتی ہیں۔ اسی طرح اس میں سے مچھلیاں نکال کر ان لولو اور جواہر اس نے تمہارے لئے اس میں پیدا کئے ہیں جنہیں تم سہولت سے نکال لیتے ہو اور بطور زیور کے اپنے کام میں لیتے ہو پھر اس کشتیاں ہواؤں کو ہٹاتی پانی کو چیرتی اپنے سینوں کے بل تیرتی چلی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کشی میں سوار ہوئے انہیں کو کشتی بنانا اللہ عالم نے سکھایا پھر لوگ برابر بناتے چلے آئے اور ان پر دریا کے لمبے لمبے سفر طے ہونے لگے اس پار کی چیزیں اس پار اور اس پار کی اس پار آنے جانے لگیں۔ اسی کا بیان اس میں ہے کہ تم اللہ کا فضل یعنی اپنی روزی تجارت کے ذریعہ ڈھونڈ و اور اس کی نعمت واحسان کا شکر مانو اور قدر دانی کرو۔

مسند بزار میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغربی دریا سے کہا کہ میں اپنے بندوں کو تجھ میں سوار کرنے والا ہوں تو ان کے ساتھ کیا کرے گا؟ اس نے کہا ڈبو دونگا فرمایا تیری تیزی تیرے کناروں پر ہے اور انہیں میں اپنے ہاتھ پر انہیں اٹھاؤں گا اور جس طرح ماں اپنے بچے کی خبر گیری کرتی ہے میں ان کی کرتا رہوں گا پس اسے اللہ تعالیٰ نے زیور بھی دیئے اور شکار بھی۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ٥
اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے کہ وہ تمھیں ہلا نہ دے اور نہریں اور راستے بنائے، تا کہ تم منزل تک پہنچ جاؤ۔

زمین میں پہاڑوں کو گاڑ دینے کا بیان

"وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ " جِبَالًا ثَوَابِت "أَنْ" لَا "تَمِيد بِكُمْ " تَتَحَرَّك "و" جَعَلَ فِيهَا "أَنْهَارًا" كَالنِّيلِ "وَسُبُلًا" طُرُقًا "لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ" إلَى مَقَاصِدكُمْ

اوراس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے کہ وہ تمہیں ہلا نہ دے یعنی زمین تم زلزلہ طاری نہ رکھے اس لئے پہاڑوں اس میں گاڑ دیا ہے۔اور نہریں جس طرح نیل ہے اور راستے بنائے، تا کہ تم منزل تک پہنچ جاؤ۔یعنی اپنے مقاصد کو پہنچ سکو۔

زمین کی حرکت کو روکنے کیلئے پہاڑوں کو گاڑنے کا بیان

حضرت انس بن مالک نبی اکرم صلی اللہ وعلیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی تو وہ حرکت کرنے لگی چنانچہ پہاڑ بنائے اور انہیں حکم دیا کہ زمین کو تھامے رہو۔فرشتے کو پہاڑوں کی مضبوطی پر تعجب ہوا۔تو انہوں نے عرض کیا اے رب کیا آپ کی مخلوقات میں پہاڑوں سے زیادہ بھی کوئی چیز ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں لوہا، عرض کیا عرض کیا لوہے سے زیادہ سخت بھی کوئی چیز ہے۔فرمایا ہاں آگ۔عرض کیا اس سے سخت؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پانی۔فرشتوں نے عرض کیا اس سے سخت۔فرمایا ہوا۔عرض کیا اس سے بھی سخت کوئی چیز ہے فرمایا ہاں اس سے بھی سخت ہے اور وہ ابن آدم ہے جو دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہوا اور اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہوتی ہو۔یہ حدیث غریب ہے۔ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے مرفوع جانتے ہیں۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1321)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی تو وہ ہل رہی تھی یہاں تک کہ فرشتوں نے کہا اس پر تو کوئی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔صبح دیکھتے ہیں کہ پہاڑ اس پر گاڑ دیئے گئے ہیں اور اس کا ہلنا موقوف ہو گیا پس فرشتوں کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پہاڑ کس چیز سے پیدا کئے گئے۔قیس بن عبادہ سے بھی یہی روایت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین نے کہا تو مجھ پر بنی آدم کو بساتا ہے جو میری پیٹھ پر گناہ کریں گے اور خباثت پھیلائیں گے وہ کانپنے لگی پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو اس پر جما دیا جنہیں تم دیکھ رہے ہو اور بعض کو دیکھتے ہی نہیں ہو۔یہ بھی اس کا کرم ہے کہ اس نے نہریں چشمے اور دریا چاروں طرف بہا دیئے۔کوئی تیز ہے کوئی سست، کوئی لمبا ہے کوئی مختصر، کبھی کم پانی ہے کبھی زیادہ، کبھی بالکل سوکھا پڑا ہے۔پہاڑوں پر، جنگلوں میں، ریت میں، پتھروں میں برابر یہ چشمے بہتے رہتے ہیں اور ریل پیل کر دیتے ہیں یہ سب اس کا فضل وکرم، لطف ورحم ہے۔نہ اس کے سوا کوئی پروردگار نہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت، وہی رب ہے، وہی معبود ہے۔اسی نے راستے بنا دیئے ہیں خشکی میں، تری میں، پہاڑ میں، بستی میں، اجاڑ میں ہر جگہ اس کے فضل وکرم سے راستے موجود ہیں کہ ادھر سے ادھر لوگ جا آ سکیں کوئی تنگ راستہ ہے کوئی وسیع کوئی آسان کوئی سخت۔اور بھی علامتیں اس نے مقرر کر دیں جیسے پہاڑ ہیں ٹیلے ہیں۔

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ○

اور علامتیں بنائیں اور ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔

ستاروں کے ذریعے راستوں کے تعین کا بیان

"وَعَلَامَات" تَسْتَدِلُّونَ بِهَا عَلَى الطُّرُق كَالْجِبَالِ بِالنَّهَارِ "وَبِالنَّجْمِ" بِمَعْنَى النُّجُوم "هُمْ يَهْتَدُونَ" إلَى الطُّرُق وَالْقِبْلَة بِاللَّيْلِ،

اور علامتیں بنائیں تا کہ تم ان کے ذریعے راستوں کی رہنمائی حاصل کرو جس طرح دن کے ساتھ پہاڑوں کی رہنمائی اور رات کے ذریعے راستے اور قبلہ کی جانب رہنمائی حاصل کرسکو۔ اور ستاروں کے ساتھ وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ یہاں پر نجم بہ معنی نجوم ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وعلمت ۔ اس کا عطف سبلا پر ہے۔ ای وجعل العلامات اور اس نے مختلف علامات راہ از قسم ٹیلے۔ پہاڑ۔ درخت۔ چشمے وغیرہ پیدا کئے تا کہ راہنمائی کریں۔ اسی طرح ستاروں کی راہنمائی بذریعہ مخصوص ستاروں کے جن کو دیکھ کر رات کے وقت مسافر راہ تلاش کرتے ہیں۔ مثلاً قطب ستارہ۔ ثریا۔ نبات النعش ۔الجدی وغیرہ۔ قرآن مجید میں آیا ہے وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمت البر والبحر ، اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے تا کہ تم ان کے ذریعہ سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ پاؤ۔ یہاں النجم بطور اسم جنس آیا ہے۔

ستاروں کے ذریعے دنیاوی واخروی راستے معلوم ہونے کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا میں نے اپنے پروردگار سے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان اختلاف کے بارے میں پوچھا جو (شریعت کے فروعی مسائل میں) میرے بعد واقع ہوگا؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھ کو آگاہ کیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے، (جس طرح) ان ستاروں میں سے اگرچہ بعض زیادہ قوی یعنی زیادہ روشن ہیں لیکن نور (روشنی) ان میں سے ہر ایک میں ہے (اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق نور ہدایت رکھتا ہے) پس جس شخص نے (علمی وفقہی مسائل میں) ان اختلاف میں سے جس چیز کو بھی اختیار کرلیا میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (پس تم ان کی پیروی کرو) ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔

(رزین، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 624)

ایسے ہیں جیسے آسمان کے ستارے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھپ اندھیری رات میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستارے مسافروں کو دریا و جنگل کے راستوں کا نشان بتاتے ہیں جس کی قرآن کریم نے ان الفاظ میں آیت (وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ، اور ستاروں کے ذریعہ وہ راستہ پاتے ہیں) میں اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی سچائی کے راستے کو ظاہر کرنے اور برائی کے اندھیروں کو دور کرنے والے ہیں کہ ان کے نورانی وجود، ان کے اخلاق و کردار اور ان کی روایات و تعلیمات کی روشنی میں راہ حق نمودار ہوتی ہے اور بدی کا اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ "میرے نزدیک وہ ہدایت پر ہے" اس سے ثابت ہوا کہ ائمہ دین کا باہمی اختلاف امت کے لئے رحمت ہے۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ علیہ نے وضاحت کی ہے اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو دین کے فروعی وذیلی مسائل میں ہو نہ کہ اصول دین میں اور سید جمال الدین نے لکھا ہے: بظاہر یہ بات زیادہ صحیح ہے کہ اس حدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جس اختلاف کی طرف اشارہ ہے، اس سے وہ اختلاف مراد ہے۔ جو دینی معاملات و مسائل میں رونما ہو نہ کہ اختلافات جو دینوی معاملات میں رونما ہوئے۔ اس وضاحت کی روشنی میں اس اختلاف پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا، جو خلافت و امارت کے سلسلہ میں بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان رونما ہوئے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ خلافت و امارت سے متعلق رونما ہونے والے اختلافات بھی "فروع دین میں اختلاف" کے زمرہ میں آتے ہیں کیونکہ اس بارے میں ان کے درمیان جو اختلاف واقع ہوا وہ اجتہادی تھا نہ کہ کسی دنیاوی غرض اور نفسانی جذبہ وخواہش کے تحت، جیسا دنیاوی بادشاہوں کے ہاں ہوتا ہے۔۔ "جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے" چونکہ ولکل نور (نور ان میں سے ہر ایک میں ہے) کے ذریعہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ ہر صحابی اپنے اپنے مرتبہ واستعداد کے مطابق علم فقہ کا نور ہدایت ضرور رکھتا ہے اور اس اعتبار سے کوئی بھی صحابی دین وشریعت کے علم سے خالی نہیں ہے، اس لئے جو بھی صحابی اپنے مرتبہ واستعداد کے مطابق دین وشریعت کی جو بھی بات بیان کرتا ہے، اس کی پیروی ہدایت کی ضامن ہوگی۔ واضح رہے کہ اس حدیث اصحابی کالنجوم الخ میں علماء نے کلام کیا ہے۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝
کیا وہ خالق جو پیدا فرمائے اس کے مثل ہوسکتا ہے جو پیدا نہ کر سکے، کیا تم لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے۔

خالق وغیر خالق کو سمجھنے کا بیان

"أَفَمَنْ يَخْلُق" وَهُوَ اللّٰه "كَمَنْ لَا يَخْلُق" وَهُوَ الْأَصْنَام حَيْثُ تُشْرِكُونَهَا مَعَهُ فِي الْعِبَادَة ؟ لَا "أَفَلَا تَذَكَّرُونَ" هٰذَا فَتُؤْمِنُونَ،

کیا وہ خالق جو اتنا کچھ پیدا فرمائے اس کے مثل ہوسکتا ہے جو بت وغیرہ کچھ بھی پیدا نہ کر سکے، جن کو تم عبادت میں اس کے

ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔کیا تم لوگ نصیحت قبول نہیں کرتے۔تا کہ تم ایمان لاتے۔

لائق عبادت اس کے سوا اور کوئی نہیں۔اللہ کے سوا جن جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں وہ محض بے بس ہیں، کسی چیز کے پیدا کرنے کی انہیں طاقت نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کا خالق ہے، ظاہر ہے کہ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں، پھر دونوں کی عبادت کرنا کس قدر ستم ہے؟ اتنا بھی بیہوش ہو جانا شایان انسانیت نہیں۔

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ○
اور اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اللہ کی نعمتوں کو شمار نہ کر سکنے کا بیان

"وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّه لَا تُحْصُوهَا" تَضْبِطُوهَا فَضْلًا أَنْ تُطِيقُوا شُكْرهَا "إِنَّ اللَّه لَغَفُور رَحِيم" حَيْثُ يُنْعِم عَلَيْكُمْ مَعَ تَقْصِير كُمْ وَعِصْيَانكُمْ

اور اگر اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے۔یعنی تم شمار بھی نہیں کر سکتے کہ تم شکر کر سکو۔بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔یعنی تمہاری تقصیر و خطاؤں کے باوجود وہ تم پر انعام کرتا ہے۔

نعمتوں کے شکر کیلئے عبادت کرنے کا بیان

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو (نماز پڑھنے کے لئے) اس قدر قیام کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پاؤں پر ورم آ گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کے سبب تو اگلے پچھلے لوگوں کے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں اللہ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1195)

عبادت کے بارے میں حضرت علی المرتضیٰ کا مقولہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات علم و فضل، ذہانت و فراست اور عقل و دانش کے اعتبار سے پوری امت میں امتیازی مقام کی حامل ہے عبادت کے بارے میں انہوں نے جو تجزیہ فرمایا ہے اور جو رائے قائم کی ہے اسے سنئے اور اپنے لئے مشعل راہ قرار دیجئے فرمایا جن لوگوں نے (نعمتوں کی) طلب یعنی جنت کی آرزو اور ثواب کی تمنا) میں عبادت کی تو ایسی عبادت سوداگروں کی عبادت ہے۔جن لوگوں نے (اللہ تعالیٰ کا عذاب اور دوزخ کے) ڈر سے عبادت کی تو وہ غلاموں کی عبادت ہے۔اور "جن لوگوں نے اپنے مولیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کے لئے عبادت کی تو وہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے۔اور یہی عبادت سب سے اونچے درجے کی عبادت ہے۔

نیک اعمال کرنے والوں سے بھی قیامت دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کے دن پہلا آدمی جس پر (خلوص نیت کو ترک کردینے کا) حکم لگایا جائے گا وہ ہوگا جسے (دنیا میں) شہید کردیا گیا تھا۔ چنانچہ (میدان حشر میں) وہ پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی (دی ہوئی) نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آ جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تونے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کام کیا؟ یعنی اللہ اسے اپنی نعمتیں جتا کر الزاماً فرمائے گا کہ تونے ان نعمتوں کے شکرانہ میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں تیری راہ میں لڑا یہاں تک کہ شہید کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو جھوٹا ہے کیونکہ تو اس لئے لڑا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے چنانچہ تجھے (بہادر کہا گیا) اور تیرا اصل مقصد مخلوق سے حاصل ہوا اب مجھ سے کیا چاہتا ہے، پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل کھینچا جائے، یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا، پھر (دوسرا) وہ آدمی ہوگا جس نے علم حاصل کیا، دوسروں کو تعلیم دی اور قرآن کو پڑھا چنانچہ اسے بھی (اللہ کے حضور میں) لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطا کی ہوئی) نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آ جائیں گی پھر اللہ پوچھے گا کہ تونے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور تیرے ہی لئے قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تونے تو علم محض اس لئے حاصل کیا تھا تاکہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا تھا تاکہ تجھے لوگ قاری کہیں، چنانچہ تجھے (عالم وقاری) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر (تیسرا) وہ آدمی ہوگا جس کو اللہ نے (معیشت میں) وسعت دی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا۔ اس کو بھی اللہ کے حضور میں لایا جائے گا اللہ تعالیٰ اس کو (اپنی عطا کی ہوئی) نعمتیں یاد دلائے گا جو اسے یاد آ جائیں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تونے ان نعمتوں کے شکر میں کیا اعمال کئے؟ وہ کہے گا میں نے کوئی ایسی راہ نہیں چھوڑی جس میں تو خرچ کرنا پسند کرتا ہو اور تیری خوشنودی کے لئے میں اس میں خرچ نہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے، تونے خرچ اس لئے کیا تاکہ تجھے (سخی) کہا جائے اور تجھے (سخی) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔"

(صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 200)

اعمال میں نیت کا کیا درجہ ہے؟ اور خلوص کی کتنی ضرورت ہے؟ اس حدیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے بندہ کتنا بڑے سے بڑا عمل خیر کرے، بڑی سے بڑی نیکی کر ڈالے لیکن اگر اس کی نیت بخیر نہیں ہے تو اس کا وہ عمل اور نیکی کسی کام نہیں آئے گی اللہ تعالیٰ کو وہی عمل پسند ہے جس میں محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کی نیت ہو اور جذبہ اطاعت خلوص سے بھرپور ہو، ورنہ جو بھی عمل بغیر اخلاص اور بغیر نیت خیر کیا جائے گا چاہے وہ کتنا ہی عظیم عمل کیوں نہ ہو بارگاہ الوہیت سے ٹھکرا دیا جائے گا اور اس پر کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوگا بلکہ الٹا اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار کیا جائے گا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔

اللہ تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ کو جاننے والا ہے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ٥
اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو۔

وہ ایک برابر جانتا ہے تمہارے خفیہ اور ظاہری اعمال کو۔ اس کے یہاں ظاہر و باطن دونوں ایک برابر ہیں۔ اور وہی ہے جس کی شان وصفت ہے "عالم الغیب والشهادة "یعنی" نہاں وعیاں کو یکساں اور ایک برابر جاننے والا"۔ سو یہ اس کے کمال علم کی شان اور اس کا مظہر ہے۔ پس اس سے تمہاری کوئی بھی حالت اور کیفیت مخفی نہیں رہ سکتی، پس بندے کا کام یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس سے اپنا معاملہ درست رکھے۔ اس ارشاد میں ایک طرف تو منکرین ومکذبین کے یہ تہدید و وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ورافت کی بنا پر ڈھیل تو اگرچہ تم لوگوں کو دے رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ حقیقت بھی تمہارے سامنے واضح رہنی چاہئے کہ وہ تمہارے ظاہر وباطن اور تمہارے جملہ اعمال کو ایک برابر اور پوری طرح جانتا ہے۔ سو تم سب کو آخر کار اس کا حساب دینا اور بھگتان بھگتنا ہوگا، اور دوسری طرف اس میں اہل ایمان کے لیے تسکین وتسلیہ کا سامان بھی ہے تم لوگوں کی راہ حق میں جانبازیاں اور جانفشانیاں اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ پس تم لوگ مطمئن رہو کہ وہ تمہیں ان کا صلہ وبدلہ ضرور دے گا کہ وہ بڑی ہی شان کرم اور عطاء وبخشش والا ہے۔ پس ایمان والوں کا کام ہے کہ وہ اس کی رضا کے لیے کام کرتے رہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ٥
اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں۔

پتھروں سے بنائے جانے والے بتوں کا بیان

"وَالَّذِينَ تَدْعُونَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء تَعْبُدُونَ "مِنْ دُونِ اللّٰه" وَهُمُ الْأَصْنَام "لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ" يُصَوَّرُونَ مِنَ الْحِجَارَة وَغَيْرِهَا

اور اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں یہاں پر تدعون یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔ جس کا معنی تعبدون ہے۔ اور وہ بت کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں۔ یعنی پتھروں وغیرہ سے ان کی تصوریں بناتے ہیں۔

ان کے بنائے ہوئے شریکوں کا یہ حال ہے کہ وہ کسی چیز کو پیدا تو کیا خاک کریں گے۔ وہ تو خود مخلوق ہیں اور جو مخلوق ہو وہ اپنے بنانے والے کا محتاج بھی ہوگا۔ نیز جو چیز مخلوق ہو وہ ضرور فنا بھی ہوگی۔ لہٰذا ایسے شریک نہ خود الٰہ ہو سکتے ہیں اور نہ صفات الوہیت میں اللہ کے شریک بن سکتے ہیں۔

بتوں کی خرید وفروخت کی ممانعت کا بیان

جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ والے سال مکہ مکرمہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا کہ

اللہ تعالیٰ نے شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی خرید و فروخت کو حرام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردار جانوروں کی چربی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے، کیونکہ اس سے کشتیوں کو رنگ کیا جاتا ہے اور کھالوں کو اس سے تیل دیا جاتا ہے اور لوگ اس کے ذریعے روشنی حاصل کرتے ہیں؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مار پڑے یہود پر بیشک اللہ تعالیٰ نے ان پر مردار کی چربی حرام فرمائی تو انہوں نے اس چربی کو پگھلا کر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا بیٹھے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 93)

جن چیزوں کی خرید و فروخت ہی حرام ہے لہٰذا وہ اس قدر بھی نفع کے مالک نہیں ہے تو مشرکین کی عقل کو کیا ہوا جو انہوں نے ان کو معبود بنا رکھا ہے۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝
ایسے مردے ہیں جو زندہ نہیں اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

مردہ چیزوں کی پوجا کرنے والے مشرکین کا بیان

"أَمْوَات" لَا رُوح فِيهِمْ خَبَر ثَانٍ "غَيْر أَحْيَاء" تَأْكِيد "وَمَا يَشْعُرُونَ" أَيْ الْأَصْنَام "أَيَّانَ" وَقْت "يُبْعَثُونَ" أَيْ الْخَلْق فَكَيْفَ يُعْبَدُونَ إذْ لَا يَكُون إلَهًا إلَّا الْخَالِق الْحَيّ الْعَالِم بِالْغَيْبِ

ایسے مردے ہیں جو زندہ نہیں یہ خبر ثانی ہے اور غیر احیاء یہ تاکید ہے۔ اور انہیں یعنی بتوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب یعنی کس وقت اٹھائے جائیں گے۔ لہٰذا لوگ ان کی کیسے پوجا کرتے ہیں حالانکہ وہ معبود نہیں ہیں کیونکہ خالق صرف زندہ عالم بالغیب ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہدایت پانے اور ہدایت پر قائم رہنے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اس وقت جب کہ اس میں جھگڑا پیدا ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی آیت، مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ، (الزخرف 58) وہ تمہارے لئے نہیں بیان کرتے مثال مگر جھگڑنے کے لئے بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہی ہے۔ (مسند احمد بن حنبل، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 175)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات اور شرعی مسائل میں جھگڑنا نہیں چاہئے اور نہ ہر کس و ناکس کو ان میں اپنی عقل کے تیر چلانے چاہئیں کیونکہ زمانہ ماسبق میں ہدایت یافتہ اقوام کی گمراہی کا بیشتر سبب یہی ہوتا تھا کہ لوگ دینی معاملات میں جھگڑتے رہتے تھے اور یہ حرکت علماء سوء اور نفسانی خواہشات کے تابع لوگ کیا کرتے تھے اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دینی معاملات میں تفرقہ پیدا ہو اور لوگ آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں تاکہ غلط عقائد اور باطل مذاہب کو فروغ دیں اور حق کی بنیادوں کو اکھاڑ پھینکیں۔ مشرکین کے اس غلط نظریہ کے رد میں آیت مذکورہ آیت (ماضربوہ لک)الایۃ نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ مشرک لوگ اس آیت کو سن کر تم سے جو بحث کرتے ہیں اور اپنی طرف سے غلط معنی مراد لے رہے ہیں وہ محض ان کی ہٹ دھرمی اور ضد ہے اور یہ مخاصمت و مجادلت کے طور پر ایسی غلط بات کہہ رہے ہیں حالانکہ یہ صاحب زبان ہیں اور عربی

زبان کے اصول وقواعد انہیں معلوم ہیں اور وہ بھی جانتے ہیں کہ ماتعبدون سے پتھر وغیرہ کے بت مراد ہیں اس لئے کہ لفظ ما خود اس پر دال ہے کہ یہ حکم غیر ذوی العقول معبودوں یعنی پتھروں وغیرہ کے بتوں کے بارہ میں ہے نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے دیگر نیک بندے اس میں شامل ہیں۔

اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ٥
تمہارا معبود، ایک معبود ہے، پس جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں اور وہ سرکش ومتکبر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا مستحق عبادت ہونے کا بیان

"اِلٰهُكُمْ" الْمُسْتَحِق لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ "اِلٰه وَاحِد" لَا نَظِير لَهُ فِي ذَاته وَلَا فِي صِفَاته وَهُوَ اللّٰه تَعَالٰى "فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوبهمْ مُنْكِرَة" جَاحِدَة لِلْوَحْدَانِيَّةِ "وَهُمْ مُسْتَكْبِرُوْنَ" مُتَكَبِّرُوْنَ عَنْ الْاِيْمَان بِهَا،

تمہارا معبود، ایک معبود ہے، یعنی جو تم سے عبادت کا حق رکھتا ہے۔ جس کی ذات وصفات میں کوئی مثل نہیں ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ پس جولوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منکر ہیں کیونکہ انہوں نے توحید کا انکار کیا ہے۔ اور وہ سرکش ومتکبر ہیں۔ یعنی وہ ایمان لانے سے انکار کرنے والے ہیں۔

قیامت کے تکبر کرنے والوں سے پوچھا جائے گا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ رب العزت آسمانوں کو لپیٹ لے گا پھر انہیں اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں، زور والے (جابر) بادشاہ کہاں ہیں تکبر والے کہاں ہیں پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں زور والے بادشاہ کہاں ہیں تکبر والے کہاں ہیں؟

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2550)

متکبرین کیلئے جہنم ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ اور جنت کا آپس میں جھگڑا ہوا دوزخ نے کہا میرے اندر بڑے بڑے ظالم اور متکبر لوگ داخل ہوں گے اور جنت نے کہا میرے اندر کمزور اور مسکین لوگ داخل ہوں گے تو اللہ عزوجل نے دوزخ سے فرمایا۔

تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعے جسے چاہوں گا عذاب دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے میں تیرے ذریعے جس پر چاہوں گا رحمت کروں گا لیکن تم میں ہر ایک کا بھرنا ضروری ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2671)

حضرت حارثہ بن وہب کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ میں تمہیں جنت والوں کی خبر نہ

دوں صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر کمزور آدمی جسے کمزور سمجھا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری فرمادے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر نہ دوں صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں ضرور فرمائیے آپ نے فرمایا ہر جاہل اکھڑ مزاج تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2686)

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ٥
یہ بات حق وثابت ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، بیشک وہ سرکشوں متکبروں کو پسند نہیں کرتا۔

سرکش ومتکبرین کیلئے سزا ہونے کا بیان

"لَا جَرَم" حَقًّا "اَنَّ اللّٰه يَعْلَم مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ " فَيُجَازِيهِمْ بِذٰلِكَ "اِنَّهٗ لَا يُحِبّ الْمُسْتَكْبِرِينَ" بِمَعْنَى اَنَّهٗ يُعَاقِبهُمْ،

یہ بات حق وثابت ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، لہٰذا وہ اس پر ان کو جزا دے گا بیشک وہ سرکشوں متکبروں کو پسند نہیں کرتا۔ یعنی ان کو سزا دے گا۔

تکبر کرنے والوں کا جنت میں داخل نہ ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا اس پر ایک آدمی نے عرض کیا کہ ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کی جوتی بھی اچھی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جمیل ہے اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے تکبر تو حق کی طرف سے منہ موڑنے اور دوسرے لوگوں کو کمتر سمجھنے کو کہتے ہیں۔(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 266)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا ذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ٥
اور جب ان سے کہا جاتا ہے تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟ تو کہتے ہیں پہلے لوگوں کی بے اصل کہانیاں ہیں۔

سورہ نحل آیت ۲۴ کے سبب نزول کا بیان

وَنَزَلَ فِي النَّضْر بْن الْحَارِث "وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ مَا" اسْتِفْهَامِيَّة "ذَا" مَوْصُولَة "اَنْزَلَ رَبّكُمْ" عَلَى مُحَمَّد "قَالُوا" هُوَ "اَسَاطِير" اَكَاذِيب "الْاَوَّلِينَ" اِضْلَالًا لِلنَّاسِ

یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے تمہارے رب نے حضرت محمد ﷺ پر کیا چیز اتاری ہے؟ یہاں پر ما استفہامیہ ہے اور ذا موصولہ ہے۔ تو کہتے ہیں پہلے لوگوں کی بے اصل یعنی جھوٹی کہانیاں ہیں۔ (کفار یہ قول لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے کہا کرتے تھے)۔

کفار کا قول قرآن میں بس پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی دعوت کا چرچا حدود مکہ سے نکل کر آس پاس کے علاقوں میں بھی پھیل گیا تو کفار مکہ جہاں کہیں جاتے اور لوگ ان سے پوچھتے کہ تم میں جو نبی ﷺ پیدا ہوا ہے اس کی تعلیم کیا ہے اور وہ کس چیز کی دعوت دیتا ہے تو یہ لوگ بڑی بے نیازی اور لاپروائی سے کہہ دیتے کہ بس کچھ پہلے لوگوں کی داستانیں اور قصے کہانیاں ہی سنا دیتا ہے۔ کوئی نئی یا کام کی بات ان میں نہیں ہوتی اور ایسی باتیں ہم پہلے ہی بہت سن چکے ہیں۔

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝
تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان کے بھی جنہیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں۔
سن لو! برا ہے جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں۔

گمراہی کی طرف بلانے والے والوں کا گناہ میں شریک ہونے کا بیان

"لِيَحْمِلُوا" فِي عَاقِبَة الْأَمْر "أَوْزَارهمْ" ذُنُوبهمْ "كَامِلَة" لَمْ يُكَفَّر مِنْهَا شَيْء "يَوْم الْقِيَامَة وَمِنْ" بَعْض "أَوْزَار الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْم" لِأَنَّهُمْ دَعَوْهُمْ إلَى الضَّلَال فَاتَّبَعُوهُمْ فَاشْتَرَكُوا فِي الْإِثْم "أَلَا سَاءَ" بِئْسَ "مَا يَزِرُونَ" يَحْمِلُونَهُ حِمْلهمْ هَذَا

تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بوجھ پورے اٹھائیں اور کسی چیز کا انکار نہ کریں اور کچھ بوجھ ان کے بھی جنہیں وہ علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان کو گمراہی کی طرف بلایا تو انہوں نے ان کی اتباع کی لہٰذا یہ بھی گناہ میں شریک ہوئے سن لو! برا ہے جو بوجھ وہ اٹھا رہے ہیں۔ یعنی ان کا یہ بوجھ اٹھانا کتنا برا ہے۔

مشرکین کی طرف سے خلاصہ جواب یہ ہے کہ انہوں نے اسی کو تسلیم نہیں کیا کہ کوئی کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا بھی ہے بلکہ قرآن کو پچھلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا قرآن کریم نے اس پر یہ وعید سنائی کہ یہ ظالم قرآن کو کہانیاں بتلا کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس کا یہ نتیجہ ان کو بھگتنا پڑے گا کہ قیامت کے روز اپنے گناہوں کا پورا وبال تو ان پر پڑنا ہی ہے جن کو یہ گمراہ کررہے ہیں ان کا بھی کچھ وبال ان پر پڑے گا اور پھر فرمایا کہ گناہوں کے جس بوجھ کو یہ لوگ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ
مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
بیشک ان لوگوں نے بھی فریب کیا جو ان سے پہلے تھے تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا تو ان کے اوپر سے
ان پر چھت گر پڑی اور ان پر اس طرف سے عذاب آ پہنچا جس کا انہیں کچھ خیال بھی نہ تھا۔

کفار کے مکروفریب کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا بیان

"قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ" وَهُوَ نَمْرُودُ بَنَى صَرْحًا طَوِيلًا لِيَصْعَدَ مِنْهُ إِلَى السَّمَاءِ لِيُقَاتِلَ أَهْلَهَا "فَأَتَى اللّٰهُ" قَصَدَ "بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ" الْأَسَاسِ فَأَرْسَلَ عَلَيْهِ الرِّيحَ وَالزَّلْزَلَةَ فَهَدَمَتْهُ "فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ" أَيْ هُمْ تَحْتَهُ "وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ" مِنْ جِهَةٍ لَا تَخْطِرُ بِبَالِهِمْ وَقِيلَ هَذَا تَمْثِيلٌ لِإِفْسَادِ مَا أَبْرَمُوهُ مِنَ الْمَكْرِ بِالرُّسُلِ،

بیشک ان لوگوں نے بھی فریب کیا جو ان سے پہلے تھیا ور نمروذ تھا جس نے ایک اونچا منارہ بنایا تھا تا کہ وہ آسمان والوں سے جنگ کرے۔ تو اللہ نے ان کے مکروفریب کی عمارت کو بنیادوں سے اکھاڑ دیا یعنی اس پر ہوا اور زلزلہ بھیجا جس نے اس کو گرادیا۔ تو ان کے اوپر سے ان پر چھت گر پڑی یعنی وہ نیچے آپڑی، اوران پر اس طرف سے عذاب آ پہنچا جس کا انہیں کچھ خیال بھی نہ تھا۔ یعنی جس جانب سے عذاب آنے کا ان کو خواب وخیال بھی نہ تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے مکر کی مثال کو بیان کیا گیا جو انہوں نے رسول مکرم کے خلاف کیا تھا۔

کفار ومشرکین کے مکروفریب کا تباہ و برباد ہو جانے کا بیان

یہ ایک تمثیل ہے کہ پچھلی اُمتوں نے اپنے رسولوں کے ساتھ مکر کرنے کے لئے کچھ منصوبے بنائے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں خود انہیں کے منصوبوں میں ہلاک کیا اور ان کا حال ایسا ہوا جیسے کسی قوم نے کوئی بلند عمارت بنائی پھر وہ عمارت ان پر گر پڑی اور وہ ہلاک ہو گئے، اسی طرح کفار اپنی مکاریوں سے خود برباد ہوئے۔ مفسرین نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں اگلے مکر کرنے والوں سے نمرود بن کنعان مراد ہے جو زمانہ ابراہیم علیہ السلام میں روئے زمین کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، اس نے بابل میں بہت اونچی ایک عمارت بنائی تھی جس کی بلندی پانچ ہزار گز تھی اور اس کا مکر یہ تھا کہ اس نے یہ بلند عمارت اپنے خیال میں آسمان پر پہنچنے اور آسمان والوں سے لڑنے کے لئے بنائی تھی، اللہ تعالیٰ نے ہوا چلائی اور وہ عمارت ان پر گر پڑی اور وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ
قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝
پھر قیامت کے دن وہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے؟
وہ لوگ جنھیں علم دیا گیا کہیں گے کہ بے شک رسوائی آج کے دن اور برائی کافروں پر ہے۔

قیامت کے دن کفار ومشرکین کی مذمت کا بیان

"ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ" يُذِلُّهُمْ "وَيَقُولُ" اللّٰهُ لَهُمْ عَلَى لِسَانِ الْمَلَائِكَةِ تَوْبِيخًا "أَيْنَ شُرَكَائِيَ"

بِزَعْمِكُمْ "الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ" تُخَالِفُونَ الْمُؤْمِنِينَ "فِيهِمْ" فِي شَأْنِهِمْ "قَالَ" أَيْ يَقُول "الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْم" مِنْ الْأَنْبِيَاء وَالْمُؤْمِنِينَ "إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْم وَالسُّوء عَلَى الْكَافِرِينَ" يَقُولُونَهُ شَمَاتَة بِهِمْ

پھر قیامت کے دن وہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں کی زبانی بہ طور توبیخ کہے گا کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم لڑتے جھگڑتے تھے؟ یعنی جن کو تم چاہتے تھے، وہ لوگ یعنی انبیائے کرام واہل ایمان جنھیں علم دیا گیا ہے کہیں گے کہ بے شک رسوائی آج کے دن اور برائی کافروں پر ہے۔ وہ یہ بات ان کی مصیبت پر بہ طور مسرت کہیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر غدار کے لئے اس کے پاس ہی جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جو اس کے غدر کے مطابق ہوگا اور مشہور کر دیا جائے گا کہ فلاں کا یہ غدر ہے جو فلاں کا لڑکا تھا۔

اسی طرح ان لوگوں کو بھی میدان محشر میں سب کے سامنے رسوا کیا جائے گا۔ ان سے ان کا پروردگار ڈانٹ ڈپٹ کر دریافت فرمائے گا کہ جن کی حمایت میں تم میرے بندوں سے الجھتے رہتے تھے وہ آج کہاں ہیں؟ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے؟ آج بے یار ومددگار کیوں ہو؟ یہ چپ ہو جائیں گے، کیا جواب دیں؟ لاچار ہو جائیں گے، کون سی جھوٹی دلیل پیش کریں؟ اس وقت علماء کرام جو دنیا اور آخرت میں اللہ کے اور مخلوق کے پاس عزت رکھتے ہیں جواب دیں گے کہ رسوائی اور عذاب آج کافروں کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کے معبودان باطل ان سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ نحل، بیروت)

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ
بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، تو وہ فرماں برداری پیش کرتے ہیں کہ
ہم کوئی برا کام نہیں کیا کرتے تھے۔ کیوں نہیں! یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔

موت کے وقت مشرکین کا شرک سے بیزاری کا اظہار کرنے کا بیان

"الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمْ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "الْمَلَائِكَة ظَالِمِي أَنْفُسهمْ" بِالْكُفْرِ "فَأَلْقَوْا السَّلَم" انْقَادُوا وَاسْتَسْلَمُوا عِنْد الْمَوْت قَائِلِينَ "مَا كُنَّا نَعْمَل مِنْ سُوء" شِرْك فَتَقُول الْمَلَائِكَة: "بَلَى إِنَّ اللَّه عَلِيم بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" فَيُجَازِيكُمْ بِهِ

جنہیں فرشتے اس حال یعنی کفر کی حالت میں قبض کرتے ہیں یہاں پر تتوفاھم یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔ کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں، تو وہ فرماں برداری پیش کرتے ہیں یعنی موت کے وقت تسلیم کرتے ہوئے کہ ہم کوئی برا کام یعنی شرک وغیرہ نہیں کیا کرتے تھے۔ تو وہ فرشتے کہیں گے کیوں نہیں! یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ لہٰذا وہ تمہیں اس سزا دے گا۔

مشرکین کی جان کنی کے وقت کا حال بیان ہورہا ہے کہ جب فرشتے ان کی جان لینے کے لئے آتے ہیں، تو یہ اس وقت سننے عمل کرنے اور مان لینے کا اقرار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی اپنے کرتوت چھپاتے ہوئے اپنی بیگناہی بیان کرتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی قسمیں کھا کر اپنا مشرک نہ ہونا بیان کریں گے۔ جس طرح دنیا میں اپنی بیگناہی پر لوگوں کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے تھے۔ انہیں جواب ملے گا کہ جھوٹے ہو، بداعمالیاں جی کھول کر کہ چکے ہو، اللہ غافل نہیں جو باتوں میں آ جائے ہر ایک عمل اس پر روشن ہے۔ اب اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتو اور جہنم کے دروازوں سے جا کر ہمیشہ اسی بری جگہ میں پڑے رہو۔ مقام برا، مکان برا، ذلت اور رسوائی والا، اللہ کی آیتوں سے تکبر کرنے کا اور اس کے رسولوں کی اتباع سے جی چرانے کا یہی بدلہ ہے۔ مرتے ہی ان کی روحیں جہنم رسید ہوجائیں اور جسموں پر قبروں میں جہنم کی گرمی اور اس کی لپک آنے لگی۔ قیامت کے دن روحیں جسموں سے مل کر نار جہنم میں گئیں اب نہ موت نہ تخفیف ہے۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝
پس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو، سو بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔

اہل شرک کیلئے جہنم ٹھکانہ ہونے کا بیان

وَيُقَال لَهُمْ "فَادْخُلُوا أَبْوَاب جَهَنَّم خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى" مَأْوَى "الْمُتَكَبِّرِينَ"

پس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، ہمیشہ اس میں رہنے والے ہو، سو بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔

جہنم میں متکبرین کیلئے خاص جگہ کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جنت اور دوزخ دونوں نے اپنے رب کے پاس جھگڑا کیا، جنت نے عرض کیا اے پروردگار اس کا (جنت) کیا حال ہے کہ اس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جو کمزور اور غریب ہوں گے اور دوزخ نے عرض کیا کہ مجھے تکبر کرنے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے اور دوزخ سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے میں تیرے ذریعہ اس کو عذاب دوں گا جس کو چاہوں گا اور تم دونوں میں سے ہر ایک بھر دی جائیں گی، آپ نے فرمایا کہ جنت کو تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور دوزخ کے لئے جس کو چاہے گا پیدا کرے گا اور وہ اس میں ڈال دیئے جائیں گے، دوزخ تین بار کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں اپنا قدم ڈال دے گا تو وہ دوزخ بھر جائے گی اور اس کے بعض حصے بعض حصوں سے مل جائیں گے اور وہ دوزخ کہے گی بس! بس! بس۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2342)

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝

اور پرہیز گار لوگوں سے کہا جائے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں بھلائی، ان لوگوں کے لئے جو نیکی کرتے
رہے اس دنیا میں بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی بہتر ہے، اور پرہیز گاروں کا گھر کیا ہی خوب ہے۔

جنت کا دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کا بیان

"وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا" الشِّرْك "مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا" بِالْإِيمَانِ "فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَة" حَيَاة طَيِّبَة "وَلَدَار الْآخِرَة" أَيْ الْجَنَّة "خَيْر" مِنْ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا قَالَ تَعَالَى فِيهَا "وَلَنِعْمَ دَار الْمُتَّقِينَ" هِيَ

اور شرک سے بچنے والے لوگوں سے کہا جائے کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا ہے؟ وہ کہتے ہیں دنیا بھلائی یعنی ایمان اتارا ہے، ان لوگوں کے لئے جو نیکی کرتے رہے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے، اور آخرت کا گھر تو ضرور ہی بہتر یعنی جنت ہے، جو دنیا اور جو کچھ اس دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔ اور پرہیز گاروں کا گھر کیا ہی خوب ہے۔

سورہ نحل آیت ۳۰ شان نزول کا بیان

قبائل عرب ایام حج میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحقیق حال کے لئے مکّہ مکرمہ کو قاصد بھیجتے تھے یہ قاصد جب مکّہ مکرمہ پہنچتے اور شہر کے کنارے راستوں پر انہیں کفار کے کارندے ملتے (جیسا کہ سابق میں ذکر ہو چکا ہے) ان سے یہ قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کرتے تو وہ بہکانے پر مامور ہی ہوتے تھے، ان میں سے کوئی حضرت کو ساحر کہتا، کوئی کاہن، کوئی شاعر، کوئی کذّاب، کوئی مجنون اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے کہ تم ان سے نہ ملنا یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اس پر قاصد کہتے کہ اگر ہم مکّہ مکرمہ پہنچ کر بغیر ان سے ملے اپنی قوم کی طرف واپس ہوں تو ہم برے قاصد ہوں گے اور ایسا کرنا قاصد کے منصبی فرائض کا ترک اور قوم کی خیانت ہوگی، ہمیں تحقیق کے لئے بھیجا گیا ہے، ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے اپنے اور بیگانوں سب سے ان کے حال کی تحقیق کریں اور جو کچھ معلوم ہو اس سے بےکم و کاست قوم کو مطّلع کریں۔ اس خیال سے وہ لوگ مکّہ مکرمہ میں داخل ہو کر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملتے تھے اور ان سے آپ کے حال کی تحقیق کرتے تھے، اصحاب کرام انہیں تمام حال بتاتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و کمالات اور قرآن کریم کے مضامین سے مطّلع کرتے تھے، ان کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل ۲۴، لاہور)

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝
سدابہار باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں ان کے لئے جو کچھ
وہ چاہیں گے ہوگا، اس طرح اللہ پرہیز گاروں کو صلہ عطا فرماتا ہے۔

اہل جنت کی چاہت کے پورا ہونے کا بیان

"جَنَّاتَ عَدْنٍ" إقَامَة مُبْتَدَأ خَبَره "يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ" الْجَزَاء "يَجْزِي اللَّه الْمُتَّقِينَ"

سدابہار باغات ہیں، یہاں پر جنات عدن مبتداء ہے اور یدخلونھا یہ اس کی خبر ہے۔ جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں ان کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے میسّر ہوگا، اس طرح اللہ پرہیزگاروں کو صلہ عطا فرماتا ہے۔

جنت عدن کی عظمت وشان کا بیان

حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں دو باغ ہیں جن کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے، چاندی کے ہیں۔ دو باغ ایسے ہیں جن کے برتن اور جو کچھ اس میں ہے سونے کے ہیں۔ پھر اہل جنت اور رویت باری تعالیٰ میں ایک اس کی کبریائی کی چادر کے علاوہ کوئی چیز حائل نہیں ہوگی جو کہ جنت عدن میں اس کے چہرہ مبارک پر ہوگی۔ اسی سند سے یہ بھی منقول ہے کہ جنت میں ایک ایسا خیمہ بھی ہوگا جو ساٹھ میل چوڑے موتی سے تراشا ہوا ہوگا۔ اس کے ایک کونے والے دوسرے کونے والوں کو نہ دیکھ سکیں گے (اور) ان کے پاس ایمان والے آتے جاتے رہیں گے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ ابوعمران جونی کا نام عبدالملک بن حبیب ہے۔ ابوبکر بن ابی موسیٰ کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان کا نام مشہور نہیں اور ابوموسی اشعری نام عبداللہ بن قیس ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 428)

سونے کی اینٹوں سے بنی ہوئی جنت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں تو ہمارے دل نرم اور دنیا سے بیزار ہوتے ہیں اور ہم آخرت والوں میں سے ہوتے ہیں لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے چلے جاتے ہیں اور گھر والوں سے مانوس اور اولاد سے ملتے جلتے ہیں تو ہمارے دل بدل جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسی حالت میں رہو جس طرح میرے پاس سے جاتے ہو تو فرشتے تمہارے گھروں میں تمہاری ملاقات کریں اور اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک نئی مخلوق لے آئے گا کہ وہ گناہ کریں پھر اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مخلوق کو کس چیز سے پیدا کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی سے۔ میں نے پوچھا جنت کس چیز سے بنی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اینٹ چاندی کی ہے اور ایک اینٹ سونے کی، اس کا گارا نہایت خوشبودار مشک ہے۔ اس کے کنکر موتی اور یاقوت (سے) ہیں اور اس کی مٹی زعفران کی ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا نعمتوں میں رہے گا اور کبھی مایوس نہ ہوگا۔ ہمیشہ اس میں رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر جنتیوں کے کپڑے کبھی پرانے نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

عادل حاکم، روزہ دار جب افطار کرتا ہے اور مظلوم کی بددعا۔ چنانچہ جب مظلوم دعا کرتا ہے تو اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں ضرور تمہاری مدد کروں گا اگرچہ تھوڑی دیر بعد ہی کروں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 426)

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○
جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ پاک ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں سلام ہو تم پر، جنت میں داخل ہو جاؤ،
اس کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔

ایمان والوں پر موت کے وقت فرشتوں کے سلام کا بیان

"اَلَّذِيْنَ" نَعت "تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَة طَيِّبِيْنَ" طَاهِرِيْنَ مِنَ الْكُفْر "يَقُوْلُوْنَ" لَهُمْ عِنْد الْمَوْت "سَلَام عَلَيْكُمْ" وَيُقَال لَهُمْ فِي الْآخِرَة "اُدْخُلُوا الْجَنَّة بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"

جنھیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ کفر سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ موت کے وقت کہتے ہیں سلام ہو تم پر، اور آخرت میں انہیں کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، اس کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔

وقت نزاع فرشتے مؤمن کی تعریف کرتے ہیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص قریب المرگ ہوتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اگر وہ نیک وصالح ہوتا ہے تو (اس کی روح سے رحمت کے) فرشتے کہتے ہیں کہ اے پاک جان جو پاک بدن میں تھی! اس حال میں (جسم سے) نکل کہ (خدا اور مخلوق کے نزدیک) تیری تعریف کی گئی ہے اور تجھے خوشخبری ہو دائمی راحت وسکون کی، جنت کے پاک رزق کی اور اللہ سے ملاقات کی جو (تجھ پر) غضبناک نہیں ہے۔ قریب المرگ کے سامنے فرشتے برابر یہی بات کہتے ہیں یہاں تک کہ روح (خوشی خوشی) باہر نکل آتی ہے اور پھر فرشتے اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، آسمان کا دروازہ اس کے لئے (فرشتوں کے کہنے سے یا پہلے ہی سے) کھول دیا جاتا ہے (آسمان کے دربان) پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے؟ اسے لے جانے والے فرشتے (اس کا نام ونسب بتا کر) کہتے ہیں کہ یہ فلاں شخص (کی روح) ہے۔ پس کہا جاتا ہے کہ آفرین ہو اس جان پاک کو جو پاک بدن میں تھی اور (اے پاک جان آسمان میں) داخل ہو اس حال میں کہ تیری تعریف کی گئی اور خوشخبری ہو تجھے راحت کی، پاک رزق کی اور پروردگار سے ملاقات کی جو غضبناک نہیں ہے۔

اس روح سے برابر یہی بات کہی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس آسمان پر (یعنی عرش پر) پہنچ جاتی ہے۔ جہاں اللہ رب العزت کی رحمت خاص جلوہ فرما ہے!۔ اور اگر وہ برا (یعنی کافر) ہوتا ہے تو ملک الموت کہتے ہیں کہ اے خبیث جان جو پلید بدن میں اس حال میں (جسم سے) باہر نکل کہ تیری برائی کی گئی ہے اور یہ بری خبر سن لے کہ گرم پانی، پیپ اور ان کے علاوہ دوسری طرح کے

عذاب تیرے منتظر ہیں۔ اس بد بخت قریب المرگ کے سامنے بار بار یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح (بادل نخواستہ) باہر نکل آتی ہے پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے (تاکہ اس کی ذلت وخواری اس پر ظاہر کر دی جائے) جب اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلوائے جاتے ہیں تو دربانوں کی طرف سے پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون شخص ہے؟ جواب دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص! پس کہا جاتا ہے کہ نفریں ہو اس خبیث جان پر جو پلید جسم میں تھی اور (اے خبیث جان) واپس چلی جا اس حال میں کہ تیری برائی کی گئی ہے اور تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ چنانچہ اسے آسمان سے پھینک دیا جاتا ہے اور وہ قبر کی طرف آجاتی ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 105)

اس کے پاس فرشتے آتے ہیں، سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قریب المرگ کے پاس اس کی روح قبض کرنے کے لئے رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے دونوں آتے ہیں، اگر قریب المرگ نیک وصالح ہوتا ہے تو رحمت کے فرشتے اپنا کام کرتے ہیں اور قریب المرگ بدکار ہوتا ہے تو پھر عذاب کے فرشتے اپنا کام کرتے ہیں۔ "نیک وصالح" سے یا عمومی طور پر مومن مراد ہے یا پھر وہ نیک بخت مراد ہے جو حقوق اللہ حقوق العباد دونوں ادا کرتا ہے اور اس کی زندگی اطاعت وفرمانبرداری کی راہ پر گزری ہو۔ حدیث میں نیک وصالح اور کافر کی روح قبض کرنے کے بارہ میں تو تفصیل بتائی گئی ہے لیکن "فاسق" کے بارہ میں بالکل سکوت اختیار کیا گیا کیونکہ فاسق کے بارہ میں کتاب وسنت کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے بارہ میں سکوت اختیار کیا جاتا ہے تاکہ وہ خوف ورجاء کے درمیان رہے۔

مومن اور کافر کی روح کے درمیان اس امتیاز اور فرق کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ کافر کی روح تو آسمان سے دھتکار دی جاتی ہے اور اسے ہمیشہ کے لئے اسفل السافلین میں قید کر دیا جاتا ہے بخلاف مومن صالح کی روح کے کہ اسے آزادی حاصل ہوتی ہے اور آسمان وزمین میں جہاں چاہتی ہے سیر کرتی ہے، جنت میں میوے کھاتی ہے، عرش کے نیچے قندیلوں کی طرف اپنی جگہ اختیار کرتی ہے۔ پھر یہ کہ اسے قبر اپنے جسم کے ساتھ بھی تعلق رہتا ہے بایں طور کہ مردہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے سکوت وراحت سے لطف اندوز ہوتا ہے، دولہا کی نیند سوتا ہے اور اپنے اپنے حسب مراتب ودرجات جنت میں اپنا مسکن دیکھتا رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات ملحوظ رہے کہ روح کا معاملہ اور برزخ کے احوال اگرچہ خوارق عادات میں سے ہیں کہ ہماری دنیاوی زندگی ان سے مانوس ومتعارف نہیں لیکن اس امور کے وقوع کے بارہ میں کسی قسم کا شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝
یہ اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آپہنچے، یہی کچھ ان لوگوں
نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔
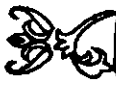
کفار کا قیامت یا عذاب کا انتظار کرنے کا بیان

"هَلْ" مَا "يَنْظُرُونَ" يَنْتَظِر الْكُفَّار "إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "الْمَلَائِكَة" لِقَبْضِ أَرْوَاحهمْ "أَوْ يَأْتِيَ أَمْر رَبّك" الْعَذَاب أَوْ الْقِيَامَة الْمُشْتَمِلَة عَلَيْهِ "كَذَلِكَ" كَمَا فَعَلَ هَؤُلَاءِ "فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلهمْ" مِنْ الْأُمَم كَذَّبُوا رُسُلهمْ فَأُهْلِكُوا "وَمَا ظَلَمَهُمْ اللَّه" بِإِهْلَاكِهِمْ بِغَيْرِ ذَنْب "وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ" بِالْكُفْرِ

یہ کفار اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں، یہاں پر تأتیھم تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔یا آپ کے رب کا حکم یعنی عذاب یا قیامت جو عذاب پر مشتمل ہو آ پہنچے، یہی کچھ ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے قومیں تھیں جنہوں نے رسولان گرامی کی تکذیب کی تو وہ ہلاک ہوئے، اور اللہ نے ان کو بغیر گناہوں کے ہلاک کر کے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن وہ خود ہی کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ انہیں تو ان فرشتوں کا انتظار ہے جو ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تا قیامت کا انتظار ہے اور اس کے افعال واحوال کا۔ان جیسے ان سے پہلے کے مشرکین کا بھی یہی وطیرہ رہا یہاں تک کہ ان پر عذاب الہٰی آ پڑے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت پوری کر کے، ان کے عذر ختم کر کے، کتابیں اتار کر، وبال میں گھر گئے۔اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود انہوں نے اپنا بگاڑ لیا۔اسی لئے ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے رہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ٥
پس ان کے پاس اس کے برے نتائج آ پہنچے جو انھوں نے کیا اور انہیں اس چیز نے گھیر لیا جسے وہ مذاق کیا کرتے تھے۔

عذاب کا مذاق کرنے والے کفار کا بیان

"فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَات مَا عَمِلُوا" أَيْ جَزَاؤُهَا "وَحَاقَ" نَزَلَ "بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" أَيْ الْعَذَاب

پس ان کے پاس اس کے برے نتائج آ پہنچے جو انہوں نے کیا اور انہیں اس چیز نے گھیر لیا جس عذاب کا وہ مذاق کیا کرتے تھے۔

اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور وغفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے۔باطل پرستی میں تمادی ہوتی رہی، توبہ کے وقت توبہ نہ کی، اخیر تک انبیاء کی تکذیب ومخالفت پر تلے رہے اور ان کی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الہٰی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ان کا استہزاء وتمسخر انہی پر الٹ پڑا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔جو بویا تھا سو کاٹا۔خدا کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں ظلم وتعدی کا امکان

ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری کسی کا کیا بگڑا انہی کا نقصان ہوا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝

اور جن لوگوں نے شریک بنائے انھوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بغیر کسی بھی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے تو رسولوں کے ذمے صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کیا ہے؟

مشرکین مکہ کا شرکیہ نظریات کو منشائے خداوندی پر محمول کرنے کا بیان

"وَقَالَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوا" مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ "لَوْ شَاءَ اللّٰه مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونه مِنْ شَيْء نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونه مِنْ شَيْء " مِنَ الْبَحَائِر وَالسَّوَائِب فَإِشْرَاكنَا وَتَحْرِيمنَا بِمَشِيئَتِهِ فَهُوَ رَاضٍ بِهِ "كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلهمْ" أَيْ كَذَّبُوا رُسُلهمْ فِيمَا جَاءُوا بِهِ "فَهَلْ" فَمَا "عَلَى الرُّسُل إِلَّا الْبَلَاغ الْمُبِين" إِلَّا الْبَلَاغ الْبَيِّن وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ الْهِدَايَة

اور اہل مکہ میں سے جن لوگوں نے شریک بنائے انہوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اس کے سوا کسی بھی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے بغیر کسی بھی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ یعنی انہوں نے بحائر اور سوائب کو جو حرام ٹھہرایا ہے۔ اور کہا کہ یہ اسی کی مرضی کے مطابق تحریم ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے یعنی جنہوں نے اپنے رسولان گرامی کی تکذیب کی جب ان کے پاس رسولان گرامی آئے۔ تو رسولوں کے ذمے صاف پیغام پہنچا دینے کے سوا اور کیا ہے؟ یعنی رسولان گرامی احکام کو واضح کر کے پہنچا دیتے ہیں۔ ہدایت کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے۔

اہل کتاب کا اپنے احبار و رہبان کو رب بنا لینے کا مفہوم

اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو حرام اور حرام کو حلال بنا لینا بھی واضح شرک ہے جیسا کہ سیّدنا عدی ابن حاتم نے کی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے پوچھی تھی۔ سیّدنا عدی بن حاتم پہلے عیسائی تھے پھر اسلام لائے تھے۔ جب سورہ توبہ کی یہ آیت نازل ہوئی تو کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ ہم اپنے علماء و مشائخ کو رب تو نہیں سمجھتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ جس چیز کو وہ حلال یا حرام کہہ دیتے تم اسے جوں کا توں تسلیم نہیں کر لیتے تھے؟ سیّدنا عدی کہنے لگے یہ بات تو تھی آپ نے فرمایا یہی رب بنانا ہوتا ہے۔ (ترمذی، ابواب التفسیر تفسیر آیت مذکورہ)

مشرکین مکہ نے بھی کئی حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال بنا لیا تھا جن کا ذکر سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام (۵:۱۰۳) کے حواشی میں گزر چکا ہے۔ مشرکوں کا یہ جواب دراصل "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مصداق ہوتا ہے۔ تاکہ اس طرح پیغمبروں کو

لاجواب کردیں اور کج بحث قسم کے مجرم اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے اکثر مشیت الٰہی کا ہی بہانہ پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کی مشیت اور اللہ کی رضا میں بڑا فرق ہوتا ہے اور اس فرق کو پہلے سورہ انعام آیت نمبر ۱۴۸ کے حاشیہ میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

(۳۴) جب مشرکوں کو پیغمبر اسلام اور قرآن کی تعلیم کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ یہی جواب دیتے تھے کہ اس تعلیم میں رکھا کیا ہے۔ بس پہلے لوگوں کی داستانیں ہیں کوئی نئی بات تو ہے نہیں۔ گویا انہیں نبی پر اعتراض یہ تھا کہ یہ پرانے لوگوں کی ہی باتیں پیش کرتا ہے ان کے جواب میں انہیں بتایا جارہا ہے کہ تم جو اپنے مشرکانہ کاموں کے جواز میں دلیل پیش کررہے ہو، یہ بھی کوئی دلیل نہیں وہی پرانی بات ہے جو گمراہ لوگ ہمیشہ سے کہتے چلے آرہے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور نہ ہوتا تو ہم ایسے کام کیوں کرتے؟ حالانکہ مشرکوں کی اس دلیل میں بھی اس کا رد موجود ہے۔ جو یہ ہے کہ اگر اللہ کو مشرکوں کا یہ شرک گوارا یا منظور ہوتا تو چاہئے تھا کہ اللہ مشرکوں کے اس کام پر سکوت اختیار فرماتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیج کر ان افعال کی پرزور تردید اور مذمت کی ہے۔ پھر وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہ کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہیں۔

مشرکوں کا یہ جواب اس لحاظ سے بھی غلط ہے کہ ہمارے رسولوں نے انہیں بروقت مطلع کردیا تھا کہ جو مشرکانہ کام تم کررہے ہو اللہ ان سے ہرگز راضی نہیں بلکہ وہ اس قدر ناراض ہے کہ تمہارے ان کاموں کی پاداش میں تم پر اپنا عذاب بھیج سکتا ہے۔ اور انہوں نے اپنی اس ذمہ داری میں کبھی کوتاہی نہیں کی تھی۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ
وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ○
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنھیں اللہ نے
ہدایت دی اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

ہر امت کی طرف رسول مکرم علیہ السلام کی بعثت کا بیان

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّة رَسُولًا" كَمَا بَعَثْنَاك فِي هَؤُلَاءِ "أَنْ" أَيْ بِأَنْ "اُعْبُدُوا اللّٰه" وَحِّدُوهُ "وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوت" الْأَوْثَان أَنْ تَعْبُدُوهَا "فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰه" فَآمَنَ "وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ" وَجَبَتْ "عَلَيْهِ الضَّلَالَة" فِي عِلْم اللّٰه فَلَمْ يُؤْمِن "فَسِيرُوا" يَا كُفَّار مَكَّة "فِي الْأَرْض فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَة الْمُكَذِّبِينَ" رُسُلهمْ مِنْ الْهَلَاك،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس طرح ہم نے آپ کو ان لوگوں میں بھیجا ہے۔ کہ اللہ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید بیان کرو اور طاغوت یعنی بتوں کی عبادت سے بچو، پھر ان میں سے کچھ وہ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی تو وہ ایمان

لائے اوران میں سے کچھ وہ تھے جن پر گمراہی ثابت ہوگئی۔یعنی اللہ کے علم میں تھا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اے کفار مکہ پس تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔یعنی رسولان گرامی کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔

تم لوگ بندگی کرو ایک اللہ کی اور بچتے رہو طاغوت سے۔کہ طاغوت سے تعلق اوراس کی بندگی سراسر ہلاکت وتباہی ہے۔تو پھر مشرکین کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ اللہ ہمارے شرک سے راضی ہے؟ اور "طاغوت"، "طغیان" سے مبالغے کا صیغہ ہے۔ جس کے عموم میں ہر معبود من دون اللہ داخل ہے۔خواہ وہ کوئی بھی ہو کہیں کا بھی ہو۔(تفسیر معالم، خازن، سورہ نحل، بیروت)

بعثت انبیائے کرام سے مکارم اخلاق ہونے کا بیان

حضرت مالک سے منقول ہے کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اچھے اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں یعنی اس دنیا میں میری بعثت کا ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ انسانی اخلاق واوصاف کو بیان کروں اوران کو درجہ کمال تک پہنچا دوں۔(موطا امام مالک اور احمد نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے) اپنی بہترین صورت وسیرت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔(مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1021)

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝
اگر آپ ﷺ کے ہدایت پر آ جانے کی شدید طلب رکھتے ہیں تو (آپ اپنی طبیعتِ مطہرہ پر اس قدر بوجھ نہ لائیں)
بیشک اللہ جسے گمراہ ٹھہرا دیتا ہے اسے ہدایت نہیں فرماتا اوران کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوتا

گمراہوں کیلئے کوئی مدد نہ ہونے کا بیان

"إِنْ تَحْرِص "يَا مُحَمَّد "عَلَى هُدَاهُمْ" وَقَدْ أَضَلَّهُمْ اللَّه لَا تَقْدِر عَلَى ذَلِكَ "فَإِنَّ اللَّه لَا يَهْدِي" بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَلِلْفَاعِلِ "مَنْ يُضِلّ" مَنْ يُرِيد إضْلَاله "وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ" مَانِعِينَ مِنْ عَذَاب اللَّه

یا محمد ﷺ اگر آپ ان کے ہدایت پر آ جانے کی شدید طلب رکھتے ہیں تو (آپ اپنی طبیعتِ مطہرہ پر اس قدر بوجھ نہ لائیں) بیشک اللہ جسے گمراہ ٹھہرا دیتا ہے اسے ہدایت نہیں فرماتا، یہاں پر لا یہدی معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔اور جس کی گمراہی کا وہ ارادہ کرے اوران کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوتا، یعنی ان کو کوئی اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہے۔

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص اور طمع بھی کریں تو بھی انہوں نے ہدایت قبول نہیں کرنی کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جن کو وہ گمراہی میں ڈال دیتا ہے، پس اب یہ لوگ ہدایت لانے والے نہیں ہیں کہ یہ اپنے خبث باطن اور سوء اختیار کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے قانون ضلالت کی زد میں آ چکے ہیں۔اب یہ ایمان نہیں لائیں گے۔پس آپ کو ان کی وجہ سے پریشان ہونے اور غم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔پس آپ ان بدبختوں کی محرومی اور پیغام حق وہدایت سے ان کے

اعراض واستکبار اور روگردانی پر افسوس نہ کریں کہ یہ اپنی ضد وعناد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر اس کے لائق ہیں ہی نہیں۔ سو قصور آپ کا نہیں ان کا اپنا ہے، اس میں حضرت امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے جب یہ لوگ اپنے عناد وہٹ دھرمی کی بناء پر ایمان لانے والے نہیں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وجہ سے غمگین اور پریشان نہ ہوں۔ آپ کا کام تبلیغ حق اور ادائے رسالت ہے۔ اور وہ آپ کر چکے اور بتمام وکمال کر چکے۔ پس آپ اپنی ذمہ داری سے فارغ وسبکدوش ہو گئے۔ اب ان کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے کہ اللہ مردے نہ اٹھائے گا ہاں کیوں نہیں،
سچا وعدہ اس کے ذمہ پر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

کفار مکہ کا بڑی بڑی قسمیں اٹھا کر بعث کے انکار کا بیان

"وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ" أَيْ غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِيهَا قَالَ تَعَالَى "بَلَى" يَبْعَثُهُمْ "وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا" مَصْدَرَانِ مُؤَكِّدَانِ مَنْصُوبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ أَيْ وَعَدَ ذٰلِكَ وَحَقَّهُ حَقًّا "وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ" أَيْ أَهْلَ مَكَّةَ "لَا يَعْلَمُونَ" ذٰلِكَ

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے یعنی انتہائی کوشش کی کہ اللہ مردے نہ اٹھائے گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں کیوں نہیں، سچا وعدہ اس کے ذمہ پر ہے۔ یہاں پر وعدا اور حق یہ دونوں مصدر مؤکد ہیں اور فعل مقدر کے سبب منصوب ہیں۔ لیکن اکثر لوگ یعنی اہل مکہ اس بات کو نہیں جانتے۔

سورہ نحل آیت ۳۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابوعالیہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان کا ایک مشرک پر قرض تھا وہ اس کے پاس آیا اور اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا اور اس (مسلمان) کی گفتگو میں یہ بھی تھا اور جس کی مرنے کے بعد امید رکھتا ہوں یہ سن کر مشرک نے کہا کیا تو یہ گمان رکھتا ہے کہ تجھے موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جائے گا؟ اللہ کی قسم اللہ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر طبری 14-73، تفسیر زاد المسیر 4-446)

کفار کا باطل نظریے کیلئے جھوٹی قسمیں کھانے کا بیان

کیونکہ کافر قیامت کے قائل نہیں اس لئے دوسروں کو بھی اس عقیدے سے ہٹانے کے لئے وہ پوری کوشش کرتے ہیں ایمان فروشی کر کے اللہ کی تاکیدی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی اللہ کا

یہ وعدہ برحق ہے لیکن اکثر لوگ بوجہ اپنی جہالت اور لاعلمی کے رسولوں کے خلاف کرتے ہیں، اللہ کی باتوں کو نہیں مانتے اور کفر کے گڑھے میں گرتے ہیں۔ پھر قیامت کے آنے اور جسموں کے دوبارہ زندہ ہونے کی بعض حکمتیں ظاہر فرماتا ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ دنیوی اختلافات میں حق کیا تھا وہ ظاہر ہو جائے، بروں کو سزا اور نیکوں کو جزا ملے۔ کافروں کا اپنے عقیدے، اپنے قول، اپنی قسم میں جھوٹا ہونا کھل جائے۔ اس وقت سب دیکھ لیں گے کہ انہیں دھکے دے کر جہنم میں جھونکا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جہنم جس کا تم انکار کرتے رہے اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو؟ اس میں اب پڑے رہو۔ صبر سے رہو یا ہائے وائے کرو، سب برابر ہے، اعمال کا بدلہ بھگتنا ضروری ہے۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ۝

تا کہ وہ ان کیلئے وہ چیز واضح کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور تا کہ جن لوگوں نے کفر کیا جان لیں کہ یقیناً وہ جھوٹے تھے۔

کفار کا نظریہ انکار بعث کی تردید کا بیان

"لِيُبَيِّنَ" مُتَعَلِّق بِيَبْعَثهُمْ الْمُقَدَّر "لَهُمْ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ" مَعَ الْمُؤْمِنِينَ "فِيهِ" مِنْ أَمْر الدِّين بِتَعْذِيبِهِمْ وَإِثَابَة الْمُؤْمِنِينَ "وَلِيَعْلَم الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ" فِي إِنْكَار الْبَعْث

یہاں پر لیبین یہ بعث مقدر سے متعلق ہے۔ تا کہ وہ ان کے لیے وہ چیز واضح کر دے جس میں وہ اہل ایمان کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں یعنی دینی حکم جس میں کفار کیلئے عذاب اور مؤمنین کیلئے ثواب کا بیان ہے۔ اور تا کہ جن لوگوں نے کفر کیا جان لیں کہ یقیناً وہ انکار بعث میں جھوٹے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے اس دعویٰ کا نقلی جواب یہ دیا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے جسے وہ پورا کر کے رہے گا۔ اور یہ وعدہ سابقہ انبیاء کی زبان سے لوگوں کو بتایا گیا اور تمام الہامی کتابوں میں موجود ہے اور مشرکین مکہ کو بھی اہل کتاب کا یہ عقیدہ اچھی طرح معلوم تھا۔ اور عقلی جواب یہ دیا کہ بھلا جو ہستی پہلی بار کائنات کا یہ وسیع سلسلہ وجود میں لا چکی ہے اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا یا ایسا ہی کائنات کا دوبارہ نظام وجود میں لانا کیا مشکل ہے؟ لہٰذا وہ اس بات کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ پھر بعث بعد الموت کی دو وجوہ اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ آزادی و اختلاف رائے کی بنا پر دنیا میں بے شمار اختلافات رونما ہوئے اور نئے سے نئے نظریئے نئے نئے مذاہب اور نظام حیات رائج ہوتے رہے۔ کوئی قومیت کا پرستار ہے تو کوئی وطنیت کا، کوئی دہریت کا اور کوئی سوشلزم کا، کوئی کمیونزم کا اور کوئی سرمایہ داری کا اور کوئی خلافت کا ان میں ٹکراؤ ہوا۔ جنگیں ہوئیں۔ دونوں طرف سے لوگ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں قتل ہوئے۔ لیکن یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ ان میں سے کوئی سچا بھی تھا یا نہیں۔ یا اگر کوئی سچا تھا تو وہ کون سا گروہ تھا اور جھوٹا کون سا؟ اور یہ کائنات چونکہ حق پر مبنی ہے لہٰذا اس بات کا فیصلہ ضروری تھا کہ اللہ ایسے لوگوں پر صحیح صورت حال کی وضاحت کر دے اور کافروں کو بالخصوص اس بات کا پتہ چل جائے کہ وہی جھوٹے تھے۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ٥
ہمارا فرمان تو کسی چیز کے لئے صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ جب ہم اُس کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے فرماتے ہیں:
ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

شان کن فیکون کے ذریعے دلیل قدرت کا بیان

"اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ" أَیْ أَرَدْنَا إِيجَادَه وَقَوْلُنَا مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ "أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُون" أَیْ فَهُوَ يَكُون وَفِی قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى نَقُول وَالْآيَةُ لِتَقْرِيرِ الْقُدْرَةِ عَلَى الْبَعْث

ہمارا فرمان تو کسی چیز کے لئے صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ جب ہم اُس کو وجود میں لانے کا ارادہ کرتے ہیں یہاں پر قولنا مبتداء ہے اور ان نقول یہ اس کی خبر ہے۔تو ہم اُسے فرماتے ہیں، ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔ایک قرأت میں منصوب ہے کیونکہ اس کا عطف نقول ہے۔اور یہ آیت بعث پر قدرت ہونے پر تکریر ہے۔

لوگوں کے نزدیک قیامت کا ہونا، کتنا بھی مشکل یا ناممکن ہو، مگر اللہ کے لئے تو کوئی مشکل نہیں اسے زمین اور آسمان ڈھانے کے لئے مزدوروں، انجینئروں اور مستریوں اور دیگر آلات و وسائل کی ضرورت نہیں۔اسے تو صرف کن کہنا ہے اس کے لفظ کن سے پلک جھپکتے میں قیامت برپا ہو جائے گی۔(وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ، النحل:77) قیامت کا معاملہ پلک جھپکتے یا اس سے بھی کم مدت میں واقع ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً ط
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ٥
اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر وطن چھوڑا، اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا، بلاشبہ ہم انہیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے
اور یقیناً آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے۔کاش! وہ جانتے ہوتے۔

اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کرنے والوں کی شان کا بیان

"وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِی اللّٰه" لِإِقَامَةِ دِينِه "مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا" بِالْأَذَى مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ وَهُمُ النَّبِیّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابه "لَنُبَوِّئَنَّهُمْ" نُنْزِلهُمْ "فِی الدُّنْيَا" دَارًا "حَسَنَةً" هِیَ الْمَدِينَةُ "وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ" أَیْ الْجَنَّة "أَكْبَر" أَعْظَم "لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ" أَیْ الْكُفَّار أَوِ الْمُتَخَلِّفُونَ عَنِ الْهِجْرَةِ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ مِنَ الْكَرَامَةِ لَوَافَقُوهُمْ،

اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر یعنی اقامتِ دین کیلئے وطن چھوڑا، اس کے بعد کہ ان پر اہل مکہ کی طرف سے ظلم کیا گیا، اور وہ

نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ہیں۔ بلاشبہ ہم انہیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے جو مدینہ منورہ ہے۔ اور یقیناً آخرت کا اجر سب سے بڑا ہے۔ جو جنت ہے کاش وہ کفار جانتے ہوتے۔ یا وہ جانتے جو ہجرت کرنے سے پیچھے رہ گئے۔ کاش وہ جانتے کہ اہل ہجرت کی شان کیا ہے؟

سورہ نحل آیت ۴۱ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت کریمہ مکہ میں نبی کریم کے ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بلال، صہیب، خباب، عامر اور جندل بن صہیب رضی اللہ عنہم اجمعین مشرکین نے انہیں مکہ میں پکڑ لیا اور سخت تکالیف اور ایذاء پہنچائیں پھر اللہ نے اس کے بعد انہیں مدینہ میں ٹھکانہ عطا فرمایا۔ (تفسیر قرطبی 10۔107)

حضرت قتادہ نے کہا کہ یہ آیت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نازل ہوئی، جن پر اہل مکہ نے بہت ظلم کئے اور انہیں دین کی خاطر وطن چھوڑنا ہی پڑا، بعض ان میں سے حبشہ چلے گئے پھر وہاں سے مدینہ طیبہ آئے اور بعض مدینہ شریف ہی کو ہجرت کر گئے۔ (تفسیر خازن، سورہ نحل، بیروت)

دین کی خاطر ہجرت کا گناہوں کو مٹا دینے کا بیان

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ میں (جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی روشنی سے میرے قلب و دماغ کو منور کیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یارسول اللہ! لایئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں، آپ نے (یہ سن کر) اپنا ہاتھ (جب) بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حیرت سے) فرمایا عمرو یہ کیا؟ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں کچھ شرط لگانی چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا (میں چاہتا ہوں) کہ میرے (ان) تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے (جو میں نے اسلام سے پہلے کئے تھے) آپ نے فرمایا: اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام ان تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے جو قبول اسلام سے پہلے کئے گئے ہوں، ہجرت ان تمام گناہوں کو دور کر دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کئے گئے ہوں اور حج ان تمام گناہوں کو مٹا دیا جائے جو اس حج سے پہلے کئے گئے ہوں۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 26)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ دونوں حدیثیں یعنی "قال اللہ تعالٰی: ان اغنی الشرکاء عن الشرک الخ" اور " الکبریاء ردائی الخ " ریاء اور کبر کے باب میں نقل کی جائیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔" تشریح ایک شخص اگر اپنی زندگی کا ایک اچھا خاصہ کفر و شرک میں گزار کر بعد میں اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے، تو کیا اس کے زمانہ اسلام سے پہلے کے اعمال پر مواخذہ ہوگا؟ یعنی کفر و شرک اور گناہ و معصیت جو اس سے پہلے صادر ہوتے رہے ہیں ان پر عذاب ہوگا یا نہیں؟ اس حدیث نے اس مسئلہ کو صاف کر دیا کہ اسلام کی روشنی پہلی تمام تاریکی کو خواہ وہ کفر و شرک کا اندھیرا ہو یا گناہ و معصیت کی ظلمت، آن واحد میں ختم کر ڈالتی ہے اور صرف ایک کلمہ کی بدولت جو خلوص دل سے نکلا ہو، انسان کا قلب و دماغ بالکل مجلی ہو جاتا ہے، نہ وہاں شرک کی ظلمتوں کا کوئی

نشان رہ جاتا ہے اور نہ گناہ معصیت پر عذاب کا کوئی خدشہ، لیکن اتنی بات جان لینی چاہیے کہ بخشش اور مغفرت کا تعلق ذنوب اور گناہوں سے ہے، ان حقوق کے ساتھ نہیں ہے جو قرض، امانت، عاریت اور خرید وفروخت کے سلسلے میں اس کے ذمہ ابھی باقی ہیں کیونکہ اسلام ان مطالبات کی ادائیگی کو معطل نہیں کرتا جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی اس پر لازم رہے گا کہ وہ ان مطالبات کی ادائیگی کرے جو اس پر اسلام لانے سے پہلے واجب تھے، البتہ اس حدیث تحت ایسے حقوق العباد آسکتے ہیں جو زنا، چوری اور قتل وغارت گری کی صورت میں زمانہ اسلام سے قبل ناحق ضائع کر دیئے گئے تھے، اسلام کے بعد ان پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ اسلام کی دولت سے مستفیض ہونے کے بعد بھی چونکہ ایک مسلمان سے بتقاضائے بشریت گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے کفارہ کے لئے اس حدیث نے حج اور ہجرت دو ایسے عمل بتا دیئے کہ اگر یہ دونوں کام اپنی تمام شرائط کے ساتھ پورے کئے جائیں تو یہ حقوق اللہ کے لئے کفارہ بن جائیں گے بلکہ حج کے بارے میں تو یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے یہ حقوق العباد کے لئے بھی کفارہ بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے خزانہ قدرت سے صاحب حقوق کو اس کے حقوق دے کر اس بندہ کو ان حقوق سے دستبرداری دلا دے اور اسے معاف کر دے۔ (ترجمان السنۃ)

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝
جن لوگوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کئے رکھتے ہیں۔

مشرکین کی تکالیف پر صبر کرنے کا بیان

هُمْ "الَّذِينَ صَبَرُوا" عَلَى أَذَى الْمُشْرِكِينَ وَالْهِجْرَة لِإِظْهَارِ الدِّين "وَعَلَى رَبّهمْ يَتَوَكَّلُونَ" فَيَرْزُقهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُونَ

جن لوگوں نے صبر کیا یعنی مشرکین کی تکالیف اور اظہار دین کیلئے ہجرت پر صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کئے رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ ان کو وہاں سے رزق عطا فرمائے گا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہوگا۔

جو لوگ اللہ کی راہ میں ترک وطن کر کے، دوست، احباب، رشتے دار، کنبے تجارت کو اللہ کے نام پر ترک کر کے دین ربانی کی پاسبانی میں ہجرت کر جاتے ہیں ان کے اجر بیان ہو رہے ہیں کہ دونوں جہان میں یہ اللہ کے ہاں معزز ومحترم ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ سبب نزول اس کا مہاجرین حبش ہوں جو مکے میں مشرکین کی سخت ایذائیں سہنے کے بعد ہجرت کر کے حبش چلے گئے کہ آزادی سے دین حق پر عامل رہیں۔ ان کے بہترین لوگ یہ تھے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ قریب قریب اسی آدمی تھے مرد بھی عورتیں بھی جو سب صدیق اور صدیقہ تھے اللہ ان سب سے خوش ہو اور انہیں بھی خوش رکھے۔ پس اللہ تعالیٰ ایسے سچے لوگوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ

انہیں وہ اچھی جگہ عنایت فرمائے گا۔ جیسے مدینہ اور پاک روزی، مال کا بھی بدلہ ملا اور وطن کا بھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے خوف سے جیسی چیز کو چھوڑے اللہ تعالیٰ اسی جیسی بلکہ اس سے کہیں بہتر، پاک اور حلال چیز اسے عطا فرماتا ہے ان غریب الوطن مہاجرین کو دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حاکم و بادشاہ کر دیا اور دنیا پر ان کو سلطنت عطا کی۔ ابھی آخرت کا اجر و ثواب باقی ہے۔ پس ہجرت سے جان چرانے والے مہاجرین کے ثواب سے واقف ہوتے تو ہجرت میں سبقت کرتے۔ اللہ تعالیٰ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے خوش ہو کہ آپ جب کبھی کسی مہاجر کو اس کا حصہ غنیمت وغیرہ دیتے تو فرماتے لو اللہ تمہیں برکت دے یہ تو دنیا کا اللہ کا وعدہ ہے اور ابھی اجر آخرت جو بہت عظیم الشان ہے، باقی ہے۔ پھر اسی آیت مبارک کی تلاوت کرتے ان پاکباز لوگوں کا اور وصف بیان فرماتا ہے کہ جو تکلیفیں اللہ کی راہ میں انہیں پہنچتی ہیں یہ انہیں جھیل لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر جو انہیں توکل ہے، اس میں کبھی فرق نہیں آتا، اسی لئے دونوں جہان کی بھلائیاں یہ لوگ اپنے دونوں ہاتھوں سے سمیٹ لیتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے سو تم اہلِ ذکر سے
پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود معلوم نہ ہو۔

اہل علم سے علم حاصل کرنے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ " لَا مَلَائِكَة "فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْر " الْعُلَمَاء بِالتَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيل "إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ " ذَلِكَ فَإِنَّهُمْ يَعْلَمُونَهُ وَأَنْتُمْ إِلَى تَصْدِيقهمْ أَقْرَب مِنْ تَصْدِيق الْمُؤْمِنِينَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے نہ کہ فرشتوں کو جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے سو تم اہلِ ذکر یعنی جو تورات اور انجیل کے علماء ہیں ان سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں خود معلوم نہ ہو۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں اور ان کی تصدیق کرو کیونکہ ان کی تصدیق حضرت محمد ﷺ کے اہل ایمان کی تصدیق کے زیادہ قریب ہے۔

سورہ نحل آیت ۴۳ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت مشرکین مکہ کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اس طرح انکار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے برتر ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنائے۔ انہیں بتایا گیا کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے ہمیشہ اس نے انسانوں میں سے مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔ (تفسیر خازن، سورہ نحل، بیروت)

رسالت و نبوت کیلئے انسانیت کے انتخاب کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو

عرب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ وہ کسی انسان کو اپنا رسول بنائے جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔فرماتا ہے آیت (اکان للناس عجبا) الخ، کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب معلوم ہوا کہ ہم نے کسی انسان کی طرف اپنی وحی نازل فرمائی کہ وہ لوگوں کو آگاہ کر دے۔اور فرمایا ہم نے تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول بھیجے سبھی انسان تھے جن پر ہماری وحی آتی تھی۔ تم پہلی آسمانی کتاب والوں سے پوچھ لو کہ وہ انسان تھے یا فرشتے؟ اگر وہ بھی انسان ہوں تو پھر اپنے اس قول سے باز آؤ ہاں اگر ثابت ہو کہ سلسلہ نبوت فرشتوں میں ہی رہا تو بیشک اس نبی کا انکار کرتے ہوئے تم اچھے لگو گے۔اور آیت میں من اھل القری کا لفظ بھی فرمایا یعنی وہ رسول بھی زمین کے باشندے تھے، آسمان کی مخلوق نہ تھے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ نحل، بیروت)

ائمہ مجتہدین کی تقلید غیر مجتہد پر واجب ہے

آیت مذکورہ کا یہ جملہ (آیت) فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے در حقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے نقلی بھی کہ جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں اسی کا نام تقلید ہے یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے ان میں خود دلائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہے نہیں اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے یہ تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں البتہ وہ علماء جو خود قرآن وحدیث کو اور مواقع اجماع کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو ایسے احکام میں جو قرآن وحدیث میں صریح اور واضح طور پر مذکور ہیں اور علماء صحابہ وتابعین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف بھی نہیں ان احکام میں وہ علماء براہ راست قرآن وحدیث اور اجماع پر عمل کریں ان میں علماء کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں لیکن وہ احکام ومسائل جو قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں یا جن میں آیات قرآن اور روایات حدیث میں بظاہر کوئی تعارض نظر آتا ہے یا جن میں صحابہ وتابعین کے درمیان قرآن وسنت کے معنی متعین کرنے میں اختلاف پیش آیا ہے یہ مسائل واحکام محل اجتہاد ہوتے ہیں ان کو اصطلاح میں مجتہد فیہ مسائل کہا جاتا ہے ان کا حکم یہ ہے کہ جس عالم کو درجہ اجتہاد حاصل نہیں اس کو بھی ان مسائل میں کسی امام مجتہد کی تقلید ضروری ہے محض اپنی ذاتی رائے کے بھروسہ پر ایک آیت یا روایت کو ترجیح دے کر اختیار کرنا اور دوسری آیت یا روایت کو مرجوع قرار دے کر چھوڑ دینا اس کے لئے جائز نہیں۔

اسی طرح جو احکام قرآن وسنت میں صراحۃً مذکور نہیں ان کو قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول سے نکالنا اور ان کا حکم شرعی متعین کرنا یہ بھی انہی مجتہدین امت کا کام ہے جن کو عربی زبان عربی لغت اور محاورات اور طریق استعمال کا نیز قرآن وسنت سے

متعلقہ تمام علوم کا معیاری علم اور ورع وتقویٰ کا اونچا مقام حاصل ہو جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ شافعی، مالک احمد بن حنبل یا اوزاعی فقیہ ابواللیث وغیرہ جن میں اللہ تعالیٰ نے قرب زمانہ نبوت اور صحبت صحابہ وتابعین کی برکت سے شریعت کے اصول ومقاصد سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کر کے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازم ہے ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے اختیار کرنا خطاء ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے اکابر علماء محدثین وفقہا امام غزالی، رازی، ترمذی، طحاوی مزنی ابن ہمام ابن قدامہ اور اسی معیار کے لاکھوں علماء سلف وخلف باوجود علوم عربیت وعلوم شریعت کی اعلیٰ مہارت حاصل ہونے کے ایسے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کے پابند رہے ہیں سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کیدلائل سے جانچتے اور پرکھتے تھے پھر ائمہ مجتہدین میں جس امام کے قول کو وہ کتاب وسنت کے ساتھ اقرب پاتے اس کو اختیار کر لیتے تھے مگر ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کیخلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہ جانتے تھے تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔

اس کے بعد روز بروز علم کا معیار گھٹتا گیا اور تقویٰ وخدا ترسی کے بجائے اغراض نفسانی غالب آنے لگیں ایسی حالت میں اگر یہ آزادی دی جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں کسی ایک امام کا قول اختیار کر لیں اور جس میں چاہیں کسی دوسرے کا قول لے لیں تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا تھا کہ لوگ اتباع شریعت کا نام لے کر اتباع ہوی میں مبتلا ہو جائیں کہ جس امام کے قول میں اپنی غرض نفسانی پوری ہوتی نظر آئے اس کو اختیار کر لیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کوئی دین وشریعت کا اتباع نہیں ہوگا بلکہ اپنی اغراض واہوا کا اتباع ہوگا جو باجماع امت حرام ہے علامہ شاطبی نے موافقات میں اس پر بڑی تفصیل سے کام کیا ہے۔

اس لئے متاخرین فقہا نے یہ ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام مجتہد کی تقلید کا پابند کرنا چاہئے یہیں سے تقلید شخصی کا آغاز ہوا جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے جس سے دین کا انتظام قائم رہے اور لوگ دین کی آڑ میں اتباع ہوی کیشکار نہ ہو جائیں اس کی مثال بعینہ وہ ہے جو حضرت عثمان غنی نے باجماع صحابہ قرآن کے سبعۃ احرف (یعنی سات لغات) میں سے صرف ایک لغت کو مخصوص کر دینے میں کیا کہ اگرچہ ساتوں لغات قرآن ہی کے لغات تھے جبرئیل امین کے ذریعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق نازل ہوئے مگر جب قرآن کریم عجم میں پھیلا اور مختلف لغات میں پڑھنے سے تحریف قرآن کا خطرہ محسوس کیا گیا تو باجماع صحابہ مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت میں قرآن کریم لکھا اور پڑھا جائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسی ایک لغت کے مطابق تمام مصاحف لکھوا کر اطراف عالم میں بھجوائے اور آج تک پوری امت اسی کی پابند ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لغات حق نہیں تھے بلکہ انتظام دین اور حفاظت قرآن از تحریف کی بناء پر صرف ایک لغت اختیار کر لیا گیا اسی طرح ائمہ مجتہدین سب حق ہیں ان میں سے کسی نے اختیار کی ہے اس کے نزدیک دوسرے ائمہ قابل تقلید نہیں بلکہ اپنی صواب دید اور اپنی سہولت جس امام کی تقلید میں دیکھی اس کو اختیار کر لیا اور دوسرے ائمہ کو بھی اسی طرح واجب الاحترام سمجھا۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ٥
واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ، اور ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم نازل فرمایا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لئے وہ خوب
واضح کر دیں جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔

قرآن مجید میں دلائل ہونے کا بیان

"بِالْبَيِّنَاتِ" مُتَعَلِّق بِمَحْذُوفٍ أَيْ أَرْسَلْنَاهُمْ بِالْحُجَجِ الْوَاضِحَة "وَالزُّبُر" الْكُتُب "وَأَنْزَلْنَا إلَيْك الذِّكْر" الْقُرْآن "لِتُبَيِّن لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إلَيْهِمْ" فِيهِ مِنْ الْحَلَال وَالْحَرَام "وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ" فِي ذَلِكَ فَيَعْتَبِرُونَ

یہاں پر بینات کا متعلق محذوف ہے۔ یعنی ہم نے واضح دلائل دے کر بھیجا اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور ہم نے آپ کی طرف ذکرِ عظیم قرآن نازل فرمایا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لئے وہ خوب واضح کر دیں جو ان کی طرف حلال وحرام کے احکام اتارے گئے ہیں اور تا کہ وہ غور و فکر کریں۔ یعنی وہ اس میں قیاس کریں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

بینت ۔ بمعنی معجزات وشواہد صدقِ پیغمبر۔ واضح دلائل۔ الزبر۔ الکتاب۔ کتابیں۔ اس کا واحد زبور ہے۔ بالبینت والزبر ۔ اس کے متعلقات کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔ لیکن آیت کے سیاق وسباق سے اس کا تعلق ارسلنا ہی سے ہے کہ جو انبیاء بھیجے گئے ان کی تائید وتصدیق روشن دلائل اور معجزات سے بھی کی گئی۔ اور احکام شرعیہ جن کی انہوں نے تبلیغ کی۔ وہ اس کتاب الہیہ میں بیان کئے گئے جو ان کو دی گئی۔ ای ارسلنا ھم بالبینت والزبر ۔ الذکر۔ یہاں اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ نصیحت نامہ۔ لتبین ۔ میں لام تعلیل کا ہے۔ تبین ۔ مضارع واحد مذکر حاضر۔ تا کہ تو بیان کرے۔ کھول کھول کر۔ یتفکرون۔ مضارع جمع مذکر غائب (تا کہ) وہ غور و خوض کریں۔ اور حقائق کو سمجھیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ٥
تو کیا وہ لوگ جنھوں نے بری تدبیریں کی ہیں، اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے،
یا ان پر عذاب آ جائے جہاں سے ان کو خیال بھی نہ ہو۔

دار ندوہ میں سازش کرنے والے کفار کی بدبختی کا بیان

"أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا" "السَّيِّئَات" الْمُنْكَرَات بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دَار النَّدْوَة مِنْ تَقْيِيده أَوْ قَتْله أَوْ إخْرَاجه كَمَا ذُكِرَ فِي الْأَنْفَال "أَنْ يَخْسِف اللَّه بِهِمْ الْأَرْض" كَقَارُونَ "أَوْ يَأْتِيهِمْ.

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ" أَيْ مِنْ جِهَةٍ لَا تَخْطِرُ بِبَالِهِمْ وَقَدْ أُهْلِكُوا بِبَدْرٍ وَلَمْ يَكُونُوا يُقَدِّرُونَ ذَلِكَ،

تو کیا وہ لوگ جنہوں نے بری تدبیریں یعنی سازشیں کی ہیں، یعنی جو دارندوہ میں نبی کریم ﷺ کے خلاف آپ کے قتل یا قید یا اخراج (نعوذ باللہ) کے بارے میں جس طرح سورہ انفال میں ذکر کیا گیا ہے۔ وہ کفار اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے، جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا یا ان پر عذاب آ جائے جہاں سے ان کو خیال بھی نہ ہو۔ یعنی ایسی جہت سے جہاں سے ان کو کوئی خطرہ نہ ہو اور یقیناً وہ غزوہ بدر میں ہلاک کر دیئے گئے۔ کیونکہ وہ اس عذاب سے بچنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے خلاف کفار و مشرکین کی سازش کا بیان

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ قریش مکہ نے ایک روز رات کے وقت (دارالندوہ) میں اپنی مجلس مشاورت منعقد کی (جس میں ابلیس شیطان بھی ایک نجدی شیخ کی صورت میں شریک ہوا) چنانچہ بعض نے یہ مشورہ دیا کہ صبح ہوتے ہی اس شخص کی مشکیں کس لو (یعنی رسیوں سے باندھ کر قید میں ڈال دو)"اس شخص" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، بعض نے یہ رائے دی کہ (نہیں بلکہ اس کو قتل کر ڈالو اور بعض نے (حقارت کے ساتھ) یہ کہا کہ اس کو اپنی سرزمین سے نکال کر باہر کرو یعنی جلاوطن کر دو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو (قریش مکہ کے مشورہ و فیصلہ سے) آگاہ کر دیا (اور حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج کی رات اپنے بستر پر حضرت علی کو سلا دیں اور (ابوبکر کو ساتھ لے کر) مکہ سے نکلے اور غار ثور میں جا چھپے، ادھر قریش مکہ نے یہ سمجھ کر پوری رات علی کی نگرانی میں رات گزار دی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (یعنی گھر کے اندر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر تو حضرت علی سوئے ہوئے تھے اور قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سویا ہوا سمجھ کر پوری رات گھر کی نگرانی کرتے رہے) یہاں تک کہ جب صبح ہوئی تو انہوں نے (یعنی قریش مکہ نے) اس (بستر) پر (کہ حضرت علی سوئے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان کر کے) دھاوا بول دیا لیکن جب انہوں نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے) حضرت علی کو دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بدخواہی کو انہی پر لٹا دیا تو (وہ بڑے سٹپٹائے اور) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھنے لگے کہ تمہارا یہ دوست (جس کا یہ بستر ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں گیا؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ مجھ کو نہیں معلوم۔ قریش مکہ (صورت حال کو سمجھ کر فوراً حرکت میں آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈھ کر پکڑ لانے کے لئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نشان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں نکل پڑے، یہاں تک کہ جبل ثور تک پہنچ گئے مگر وہاں قدموں کے نشان مشتبہ ہو گئے تھے (جس کی وجہ سے ان کو آگے رہنمائی نہیں مل سکی) پھر وہ پہاڑ کے اوپر گئے اور ادھر ادھر ٹوہ لگاتے ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے (ان کا گمان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں چھپے ہوں گے) لیکن انہوں نے غار کے اوپر گئے اور ادھر ادھر ٹوہ لگاتے ہوئے) غار کے منہ پر پہنچ گئے (ان کا گمان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں چھپے ہوں.

گے) لیکن انہوں نے غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس غار میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے منہ پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا (اس طرح وہ لوگ وہاں سے مایوس ہو کر واپس ہو گئے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تین رات دن اسی غار میں چھپے رہے۔ (احمد، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 522)

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○
یا وہ انہیں ان کے چلنے پھرنے کے دوران پکڑ لے۔ سو وہ کسی طرح عاجز کرنے والے نہیں۔ یا وہ انہیں خوفزدہ ہونے پر
پکڑ لے۔ پس بے شک تمہارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکنے کا بیان

"اَوْ يَأْخُذهُمْ فِي تَقَلُّبهمْ " فِـي أَسْفَارهمْ لِلتِّجَارَة "فَـمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ" بِفَائِتِي الْعَذَاب "أَوْ يَأْخُذهُمْ عَلَى تَخَوُّف "تَـنَـقُّـص شَيْـئًا فَشَيْئًا حَتَّى يَهْلِك الْجَمِيع حَال مِنْ الْفَاعِل أَوْ الْمَفْعُول "فَإِنَّ رَبّكُمْ لَرَءُوف رَحِيم" حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلهُمْ بِالْعُقُوبَةِ

یا وہ انہیں ان کے چلنے پھرنے یعنی تجارت کے سفروں کے دوران پکڑ لے۔ سو وہ کسی طرح عاجز کرنے والے نہیں۔ یعنی عذاب سے بچ سکنے والے نہیں ہیں۔

یا وہ انہیں خوفزدہ ہونے پر پکڑ لے۔ یعنی اتنا کمزور کر دے یہاں تک وہ ہلاک ہو جائے۔ یہاں پر تخوف یہ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ پس بے شک تمہارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ یعنی وہ ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

عذاب کے مقام سے روتے ہوئے گزرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان لوگوں کے ٹھکانوں میں جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا روتے ہوئے داخل ہونا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان جیسی مصیبت تم پر بھی آ جائے۔ (پس وہ مقام عبرت ہوتے ہیں) (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 640)

قوم ثمود کی برباد بستیوں سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے تو (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا کہ تم ان لوگوں کے مکانات (کے کھنڈرات) میں نہ گھسنا۔

جنہوں نے (کفر اختیار کر کے اور اپنی طرف بھیجے گئے اللہ کے پیغمبر علیہم السلام کو جھٹلا کر) خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے الا یہ کہ تم رونے والے ہو (یعنی اگر تم ان کھنڈرات کی صورت میں اس بدنصیب قوم کا المناک انجام دیکھ کر اور ان لوگوں کے سیاہ کارناموں کو یاد کر کے عبرت حاصل کرنا چاہو۔ تو اس جگہ کو دیکھ سکتے ہو نیز تم اس جگہ سے غفلت ولا پرواہی کے ساتھ نہ گزرو) کہ مبادا تم پر بھی وہی

مصیبت نازل ہو جائے جوان پر نازل ہوئی تھی (کیونکہ ایسی جگہوں سے غفلت و بے پروائی کے ساتھ گزرنا اور عبرت نہ پکڑنا قساوت قلبی اور خوف اللہ کے فقدان کی علامت ہے۔ اور یہ چیز عذاب الٰہی کے نازل ہونے کا باعث بن سکتی ہے، یا یہ مراد ہے کہ تم یہاں اللہ کا خوف کھاؤ اور اور عبرت پکڑو کہ مبادا تم سے بھی وہی اعمال صادر ہونے لگیں جو اس قوم کے لوگوں کا شیوہ تھے اور پھر تمہیں بھی سزا بھگتنی پڑے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر سے اپنا سر ڈھانک لیا اور تیز تیز چل کر اس علاقہ سے گزر گئے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1049)

حجر اس جگہ کا نام ہے جو مشہور پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کا مسکن تھی! حجاز کے شمالی علاقہ میں، جس کا نام مدین ہے، ایک تاریخی وادی ہے جس کا نام وادی قری ہے اسی وادی میں تبوک سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر یہ جگہ واقع ہے یہاں قوم ثمود کی بستیاں تھیں، اس قوم نے جب طغیانی وسرکشی میں حد سے تجاوز کیا اور اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کے بنائے ہوئے راستہ پر چلنے کے بجائے ان کو جھٹلایا، ان کو سخت تکلیفیں پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو اس قوم پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور ان کی ساری بستیاں تباہ کر دی گئیں، ان بستیوں کے آثار و کھنڈرات اب بھی موجود ہیں اور زبان حال سے عبرت پذیر لوگوں کو قوموں کے عروج وزوال کی داستان سناتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کے لئے تبوک جا رہے تھے یا غزوہ سے فارغ ہو کر وہاں سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اسی علاقہ سے ہوا، چنانچہ اس حدیث کا تعلق اسی وقت سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے سر پر چادر ڈال کر اس جگہ سے جلدی گزرنا جیسا کہ کسی جگہ سے کوئی خوفزدہ شخص جلد سے جلد گزر جاتا ہے، اس وجہ سے تھا تا کہ آپ کی نظر مبارک اس تباہ شدہ قوم کے مکانات کھنڈرات پر نہ پڑے۔ اور حقیقت میں آپ کا یہ عمل مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے تھا تا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں، چنانچہ آپ نے پہلے تو قول کے ذریعہ لوگوں کو اس امر کی طرف متوجہ کیا اور پھر از راہ تاکید اپنے فعل کے ذریعہ بھی توجہ دلائی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے اس طرح گزرنا اس بناء پر تھا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف اللہ کا نہایت غلبہ رہتا تھا اور عذاب الٰہی کے آثار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ لرزاں کر دیا کرتے تھے جیسا کہ ایک ارشاد میں فرمایا۔ انا اعلمکم باللہ واخشاکم۔ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں۔ ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس جگہ نہ تو کچھ کھائیں اور نہ وہاں کا پانی پئیں۔ بہر حال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کے سرکش بندوں اور ظالموں کے مکانات اور ان کی جگہوں میں نہ تو رہائش اختیار کی جائے اور نہ ان کے علاقوں کو اپنا وطن بنایا جائے۔

اللہ کے عذاب کو کوئی عاجز کرنے والا نہیں ہے

اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور مالک ارض وسماوات اپنے حلم کا باوجود علم کے باوجود اور اپنی مہربانی کے باوجود بیان فرماتا ہے کہ وہ اگر چاہے اپنے گنہگار بدکردار بندوں کو زمین میں دھنسا سکتا ہے۔ بے خبری میں ان پر عذاب لا سکتا ہے لیکن اپنی غایت مہربانی سے

درگزر کئے ہوئے ہے جیسے سورہ تبارک میں فرمایا اللہ جو آسمان میں ہے کیا تم اس کے غضب سے نہیں ڈرتے ؟ کہ کہیں زمین کو دلدل بنا کر تمہیں اس میں دھنسا نہ دے کہ وہ تمہیں ہچکولے ہی لگاتی رہا کرے کیا تمہیں آسمانوں والے اللہ سے ڈر نہیں لگتا کہ کہیں وہ تم پر آسمان سے پتھر نہ برسا دے۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مکار، بد کردار لوگوں کو ان کے چلتے پھرتے، آتے، کھاتے، کماتے ہی پکڑ لے۔ سفر حضرات دن جس وقت چاہے، پکڑ لے جیسے فرمان ہے آیت (اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ،الاعراف:97)، کیا بستی والے اس سے نڈر ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس ہمارا عذاب رات میں ان کے سوتے سلاتے ہی آ جائے۔ یا دن چڑھے ان کے کھیل کود کے وقت ہی آ جائے۔ اللہ کو کوئی شخص اور کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا وہ ہارنے والا، تھکنے والا اور ناکام ہونے والا نہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ڈر خوف کے انہیں پکڑ لے تو دونوں عتاب ایک ساتھ ہو جائیں ڈر اور پھر پکڑ۔ ایک کو اچانک موت آ جائے دوسرا ڈرے اور پھر مرے۔ لیکن رب العلی، رب کائنات بڑا ہی رؤف و رحیم ہے اس لئے جلدی نہیں پکڑتا۔

بخاری و مسلم میں ہے خلاف طبع باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد ٹھہرتے ہیں اور وہ انہیں رزق و عافیت عنایت فرماتا ہے۔ بخاری مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑ نازل فرماتا ہے پھر اچانک تباہ ہو جاتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ○
اور کیا انھوں نے اس کو نہیں دیکھا جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، جو بھی چیز ہو کہ اس کے سائے دائیں طرف سے اور
بائیں طرفوں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں، اس حال میں کہ وہ عاجز ہیں۔

مخلوقات کے سائے کا سجدہ کرنے کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّه مِنْ شَيْء " لَهُ ظِلّ كَشَجَرَةٍ وَجَبَل "يَتَفَيَّأ" تَتَمَيَّل "ظِلَاله عَنْ الْيَمِين وَالشَّمَائِل" جَمْع شِمَال أَيْ عَنْ جَانِبَيْهِمَا أَوَّل النَّهَار وَآخِره "سُجَّدًا لِلَّهِ" حَال أَيْ خَاضِعِينَ لَهُ بِمَا يُرَاد مِنْهُمْ "وَهُمْ" أَيْ الظِّلَال "دَاخِرُونَ" صَاغِرُونَ نُزِّلُوا مَنْزِلَة الْعُقَلَاء ،

اور کیا انھوں نے اس کو نہیں دیکھا جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کیلئے سایہ ہے جس طرح درخت اور پہاڑ کا سایہ ہے۔ جو بھی چیز ہو کہ اس کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرفوں سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتے ہیں، یہاں پر شمائل یہ شمال کی جمع ہے یعنی دن کے پہلے حصے اور آخر حصے میں ان دونوں اجانب سے سجدہ کرتے ہیں۔ یہاں پر سجدا ظلالہ کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی جو ان سے مطلوب ہے۔ اس حال میں کہ وہ عاجز ہیں۔ یعنی وہ سائے ہیں جو جن کو اہل عقل کے حکم میں لا کر بیان کیا گیا ہے۔

سورہ نحل آیت ۴۸ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زوال کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعتیں پڑھنے کا اجر تہجد کی نماز پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت (کائنات کی) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ، کیا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں جھکے جا رہے ہیں۔ اور نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1073)

اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کی عظمت وجلالت کبریائی اور بے ہمتائی کا خیال کیجئے کہ ساری مخلوق عرش سے فرش تک اس کے سامنے مطیع اور غلام۔ جمادات وحیوانات، انسان اور جنات، فرشتے اور کل کائنات، اس کی فرماں بردار، ہر چیز صبح شام اس کے سامنے ہر طرح سے اپنی عاجزی اور بیکسی کا ثبوت پیش کرنے والی، جھک جھک کر اس کے سامنے سجدے کرنے والی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورج ڈھلتے ہی تمام چیزیں اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑتی ہیں ہر ایک رب العالمین کے سامنے ذلیل وپست ہے، عاجز وبےبس ہے۔ پہاڑ وغیرہ کا سجدہ ان کا سایہ ہے، سمندر کی موجیں اس کی نماز ہے۔ انہیں گویا ذوی العقول سمجھ کر سجدے کی نسبت ان کی طرف کی۔ اور فرمایا زمین وآسمان کے کل جاندار اس کے سامنے سجدے میں ہیں۔

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ ۝
اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے، اور فرشتے اور وہ غرور نہیں کرتے۔

زمین وآسمان کی مخلوق کا بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہونے کا بیان

"وَلِلّٰہِ یَسْجُد مَا فِی السَّمَاوَات وَمَا فِی الْأَرْض مِنْ دَابَّة " أَیْ نَسَمَة تَدِبّ عَلَیْھَا أَیْ تَخْضَع لَهُ بِمَا یُرَاد مِنْھَا وَغَلَبَ فِی الْإِتْیَان بِمَا لَا یَعْقِل لِکَثْرَتِهِ "وَالْمَلَائِکَة" خَصَّھُمْ بِالذِّکْرِ تَفْضِیلًا "وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُونَ" یَتَکَبَّرُونَ عَنْ عِبَادَته،

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں چلنے والا ہے، یعنی وہ جو زمین پر چلتے ہیں اور وہی مانتے ہیں جو ان سے مطلوب ہوتا ہے۔ اور غلبے کی وجہ سے لایا گیا ہے۔ کیونکہ اکثر غیر ذوی العقول ہیں۔ اور فرشتے یہاں پر فرشتوں کا ذکر ان کے شرف کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ اور وہ غرور نہیں کرتے۔ یعنی اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔

سورج کے سجدہ کرنے کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، جب

آفتاب ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کہاں جاتا ہے، میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس رسول زیادہ جاننے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ جاتا ہے اور سجدہ کی اجازت چاہتا ہے تو اسے سجدہ کی اجازت دی جاتی ہے اور گویا اس سے کہا گیا کہ لوٹ جا جہاں سے تو آیا ہے تو وہ مغرب سے طلوع ہوگا، پھر آپ نے ذَٰلِكَ مُسْتَقَرٌّ لَهَا، یہ اس کا مستقر ہے۔ جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرات میں ہے پڑھی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2321)

يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۞ السجدة
اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم ہو۔

فرشتوں پر خوف الٰہی ہونے کا بیان

"يَخَافُونَ" أَيْ الْمَلَائِكَة حَال مِنْ ضَمِير يَسْتَكْبِرُونَ "رَبّهمْ مِنْ فَوْقهمْ" حَال مِنْ هُمْ أَيْ عَالِيًا عَلَيْهِمْ بِالْقَهْرِ "وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ" بِهِ

فرشتوں کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر اپنے رب کا خوف کھاتے ہیں یعنی وہی ان سے کے اوپر ہے اور ان پر اس کی قدرت ہے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم ہو۔

سجدہ تلاوت کے وجوب کا بیان

قرآن پاک کے ان مقامات میں پڑھنے اور سننے والے دونوں پر یہ سجدے واجب ہیں۔ اس بات کا کوئی لحاظ و اعتبار نہیں کہ سننے والے نے سننے کا ارادہ کیا تھا یا نہیں کیا تھا۔ پس جب امام نے سجدہ والی آیت تلاوت کی تو اس کے ساتھ مقتدی بھی سجدہ کرے گا اب اگر مقتدی نے سجدہ کی آیت تلاوت کر ڈالی تو اس سے نہ تو امام پر سجدہ لازم آتا ہے اور نہ ہی مقتدی پر کوئی سجدہ ہے اور اگر لوگوں نے نماز میں ایسے آدمی سے سجدہ کی آیت سن لی جو ان کے ساتھ نماز میں شامل نہیں ہے تو وہ اس آیت کا سجدہ نماز میں نہیں کریں گے بلکہ وہ اس آیت کا سجدہ نماز کے بعد ادا کریں گے۔

اور اگر انہوں نے یہ سجدہ نماز میں ہی کر لیا تو نہ تو ان کی طرف سے یہ سجدہ ادا ہوگا اور ان کی نماز بھی نہیں ٹوٹے گی اور جس کسی نے نماز سے باہر آیت سجدہ تلاوت کی اور اس کا سجدہ نہ کیا یہاں تک اس نے نماز شروع کر لی اور پھر وہی آیت سجدہ تلاوت کی اور اس کا سجدہ کر لیا تو اس کے اس آیت کو دو دفعہ پڑھنے پر بھی اس کی طرف سے یہ سجدہ کافی ہوگا۔

اور اگر اس نے سجدہ والی آیت نماز سے باہر تلاوت کی تو اب دوبارہ سجدہ کرے گا کیونکہ اب پہلا سجدہ کافی ثابت نہیں ہوگا اور جس کسی نے ایک ہی مجلس مین کوئی آیت سجدہ بار بار پڑھی تو اسے ان تمام کے لئے ایک ہی سجدہ کر لینا کافی ہوگا اور جو آیت کا سجدہ کرنے کا ارادہ کرے تو وہ تکبیر کہے مگر سر کو نہ اٹھائے اور سجدہ کرے پھر تکبیر کہتے ہوئے سر اٹھائے لیکن اس پر نہ تو تشہد پڑھنا ہے اور نہ ہی سلام پھیرنا ہے۔ (قدروی، باب سجدہ تلاوت، لاہور)

سجدہ تلاوت کے وجوب میں فقہ حنفی وشافعی کا اختلاف کا بیان

علامہ ابن مازہ بخاری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تلاوت کا سجدہ واجب ہے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک سجدہ تلاوت سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے آیت سجدہ پڑھی۔ اور انہوں نے سجدہ نہیں کیا اور نبی کریم ﷺ نے بھی سجدہ نہیں کیا۔ اور انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ ہمارے امام ہیں۔ اگر آپ نے سجدہ کیا تو ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کریں گے۔ لہٰذا اگر سجدہ تلاوت واجب ہوتا تو حضرت زید سجدہ ترک نہ کرتے اور نہ ہی نبی کریم ﷺ سجدے کو ترک فرماتے۔

جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ سجدے آیات کی دلالت وجوب پر ہے کیونکہ بعض آیات میں سجدہ کرنے کا امر ہے۔ اور بعض آیات میں ترک سجدہ پر وعید کا ذکر ہوا ہے۔ لہٰذا ان آیات سجدہ میں حکم امر اور ترک سجدہ پر وعید والی آیات سے استدلال یہ ہے کہ سجدہ کرنا واجب ہے۔ (محیط برہانی فی فقہ نعمانی، ج ۲، ص ۳۴، بیروت)

تلاوت کرنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ تلاوت واجب ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن کریم پڑھتے اور جب سجدے کی کسی آیت پر پہنچتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس حدیث سے یہ بات بصراحت معلوم ہوگئی کہ سجدہ تلاوت قاری (یعنی قرآن کریم پڑھنے والے) اور سامع (یعنی تلاوت سننے والے) دونوں پر واجب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو آیت سجدہ کے ساتھ کچھ اور آیتیں بھی ملا کر پڑھی ہوں گی یا پھر محض آیت سجدہ بیان جواز کے لیے پڑھی ہوگی، کیونکہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق صرف آیت سجدہ کی تلاوت کرنا خلاف استحباب ہے۔

سواریوں والے اپنے ہاتھ ہی پر سجدہ کرتے تھے کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اپنی سواریوں مثلاً گھوڑے وغیرہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنے ہاتھوں کو زین وغیرہ پر رکھ کر ان پر سجدہ کرتے تھے اس طرح انہیں حالت سجدہ میں زمین کی سی سختی حاصل ہو جاتی تھی۔

حضرت ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی آدمی گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں پر سجدہ کرے تو اس کا سجدہ جائز ہو جائے گا اور یہی قول حضرت امام ابوحنیفہ کا ہے البتہ حضرت امام شافعی کا یہ قول نہیں ہے۔

ابن ملک نے حضرت امام اعظم کا جو یہ قول ذکر کیا ہے یہ ان کے مسلک میں غیر مشہور ہے چنانچہ شرح منیہ میں لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی ہجوم واژدہام کی وجہ سے اپنی ران پر سجدہ کرلے تو جائز ہوگا اسی طرح ران کے علاوہ کسی دوسرے عضو پر بھی سجدہ کرنا جائز ہے جب کہ اسے کوئی ایسا عذر پیش ہو جو سجدہ کرنے سے مانع ہو، بغیر عذر ایسا کرنا جائز نہ ہوگا نیز اگر کوئی آدمی اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر اس پر سجدہ کرلے تو اگرچہ اسے کوئی عذر نہ ہو یہ جائز ہے مگر مکروہ ہوا۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی بیمار ہو سجدے کی کوئی آیت پڑھے اور سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے سجدے کا اشارہ کر لینا کافی ہوگا۔

سجود تلاوت کی آیات کی تعداد میں فقہی مذاہب اربعہ

ائمہ کے ہاں اس بات پر اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں کل کتنی آیتیں ایسی ہیں جن کے پڑھنے یا سننے سے ایک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام احمد نے اس حدیث کے مطابق کہا ہے کہ ایسی آیتیں پندرہ ہیں جن کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے چنانچہ انہوں نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آیت سجدہ کی تعداد چودہ ہے۔ اس طرح کہ سورہ حج میں تو دو سجدے ہیں اور سورہ ص میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں آیت سجدہ کی تعداد گیارہ ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ سورہ ص، سورۂ نجم، سورۂ انشقت اور سورۂ اقرا میں سجدہ نہیں ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کل سجدوں کی تعداد چودہ ہے اس طرح کہ سورہ حج میں دو سجدے نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عمرو ابن العاص کی یہ حدیث جس سے سجدوں کی تعداد پندرہ ثابت ہوتی ہے ضعیف ہے اور اس کو دلیل بنانا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ اس کے بعض راوی مجہول ہیں۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝
اور اللہ نے فرمادیا دو خدا نہ ٹھہراؤ، وہ تو ایک ہی معبود ہے تو مجھ ہی سے ڈرو۔

دو معبود ماننے کی ممانعت کا بیان

"وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ" تَأْكِيد "إِنَّمَا هُوَ إِلٰه وَاحِد" أَتَى بِهِ لِإِثْبَاتِ الْإِلٰهِيَّة وَالْوَحْدَانِيَّة "فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ" خَافُونِ دُون غَيْرِي وَفِيهِ الْتِفَات عَنْ الْغَيْبَة

اور اللہ نے فرمادیا دو خدا نہ ٹھہراؤ، یہاں اثنین یہ تاکید ہے، وہ تو ایک ہی معبود ہے یعنی اسی کیلئے الوہیت وتوحید ثابت ہے۔ تو مجھ ہی سے ڈرو۔ یعنی تم میرے علاوہ سے نہیں بلکہ مجھ سے ڈرو، اس میں غیبت کی طرف التفات ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لا تتخذوا الهين اثنين ۔ دو معبودمت اختیار کرو یہ تعدد کی نفی ہے دو کثرت وتعداد کا ادنیٰ درجہ ہے جب دو کی نفی ہوئی تو اس سے زیادہ کی نفی خود بخود ہوگئی۔

فارھبون ۔ امر۔ جمع مذکر حاضر۔ ن وقایہ ی ضمیر واحد متکلم محذوف۔ تم مجھ سے ڈرو۔ (باب سمع) رھبۃ سے۔ بے تابی اور بے چینی کے ساتھ ڈرنا۔

انما ھو الہ واحد فایای فارھبون ۔صیغہ غائب کے معا بعد صیغہ متکلم کی طرف انتقال صفتِ التفات کہلاتا ہے۔ اور عربی اسلوب بلاغت میں یہ ایک اعلیٰ صفت ہے اس کی کئی مثالیں ہیں۔ غائب سے متکلم کی طرف التفات اپنی کبریائی اور عنایات کی طرف توجہ دلانا۔ یا ترہیب میں شدت پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے۔

اللہ کی توحید کا اثبات اور شرک کے رد کا بیان

اللہ واحد کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، وہ لاشریک ہے، وہ ہر چیز کا خالق ہے، مالک ہے، پالنہار ہے۔ اسی کی خالص عبادت دائمی اور واجب ہے۔ اس کے سو دوسروں کی عبادت کے طریقے نہ اختیار کرنے چاہئیں۔ آسمان و زمین کی تمام مخلوق خوشی یا ناخوشی اس کی ماتحت ہے۔ سب کو لوٹایا جانا اسی کی طرف ہے، خلوص کے ساتھ اسی کی عبادت کرو۔ اسکے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے سے بچو۔ دینِ خالص صرف اللہ ہی کا ہے آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک وہی تنہا ہے۔ نفع نقصان اسی کے اختیار میں ہے، جو کچھ نعمتیں بندوں کے ہاتھ میں ہیں سب اسی کی طرف سے ہیں، رزق نعمتیں عافیت تصرف اسی کی طرف سے ہے۔ اسی کے فضل و احسان بدن پر ہیں۔ اور اب بھی ان نعمتوں کے پالنے کے بعد بھی تم اس کے ویسے ہی محتاج ہو مصیبتیں اب بھی سر پر منڈلا رہی ہیں۔ سختی کے وقت وہی یاد آتا ہے اور گڑگڑا کر پوری عاجزی کے ساتھ کٹھن وقت میں اسی کی طرف جھکتے ہو۔

دو خداؤں کا عقیدہ رکھنے والے مجوسی مذہب کا تعارف

عہد نبوی میں ایران میں مجوسی مذہب رائج تھا یہ لوگ سورج پرست اور آتش پرست تھے۔ اپنے آپ کو سیدنا نوح کا پیروکار بتاتے اور باقی سب نبیوں کے دشمن تھے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق خدا ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔ ایک خیر اور نور کا خدا جسے وہ یزدان کہتے تھے، دوسرا بدی اور تاریکی کا خدا جسے وہ اہرمن کہتے تھے۔ یہ لوگ اپنی الہامی کتابوں کا نام زند اور اوستا بتاتے تھے اور اہل عرب ان سے متعارف تھے۔ انہیں لوگوں کے عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دو الٰہ بنانا چھوڑ دو کیونکہ اس کائنات کا الٰہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور دو خدا آپس میں برابر کی چوٹ ہوتے تو یقیناً ان میں کائنات میں تصرف کے سلسلہ میں جھگڑا ہو جاتا۔ پھر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ اس طرح یہ نظام کائنات کب کا درہم برہم ہو چکا ہوتا۔ جب تمہیں تجربہ سے معلوم ہے کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں۔ نہ ہی کسی مملکت کے دو حکمران ہو سکتے ہیں۔ پھر اس کائنات میں دو خداؤں کی خدائی کا تصور کیسے درست سمجھا جا سکتا ہے۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝
اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور عبادت بھی ہمیشہ اسی کی ہے، پھر کیا اللہ کے غیر سے ڈرتے ہو۔

زمین وآسمان کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہے

"وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" مِلْكًا وَخَلْقًا وَعَبِيدًا "وَلَهُ الدِّينُ" الطَّاعَة "وَاصِبًا" دَائِمًا حَال مِنْ الدِّين وَالْعَامِل فِيهِ مَعْنَى الظَّرْف "أَفَغَيْر اللَّه تَتَّقُونَ" وَهُوَ الْإِلَه الْحَقّ وَلَا إلَه غَيْره وَالِاسْتِفْهَام لِلْإِنْكَارِ وَالتَّوْبِيخ،

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں بادشاہت، مخلوق اور غلام ہیں۔اور عبادت بھی ہمیشہ اسی کی ہے،اور اسی کیلئے دین یعنی طاعت ہے وائما یہاں من الدین سے حال ہے۔اور معنی ظرف اس میں عامل ہے۔ پھر کیا اللہ کے غیر سے ڈرتے ہو۔حالانکہ معبود برحق وہی ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔یہاں استفہام انکاری وتوبیخی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

واصبا ۔ اسم فاعل واحد مذکر منصوب۔دوامی۔ہمیشہ۔جاودانی۔لازوال۔قائم رہنے والا۔الدین ضمیر کا حال ہے۔یہاں الدین سے مراد اطاعت ہے۔ولہ الدین واصبا ط۔اطاعت ہمیشہ اسی کو سزاوار ہے۔

واصباوصوب سے مشتق ہے۔(باب ضرب) اور اگر بذریعہ علی مصدر سمع ہو تو بیمار ہونا کے معنی ہوتے ہیں۔لیکن یہاں پہلے معنی ہی میں مستعمل ہے۔

افغیر اللہ تتقون (تو کیا اللہ کے سوا غیروں سے ڈرتے ہو) میں الف استفہامیہ ہے اور تعجب اور توبیخ کے لئے ہے۔معنی یہ ہیں کہ: کیا اس ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کی وحدانیت کے علم کے باوجود اور اس علم کے باوجود کہ وہی حاجت روا ہے تم دوسرے معبودانِ باطل سے ڈرتے ہو؟

اللہ کیلئے حق عبادت ہونے کا بیان

حصر وقصر کے انداز واسلوب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اسی کا حق ہے لازمی اور دائمی اطاعت عبادت، کہ معبود برحق وہی اور صرف وہی ہے۔اس کائنات اور اس کی ہر نعمت کا خالق ومالک بھی وہی وحدہ لاشریک ہے۔پس اطاعت مطلقہ بھی اسی کا حق ہے۔

"واصب" کے معنی لازم کے بھی کیے گئے ہیں (محاسن التاویل) اور اس کے معنی دائم کے بھی گئے ہیں۔(المراغی) سوان دونوں معنوں کے ملانے سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اسی کا حق ہے لازمی ودائمی اطاعت کہ معبود برحق اور مطاع مطلق بہر حال وہی وحدہ لاشریک ہے۔اور جب آسمانوں اور زمین کی اس ساری کائنات اور اس کی تمام نعمتوں کا خالق ومال بھی وہی ہے اور اس سب میں حکم وتصرف بھی اسی کا چلتا ہے تو اطاعت مطلقہ کا حقدار بھی وہی وحدہ لاشریک ہے۔دنیا کی اس عارضی اور فانی زندگی میں بھی اور آخرت کے اس حقیقی اور ابدی جہاں میں بھی جو اس دنیا کے بعد آنے والا ہے۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْئَرُونَ٥
اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے
تو تم اسی کے آگے گریہ وزاری کرتے ہو۔

مصائب وتکالیف میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا بیان

"وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ" لَا يَأْتِي بِهَا غَيْرُه وَمَا شَرْطِيَّة أَوْ مَوْصُولَة "ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ" أَصَابَكُمْ "الضُّرُّ" الْفَقْر وَالْمَرَض "فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ" تَرْفَعُونَ أَصْوَاتكُمْ بِالِاسْتِغَاثَةِ وَالدُّعَاء وَلَا تَدْعُونَ غَيْره

اور تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے سو وہ اللہ ہی کی جانب سے ہے، یعنی اس کے غیر سے نہیں آئی ہے۔ یہاں پر ما شرطیہ یا موصولہ ہے۔ پھر جب تمہیں تکلیف یعنی فقر ومرض پہنچتی ہے تو تم اسی کے آگے گریہ وزاری کرتے ہو۔ یعنی مدد مانگنے اور دعا کیلئے اپنی آوازوں کو بلند کرتے ہو اور تم اس کے غیر کو اس وقت نہیں پکارتے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

وما بکم من نعمة اور جو کچھ تمہارے پاس ہے نعمتوں میں سے۔ یعنی تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں۔ تجئرون۔ مضارع جمع مذکر حاضر۔ جار یجئر (فتح) جوار۔ الجوار کے اصلی معنی جنگلی جانوروں کے چلّانے کے ہیں۔ بلند آواز سے مدد کے لئے پکارنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جار (جار) مادہ۔ تجئرون تم گڑگڑا کر چیخ چیخ کر مدد کے لئے اس کو پکارتے ہو۔ اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے لا تجئروا الیوم انکم منا لا تنصرون ، آج چلا چلا کر مدد کے لئے مت پکارو۔ ہماری طرف سے تمہاری مطلق مدد نہ ہوگی۔

مصیبت کے وقت اللہ کی بارگاہ میں نیک اعمال کا وسیلہ پیش کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم سے پہلی امت میں سے تین آدمی راستہ چل رہے تھے یہاں تک کہ ایک غار میں رات کو پناہ لینے کے لئے داخل ہوئے پہاڑ سے ایک چٹان آ کر گری جس نے غار کا منہ بند کر دیا ان لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا کہ تم اس چٹان سے نجات نہیں پا سکتے بجز اس صورت کے کہ اللہ سے اپنے بہترین عمل کے واسطہ سے دعا کرو اس میں سے ایک آدمی نہ کہا کہ اے اللہ میرے والدین بہت بوڑھے تھے اور میں ان سے پہلے کسی کو دودھ نہ پلاتا تھا نہ بیوی بچوں کو اور نہ لونڈی غلاموں کو ایک دن کسی چیز کی تلاش میں میں بہت دور چلا گیا میں ان کے پاس اس وقت واپس ہوا کہ دونوں سو چکے تھے میں نے ان دونوں کے لئے دودھ دوہا تو میں نے ان کو سویا ہوا پایا اور مجھے ناپسند تھا کہ ان سے پہلے بیوی بچوں یا لونڈی غلاموں کو پلاؤں چنانچہ میں ٹھہرا رہا اور پیالہ میرے ہاتھ میں تھا میں ان کے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو وہ بیدار ہوئے اور دودھ پیا اے میرے اللہ اگر میں نے یہ صرف تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو ہم سے اس

مصیبت کو دور کر دے جس میں اس چٹان کے سبب سے ہم گرفتار ہیں وہ چٹان کچھ ہٹ گئی لیکن وہ نکل نہیں سکتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دوسرے نے کہا اے میرے اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی وہ مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھی میں نے اس سے برا کام چاہا لیکن وہ رکی رہی یعنی راضی نہ ہوئی یہاں تک کہ ایک سال سخت ضرورت سے دوچار ہوئی تو وہ میرے پاس آئی میں نے اسے ایک سو بیس دینار دیئے اس شرط پر کہ وہ میرے اور اپنی ذات کے درمیان حائل نہ ہو یعنی ہم بستر ہونے دے وہ راضی ہوگئی یہاں تک کہ جب میں اس پر قادر ہوا تو اس نے کہا کہ میں تجھے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ تو مہر کو ناحق توڑے چنانچہ میں نے اس سے ہم بستر ہونے کو گناہ سمجھا اور اس سے الگ ہو گیا حالانکہ وہ مجھ کو تمام لوگوں سے پیاری تھی اور میں نے وہ سونا بھی چھوڑ دیا جو اس کو میں نے دیا تھا اے میرے معبود اگر میں نے یہ صرف تیری رضا کے لئے کیا ہے تو ہم سے اس مصیبت کو دور کر جس میں ہم مبتلا ہیں تو چٹان کچھ ہٹ گئی لیکن باہر نہیں نکل سکتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تیسرے آدمی نے کہا کہ اے میرے اللہ میں نے چند مزدور کام پر لگائے تھے میں نے ان کو ان کی مزدوری دی مگر ایک شخص اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا میں نے اس کی مزدوری کو بڑھانا شروع کیا یہاں تک کہ اس سے بہت زیادہ مال حاصل ہوا ایک مدت کے بعد وہ میرے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے بندے مجھے میری مزدوری دے میں نے کہا کہ یہ اونٹ گائے بکری اور غلام جو کچھ تو دیکھ رہا ہے یہ سب تیرے ہیں اس نے کہا اے اللہ کے بندے تو مجھ سے مذاق نہ کر میں نے کہا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا چنانچہ اس نے ساری چیزیں لے لیں اور چلا گیا اس میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا اے میرے اللہ اگر میں نے یہ کام صرف تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہم سے اس مصیبت کو دور کر جس میں ہم مبتلا ہیں چنانچہ وہ چٹان ہٹ گئی اور وہ لوگ باہر نکل کر چلنے لگے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 2179)

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۝
پھر جب وہ تم سے اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو اچانک تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک بنانے لگتے ہیں۔

ناشکری قوموں کا مصیبت ٹل جانے کے بعد اعراض کر جانے کا بیان

حضرت مسروق سے روایت کرتے ہیں عبداللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور کہا کہ آپ فرما دیجئے کہ میں تم میں سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ خود ساختہ باتیں کرتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ قریش نے نافرمانی کی تو آپ نے فرمایا کہ یا اللہ یوسف علیہ السلام کی سی قحط سالی کے ذریعے ان (کافروں) کے خلاف ہماری مدد فرما تو وہ لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ تمام چیزیں ختم ہو گئیں اور اس کی نوبت پہنچی کہ ہڈیاں اور چمڑے کھانے لگے ان میں سے کسی شخص نے بیان کیا کہ یہاں تک کہ چمڑے اور مردار کھانے لگے اور زمین سے دھواں سا نکلنے لگا تو آپ کے پاس ابوسفیان آیا اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری قوم ہلاک ہو گئی اللہ سے دعا کرو کہ ان پر سے مصیبت دور کر دے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی پھر آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنی پچھلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

منصور کی حدیث میں ہے کہ پھر عبداللہ بن مسعود نے آیت (فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ سے الی عائدون تک، الدخان، 10) تلاوت کی کیا آخرت کا عذاب دور کیا جائے گا دھواں بطشہ (یوم بدر) الزام (ہلاک یوم بدر) گزر چکے بعض نے شق القمر کا تذکرہ کیا اور کسی نے اہل روم کی فتح کا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2034)

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝
تا کہ وہ اس کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دیا ہے۔ سو تم فائدہ اٹھالو، پس عنقریب تم جان لو گے۔

کفار کا عنقریب انجام سے دوچار ہونے کا بیان

"لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ" مِنْ النِّعْمَة "فَتَمَتَّعُوا" بِاجْتِمَاعِكُمْ عَلَى عِبَادَة الْأَصْنَام أَمْر تَهْدِيد "فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ" عَاقِبَة ذَلِكَ

تا کہ وہ اس کی ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دیا ہے۔ سو تم فائدہ اٹھالو، یعنی تم بتوں کی عبادت پر اکٹھے ہو کر فائدہ اٹھالو یہاں تہدید کیلئے حکم آیا ہے۔ پس عنقریب تم اس برے انجام کو جان لو گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لیکفروا ۔ میں لام عاقبت کا ہے یعنی شرک سے ان کی غرض اللہ کی نعمت سے انکار تھا۔ کانهم جعلوا غرضهم فی الشرك كفران النعمة ۔

بما اتینهم ۔ جو ہم نے ان کو عطا کیا تھا۔ یعنی نعمت کشف عن الضر تکلیف سے نجات دینے کی نعمت ۔ فتمتعوا ۔ پس تم فائدہ اٹھالو، تم مزے اڑالو۔ امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ تمتع مصدر۔ وما بکم سے لے کر اذا کشف الضر تک مخاطبین کے لئے ضمیر جمع مذکر حاضر لائی گئی ہے اس میں اپنی عنایت پروری اور کرم فرمائی کا ذکر مخاطبین سے کیا جا رہا ہے لیکن پھر ان کی ناشکری اور کفران نعمت کے سبب اپنی ناراضگی کا اظہار کرنے کے لئے مخاطبین کو اپنی حاضری سے دور کر کے ضمیر جمع مذکر غائب لائی گئی ہے اور یشرکون ۔ لیکفروا ۔ اتینهم استعمال ہوئے ہیں۔ پھر تہدید اور زجر میں شدت پیدا کرنے کے لئے اور اپنی ناراضگی کو ان کے ذہن نشین کرانے کے لئے ان کو پھر اپنے سامنے لایا گیا ہے اور جمع مذکر حاضر کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں جیسے فتمتعوا ۔ فسوف تعلمون اس طرح محض التفات ضمائر سے مختلف احوال کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔــلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝
اور یہ ان کے لئے جن کو وہ خود بھی نہیں جانتے اس رزق میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انہیں عطا کر رکھا ہے۔
اللہ کی قسم! تم سے اس بہتان کی نسبت ضرور پوچھ گچھ کی جائے گی جو تم باندھا کرتے ہو۔

بتوں کیلئے رزق سے حصے مقرر کرنے والے مشرکین کا بیان

"وَيَجْعَلُونَ" أَيْ الْمُشْرِكُونَ "لِمَا لَا يَعْلَمُونَ" أَنَّهَا تَضُرّ وَلَا تَنْفَع وَهِيَ الْأَصْنَام "نَصِيبًا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ" مِنْ الْحَرْث وَالْأَنْعَام بِقَوْلِهِمْ هَذَا لِلَّهِ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا "تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ" سُؤَال تَوْبِيخ وَفِيهِ الْتِفَات عَنْ الْغَيْبَة "عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ" عَلَى اللَّه مِنْ أَنَّهُ أَمَرَكُمْ بِذَلِكَ

اور یہ مشرکین ان بتوں کے لئے جن کی حقیقت کو وہ خود بھی نہیں جانتے کہ یہ بت کچھ نفع ونقصان نہیں پہنچاتے، اس رزق یعنی کھیتی اور جانوروں میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انہیں عطا کر رکھا ہے۔ یعنی ان کا یہ کہنا یہ اللہ کیلئے اور یہ شرکاء کیلئے ہے اللہ کی قسم، تم سے اس بہتان کی نسبت ضرور پوچھ گچھ کی جائے گی، یہاں پر سوال بہ طور توبیخ کے ہے اور اس میں غیبت کی التفات ہے جو تم باندھا کرتے ہو۔ یعنی اللہ پر یہ بہتان کہ اس نے تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ویجعلون اس کا عطف یشرکون پر ہے۔ لما لا یعلمون میں ما موصولہ ہے جو اکثر غیر ذوی العقول کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ مراد اس سے وہ اوثان۔ بُت۔ معبودانِ باطل ہیں جن کو مشرکین نے الوہیت کا درجہ ومرتبہ دے رکھا تھا اور ان کا اعتقاد تھا کہ یہ ان کے نفع نقصان پر قدرت رکھتے ہیں حالانکہ یہ حقیقت نہ تھی وہ تو محض خود ساختہ۔ بے جان۔ بے شعور چیزیں تھیں۔ یا ضمیر فاعل کا مرجع مشرکین ہیں جو نہیں جانتے تھے کہ یہ بت محض بے جان چیزیں ہیں اور کچھ نہیں کر سکتے۔

ویجعلون لما لا یعلمون نصیبا مما رزقنھم۔ اور یہ لوگ اس رزق میں سے جو ہم نے انہیں دیا ہے ایک حصہ ان چیزوں (معبودان باطل) کے لئے مخصوص کرتے ہیں۔ جو کچھ بھی نہیں جانتیں۔

ان ہی میں اور جگہ ارشاد ہے وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا فقالوا ھذا للہ بزعمھم وھذا لشرکائنا) اور ان لوگوں نے کھیتی اور مویشیوں میں سے جو اللہ ہی نے پیدا کئے ہیں کچھ حصہ اللہ کا مقرر کر رکھا ہے اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ حصہ ہمارے دیوتاؤں کا۔ تاللہ۔ ت حرف قسم ہے۔ خدا کی قسم۔ حرف قسم کا ت کے ساتھ لانا لفظ اللہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔ لتسئلن۔ مضارع مجہول بلام تاکید ونون ثقیلہ۔ جمع مذکر حاضر۔ تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ تم سے ضرور سوال کیا جائے گا (یعنی آخرت کے دن)۔

کنتم تفترون ۔ ماضی استمراری۔ تم بہتان باندھا کرتے تھے۔ تم افتراء پردازی کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں بھی التفات ضمائر ہے۔ شدت توبیخ وتہدید کے اظہار کے لئے جمع مذکر غائب سے جمع مذکر حاضر کی طرف التفات کیا گیا ہے۔

افتراء کے بدلے میں جہنم کی آگ ہونے کا بیان

مشرکوں کی بے عقلی اور بے ڈھنگی بیان ہو رہی ہے کہ دینے والا اللہ ہے سب کچھ اسی کا دیا ہوا اور یہ اس میں سے اپنے جھوٹے

معبودوں کے نام ہو جائے جن کا صحیح علم بھی انہیں نہیں پھر اس میں سختی ایسی کریں کہ اللہ کے نام کا تو چاہے ان کے معبودوں کے ہو جائے لیکن ان کے معبودوں کے نام کیا گیا اللہ کے نام نہ ہو سکے ایسے لوگوں سے ضرور باز پرس ہوگی اور اس افترا کا بدلہ انہیں پورا پورا ملے گا۔ جہنم کی آگ ہوگی اور یہ ہوں گے۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ٥
اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، وہ پاک ہے اور اپنے لیے وہ جو وہ چاہتے ہیں۔

اللہ کیلئے بیٹیاں ثابت کرنے والے مشرکین کا بیان

"وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَات" بِقَوْلِهِمْ الْمَلَائِكَة بَنَات اللَّه "سُبْحَانه" تَنْزِيهًا لَهُ عَمَّا زَعَمُوا "وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ" أَيْ الْبَنُونَ وَالْجُمْلَة فِي مَحَلّ رَفْع أَوْ نَصْب بِيَجْعَل الْمَعْنَى يَجْعَلُونَ لَهُ الْبَنَات الَّتِي يَكْرَهُونَهَا وَهُوَ مُنَزَّه عَنْ الْوَلَد وَيَجْعَلُونَ لَهُمْ الْأَبْنَاء الَّذِينَ يَخْتَارُونَهُمْ فَيَخْتَصُّونَ بِالْأَسْنَى كَقَوْلِهِ "فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّك الْبَنَات وَلَهُمْ الْبَنُونَ"

اور وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، یعنی مشرکین کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ وہ پاک ہے یعنی جوان کا گمان ہے وہ اس سے پاک ہے۔ اور اپنے لیے وہ جو وہ چاہتے ہیں۔ یعنی وہ بیٹے پسند کرتے ہیں۔ اور یہ جملہ محل رفع میں یا جعل کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ معنی یہ ہے کہ انہوں نے اس کیلئے بیٹیاں بنائیں ہیں حالانکہ وہ خود بیٹیوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور وہ اللہ اولاد سے پاک ہے۔ اور وہ اپنے لئے بیٹے بناتے ہیں۔ پس وہ اس میں جھگڑتے ہیں۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ آپ ان سے پوچھئے کیا آپ کے رب کیلئے بیٹیاں ہیں۔ اور ان کیلئے بیٹے ہیں۔

اس کے بعد یہاں پر ان کی دوسری بے انصافی اور حماقت بیان ہو رہی ہے کہ اللہ کے مقرب غلام فرشتے ان کے نزدیک اللہ کی بیٹیاں ہیں یہ خطا کر کے پھر ان کی عبادت کرتے ہیں جو خطا پر خطا ہے۔ یہاں تین جرم ان سے سرزد ہوئے اول تو اللہ کے لئے اولاد ٹھہرانا جو اس سے یکسر پاک ہے، پھر اولاد میں سے بھی وہ قسم اسے دینا جسے خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے یعنی لڑکیاں۔ کیا ہی الٹی بات ہے کہ اپنے لئے اولاد ہو؟ پھر اولاد بھی وہ جو ان کے نزدیک نہایت ردی اور ذلیل چیز ہے۔ کیا حماقت ہے کہ انہیں تو اللہ لڑکے دے اور اپنے لئے لڑکیاں رکھے؟ اللہ اس سے بلکہ اولاد سے پاک ہے۔ انہیں جب خبر ملے کہ ان کے ہاں لڑکی ہوئی تو مارے ندامت وشرم کے منہ کالا پڑ جائے، زبان بند ہو جائے، غم سے کمر جھک جائے۔ زہر کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جائے۔ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرے۔ اسی سوچ میں رہے کہ اب کیا کروں اگر لڑکی کو زندہ چھوڑتا ہوں تو بڑی رسوائی ہے نہ وہ وارث بنے نہ کوئی چیز سمجھی جائے لڑکے کو اس پر ترجیح دی جائے غرض زندہ رکھے تو نہایت ذلت سے۔ ورنہ صاف بات ہے کہ جیتے جی گڑھا کھووا اور دبا دی۔ یہ حالت تو اپنی ہے پھر اللہ کے لئے یہی چیز ثابت کرتے ہیں۔ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں؟ کتنی بیحیائی کی تقسیم کرتے ہیں اللہ کے لئے جو بیٹی ثابت کریں اسے اپنے لئے سخت تر باعث توہین وتذلیل سمجھیں۔ اصل یہ ہے کہ بری مثال اور نقصان انہی کافروں کے لئے

ہے اللہ کے لئے کمال ہے۔ وہ عزیز وحکیم ہے اور ذوالجلال والاکرام ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝
اور جب ان میں سے کسی کولڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ دن بھر کالا رہتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔

مشرکین کا اپنے لئے بیٹیوں پر ناپسندیدگی کے اظہار کا بیان

"وَاِذَا بُشِّرَ أَحَدهمْ بِالْأُنْثَى " تُولَد لَهُ "ظَلَّ" صَارَ "وَجْهه مُسْوَدًّا" مُتَغَيِّرًا تَغَيُّر مُغْتَمّ "وَهُوَ كَظِيم" مُمْتَلِء غَمًّا فَكَيْفَ تُنْسَب الْبَنَات إلَيْهِ تَعَالَى

اور جب ان میں سے کسی کولڑکی کی خوش خبری دی جاتی ہے تو یعنی جب اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے۔اس کا منہ دن بھر کالا رہتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔یعنی غم کی وجہ سے بدلا ہوا ہوتا ہے۔اور غصے میں بھرا ہوا ہوتا ہے۔تو وہ بیٹیوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے کرتے ہیں؟

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ظل وجهه مسودا ۔اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ظل فعل ناقص ہے۔ظللت وظلت اصل میں اس کام کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو دن کے وقت کیا جائے جس طرح بات چیت کا استعمال رات گذارنے یا رات کے وقت میں کسی کام کو کرنے کے لئے ہے۔ظل وظلول مصدر باب سمع وفتح سے آتا ہے یہاں ظل بمعنی صار ہے۔ہوگیا۔ ماضی واحد مذکر غائب۔لیکن یہاں مضارع کے معنی دیتا ہے ہو جاتا ہے۔مسودا۔اسم مفعول۔واحد مذکر۔اسوداد مصدر (باب افعلال۔سیاہ۔غم کی وجہ سے) رنگ بگڑا ہوا۔

کظیم ۔صفت مشبہ ۔کظم و کظوم، مصدر۔سخت غمگین جو اپنے غم کو دبا کر رکھے اور ظاہر نہ کرے۔الکاظم۔روکنے والا۔دبانے والا۔ کاظم الغیظ غصہ کو پی جانے والا۔غصہ کو روکنے والا۔اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے اذ نادی وھو مکظوم) جب اس نے (اپنے پروردگار کو) پکارا۔اس حال میں کہ وہ غم میں گھٹ رہا تھا۔

بچیوں کی ولادت کا باعث رحمت ہونے کا بیان

تفسیر روح البیان میں ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی پیدا ہونے سے زیادہ خوشی کا اظہار کرے تاکہ اہلِ جاہلیت کے فعل پر رد ہو جائے۔ایک حدیث میں ہے کہ وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہو۔اور وہاں پر بیٹوں سے پہلے بیٹیوں کا ذکر کرنے سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ پہلے لڑکی پیدا ہونا افضل ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ
فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، اس خوش خبری کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی گئی۔ آیا اسے ذلت کے باوجود رکھ لے،

یا اسے مٹی میں دبا دے۔ سن لو! برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

مشرکین کا بیٹیوں کی پیدائش پر ذلت محسوس کرنے کا بیان

"يَتَوَارَى" يَخْتَفِي "مِنَ الْقَوْمِ" أَيْ قَوْمه "مِنْ سُوء مَا بُشِّرَ بِهِ" خَوْفًا مِنَ التَّعْيِير مُتَرَدِّدًا فِيمَا يَفْعَل بِهِ "أَيُمْسِكُهُ" يَتْرُكهُ بِلَا قَتْل "عَلَى هُون" هَوَان وَذُلّ "أَمْ يَدُسّهُ فِي التُّرَاب" بِأَنْ يَئِدهُ "أَلَا سَاءَ" بِئْسَ "مَا يَحْكُمُونَ" حُكْمهمْ هَذَا حَيْثُ نَسَبُوا لِخَالِقِهِمْ الْبَنَات اللَّاتِي هُنَّ عِنْدهمْ بِهَذَا الْمَحَلّ

وہ لوگوں یعنی قوم سے چھپتا پھرتا ہے، اس خوش خبری کی برائی کی وجہ سے جو اسے دی گئی۔ یعنی اس کو عار کا خوف ہے اور شک میں جو وہ کرتا ہے کہ وہ اس کو رکھ لے یا بغیر قتل کے چھوڑ دے آیا اسے ذلت کے باوجود رکھ لے، یا اسے مٹی میں دبا دے۔ سن لو! برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ یعنی ان کا یہ فیصلہ جس کو انہوں نے اپنے خالق کی طرف بیٹیاں بنا کر منسوب کر رکھا ہے۔ یہ کتنا برا فیصلہ ہے۔

اپنی ذات کیلئے حقیر سمجھی جانے والی چیز کو اللہ طرف منسوب کرنے کا بیان

لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے جو مذکور ہوا، اور اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ کیسا برا یہ فیصلہ کرتے ہیں، یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے، نہیں اللہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی میں کوئی تمیز نہیں ہے نہ جنس کی بنیاد پر حقارت اور برتری کا تصور اس کے ہاں ہے یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویے کی وضاحت مقصود ہے جو انہوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کیا تھا درآں حالیکہ اللہ کی برتری اور فوقیت کے وہ بھی قائل تھے جس کا منطقی نتیجہ تو یہ تھا کہ جو چیز یہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اللہ کے لیے بھی اسے تجویز نہ کرتے لیکن انہوں نے اس کے برعکس کیا۔ یہاں صرف اسی ناانصافی کی وضاحت کی گئی ہے۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں کا برا حال ہے، اور اللہ کی شان سب سے بلند، اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔

بچیوں کی زندہ درگور کرنے کی مذمت کا بیان

"لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ" أَيْ الْكُفَّار "مَثَل السَّوْء" أَيْ الصِّفَة السُّوأَى بِمَعْنَى الْقَبِيحَة وَهِيَ وَأْدهمْ الْبَنَات مَعَ احْتِيَاجهمْ إِلَيْهِنَّ لِلنِّكَاحِ "وَلِلَّهِ الْمَثَل الْأَعْلَى" الصِّفَة الْعُلْيَا وَهُوَ أَنَّهُ لَا إِلَه إِلَّا هُوَ "وَهُوَ الْعَزِيز" فِي مُلْكه "الْحَكِيم" فِي خَلْقه

جو کفار آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں کا برا حال ہے، یہاں سوء یہ صفت ہے جس کا معنی قباحت ہے اور وہ لڑکیوں کو زندہ

دفن کرنا ہے حالانکہ ان کی جانب نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔اور اللہ کی شان سب سے بلند، یعنی وہ بلند شان والا ہے۔وہی معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔اور اپنے ملک میں وہی عزت والا، اپنی مخلوق میں حکمت والا ہے۔

دور جاہلیت میں بچیوں کی زندہ دفن کرنے کی رسم کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے کوئی بہن بیٹی ہو اور وہ اس کو نہ تو زندہ درگور کرے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں رواج تھا کہ لوگ فقر کے خوف سے بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے نہ اس کو ذلت وحقارت کے ساتھ رکھے اور نہ اپنے والد یعنی بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

(ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 910)

چونکہ "ولد" کا اطلاق بیٹے اور بیٹی دونوں پر ہوتا ہے اس لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان الفاظ یعنی الذکور کے ذریعہ یہ وضاحت فرمائی کہ اس حدیث میں ولد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد بیٹا ہے۔

مسلمانوں کے عیب چھپانے کا زندہ درگور بچی کو بچانے کی طرح ہونے کا بیان

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان میں کوئی عیب دیکھے یا اس کی برائی کو جانے اور پھر اس کو چھپالے تو اس کا درجہ اس شخص کے درجہ کے برابر ہوگا کہ جو زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو بچالے۔احمد، ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 915)

کسی کا عیب چھپانے کو زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو بچانے کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ جس شخص کی کوئی معیوب بات ظاہر ہو جاتی ہے تو مارے شرم کے گویا مردہ کے ہو جاتا ہے اور یہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں مر جاتا کہ میرا عیب ظاہر نہ ہوتا اور مجھ کو اپنی رسوائی دیکھنی نہ پڑتی لہذا اگر کوئی شخص کسی کے عیب کو چھپاتا ہے تو گویا اس کی اس شرمندگی اور خجالت کو دفع کرتا ہے جو اس کے لئے موت کے برابر ہے اس اعتبار سے کسی کے عیب کو چھپانا اس کو زندگی بخشنے کے مرادف ہے جیسا کہ کسی زندہ لڑکی کو دفن کر دیا جائے اور پھر کوئی شخص اس کو عین اس وقت قبر سے نکال لے جب کہ وہ آخری سانس لے رہی ہو پھر زندگی پا جائے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝
اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑے تو اس کے اوپر کوئی چلنے والا نہ چھوڑے اور لیکن وہ انہیں ایک مقرر وقت تک
ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔

ایک مقررہ وقت تک کیلئے مہلت ہونے کا بیان

"وَلَوْ يُؤَاخِذ اللّٰه النَّاس بِظُلْمِهِمْ" بِالْمَعَاصِي "مَا تَرَكَ عَلَيْهَا" أَيْ . الْأَرْض "مِنْ دَابَّة" نَسَمَة تَدِبّ

عَلَیْهَا "وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ" عَنْهُ "سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ" عَلَيْهِ

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم یعنی گناہ کی وجہ سے پکڑے تو اس زمین کے اوپر کوئی چلنے والا جانور نہ چھوڑے اور لیکن وہ انہیں ایک مقرر وقت تک ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں۔

اللہ کی طرف مختلف انداز میں بندوں کیلئے مہلت ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ کے حلم وکرم لطف ورحم کا بیان ہو رہا ہے کہ بندوں کے گناہ دیکھتا ہے اور پھر بھی انہیں مہلت دیتا ہے اگر فوراً ہی پکڑے تو آج زمین پر کوئی چلتا پھرتا نظر نہ آئے۔ انسانوں کی خطاؤں میں جانور بھی ہلاک ہو جائیں۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائے۔ بروں کے ساتھ بھلے بھی پکڑ میں آ جائیں۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے حلم وکرم لطف ورحم سے پردہ پوشی کر رہا ہے، درگزر فرما رہا ہے، معافی دے رہا ہے۔ ایک خاص وقت تک کی مہلت دیئے ہوئے ہے، ورنہ کیڑے اور بھنگے بھی نہ بچتے۔ بنی آدم کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے عذاب الٰہی ایسے آتے کہ سب کو غارت کر جاتے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا کہ کوئی صاحب فرما رہے ہیں۔ ظالم اپنا ہی نقصان کرتا ہے تو آپ نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ پرندا اپنے گھونسلوں میں بوجہ اس کے ظلم کے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ ذکر کر رہے تھے کہ آپ نے فرمایا اللہ کسی نفس کو ڈھیل نہیں دیتا عمر کی زیادتی نیک اولاد سے ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عنایت فرماتا ہے پھر ان بچوں کی دعائیں ان کی قبر میں انہیں پہنچتی رہتی ہیں، یہی ان کی عمر کی زیادتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نحل، بیروت)

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ
لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ۝
اور وہ اللہ کے لئے وہ کچھ مقرر کرتے ہیں جو ناپسند کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے،
حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور یہ سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

مشرکین کی زبانوں سے جھوٹ بیان ہونے کا بیان

"وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ" لِأَنْفُسِهِمْ مِنَ الْبَنَات وَالشَّرِيك فِي الرِّيَاسَة وَإِهَانَة الرُّسُل "وَتَصِف" تَقُول "أَلْسِنَتهمْ" مَعَ ذَلِكَ "الْكَذِب" وَهُوَ "أَنَّ لَهُمْ الْحُسْنَى" عِنْد اللَّه أَيْ الْجَنَّة لِقَوْلِهِ: "وَلَئِنْ رَجَعْت إِلَى رَبِّي إِنَّ لِي عِنْده لَلْحُسْنَى" "لَا جَرَم" حَقًّا "أَنَّ لَهُمْ النَّار وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ" مَتْرُوكُونَ فِيهَا أَوْ مُقَدَّمُونَ إِلَيْهَا وَفِي قِرَاءَة بِكَسْرِ الرَّاء أَيْ مُتَجَاوِزُونَ الْحَدّ،

اور وہ اللہ کے لئے وہ کچھ مقرر کرتے ہیں جو اپنے لئے بیٹیاں ناپسند کرتے ہیں جبکہ اس کی ریاست میں شریک ٹھہراتے ہیں

اور رسولان گرامی کی توہین کرتے ہیں۔ اور ان کی زبانیں جھوٹ بولتی ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے، یعنی جنت ہے اس قول کے سبب کہ اگر وہ میرے رب کی طرف رجوع کریں تو ان کیلئے اس کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور یہ دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔ اور ایک قرأت میں راء کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی وہ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

سرکش مشرکین کو سب سے پہلے جہنم میں ڈال دینے کا بیان

اپنے لئے یہ ظالم لڑکیاں ناپسند کریں، شرکت نہ چاہیں اور اللہ کے لئے یہ سب روا رکھیں۔ پھر یہ خیال کریں کہ یہ دنیا میں بھی اچھائیاں سمیٹنے والے ہیں اور اگر قیامت قائم ہوئی تو وہاں بھی بھلائی ان کے لئے ہے۔ یہ کہا کرتے تھے کہ نفع کے مستحق اس دنیا میں تو ہم ہیں ہی اور صحیح بات تو یہ ہے کہ قیامت نے آنا نہیں۔ بالفرض آئی بھی تو وہاں کی بہتری بھی ہمارے لئے ہی ہے ان کفار کو عنقریب سخت عذاب چکھنے پڑیں گے، ہماری آیتوں سے کفر پھر آرزو یہ کہ مال و اولاد ہمیں وہاں بھی ملے گا۔ سورہ کہف میں دو ساتھیوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے فرمایا ہے کہ وہ ظالم اپنے باغ میں جاتے ہوئے اپنے نیک ساتھی سے کہتا ہے میں تو اسے ہلاک ہونے والا جانتا ہی نہیں نہ قیامت کا قائل ہوں اور اگر بالفرض میں دوبارہ زندہ کیا گیا تو وہاں اس سے بھی بہتر چیز دیا جاؤں گا کام برے کریں آرزو نیکی کی رکھیں۔ کانٹے بوئیں اور پھل چاہیں۔

کہتے ہیں کعبۃ اللہ شریف کی عمارت کو نئے سرے سے بنانے کے لئے جب ڈھایا تو بنیادوں میں سے ایک پتھر نکلا، جس پر ایک کتبہ لکھا ہوا تھا، جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہو اور نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ ایسا ہی ہے جیسے کانٹے بو کر انگور کی امید رکھنا۔ پس انکی امیدیں تھیں کہ دنیا میں بھی انہیں جاہ و حشمت اور لونڈی غلام ملیں گے اور آخرت میں بھی۔

اللہ فرماتا ہے دراصل ان کے لئے آتش دوزخ تیار ہے۔ وہاں یہ رحمت رب سے بھلا دیئے جائیں گے اور ضائع اور برباد ہو جائیں گے آج یہ ہمارے احکام بھلائے بیٹھے ہیں، کل انہیں ہم اپنی نعمتوں سے بھلا دیں گے، یہ جلدی ہی جہنم نشین ہونے والے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نحل، بیروت)

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ
فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝
اللہ کی قسم! یقیناً ہم نے آپ سے پہلے امتوں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال
آراستہ و خوش نما کر دکھائے، سو وہی آج ان کا دوست ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

کفار و مشرکین کے معاملات میں شیطان کے متولی ہونے کا بیان

"تَاللّٰهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى أُمَمٍ مِنْ قَبْلك " رُسُلًا "فَزَيَّنَ لَهُمْ الشَّيْطَان أَعْمَالهمْ" السَّيِّئَة فَرَأَوْهَا حَسَنَة

فَكَذَّبُوا الرُّسُل "فَهُوَ وَلِيُّهُمْ" مُتَوَلِّي أُمُورهمْ "الْيَوْم" أَيْ فِي الدُّنْيَا "وَلَهُمْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم فِي الْآخِرَة وَقِيلَ الْمُرَاد بِالْيَوْمِ يَوْم الْقِيَامَة عَلَى حِكَايَة الْحَال الْآتِيَة أَيْ لَا وَلِيّ لَهُمْ غَيْره وَهُوَ عَاجِز عَنْ نَصْر نَفْسه فَكَيْفَ يَنْصُرهُمْ

اللہ کی قسم! یقیناً ہم نے آپ سے پہلے بھی بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان امتوں کے لئے ان کے برے اعمال آراستہ وخوش نما کر دکھائے، تو انہوں نے رسولان گرامی کی تکذیب کی۔ پس وہی شیطان آج ان کا دوست ہے اور دنیاوی امور میں ان کا متولی ہے۔ اوران کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یعنی آخرت میں درد پہنچانے والا عذاب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یوم سے مراد قیامت کا دن ہے۔ جو آنے والے حال سے حکایت ہے۔ یعنی اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ وہ جب اپنی مدد کرنے سے عاجز ہوگا تو دوسروں کی مدد کیسے کر سکے گا۔

شیطان کے دوست کا تعلیمات نبوت کی تکذیب کرنے کا بیان

اے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ تسلی رکھیں۔ آپ کو آپ کی قوم کا جھٹلانا کوئی انوکھی بات نہیں کون سا نبی آیا جو جھٹلایا نہ گیا؟ باقی رہے جھٹلانے والے وہ شیطان کے دوست ہیں۔ برائیاں انہیں شیطانی وسواس سے بھلائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کا دوست شیطان ہے وہ انہیں کوئی نفع پہنچانے والا نہیں۔ ہمیشہ کے لئے مصیبت افزا عذابوں میں چھوڑ کر ان سے الگ ہو جائے گا۔ قرآن حق وباطل میں سچ جھوٹ میں تمیز کرانے والی کتاب ہے، ہر جھگڑا اور ہر اختلاف کا فیصلہ اس میں موجود ہے۔ یہ دلوں کے لئے ہدایت ہے اور ایماندار جو اس پر عامل ہیں، ان کے لئے رحمت ہے۔ اس قرآن سے کس طرح مردہ دل جی اٹھتے ہیں، اس کی مثال مردہ زمین اور بارش کی ہے جو لوگ بات کو سنیں، سمجھیں وہ تو اس سے بہت کچھ عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

فتنہ کے وقت انسانی جسموں میں شیطان کے دل ہونے کا بیان

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم شر میں مبتلا تھے اللہ ہمارے پاس اس بھلائی کو لایا جس میں ہم ہیں تو کیا اس بھلائی کے پیچھے بھی کوئی برائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں میں نے عرض کیا کیا اس برائی کے پیچھے کوئی خیر بھی ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں میں نے عرض کیا کیا اس خیر کے پیچھے کوئی برائی بھی ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں میں نے عرض کیا کیا اس خیر کے پیچھے کوئی برائی ہوگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ایسے مقتداء ہوں گے جو میری ہدایت سے راہنمائی حاصل نہ کریں گے۔

اور نہ میری سنت کو اپنائیں گے اور عنقریب ان میں ایسے لوگ کھڑے ہوں گے کہ ان کے دل انسانی جسموں میں شیطان کے دل ہوں گے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیسے کروں اگر اس زمانہ کو پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امیر کی بات سن اور اطاعت کر اگرچہ تیری پیٹھ پر مارا جائے یا تیرا مال غصب کر لیا جائے پھر بھی ان کی بات سن اور اطاعت کر۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 288)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ○

اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نہیں اتاری مگر اس لئے کہ آپ ان پر وہ (اُمور) واضح کر دیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں

اور (اس لئے کہ یہ کتاب) ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لے آئی ہے۔

ایمان والی قوم کیلئے قرآن کے ہدایت ہونے کا بیان

"وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ" يَا مُحَمَّد "الْكِتَابَ" الْقُرْآن "إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ" مِنْ أَمْرِ الدِّين "وَهُدًى" عَطْف عَلَى لِتُبَيِّنَ "وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ" بِهِ

یا محمد ﷺ ہم نے آپ کی طرف کتاب یعنی قرآن کو نہیں اتارا مگر اس لئے کہ آپ ان پر وہ اُمور دین واضح کر دیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں یہاں پر ھدی کا عطف لتبین پر ہے۔ اور اس لئے کہ یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لئے جو ایمان لے آئی ہے۔

قرآن صرف اس لیے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید و معاد اور احکام حلال و حرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کر دے۔ کوئی اشکال وخفا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دوٹوک فیصلہ سنا دیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کر دیں۔ آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ فیصلہ اور بیان تو سب کے لیے ہے لیکن اس کی ہدایت سے منتفع ہونا اور رحمت الٰہی کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع و رغبت ایمان لاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ○

اور اللہ نے آسمان سے کچھ پانی نازل کیا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیا۔

بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو سنتے ہیں۔

بارش کے ذریعے زمین کو زندہ کرنے کا بیان

"وَاللّٰهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْض" بِالنَّبَاتِ "بَعْد مَوْتهَا" يُبْسهَا "إِنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُور "لَآيَة" دَالَّة عَلَى الْبَعْث "لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ" سَمَاع تَدَبُّر

اور اللہ نے آسمان سے کچھ پانی نازل کیا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے یعنی نباتات کے ذریعے مرنے کے بعد یعنی خشکی کے بعد زندہ کر دیا۔ اس آیت میں بعث پر دلیل ہے۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو سنتے ہیں۔ تاکہ وہ سن کر غور و فکر کریں۔

بارش سے روئیدگی اور بعث بعد الموت پر ثبوت کا بیان

زمین خشک اور بالکل بے آب وگیاہ پڑی ہوتی ہے مگر برسات کے موسم میں ہر طرف جڑی بوٹیاں گھاس، درخت اور پودے وغیرہ از خود پیدا ہونے لگتے ہیں۔ جن کے بیج وغیرہ مدتوں پہلے زمین میں دبے ہوئے تھے۔ پھر اس موسم میں مینڈک اور کئی قسم کے ایسے حشرات الارض بھی پیدا ہو جاتے ہیں جن کا پہلے نام ونشان تک مٹ چکا تھا اور موسم کی شدت نے اس نوع کا کلیتاً خاتمہ کر دیا تھا۔ مگر برسات کے موسم میں وہ بھی از سر نو پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ منظر تم اپنی زندگی میں بار بار دیکھتے رہتے ہو۔ بالکل ایسی ہی صورت حال انسان کی دوبارہ پیدائش کی ہوگی۔ جب دوسری بار صور میں پھونکا جائے گا تو اس کی حیثیت بالکل وہی ہوگی جیسے نباتات کے لیے اور حشرات الارض کے لیے بارش اور موسم برسات کی ہے۔ انسان کا جسم خواہ مٹی میں مل کر مٹی بن چکا ہو۔ اس نفخہ صور ثانی یا روحانی قسم کی بارش سے سب دوبارہ جی اٹھیں گے۔

انسانوں کی زندگی وموت کو ذکر الٰہی سے تعبیر کرنے کا بیان

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے پروردگار کو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ شخص اور مردہ شخص کی سی ہے۔

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 784)

مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ ذاکر کے قلب کی حیات ہے اور اس سے غفلت قلب کی موت ہے اور جس طرح کہ زندہ شخص اپنی زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے اسی طرح ذکر کرنے والا اپنے عمل سے بہرہ ور ہوتا ہے اور جس طرح مرنے کے بعد کے مردہ کو اپنی زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ذکر اللہ سے غافل رہنے والا اپنے عمل سے بہرہ مند نہیں ہوتا کسی نے کیا خوب کہا ہے زندگانی نتواں گفت حیاتے کہ مراست زندہ آنست کہ بادوست وصالے دارد،

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا
خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○
اور بلاشبہ تمھارے لیے چوپاؤں میں یقیناً بڑی عبرت ہے، ہم ان چیزوں میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہیں، گوبر اور خون کے درمیان سے تمھیں خالص دودھ پلاتے ہیں، جو پینے والوں کے لیے حلق سے آسانی سے اتر جانے والا ہے۔

خون اور گوبر کے درمیان سے پاکیزہ وصاف ستھرا دودھ نکالنے کا بیان

"وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَام لَعِبْرَة" اعْتِبَار "نُسْقِيكُمْ" بَيَان لِلْعِبْرَةِ "مِمَّا فِي بُطُونه" أَيْ الْأَنْعَام "مِنْ" لِلِابْتِدَاءِ مُتَعَلِّقَة بِنُسْقِيكُمْ "بَيْن فَرْث" ثُفْل الْكَرِش "وَدَم لَبَنًا خَالِصًا" لَا يَشُوبهُ شَيْء مِنْ الْفَرْث وَالدَّم مِنْ طَعْم أَوْ رِيح أَوْ لَوْن أَوْ بَيْنهمَا "سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ" سَهْل الْمُرُور فِي حَلْقهمْ لَا يُغَصّ بِهِ

اور بلاشبہ تمھارے لیے چوپاؤں میں یقیناً بڑی عبرت ہے، یہاں پر نُسْقِیْكُمْ یہ عبرہ کا بیان ہے۔ ہم ان چیزوں میں سے جو ان کے یعنی جانوروں کے پیٹوں میں ہیں، یہاں پر من ابتدائیہ ہے۔ جو نُسْقِیْكُمْ کے متعلق ہے۔ گوبر اور خون کے درمیان سے تمھیں خالص دودھ پلاتے ہیں، یعنی جس میں خون اور گوبر اور رنگ و بو کی کوئی ملاوٹ نہیں ہے حالانکہ وہ ان دونوں کے درمیان میں ہوتا ہے۔ جو پینے والوں کے لیے حلق سے آسانی سے اتر جانے والا ہے۔ یعنی وہ حلق میں پھنس جانے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عجائب کا بیان

علامہ قرطبی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ سورہ مؤمنون میں معنی جمع کی رعایت کر کے ضمیر مؤنث لائی گئی اور سورہ نحل میں لفظ جمع کی رعایت سے ضمیر مذکر استعمال ہوئی اور محاورات عرب میں اس کی نظیریں بیشمار ہیں کہ لفظ جمع کی طرف ضمیر مفرد راجع کی جاتی ہے۔

گوبر اور خون کے درمیان سے صاف دودھ نکالنے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جانور جو گھاس کھاتا ہے جب وہ اس کے معدہ میں جمع ہو جاتا ہے تو معدہ اس کو پکاتا ہے معدہ کے اس عمل سے غذا کا فضلہ نیچے بیٹھ جاتا ہے اوپر دودھ ہو جاتا ہے اور اس کے اوپر خون پھر قدرت نے یہ کام جگر کے سپرد کیا ہے کہ ان تینوں قسموں کو الگ الگ ان کے مقامات میں تقسیم کر دیتا ہے خون کو الگ کر کے رگوں میں منتقل کر دیتا ہے اور دودھ کو الگ کر کے جانور کے تھنوں میں پہنچا دیتا ہے اور اب معدہ میں صرف فضلہ باقی رہ جاتا ہے جو گوبر کی صورت میں نکلتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لذیذ اور شیریں کھانے کا استعمال زہد کیخلاف نہیں ہے جبکہ اس کو حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو اور اس میں اسراف اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو حضرت حسن بصری نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نحل، بیروت)

دودھ پلانے والی مادہ کے جسم میں دودھ تیار کرنے والے اعضاء تو اس کی بلوغت کے وقت نمودار ہو جاتے ہیں جنھیں عرف عام میں پستان کہا جاتا ہے۔ اور دودھ کے بننے کے بارے میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مادہ کے پستان یا دودھ بنانے والی یہ مشینری صرف اس وقت اپنا کام شروع کرتی ہے جب مادہ کو حمل قرار پا جاتا ہے۔ اس سے پہلے اگرچہ پستان موجود ہوتے ہیں مگر وہ کوئی کام نہیں کرتے اور جب حمل قرار پاتا ہے تو یہ مشینری اپنے فطری کام کا آغاز کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ بچہ کی پیدائش تک مادہ کا خون دودھ میں تبدیل ہو جاتا ہے اور نوزائیدہ بچہ کو بروقت اللہ تعالیٰ اس کی خوراک مہیا کر دیتا ہے اور بچہ کو دودھ پینے کا سلیقہ بھی سکھا دیتا ہے۔ اور یہ کام کچھ اس انداز سے سرانجام پاتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرتوں، حکمتوں اور مصلحتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

جس میں کوئی شائبہ کسی چیز کی آمیزش کا نہیں باوجودیکہ حیوان کے جسم میں غذا کا ایک ہی مقام ہے جہاں چارا، گھاس، بھوسہ وغیرہ پہنچتا ہے اور دودھ، خون، گوبر سب اسی غذا سے پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے ایک دوسرے سے ملنے نہیں پاتا، دودھ میں نہ خون کی رنگت کا شائبہ ہوتا ہے نہ گوبر کی بو کا، نہایت صاف لطیف برآمد ہوتا ہے۔ اس سے حکمت الٰہیہ کی عجیب کاری ظاہر ہے اوپر

مسئلہ بعث کا بیان ہو چکا ہے یعنی مردوں کو زندہ کئے جانے کا، کفار اس کے منکر تھے اور انہیں اس میں دو شبہے درپیش تھے ایک تو یہ کہ جو چیز فاسد ہوگئی اور اس کی حیات جاتی رہی اس میں دوبارہ پھر زندگی کس طرح لوٹے گی، اس شبہ کا ازالہ تو اس سے پہلی آیت میں فرما دیا گیا کہ تم دیکھتے رہتے ہو کہ ہم مردہ زمین کو خشک ہونے کے بعد آسمان سے پانی برسا کر حیات عطا فرمادیا کرتے ہیں تو قدرت کا یہ فیض دیکھنے کے بعد کسی مخلوق کا مرنے کے بعد زندہ ہونا ایسے قادر مطلق کی قدرت سے بعید نہیں، دوسرا شبہ کفار کا یہ تھا کہ جب آدمی مر گیا اور اس کے جسم کے اجزا منتشر ہوگئے اور خاک میں مِل گئے وہ اجزاء کس طرح جمع کئے جائیں گے اور خاک کے ذروں سے ان کو کس طرح ممتاز کیا جائے گا، اس آیت کریمہ میں جو صاف دودھ کا بیان فرمایا اس میں غور کرنے سے وہ شبہ بالکل نیست و نابود ہو جاتا ہے کہ قدرت الٰہی کی یہ شان تو بروزانہ دیکھنے میں آتی ہے کہ وہ غذا کے مخلوط اجزاء میں سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس کی قرب و جوار کی چیزوں کی آمیزش کا شائبہ بھی اس میں نہیں آتا، اس حکیم برحق کی قدرت سے کیا بعید کہ انسانی جسم کے اجزاء کو منتشر ہونے کے بعد پھر مجتمع فرمادے۔

حضرت شقیق بلخی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نعمت کا اتمام یہی ہے کہ دودھ صاف خالص آئے اور اس میں خون اور گوبر کے رنگ و بو کا نام و نشان نہ ہو ورنہ نعمت تام نہ ہوگی اور طبع سلیم اس کو قبول نہ کرے گی جیسی صاف نعمت پروردگار کی طرف سے پہنچتی ہے۔ بندے کو لازم ہے کہ وہ بھی پروردگار کے ساتھ اخلاص سے معاملہ کرے اور اس کے عمل ریا اور ہوائے نفس کی آمیزشوں سے پاک و صاف ہوں تاکہ شرف قبول سے مشرف ہوں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، لاہور)

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○
اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی، جس سے تم نشہ آور چیز اور اچھا رزق بناتے ہو۔ بلاشبہ اس میں
ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو سمجھتے ہیں۔

درختوں کے پھلوں سے استدلال قدرت کا بیان

"وَمِنْ ثَمَرَات النَّخِيل وَالْأَعْنَاب" ثَمَر "تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا" خَمْرًا يُسْكِر سُمِّيَتْ بِالْمَصْدَرِ وَهَذَا قَبْل تَحْرِيمهَا "وَرِزْقًا حَسَنًا" كَالتَّمْرِ وَالزَّبِيب وَالْخَلّ وَالدِّبْس "إِنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُور "لَآيَة" دَالَّة عَلَى قُدْرَته تَعَالَى "لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" يَتَدَبَّرُونَ

اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے بھی، جس سے تم نشہ آور چیز اور اچھا رزق بناتے ہو۔ خمر ڈھانپ لینے کو کہتے ہیں اس کے مصدر کے سبب اس کا نام رکھا گیا ہے۔ اور یہ حکم شراب کی حرمت سے پہلے کا ہے۔ اور اچھے رزق سے مراد کھجور، کشمش، سرکہ اور شیرہ ہے۔ بلاشبہ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک نشانی ہے جو سمجھتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی نشانی ہے۔

نشہ آور چیزوں کی حرمت کا بیان

علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس تفسیر کے مطابق اس آیت سے نشہ آور چیز یعنی شراب کے حلال ہونے پر کوئی استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں مقصود قدرت کے عطیات اور ان کے استعمال کی مختلف صورتوں کا بیان ہے جو ہر حال میں نعمت خداوندی ہے جیسے تمام غذائیں اور انسانی منفعت کی چیزیں کہ ان کو بہت سے لوگ ناجائز طریقوں پر بھی استعمال کرتے ہیں مگر کسی کے غلط استعمال سے اصل نعمت تو نعمت ہونے سے نہیں نکل جاتی اس لئے یہاں یہ تفصیل بتلانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں کون سا استعمال حلال ہے کون سا حرام تاہم ایک لطیف اشارہ اس میں بھی اس طرف کر دیا گیا کہ سکر کے مقابل رزق حسن رکھا جس سے معلوم ہوا کہ سکر اچھا رزق نہیں ہے سکر کے معنی جمہور مفسرین کے نزدیک نشہ آور چیز کے ہیں (روح المعانی، سورہ نحل، بیروت)

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں کہ یہ آیات باتفاق امت مکی ہیں اور شراب کی حرمت اس کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی نزول آیت کے وقت اگرچہ شراب حلال تھی۔

اور مسلمان عام طور پر پیتے تھے مگر اس وقت بھی اس آیت میں اشارہ اس طرف کر دیا گیا کہ اس کا پینا اچھا نہیں بعد میں صراحۃ شراب کو شدت کے ساتھ حرام کرنے کے لئے قرآنی احکام نازل ہو گئے۔ (احکام القرآن، سورہ نحل، بیروت)

وَاَوۡحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِىۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُيُوۡتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعۡرِشُوۡنَ۝
اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈال دیا کہ تو بعض پہاڑوں میں اپنے گھر بنا اور بعض درختوں میں اور
بعض چھپروں میں جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں۔

شہد کی مکھی کی جانب الہام ہونے کا بیان

"وَأَوۡحَى رَبّك إِلَى النَّحۡل" وَحۡي إِلۡهَام "أَنۡ" مُفَسِّرَة أَوۡ مَصۡدَرِيَّة "اتَّخِذِي مِنۡ الۡجِبَال بُيُوتًا" تَأۡوِينَ إِلَيۡهَا "وَمِنۡ الشَّجَر" بُيُوتًا "وَمِمَّا يَعۡرِشُونَ" أَيۡ النَّاس يَبۡنُونَ لَك مِنۡ الۡأَمَاكِن وَإِلَّا لَمۡ تَأۡوِ إِلَيۡهَا

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں خیال ڈال دیا، یہاں پر اَن مفسرہ یا مصدریہ ہے۔ کہ تو بعض پہاڑوں میں اپنے گھر بنا تا کہ اس میں پناہ لے سکے اور بعض درختوں میں اور بعض چھپروں میں بھی جنہیں لوگ چھت کی طرح اونچا بناتے ہیں۔ یعنی ان ٹہنیوں میں جن کو لوگ تیرے لئے بناتے ہیں۔ ورنہ تو پناہ لینے والی نہ تھی۔

شہد کی مکھی کی طرف الہام کا بیان

نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں جو عام مکھی یعنی ذباب سے بڑی ہوتی ہے اور اس سورہ کا نام "النحل" اسی نسبت سے ہے کہ صرف اسی سورت میں نحل کا ذکر آیا ہے اور اس مکھی کی طرف وحی کرنے سے مراد فطری اشارہ یا تعلیم ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی جبلت میں ودیعت کر رکھی ہے جیسے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کی چھاتیوں کی طرف لپکتا ہے تاکہ وہاں سے اپنے لیے غذا حاصل کر سکے

حالانکہ اس وقت اسے کسی بات کی سمجھ نہیں ہوتی۔

وحی سے مراد یہاں پر الہام، ہدایت اور ارشاد ہے۔شہد کی مکھیوں کو اللہ کی جانب سے یہ بات سمجھائی گئی کہ وہ پہاڑوں میں، درختوں میں اور چھتوں میں شہد کے چھتے بنائے۔اس ضعیف مخلوق کے اس گھر کو دیکھئے کتنا مضبوط کیسا خوبصورت اور کیسی کاری گری کا ہوتا ہے۔پھر اسے ہدایت کی اور اس کے لئے مقدر کر دیا کہ یہ پھلوں، پھولوں اور گھاس پات کے رس چوستی پھرے اور جہاں چاہے جائے، آئے لیکن واپس لوٹتے وقت سیدھی اپنے چھتے کو پہنچ جائے۔چاہے بلند پہاڑ کی چوٹی ہو، چاہے بیابان کے درخت ہوں، چاہے آبادی کے بلند مکانات اور ویرانے کے سنسان کھنڈر ہوں، یہ نہ راستہ بھولے، نہ بھٹکتی پھرے، خواہ کتنی ہی دور نکل جائے۔لوٹ کر اپنے چھتے میں اپنے بچوں، انڈوں اور شہد میں پہنچ جائے۔اپنے پروں سے موم بنائے۔اپنے منہ سے شہد جمع کرے۔

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝
پس تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسا کر پھر اپنے رب کے راستوں پر آسانی فراہم کرتے ہوئے چلا کر، ان کے شکموں
سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے، جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے، بیشک اس میں
غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

شہد کے ذریعے کثیر بیماریوں سے شفاء پانے کا بیان

"ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي" اُدْخُلِي "سُبُلَ رَبِّكِ" طُرُقَه فِي طَلَبِ الْمَرْعَى "ذُلُلًا" جَمْع ذَلُول حَال مِنْ السُّبُل أَيْ مُسَخَّرَة لَك فَلَا تَعْسُر عَلَيْك وَإِنْ تَوَعَّرَتْ وَلَا تَضِلِّي عَلَى الْعَوْد مِنْهَا وَإِنْ بَعُدَتْ وَقِيلَ مِنْ الضَّمِير فِي اُسْلُكِي أَيْ مُنْقَادَة لِمَا يُرَاد مِنْك "يَخْرُج مِنْ بُطُونهَا شَرَاب" هُوَ الْعَسَل "مُخْتَلِف أَلْوَانه فِيهِ شِفَاء لِلنَّاسِ" مِنْ الْأَوْجَاع قِيلَ لِبَعْضِهَا كَمَا دَلَّ عَلَيْهِ تَنْكِير شِفَاء أَوْ لِكُلِّهَا بِضَمِيمَتِهِ إلَى غَيْره وَبِدُونِهَا بِنِيَّتِهِ وَقَدْ أَمَرَ بِهِ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اسْتَطْلَقَ عَلَيْهِ بَطْنه رَوَاهُ الشَّيْخَانِ "إنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَة لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ" فِي صُنْعه تَعَالَى،

پس تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسا کر پھر اپنے رب کے سمجھائے ہوئے راستوں پر جوان پھلوں اور پھولوں تک جاتے ہیں جن سے تو نے رس چوسنا ہے، دوسری مکھیوں کے لئے بھی آسانی فراہم کرتے ہوئے چلا کر، یہاں پر ذللا یہ ذلول کی جمع ہے جو سبل سے حال ہے۔یعنی تیرے لئے مسخر کر دیا ہے لہذا تجھ پر کوئی مشقت نہیں ہے۔اگرچہ وہ راستہ کتنا دور کیوں نہ ہو اور دوسروں کیلئے مشکل کیوں نہ ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ذللا یہ اسلکی کی ضمیر سے حال ہے۔یعنی اس راہ پر چلنا جس کا تو ارادہ رکھتی ہے۔ان کے

شکموں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے وہ شہد ہے۔جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں،اس میں لوگوں کے لئے مختلف بیماریوں سے شفا ہے،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض بیماریوں کیلئے شفاء ہے جس طرح نکرہ بیان کیا گیا ہے یا تمام بیماریوں کیلئے شفاء ہے۔یعنی دوسری دواؤں سے ملا کر یا بغیر ملائے بھی جبکہ نیت خالص ہو اور نبی کریم ﷺ نے اس شخص کو حکم دیا ہے جس کا پیٹ چل رہا ہو۔(بخاری ومسلم) بیشک اس ذکر کردہ آیت میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صنعت میں غور وفکر کرے۔

شہد کے فوائد کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میرے بھائی کا پیٹ چل رہا ہے یعنی اس کو دست پر دست آ رہے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو شہد پلا دو،اس شخص نے (جا کر) اپنے بھائی کو شہد پلایا (کچھ دیر کے بعد) پھر آیا اور کہنے لگا کہ میں نے شہد پلا دیا تھا لیکن شہد نے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کیا کہ اس کے پیٹ چلنے میں اور زیادتی کر دی ہے (یعنی شہد پلانے کے بعد سے دستوں میں پہلے سے بھی زیادتی ہوگئی ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو تین مرتبہ یہی حکم دیا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی فرماتے کہ اس کو شہد پلا دو اور وہ شخص شہد پلاتا رہا،پھر آ کر کہتا کہ میں نے شہد پلا دیا مگر دستوں میں پہلے سے بھی زیادتی ہوگئی ہے) یہاں تک کہ وہ جب چوتھی مرتبہ آیا (اور کہنے لگا کہ اس کے دستوں میں زیادتی ہوگئی ہے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ اس کو شہد پلا دو،اس نے عرض کیا کہ میں نے شہد پلا دیا ہے۔

مگر شہد نے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کیا کہ اس کے پیٹ چلنے میں اور زیادتی کر دی ہے،تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو سچ فرمایا ہے مگر تمہارے بھائی کا پیٹ ہی جھوٹا ہے۔آخرکار اس شخص نے اپنے بھائی کو پھر شہد (خالص یا پانی میں ملا کر پلایا) تو وہ اچھا ہوگیا۔(بخاری ومسلم،مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 450)

کسی بیماری کی صورت میں شہد استعمال کرنے کا ایک خاص طریقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی سے کہے کہ وہ اپنے مہر میں سے کچھ مال دے اور پھر اس مال کے ذریعہ شہد خریدے اور شہد کو بارش کے پانی میں ملا کر پی لے انشاء اللہ بابرکت شفا پائے گا۔" اللہ تعالیٰ نے تو سچ فرمایا ہے " ان الفاظ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ (فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ،کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شہد میں لوگوں کے لئے شفا ہے،یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ بتا دیا تھا کہ اگر وہ مریض شہد پئے گا تو اس کے پیٹ میں آرام ہو جائے گا اور دست بند ہو جائیں گے اسی بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے ذریعہ بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا ہے کہ شہد پینے سے اس کو فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات غیر صحیح نہیں ہو سکتی لہٰذا مریض کو شہد پلائے جاؤ اس کو یقیناً فائدہ ہوگا۔پھر آپ نے " تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے " کے ذریعہ گویا صحت یابی میں تاخیر ہونے کی علت بیان فرمائی کہ تمہارے بھائی کے پیٹ میں کوئی سخت مادہ جمع ہو رہا ہے اس کی وجہ سے شہد کی دی ہوئی مقدار کارگر نہیں ہو رہی ہے

جب تک وہ مادہ باہر نہیں آ جائے گا تب تک اسے آرام نہیں آئے گا یا یہ کہ پیٹ خطا کر رہا ہے، یعنی ٹھیک طرح سے کام نہیں کر رہا ہے اور ابھی شفا کو قبول نہیں کر رہا ہے جب وہ ٹھیک کام کرنے لگے گا اور شفا قبول کرے گا تو دست بند ہو جائیں گے۔

شہد کے چھتے اور مکھیوں میں نظم وضبط کا بیان

ایک مکھی ان مکھیوں کی سردار یا ان کی ملکہ ہوتی ہے جسے عربی میں یعسوب کہتے ہیں۔ باقی سب مکھیاں اس کی تابع فرمان ہوتی ہیں مکھیاں اسی کے حکم سے رزق کی تلاش میں نکلتی ہیں اور اگر وہ ان کے ہمراہ چلے تو سب اس کی پوری حفاظت کرتی ہیں اور ان میں ایسا نظم وضبط پایا جاتا ہے جسے دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اتنے چھوٹے سے جاندار میں اتنی عقل اور سمجھ کہاں سے آ گئی۔ مکھیاں تلاش معاش میں اڑتی اڑتی دور دراز جگہوں پر جا پہنچتی ہیں اور مختلف رنگ کے پھلوں، پھولوں اور میٹھی چیزوں پر بیٹھ کر ان کا رس چوستی ہیں۔ پھر یہی رس اپنے چھتہ کے خانوں میں لا کر ذخیرہ کرتی رہتی ہیں اور اتنی سمجھدار ہوتی ہیں کہ واپسی پر اپنے گھر کا راستہ نہیں بھولتیں۔ راستے میں خواہ ایسے کئی چھتے موجود ہوں وہ اپنے ہی چھتہ یا گھر پہنچیں گی۔ گویا ان مکھیوں کا نظم وضبط، پیہم آمد ورفت، ایک خاص قسم کا گھر تیار کرنا، پھر باقاعدگی کے ساتھ اس میں شہد کو ذخیرہ کرتے جانا، یہ سب راہیں اللہ نے مکھی کے لیے اس طرح ہموار کر دی ہیں کہ اسے کبھی سوچنے اور غور وفکر کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ
عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝
اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں کوئی سب سے ناقص عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے
، کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے، بیشک اللہ جانتا ہے سب کچھ کر سکتا ہے۔

عمر پوری ہونے پر موت طاری ہونے کا بیان

"وَاللَّه خَلَقَكُمْ" وَلَمْ تَكُونُوا شَيْئًا "ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ" عِنْد انْقِضَاء آجَالكُمْ "وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدّ إلَى أَرْذَل الْعُمُر" أَيْ أَخَسّه مِنْ الْهَرَم وَالْخَرَف "لِكَيْ لَا يَعْلَم بَعْد عِلْم شَيْئًا" قَالَ عِكْرِمَة : مَنْ قَرَأَ الْقُرْآن لَمْ يَصِرْ بِهَذِهِ الْحَالَة "إنَّ اللَّه عَلِيم" بِتَدْبِيرِ خَلْقه "قَدِير" عَلَى مَا يُرِيدهُ،

اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا، جبکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ پھر عمر پوری ہونے کے وقت وہ تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں کوئی سب سے ناقص عمر کی طرف پھیرا جاتا ہے، یعنی بڑھاپے اور خسیس عمر کی جانب پھیر دیا جاتا ہے۔ کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اس کی یہ حالت نہ ہوگی۔ بیشک اللہ اپنی مخلوق کی تدبیر کو جانتا ہے جو وہ ارادہ کرتا ہے وہ کچھ کر سکتا ہے۔

ارذل عمر سے بچنے کی دعا مانگنے کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص کہتے ہیں، کہ سعد رضی اللہ عنہ ان پانچ (چیزوں سے پناہ مانگنے) کا حکم دیتے تھے اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے (وہ یہ ہیں) اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں بخل سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ میں ارذل عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں اور تیری پناہ مانگتا ہوں، دنیا کے فتنے سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1320)

کوئی مخلوق اپنی مقررہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی

ان خارجی مثالوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی اپنی مثال پیش کی۔ کہ پہلے وہ بچہ ہوتا ہے اپنی تربیت کے لیے خوراک کھاتا ہے جس سے اس کا قد بھی بڑھتا ہے، ہمت بھی بڑھتی ہے، عقل اور علم میں بھی اضافہ ہوتا رہتا ہے جو ایک مخصوص حد تک جا کر رک جاتا ہے اس کے بعد انسان وہی غذائیں کھاتا ہے جو پہلے کھاتا تھا مگر اس کے اثرات بالکل برعکس برآمد ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس کے جسم میں طاقت کے بجائے کمزوری واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے عقل بہت کم ہونے لگتی ہے۔ یادداشت کمزور ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ پہلے کی سیکھی ہوئی باتیں بھی بھولنے لگتا ہے۔ اعضاء مضمحل ہونے لگتے ہیں اور قد بڑا ہونے کے باوجود بچوں کی سی باتیں، بچوں کی سی ضدیں اور بچوں کی سی حرکات کرنے لگ جاتا ہے حتیٰ کہ اسے تن بدن کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ حالانکہ غذا وہی کھاتا ہے جو بچپن میں کھایا کرتا تھا یا اس سے بھی اچھی غذائیں کھاتا ہے پھر اسے موت کا کڑوا گھونٹ بھی پینا پڑتا ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ○
اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فوقیت بخشی ہے، پس وہ لوگ جنہیں فوقیت دی گئی ہے کسی صورت اپنا رزق ان پر
لوٹانے والے نہیں جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں، تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

رزق میں بعض کو بعض پر برتری کے ذریعے رد شرک کا بیان

"وَاللّٰه فَضَّلَ بَعْضكُمْ عَلَى بَعْض فِي الرِّزْق" فَمِنْكُمْ غَنِيّ وَفَقِير وَمَالِك وَمَمْلُوك "فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا" أَيْ الْمَوَالِي "بِرَادِّي رِزْقهمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانهمْ" أَيْ بِجَاعِلِي مَا رَزَقْنَاهُمْ مِنْ الْأَمْوَال وَغَيْرهَا شَرِكَة بَيْنهمْ وَبَيْن مَمَالِيكهمْ "فَهُمْ" أَيْ الْمَمَالِيك وَالْمَوَالِي "فِيهِ سَوَاء" شُرَكَاء الْمَعْنَى لَيْسَ لَهُمْ شُرَكَاء مِنْ مَمَالِيكهمْ فِي أَمْوَالهمْ فَكَيْفَ يَجْعَلُونَ بَعْض مَمَالِيك اللّٰه شُرَكَاء لَهُ "أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰه يَجْحَدُونَ" يَكْفُرُونَ حَيْثُ يَجْعَلُونَ لَهُ شُرَكَاء

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فوقیت بخشی ہے، یعنی تم میں سے غنی وفقیر اور مالک ومملوک ہیں۔ پس وہ لوگ

جنہیں فوقیت دی گئی ہے کسی صورت اپنا رزق ان غلاموں پر لوٹانے والے نہیں۔ کیونکہ ان کے درمیان اور ان کے غلاموں کے درمیان شریک نہیں۔ جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں، یعنی اس کے غلاموں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہیں۔ معنی اس کا یہ ہے کہ جب وہ غلاموں کو مالوں میں برابر نہیں ٹھہراتے تو بعض ممالیک کو اللہ کا شریک کیسے ٹھہرا سکتے ہیں۔ تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی وہ اس کا شریک بنا کر کفر کرتے ہیں۔

خدا کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لیے برابر نہیں۔ بلحاظ تفاوتِ استعداد و احوال کے اس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ کسی کو مالدار اور با اقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام ہیں جو بذاتِ خود ایک پیسہ یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں، ہر وقت آقا کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔ پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کرے گا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہر حال اسی جیسے انسان ہیں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اس کی دولت، عزت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ غلام کا حکم تو شرعاً یہ ہے کہ بحالت غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنتا آقا ہی مالک رہتا ہے اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنا لے تو مساوات بیشک ہو جائے گی، لیکن اس وقت غلام غلام نہ رہا۔ بہر کیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔ جب دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک و مملوک میں شرکت و مساوات نہیں ہو سکتی، پھر غضب ہے کہ خالق و مخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے اور ان چیزوں کو جنہیں خدا کی مملوک سمجھنے کا اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً
وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝
اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا فرمائے اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے رنواسے پیدا
فرمائے اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا، تو کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت سے وہ ناشکری کرتے ہیں۔

جوڑے جوڑوں کی پیدائش کا بیان

"وَاللّٰه جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسكُمْ أَزْوَاجًا" فَخَلَقَ حَوَّاء مِنْ ضِلَع آدَم وَسَائِر النَّاس مِنْ نُطَف الرِّجَال وَالنِّسَاء "وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَة" أَوْلَاد الْأَوْلَاد "وَرَزَقَكُمْ مِنْ الطَّيِّبَات" مِنْ أَنْوَاع الثِّمَار وَالْحُبُوب وَالْحَيَوَان "أَفَبِالْبَاطِلِ" الصَّنَم "يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰه هُمْ يَكْفُرُونَ" بِإِشْرَاكِهِمْ

اور اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا فرمائے پس اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے حضرت حواء سلام اللہ علیہا کو پیدا کیا اور تمام لوگوں کو مرد و خواتین کے نطفوں سے پیدا کیا۔ اور تمہارے جوڑوں یعنی بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے رنواسے پیدا فرمائے اور تمہیں پاکیزہ رزق پھلوں کی مختلف اقسام، غلہ اور حیوانات عطا فرمائے، تو کیا پھر بھی وہ حق کو چھوڑ کر

باطل یعنی بت پر ایمان رکھتے ہیں اور شرک کرتے ہوئے اللہ کی نعمت سے وہ ناشکری کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اعتبار نسب سے احسان کا بیان

اپنے بندوں پر اپنا ایک اور احسان جتاتا ہے کہ انہی کی جنس سے انہی کی ہم شکل، ہم وضع عورتیں ہم نے ان کے لئے پیدا کیں اگر جنس اور ہوتی تو دلی میل جول، محبت وموعدت قائم نہ رہتی لیکن اپنی رحمت سے اس نے مرد عورت ہم جنس بنائے۔ پھر اس جوڑے سے نسل بڑھائی، اولاد پھیلائی، لڑکے ہوئے، لڑکوں کے لڑکے ہوئے، حفدہ کے ایک معنی تو یہی پوتوں کے ہیں، دوسرے معنی خادم اور مددگار کے ہیں پس لڑکے اور پوتے بھی ایک طرح خدمت گزار ہوتے ہیں اور عرب میں یہی دستور بھی تھا۔
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں انسان کی بیوی کی سابقہ گھر کی اولاد اس کی نہیں ہوتی۔ حفدہ اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو کسی کے سامنے اس کے لئے کام کاج کرے۔ یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اس سے مراد دامادی رشتہ ہے اس کے معنی کے تحت میں یہ سب داخل ہیں، چنانچہ قنوت میں جملہ آتا ہے والیک نسعی ونحفد ہماری سعی کوشش اور خدمت تیرے لئے ہی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اولاد سے، غلام سے، سسرال والوں سے، خدمت حاصل ہوتی ہے ان سب کے پاس سے نعمت الٰہی ہمیں ملتی ہے۔ ہاں جن کے نزدیک وحفدۃ کا تعلق ازواجا سے ہے ان کے نزدیک تو مراد اولاد اور اولاد کی اولاد اور داماد اور بیوی کی اولاد ہیں۔

پس یہ سب بسا اوقات اسی شخص کی حفاظت میں، اس کی گود میں اور اس کی خدمت میں ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ یہی مطلب سامنے رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ اولاد تیری غلام ہے۔ جیسے کہ ابوداؤد میں ہے اور جنہوں نے حفدہ سے مراد خادم لیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ معطوف ہے اللہ کے فرمان آیت (وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۔النحل:72) پر یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری بیویوں اور اولاد کو خادم بنا دیا ہے اور تمہیں کھانے پینے کی بہترین ذائقے دار چیزیں عنایت فرمائی ہیں پس باطل پر یقین رکھ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری نہ کرنی چاہئے۔ رب کی نعمتوں پر پردہ ڈال دیا اور ان کی دوسروں کی طرف نسبت کر دی۔

صحیح حدیث میں ہے کے قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے احسان جتاتے ہوئے فرمائے گا کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ میں نے تجھے ذی عزت نہیں بنایا تھا؟ میں نے گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے تابع نہیں کیا تھا اور میں نے تجھے سرداری میں اور آرام میں نہیں چھوڑا تھا؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نحل، بیروت)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝
اور اللہ کے سوا ان کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین سے ان کے لئے کسی قدر رزق دینے کے بھی مالک نہیں ہیں
اور نہ ہی کچھ قدرت رکھتے ہیں۔

کچھ بھی قدرت نہ رکھنے والے بتوں کی پوجا کرنے کا بیان

"وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰه" أَيْ غَيْرِه "مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَاوَاتِ" بِالْمَطَرِ "وَالْأَرْض" بِالنَّبَاتِ "شَيْئًا" بَدَل مِنْ رِزْقًا "وَلَا يَسْتَطِيعُونَ" يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْء وَهُوَ الْأَصْنَام

اور اللہ کے سوا ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو آسمانوں یعنی بارش اور زمین یعنی نباتات سے ان کے لئے کسی قدر رزق دینے کے بھی مالک نہیں ہیں یہاں پر شیئا یہ رزقا سے بدل ہے۔ اور نہ ہی کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ یعنی وہ بت کسی چیز پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے۔

نعمتیں دینے والا، پیدا کرنے والا، روزی پہنچانے والا، صرف اللہ تعالیٰ اکیلا وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اور یہ مشرکین اس کے ساتھ اوروں کو پوجتے ہیں جو نہ آسمان سے بارش برسا سکیں، نہ زمین سے کھیت اور درخت اگا سکیں۔ وہ اگر سب مل کر بھی چاہیں تو بھی نہ ایک بوند بارش برسانے پر قادر، نہ ایک پتے کے پیدا کرنے ان میں سکت پس تم اللہ کے لئے مثالیں نہ بیان کرو۔ اس کے شریک وسہیم اور اس جیسا دوسروں کو نہ سمجھو۔ اللہ عالم ہے اور وہ اپنے علم کی بنا پر اپنی توحید پر گواہی دیتا ہے۔ تم جاہل ہو، اپنی جہالت سے دوسروں کو اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہو۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝
پس تم اللہ کے لئے مثل نہ ٹھہرایا کرو، بیشک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر مثل نہ بنانے کا بیان

"فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْأَمْثَال" لَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ أَشْبَاهًا تُشْرِكُونَهُمْ بِهِ "إِنَّ اللّٰه يَعْلَم" أَنْ لَا مِثْل لَهُ "وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" ذَلِكَ

پس تم اللہ کے لئے مثل نہ ٹھہرایا کرو، یعنی تم ان کو شریک ٹھہرا کر اس کی مثل یہ بناؤ۔ بیشک اللہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی مثل نہیں ہے۔ اور تم اس بات کو نہیں جانتے۔

اس آیت میں ایک اہم حقیقت کو واضح فرمایا ہے جس سے غفلت برتنا ہی تمام کافرانہ شکوک وشبہات کو جنم دیتا ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ حق تعالیٰ کو اپنے بنی نوع انسان پر قیاس کر کے ان میں سے اعلیٰ ترین انسان مثلا بادشاہ وفرمانروا کو اللہ تعالیٰ کی مثال قرار دیتے ہیں اور پھر اس غلط بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کو بھی انسانی بادشاہوں کے نظام پر قیاس کر کے یہ کہنے لگتے ہیں کہ جس طرح کسی سلطنت وحکومت میں اکیلا بادشاہ سارے ملک کا انتظام نہیں کر سکتا بلکہ اپنے ماتحت وزراء اور دوسرے افسروں کو اختیارات سپرد کر کے ان کے ذریعہ نظم مملکت چلایا جاتا ہے اسی طرح یہ بھی ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ماتحت کچھ اور معبود بھی ہوں جو اللہ کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں یہی تمام بت پرست اور مشرکین کا عام نظریہ ہے اس جملے نے ان کے شبہات کی جڑ قطع

کردی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مخلوق کی مثالیں پیش کرنا خود بے عقلی ہے وہ مثال وتمثیل اور ہمارے وہم وگمان سے بالاتر ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ
يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○
اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے ایک غلام ہے ملکیت میں ہے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ شخص ہے جسے ہم نے
اپنی طرف سے عمدہ روزی عطا فرمائی ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا ہے، کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں،
سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

شرک وغیر شرک والے کا برابر نہ ہونے کا بیان

"ضَرَبَ اللّٰه مَثَلًا" وَيُبْدَل مِنْهُ "عَبْدًا" "عَبْدًا مَمْلُوكًا" صِفَة تُمَيِّزهُ مِنْ الْحُرّ فَإِنَّهُ عَبْد اللّٰه "لَا يَقْدِر عَلَى شَيْء" لِعَدَمِ مِلْكه "وَمَنْ" نَكِرَة مَوْصُوفَة أَيْ حُرًّا "رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِق مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا" أَيْ يَتَصَرَّف فِيهِ كَيْفَ يَشَاء وَالْأَوَّل مَثَل الْأَصْنَام وَالثَّانِي مَثَله تَعَالَى "هَلْ يَسْتَوُونَ" أَيْ الْعَبِيد الْعَجَزَة وَالْحُرّ الْمُتَصَرِّف ؟ لَا "الْحَمْد لِلّٰهِ" وَحْده "بَلْ أَكْثَرهمْ" أَيْ أَهْل مَكَّة "لَا يَعْلَمُونَ" مَا يَصِيرُونَ إلَيْهِ مِنْ الْعَذَاب فَيُشْرِكُونَ

اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ ایک غلام ہے۔ یہاں پر عبدا مملوکا یہ مثلا سے بدل ہے۔ اور مملوکا یہ عبدا کی صفت ہے تا کہ اس کو آزادی سے ممتاز کرے۔ کیونکہ وہ عبداللہ ہے۔ جو کسی کی ملکیت میں ہے خود کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، یہاں پر من نکرہ موصوفہ ہے۔ یعنی وہ آزاد ہے۔

اور دوسرا وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنی طرف سے عمدہ روزی عطا فرمائی ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا ہے، یعنی اس میں تصرف کرتا ہے جیسے وہ چاہتا ہے۔ پہلے کی مثال بتوں کی طرح ہے جبکہ دوسرے کی مثال اعلیٰ ہے۔ کیا وہ یعنی عاجز غلام اور آزاد تصرف کرنے والا برابر ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ لہٰذا سب تعریفیں اللہ وحدہ کے لئے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر اہل مکہ اس کو نہیں جانتے۔ جس عذاب کی طرف وہ جارہے ہیں کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں۔

سورہ نحل آیت ۷۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت ہشام بن عمرو کے بارے میں نازل ہوئی۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا) یہ وہی شخص ہے جو مال کو خفیہ اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتا تھا اور اس کا غلام ابوالجواز اسے منع کیا کرتا تھا پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ الخ)

اور خدا ایک اور مثال بیان فرماتا ہے دو آدمی ہیں ایک ان میں سے گونگا ہے کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور اپنے مالک کو دوبھر

ہو رہا ہے وہ جہاں اسے بھیجتا ہے بھلائی نہیں لاتا کیا ایسا گونگا اور وہ شخص جو لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے رستے پر چل رہا ہے دونوں برابر ہیں۔ تو ان میں سے گونگا اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ یہ آقا اسد بن ابی العیص ہے اور وہ شخص جو عدل کا حکم کرتا ہے اور صراط مستقیم پر ہے۔ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ (نیسابوری 235، سیوطی 163، در منثور، 4۔135)

مومن اور کافر میں فرق

ہرگز نہیں تو جب غلام و آزاد برابر نہیں ہو سکتے باوجود یکہ دونوں اللہ کے بندے ہیں تو اللہ خالق مالک قادر کے ساتھ بے قدرت و اختیار بت کیسے شریک ہو سکتے ہیں اور ان کو اس کے مثل قرار دینا کیسا بڑا ظلم وجہل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں یہ کافر اور مومن کی مثال ہے۔ پس ملکیت کے غلام سے مراد کافر اور اچھی روزی والے اور خرچ کرنے والے سے مراد مومن ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں اس مثال سے بت کی اور اللہ تعالیٰ کی جدائی سمجھانا مقصود ہے کہ یہ اور وہ برابر کے نہیں۔ اس مثال کا فرق اس قدر واضح ہے جس کے بتانے کی ضرورت نہیں، اسی لئے فرماتا کہ تعریفوں کے لائق اللہ ہی ہے۔ اکثر مشرک بے علمی پر تلے ہوئے ہیں۔

کیا یہ دونوں شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں؟ جب نہیں اور یقیناً ہرگز نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں بشر، انسان، اور مخلوق ہیں، تو پھر حضرت خالق جل مجدہ کے ساتھ کسی کی برابری کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟ (تفسیر مراغی، سورہ نحل، بیروت)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰـهُ اَيْنَمَا
يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○
اور اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے جن میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر
بوجھ ہے وہ اسے جدھر بھی بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا، کیا وہ اور وہ شخص جو لوگوں کو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے
اور وہ خود بھی سیدھی راہ پر گامزن ہے برابر ہو سکتے ہیں۔

کافر و مومن کی مثال کا بیان

"وَضَرَبَ اللّٰه مَثَلًا" وَيُبْدَل مِنْهُ "رَجُلَيْنِ أَحَدهمَا أَبْكَم" وُلِدَ أَخْرَس "لَا يَقْدِر عَلَى شَيْء" لِأَنَّهُ لَا يَفْهَم وَلَا يُفْهِم "وَهُوَ كَلٌّ" ثَقِيل "عَلَى مَوْلَاهُ" وَلِيّ أَمْره "أَيْنَمَا يُوَجِّههُ" يَصْرِفهُ "لَا يَأْتِ" مِنْهُ "بِخَيْرٍ" يَنْجَح وَهٰذَا مَثَل الْكَافِر "هَلْ يَسْتَوِي هُوَ" أَيْ الْأَبْكَم الْمَذْكُور "وَمَنْ يَأْمُر بِالْعَدْلِ" أَيْ وَمَنْ هُوَ نَاطِق نَافِع لِلنَّاسِ حَيْثُ يَأْمُر بِهِ وَيَحُثّ عَلَيْهِ "وَهُوَ عَلَى صِرَاط" طَرِيق "مُسْتَقِيم" وَهُوَ الثَّانِي الْمُؤْمِن ؟ لَا وَقِيلَ هٰذَا مَثَل اللّٰه وَالْأَبْكَم لِلْأَصْنَامِ وَالَّذِي قَبْله مَثَل الْكَافِر وَالْمُؤْمِن

اور اللہ نے دو ایسے آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے یہاں پر رجلین یہ مثلا سے بدل ہے۔ جن میں سے ایک پیدائشی طور

پر گونگا ہے وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا کیونکہ وہ نہ سن سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے وہ مالک اسے جدھر بھی بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا، یہ کافر کی مثال ہے۔ کیا وہ گونگا برابر ہے۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جو اس منصب کا حامل ہے کہ لوگوں کو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے یعنی جو لوگوں کے فائدے کیلئے بولتا ہے جب وہ حکم دیتا ہے اور اس پر تیار کرتا ہے۔ اور وہ خود بھی سیدھی راہ پر گامزن ہے۔ یہاں دوسرے سے مراد مؤمن ہے اور یہ نہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کی مثال ہے اور گونگہ سے مراد بت ہیں۔ جو اس سے پہلے گزر گیا ہے اس مثال میں کافر و مؤمن کی مثال ہے۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

معبود و غیر معبود کو سمجھانے کا بیان

یہ مثال بھی اس فرق کے دکھانے کی ہو جو اللہ تعالیٰ میں اور مشرکین کے بتوں میں ہے۔ یہ بت گونگے ہیں نہ کلام کر سکیں نہ کوئی بھلی بات کہہ سکیں، نہ کسی چیز پر قدرت رکھیں۔ قول و فعل دونوں سے خالی۔ پھر محض بوجھ، اپنے مالک پر بار، کہیں بھی جائے کوئی بھلائی نہ لائے۔ پس ایک برابر ہو جائیں گے؟ ایک قول ہے کہ ایک گونگا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ مثال بھی کافر و مومن کی ہو جیسے اس سے پہلے کی آیت میں تھی۔ کہتے ہیں کہ قریش کے ایک شخص کے غلام کا ذکر پہلے ہے اور دوسرے شخص سے مراد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور غلام گونگے سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ غلام ہے جس پر آپ خرچ کرتے تھے جو آپ کو تکلیف پہنچاتا رہتا تھا اور آپ نے اسے کام کاج سے آزاد کر رکھا تھا لیکن پھر بھی یہ اسلام سے چڑتا تھا، منکر تھا اور آپ کو صدقہ کرنے اور نیکیاں کرنے سے روکتا تھا، ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

یہ مثال مومن کی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ کافر ناکارہ گونگے غلام کی طرح ہے وہ کسی طرح مسلمان کی مثل نہیں ہو سکتا جو عدل کا حکم کرتا ہے اور صراطِ مستقیم پر قائم ہے۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ گونگے ناکارہ غلام سے بتوں کو تمثیل دی گئی اور انصاف کا حکم دینا شانِ الٰہی کا بیان ہوا، اس صورت میں معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک کرنا باطل ہے کیونکہ انصاف قائم کرنے والے بادشاہ کے ساتھ گونگے اور ناکارہ غلام کو کیا نسبت ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، بیروت)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے لئے ہے، اور قیامت کے بپا ہونے کا واقعہ اس قدر تیزی سے ہوگا
جیسے آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی تیز تر، بیشک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

زمین و آسمان کے غیوب کے علم کا بیان

"وَلِلّٰهِ غَيْب السَّمَاوَات وَالْأَرْض" أَيْ عِلْم مَا غَابَ فِيهِمَا "وَمَا أَمْر السَّاعَة إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَر أَوْ هُوَ أَقْرَب" لِأَنَّهُ بِلَفْظِ كُنْ: فَيَكُون

اور آسمانوں اور زمین کا سب غیب اللہ ہی کے لئے ہے، یعنی جو کچھ ان میں پوشیدہ ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ اور قیامت کے بپا ہونے کا واقعہ اس قدر تیزی سے ہوگا جیسے آنکھ کا جھپکنا یا اس سے بھی تیز تر، بیشک اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے کمال علم کا بیان ہے کہ وہ جمیع غیوب کا جاننے والا ہے اس پر کوئی چھپنے والی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ اس سے مراد علم قیامت ہے۔

زمین وآسمان کی چابیاں رسول اللہ ﷺ کو دی جانے کا بیان

ابوالخیر، عقبہ بن عامر کہتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے اور شہدائے احد پر نماز پڑھی جس طرح جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے، پھر منبر کی طرف لوٹے اور فرمایا کہ میں جنت میں تمہارے لئے پیش خیمہ ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں اور اللہ کی قسم میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں، اللہ کی قسم میں تمہارے متعلق اس بات سے نہیں ڈرتا ہوں، کہ تم شرک کرنے لگو گے، لیکن میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تم اس دنیا کی طرف رغبت نہ کرنے لگو۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1374)

قیامت کے اچانک آجانے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہو اور جب لوگ آفتاب مغرب سے طلوع ہوتا ہوا دیکھ لیں گے تو سارے لوگ ایمان لے آئیں گے لیکن ایسا وقت ہوگا جس میں کسی شخص کا ایمان اس کو نفع نہ پہنچائے گا۔ جب تک کہ پہلے سے ایمان نہ لایا ہو اور قیامت اس طرح قائم ہو جائے گی کہ دو آدمی (خرید وفرخت کے لئے) کپڑے پھیلائے ہوں گے لیکن خرید وفرخت کر نہیں پائیں گے اور نہ اس کو لپیٹ سکیں گے اور کوئی شخص اونٹنی کا دودھ لے کر چلا ہوگا لیکن وہ اس کو پینے نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی ایک آدمی اپنے جانور کو پلانے کے لئے حوض تیار کر رہا ہوگا اور اپنے جانوروں کو پلانے نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1453)

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے
کان اور آنکھیں اور دل بنا دیا، تا کہ تم شکر کرو۔

ماں کے پیٹ سے مولود کے عدم علم کا بیان

"وَاللّٰه أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُون أُمَّهَاتكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا" اَلْجُمْلَة حَال "وَجَعَلَ لَكُمْ السَّمْع" بِمَعْنَى

اَلْاَسْمَاع "وَالْاَبْصَار وَالْاَفْئِدَة" الْقُلُوب "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" تَشْكُرُونَهُ عَلَى ذٰلِكَ فَتُؤْمِنُونَ

اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے یہاں پر "لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا" کم ضمیر سے حال ہے۔ اور سمع بہ معنی اسماع ہے اور اس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنا دیا، تا کہ تم شکر کرو۔ یعنی تم شکر ادا کرتے ہوئے ایمان لے آؤ۔

پیدائش کے وقت انسان کا بچہ جس قدر بے خبر اور کمزور ہوتا ہے اتنا اور کسی جاندار کا بچہ بے خبر اور کمزور نہیں ہوتا۔ دوسرے سب جانداروں کے بچے پیدا ہوتے ہی راہ دیکھنے اور چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن انسان کا بچہ چلنا تو درکنار بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان اور دل سب جانداروں کو عطا کیے ہیں۔ لیکن انسان کو اللہ نے جو کان، آنکھیں اور دل دیئے ہیں وہ اتنی اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان کے ذریعہ انسان باقی تمام جانداروں اور دوسری مخلوق کو اپنا تابع بنا رہا ہے اور ان پر حکمرانی کر رہا ہے۔ اب اس کا حق تو یہی ہے کہ جس ہستی نے اسے ایسے قابل کان، آنکھیں اور دل عطا کیے ہیں اس کا شکر بجالائے۔ کانوں سے اللہ کا کلام سنے، آنکھوں سے کائنات میں ہر سو بکھری ہوئی اللہ کی نشانیوں اور قدرتوں کو دیکھے۔ پھر دل سے غور وفکر کرے اور صانع حقیقی کی معرفت اور توحید تک پہنچے مگر افسوس ہے کہ اکثر انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی اور استعداد رکھنے کے باوجود کانوں، آنکھوں اور دلوں سے وہ کام نہیں لیا جس غرض کے لیے اللہ نے یہ نعمتیں انسان کو عطا کی تھیں۔ اپنی دنیوی اغراض کی خاطر ان سے اتنا ہی کام لیا جتنا دوسرے حیوانات لیتے ہیں۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○
کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، آسمان کی فضا میں مسخر ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں تھامتا۔ بلاشبہ اس میں
ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

فضاء میں پرندوں کے معلق ہونے کا بیان

"اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَات" مُذَلَّلَات لِلطَّيَرَانِ "فِي جَوِّ السَّمَاء" أَيْ الْهَوَاء بَيْن السَّمَاء وَالْأَرْض "مَا يُمْسِكهُنَّ" عِنْد قَبْض أَجْنِحَتهنَّ أَوْ بَسْطهَا أَنْ يَقَعْنَ

کیا انہوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، آسمان کی فضا میں مسخر ہیں، یعنی جو فضاء میں معلق ہیں۔ یعنی جو ہوا زمین و آسمان کے درمیان میں ہے انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں تھامتا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں یعنی ان کے پروں کو بند کرنے اور کھولنے کی حالت میں بنایا۔ جو ایمان لاتے ہیں۔

فضائی پرندوں کی تسخیر کا بیان

کوئی چیز فضا میں ٹھہر نہیں سکتی وہ ہوا کی لطافت اور زمین کی کشش ثقل کی وجہ سے زمین پر آ گرتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے پروں اور ان کی دم کی ساخت میں کچھ ایسا توازن قائم کیا ہے کہ نہ زمین کی کشش ثقل انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے اور نہ ہوا کی لطافت انہیں نیچے گراتی ہے اور فضا میں بے تکلف تیرتے پھرتے ہیں۔ پھر یہ فن انہیں سیکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ سب باتیں ان کی فطرت میں رکھ دی گئی ہیں۔ پرندے جب اڑنے لگتے ہیں تو اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے اور پھیلاتے ہیں۔ پھر جب فضا میں پہنچ جاتے ہیں تو ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت پروں کو پھیلائے رکھیں۔ وہ انہیں بند بھی کر لیتے ہیں لیکن پھر بھی گرتے نہیں۔ انسان نے پرندوں کی اڑان اور ان کی ساخت میں غور و فکر کر کے ہوائی جہاز تو ایجاد کر لیا۔ مگر جس ہستی نے ایسے طبعی قوانین بنا دیئے ہیں جن کی بنا پر پرندے یا ہوائی جہاز فضا میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اس ہستی کی معرفت حاصل کرنے کے لیے انسان نے کوئی کوشش نہ کی۔

پرندوں کے توکل کرنے کا بیان

آنکھیں، کان اور دل کا ذکر کرنے کے بعد پرندوں کا ذکر کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ ان تینوں چیزوں سے کام لے کر ہر جاندار اپنی معاش کی فکر کرتا ہے۔ انسان بھی اور پرندے بھی۔ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ بھی نہیں لاتا۔ اب انسان کا تو یہ حال ہے کہ وہ کسب معاش اور دنیوی کاروبار کے دھندوں میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے کہ یہی چیزیں اسے اللہ پر ایمان لانے اور اس کا فرمانبردار بن کر رہنے میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ حالانکہ اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ اس لحاظ سے پرندے انسان سے بدرجہا بہتر ہیں۔ چنانچہ سیدنا عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرتے جیسا کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی اسی طرح رزق دیا جاتا ہے جس طرح پرندوں کو دیا جاتا ہے۔ وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ (سنن ترمذی، ابواب الزہد)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ○
اور اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں سے رہنے کی جگہ بنا دی اور تمہارے لیے چوپاؤں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جنھیں تم اپنے کوچ کے دن اور اپنے قیام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہو اور ان کی اونوں سے اور ان کی پشموں سے اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانے کی چیزیں بنائیں۔

حیوانات کی اونوں سے گھریلو سامان بنانے کا بیان

"وَاللّٰه جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتكُمْ سَكَنًا" مَوْضِعًا تَسْكُنُونَ فِيهِ "وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُود الْأَنْعَام بُيُوتًا" كَالْخِيَامِ وَالْقِبَاب "تَسْتَخِفُّونَهَا" لِلْحَمْلِ "يَوْم ظَعْنكُمْ" سَفَركُمْ "وَيَوْم إِقَامَتكُمْ وَمِنْ أَصْوَافهَا" أَيْ

الْغَنَم "وَأَوْبَارِهَا" أَيْ الْإِبِل "وَأَشْعَارِهَا" أَيْ الْمَعْز "أَثَاثًا" مَتَاعًا لِبُيُوتِكُمْ كَبُسُطٍ وَأَكْسِيَة "وَمَتَاعًا" تَتَمَتَّعُونَ بِهِ "إِلَى حِين" يَبْلَى فِيهِ

اوراللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھروں سے رہنے کی جگہ بنادی یعنی ایسی جگہ جہاں تم سکون حاصل کرسکو۔اور تمھارے لیے چوپاؤں کی کھالوں سے ایسے گھر بنائے جس طرح خیمے اور قبے ہیں۔جنہیں تم اپنے کوچ کے دن اور اپنے قیام کے دن ہلکا پھلکا پاتے ہواوران کی اونوں سے اوران کی پشموں سے اوران کے بالوں سے یعنی بکریوں کے بالوں اور اونٹوں کے روؤں سے گھر کا سامان جس طرح چادریں اور لباس وغیرہ بناتے ہیں۔اور ایک وقت تک فائدہ اٹھانے کی چیزیں بنائیں۔یعنی جب تک وہ بوسیدہ نہ ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

سکنا ۔فعل بمعنی مفعول۔ای موضعا تسکنون فیه وقت اقامتکم۔وہ جگہ جہاں تم بوقت اقامت تسکین پاتے ہو۔بیوتا۔مفعول بیت کی جمع۔ یہاں گھر سے مراد چمڑے کے بنے ہوئے خیمے جو مسافری کے دوران گھر کا کام دیتے ہیں۔تستخفونھا ۔مضارع جمع مذکر حاضر ھا ضمیر واحد مونث غائب (اس کا مرجع بیوتا ہے تم اسے ہلکا پاتے ہو۔استخفاف (استفعال) مصدر۔جس کا مطلب ہلکا سمجھنا۔

الخفیف الثقیل کے مقابلہ میں ہے ۔ظعنکم۔مضاف مضاف الیہ۔تمہاراسفر۔ظعن مصدر۔ومن اصوافھا واوبارھا واشعارھا اس کا عطف ومن جلود پر ہے اور ھا ضمیر کا مرجع الانعام ہے۔اصوافھا۔ان کی اُون۔صوف کی جمع ہے۔ بھیڑوں کی اُون۔اوبارھا۔ان کی اُون۔وبر کی جمع اونٹ کی اون کو وبر کہتے ہیں۔ اشعارھا۔ان کے بال۔شعر کی جمع۔بکری کے بال۔ھا ضمیر کا مرجع جیسا کہ اوپر بیان ہوا الانعام ہے۔جس میں بھیڑیں بکریاں اونٹ سب شامل ہیں۔

اثاثا۔اثاثہ۔گھر کا سامان۔مال واسباب۔اث سے مشتق ہے۔اث یوث (نصر) بمعنی زیادہ یا گنجان ہونا۔پھر یہ لفظ اثاث ہرقسم کے فراوان مال پر بولا جانے لگا۔متاع کی طرح اس کا بھی واحد نہیں آتا۔اس کی جمع اثاث (بکسر ہمزہ) قرآن مجید ہے ھم احسن اثاثا ورئیا ،وہ سازوسامان میں زیادہ تھے اورخوش منظر بھی۔الی حین۔مدت تک۔مدت العمر۔الی ان تموتوا۔تمہاری موت تک۔

مکانوں کا جائے سکون ہونے کا بیان

اس میں حق تعالیٰ نے انسان کے بیت یعنی گھر کو سکن فرما کر گھر بنانے کا فلسفہ اور حکمت واضح فرمادی کہ اس کا اصل مقصد جسم اور قلب کا سکون ہے عادۃ انسان کا کسب وعمل گھر سے باہر ہوتا ہے جو اس کی حرکت سے وجود میں آتا ہے اس کے گھر کا اصلی منشاء یہ ہے کہ جب حرکت وعمل سے تھک جائے تو اس میں جا کر آرام کرے اور سکون حاصل کرے اگرچہ بعض اوقات انسان اپنے گھر میں بھی حرکت وعمل میں مشغول رہتا ہے مگر یہ عادۃ کم ہے۔

اس کے علاوہ سکون اصل میں قلب ودماغ کا سکون ہے وہ انسان کو اپنے گھر میں ہی حاصل ہوتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ انسان کے مکان کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ اس میں سکون ملے آج کی دنیا میں تعمیرات کا سلسلہ اپنے عروج پر ہے اور ان میں ظاہری ٹیپ ٹاپ پر بیحد خرچ بھی کیا جاتا ہے لیکن ان میں ایسے مکانات بہت کم ہیں جن میں قلب اور جسم کا سکون حاصل ہو بعض اوقات تو مصنوعی تکلفات خود ہی آرام وسکون کو برباد کر دیتے ہیں اور وہ بھی نہ ہو تو گھر میں جن لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ اس سکون کو ختم کر دیتے ہیں ایسے عالی شان مکانات سے وہ جگہ اور جھونپڑی اچھی ہے جس کے رہنے والے کے قلب وجسم کو سکون حاصل رہا ہو۔

قرآن کریم ہر چیز کی روح اور اصل کو بیان کرتا ہے انسان کے گھر کا اصل مقصد اور سب سے بڑی غرض وغایت سکون کو قرار دیا اسی طرح ازدواجی زندگی کا اصل مقصد بھی سکون قرار دیا ہے لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا جس ازدواجی زندگی سے یہ مقصد حاصل نہ ہو وہ اس کے اصل فائدے سے محروم ہے آج کی دنیا میں ان چیزوں میں رسمی اور غیر رسمی تکلفات اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کی حد نہیں رہی اور مغربی تمدن ومعاشرت نے ان چیزوں میں ظاہری زیب وزینت کے سارے سامان جمع کر دیئے مگر سکون قلب وجسم سے قطعاً محروم کر ڈالا۔

حیوانات کی کھالوں اور بالوں سے فوائد کا بیان

اس سے ثابت ہوا کہ جانوروں کی کھال اور بال اور اون سب کا استعمال انسان کے لئے حلال ہے اس میں یہ بھی قید نہیں کہ جانور مذبوح ہو یا مردار اور نہ یہ قید ہے کہ اس کا گوشت حلال ہے یا حرام ان سب قسم کے جانوروں کی کھال دباغت دے کر استعمال کرنا حلال ہے اور بال اور اون پر تو جانور کی موت کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا وہ بغیر کسی خاص صنعت کے حلال اور جائز ہے امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے البتہ خنزیر کی کھال اور اس کے تمام اجزاء ہر حال میں نجس اور ناقابل انتفاع ہیں۔

امام ابن ابی حاتم رازی لکھتے ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے اس آیت کی تلاوت اس نے تمہیں چوپایوں کی کھالوں کے خیمے دیئے اس نے کہا یہ بھی سچ ہے، اسی طرح آپ ان آیتوں کو پڑھتے گئے اور وہ ہر ایک نعمت کا اقرار کرتا رہا آخر میں آپ نے پڑھا اس لئے کہ تم مسلمان اور مطیع ہو جاؤ اس وقت وہ پیٹھ پھیر کر چل دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخری آیت اتاری کہ اقرار کے بعد انکار کر کے کافر ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ نحل، بیروت)

دباغت شدہ کھال میں نماز کی اباجت کا بیان

ہر وہ کھال جس کو دباغت دی گئی ہو پس وہ پاک ہوگئی۔ اور اس میں نماز جائز ہے۔ اور اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ سوائے اس کھال کے جو آدمی کی ہو یا خنزیر ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ہر دباغت کی گئی کھال پاک ہوگئی۔ یہ حدیث اپنے عموم کے سبب مردار کی کھال کے بارے میں امام مالک علیہ الرحمہ پر حجت ہے۔ اور اس نہی سے کوئی معارضہ نہیں کیا جائے گا جو مردار سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم مردار کے کھال سے نفع حاصل نہ کرو کیونکہ اہاب غیر

دباغت والی کھال کا نام ہے۔اور کتے کی کھال میں امام شافعی علیہ الرحمہ پر حجت ہے۔اور وہ نجس العین بالکل نہیں۔کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ کتے سے نگرانی اور شکار کے طور پر نفع حاصل کیا جاتا ہے۔بخلاف سؤر کے کیونکہ وہ نجس العین ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان ''فانہ رجس'' میں ضمیر ''ہ'' کا مرجع خنزیر ہے۔کیونکہ یہی قریب ہے۔اور آدمی کے اجزاء سے حصول نفع کا حرام ہونا اس کی عزت کی وجہ سے ہے۔لہٰذا ہماری بیان کردہ روایت سے یہ دونوں کھالیں خارج ہوگئیں۔ہر وہ چیز جو بدبو اور فساد کو روکے اسے دباغت کہتے ہیں۔اگرچہ دھوپ یا مٹی کے لگانے سے حاصل ہو۔کیونکہ اس سے مقصود حاصل ہو جائے گا لہٰذا اس کیلئے اس کے کسی غیر کی شرط لگانے کا کوئی معنی ہی نہیں بنتا۔(ہدایہ اولین، کتاب طہارت، لاہور)

دباغت کی تعریف کا بیان

ہر وہ چیز جو بدبو اور فساد کو ختم کرے اسے دباغت کہتے ہیں۔

مردار کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُمّ المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی کسی لونڈی کو ایک بکری صدقہ میں دی گئی تھی، وہ مر گئی۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پڑا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتار لی؟ رنگ کر کام میں لاتے۔تو لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ مردار تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مردار کا کھانا حرام ہے۔(رقم الحدیث، 117، صحیح مسلم ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، مسند احمد، بخاری، ابوداؤد، نسائی، بتصرف اسنادھا) امام دار قطنی ۲۹ مختلف اسناد سے دباغت کے متعلق احادیث لائے ہیں۔

حدثنا أبو بكر النيشابوری نا محمد بن عقيل بن خويلد نا حفص بن عبد الله نا إبراهيم بن طهمان عن أيوب عن نافع عن بن عمر قال قال رسول صلى الله عليه و سلم أيما اهاب دبغ فقد طهر إسناد حسن . (سنن دار قطنی، ج۱، ص۲۸، دار المعرفہ بیروت)

دباغت کھال سے متعلق تین مسائل ہیں (۱) کھال کی طہارت۔اس کا تعلق کتاب الصید سے ہے۔(۲) اس کھال میں نماز پڑھنا یہ مسئلہ کتاب الصلوٰۃ سے متعلق ہے۔(۳) اس سے وضو کرنا تاکہ قربت حاصل ہو یہ مسئلہ اس باب سے متعلق ہے۔اور والصلوٰۃ فیہ کہا ہے جبکہ اس کو کپڑا بنایا جائے۔اسی لئے ''والصلوٰۃ علیہ'' نہیں کہا۔کہ نمازی اس پر نماز پڑھے اگرچہ دونوں کا حکم ایک ہے۔کیونکہ کپڑے کا بیان نمازی پر زیادہ مشتمل ہے۔اور وہ منصوص علیہ بھی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''و ثیابک فطھر'' اور جگہ کی طہارت اس کے ساتھ بطور دلالت ملی ہوئی ہے۔اور آخری دونوں کا حکم اس میں بیان کیا ہے اور پہلی صورت اس لئے بیان کہ تاکہ امام مالک علیہ الرحمہ کے قول سے احتراز کیا جائے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ کھال کا ظاہر پاک ہو جاتا ہے لیکن اس کا باطن پاک نہیں ہوتا لہٰذا کھال پر نماز پڑھنا جائز ہے لیکن اس کے اندر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اسی طرح استثناء میں خنزیر کو آدمی پر مقدم کیا ہے کیونکہ یہ محل نجاست ہے اور نجاست کے موقع کے اعتبار سے خنزیر نجس العین ہے لہٰذا وہ قابل اہانت ہے اور آدمی کو اس سے موخر ذکر کیا ہے کیونکہ وہ افضل ہے۔(عنایہ شرح الہدایہ، ج۱، ص۱۲۶، بیروت)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ○

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ کئی چیزوں کے سائے بنائے اور اس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں اور اس نے تمہارے لئے ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے لباس جو تمہیں شدید جنگ میں بچاتے ہیں، اس طرح اللہ تم پر اپنی نعمتِ پوری فرماتا ہے تا کہ تم سر نیاز خم کر دو۔

انسانوں کیلئے پیدا کردہ اللہ کی نعمتوں کا بیان

"وَاللّٰه جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ " مِنْ الْبُيُوت وَالشَّجَر وَالْغَمَام "ظِلَالًا" جَمْع ظِلّ تَقِيكُمْ حَرّ الشَّمْس "وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ الْجِبَال أَكْنَانًا " جَمْع كِنّ وَهُوَ مَا يُسْتَكَنّ فِيهِ كَالْغَارِ وَالسَّرَب "وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيل " قُمُصًا "تَقِيكُمْ الْحَرّ" أَيْ وَالْبَرْد "وَسَرَابِيل تَقِيكُمْ بَأْسكُمْ" حَرْبكُمْ أَيْ الطَّعْن وَالضَّرْب فِيهَا كَالدُّرُوعِ وَالْجَوَاشِن "كَذٰلِكَ" كَمَا خَلَقَ هٰذِهِ الْأَشْيَاء "يُتِمّ نِعْمَته" فِي الدُّنْيَا "عَلَيْكُمْ" بِخَلْقِ مَا تَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ "لَعَلَّكُمْ" يَا أَهْل مَكَّة "تُسْلِمُونَ" تُوَحِّدُونَهُ

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے اپنی پیدا کردہ کئی چیزوں یعنی گھروں، درختوں اور بادلوں کے سائے بنائے۔ یہاں پر ظلالا یہ ظل کی جمع ہے۔ جو تمہیں سورج کی گرمی سے بچاتے ہیں۔ اور اس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں یہاں پر اکنان یہ کن کی جمع ہے۔ اور وہ ہے جس میں ٹھہرا جائے جس طرح غار اور سراء ہے اور اس نے تمہارے لئے کچھ ایسے لباس بنائے جو تمہیں گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں اور کچھ ایسے لباس جو تمہیں شدید جنگ میں نیزہ اور تلوار کی زد سے بچاتے ہیں، جس طرح زرہ اور سینے بند ہے۔ اس طرح اللہ تم پر اپنی نعمت دنیا میں پوری فرماتا ہے یعنی ایسی چیزوں کی تخلیق کے ساتھ جس کی طرف تمہیں ضرورت ہے۔ تا کہ تم یعنی اہل مکہ سر نیاز خم کر دو۔ یعنی اس کی توحید کو مان جاؤ۔

لباس کے مفہوم کا بیان

"لباس" اصل میں تو مصدر ہے، لیکن استعمال "ملبوس" کے معنی میں ہوتا ہے، جیسا کہ " کتاب " کا لفظ مصدر ہونے کے باوجود " مکتوب " کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے "لباس" کے ماضی اور مضارع کے صیغے باب علم یعلم سے آتے ہیں، ویسے اس کا مصدر لبس (لام کے پیش کے ساتھ) بھی آتا ہے! اور لبس جو لام کے زبر کے ساتھ آتا ہے اس کے معنی التباس وخلط کے ہیں جس کا باب ضرب یضرب ہے۔

انسان کیلئے لباس کی نعمت کا بیان

انسان کو سردی سے بچنے کے لیے بھی لباس کی ایسے ہی ضرورت ہوتی ہے جیسے گرمی سے بچنے کے لیے اور جو لباس گرمی سے

بچاتا ہے وہ سردی سے بھی بچاتا ہے اور یہاں جو بالخصوص گرمی سے بچانے کا ذکر فرمایا تو اس لیے اہل عرب سردی کے موسم سے نا آشنا تھے وہاں عموماً موسم گرم ہی رہتا ہے۔ بالخصوص مکہ میں، جہاں یہ سورت نازل ہوئی، ٹھنڈا موسم ہوتا ہی نہیں۔ وہاں فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ کبھی کم گرمی کا موسم ہوتا ہے اور کبھی شدید گرمی کا ہے۔

اور ایسی پوشاکیں بھی جو لڑائی کے دوران تمہاری حفاظت کرتی ہیں" یعنی لوہے وغیرہ کی وہ زرہیں جو تم لوگ لڑائی میں پہنتے ہو۔ دشمن کے وار سے بچنے کیلئے۔ اور لوہے کے ان لباسوں یعنی زرہ وغیرہ کا استعمال قدیم زمانے میں چلا آ رہا ہے۔ سو یہ قدرت کی کتنی عنایت ہے تم پر اے لوگوں۔ سو زرہ سازی میں کام آنیوالے خام مواد کو بھی اسی خالق کل مالک مطلق نے پیدا فرمایا۔ اور اتنی بے حد وحساب مقدار میں پیدا فرمایا۔ اور جگہ جگہ اس کے ذخیروں کے ذخیرے رکھ دیے۔ اور تم کو عقل کے اس جوہر سے بھی اسی نے نوازا جس کے ذریعے تم لوگ یہ سب کام کرتے ہو۔ سو ان تمام نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم لوگ دل وجان سے اپنے اس خالق ومالک کے آگے جھک جاؤ اور ہمیشہ جھکے رہو ہی رہو۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ٭ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ٭
پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اے محبوب! تم پر نہیں مگر صاف پہنچا دینا ہے۔ وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں
اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

کفار کا نعمت کے اقرار کے بعد انکار کر جانے کا بیان

"فَاِنْ تَوَلَّوْا" أَعْرَضُوا عَنْ الْإِسْلَام "فَإِنَّمَا عَلَيْك" يَا مُحَمَّد "الْبَلَاغ الْمُبِين" الْإِبْلَاغ الْبَيِّن وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِالْقِتَالِ "يَعْرِفُونَ نِعْمَة اللَّه" أَيْ يُقِرُّونَ بِأَنَّهَا مِنْ عِنْده "ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا" بِإِشْرَاكِهِمْ "وَأَكْثَرهمْ الْكَافِرُونَ"،

پھر اگر وہ منہ پھیریں یعنی وہ اسلام سے اعراض کریں۔ تو یا محمد ﷺ تم پر نہیں مگر صاف پہنچا دینا ہے۔ یعنی حکم پہنچا دینا ہے اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔ وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، یعنی وہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ نعمت اسی کی جانب سے ہے۔ پھر شرک کر کے اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

حکم جہاد کے پیغام حق پہنچانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جھنڈا میں ایک ایسے آدمی کو دوں گا کہ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوگا، اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح عطا فرمائے گا، حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ میں نے اس دن کے علاوہ کبھی بھی امارت کی آرزو نہیں کی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں اس امید کو لے کر آپ کے سامنے آیا کہ آپ مجھے اس کام کے لئے بلالیں، راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی

اللہ عنہ کو بلایا تو آپ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا اور آپ نے فرمایا جاؤ اور کسی طرف توجہ نہ کرو یہاں تک کہ اللہ تجھے (تیرے ہاتھوں) فتح عطا فرما دے، راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ چلے اور پھر ٹھہر گئے اور کسی طرف توجہ نہیں کی پھر چیخ کر بولے، اے اللہ کے رسول! میں لوگوں سے کس بات پر قتال کروں؟ آپ نے فرمایا تم ان لوگوں سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گواہی نہ دیں تو جب وہ لوگ اس بات کی گواہی دے دیں تو انہوں نے اپنا خون اور مال تم سے محفوظ کر لیا، سوائے کسی حق کے بدلہ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 1721)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ٥
اور جس دن ہم ہر امت سے گواہ بنا کر اٹھائیں گے پھر کافر لوگوں کو اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ
و رجوع کا مطالبہ کیا جائے گا۔

قیامت کے دن کسی قسم کی توبہ وعذر کے قابل قبول نہ ہونے کا بیان

"وَ" اذْكُرْ "يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا" هُوَ نَبِيُّهَا يَشْهَد لَهَا وَعَلَيْهَا وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة "ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا" فِي الِاعْتِذَار "وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ" لَا يُطْلَب مِنْهُمْ الْعُتْبَى أَيْ الرُّجُوع إِلَى مَا يُرْضِي اللّٰه

- اور جس دن ہم ہر امت سے اس کے رسول کو اس کے اعمال پر گواہ بنا کر اٹھائیں گے اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔ پھر کافر لوگوں کو کوئی عذر پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ اس وقت ان سے توبہ و رجوع کا مطالبہ کیا جائے گا۔ جس سے اللہ راضی ہو جائے۔

قیامت کے دن کی گواہی کا بیان

قیامت کے دن مشرکوں کی جو بری حالت بنے گی اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس دن ہر امت پر اس کا نبی گواہی دے گا کہ اس نے اللہ کا پیغام انہیں پہنچا دیا تھا کافروں کو کسی عذر کی بھی اجازت نہ ملے گی کیونکہ ان کا بطلان اور جھوٹ بالکل ظاہر ہے۔ سورۃ والمرسلات میں بھی یہی فرمان ہے کہ اس دن نہ وہ بولیں گے، نہ انہیں کسی عذر کی اجازت ملے گی۔ مشرکین عذاب دیکھیں گے لیکن پھر کوئی کمی نہ ہوگی ایک ساعت بھی عذاب ہلکا نہ ہوگا نہ انہیں کوئی مہلت ملے گی اچانک پکڑ لئے جائیں گے۔ جہنم آ موجود ہوگی جو ستر ہزار لگاموں والی ہوگی۔ جس کی ایک لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ اس میں سے ایک گردن نکلے گی جو اس طرح پھن پھیلائے گی کہ تمام اہل محشر خوف زدہ ہو کر بل گر پڑیں گے۔ اس وقت جہنم اپنی زبان سے با آواز بلند اعلان کرے گی کہ میں اس ہر ایک سرکش ضدی کے لئے مقرر کی گئی ہوں۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا ہو اور ایسے ایسے کام کئے ہوں چنانچہ وہ کئی قسم

کے گنہگاروں کا ذکر کرے گی۔ جیسے کہ حدیث میں ہے پھر وہ ان تمام لوگوں کو لپٹ جائے گی اور میدان محشر میں سے انہیں لپک لے گی جیسے کہ پرندہ دانہ چگتا ہے۔ جیسے کہ فرمان باری ہے آیت (اذا رایتھم) الخ جب کہ وہ دور سے دکھائی دے گی تو اس کا شور وغل، کڑکنا، بھڑکنا یہ سننے لگیں گے اور جب اس کے تنگ وتاریک مکانوں میں جھونک دیئے جائیں تو موت کو پکاریں گے۔ آج ایک چھوڑ کئی ایک موتوں کو بھی پکاریں تو کیا ہو سکتا ہے؟

وَاِذَا رَاَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوا الۡعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمۡ وَلَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ۝
اور جب وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، عذاب کو دیکھ لیں گے تو نہ وہ ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

کفار کیلئے آخرت میں کوئی مہلت نہ ہونے کا بیان

"وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا " كَفَرُوا "الْعَذَاب" النَّار "فَلَا يُخَفَّف عَنْهُمْ " الْعَذَاب "وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ " يُمْهَلُونَ عَنْهُ إذَا رَأَوْهُ،

اور جب وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا، عذاب یعنی آگ کو دیکھ لیں گے تو نہ وہ عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ یعنی جب وہ اس کو دیکھ لیں گے۔

جہنم کی آگ کی سختی کا بیان

احنف بن قیس نے بیان کیا کہ میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا تو ایک شخص آیا جس کے بال اور کپڑے سخت تھے اور شکل سے پراگندی ظاہر ہوتی تھی یہاں تک کہ لوگوں کے پاس کھڑا ہو کر اس نے سلام کیا اور کہا کہ مال جمع کرنے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ایک پتھر جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر وہ ان کی چھاتی پر رکھا جائے گا جو ان کے مونڈھے کی ہڈی کے پاس سے (آر پار ہو کر) نکل جائے گا اور وہ پتھر ہلتا رہے گا پھر وہ مڑا اور ایک ستون کے پاس جا بیٹھا میں بھی اس کے پیچھے گیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے، میں نے اس سے کہا کہ میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ اس بات سے ناراض ہوئے جو تم نے کہی، اس نے کہا وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے، حالانکہ میرے خلیل (دوست) نے کہا ہے، میں نے پوچھا آپ کے خلیل کون ہیں؟ کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا اے ابوذر کیا تم احد پہاڑ کو دیکھتے ہو؟ میں نے آفتاب کو دیکھا کہ دن کا کون سا حصہ باقی رہ گیا ہے اور میں گمان کرنے لگا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی ضرورت کے لئے بھیجیں گے، میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا کہ مجھے پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تین اشرفیوں کے سوا میں کل خرچ (خیرات) نہ کروں اور یہ لوگ کچھ بھی نہیں سمجھتے یہ لوگ دنیا جمع کرتے ہیں اور ان سے دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگوں گا اور نہ دین کے متعلق کوئی بات ان سے پوچھوں گا یہاں تک کہ اللہ سے مل جاؤں۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1347)

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا
مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝
اور جب مشرک لوگ اپنے شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک تھے جن کی ہم تجھے
چھوڑ کر پرستش کرتے تھے، پس وہ انہیں پیغام بھیجیں گے کہ بیشک تم جھوٹے ہو۔

جھوٹے معبودوں کا قیامت کے دن عبادت سے مکر جانے کا بیان

"وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ" مِنْ الشَّيَاطِين وَغَيْرهَا "قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو" نَعْبُدهُمْ "مِنْ دُونك فَأَلْقَوْا إلَيْهِمْ الْقَوْل" أَيْ قَالُوا لَهُمْ "إنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ" فِي قَوْلكُمْ إنَّكُمْ عَبَدْتُمُونَا كَمَا فِي آيَة أُخْرَى "مَا كَانُوا إيَّانَا يَعْبُدُونَ" سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ

اور جب مشرک لوگ اپنے خودساختہ شیاطین وغیرہ شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے، اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک تھے جن کی ہم تجھے چھوڑ کر پرستش کرتے تھے، پس وہ شرکاء انہیں جوابا پیغام بھیجیں گے کہ بیشک تم اپنی بات میں جھوٹے ہو۔ کیونکہ تم نے ہمیں معبود بنایا ہے۔ جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے۔ یعنی جن کو وہ عبادت کرتے تھے وہ عنقریب ان کی عبادت سے انکار کردیں گے۔

حضرت ابوہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے آپ نے فرمایا کہ تمہیں آفتاب دیکھنے سے نقصان پہنچتا ہے جبکہ اس پر بادل نہ ہوں لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں چاند دیکھنے سے لیلۃ القدر میں تکلیف ہوتی ہے جبکہ اس پر بادل نہ ہوں لوگوں نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن اسی طرح دیکھو گے اللہ لوگوں کو جمع کرے گا اور فرمائے گا کہ جو شخص جس چیز کی عبادت کرتا تھا اس کے ساتھ ہو جائے چنانچہ سورج کی عبادت کرنے والا سورج کے ساتھ اور چاند کی عبادت کرنے والا چاند کے ساتھ اور بتوں کی عبادت کرنے والا بتوں کے ساتھ اور یہ امت باقی رہ جائے گی جس میں اس امت کے منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس کے علاوہ صورت میں آئے گا جس میں وہ جانتے تھے پھر اللہ فرمائے گا کہ میں تمہارا پروردگار ہوں تو وہ لوگ کہیں گے کہ ہم تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ہم اسی جگہ رہیں گے جب تک کہ ہمارا پروردگار ہمارے پاس نہ آئے گا۔ جب ہمارا پروردگار آئے گا تو ہم لوگ اس کو پہچان لیں گے پھر اللہ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جس میں وہ جانتے تھے اور کہے گا میں تمہارا پروردگار ہوں وہ لوگ کہیں گے کہ تو ہمارا پروردگار ہے اور وہ لوگ اس کے ساتھ ہو جائیں گے اور جہنم کا پل قائم کیا جائے گا سب سے پہلے میں گزروں گا اور تمام رسولوں کی دعا اس دن اللھم سلم سلم ہوگی اور اس کے ساتھ سعدان کے کانٹے کی طرح کانٹے ہوں گے کیا تم نے سعدان کے کانٹے دیکھیں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ وہ

سعدان کے کانٹے کی طرح ہوں گے مگر اس کی بڑائی کی مقدار اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ کانٹے ان کو ان کے اعمال کے موافق اچک لیں گے ان میں سے بعض اپنے عمل کے باعث ہلاک ہونے والے ہوں گے اور بعض کے اعمال رائی کے برابر ہوں گے وہ نجات پائے گا یہاں تک کہ جب اللہ اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہو جائے گا اور لا الہ اللہ کی شہادت دینے والوں میں سے جس شخص کو نکالنا چاہے گا فرشتوں کو حکم دے گا کہ اس کو جہنم سے نکالیں، فرشتے اس کو سجدے کے نشانات کے باعث پہچان لیں گے اور اللہ نے آگ کو حرام کر دیا ہے کہ وہ مسلمان کے سجدے کے نشان کو کھائے۔ چنانچہ فرشتے ان کو نکال لیں گے اس حال میں کہ وہ کوئلہ کی طرح ہوں گے پھر ان پر پانی بہایا جائے گا جسے ماء الحیات کہا جاتا ہے اور وہ اس طرح تر و تازہ ہو جائیں گے کہ جس طرح کہ دریا کے کنارے کوڑے کرکٹ میں دانہ لگتا ہے ایک شخص دوزخ کی طرف رخ کرکے کھڑا رہ جائے گا اور عرض کرے گا کہ اے پروردگار اس کی ہوا نے جھلسا دیا ہے اور اس کی چمک نے جلا دیا ہے اس لئے میرا چہرہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے پس وہ اللہ سے دعا کرتا رہے گا اللہ فرمائیں گے کہ اگر میں تم کو یہ دیدوں تو مجھے امید ہے کہ تو اس کے علاوہ بھی مانگے گا وہ عرض کرے گا کہ تیری عزت کی قسم میں اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگوں گا چنانچہ اس کا منہ دوزخ کی طرف سے پھیر دے گا پھر اس کے بعد عرض کرے گا کہ اے رب مجھے جنت کے دروازے کے قریب کر دے گا اللہ فرمائیں گے کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے علاوہ مجھ سے کچھ نہیں مانگے گا اے آدم تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے عہد شکنی کی وہ اسی طرح دعا کرتا رہے گا اللہ فرمائے گا کہ مجھے امید ہے کہ اگر میں تجھ کو یہ دیدوں تو اس کے علاوہ تو مجھ سے سوال نہ کرے گا وہ شخص عرض کرے گا کہ تیری عزت کی قسم اب اس کے علاوہ میں تجھ سے کوئی سوال نہ کروں گا پھر اللہ سے عہد و پیمان باندھے گا کہ اس کے سوا کچھ نہیں سوال کرے گا پس اللہ اس کو جنت کے دروازے کے قریب کر دے گا پس جب اس چیز کو دیکھے گا جو جنت میں ہے تو جب تک اللہ چاہے گا وہ خاموش رہے گا پھر عرض کیا یا رب مجھے جنت میں داخل کر دے۔ پھر اللہ فرمائیں گے کہ تو نے نہیں کہا تھا کہ اب اس کے علاوہ کچھ نہیں مانگوں گا افسوس اے ابن آدم۔ تو نے وعدہ خلافی کیا وہ عرض کرے یا رب مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ بدبخت نہ بنا۔ وہ اسی طرح دعا کرتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہنسے گا جب اللہ ہنسے گا تو جنت میں داخل کر دے گا جب وہ جنت میں داخل ہو جائے گا تو اللہ فرمائیں گے کہ اپنی آرزو بیان کر چنانچہ وہ آرزو بیان کرے گا یہاں تک کہ اس کی تمام آرزوئیں ختم ہو جائے گا تو اللہ اس سے فرمائے گا کہ یہ تیری آرزو ہے اور اتنا ہی اور بھی۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ یہ مرد جنت میں سب سے آخر میں داخل ہونے والوں میں ہوگا۔ عطاء کا بیان ہے کہ ابو سعید خدری ابو ہریرہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے حدیث میں کوئی اختلاف نہیں کیا، یہاں تک کہ جب ھذا لک ومثلہ معہ تک پہنچے تو ابو سعید نے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ھذا وعشر امثالہ۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ میں نے مثلہ معہ کو یاد رکھا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1517)

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِنِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

اور یہ اس دن اللہ کے حضور عاجزی و فرمانبرداری ظاہر کریں گے اور ان سے وہ سارا بہتان جاتا رہے گا جو یہ باندھا کرتے تھے۔

مشرکین کے بہتان کے دور ہو جانے کا بیان

"وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَم" أَيْ اسْتَسْلَمُوا لِحُكْمِهِ "وَضَلَّ" غَابَ "عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ" مِنْ أَنَّ آلِهَتهمْ تَشْفَع لَهُمْ،

اور یہ مشرکین اس دن اللہ کے حضور عاجزی وفرمانبرداری ظاہر کریں گے اور ان سے وہ سارا بہتان جاتا رہے گا جو یہ باندھا کرتے تھے۔یعنی کہ ان کے معبودان کی سفارش کریں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

القوا میں ضمیر فاعل کا مرجع مشرکین۔ضل۔ضل یضل (باب ضرب) سے ماضی واحد مذکر غائب۔ضلال و ضلالۃ مصدر۔گمراہ ہونا۔بھٹک جانا راہِ حق سے، مرکر مٹی میں گل سڑ جانا۔(کوشش کا) برباد جانا۔راستے سے بہک جانا۔فراموش کرنا۔ضائع کرنا۔ضائع ہونا۔گم ہونا۔ہلاک ہو جانا۔

ضالۃ ج ضوال گم شدہ چیز جس کی تلاش کی جائے۔الحکمۃ۔ضالۃ المومن فھو احق بھا حیث وجدھا۔

ضل عنھم ما کانوا یفترون۔اور جو افتراء پردازی وہ کیا کرتے تھے وہ سب کافور ہو جائے گی۔یعنی اپنے معبودانِ باطل سے جو امیدیں انہوں نے وابستہ کر رکھی تھیں وہ سب دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

ساری طمطراق اور افتراء پردازیاں اس وقت غائب ہو جائیں گی سب عاجز و مقہور ہو کر خدا کے سامنے اپنی اطاعت وانقیاد کا اظہار کریں گے۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ٥
جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکتے رہے ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے اس وجہ سے کہ
وہ فساد انگیزی کرتے تھے۔

دین حق کی راہ سے روکنے والوں کیلئے عذاب کا بیان

"الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا" النَّاس "عَنْ سَبِيل اللَّه" دِينه "زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْق الْعَذَاب" الَّذِي اسْتَحَقُّوهُ بِكُفْرِهِمْ قَالَ ابْن مَسْعُود : عَقَارِب أَنْيَابهَا كَالنَّخْلِ الطِّوَال "بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ" بِصَدِّهِمْ النَّاس عَنْ الْإِيمَان

جن لوگوں نے کفر کیا اور دوسروں کو اللہ کی راہ یعنی اس کے دین سے روکتے رہے ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کریں گے کیونکہ وہ کفر کے سبب اس کے حقدار بنے ہیں۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے بچھوہوں گے جن کے دانت کھجور کے درخت کی طرح لمبے ہوں گے۔اس وجہ سے کہ وہ فساد انگیزی کرتے تھے۔یعنی لوگوں کو ایمان سے روکتے تھے۔

جہنم میں بچھوؤں کا عذاب ہونے کا بیان

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجزی یعنی طاعت پر قادر نہ ہوکر اچھے کاموں میں سستی سے، نامردی سے، بخل سے، بڑھاپے کے سبب اعضاء کے ناکارہ اور حواس باختہ ہونے سے اور قبر کے عذاب یعنی قبر کی تنگی، وہاں کی وحشت گرزوں کے مارے جانے سے، بچھوؤں۔ کے ڈنگ مارنے، سانپوں کے ڈسنے اور اسی قسم کی دوسری ہولنا کیوں سے اے اللہ میرے نفس کو اس کی پرہیزگاری عطا کر اور اس کو پاک کر، کیونکہ اس کو پاک کرنے والوں میں تیری ہی ذات بہترین ہے تو ہی اس کا کارساز اور مالک ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع بخش نہ ہو اس دل سے جو نہ ڈرے، اس نفس سے جو سیر نہ ہو (یعنی حریص ہو اللہ نے جو کچھ دیا ہے اس پر قناعت نہ کرے اور اس دعا سے جو مرتبہ قبولیت کو نہ پہنچے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 992)

غیر نفع بخش علم سے پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اس علم سے پناہ مانگتا ہوں جس پر عمل نہ کروں جو دوسروں کو نہ سکھاؤں اور جو اخلاق وافعال کو نہ سدھارے، یا پھر اس سے وہ علم مراد ہے جو دین کے لئے ضروری نہ ہو اس طرح وہ علم بھی مراد ہو سکتا ہے جس کو حاصل کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے۔

حضرت ابوطالب مکی فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک، نفاق اور برے افعال سے پناہ مانگی ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی (اس ایک قسم سے پناہ مانگی جو اسلامی عقائد واعمال کے نقطہ نظر سے مضر ہے اور جو انسان کو تقویٰ اور خوف آخرت کی راہ پر لگانے کی بجائے دنیا کی حرص ومحبت اللہ کے راستہ پر لے جائے چنانچہ جس علم کے ساتھ تقویٰ اور خوف آخرت نہ ہو وہ دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ اور دنیاداری کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

جس طرح جنت میں اہل ایمان کے درجات مختلف ہوں گے، اسی طرح جہنم میں کفار کے عذاب میں فرق ہوگا جو گمراہ ہونے کے ساتھ دوسروں کی گمراہی کا سبب بنے ہوں گے، ان کا عذاب دوسروں کی نسبت شدید تر ہوگا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝
اور وہ دن ہوگا ہم ہر امت میں انہی میں سے خود ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے، اور ہم
نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

قیامت کے دن انبیائے کرام کی امتوں سے متعلق شہادت کا بیان

"وَ" اذْكُر "يَوْم نَبْعَث فِي كُلّ أُمَّة شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسهمْ" وَهُوَ نَبِيّهمْ "وَجِئْنَا بِك" يَا مُحَمَّد "شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ" أَيْ قَوْمك "وَنَزَّلْنَا عَلَيْك الْكِتَاب" الْقُرْآن "تِبْيَانًا" بَيَانًا "لِكُلِّ شَيْء" يَحْتَاج

إِلَيْهِ النَّاس مِنْ أَمْرِ الشَّرِيعَةَ "وَهُدًى" مِنَ الضَّلَالَة "وَرَحْمَة وَبُشْرَى " بِالْجَنَّةِ "لِلْمُسْلِمِينَ" الْمُوَحِّدِينَ

اور یہ وہ دن ہوگا جب ہم ہر امت میں انہی میں سے خود ان پر ایک گواہ اٹھائیں گے اور وہ ان کا نبی مکرم علیہ السلام ہوگا اور یا محمد ﷺ ہم آپ کو آپ کی قوم پر گواہ بنا کر لائیں گے، اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب قرآن نازل فرمایا ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے لوگوں کو مسائل شرعیہ میں اس کی طرف ضرورت ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں یعنی توحید والوں کے لئے گمراہی سے ہدایت اور رحمت اور جنت کی بشارت ہے۔

قیامت کے انبیائے کرام کی معیت میں امتوں کے حاضر ہونے کا بیان

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں نوح علیہ السلام کو قیامت کے دن بلایا جائے گا اور ان سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے میرا پیغام میرے بندوں کو پہنچا دیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں اللہ پہنچا دیا تھا۔ ان کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پرسش ہوگی کیا نوح علیہ السلام نے میری باتیں تمہیں پہنچائی تھیں وہ صاف انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا تمہاری امت انکار کرتی ہے تم گواہ پیش کرو یہ کہیں گے کہ ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت میری گواہ ہے یہی مطلب اس آیت (وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا) 2۔ البقرة: 143) کا ہے وسط کے معنی عدل کے ہیں اب تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے اور میں تم پر گواہی دوں گا۔ (بخاری ترمذی، نسائی ابن ماجہ)

مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے قیامت کے دن نبی آئیں گے اور ان کے ساتھ ان کی امت کے صرف دو ہی شخص ہوں گے اور اس سے زیادہ بھی اس کی امت کو بلایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا اس نبی نے تمہیں تبلیغ کی تھی؟ وہ انکار کریں گے نبی سے کہا جائے گا تم نے تبلیغ کی وہ کہیں گے ہاں، کہا جائے گا تمہارا گواہ کون ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت۔ پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت بلائی جائے گی ان سے یہی سوال ہوگا کہ کیا اس پیغمبر نے تبلیغ کی؟ یہ کہیں گے ہاں، ان سے کہا جائے گا کہ تمہیں کیسے علم ہوا؟ یہ جواب دیں گے کہ ہمارے پاس ہمارے نبی آئے اور آپ نے خبر دی کہ انبیاء علیہم السلام نے تیرا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچایا۔ یہی مطلب ہے اللہ عزوجل کے اس فرمان (وکذلک)۔

مسند احمد کی ایک اور حدیث میں وسطاً بمعنی عدلاً آیا ہے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور میری امت قیامت کے دن ایک اونچے ٹیلے پر ہوں گے تمام مخلوق میں نمایاں ہوں گے اور سب کو دیکھ رہے ہوں گے اس روز تمام دنیا تمنا کرے گی کہ کاش وہ بھی ہم میں سے ہوتے جس جس نبی کی قوم نے اسے جھٹلایا ہے ہم دربار رب العالمین میں شہادت دیں گے کہ ان تمام انبیاء نے حق رسالت ادا کیا تھا۔ (مسند احمد بن حنبل)

قرآن مجید میں اولین وآخرین کے تمام علوم ہونے کا بیان

جامع ترمذی کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش آنے والے فتنوں کی خبر دی، صحابہ نے ان سے خلاص کا طریقہ دریافت کیا، فرمایا کتاب اللہ میں تم سے پہلے واقعات کی بھی خبر ہے، تم سے بعد کے واقعات کی بھی اور تمہارے مابین کا علم بھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا جو علم چاہے وہ قرآن کو لازم کرلے، اس میں اولین وآخرین کی خبریں ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امت کے سارے علوم حدیث کی شرح ہیں اور حدیث قرآن کی اور یہ بھی فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کوئی حکم بھی فرمایا وہ وہی تھا جو آپ کو قرآن پاک سے مفہوم ہوا۔ ابوبکر بن مجاہد سے منقول ہے انہوں نے ایک روز فرمایا کہ عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب اللہ یعنی قرآن شریف میں مذکور نہ ہو اس پر کسی نے ان سے کہا سراؤں کا ذکر کہاں ہے؟ فرمایا اس آیت (لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡہَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَکۡتُمُوۡنَ ،النور:29) ابن ابوالفضل مرسی نے کہا کہ اولین وآخرین کے تمام علوم قرآن پاک میں ہیں۔ غرض یہ کتاب جامع ہے جمیع علوم کی جس کسی کو اس کا جتنا علم ملا ہے اتنا ہی جانتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، لاہور)

قیامت تک کیلئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے استنباطی قواعد کا بیان

حضرات مفسرین کرام عموم کل شيء ماينا سبه ہر چیز کو عموم وہی معتبر ہوتا ہے جو اس کے مناسب ہو کے قاعدہ کلیہ کے مطابق ایسی آیات کریمہ کے عموم کو امور دین وہدایت ہی کے ساتھ مختص قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اس کی تعبیر وادائیگی اس طرح کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ أی ما یحتاج الیه فی امر الدین وغیرہ

(ابن جریر، ابن کثیر جامع البیان، صفوۃ التفاسیر، قرطبی، معالم، روح المعانی، مدارک)

قرآن مجید میں مسائل شرعیہ کے قواعد واصول کا استنباط کیا گیا ہے جن کی بنیاد پر نئے پیدا ہونے والے مسائل کو ان قواعد کے مطابق سمجھا جاسکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآیِٔ ذِی الۡقُرۡبٰی وَیَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ
وَالۡمُنۡکَرِ وَالۡبَغۡیِ ۚ یَعِظُکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ۝
بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے،
وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ کا عدل واحسان کا حکم دینے کا بیان

"إِنَّ اللَّه يَأْمُر بِالْعَدْلِ" التَّوْحِيد أَوْ الْإِنْصَاف "وَالْإِحْسَان" أَدَاء الْفَرَائِض أَوْ أَنْ تَعْبُد اللَّه كَأَنَّك تَرَاهُ كَمَا فِي الْحَدِيث "وَإِيتَاء" إعْطَاء "ذِي الْقُرْبَى" الْقَرَابَة خَصَّهُ بِالذِّكْرِ اهْتِمَامًا بِهِ "وَيَنْهَى عَنْ

الْفَحْشَاء " الزِّنَا "وَالْمُنْكَر" شَرْعًا مِنَ الْكُفْر وَالْمَعَاصِي "وَالْبَغْي" الظُّلْم لِلنَّاسِ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ اهْتِمَامًا كَمَا بَدَأَ بِالْفَحْشَاءِ كَذٰلِكَ "يَعِظُكُمْ" بِالْأَمْرِ وَالنَّهْي "لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ" تَتَّعِظُونَ وَفِيهِ إِدْغَام التَّاء فِي الْأَصْل فِي الذَّال وَفِي الْمُسْتَدْرَك عَنْ ابْن مَسْعُود وَهٰذِهِ أَجْمَع آيَة فِي الْقُرْآن لِلْخَيْرِ وَالشَّرّ

بے شک اللہ عدل یعنی توحید یا انصاف اور احسان یعنی ادائے قرض یا اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرنا گویا کہ اس کو دیکھ رہے ہیں جس طرح حدیث جبریل میں آیا ہے۔اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے یہاں قرابت کا ذکر اس لئے خاص طور پر کیا ہے کیونکہ ان کیلئے اہتمام کیا جاتا ہے۔اور بے حیائی یعنی زنا اور برائی یعنی جو شریعت کے مطابق کفر اور نافرمانی ہے اور سرکشی یعنی لوگوں پر ظلم کرنے سے منع کرتا ہے، یہاں اس لئے فحشاء کو شروع میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ اس کا وقوع کثیر ہوتا ہے۔وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔یہاں پر تتعظون میں اصل میں تاء کا ذال میں ہے اور مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ پورے قرآن میں بھلائی و برائی کیلئے جامع ہے۔

سورہ نحل آیت ۹۰ کے شان نزول کا بیان

اس آیت کے شان نزول میں ایک حسن حدیث مسند امام احمد میں وارد ہوئی ہے۔ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگنائی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعون آپ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا بیٹھتے نہیں ہو؟ وہ بیٹھ گیا، آپ اس کی طرف متوجہ ہوکر باتیں کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دفعتہً اپنی نظریں آسمان کی جانب اٹھائیں کچھ دیر اوپر ہی کو دیکھتے رہے، پھر نگاہیں آہستہ آہستہ نیچی کیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف آپ نے رخ بھی کرلیا اور اس طرح سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں اور کوئی آپ سے کچھ کہہ رہا ہے تھوڑی دیر تک یہی حالت طاری رہی پھر آپ نے اپنی نگاہیں اونچی کرنی شروع کیں۔

یہاں تک کہ آسمان تک آپ کی نگاہیں پہنچیں پھر آپ ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور اسی پہلی بیٹھک پر عثمان کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ گئے۔وہ یہ سب دیکھ رہا تھا، اس سے صبر نہ ہوسکا، پوچھا کہ حضرت آپ کے پاس کئی بار بیٹھنے کا اتفاق ہوا لیکن آج جیسا منظر تو کبھی نہیں دیکھا، آپ نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ اس نے کہا یہ کہ آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر نیچیں کرلی اور اپنے دائیں طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف گھوم کر بیٹھ گئے، مجھے چھوڑ دیا، پھر اس طرح سر ہلانے لگے جیسے کوئی آپ سے کچھ کہہ رہا ہو۔اور آپ اسے اچھی طرح سن سمجھ رہے ہوں۔آپ نے فرمایا اچھا تم نے یہ سب کچھ دیکھا؟ اس نے کہا برابر دیکھتا ہی رہا۔آپ نے فرمایا میرے پاس اللہ کا نازل کردہ فرشتہ وحی لے کر آیا تھا اس نے کہا اللہ کا بھیجا ہوا؟

آپ نے فرمایا ہاں، ہاں اللہ کا بھیجا ہوا۔پوچھا پھر اس نے آپ سے کیا کہا؟ آپ نے یہی آیت پڑھ سنائی۔حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وقت میرے دل میں ایمان بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے میرے دل میں گھر

کرلیا۔ (مسند احمد بن حنبل، مسانید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما)

اچھائی کے حکم اور برائی سے ممانعت میں جامع آیت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انصاف تو یہ ہے کہ آدمی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دے اور نیکی اور فرائض کا ادا کرنا اور آپ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ انصاف شرک کا ترک کرنا اور نیکی اللہ کی اس طرح عبادت کرنا گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور دوسروں کے لئے وہی پسند کرنا جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اگر وہ مومن ہو تو اس کے برکاتِ ایمان کی ترقی تمہیں پسند ہو اور اگر کافر ہو تو تمہیں یہ پسند آئے کہ وہ تمہارا اسلامی بھائی ہو جائے۔ انہیں سے ایک اور روایت ہے اس میں ہے کہ انصاف توحید ہے اور نیکی اخلاص اور ان تمام روایتوں کا طرزِ بیان اگرچہ جُدا جُدا ہے لیکن مآل ومدعا ایک ہی ہے۔

ابن عیینہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ عدل ظاہر وباطن دونوں میں برابر حق وطاعت بجالانے کو کہتے ہیں اور احسان یہ ہے کہ باطن کا حال ظاہر سے بہتر ہو اور فحشاء و منکر و بغی یہ ہے کہ ظاہر اچھا ہو اور باطن ایسا نہ ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا اور تین سے منع فرمایا عدل کا حکم دیا اور وہ انصاف ومساوات ہے، اقوال وافعال میں اس کے مقابل فُحشا یعنی بے حیائی ہے، وہ قبیح اقوال وافعال ہیں اور احسان کا حکم فرمایا وہ یہ ہے کہ جس نے ظلم کیا اس کو معاف کرو اور جس نے برائی کی اس کے ساتھ بھلائی کرو، اس کے مقابل منکر ہے یعنی محسن کے احسان کا انکار کرنا اور تیسرا حکم اس آیت میں رشتہ داروں کو دینے اور ان کے ساتھ صلہ رحمی اور شفقت ومحبت کا فرمایا، اس کے مقابل بغی ہے اور وہ اپنے آپ کو اونچا کھینچنا اور اپنے علاقہ داروں کے حقوق تلف کرنا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تمام خیر وشر کے بیان کو جامع ہے، یہی آیت حضرت عثمان بن مظعون کے اسلام کا سبب ہوئی جو فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے ایمان میرے دل میں جگہ پکڑ گیا، اس آیت کا اثر اتنا زبردست ہوا کہ ولید بن مغیرہ اور ابو جہل جیسے سخت دل کفار کی زبانوں پر بھی اس کی تعریف آ ہی گئی۔ اس لئے یہ آیت ہر خطبہ کے آخر میں پڑھی جاتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، لاہور)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا
وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ○
اور اللہ کا عہد پورا کرو جب آپس میں عہد کرو اور قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، حالانکہ یقیناً تم نے اللہ کو
اپنے آپ پر ضامن بنایا ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

عہد اور قسموں کو پورا کرنے کا بیان

"وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّه " مِنْ الْبَيْع وَالْأَيْمَان وَغَيْرهَا "إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَان بَعْد تَوْكِيدهَا"

تَوْثِيقِهَا "وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا" بِالْوَفَاءِ حَيْثُ حَلَفْتُمْ بِهِ وَالْجُمْلَةُ حَال "إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ" تَهْدِيد لَهُمْ،

اور اللہ کا عہد بیع وایمان وغیرہ میں پورا کرو جب آپس میں عہد کرو اور قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو، حالانکہ یقیناً تم نے اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنایا ہے۔ یعنی ان کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ جب تم حلف اٹھا چکو یہ جملہ حال ہے۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ یہ ان کیلئے تہدید ہے۔

سورہ نحل آیت ۹۱ کے شان نزول کا بیان

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کے متعلق نازل ہوئی۔ (نیسابوری 236، طبری 14-110)

عہد کے لغوی مفہوم کا بیان

علامہ مراغی کہتے ہیں کہ اس میں ہر وہ عہد و پیان داخل ہے جس کی پابندی کا التزام واقرار انسان اپنی مرضی واختیار سے کرتا ہے۔ اور اسی بناء پر حضرت میمون بن مہران کہتے ہیں کہ جس سے تم نے کوئی عہد و پیان کیا ہو اس کو پورا کرو۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، کیونکہ عہد تو اللہ کیلئے اور اسی کے نام کا ہوتا ہے۔ (تفسیر المراغی، سورہ نحل، بیروت)

جھوٹی قسم یا بدعہدی کے ذریعے وعید کا بیان

حضرت ابووائل، عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کی جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس کے ذریعہ کسی مسلمان کا مال (یا فرمایا کہ بھائی کا مال) ہضم کرے تو اللہ اس سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر اللہ کا غضب ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی، إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ ، آل عمران: 77)، یعنی جو لوگ اللہ کے عہد کے ساتھ خریدتے ہیں، سلیمان نے اپنی حدیث میں بیان کیا کہ اشعث بن قیس گزرے تو پوچھا کہ تم سے عبداللہ کیا بیان کرتے ہیں لوگوں نے ان کو بتایا تو اشعث نے کہا کہ یہ آیت تو میرے اور میرے ایک ساتھی کے متعلق نازل ہوئی، ہمارے درمیان ایک کنویں کے بارے میں تنازع تھا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1597)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا
بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝
اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا ہتم اپنی قسموں کو اپنے
درمیان فریب کا ذریعہ بناتے ہو، اس لیے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو، اللہ تو تمہیں اس کے ساتھ

صرف آزماتا ہے اور یقیناً قیامت کے دن وہ تمہارے لیے ضرور واضح کرے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

عہد کو پورا کرنے یا نہ کرنے کی مثال کا بیان

"وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ" أَفْسَدَتْ "غَزْلَهَا" مَا غَزَلَتْهُ "مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ" إِحْكَامٍ لَهُ وَبَرْمٍ "أَنْكَاثًا" حَالٌ جَمْعُ نِكْثٍ وَهُوَ مَا يُنْكَثُ أَيْ يُحَلُّ إِحْكَامُهُ وَهِيَ امْرَأَةٌ حَمْقَاءُ مِنْ مَكَّةَ كَانَتْ تَغْزِلُ طُولَ يَوْمِهَا ثُمَّ تَنْقُضُهُ "تَتَّخِذُونَ" حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ تَكُونُوا : أَيْ لَا تَكُونُوا مِثْلَهَا فِي اتِّخَاذِكُمْ "أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا" هُوَ مَا يَدْخُلُ فِي الشَّيْءِ وَلَيْسَ مِنْهُ أَيْ فَسَادًا أَوْ خَدِيعَةً "بَيْنَكُمْ" بِأَنْ تَنْقُضُوهَا "أَنْ" أَيْ لِأَنْ "تَكُونَ أُمَّةٌ" جَمَاعَةٌ "هِيَ أَرْبَى" أَكْثَرُ "مِنْ أُمَّةٍ" وَكَانُوا يُحَالِفُونَ الْحُلَفَاءَ فَإِذَا وَجَدُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَعَزَّ نَقَضُوا حِلْفَ أُولَئِكَ وَحَالَفُوهُمْ "إِنَّمَا يَبْلُوكُمْ" يَخْتَبِرُكُمْ "اللّٰهُ بِهِ" أَيْ بِمَا أَمَرَ بِهِ مِنَ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ لِيَنْظُرَ الْمُطِيعَ مِنْكُمْ وَالْعَاصِيَ أَوْ يَكُونَ أُمَّةٌ أَرْبَى لِيَنْظُرَ أَتَفُونَ أَمْ لَا "وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ" فِي الدُّنْيَا مِنْ أَمْرِ الْعَهْدِ وَغَيْرِهِ بِأَنْ يُعَذِّبَ النَّاكِثَ وَيُثِيبَ الْوَافِيَ

اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط اور پاورفل کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا، یہاں انکاث یہ حال ہے اور نکث کی جمع ہے اس کا معنی ادھیڑ کر تار تار کر دینا ہے۔یعنی وہ احکام عہد کو یوں توڑ دیتا ہے۔ اور یہ واقعہ مکہ کی ایک بیوقوف عورت کا ہے۔ جو دن بھر سوت کاتتی تھی اور پھر اس کو ادھیڑ کر ضائع کر دیتی۔ یہاں پر تتخذون یہ تکونوا کی ضمیر سے حال ہے یعنی تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنی قسموں کو اپنے درمیان فریب کا ذریعہ بناتے ہیں۔ دخلا غیر معروف چیز کو کہتے ہیں یعنی اس میں دھوکہ اور فریب نہ ہو کہ اس کو توڑ دو۔ لہٰذا تم اس طرح نہ جاؤ کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہو، یعنی جب ایک جماعت سے معاہدی کرتے اور پھر اس کے بعد اس سے بڑی جماعت سے عزت پاتے تو وہ اپنے پہلے حلیفوں کو چھوڑ دیتے۔ پس اللہ تو تمھیں اس کے ساتھ صرف آزماتا ہے تا کہ وہ ظاہر کر دے کہ کون فرمانبردار ہے اور کون نافرمان ہے۔ یا ایک بڑی جماعت ہوتا کہ وہ آزمائے کہ کون عہد کو پورا کرتا ہے اور کون نہیں، اور یقیناً قیامت کے دن وہ تمھارے لیے ضرور واضح کرے گا جس کے بارے میں تم دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ جو معاہدہ وغیرہ کے بارے میں تھا تا کہ وہ عہد پورا کرنے والے کو ثواب جبکہ توڑنے والے کو عذاب دے۔

ریطہ بنت عمرو کے فتور عقل کو تمثیل بتانے کا بیان

مکہ مکرمہ میں ریطہ بنت عمرو ایک عورت تھی جس کی طبیعت میں بہت وہم تھا اور عقل میں فتور، وہ دوپہر تک محنت کر کے سوت کاتا کرتی اور اپنی باندیوں سے بھی کتواتی اور دوپہر کے وقت اس کاتے ہوئے کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالتی اور باندیوں سے بھی تڑواتی، یہی اس کا معمول تھا۔ معنی یہ ہیں کہ اپنے عہد کو توڑ کر اس عورت کی طرح بیوقوف نہ بنو۔

مجاہد کا قول ہے کہ لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قوم سے حلف کرتے اور جب دوسری قوم اس سے زیادہ تعداد یا مال یا قوت میں

پاتے تو پہلوں سے جو حلف کئے تھے توڑ دیتے اور اب دوسرے سے حلف کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو منع فرمایا اور عہد کے وہ کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، لاہور)

غیر مناسب قسم توڑ کر اس کا کفارہ دینے کا بیان

ابو احوص عوف ابن مالک اپنے والد (حضرت مالک) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ میرے چچا کے بیٹے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں کہ جب میں (اپنی کسی ضرورت کے موقع پر) اس سے (کچھ مال و اسباب) مانگتا ہوں تو وہ مجھ کو (کچھ) نہیں دیتا اور میرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا ہے۔ لیکن جب خود اس کو مجھ سے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے مگر میں نے (اس کو اس کے عمل کی سزا دینے کے لئے کے خود تو مجھ کو کچھ دیتا نہیں، لیکن مجھ سے مانگنے کے لئے آ جاتا ہے) اس بات پر قسم کھالی ہے کہ میں نہ تو اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس سے حسن سلوک کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں وہ کام کروں جو بہتر ہے (یعنی اس کی ضرورت پوری کروں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کروں) اور قسم توڑنے کا کفارہ دوں۔ (نسائی، ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 600)

اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "ملک نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میرے چچا کا بیٹا میرے پاس (کچھ مانگنے) آتا ہے تو میں قسم کھالیتا ہوں کہ نہ تو میں اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں گا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا" تم اپنی قسم (توڑ دو اور اس) کا کفارہ دو۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○
اور اگر اللہ چاہتا تو یقیناً تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا اور لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے
اور یقیناً تم اس کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے۔

قیامت کے دن اعمال سے متعلق پوچھا جانے کا بیان

"وَلَوْ شَاءَ اللّٰه لَجَعَلَكُمْ أُمَّة وَاحِدَة" أَهْل دِين وَاحِد "وَلٰكِنْ يُضِلّ مَنْ يَشَاء وَيَهْدِي مَنْ يَشَاء، وَلَتُسْأَلُنَّ" يَوْم الْقِيَامَة سُؤَال تَبْكِيت "عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ" لِتُجَازَوْا عَلَيْهِ

اور اگر اللہ چاہتا تو یقیناً تمہیں ایک ہی امت یعنی ایک دین والا بنا دیتا اور لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور یقیناً تم سے قیامت کے دن اس کے بارے میں ضرور پوچھے جاؤ گے جو تم کیا کرتے تھے۔ تاکہ تمہیں اس کی جزا دے۔

ایک دین پر کرنے کو چاہت پر موقوف کرنے کا بیان

اگر اللہ چاہتا تو دنیا بھر کا ایک ہی مذہب ومسلک ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا اللہ کی چاہت ہوتی تو اے لوگو تم سب کو وہ ایک ہی گروہ کر دیتا۔ ایک اور آیت میں ہے کہ اگر تیرا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ با ایمان ہی ہوتے۔ یعنی ان میں موافقت یگانگت ہوتی۔ اختلاف وبغض بالکل نہ ہوتا۔ تیرا رب قادر ہے اگر چاہے تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دے لیکن یہ تو متفرق ہی رہیں گے مگر جن پر تیرے رب کا رحم ہو، اسی لئے انہیں پیدا کیا ہے۔ ہدایت وضلالت اسی کے ہاتھ ہے۔ قیامت کے دن وہ حساب لے گا، پوچھ گچھ کرے گا اور چھوٹے بڑے، نیک بد، کل اعمال کا بدلہ دے گا۔ پھر مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ قسموں کو، عہد و پیمان کو، مکاری کا ذریعہ نہ بناؤ ورنہ ثابت قدمی کے بعد پھسل جاؤ گے۔ جیسے کوئی سیدھی راہ سے بھٹک جائے اور تمہارا یہ کام اوروں کے بھی راہ حق سے ہٹ جانے کا سبب بن جائے گا جس کا بدترین دبال تم پر پڑے گا۔

کیونکہ کفار جب دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے عہد کر کے توڑ دیا، وعدے کا خلاف کیا تو انہیں دین پر وثوق واعتماد نہ رہے گا پس وہ اسلام کو قبول کرنے سے رک جائیں گے اور چونکہ ان کے اس رکنے کا باعث چونکہ تم بنو گے اس لئے تمہیں بڑا عذاب ہوگا اور سخت سزا دی جائے گی۔ اللہ کو بیچ میں رکھ کر جو وعدے کرو اس کی قسمیں کھا کر جو عہد و پیمان ہوں انہیں دنیوی لالچ سے توڑ دینا یا بدل دینا تم پر حرام ہے گو ساری دنیا اصل ہو جائے تاہم اس حرمت کے مرتکب نہ بنو۔ کیونکہ دنیا ہیچ ہے، اللہ کے پاس جو ہے، وہی بہتر ہے اس جزا اور اس ثواب کی امید رکھو جو اللہ کی اس بات پر یقین رکھے، اسی کا طالب رہے اور حکم الٰہی کی پابندی کے ماتحت اپنے وعدوں کی نگہبانی کرے، اس کے لئے جو اجر وثواب اللہ کے پاس ہے وہ ساری دنیا سے بہت زیادہ اور بہتر ہے۔ اسے اچھی طرح جان لو، نادانی سے ایسا نہ کرو کہ ثواب آخرت ضائع ہو جائے بلکہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ سنو دنیا کی نعمتیں زائل ہونے والی ہیں اور آخرت کی نعمتیں لازوال اور ابدی ہیں۔ مجھے قسم ہے جن لوگوں نے دنیا میں صبر کیا، میں انہیں قیامت کے دن ان کے بہترین اعمال کا نہایت اعلیٰ صلہ عطا فرماؤں گا اور انہیں بخش دوں گا۔ (تفسیر ابن کثیر سورہ نحل، بیروت)

لوح پر محفوظ پر لکھ دی گئی تقدیر پر ایمان لانے کا بیان

تقدیر پر ایمان لانا فرض اور لازم ہے یعنی وجود ایمان کے لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ بندوں کے تمام اعمال خواہ وہ نیک ہوں یا بد، ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لوح محفوظ میں لکھ دیئے گئے ہیں، بندہ سے جو عمل بھی سرزد ہوتا ہے وہ اللہ کے علم واندازہ کے مطابق ہوتا ہے، لیکن اللہ نے انسان کو عقل ودانش کی دولت سے نواز کر اس کے سامنے نیکی اور بدی دونوں راستے واضح کر دیئے ہیں اور ان پر چلنے کا اختیار دے دیا اور بتا دیا کہ اگر نیکی کے (راستہ کو) اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوگا جس پر جزاء وانعام سے نوازے جاؤ گے اور اگر بدی کے راستہ کو اختیار کرو گے تو یہ اللہ کے غضب اور اس کی ناراضگی کا باعث ہوگا جس کی وجہ سے سزا اور عذاب کے مستحق گردانے جاؤ گے۔ اب اس واضح اور صاف ہدایت کے بعد جو آدمی نیکی وبھلائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ از راہ فضل وکرم اللہ کی رحمت سے نوازا جائے گا اور اس پر اللہ کی جانب سے فلاح وسعادت کے دروازے کھول دیئے

جائیں گے اور اگر کوئی عقل کا اندھا اپنے کسب واختیار سے برائی کے راستہ کو اختیار کرتا ہے تو وہ از راہ عدل سزا کا مستوجب ہوگا اور اسے عذاب وتباہی کے غار دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ تقدیر کا مسئلہ عقل وفکر کی رسائی سے باہر ہے کیونکہ یہ اللہ کا ایسا ایک راز ہے جس کا انسانی عقل میں آنا تو در کنارا سے نہ تو کسی مقرب فرشتہ پر ظاہر کیا گیا ہے اور نہ ہی اس کا بھید کسی پیغمبر اور رسول کو معلوم ہے۔ اس لئے اس مسئلہ میں زیادہ غور وفکر کرنا اور اس میدان میں عقل کے گھوڑے دوڑانا جائز نہیں ہے بلکہ تحقیق وجستجو کے تمام راستوں سے ہٹ کر صرف یہ اعتقاد رکھنا ہی فلاح وسعادت کا ضامن ہے کہ اللہ نے یہ مخلوق پیدا کر کے ان کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک گروہ وہ ہے جو اچھے اعمال اور نیک کام کرنے کی بنا پر اللہ کی جنت اور اس کی نعمتوں کا مستحق ہوگا جو محض اس کا فضل وکرم ہوگا۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے جو برے اعمال کرنے کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائے گا جو عین عدل ہوگا۔

منقول ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے قضاوقدر کے بارہ میں سوال کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ ایک بڑا راستہ ہے اس پر نہ چلو" اس آدمی نے "پھر یہی سوال کیا" "انہوں نے فرمایا" یہ ایک گہرا دریا ہے، اس میں نہ اترو وہ آدمی نہ مانا اور اس نے پھر سوال کیا۔ آخر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اللہ کا ایک راز ہے جو تم سے پوشیدہ ہے اس لئے اس کی تفتیش وتحقیق میں مت پڑو"۔ لہٰذا اخروی سعادت اسی میں ہے کہ اس مسئلہ کے بارہ میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اور جن اعتقادات کو ماننے کے لئے کہا ہے اس پر عمل پیرا ہو جائے، ورنہ اپنی عقل کے تیر چلانا درحقیقت گمراہی کا راستہ اختیار کرنا اور تباہی وبربادی کی راہ پر لگنا ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ
بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○
اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان فریب کا ذریعہ نہ بناؤ، کہ کوئی قدم اپنے جمنے کے بعد پھسل جائے اور تم برائی کا مزہ چکھو،
اس کے بدلے جو تم نے اللہ کی راہ سے روکا اور تمھارے لیے بہت بڑا عذاب ہو۔

دوسروں کے ایفائے عہد میں روکاوٹ بننے والے کا بیان

"وَلَا تَتَّخِذُوْا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ" كَرَّرَهُ تَأْكِيدًا "فَتَزِلَّ قَدَم" أَيْ أَقْدَامكُمْ عَنْ مَحَجَّة الْإِسْلَام "بَعْد ثُبُوتهَا" اسْتِقَامَتهَا عَلَيْهَا "وَتَذُوقُوا السُّوء" أَيْ الْعَذَاب "بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيل اللَّه" أَيْ بِصَدِّكُمْ عَنْ الْوَفَاء بِالْعَهْدِ أَوْ بِصَدِّكُمْ غَيْركُمْ عَنْهُ لِأَنَّهُ يَسْتَنّ بِكُمْ "وَلَكُمْ عَذَاب عَظِيم" فِي الْآخِرَة

اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان فریب کا ذریعہ نہ بناؤ، یہاں پر یہ حکم بہ طور تاکید مکرر ذکر ہوا ہے۔ کہ کوئی قدم اپنے جمنے کے بعد پھسل جائے یعنی اسلام پر تمہارے قدم ثابت ہونے کے بعد پھسل جائیں۔ اور تم برائی یعنی عذاب کا مزہ چکھو، اس کے بدلے جو تم

نے اللہ کی راہ سے روکا یعنی جو تم نے خود یا دوسرے کو عہد پورا کرنے سے روکا۔ کیونکہ وہ تمہاری اتباع کرنے والا ہے۔ اور تمہارے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔

قسموں کے ذریعے دھوکہ دینے کی ممانعت کا بیان

حضرت عیاض ابن حمار کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی لوگوں کی تین قسمیں ہیں (یعنی جو اہل ایمان اس لائق ہیں کہ سابقین اور مقربین کے ساتھ جنت میں داخل ہوں وہ تین طرح کے ہیں) ایک تو وہ حاکم جو عدل وانصاف کرتا ہو اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہو اور جس کو نیکیوں اور بھلائیوں کی توفیق دی گئی ہو دوسرے وہ شخص (جو چھوٹوں اور بڑوں پر) مہربان ہو اور قرابت داروں اور مسلمانون کے لئے رقیق القلب ہو یعنی نرم دل ہو۔ اور تیسرے وہ شخص جو غیر حلال چیزوں سے بچنے والا پرہیز کرنے والا اور اہل وعیال کے بارے میں اللہ پر توکل کرنے والا ہو یعنی اہل وعیال کی محبت اور ان کے رزق کا خوف اس کو اللہ پر توکل کرنے سے باز نہ رکھتا ہو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے اور حرام و ناجائز مال حاصل کرنے پر مجبور نہ کرتا ہو اور نہ وہ اپنے ان اہل وعیال کی وجہ سے علم وعمل میں مشغول ہونے غافل رہتا ہو۔ اور دوزخی لوگوں کی پانچ قسمیں ہیں۔ یعنی جو لوگ اپنے افعال بد کے وبال میں پڑ کر مستوجب عذاب ہوتے ہیں وہ پانچ طرح کے ہیں گویا یہاں ان افعال بد اور بری خصلتوں کی برائی بیان کرنا اور ان کی سختی وشدت کو ظاہر کرنا مقصود ہے جو دوزخ کے عذاب کا باعث ہیں جیسا کہ پہلے ان چیزوں کی تعریف ومدح کی گئی جو جنت میں لے جانے والی ہیں۔ ایک تو کمزور عقل والا کہ اس کی عقل کی کمزوری اس کو ناشائستہ امور سے باز نہ رکھے۔ (یعنی وہ شخص اپنی عقل پر نفسانی خواہشات اور خود غرضی کے جذبات کے غالب آ جانے کی وجہ سے ثبات واستقامت ترک کر دیتا ہے اور گناہوں اور بری باتوں سے باز رہنے پر قادر نہیں رہتا) وہ لوگ کہ جو تمہارے تابع اور تمہارے خادم ہیں ان کو نہ بیوی کی خواہش ہوتی ہے اور نہ مال کی پرواہ (یعنی وہ لوگ جو تمہارے مال داروں اور مقتدروں کے آگے پیچھے نظر آتے ہیں ان کی خدمت واطاعت میں دم بھرتے ہیں ان کے مدنظر نہ تو کسی کی بھلائی دوستی ہوتی ہے اور نہ ان کو واقعتاً خدمت واطاعت سے کوئی غرض ہوتی ہے بلکہ وہ تو محض اپنی نفسانی خواہشات اور خود غرضی کے تابع ہوتے ہیں ان کا اصل مقصد اچھے اچھے کھانوں سے اپنا پیٹ بھرنا ہے اور اچھے درجہ کے لباس اور دوسری چیزیں حاصل کرنا ہوتا ہے نہ تو انہیں بیوی کی پرواہ ہوتی ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی جنسی خواہش جائز طور پر پوری کر سکیں اور نہ انہیں اس مال وزر کی طلب ہوتی ہے جو حلال ذرائع جائز وسائل اور محنت ومشقت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ بدکاریوں حرام خوریوں اور اجنبی عورتوں اور حرام ومشتبہ اسباب میں مگن اور خوش رہتے ہیں اور یہ چیز بھی انسانی عقل کی کم زوری ہے اور ضمیر کی مردنی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ حلال وپاک چیزوں سے اعراض کرنا اور حرام ومشتبہ چیزوں کو مطلب ومقصد قرار دینا نہ تو عقل کا تقاضا ہو سکتا ہے اور نہ ضمیر کے مطابق) دوسرے وہ شخص جو خائن وبددیانت ہو کہ اس کی طمع کسی پوشیدہ چیز کو بھی اس کے ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تا کہ وہ اس میں بدنیتی کر سکے خواہ وہ کتنی ہی کیوں نہ چھوٹی ہو اور کم تر ہو (یعنی اس کی طمع وحرص اس کو کسی حال میں چین سے نہیں بیٹھنے نہیں دیتی یہاں تک کہ وہ چھپی ہوئی چیزوں کو بھی تلاش وجستجو میں لگا رہتا ہے اور جب وہ چیزیں اس کے ہاتھ

لگ جاتی ہیں تو ان میں بھی بد نیتی کرتا ہے اور خواہ وہ چیزیں کتنی ہی بے وقعت اور حقیر ہی کیوں نہ ہوں ، نیز بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ خفا چونکہ ظہور کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لئے لایخفی لہ طمع کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خائن کہ وہ اس چیز میں بھی خیانت کرتا ہے جو اس کے سامنے نہیں ہوتی اور نہ وہ اس قابل ہوتی ہے کہ وہ اس کی طمع وحرص کر سکے)

اور تیسرے وہ شخص جو صبح وشام تمہیں تمہارے اہل عیال میں دھوکہ دینے کے چکر میں رہتا ہے (یعنی جس شخص کو تم اپنے گھر والوں کی حفاظت اور اپنے مال واسباب کی نگرانی سپرد کرتے ہو یا جو شخص از خود تمہارے ساتھ لگا رہتا ہے اور اپنی عفت پاک دامنی کو تم پر ظاہر کر کے یہ تاثر دیتا ہے کہ وہ تمہارے گھر بار اور اہل خانہ کی حفاظت ونگرانی میں مصروف ہے لیکن حقیقت میں وہ ہر لمحہ تمہارے اہل خانہ اور تمہارے مال اسباب پر بری نظر رکھتا ہے (نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل اور جھوٹے اور بد خلق فحش گو کا ذکر کیا ہے ۔ (مسلم ، مشکوۃ شریف : جلد چہارم : حدیث نمبر 891)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
اور اللہ کے عہد کے بدلے کم قیمت نہ لو ، بے شک وہ چیز جو اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے ، اگر تم جانتے ہو ۔

دنیاوی قیمت میں اللہ کے عہد کو نہ توڑنے کا بیان

"وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّه ثَمَنًا قَلِيلًا" مِنْ الدُّنْيَا بِأَنْ تَنْقُضُوهُ لِأَجْلِهِ "إنَّمَا عِنْد اللَّه" مِنْ الثَّوَاب "هُوَ خَيْر لَكُمْ" مِمَّا فِي الدُّنْيَا "إنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" ذَلِكَ فَلَا تَنْقُضُوا

اور اللہ کے عہد کے بدلے دنیا میں کم قیمت نہ لو ، کہ اس کو توڑ دو ، بے شک وہ چیز یعنی ثواب جو اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے لیے دنیا میں بہتر ہے ، اگر تم جانتے ہو ۔ لہٰذا اس کو نہ توڑو ۔

ایفائے عہد کو دین کے ساتھ منسوب کرنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خطبہ کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس آدمی میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں ایفاء عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں ۔

(شعب الایمان ، مشکوۃ شریف : جلد اول : حدیث نمبر 31)

امانت ودیانت اور ایفاء عہد وہ اعلیٰ اوصاف ہیں جن کا ہر مسلمان ومومن میں ہونا ضروری ہے ان اوصاف کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے یا خطبہ دیا کرتے تھے ، تو امانت ودیانت اور ایفائے عہد کے بارہ میں ضرور تاکید فرمایا کرتے تھے اس لئے مومن کی فطرت ہی امانت ودیانت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے ۔ اس کے اندر ان اوصاف کے جو ہر فطری طور پر ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر نیکی وبھلائی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں ۔ اسی طرح ایفاء عہد بھی فطرت سلیم اور ایمان کا خاصہ ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ جس آدمی کے اندر یہ اوصاف ہوں گے وہ دین وایمان

کی حقیقی لذت سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکے گا، تاہم اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کا ایمان بالکل ہی ختم ہو جائے گا بلکہ ان اوصاف کی اہمیت وعظمت کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا اور تاکیداً اس طرح فرمایا گیا تا کہ ان کی اہمیت دلوں میں بیٹھ جائے۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○
جو تمہارے پاس ہے فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے، اور ہم ان لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا ضرور
ان کا اجر عطا فرمائیں گے ان کے اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے رہے تھے۔

اللہ کے پاس ہمیشہ رہنے والے ثواب کا بیان

"مَا عِنْدَكُمْ" مِنَ الدُّنْيَا "يَنْفَدُ" يَفْنَى "وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ" دَائِم "وَلَنَجْزِيَنَّ" بِالْيَاءِ وَالنُّون "الَّذِيْنَ صَبَرُوْا" مِنَ الْوَفَاءِ بِالْعُهُوْدِ "أَجْرهمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" أَحْسَن بِمَعْنَى حَسَن،

جو دنیا میں تمہارے پاس ہے فنا ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے، یہاں پر لیجزین یاء اور نون دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ اور ہم ان لوگوں کو جنہوں نے عہد کو پورا کر کے صبر کیا ضرور ان کا اجر عطا فرمائیں گے ان کے اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے رہے تھے۔ یہاں پر احسن بہ معنی حسن یعنی اچھا ہے۔

صبر کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیوی مفادات کی خاطر اسلام کی اعلیٰ اقدار اور اصولوں کو قربان نہیں کر دیتے بلکہ اصولوں کی خاطر دنیوی مفادات کو قربان کر دیتے ہیں اور دنیا کا مال و دولت جتنا بھی ہو اور دنیوی مفادات جتنے بھی ہوں وہ کم ہی ہیں کیونکہ وہ سب ختم اور فنا ہو جانے والے ہیں۔ مگر اصولوں کی خاطر دنیوی مفادات کو ٹھکرا دینے سے جو آخرت میں اجر ملے گا وہ بہت بہتر، پائیدار اور ابدی ہوگا۔

آخرت کے ثواب کے باقی رہنے کا بیان

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک موقع) رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر نجد کی طرف بھیجا چنانچہ وہ لشکر (فتح و کامیابی کے بعد) بہت زیادہ مال غنیمت لے کر بہت جلد (مدینہ) واپس لوٹ آیا، ہم میں سے ایک آدمی نے جو لشکر کے ساتھ نہیں گیا تھا کہا کہ "ہم نے تو ایسا کوئی لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر کی طرح اتنی جلدی واپس آیا ہو اور اپنے ساتھ اتنا مال غنیمت بھی لایا ہو! (یہ سن کر) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " کیا میں تمہیں ایک ایسی جماعت کے بارے میں نہ بتلاؤں جو مال غنیمت میں اور جلد واپسی میں اس لشکر سے بھی بڑھی ہوئی ہے تو سنو وہ جماعت وہ ہے جو فجر کی نماز (کی جماعت) میں حاضر ہوئی ہو اور پھر سورج نکلنے تک بیٹھی ہوئی اللہ کا ذکر کرتی رہی ہو، یہی وہ لوگ ہیں جو جلد واپس آنے اور مال غنیمت لانے میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 942)

مطلب یہ ہے کہ اس لشکر کے لوگوں کو صرف دنیا کی دولت ملی جو فانی ہے اور اس جماعت کے لوگوں کو تھوڑی سی دیر میں بہت

زیادہ ثواب ملا جو باقی رہنے والا ہے جیسا کہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ آیت (مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ، جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو کچھ اللہ جل شانہ کے پاس ہے وہ باقی ہے۔" لہٰذا اس جماعت کے لوگ نہ صرف یہ کہ مال غنیمت کے اعتبار سے اس لشکر کے لوگوں سے افضل ثابت ہوئے بلکہ جلد واپس لوٹنے میں بھی ان سے بڑھے رہے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○
جو کوئی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے، اور انہیں ضرور
ان کا اجر عطا فرمائیں گے ان اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے تھے۔

نیک اعمال کے سبب پاکیزہ زندگی ملنے کا بیان

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِن فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاة طَيِّبَة " قِيلَ هِيَ حَيَاة الْجَنَّة وَقِيلَ فِي الدُّنْيَا بِالْقَنَاعَةِ أَوْ الرِّزْق الْحَلَال ،وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ،

جو کوئی نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے، کہا گیا ہے کہ وہ جنت کی زندگی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ دنیا میں قناعت یا رزق حلال والی زندگی ہے۔ اور انہیں ضرور ان کا اجر عطا فرمائیں گے ان اچھے اعمال کے عوض جو وہ انجام دیتے تھے۔

مسلمان کی نیکیوں کا آخرت کیلئے رہ جانے کا بیان

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس نے فلاح حاصل کر لی جو مسلمان ہو گیا اور برابر سرابر روزی دیا گیا اور جو ملا اس پر قناعت نصیب ہوئی اور حدیث میں ہے جسے اسلام کی راہ دکھا دی گئی اور جسے پیٹ پالنے کا ٹکڑا میسر ہو گیا اور اللہ نے اس کے دل کو قناعت سے بھر دیا، اس نے نجات پالی۔ (ترمذی)

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ان کی نیکی کا بدلہ دنیا میں عطا فرماتا ہے اور آخرت کی نیکیاں بھی انہیں دیتا ہے، ہاں کافر اپنی نیکیاں دنیا میں ہی کھا لیتا ہے آخرت کے لئے اس کے ہاتھ میں کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔ (صحیح مسلم، قدیمی کتاب خانہ، کراچی)

عہد کی سچائی سے پاکیزہ زندگی مل جانے کا بیان

ایک مشہور واقعہ ہے ایک بار حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا آپ کو اپنے ولی ہونے کا علم کب ہوا؟ تو جواب میں آپ نے فرمایا: جب میں دس برس کا تھا تو اپنے شہر کے مکتب میں پڑھنے جایا کرتا تھا راستے میں مردان غیب میرے پیچھے

پیچھے چلتے دیکھائی دیتے تھے پھر جیسے ہی میں مدرسے میں داخل ہوتا تو مردان غیب کو بار بار کہتے ہوئے سُنتا۔اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو۔اللہ کے ولی کو بیٹھنے کیلئے جگہ دو۔

اٹھارہ سال کی عمر میں والدہ محترمہ نے ایک قافلے کے ساتھ آپ کو مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے بغداد بھیجا۔قافلہ ایک سنسان راستے سے گزرا تو اس علاقے کے ڈاکوؤں نے مسافروں کا تمام ساز وسامان لوٹ لیا۔اور حضرت عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کو کسی غریب آدمی کا بچہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔جب یہ لٹا ہوا قافلہ آگے بڑھا تو ڈاکوؤں کے سردار نے آپ سے از راہ مذاق پوچھا۔بچے تیرے پاس بھی کچھ ہے؟ ہاں۔غوث اعظم نے لٹیروں کی توقع کے خلاف جواب دیا۔آخر سردار کے اشارے پر آپ کی جامہ تلاشی کی گئی۔مگر رہزنوں کو کچھ نہیں ملا۔

''ہمیں بے وقوف بناتا ہے'' ڈاکوؤں کا سردار ایک بچے کی بات کو مذاق سمجھ کر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا تھا۔مجھے نہیں معلوم کہ مذاق کیا ہوتا ہے میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔میرے پاس چالیس اشرفیاں ہیں جو قبا میں دبیز استر میں بغل کے نیچے ٹانگی گئی ہیں۔حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے مطمئن لہجے میں کہا۔

سردار کے کہنے پر دوبارہ تلاشی لی گئی آخر اس کے ساتھی اشرفیاں پانے میں کامیاب ہو گئے تمام رہزنوں کو اس بات پر حیرت تھی کہ اگر لڑکا ان اشرفیوں کی نشاندہی نہ کرتا تو وہ اس کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے۔لڑکے کی صاف گوئی پر سردار کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ تعجب ہوا تھا اس لئے وہ عبدالقادر سے سوال کیے بغیر نہ رہ سکا۔لڑکے تو جھوٹ بول کر اپنی اشرفیوں کو چھپا سکتا تھا پھر تو نے ایسا کیوں نہیں کیا؟

رخصت کرتے وقت میری ماں نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ اگر جان پر بھی بن جائے تو جھوٹ نہ بولنا۔یہی میری والدہ کا حکم تھا اگر تم مجھے قتل بھی کر دیتے تو میں اپنی والدہ کے حکم کو نہیں ٹال سکتا تھا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ نے یہ جواب بڑی جرات وبے باکی سے دیا کہ سارے ڈاکو حیران رہ گئے۔قزاقوں کے سردار پر سکتہ طاری تھا پھر اچانک اس کے ساتھیوں نے اسے روتے ہوئے دیکھا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند لفظوں کی حرارت سے پتھر پگھل جائے گا عجیب انقلابی لمحات تھے جس شخص کیلئے قتل وغارت ایک کھیل تھا اس کی آنکھیں اشک برسا رہی تھیں۔''سردار یہ آپ کو کیا ہو گیا''؟ ساتھی لٹیروں نے پوچھا۔

افسوس! میں ہلاک ہو گیا اس لڑکے کو اپنی ماں سے کیے ہوئے عہد کا اس قدر پاس ہے اور میں اپنے عہد کو دن میں کئی بار توڑ دیتا ہوں جو میں نے خالق کائنات سے کیا ہوا ہے یہ کہہ کر سردار نے لوٹا ہوا سارا مال مسافروں کو واپس کر دیا اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کے ہاتھوں کو بے اختیار چوم لیا۔

تو عظیم ہے کہ مجھ جیسے پستی میں گرے ہوئے انسان سے ملا۔تو میرا رہنما ہے کہ تو نے مجھے سچائی کا راستہ دیکھایا، تو ہی حق کی روشنی ہے اگر آج کی رات تجھ سے ملاقات نہ ہوتی تو میں زندگی بھر گناہوں کے اندھیرے میں بھٹکتا رہتا۔پھر قزاقوں کے سردار پر ناقابل بیان وحشت طاری ہو گئی اور وہ رات سناٹے میں چیختا ہوا کہیں گم ہو گیا۔''اے دنیا میرا پیچھا چھوڑ دے میں تجھ پر لعنت بھیجتا

ہوں، یہ غوث اعظم علیہ الرحمہ کی پہلی کرامت تھی جس نے ایک رہزن کی زندگی کا نقشہ بدل دیا تھا۔ (قلائد الجواہر)

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۝

پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔

قرآن شریف پڑھنے سے پہلے تعوذ پڑھنے کا بیان

"فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآن " أَیْ أَرَدْتَ قِرَاءَ تَہٗ "فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَان الرَّجِیم " أَیْ قُلْ : أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَان الرَّجِیم

پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں یعنی قرآن کو پڑھنے کا ارادہ کریں تو شیطان مردود کی وسوسہ اندازیوں سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ اور پڑھا کریں۔ میں اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کے شر سے بچنے کیلئے پناہ طلب کرتا ہوں۔

شیطان کے شر سے بچنے کیلئے تعوذ پڑھنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! تم میں سے بعض آدمیوں کے پاس شیطان آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور اس چیز کو کس نے پیدا کیا؟ تا آنکہ پھر وہ یوں کہتا ہے کہ تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا؟ جب نوبت یہاں تک آ جائے تو اس کو چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور اس سلسلہ کو ختم کر دے۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 61)

شیطان انسان کے روحانی ارتقاء کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا بنیادی نصب العین ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں کو، جو اللہ کی ذات وصفات پر ایمان ویقین رکھتے ہیں، ورغلانے اور بہکانے میں لگا رہے ہیں، یہی نہیں کہ وہ فریب کاری کے ذریعہ انسان کے نیک عمل اور اچھے کاموں میں رکاوٹ اور تعطل پیدا کرنے کی سعی کرتا رہے بلکہ اس زبردست قدرت کے بل پر کہ جو حق اللہ تعالیٰ نے تکوینی مصلحت کے تحت اس کو دی ہے۔ وسوسہ اندازی کے ذریعہ انسان کی سوچ فکر اور خیالات کی دنیا میں مختلف انداز کے شبہات اور برائی بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جن لوگوں کی سوچ' فکر اور خیالات کے سرچشموں پر ایمان ویقین کی مضبوط گرفت ہوتی ہے وہ اپنے ایمان کی فکری اور شعوری طاقت سے شیطان کے وسوسوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں۔

چنانچہ اس حدیث میں جہاں بعض شیطانی وسوسوں کی نشان دہی کی گئی ہے وہیں اس پہلو کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جوان وسوسوں کو غیر موثر اور ناکارہ بنانے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ پہلے تو شیطان اللہ کی مخلوقات اور موجودات کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتا ہے، مثلاً فکر وخیال میں یہ بات ڈالتا ہے کہ انسان کو وجود کس نے بنایا، یہ زمین وآسمان کی تخلیق کس کا کارنامہ ہے، چونکہ اللہ کی ذات وصفات پر ایمان رکھنے والوں کی عقل سلیم کائنات کی تمام مخلوقات وموجودات کی تخلیقی وتکوینی نوعیت کا بدیہی شعور وادراک رکھتی ہے اس لئے مخلوقات کی حد تک شیطان کی وسوسہ اندازی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی لیکن معاملہ وہاں نازک ہو جاتا ہے

جب یہ سلسلہ نازک ہو کر ذات باری تعالیٰ تک پہنچ جائے اور وسوسہ شیطانی دل و دماغ سے سوال کرے جب یہ زمین و آسمان اور ساری مخلوقات اللہ کی پیدا کردہ ہیں تو پھر خود اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا گیا کہ جوں ہی یہ وسوسہ پیدا ہوا پنے اللہ سے پناہ مانگو اور اپنے ذہن سے اس فاسد خیال کو فوراً جھٹک دو تا کہ وسوسہ شیطانی کا سلسلہ منقطع ہو جائے اللہ کی پناہ چاہنے کا مطلب محض زبان سے چند الفاظ ادا کر لینا نہیں ہے بلکہ یہ کہ ایک طرف تو اپنے فکر و خیال کو یکسو کر کے اس عقیدہ یقین کی گرفت میں دے دو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، وہ واجب الوجود ہے اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اور دوسری طرف ریاضیت و مجاہدہ اور ذات باری تعالیٰ کے ذکر و استغراق کے ذریعہ اپنے نفس کے تزکیہ اور ذہن و فکر کے تحفظ اور سلامتی کی طرف متوجہ رہو۔ وسوسہ کی راہ روکنے کا ایک فوری موثر طریقہ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ مجلس بدل دی جائے۔ یعنی جس جگہ بیٹھے یا لیٹے ہوئے اس طرح کا وسوسہ پیدا ہو وہاں سے فوراً ہٹ جائے اور کسی دوسری جگہ جا کر کسی کام اور مشغلہ میں لگ جائے اس طرح دھیان فوری طور پر ہٹ جائے گا اور وسوسہ کی راہ ماری جائے گی۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ٥
اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ٥
بیشک اسے ان لوگوں پر کچھ غلبہ حاصل نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اس کا غلبہ تو صرف ان لوگوں
پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے شریک بنانے والے ہیں۔

ایمان و توکل والوں پر شیطان کے غلبہ کے نہ ہونے کا بیان

"اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَان "عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ،تَسَلُّط"إِنَّمَا سُلْطَانه عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ" بِطَاعَتِهِ "وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ" أَيْ اللَّه "مُشْرِكُونَ"

بیشک اسے ان لوگوں پر کچھ غلبہ حاصل نہیں ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اس کا غلبہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی رکھتے ہیں اور جو اس کی وجہ سے شریک بنانے والے ہیں۔ یعنی وہ مشرکین ہیں۔

اس آیت میں یہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ایسی قوت نہیں دی کہ وہ کسی بھی انسان کو برائی پر مجبور و بے اختیار کر دے انسان خود اپنے اختیار و قدرت کو غفلت یا کسی غرض نفسانی سے استعمال نہ کرے تو یہ اس کا قصور ہے اسی لئے فرمایا کہ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے احوال و اعمال میں اپنی قوت ارادی کے بجائے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں کہ وہی ہر خیر کی توفیق دینے والا اور ہر شر سے بچانے والا ہے ایسے لوگوں پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا ہاں جو اپنے اغراض نفسانی کے سبب شیطان ہی سے دوستی کرتے ہیں اسی کی باتوں کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے کہ کسی خیر کی طرف نہیں جانے دیتا اور ہر برائی میں وہ آگے آگے ہوتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے جو وہ نازل فرماتا ہے کفار کہتے ہیں کہ آپ تو بس اپنی طرف سے گھڑنے والے ہیں، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اختیار شارع کے مطابق حکمت کے تحت حکم کو منسوخ کرنے کا بیان

"وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَكَانَ آيَةٍ" بِنَسْخِهَا وَإِنْزَال غَيْرهَا لِمَصْلَحَةِ الْعِبَاد "وَاَللّٰه أَعْلَم بِمَا يُنَزِّل قَالُوا" أَيْ الْكُفَّار لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ" كَذَّاب تَقُولهُ مِنْ عِنْدك "بَلْ أَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ" حَقِيقَة الْقُرْآن وَفَائِدَة النَّسْخ،

اور جب ہم کسی آیت کی جگہ دوسری آیت بدل دیتے ہیں یعنی کسی ایک کو منسوخ کردیتے ہیں اور لوگوں کی مصلحت کیلئے دوسری اس کی جگہ پر لے آتے ہیں۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ وہ نازل فرماتا ہے تو کفار نبی کریم ﷺ سے کہتے ہیں کہ آپ تو بس اپنی طرف سے گھڑنے والے ہیں، یعنی یہ کلام تمہاری اپنی جانب سے ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ آیتوں کے اتارنے اور بدلنے کی حکمت نہیں جانتے۔ کہ نسخ کا کیا فائدہ ہے۔

سورہ نحل آیت ۱۰۱ کے شان نزول کا بیان

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ اپنے ساتھیوں سے مذاق کرتے ہیں آج انہیں کسی چیز کا حکم دیتے ہیں اور کل اس سے روک دیتے ہیں یا ایسا حکم دیتے ہیں جو ان پر آسان ہو یہ تو من گھڑت باتیں ہیں جن کو یہ خود سے گھڑتے ہیں اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کے بعد والی آیت نازل فرمائی۔

(زادالمیسر 4۔491)

ناسخ ومنسوخ کا بیان

مشرکوں کی عقلی، بے ثباتی اور بے یقینی کا بیان ہو رہا ہے کہ انہیں ایمان کیسے نصیب ہو؟ یہ تو ازلی بدنصیب ہیں، ناسخ منسوخ سے احکام کی تبدیلی دیکھ کر بکنے لگتے ہیں کہ لو صاحب ان کا بہتان کھل گیا، اتنا نہیں جانتے کہ قادر مطلق اللہ جو چاہے کرے جو ارادہ کرے، حکم دے، ایک حکم کو اٹھا دے دوسرے کو اس کی جگہ رکھ دے۔ جیسے آیت (مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، البقرۃ:106) میں فرمایا ہے۔ پاک روح یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام اسے اللہ کی طرف سے حقانیت وصداقت کے عدل وانصاف کے ساتھ لے کر تیری جانب آتے ہیں تاکہ ایماندار ثابت قدم ہو جائیں، اب اترا، مانا، پھر اترا، پھر مانا، ان کے دل رب کی طرف جھکتے رہیں، تازہ تازہ کلام الٰہی سنتے رہیں، مسلمانوں کے لئے ہدایت وبشارت ہو جائے، اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ماننے والے راہ یافتہ ہو کر خوش ہو جائیں۔

اس کی پوری بحث ہم نے سورہ بقرہ کی تفسیر مصباحین آیت مذکورہ کی تفسیر کے تحت میں ذکر کردی ہے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝
فرما دیجئے: اس کو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ اتارا ہے تاکہ ایمان والوں کو
ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

قرآن مجید کا بہ واسطہ جبرائیل نازل ہونے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ" جِبْرِيلُ "مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ" مُتَعَلِّقٌ بِنَزَّلَ "لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا" بِإِيمَانِهِمْ بِهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ،

فرما دیجئے: اس قرآن کو روح القدس جبرئیل علیہ السلام نے آپ کے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ اتارا ہے، یہاں پر حق یہ نزل کے متعلق ہے۔ تاکہ ایمان والوں کو ایمان پر ثابت قدم رکھے اور یہ مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔

روح القدس سے مراد؟ پاکیزہ روح یا پاکیزگی کی روح اور اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جو ہر طرح کی بشری کمزوریوں سے پاک ہیں۔ وہ نہ خائن ہیں نہ کذاب ہیں اور نہ مفتری۔ نہ وہ اللہ کے نازل کردہ کلام میں سے کچھ حذف کرتے ہیں اور نہ اس میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ نہ ترمیم و تنسیخ کرسکتے ہیں بلکہ اللہ کا کلام جوں کا توں نبی کے دل پہ نازل کرتے ہیں۔

نزول قرآن میں تدریج کے فوائد کا بیان

قرآن اتارنے میں جو حالات کے تقاضوں کے تحت تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس کے دو بڑے فائدے ہیں ایک یہ کہ تکرار احکام سے ایمان میں بتدریج پختگی واقع ہوتی رہتی ہے اور ان میں ثبات و استقلال پیدا ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ جو کفار مکہ آئے دن مسلمانوں پر ناجائز مظالم اور سختیاں کرتے رہتے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کو بھی بار بار تسلی دینے، مصائب میں ثابت قدم رہنے۔ اس دنیا میں بھی سیدھی راہ پر گامزن رکھنے پر اور مصائب کی برداشت پر اور جنت کی خوشخبری دینے کی ضرورت پیش آتی رہی۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ
اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۝
اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ محض کوئی آدمی ہی سکھاتا ہے، جس شخص کی طرف وہ بات کو حق سے ہٹاتے
ہوئے منسوب کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ قرآن واضح و روشن عربی زبان ہے۔

قرآن مجید پر عجمی انسان سے سیکھنے کے اعتراض کا بیان

"وَلَقَدْ" لِلتَّحْقِيقِ "نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ" الْقُرْآنَ "بَشَرٌ" وَهُوَ قَيْنٌ نَصْرَانِيٌّ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى

اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ عَلَیْہِ "لِسَان" لُغَۃ "اَلَّذِی یُلْحِدُوْنَ" یَمِیلُوْنَ "اِلَیْہِ" اَنَّہُ یُعَلِّمُہُ "اَعْجَمِیّ وَھٰذَا" الْقُرْآن "لِسَان عَرَبِیّ مُبِین" ذُو بَیَان وَفَصَاحَۃ فَکَیْفَ یُعَلِّمُہُ اَعْجَمِیّ

یہاں پر لقد تحقیق کیلئے آیا ہے۔ اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ انہیں یہ قرآن محض کوئی آدمی ہی سکھاتا ہے، وہ ایک نصرانی لوہار تھا جس کے پاس نبی کریم ﷺ جایا کرتے تھے۔ جس شخص کی طرف وہ بات کو حق سے ہٹاتے ہوئے منسوب کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے وہ کیسے سکھا سکتا ہے۔ اور یہ قرآن واضح و روشن عربی زبان ہے۔ یعنی بیان و فصاحت والا ہے لہٰذا اس کو عجمی کیسے سکھا سکتا ہے۔

سورہ نحل آیت ۱۰۳ کے شان نزول کا بیان

عبیداللہ بن مسلم سے روایت ہے کہ ہمارے دو نصرانی غلام تھے جو عین تمر (عراق میں ایک بستی) کے رہنے والے تھے ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام خیر تھا وہ اپنی زبان کی کتابیں پڑھتے رہتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے گزرتے اور جو کچھ وہ پڑھتے اسے سنتے تو مشرکین یہ کہا کرتے تھے کہ یہ (حضرت محمد ﷺ) ان دونوں سے سیکھتے ہیں ان کی تکذیب کے طور پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ترجمہ۔ مگر جس کی طرف تعلیم کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔

(طبری 14۔120)

قرآن مجید کی عربی میں فصاحت و بلاغت کا بیان

قرآن کریم کی حلاوت اور اس کے علوم کی نورانیت جب قلوب کی تسخیر کرنے لگی اور کفار نے دیکھا کہ دنیا اس کی گرویدہ ہوتی چلی جاتی ہے اور کوئی تدبیر اسلام کی مخالفت میں کامیاب نہیں ہوتی تو انہوں نے طرح طرح کے افتراء اٹھانے شروع کیے، کبھی اس کو سحر بتایا، کبھی پہلوں کے قصے اور کہانیاں کہا، کبھی یہ کہا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خود بنالیا ہے اور ہر طرح کوشش کی کہ کسی طرح لوگ اس کتاب مقدس کی طرف سے بدگمان ہوں، انہیں مکاریوں میں سے ایک مکر یہ بھی تھا کہ انہوں نے ایک عجمی غلام کی نسبت یہ کہا کہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھاتا ہے۔ اس کے رد میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور ارشاد فرمایا گیا کہ ایسی باطل باتیں دنیا میں کون قبول کرسکتا ہے جس غلام کی طرف کفار نسبت کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے، ایسا کلام بنانا اس کے تو کیا امکان میں ہوتا تمہارے فُصَحاء و بُلَغاء جن کی زبان دانی پر اہل عرب کو فخر و ناز ہے وہ سب کے سب حیران ہیں اور چند جملے قرآن کی مثل بنانا انہیں محال اور ان کی قدرت سے باہر ہے تو ایک عجمی کی طرف ایسی نسبت کس قدر باطل اور بیشرمی کا فعل ہے۔ خدا کی شان جس غلام کی طرف کفار یہ نسبت کرتے تھے اس کو بھی اس کلام کے اعجاز نے تسخیر کیا اور وہ بھی سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ بگوشِ طاعت ہوا اور صدق و اخلاص کے ساتھ اسلام لایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ٥
بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور انھی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

اللہ کی آیات پر ایمان نہ لانے والوں کیلئے عذاب کا بیان

"اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰه لَا يَهْدِيهِمُ اللّٰه وَلَهُمْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم

بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا اور انھی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

جو اللہ کے ذکر سے منہ موڑے، اللہ کی کتاب سے غفلت کرے، اللہ کی باتوں پر ایمان لانے کا قصد ہی نہ رکھے ایسے لوگوں کو اللہ بھی دور ڈال دیتا ہے انہیں دین حق کی توفیق ہی نہیں ہوتی آخرت میں سخت دردناک عذابوں میں پھنستے ہیں۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ٥
جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ اصل جھوٹے ہیں۔

قرآن مجید کا کلام بشر نہ ہونے کا بیان

"إِنَّمَا يَفْتَرِی الْكَذِب الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللّٰه" الْقُرْآن بِقَوْلِهِمْ هَذَا مِنْ قَوْل الْبَشَر "وَأُولَئِكَ هُمْ الْكَاذِبُونَ" وَالتَّأْكِيد بِالتَّكْرَارِ وَإِنَّ وَغَيْرهمَا رَدّ لِقَوْلِهِمْ "إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتَرٍ"

جھوٹ تو وہی لوگ باندھتے ہیں جو اللہ کی آیات یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ ان کے قول کے مطابق یہ ایک بشر کا کلام ہے۔ اور وہی لوگ اصل جھوٹے ہیں۔ یہ تکرار تاکیدی ہے۔ اور اس کے سوا اس میں ان کے قول یہ افتراء ہے اس کا رد کیا گیا ہے۔

بہتان کی ممانعت کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی اس جماعت کو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر گرد بیٹھی ہوئی تھی (مخاطب کر کے) فرمایا۔ مجھ سے ان باتوں پر بیعت (عہد و اقرار) کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے (افلاس، بھوک یا غربت کے ڈر سے) اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گے، جان بوجھ کر کسی پر بہتان تراشی نہ کرو گے اور شریعت کے مطابق تمہیں جو احکام دوں گا اس کی نافرمانی نہیں کرو گے۔

پس تم میں سے جو آدمی اس عہد و اقرار کو پورا کرے گا اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے (کہ آخرت میں اپنے انعامات سے نوازے گا) اور جو آدمی (سوائے شرک کے) ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر دنیا میں اس کو اس گناہ کی سزا بھی مل جائے (جیسے حد وغیرہ جاری ہو) تو یہ سزا اس کے (گناہ) کے لئے کفارہ ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ کی ستر پوشی فرمائی (اور دنیا میں اسے سزا نہ ملی) تو اب یہ اللہ کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ چاہے تو وہ (از راہ کرم) آخرت

میں بھی درگزر فرمائے اور چاہے اسے عذاب دے (راوی فرماتے ہیں کہ ہم نے ان سب شرطوں پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 17)

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے، سوائے اس کے جسے انتہائی مجبور کر دیا گیا مگر اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے، لیکن وہ شخص جس نے شرح صدر کے ساتھ کفر کیا سو ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔

جس کو کفریہ کلمات پر مجبور کیا جائے

"مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْد إِيمَانه إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ" عَلَى التَّلَفُّظ بِالْكُفْرِ فَتَلَفَّظَ بِهِ "وَقَلْبه مُطْمَئِنّ بِالْإِيمَانِ" وَمَنْ مُبْتَدَأ أَوْ شَرْطِيَّة وَالْخَبَر أَوْ الْجَوَاب لَهُمْ وَعِيد شَدِيد دَلَّ عَلَى هَذَا "وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا" لَهُ أَيْ فَتَحَهُ وَوَسَّعَهُ بِمَعْنَى طَابَتْ بِهِ نَفْسه، فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ،

جو شخص اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے، یعنی کفر یہ کلمہ کہلوایا گیا اور اس نے کلمہ کفریہ کہا سوائے اس کے جسے انتہائی مجبور کر دیا گیا مگر اس کا دل بدستور ایمان سے مطمئن ہے، یہاں پر من مبتداء ہے یا شرطیہ ہے اور خبر ان کیلئے جواب ہے۔ جس میں سخت وعید ہے۔ جس اس پر آیت کی دلالت ہے۔ لیکن ہاں وہ شخص جس نے شرح صدر کے ساتھ کفر اختیار کیا یعنی جس کا دل کفر سے خوش ہوا لہٰذا ان پر اللہ کی طرف سے غضب ہے اور ان کے لئے زبردست عذاب ہے۔

سورہ نحل، آیت ۱۰۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت عمار بن یاسر کے بارے میں نازل ہوئی مشرکین نے انہیں ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ، بلا، خباب، اور سالم رضی اللہ عنہم اجمعین کو پکڑ لیا حضرت سمیہ کو انہوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ایک برچھا آپ کی شرمگاہ پر مارا اور آپ سے ان میں ایک نے کہا کہ تو آدمیوں کی وجہ سے اسلام لائی ہے پھر انہیں اور ان کے شوہر حضرت یاسر کو شہید کر دیا گیا یہ دونوں اسلام میں سب سے پہلے شہداء ہیں حضرت عمار نے مجبور ہو کر ان کے سامنے اپنی زبان سے ان کی مرضی کے مطابق کہہ دیا نبی کو خبر دی گئی کہ عمار کافر ہو گیا تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں عمار اپنے سر سے پاؤں تک ایمان سے بھرا ہوا ہے اور ایمان اس کے خون اور گوشت میں رچ بس چکا ہے حضرت عمار رسول اللہ کے پاس روتے ہوئے آئے رسول اللہ ان کی آنکھیں پوچھنے لگے اور آپ نے فرمایا ان سے اگر وہ پھر اس طرح کریں تو تم پھر ان کے سامنے یہی بات جو تم نے کہی تھی دوہرا دینا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (طبری 14۔122، مستدرک 2۔(357)

مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل مکہ کے کچھ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لے آئے تو مدینہ کے مسلمانوں نے انہیں

خط لکھا کہ تم ہماری طرف ہجرت کر آؤ کیونکہ ہم اس وقت تک تمہیں اپنے میں سے خیال نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہماری طرف ہجرت نہ کرلو چنانچہ وہ مدینہ کے ارادے سے نکلے تو قریش نے رستے میں انہیں پکڑ لیا اور انہیں مجبور کر کے فتنے میں مبتلا کر دیا تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

اضطراری حالت میں استثناء کا بیان

اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان کے بعد کفر کریں دیکھ کر اندھے ہو جائیں پھر کفر پر ان کا سینہ کھل جائے، اس پر اطمینان کرلیں۔ یہ اللہ کی غضب میں گرفتار ہوتے ہیں کہ ایمان کا علم حاصل کر کے پھر اس سے پھر گئے اور انہیں آخرت میں بڑا سخت عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے آخرت بگاڑ کر دنیا کی محبت کی اور صرف دنیا طلبی کی وجہ سے اسلام پر مرتد ہونے کو ترجیح دی چونکہ ان کے دل ہدایت حق سے خالی تھے، اللہ کی طرف سے ثابت قدمی انہیں نہ ملی۔ دلوں پر مہریں لگ گئیں، نفع کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کان اور آنکھیں بھی بیکار ہو گئیں نہ حق سن سکیں نہ دیکھ سکیں۔ پس کسی چیز نے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور اپنے انجام سے غافل ہو گئے۔ یقیناً ایسے لوگ قیامت کے دن اپنا اور اپنے ہم خیال لوگوں کا نقصان کرنے والے ہیں۔

پہلی آیت کے درمیان جن لوگوں کا استثناء کیا ہے یعنی وہ جن پر جبر کیا جائے اور ان کے دل ایمان پر جمے ہوئے ہوں، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بہ سبب مار پیٹ اور ایذاؤں کے مجبور ہو کر زبان سے مشرکوں کی موافقت کریں لیکن ان کا دل وہ نہ کہتا ہو بلکہ دل میں اللہ پر اور اس کے رسول پر کامل اطمینان کے ساتھ پورا ایمان ہو۔

حضرت عمار بن یاسر کیلئے نبی کریم ﷺ کی دعا کا بیان

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اسم گرامی عمار بن یاسر اور کنیت ابوالیقظان ہے یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی تھی، ان کی والدہ سمیہ تھیں اور وہ پہلی خاتون تھیں جو اللہ عزوجل کی راہ میں شہید کی گئیں، یہ اور ان کی والدہ اور ان کے والد سب کے سب پہلے ایمان لانے والوں میں ہیں حضرت عمار کا شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ہوتا ہے جو اسلام لانے کی وجہ سے ظلم وستم کی ہر بھٹی میں ڈالے گئے مگر جب وہاں سے نکلے تو کندن ہو کر نکلے۔ حضرت عمار اس وقت اسلام لائے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارقم کے گھر میں پوشیدہ تھے۔ یہ اور حضرت صہیب بن سنان دونوں ساتھ ہی اسلام لائے تھے۔ حضرت عمار بن یاسر اللہ کی راہ میں بہت زیادہ ستائے گئے، یہاں تک کہ جب مشرکین مکہ انہیں مارتے مارتے تھک گئے اور یہ اپنے ایمان سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹتے تو انہیں آگ میں جلایا کرتے تھے اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کی طرف ہوا کرتا تو آپ انہیں آگ میں جلتا ہوا دیکھ کر اپنا دست مبارک ان کے اوپر پھیر کر فرمایا کرتے تھے کہ اے آگ! تو عمار پر ایسی ہی ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ہوئی تھی۔ جب آپ زخمی ہوئے تو انہوں نے یہ وصیت کی کہ مجھے انہی کپڑوں کے ساتھ دفن کرنا کیونکہ میں انہی کپڑوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے جاؤں گا، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو ان ہی کپڑوں میں دفن کیا۔ ربیع الاول ۳۷ھ میں ۹۴ برس کی عمر میں جنگ صفین کے دوران آپ نے شہادت

پائی۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ صحابہ)

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری ہے جب کہ آپ کو مشرکین نے عذاب کرنا شروع کیا جب تک کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر نہ کریں۔ پس با دل ناخواستہ مجبوراً اور کرہاً آپ نے ان کی موافقت کی، پھر اللہ کے نبی کے پاس آ کر عذر بیان کرنے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ شعبی، قتادہ اور ابو مالک بھی یہی کہتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ مشرکوں نے آپ کو پکڑا اور عذاب دینے شروع کئے، یہاں تک کہ آپ ان کے ارادوں کے قریب ہو گئے۔ پھر حضور علیہ السلام کے پاس آ کر اس کی شکایت کرنے لگے تو آپ نے پوچھا تم اپنے دل کا حال کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے، جما ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ پھر لوٹیں تو تم بھی لوٹنا۔ بیہقی میں اسے بھی زیادہ تفصیل سے ہے اس میں ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے کیا پھر آپ کے پاس آ کر اپنا یہ دکھ بیان کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے اذیت دینا ختم نہیں کیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہہ لیا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے نہ کیا۔ آپ نے فرمایا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ ایمان پر مطمئن۔ فرمایا اگر وہ پھر کریں تو تم بھی پھر کر لینا۔ اسی پر یہ آیت اتری۔

پس علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جس پر جبر و کراہ کیا جائے، اسے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے ان کی موافقت کر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی ان کی نہ مانے جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھایا کہ مشرکوں کی ایک نہ مانی حالانکہ وہ انہیں بدترین تکلیفیں دیتے تھے یہاں تک کہ سخت گرمیوں میں پوری تیز دھوپ میں آپ کو لٹا کر آپ کے سینے پر بھاری وزنی پتھر رکھ دیا کہ اب بھی شرک کرو تو نجات پاؤ لیکن آپ نے پھر بھی ان کی نہ مانی صاف انکار کر دیا اور اللہ کی توحید احد احد کے لفظ پتھر رکھ دیا کہ اب بھی رشک کرو تو نجات پاؤ لیکن آپ نے پھر بھی ان کی نہ مانی صاف انکار کر دیا اور اللہ کی توحید احد احد کے لفظ سے بیان فرماتے رہے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ "واللہ اگر اس سے بھی زیادہ تمہیں چبھنے والا کوئی لفظ میرے علم میں ہوتا تو میں وہی کہتا اللہ ان سے راضی رہے اور انہیں بھی ہمیشہ راضی رکھے۔" اسی طرح حضرت خبیب بن زیاد انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب ان سے مسیلمہ کذاب نے کہا کہ کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا میرے رسول اللہ ہونے کی بھی گواہی دیتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں نہیں سنتا۔ اس پر اس جھوٹے مدعی نبوت نے ان کے جسم کے ایک عضو کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا پھر یہی سوال جواب ہوا۔ دوسرا عضو جسم کٹ گیا یونہی ہوتا رہا لیکن آپ آخر دم تک اسی پر قائم رہے، اللہ آپ سے خوش ہو اور آپ کو بھی خوش رکھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جو چند لوگ مرتد ہو گئے تھے، انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلوا دیا۔

جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا میں تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ کے عذاب سے تم عذاب نہ کرو۔ ہاں بیشک میں انہیں قتل کرا دیتا۔ اس لئے کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا ابن عباس کی ماں پر افسوس۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وارد کیا ہے۔

مسند میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ جواب ملا کہ یہ ایک یہودی تھا، پھر مسلمان ہو گیا اب پھر یہودی ہو گیا ہے۔ ہم تقریباً دو ماہ سے اسے اسلام پر لانے کی کوشش میں ہیں، تو آپ نے فرمایا واللہ میں بیٹھوں گا بھی نہیں جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو۔ یہی فیصلہ ہے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو اپنے دین سے لوٹ جائے اسے قتل کر دو یا فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی ہے لیکن الفاظ اور ہیں۔ پس افضل واولیٰ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین پر قائم اور ثابت قدم رہے گو اسے قتل بھی کر دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نحل، بیروت)

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن حذافہ سہمی صحابی رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ آپ کو رومی کفار نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دیا، اس نے آپ سے کہا کہ تم نصرانی بن جاؤ میں تمہیں اپنے راج پاٹ میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی شہزادی تمہاری نکاح میں دیتا ہوں۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو کیا اگر تو اپنی تمام بادشاہت مجھے دے دے اور تمام عرب کا راج بھی مجھے سونپ دے اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دین محمد سے پھر جاؤں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ تجھے اختیار ہے چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا اور تیر اندازوں نے قریب سے بحکم بادشاہ ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم چھیدنا شروع کیا بار بار کہا جاتا تھا کہ اب بھی نصرانیت قبول کر لو اور آپ پورے استقلال اور صبر سے فرماتے جاتے تھے کہ ہرگز نہیں آخر بادشاہ نے کہا اسے سولی سے اتار لو، پھر حکم دیا کہ پیتل کی دیگ یا پیتل کی کی بنی ہوئی گائے خوب تپا کر آگ بنا کر لائی جائے۔ چنانچہ وہ پیش ہوئی بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کی بابت حکم دیا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے اس مسلمان قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا وہ مسکین اسی وقت چرمر ہو کر رہ گئے۔ گوشت پوست جل گیا ہڈیاں چمکنے لگیں، رضی اللہ عنہ۔ پھر بادشاہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دیکھو اب بھی ہماری مان لو اور ہمارا مذہب قبول کر لو، ورنہ اسی آگ کی دیگ میں اسی طرح تمہیں بھی ڈال کر جلا دیا جائے گا۔ آپ نے پھر بھی اپنے ایمانی جوش سے کام لیکر فرمایا کہ ناممکن کہ میں اللہ کے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں چرخی پر چڑھا کر اس میں ڈال دو، جب یہ اس آگ کی دیگ میں ڈالے جانے کے لئے چرخی پر اٹھائے گئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں، اسی وقت اس نے حکم دیا کہ رک جاؤ انہیں اپنے پاس بلا لیا، اس لئے کہ اسے امید بندھ گئی تھی کہ شاید اس عذاب کو دیکھ کر اب اس کے خیالات پلٹ گئے ہیں

میری مان لے گا اور میرا مذہب قبول کر کے میرا داماد بن کر میری سلطنت کا ساجھی بن جائے گا لیکن بادشاہ کی یہ تمنا اور یہ خیال محض بے سود نکلا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں صرف اس وجہ سے رویا تھا کہ آج ایک ہی جان ہے جسے راہ حق میں اس عذاب کے ساتھ میں قربان کر رہا ہوں، کاش کہ میرے روئیں روئیں میں ایک ایک جان ہوتی کہ آج میں سب جانیں راہ اللہ اسی طرح ایک ایک کر کے فدا کرتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو قید خانہ میں رکھا کھانا پینا بند کر دیا، کئی دن کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اس بھوک پر بھی اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا اور اسے نہ کھانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اس حالت میں یہ میرے لئے حلال تو ہو گیا ہے لیکن میں تجھ جیسے دشمن کو اپنے بارے میں خوش ہونے کا موقعہ دینا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا اچھا تو میرے سر کا بوسہ لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھ کے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیتا ہوں آپ نے اسے قبول فرمالیا اس کے سر کا بوسہ لے لیا اور بادشاہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دیا جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ یہاں سے آزاد ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا ہر مسلمان پر حق ہے کہ عبداللہ بن حذافہ (رضی اللہ عنہ) کا ماتھا چومے اور میں ابتدا کرتا ہوں یہ فرما کر پہلے آپ نے ان کے سر پر بوسہ دیا۔ (تاریخ ابن عساکر)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝
یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر عزیز رکھا اور اس لئے کہ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کیلئے وعید کا بیان

"ذٰلِكَ" الْوَعِيد لَهُمْ "بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاة الدُّنْيَا" اخْتَارُوهَا، عَلَى الْآخِرَة وَأَنَّ اللّٰه لَا يَهْدِي الْقَوْم الْكَافِرِينَ،

یہ وعید اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو آخرت پر عزیز رکھا اور اس لئے کہ اللہ کافروں کی قوم کو ہدایت نہیں فرماتا۔

دنیا کی مردار سے تشبیہ کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بازار سے گزرتے ہوئے کسی بلندی سے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے دونوں طرف تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ کا ایک بچہ جو چھوٹے کانوں والا تھا اسے مرا ہوا دیکھا آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہم میں سے کوئی بھی اسے کسی چیز کے بدلے میں لینا پسند نہیں کرتا اور ہم اسے لے کر کیا کریں

گے؟ آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ یہ تمہیں مل جائے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر یہ زندہ بھی ہوتا تو پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کا کان چھوٹا ہے حالانکہ اب تو یہ مردار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ کے ہاں یہ دنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل ہے جس طرح تمہارے نزدیک یہ مردار ذلیل ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2917)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○
یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مُہر لگا دی ہے اور یہی لوگ ہی غافل ہیں۔

کفار کے دلوں پر مہر ہونے کا بیان

"أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّه عَلَى قُلُوبهمْ وَسَمْعهمْ وَأَبْصَارهمْ وَأُولَئِكَ هُمْ الْغَافِلُونَ" عَمَّا يُرَاد بِهِمْ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مُہر لگا دی ہے اور یہی لوگ ہی غافل ہیں۔ یعنی جس چیز کا ان کے ساتھ ارادہ کیا گیا ہے۔

دلوں پر مہر کے معانی کا بیان

ختم" کا معنی گیلی مٹی یا اسی طرح کی کسی چیز سے دروازے کو بند کر دینا ہے اور اصطلاح میں کسی چیز کو لاک لگا کر بند کرنا ہے قلب کا بند ہونا درک نہ کرنے اور نہ سمجھنے کا کنایہ ہے "علی سمعهم" ممکن ہے "علی قلوبهم" پر عطف ہو یا پھر "غشاوة" کی خبر بھی ہو سکتی ہے۔ مذکورہ بالا مطلب میں پہلے احتمال کی طرف اشارہ ہے۔

قرآن کریم کے منکروں کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں جن کے باعث وہ دین کے حقائق سننے اور دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

کفار کے دلوں پر مہر لگانے میں تفسیری اقوال کا بیان

حضرت سدی فرماتے ہیں ختم سے مراد طبع ہے یعنی مہر لگا دی حضرت قتادہ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر لگا دی حضرت قتادہ فرماتے ہیں یعنی ان پر شیطان غالب آ گیا وہ اسی کی ماتحتی میں لگ گئے یہاں تک کہ مہر الٰہی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر لگ گئی اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ ہدایت کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔ حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی فرماتے ہیں کہ گناہ لوگوں کے دلوں میں بستے جاتے ہیں اور انہیں ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ بس یہی طبع اور ختم یعنی مہر ہے۔ دل اور کان کے لئے محاورہ میں مہر آتی ہے۔

حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن میں ران کا لفظ ہے طبع کا لفظ ہے اور اقفال کا لفظ ہے۔ ران طبع سے کم ہے اور طبع اقفال سے کم ہے، اقفال سب سے زیادہ ہے۔ حضرت مجاہد بن جبر مخزومی تابعی نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہ کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ ایک گناہ کیا تو گویا چھنگلیا بند ہو گئی پھر

دوسرا گناہ کیا دوسری انگلی بند ہوگئی یہاں تک کہ تمام انگلیاں بند ہوگئیں اور اب مٹھی بالکل بند ہوگئی جس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح گناہوں سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں مہر لگ جاتا ہیں مہر لگ جاتی ہے پھر اس پر کسی طرح حق اثر نہیں کرتا۔ اسے زین بھی کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ تکبر کی وجہ ان کا حق سے منہ پھیر لینا بیان کیا جا رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس بات کے سننے سے بہرا بن گیا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ تکبر اور بے پرواہی کر کے اس نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔

امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں یہ مطلب ٹھیک نہیں اس لئے کہ یہاں تو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ٥
یہ حقیقت ہے کہ بیشک یہی لوگ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

آخرت میں نقصان اٹھانے والے لوگوں کا بیان

"لَا جَرَم" حَقًّا "اَنَّهُمْ فِي الْآخِرَة هُمُ الْخَاسِرُوْنَ" لِمَصِيرِهِمْ إِلَى النَّار الْمُؤَبَّدَة عَلَيْهِمْ

یہ حقیقت ہے کہ بیشک یہی لوگ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ یعنی وہ جہنم کی طرف جانے والے ہیں۔ جس وہ ہمیشہ رہیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لا جرم ۔ یقیناً۔ حقا۔ اصل میں اس کا معنی لامحالہ تھا۔ پھر توسیع استعمال کے بعد قسم یا حق (فعل ماضی) کے معنوں میں مستعمل ہونے لگا۔ ہم۔ ضمیر جمع مذکر غائب کو دوبارہ تاکید کے لئے لایا گیا ہے اور گھاٹے اور ٹوٹے کو خصوصی طور پر ان اشخاص کے لئے مخصوص کرنے کے لئے بیان آیا ہے۔ یقینی طور پر بالکل یہی لوگ آخرت میں گھاٹا پانے والے ہوں گے۔

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا اور کلمات حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سراسر خسارے میں ہوں گے۔ کیونکہ انسان کی مثال اس دنیا میں دراصل اس تاجر کی سی ہے جو نفع کمانے کے لئے شہر اور بازار کا رخ کرتا ہے اور اپنا مال کاروبار میں لگاتا ہے۔ اگر صحیح تجارت کا موقع مل گیا اور صحیح طریقے سے کام کیا تو نفع کما لائے گا اور ایک کے بدلے میں کئی گنا حاصل کرے گا۔ ورنہ وہ خسارے سے دوچار ہوگا اور اپنا اصل سرمایہ بھی گنوا بیٹھے گا۔ سو انسان اس دنیا میں متاع عمر کی پونجی لے کر آتا ہے اور اس کو تجارت میں لگاتا ہے۔ اگر اس کو اپنے خالق و مالک کی اطاعت و بندگی میں صرف کرنے کی توفیق و سعادت سے بہرہ ور ہو گیا تو آخرت کی اصل اور حقیقی کامیابی سے سرفراز ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایسا ہی بننے کی توفیق و سعادت نصیب فرمائے آمین۔ اور اگر اس کے برعکس وہ دنیوی لذت و مفادات ہی کو مقصد حیات بنا بیٹھا اور اپنی آخرت اور انجام سے غافل ہوگیا۔ والعیاذ باللہ۔ یہاں تک کہ عمر رواں کی فرصت محدود اس کے ہاتھ سے نکل گئی تو وہ ہمیشہ کے خسارے میں مبتلا ہوگیا۔ اور یہ ایسا ہولناک اور سنگین

خسارہ ہے کہ اس سے نکلنے کی اور اس کی تلافی وتدارک کی پھر کوئی صورت ان کیلئے ممکن نہیں ہوگی۔ والعیاذ باللہ العظیم ۔سو جو لوگ آخرت کی زندگی اور اس کے تقاضوں سے منہ موڑ کر صرف دنیائے دوں کے وقتی فائدوں اور اس کی عارضی لذتوں کو ہی اپنا مقصود بنالیتے ہیں اور وہ انہی کیلئے جیتے اور انہی کیلئے مرتے ہیں وہی ہیں جو آخرت کے اس ہولناک خسارے میں واقع ہوں گے جس جیسا دوسرا کوئی خسارہ نہیں ہوسکتا۔اور جس کے تدارک کی پھر کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی۔خسارے میں تو ایسے لوگ آج بھی پڑے ہیں لیکن آج اس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔اس لیے لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ تو بڑے کامیاب اور ایسے عیش کررہے ہیں۔لیکن کل اس جہان میں جب سب پردے ہٹ جائیں گے اور حقائق اپنی اصلی شکل میں سامنے آجائیں گے۔تب ایسوں کا وہ ہولناک خسارہ ان کے سامنے آشکارا ہوجائے گا۔مگر اس وقت اس سے بچنے کی پھر کوئی صورت انکے لئے ممکن نہ ہوگی۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ
رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۠
پھر آپ کا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے آزمائشوں میں مبتلا کئے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کئے اور صبر کئے
تو آپ کا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

آزمائشوں کے بعد ہجرت کرنے کا بیان

"ثُمَّ إِنَّ رَبّك لِلَّذِينَ هَاجَرُوا" إِلَى الْمَدِينَة "مِنْ بَعْد مَا فُتِنُوا" عُذِّبُوا وَتَلَفَّظُوا بِالْكُفْرِ وَفِي قِرَاءَة بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَيْ كَفَرُوا أَوْ فَتَنُوا النَّاس عَنْ الْإِيمَان "ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا" عَلَى الطَّاعَة "إِنَّ رَبّك مِنْ بَعْدهَا" أَيْ الْفِتْنَة "لَغَفُور" لَهُمْ "رَحِيم" بِهِمْ وَخَبَر إِنَّ الْأُولَى دَلَّ عَلَيْهِ خَبَر الثَّانِيَة،

پھر آپ کا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے آزمائشوں یعنی سختیوں اور کفر پر مجبور کیے جانے کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی،ایک قرأت میں معروف ہے۔یعنی مشرکین کے کفر کرنے اور لوگوں کو ایمان لانے کے بعد پھر جہاد کئے اور طاعت پر صبر کیا تو آپ کا رب اس کے بعد بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔یہاں پر پہلے اِن کی خبر محذوف ہے جس پر اِن ثانی کی خبر دلالت کرنے والی ہے۔

سورہ نحل آیت ۱۱۰ کے شان نزول کا بیان

قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ جب اللہ نے اس آیت سے پہلے یہ بات نازل فرمائی کہ اہل مکہ سے اس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا جائے گا جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں تو اہل مدینہ نے مکہ میں موجود اپنے ساتھیوں کو یہ بات لکھ بھیجی یہ خط ان کے پاس پہنچا تو وہ (مدینہ کی طرف) نکلے لیکن (رستے میں) انہیں مشرکین مل گئے اور انہیں واپس لوٹا دیا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت

نازل فرمائی۔(الم ۔ احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون)(سورہ عنکبوت)

الم۔کیا یہ لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔تو اہل مدینہ نے انہیں یہ آیات لکھ کر بھیجیں۔انہوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ہم (مکہ سے) نکلیں گے اگر اہل مکہ میں سے مشرکین سے ہمارا سامنا ہو گیا تو ہم ان سے قتال کریں گے تاوقتیکہ ہم ان سے نجات پا کر مدینہ کی طرف نکل آئیں یا اللہ سے مل جائیں چنانچہ رستے میں مشرکین نے انہیں آلیا تو انہوں نے ان سے قتال کیا ان میں سے بعض شہید ہو گئے اور بعض نے نجات پالی ان کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔

(نیسا بوری 238، زاد المسیر 4۔497)

سورہ نحل آیت ۱۱۰ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قرآن کریم کی سورت نحل میں جو آیت کریمہ ہے (مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ اِلٰی قَوْلِهٖ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ) یعنی جس کسی نے ایمان قبول کرنے کے بعد کفر اختیار کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غصہ ہے اور اس کے واسطے بڑا عذاب ہے یہ آیت کریمہ منسوخ ہو گئی اور اس آیت کریمہ کے حکم سے کچھ لوگ مستثنیٰ کر لئے گئے جن کو کہ بعد والی آیت کریمہ (اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ، میں بیان فرمایا گیا یعنی پھر جو لوگ ہجرت کر کے آئے فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد اور ان لوگوں نے جہاد کیا اور صبر اختیار کیا تو تمہارا پروردگار بخشش فرمانے والا اور مہربان ہے۔

یہ آیت کریمہ عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ ملک مصر میں تھا اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا پھر اس کو شیطان نے ورغلایا اور وہ مشرکین میں شامل ہو گیا جس وقت مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کرنے کا حکم فرمایا (اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے) پھر حضرت عثمان نے اس کے واسطے پناہ کی درخواست فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پناہ دیدی۔(سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 378)

ہجرت ومشکلات میں صبر واستقامت کا بیان

یہ دوسری قسم کے لوگ ہیں جو بوجہ اپنی کمزوری اور مسکینی کے مشرکین کے ظلم کے شکار تھے اور ہر وقت ستائے جاتے تھے آخر انہوں نے ہجرت کی۔مال، اولاد، ملک، وطن چھوڑ کر اللہ کی راہ میں چل کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی جماعت میں مل کر پھر جہاد کے لئے نکل پڑے اور صبر واستقامت سے اللہ کے کلمے کی بلندی میں مشغول ہو گئے، انہیں اللہ تعالیٰ ان کاموں یعنی قبولیت فتنہ کے بعد بھی بخشنے والا اور ان پر مہربانیاں کرنے والا ہے۔روز قیامت ہر شخص اپنی نجات کی فکر میں لگا ہو گا، کوئی نہ ہو گا جو اپنی ماں یا باپ یا بھائی یا بیوی کی طرف سے کچھ کہہ سن سکے اس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔نہ ثواب گھٹے نہ گناہ بڑھے۔اللہ ظلم سے پاک ہے۔

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ٥
وہ دن جب ہر شخص محض اپنی جان کی طرف سے جھگڑتا ہوا حاضر ہوگا اور ہر جان کو جو کچھ اس نے کیا ہوگا اس کا پورا پورا
بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قیامت کے دن ہر جان کا اپنا دفاع کرنے کا بیان

اذکر "يَوْمَ تَأْتِي كُلّ نَفْس تُجَادِل" تُحَاجّ "عَنْ نَفْسهَا" لَا يُهِمّهَا غَيْرهَا وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة "وَتُوَفّٰى كُلّ نَفْس" جَزَاء "مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ" شَيْئًا

وہ دن یاد کریں جب ہر شخص محض اپنی جان کی طرف سے دفاع کے لئے جھگڑتا ہوا حاضر ہوگا دوسرے کی کوئی پرواہ نہ کرے گا اور وہ قیامت کا دن ہے۔ اور ہر جان کو جو کچھ اس نے کیا ہوگا اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

قیامت کے دن لوگوں میں خصومت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ روز قیامت لوگوں میں خصومت یہاں تک بڑھے گی کہ روح و جسم میں جھگڑا ہوگا، روح کہے گی یا ربّ نہ میرے ہاتھ تھا کہ میں کسی کو پکڑتی، نہ پاؤں تھا کہ چلتی، نہ آنکھ کہ دیکھتی، جسم کہے گا یا ربّ میں تو لکڑی کی طرح تھا نہ میرا ہاتھ پکڑ سکتا تھا، نہ پاؤں چل سکتا تھا، نہ آنکھ دیکھ سکتی تھی، جب یہ روح نوری شعاع کی طرح آئی تو اس سے میری زبان بولنے لگی، آنکھ بینا ہوگئی، پاؤں چلنے لگے جو کچھ کیا اس نے کیا۔ اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرمائے گا کہ ایک اندھا اور ایک لُولا دونوں ایک باغ میں گئے، اندھے کو تو پھل نظر نہیں آتے تھے اور لُولے کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا تھا تو اندھے نے لُولے کو اپنے اوپر سوار کر لیا اس طرح انہوں نے پھل توڑے تو سزا کے وہ دونوں مستحق ہوئے۔ اس لئے روح اور جسم دونوں ملزم ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، لاہور)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ٥
اور اللہ نے ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرمائی ہے جو امن اور اطمینان سے تھی اس کا رزق اس کے پاس ہر طرف سے
بڑی وسعت و فراغت کے ساتھ آتا تھا پھر اس بستی نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے
عذاب کا لباس پہنا دیا ان اعمال کے سبب سے جو وہ کرتے تھے۔

قحط سالی کے ذریعے عذاب کا بیان

"وَضَرَبَ اللّٰه مَثَلًا" وَيُبْدَل مِنْهُ : "قَرْيَة" هِيَ مَكَّة وَالْمُرَاد أَهْلهَا "كَانَتْ آمِنَة" مِنْ الْغَارَات لَا

تُهَاج "مُطْمَئِنَّةً" لَا يُحْتَاج إِلَى الِانْتِقَال عَنْهَا لِضِيقٍ أَوْ خَوْف "يَأْتِيهَا رِزْقهَا رَغَدًا" وَاسِعًا "مِنْ كُلّ مَكَان فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰه" بِتَكْذِيبِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَأَذَاقَهَا اللّٰه لِبَاس الْجُوع" فَقَحَطُوا سَبْع سِنِينَ "وَالْخَوْف" بِسَرَايَا النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ"

اور اللہ نے ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرمائی ہے یہاں پر قریۃ یہ مثلا سے بدل ہے۔ وہ مکہ ہے۔ اور مراد اس میں رہنے والے ہیں۔ جو بڑی عارات سے امن اور اطمینان سے آباد تھی یعنی تنگی یا خوف کی وجہ سے انتقال کرنے کی وجہ سے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا رزق اس کے مکینوں کے پاس ہر طرف سے بڑی وسعت وفراغت کے ساتھ آتا تھا۔ پھر اس بستی والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ یعنی انہوں نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کی، تو اللہ نے اسے بھوک اور خوف کے عذاب کا لباس پہنا دیا یعنی سات سال ان پر قحط پڑ گیا۔ اور آپ ﷺ کے سرایا کے خوف سے ان کو مزا چکھا دیا۔ ان اعمال کے سبب سے جو وہ کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی دعا سے قحط کے دور ہو جانے کا بیان

اس آیت میں بھوک اور خوف کا مزہ چکھانے کے لئے لفظ لباس استعمال فرمایا کہ لباس بھوک اور خوف کا ان کو چکھایا گیا حالانکہ لباس چکھنے کی چیز نہیں مگر یہاں لباس کا لفظ محیط اور ہمہ گیر ہونے کے لئے تشبیہا استعمال ہوا ہے کہ یہ بھوک اور خوف ان سب کے سب پر ایسا چھا گیا کہ جس طرح لباس بدن کے ساتھ لازم ملزوم ہو جاتا ہے یہ بھوک اور خوف بھی ان پر اسی طرح مسلط کر دیئے گئے۔ یہ مثال جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے بعض ائمہ تفسیر کے نزدیک تو عام مثال ہے کسی خاص بستی سے اس کا تعلق نہیں اور اکثر حضرات نے اس کو مکہ مکرمہ کا واقعہ قرار دیا کہ وہ سات سال تک شدید قحط میں مبتلا رہے کہ مردار جانور اور کتے اور غلاظتیں کھانے پر مجبور ہو گئے اور مسلمانوں کا خوف ان پر مسلط ہو گیا پھر مکہ کے سرداروں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کفر و نافرمانی کے قصوروار تو مرد ہیں عورتیں بچے تو بے قصور ہیں اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مدینہ طیبہ سے کھانے وغیرہ کا سامان بھجوا دیا۔ اور ابوسفیان نے بحالت کفر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ تو صلہ رحمی اور عفو و درگذر کی تعلیم دیتے ہیں یہ آپ کی قوم ہلاک ہوئی جاتی ہے اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ یہ قحط ہم سے دور ہو جائے اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء فرمائی اور قحط ختم ہوا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ نحل، بیروت)

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ○

اور بیشک ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس انہیں عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظالم ہی تھے۔

کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُول مِنْهُمْ" مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَاب" الْجُوع وَالْخَوْف، وَهُمْ ظَالِمُونَ،

اور بیشک ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول یعنی حضرت محمد ﷺ تشریف لائے، تو انہوں نے اسے جھٹلایا پس انہیں عذاب یعنی بھوک اور خوف نے آ پکڑا اور وہ ظالم ہی تھے۔

اکثر مفسرین نے اس قریہ (بستی) سے مراد مکہ لیا ہے۔ یعنی اس میں مکہ اور اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لئے بددعا فرمائی' اے اللہ مضر (قبیلے) پر اپنی سخت گرفت فرما اور ان پر اس طرح قحط سالی مسلط کر دے، جس طرح حضرت یوسف کے زمانے میں مصر میں ہوئی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے کے امن کو خوف سے اور خوشحالی کو بھوک سے بدل دیا۔ حتیٰ کہ ان کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں اور درختوں کے پتے کھا کر انہیں گزارہ کرنا پڑا۔ اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔ کہ کفران نعمت کرنے والے لوگوں کا یہ حال ہوگا، وہ جہاں بھی ہوں اور جب بھی ہوں۔ اس کے اس عموم سے جمہور مفسرین کو بھی انکار نہیں ہے، گو نزول کا سبب ان کے نزدیک خاص ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○
پس جو حلال اور پاکیزہ رزق تمہیں اللہ نے بخشا ہے، تم اس میں سے کھایا کرو اور اللہ کی نعمت کا شکر بجالاتے رہو
اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

حلال و پاکیزہ چیزوں سے کھانے کا بیان

"فَكُلُوا" أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ، مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۔

اے ایمان والو! جو حلال اور پاکیزہ رزق تمہیں اللہ نے بخشا ہے، تم اس میں سے کھایا کرو اور اللہ کی نعمت کا شکر بجالاتے رہو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں مخاطب مسلمان ہیں اور ایک قول مفسرین کا یہ بھی ہے کہ مخاطب مشرکینِ مکہ ہیں۔ کلبی نے کہا کہ جب اہل مکہ قحط کے سبب بھوک سے پریشان ہوئے اور تکلیف کی برداشت نہ رہی تو ان کے سرداروں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ سے دشمنی تو مرد کرتے ہیں، عورتوں اور بچوں کو جو تکلیف پہنچ رہی ہے اس کا خیال فرمائیے، اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی کہ ان کے لئے طعام لے جایا جائے۔ اس آیت میں اس کا بیان ہوا، ان دونوں قولوں میں اوّل صحیح تر ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ نحل، بیروت)

اشیائے اربعہ کی حرمت میں نص کا بیان

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ
فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ (جانور) جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو، حرام کیا ہے،
پھر جو شخص حالت اضطرار میں ہو، نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو، تو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

"اہل" کا مصدر "اہلال" ہے اسکا معنی ہے آواز اونچی کرنا اور آیہ مجیدہ میں اس سے مراد جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے نام لینا ہے۔لغیر اللہ میں لام متعدی کرنے کے لئے آیا ہے۔بنابریں "ما اھل بہ لغیر اللہ "یعنی وہ جانور جس پر ذبح کرتے ہوئے غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔غیر باغ و لا عاد "اس صورت میں کہ نہ تو ستم گر ہو اور نہ تجاوز کرنیوالا ہو۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ۞
اور اس کی وجہ سے جو تمہاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں، مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔
بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔

اللہ پر بہتان باندھنے والوں کیلئے وعید کا بیان

"وَلَا تَـقُـوْلُوا لِمَا تَصِف اَلْسِنَتُكُمْ" أَىْ لِوَصْفِ اَلْسِنَتِكُمْ "الْكَذِب هَذَا حَلَال وَهَذَا حَرَام" لِمَا لَمْ يُحِلّهُ اللّٰه وَلَمْ يُحَرِّمهُ "لِتَفْتَرُوا عَلَى اللّٰه الْكَذِب" بِنِسْبَةِ ذٰلِكَ إِلَيْهِ، لَا يُفْلِحُونَ،

اور اس کی وجہ سے جو تمہاری زبانیں جھوٹ کہتی ہیں، مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، اسی لئے اللہ نے اس کو حلال نہ کیا اور نہ حرام کیا۔تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں یعنی ان کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔

حلت وحرمت کا اختیار شارع کیلئے ہونے کا بیان

زمانہ جاہلیت کے لوگ اپنی طرف سے بعض چیزوں کو حلال، بعض چیزوں کو حرام کرلیا کرتے تھے اور اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردیا کرتے تھے، اس کی ممانعت فرمائی گئی اور اس کو اللہ پر افتراء فرمایا گیا۔آج کل بھی جو لوگ اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام بتادیتے ہیں جیسے میلاد شریف کی شیرینی، فاتحہ، گیارہویں، عرس وغیرہ ایصال ثواب کی چیزیں جن کی حرمت شریعت میں وارد نہیں ہوئی۔انہیں اس آیت کے حکم سے ڈرنا چاہیئے کہ ایسی چیزوں کی نسبت یہ کہہ دینا کہ یہ شرعاً حرام ہیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنا ہے۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ نحل، لاہور)

حلال وحرام کا شارع کی طرف سے واضح ہونے کا بیان

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنی دونوں انگلیوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شبہ میں ڈالنے والی چیز سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا اور جو شبہ ڈالنے والی چیزوں میں پڑ گیا تو وہ حرام میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو کسی دوسرے کی چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے۔

تو قریب ہے کہ جانور اس چراگاہ میں سے بھی چر لیں خبردار رہو ہر بادشاہ کے لئے چراگاہ کی حد ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ کی حد اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں آگاہ رہو جسم میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ سنور گیا تو سارا بدن سنور گیا اور جب وہ بگڑ گیا تو سارا ہی بدن بگڑ گیا آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1601)

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
بہت تھوڑا فائدہ ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

دنیا میں فائدہ قلیل جبکہ آخرت میں دردناک عذاب ہونے کا بیان

لَهُمْ "مَتَاع قَلِيل" فِي الدُّنْيَا "وَلَهُمْ" فِي الْآخِرَة "عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم

اس دنیا میں بہت تھوڑا فائدہ ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

دنیا کے مال کی بے ثباتی کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں پھر دو واپس آ جاتی ہیں۔

جبکہ ایک چیز باقی رہ جاتی ہے مرنے والے کے ساتھ اس کے گھر والے اور اس کا مال اور اس کے عمل جاتے ہیں اس کے گھر والے اور اس کا مال تو واپس آ جاتا ہے اس کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2923)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ کہتا ہے: میرا مال، میرا مال۔ حالانکہ اس کے مال میں سے اس کی صرف تین چیزیں ہے جو کھایا اور ختم کر لیا۔

جو پہنا اور پرانا کر لیا جو اس نے اللہ کے راستہ میں دیا یہ اس نے آخرت کے لئے جمع کر لیا اس کے علاوہ تو صرف جانے والا اور لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2921)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اور یہود پر ہم نے وہی چیزیں حرام کی تھیں جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

گناہوں کے سبب اپنی ذات پر ظلم کرنے کا بیان

"وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا" أَيْ الْيَهُود "حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْك مِنْ قَبْل" فِي آيَة "وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلّ ذِي ظُفُر" إلَى آخِرهَا "وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ" بِتَحْرِيمِ ذَلِكَ "وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسهمْ يَظْلِمُونَ" بِارْتِكَابِ الْمَعَاصِي الْمُوجِبَة لِذَلِكَ

اور یہود پر ہم نے وہی چیزیں حرام کی تھیں جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں یعنی اس آیت میں 'وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلّ ذِي ظُفُر" إلَى آخِرهَا' اور ہم نے اس حرمت کے ذریعے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ظلم کو واجب کرنے والے گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

یہود کی شریعت میں حرام چیزوں کا بیان

اوپر بیان گزرا کہ اس امت پر مردار، خون، لحم، خنزیر اور جس جانور پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیں، یہ چیزیں حرام ہیں۔ پھر جو رخصت اس بارے میں تھی اسے ظاہر فرما کر جو آسانی اس امت پر کی گئی ہے اسے بیان فرمایا۔ یہودیوں پر ان کی شریعت میں جو حرام تھا اور جو تنگ اور حرج ان پر تھا اسے بیان فرما رہا ہے کہ ہم نے ان کی حرمت کی چیزوں کو پہلے ہی سے تجھے بتا دیا ہے۔ سورہ انعام کی آیت (وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ، النحل:118) میں ان حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی یہودیوں پر ہم نے تمام ناخن والے جانوروں کو حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکری کی چربی کو سوائے اس چربی کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈیوں سے ملی ہوئی ہو، یہ بدلہ تھا ان کی سرکشی کا ہم اپنے فرمان میں بالکل سچے ہیں۔ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا ہاں وہ خود ناانصاف تھے۔ ان کے ظلم کی وجہ سے ہم نے وہ پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں، حرام کر دیں دوسری وجہ ان کا راہ حق سے اوروں کو روکنا بھی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے اس رحم وکرم کی خبر دیتا ہے جو وہ گنہگار مومنوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ادھر اس نے توبہ کی، ادھر رحمت کی گود اس کے لئے پھیل گئی۔ بعض سلف کا قول ہے کہ جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہی ہوتا ہے۔ توبہ کہتے ہیں گناہ سے ہٹ جانے کو اور اصلاح کہتے ہیں اطاعت پر کمر کس لینے کو پس جو ایسا کرے اس کے گناہ اور اس کی لغزش کے بعد بھی اللہ اسے بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر بیشک تمہارا رب ان کے لیے جو نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر اس کے بعد توبہ کریں اور سنور جائیں

بیشک تمہارا رب اس کے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

توبہ کے بعد بخشش ہو جانے کا بیان

"ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ " الشِّرْك "بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا" رَجَعُوا "مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا" عَمَلهمْ "إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا" أَيْ الْجَهَالَة أَوْ التَّوْبَة "لَغَفُور" لَهُمْ "رَحِيم" بِهِمْ

پھر بیشک تمہارا رب ان کے لیے جو نادانی سے برائی یعنی شرک کر بیٹھیں پھر اس کے بعد توبہ کریں یعنی شرک سے باز آجائیں اور اعمال میں سنور جائیں بیشک تمہارا رب اس کے بعد یعنی جہالت یا توبہ کے بعد ضرور ان کو بخشنے والا، ان کے ساتھ مہربان ہے۔

جہالت سے بچنے کی دعا مانگنے کا بیان

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو یہ دعا پڑھتے (بسم اللہ توکلت علی اللہ اللّٰھم انا نعوذبك من ان نزل او نضل او نظلم او نظلم او نجھل او یجھل علینا) ۔گھر سے نکلتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ، بھروسہ کیا میں نے اللہ پر اے اللہ! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ پھسلیں یعنی بلا قصد گناہ میں مبتلا ہو جائیں یا ہم گمراہ ہوں یعنی قصداً گناہ کریں یا ہم ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم پھر جہالت میں مبتلا ہوں یا ہمیں جہالت میں مبتلا کیا جائے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 973)

نیز امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی میرے گھر سے نکلتے آسمان کی طرف اپنی نگاہ اٹھا کر یوں فرماتے۔ دعا (اللّٰھم انی اعوذبك ان اضل او اضل او اظلم او اظلم او اجھل او یجعل علی) ۔اے اللہ میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں گمراہ ہوں یا گمراہ کیا جاؤں (یعنی مجھے کوئی گمراہ کردے) یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے یا میں جہالت میں مبتلا ہوں یا مجھے جہالت میں مبتلا کیا جائے۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝
بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے مقتدا تھے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک طرف کے ہو رہے تھے
اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جامع خصال خیر ہونے کا بیان

"إِنَّ إِبْرَاهِيم كَانَ أُمَّة" إِمَامًا قُدْوَة جَامِعًا لِخِصَالِ الْخَيْر "قَانِتًا" مُطِيعًا "لِلَّهِ حَنِيفًا" مَائِلًا إِلَى الدِّين الْقَيِّم، وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ،

بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے مقتدا تھے یعنی تمام اچھی عادات کے جامع تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک

طرف کے ہورہے تھے یعنی دین قیم کی طرف مائل تھے۔ جو ہر شرک سے پاک تھا۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

امت کے مفہوم کا بیان

امۃ کے معنی امام کے ہیں جن کی اقتدا کی جائے قانت کہتے ہیں اطاعت گذار فرماں بردار کو، حنیف کے معنی ہیں شرک سے ہٹ کر توحید کی طرف آ جان والا۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ مشرکوں سے بیزار تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جب امت قانت کے معنی دریافت کئے گئے تو فرمایا لوگوں کو بھلائی سکھانے والا اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی کرنے والا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں امت کے معنی ہیں لوگوں کے دین کا معلم۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت معاذ امت قانت اور حنیف تھے اس پر کسی نے اپنے دل میں سوچا کہ عبداللہ غلطی کر گئے ایسے تو قرآن کے مطابق حضرت خلیل الرحمٰن تھے۔ پھر زبانی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو امت فرمایا ہے تو آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو امت کے کیا معنی؟ اور قانت کے کیا معنی؟ امت کہتے ہیں اسے جو لوگوں کو بھلائی سکھائے اور قانت کہتے ہیں اسے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگا رہے۔ بیشک حضرت معاذ ایسے ہی تھے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ تنہا امت تھے اور تابع فرمان تھے۔ وہ اپنے زمانہ میں تنہا موحد و مومن تھے۔ باقی تمام لوگ اس وقت کافر تھے۔ قتادہ فرماتے ہیں وہ ہدایت کے امام تھے اور اللہ کے غلام تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے قدرداں اور شکر گزار تھے اور رب کے تمام احکام کے عامل تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ نحل، بیروت)

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○
اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا۔ اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا بیان

"شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبَاهُ" اصْطَفَاهُ، وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا۔ اس نے اسے چن لیا اور اسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی۔

سیدنا ابراہیم کو اللہ نے نبوت عطا فرمائی اور پاکیزہ رزق بھی تو انہوں نے فرمانبرداری کا حق ادا کر کے ان نعمتوں کا شکر ادا کیا اور تم پر اللہ نے جو ظاہری انعامات کیے وہ تمہیں معلوم ہیں اور باطنی یہ ہے کہ تم میں نبی آخر الزمان کو مبعوث کیا تو تم نے اللہ کی ان نعمتوں کی کیا قدر کی؟ پھر تمہاری سیدنا ابراہیم سے کیا نسبت یا مماثلت ہو سکتی ہے؟۔

سیدھے راہ پر استقامت اختیار کرنے کا بیان

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "سیدھے رہو اور سیدھے رہنے کی ہرگز طاقت نہ رکھ سکو گے اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں بہترین چیز نماز ہے اور وضو کی حفاظت مومن ہی کرتا ہے۔"

(مالک، مسند احمد بن حنبل ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 278)

سیدھے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اعمال پر مستقیم رہو اور ہمیشہ سیدھی راہ پر چلتے رہو، ادھر ادھر برے راستوں کی طرف میلان نہ کرو اور چونکہ یہ امر مشکل تھا اس لئے آگے فرمایا کہ لن تحصوا یعنی پورے کمال اور رسوخ کے ساتھ تم استقامت اختیار نہیں کر سکتے اور جب یہ فرما دیا گیا کہ استقامت کی طاقت نہیں رکھ سکتے اور اعمال وافعال میں استقامت کے جو حقوق ہیں وہ پوری طرح ادا نہیں ہو سکتے تو آگے ایک نہایت آسان اور سہل راہ کی طرف راہنمائی کر دی گئی یعنی عبادت کی جڑ اور خلاصہ نماز پر آگاہ کر دیا کہ اگر صرف اسی ایک عمل اور ایک عبادت یعنی نماز میں استقامت اختیار کر لو گے تو تمام تقصیرات کا تدارک ہو جائے گا لہٰذا چاہئے کہ نماز پر مداومت اختیار کرو۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ؕ
اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور بے شک وہ آخرت میں بھی یقیناً نیک لوگوں سے ہے۔

آخرت میں اعلیٰ درجات والوں کا بیان

"وَآتَيْنَاهُ" فِيهِ اِلْتِفَات عَنْ الْغَيْبَة "فِي الدُّنْيَا حَسَنَة" هِيَ الثَّنَاء الْحَسَن فِي كُلّ أَهْل الْأَدْيَان "وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَة لَمِنْ الصَّالِحِينَ" الَّذِينَ لَهُمْ الدَّرَجَات الْعُلَى

اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اس میں غیبت کی طرف التفات ہے۔ وہ اچھی تعریف جو اہل ادیان میں ہر طرح اچھی ہے اور بے شک وہ آخرت میں بھی یقیناً نیک لوگوں سے ہے۔ یعنی جن کے بلند درجات ہیں۔

رسالت واموال واولاد وثناءِ حسن وقبولِ عام کے تمام ادیان والے مسلمان اور یہود اور نصاریٰ اور عرب کے مشرکین سب ان کی عظمت کرتے اور ان سے محبت رکھتے ہیں۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ
پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا تھے،
اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

دین ابراہیمی کی اتباع کرنے کا بیان

"ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْك" يَا مُحَمَّد "أَنْ اتَّبِعْ مِلَّة" دِين "إِبْرَاهِيم حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنْ الْمُشْرِكِينَ" كُرِّرَ رَدًّا عَلَى زَعْم الْيَهُود وَالنَّصَارَى أَنَّهُمْ عَلَى دِينه

یا محمد ﷺ پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی کریں جو ہر باطل سے جدا تھے، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ یہاں پر اس کو مکرر اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ یہود ونصاریٰ کا رد کیا جائے کیونکہ وہ اپنے خیال میں ان کے دین پر تھے۔

اِتباع سے مراد یہاں عقائد واصولِ دین میں موافقت کرنا ہے۔سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اِتباع کا حکم کیا گیا، اس میں آپ کی عظمت ومنزلت اور رفعتِ درجت کا اظہار ہے کہ آپ کا دین ابراہیمی کی موافقت فرمانا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ان کے تمام فضائل وکمالات میں سب سے اعلیٰ فضل وشرف ہے کیونکہ آپ اکرم الاولین والآخرین ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا اور تمام انبیاء اور کل خلق سے آپ کا مرتبہ افضل واعلیٰ ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اور دین ابراہیمی کے اظہار کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کے دن (یعنی عید قرباں کے دن) دو دنبے جو سینگ دار ابلق اور خصی تھے ذبح کرنے چاہے تو ان کو قبلہ رخ کیا اور یہ پڑھا۔ یعنی میں اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس حال میں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں۔

جو توحید کو ماننے والے تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بلاشبہ میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں اے اللہ! یہ قربانی تیری عطاء سے ہے اور خالص تیری ہی رضا کے لئے ہے تو اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی امت کی جانب سے قبول فرما ساتھ نام اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذبح کیا۔

(احمد بن حنبل، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ، دارمی، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1435)

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
ہفتے کا دن تو صرف ان لوگوں پر مقرر کیا گیا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا اور بے شک تیرا رب ان کے درمیان
قیامت کے دن یقیناً اس کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔

یہود پر ہفتہ کے دن کی تعظیم لازم ہونے کا بیان

"إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْت" فُرِضَ تَعْظِيمه "عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ" عَلَى نَبِيّهمْ وَهُمْ الْيَهُود أُمِرُوا أَنْ يَتَفَرَّغُوا لِلْعِبَادَةِ يَوْم الْجُمُعَة فَقَالُوا : لَا نُرِيدهُ وَاخْتَارُوا السَّبْت فَشُدِّدَ عَلَيْهِمْ فِيهِ "وَإِنَّ رَبّك لَيَحْكُم بَيْنهمْ يَوْم الْقِيَامَة فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ" مِنْ أَمْره بِأَنْ يُثِيب الطَّائِع وَيُعَذِّب الْعَاصِي بِانْتِهَاكِ حُرْمَته

ہفتے کا دن تو صرف ان لوگوں پر مقرر کیا گیا جن پر اس تعظیم فرض تھی۔ جنھوں نے اس میں اختلاف کیا یعنی انہوں نے اپنے نبی مکرم علیہ السلام سے اختلاف کیا اور یہ لوگ یہود تھے جن کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کے دن عبادت کیلئے خاص کر لیں لیکن انہوں نے

کہا کہ ہم اس کو اختیار نہیں کرتے۔اور انہوں نے ہفتہ کو اختیار کیا تو اس دن ان پر سختی کی گئی۔اور بے شک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن یقیناً اس کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔یعنی ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اطاعت کرنے پر ثواب جبکہ نافرمانی پر عذاب ہوگا۔کیونکہ اس کا سبب بے حرمتی ہے۔

یہود کا جمعہ کے دن چھوڑ کر ہفتہ کو اختیار کرنے کا بیان

ہر امت کے لئے ہفتے میں ایک دن اللہ تعالیٰ نے ایسا مقرر کیا ہے جس میں وہ جمع ہو کر اللہ کی عبادت کی خوشی منائیں۔اس امت کے لئے وہ دن جمعہ کا دن ہے، اس لئے کہ وہ چھٹا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا کمال کیا۔اور ساری مخلوق پیدا ہو چکی اور اپنے بندوں کو ان کی ضرورت کی اپنی پوری نعمت عطا فرما دی۔روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہی دن بنی اسرائیل کے لئے مقرر فرمایا گیا تھا لیکن وہ اس سے ہٹ کر ہفتے کے دن کو لے بیٹھے، یہ سمجھے کہ جمعہ کو مخلوق پوری ہوگئی، ہفتہ کے دن اللہ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی۔پس تورات جب اتری ان پر وہی ہفتے کا دن مقرر ہوا اور انہیں حکم ملا کہ اسے مضبوطی سے تھامے رہیں، ہاں یہ ضرور فرما دیا گیا تھا کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی آئیں تو وہ سب کے سب کو چھوڑ کر صرف آپ ہی کی اتباع کریں۔اس بات پر ان سے وعدہ بھی لے لیا تھا۔پس ہفتے کا دن انہوں نے خود ہی اپنے لئے چھانٹا تھا۔اور آپ ہی جمعہ کو چھوڑا تھا۔حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے زمانہ تک یہ اسی پر رہے۔کہا جاتا ہے کہ پھر آپ نے انہیں اتوار کے دن کی طرف دعوت دی۔ایک قول ہے کہ آپ نے توراۃ کی شریعت چھوڑی نہ تھی سوائے بعض منسوخ احکام کے اور ہفتے کے دن کی محافظت آپ نے بھی برابر داری رکھی۔جب آپ آسمان پر چڑھا لئے گئے تو آپ کے بعد قسطنطین بادشاہ کے زمانے میں صرف یہودیوں کی ضد میں آ کر صخرہ سے مشرق جانب کو اپنا قبلہ انہوں نے مقرر کر لیا اور ہفتے کی بجائے اتوار کا دن مقرر کر لیا۔بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم سب سے آخر والے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے والے ہیں۔ہاں انہیں کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔یہ دن بھی اللہ نے ان پر فرض کیا لیکن ان کے اختلاف نے انہیں کھو دیا اور اللہ رب العزت نے ہمیں اس کی ہدایت دی پس یہ سب لوگ ہمارے پیچھے پیچھے ہیں۔یہودی ایک دن پیچھے نصارٰنی دو دن۔آپ فرماتے ہیں ہم سے پہلے کی امتوں کو اللہ نے اس دن سے محروم کر دیا یہود نے ہفتے کا دن رکھا نصاری نے اتوار کا اور جمعہ ہمارا ہوا۔پس جس طرح دنوں کے اس اعتبار سے وہ ہمارے پیچھے ہیں۔اسی طرح قیامت کے دن بھی ہمارے پیچھے ہی رہیں گے۔ہم دنیا کے اعتبار سے پچھلے ہیں اور قیامت کے اعتبار سے پہلے ہیں یعنی تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلے ہمارے ہوں گے۔(صحیح مسلم)

مذہبی دن کے تعظیم نہ کرنے کے سبب عذاب کا بیان

شنبہ کی تعظیم اور اس روز شکار ترک کرنا اور وقت کو عبادت کے لئے فارغ کرنا یہود پر فرض کیا گیا تھا اور اس کا واقعہ اس طرح ہوا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں روز جمعہ کی تعظیم کا حکم فرمایا تھا اور ارشاد کیا تھا کہ ہفتہ میں ایک دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے خاص کرو، اس دن میں کچھ کام نہ کرو، اس میں انہوں نے اختلاف کیا اور کہا وہ دن جمعہ نہیں بلکہ سنیچر ہونا چاہیے بجز

ایک چھوٹی سی جماعت کے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل میں جمعہ پر ہی راضی ہوگئی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہود کو سنیچر کی اجازت دے دی اور شکار حرام فرما کر ابتلا میں ڈال دیا تو جو لوگ جمعہ پر راضی ہو گئے تھے وہ تو مطیع رہے اور انہوں نے اس حکم کی فرمانبرداری کی، باقی لوگ صبر نہ کر سکے، انہوں نے شکار کئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ مسخ کئے گئے۔ (تفسیر خازن، سورہ نحل، بیروت)

ملت ابراہیمی اور قیامت تک مذہبی تعظیم والا دن جمعہ ہے

یہود پر جنہوں نے جمعہ کی بجائے ہفتہ کے دن کی تعظیم و تقدیس کا مطالبہ کیا۔ تو ان پر تغلیظ و تشدید کے طور پر اسی دن کی تعظیم لازم کردی گئی۔ ورنہ ملت ابراہیمی میں تعظیم جمعہ کے دن ہی کی تھی۔ (تفسیر روح المعانی، قرطبی، سورہ نحل، بیروت)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ
اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝
آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو،
بیشک آپ کا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

حکمت و اچھے وعظ سے دعوت دین دینے کا بیان

"اُدْعُ" النَّاس یَا مُحَمَّد "إِلَی سَبِیل رَبّك" دِینه "بِالْحِکْمَةِ" بِالْقُرْآنِ "وَالْمَوْعِظَة الْحَسَنَة" مَوَاعِظه أَوْ الْقَوْل الرَّقِیق "وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِی" أَیْ بِالْمُجَادَلَةِ الَّتِی "هِیَ أَحْسَن" کَالدُّعَاءِ إِلَی اللّٰه بِآیَاتِهِ وَالدُّعَاء إِلَی حُجَجه "إِنَّ رَبّك هُوَ أَعْلَم" أَیْ عَالِم "بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیله وَهُوَ أَعْلَم بِالْمُهْتَدِینَ" فَیُجَازِیهِمْ وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِالْقِتَالِ،

اے رسول معظم ﷺ آپ لوگوں کو اپنے رب کی راہ یعنی دین کی طرف حکمت یعنی قرآن اور عمدہ نصیحت یا نرمی کی بات کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث بھی ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، جس طرح اللہ کی نشانیوں اور اس کے دلائل کے ذریعے بلائیں۔ بیشک آپ کا رب اس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ پس وہ انہیں حکم دے گا۔ یہ حکم جہاد والے حکم سے پہلے کا ہے۔

سورہ نحل آیت ۱۲۵ کے مضمون نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب مشرکین احد کے مقتولین سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ بھی واپس ہوئے اور آپ نے ایسا منظر دیکھا جس نے آپ کو غمگین کر دیا آپ نے حضرت حمزہ کو اس حالت میں دیکھا کہ ان کا پیٹ چاک کر دیا گیا اور ان کے ناک کان کاٹ ڈالے گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کی فکر نہ ہوتی کہ عورتیں غم زدہ ہوں گی یا میرے بعد یہ سنت بن جائے گی تو میں ان کو اسی حال میں چھوڑ جاتا یہاں تک کہ اللہ انہیں (قیامت کے دن) درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں

سے دوبارہ زندہ فرماتے ۔ میں ان کی جگہ مشرکین کے ستر لوگوں کو قتل کروں گا پھر آپ نے ایک چادر منگوائی اس سے ان کا چہرہ ڈھانپا آپ رضی اللہ عنہ کے پاؤں باہر نکل آئے لہٰذا آپ نے پاؤں کی جانب گھاس ڈال دی پھر انہیں آگے رکھا اور دس مرتبہ تکبیر کہی پھر ایک شخص کو لایا جاتا اور سامنے رکھ دیا جاتا اور حضرت حمزہ اسی جگہ پر ہوتے یہاں تک کہ آپ پر ستر مرتبہ نماز پڑھی جبکہ (احد کے) شہداء ستر تھے جب ان حضرات کو دفن کرلیا گیا اور آپ اس سے فارغ ہوئے یہ آیات نازل ہوئیں ۔(اُدْعُ اِلٰـی سَبِیْـلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ) الی قولہ تعالیٰ (وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ)۔

لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور صبر ہی کرو اور تمہارا صبر بھی خدا ہی کی مدد سے ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ بداندیش کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہو۔ لہٰذا آپ نے صبر کیا اور کسی کو مثلہ نہیں فرمایا۔ (نیسابوری 239، دارقطنی 4۔(118)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی حمزہ کے قریب ہوئے تو انہیں پچھاڑا ہوا پایا آپ نے ایسا کوئی منظر نہ دیکھا تھا جس سے آپ کے قلب اطہر کو اس سے زیادہ تکلیف ہوئی ہو۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم (چچا) میں تیرے بدلے ان میں ستر کو قتل کروں گا تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ، اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تم کو ان سے پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔

(مستدرک حاکم 3۔197، مجمع الزوائد 6۔(119)

مثلہ کرنے کی ممانعت واباحت کا بیان

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے جب مشرکین کا غزوہ احد میں ان کے مقتولین کے ساتھ سلوک دیکھا کہ انہوں نے شہداء کے پیٹ چاک کردیے ہیں شرم گاہیں کاٹ دی ہیں اور انہیں بری طرح مثلہ (مقتول کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل بگاڑ دینا) کردیا تو انہوں نے یہ منظر دیکھ کر کہا اگر اللہ نے ہمیں ان پر غلبہ دیا تو ہم ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر برا سلوک کریں گے اور ہم انہیں اس طرح مثلہ کریں گے کہ عرب مین سے کبھی کسی نے اس طرح مثلہ نہ کیا ہوگا اور ہم اس طرح کریں گے اور اس طرح کریں گے رسول اللہ ﷺ اپنے چچا حمزہ پر ٹھہرے جبکہ مشرکین نے ان کا ناک اور شرمگاہ کاٹ دی اور آپ کا پیٹ چاک کیا اور ہند بنت عتبہ نے آپ کے جگر کا ٹکڑا لے کر اسے چبایا اور کھانے کے لیے نگلا تو وہ اس کے پیٹ میں نہ ٹھہرا بالآخر اس نے اسے منہ سے نکال کر پھینک دیا یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ حضرت حمزہ کا کلیجہ کھالیتی تو کبھی جہنم میں داخل نہ ہوتی حضرت حمزہ اللہ رب العزت کے ہاں اس سے زیادہ معزز ہیں کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ جہنم میں جائے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کو دیکھا جبکہ آپ نے اس سے تکلیف دہ منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔

تو فرمایا آپ پر اللہ کی رحمت ہو آپ جب تک زندہ رہے صلہ رحمی کرنے والے اور خوب بڑھ چڑھ کر نیکی کے کام کرنے والے تھے اگر آپ کے بعد آپ پر غم کا فکر نہ ہوتا تو مجھے یہ بات زیادہ پسند تھی کہ میں آپ کو اسی حالی میں چھوڑ جاؤں تا کہ اللہ آپ کو مختلف

پیٹوں سے جمع فرمائے اللہ کی قسم اگر اللہ نے مجھے غلبہ عطا فرمایا تو میں آپ کی جگہ ان میں سے ستر کو مثلہ کروں گا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ، تو آپ نے فرمایا ضرور ہم صبر کریں گے اور آپ اپنے ارادے سے رک گئے اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (نیسا بوری 240، قرطبی 10-201)

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۝

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے اور بلاشبہ اگر تم صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

انتقام جرم کے برابر لینے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قُتِلَ حَمْزَةُ وَمُثِّلَ بِهٖ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَآهُ : لَأُمَثِّلَنَّ بِسَبْعِيْنَ مِنْهُمْ مَكَانَكَ، "وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ " عَنِ الْاِنْتِقَامِ "لَهُوَ" أَيِ الصَّبْرُ "خَيْرٌ لِلصَّابِرِيْنَ" فَكَفَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفَّرَ عَنْ يَمِيْنِهٖ رَوَاهُ الْبَزَّارُ،

اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور ان کا مثلہ کیا گیا تو نبی کریم ﷺ نے دیکھا تو آپ ﷺ نے آپ کی جگہ پر ستر آدمیوں کے مثلہ کا حکم دیا۔

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف دی گئی ہے اور بلاشبہ اگر تم انتقام لینے میں صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ تو اس پر نبی کریم ﷺ نے اپنے ارادہ سے اعراض فرمایا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ اس صاحب بزار نے روایت کیا ہے۔

سورہ نحل آیت ۱۲۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں انصار کے چونسٹھ اور مہاجرین کے چھ آدمی شہید ہوئے۔ جن میں حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ کفار نے ان کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے تھے۔ انصار کہنے لگے کہ اگر پھر کسی دن ہماری ان سے مڈبھیڑ ہوئی تو ہم اس سے دوگنا آدمیوں کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیں گے لیکن فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ، اور اگر بدلہ لو تو اتنا بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے)۔ چنانچہ ایک شخص نے کہا کہ آج کے بعد قریش کا نام نہیں رہے گا۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار آدمیوں کے علاوہ کسی کو قتل نہ کرو۔ یہ حدیث ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1074)

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۝

اور صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کے ساتھ ہے اور آپ ان پر رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں اور آپ ان کی

فریب کاریوں سے تنگی محسوس نہ کیا کریں۔

اللہ کی توفیق سے صبر کرنے کا بیان

"وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرك إلَّا بِاللَّهِ " بِتَوْفِيقِهِ "وَلَا تَحْزَن عَلَيْهِمْ" أَيْ الْكُفَّار إنْ لَمْ يُؤْمِنُوا لِحِرْصِك عَلَى إيمَانهمْ "وَلَا تَكُ فِي ضَيْق مِمَّا يَمْكُرُونَ" أَيْ لَا تَهْتَمّ بِمَكْرِهِمْ فَأَنَا نَاصِرك عَلَيْهِمْ

اور صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق کے ساتھ ہے اور آپ ان کفار کی سرکشی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں اگر چہ وہ ایمان نہ لائیں۔ کیونکہ آپ ان کے ایمان لانے پر حریص ہیں۔ اور آپ ان کی فریب کاریوں سے اپنے کشادہ سینہ میں تنگی بھی محسوس نہ کیا کریں۔ یعنی ان کے فریب کے سبب پریشان نہ ہوں کیونکہ ان کے خلاف ہم آپ کی مدد کرنے والے ہیں۔

سورہ نحل آیت ۱۲۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حمزہ کو دیکھا وہ زمین پر بکھرے پڑے ہیں انہوں نے اس سے زیادہ دل دکھانے والا منظر نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا کہ بخدا میں تمہارے بدلے میں مشرکوں کے ستر آدمی قتل کر کے رہوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۠
بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور جو نیکیاں کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے ذریعے مقام محسن اختیار کرنے کا بیان

"إنَّ اللَّه مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا " الْكُفْر وَالْمَعَاصِي "وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ " بِالطَّاعَةِ وَالصَّبْر بِالْعَوْنِ وَالنَّصْر،

بیشک اللہ ان کے ساتھ ہے جو کفر اور نافرمانی سے ڈرتے ہیں اور جو طاعت، صبر، تعاون اور مدد کے ساتھ نیکیاں کرتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کیلئے وصف احسان کا بیان

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو خلقی و طبعی طور پر فحش گو تھے اور نہ قصداً فحش گوئی کرتے تھے (گویا کسی بھی طرح اور کسی بھی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فحش گوئی کا صدور نہیں ہوتا تھا) اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے تھے (جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے) اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے لیتے تھے بلکہ (برائی کرنے والے کو دل سے) معاف کر دیتے تھے اور ظاہر میں بھی) اس سے عفو و درگذر کا معاملہ کرتے تھے (اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل کرتے تھے۔ (فاعف عنهم واصفح ان الله يحب المحسنين)

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 403)

سورہ نحل آیت ۱۲۸ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

ابوقزعہ بیان کرتے ہیں ہرم بن حیان سے کہا گیا آپ ہمیں کوئی وصیت کریں انہوں نے جواب دیا میں تمہیں سورت نحل کی آخری آیت کی وصیت کرتا ہوں پھر ابن حیان نے ان آیات کی تلاوت کی۔ "اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھے واعظ کے ذریعے دعوت دو اور ان لوگوں کے ساتھ اچھی طرح بحث کرو بے شک تمہارا پروردگار زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے گمراہ ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کے بارے میں بھی زیادہ بہتر جانتا ہے اگر تم انہیں جواب دینا چاہتے ہو تو تم انہیں اسی طرح جواب دو جیسے تمہیں دیا گیا تھا۔

اور اگر تم صبر سے کام لو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے زیادہ بہتر ہے تم صبر کرو اور صبر صرف اللہ کی طرف سے ہو سکتا ہے تم ان کے بارے میں غمگین نہ ہو اور جس فریب کاری سے کام لے رہے ہیں اس کے بارے میں تنگی کا شکار نہ ہو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور جو نیکی کرتے ہیں۔ (سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 1008)

سورہ نحل کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ نحل کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورہ الاسراء ہے

سورہ الاسراء کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الْإِسْرَاء (مَكِّيَّة إِلَّا الآيَات 26 و32 و57 مِنْ آيَة 73 إِلَى غَايَة 80 فَمَدَنِيَّة وَآيَاتهَا 111 نَزَلَتْ بَعْد الْقَصَص)

سورہ بنی اسرائیل اس کا نام سورہ اسراء اور سورہ سبحان بھی ہے یہ سورت مکّیہ ہے مگر آٹھ آیات، وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا سے نَصِيْرًا تک۔ یہ قول قتادہ کا ہے۔ جبکہ امام بیضاوی نے جزم کیا ہے کہ یہ سورت تمام کی تمام مکیہ ہے، اس سورت میں بارہ رکوع اور ایک سو دس آیات بصری ہیں اور کوفی ایک سو گیارہ اور پانچ سو تینتس کلمات اور تین ہزار چار سو ساٹھ حروف ہیں۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝
وہ ذات (ہر نقص اور کمزوری سے) پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجد حرام
سے (اس) مسجد اقصٰی تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندہ کامل)
کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے معجزہ معراج کا بیان

"سُبْحَان" أَيْ تَنْزِيه "الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ" مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَيْلًا" نُصِبَ عَلَى الظَّرْف وَالْإِسْرَاء سَيْر اللَّيْل وَفَائِدَة ذِكْره الْإِشَارَة بِتَنْكِيرِهِ إِلَى تَقْلِيل مُدَّته "مِنْ الْمَسْجِد الْحَرَام إِلَى الْمَسْجِد الْأَقْصَى" بَيْت الْمَقْدِس لِبُعْدِهِ مِنْهُ "الَّذِي بَارَكْنَا حَوْله" بِالثِّمَارِ وَالْأَنْهَار "لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتنَا" عَجَائِب قُدْرَتنَا "إِنَّهُ هُوَ السَّمِيع الْبَصِير" أَيْ الْعَالِم بِأَقْوَالِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْعَاله فَأَنْعَمَ عَلَيْهِ بِالْإِسْرَاءِ الْمُشْتَمِل عَلَى اجْتِمَاعه بِالْأَنْبِيَاءِ وَعُرُوجه إِلَى السَّمَاء وَرُؤْيَة

عَجَائِب الْمَلَكُوت وَمُنَاجَاته لَهُ تَعَالَى فَإِنَّهُ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : "أُتِيت بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّة أَبْيَض فَوْق الْحِمَار وَدُون الْبَغْل يَضَع حَافِره عِنْد مُنْتَهَى طَرْفه فَرَكِبْته فَسَارَ بِي حَتَّى أَتَيْت بَيْت الْمَقْدِس فَرَبَطْت الدَّابَّة بِالْحَلْقَةِ الَّتِي تَرْبِط فِيهَا الْأَنْبِيَاء ثُمَّ دَخَلْت فَصَلَّيْت فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْت فَجَاءَنِي جِبْرِيل بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْر وَإِنَاء مِنْ لَبَن فَاخْتَرْت اللَّبَن قَالَ جِبْرِيل : أَصَبْت الْفِطْرَة قَالَ : ثُمَّ عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاء الدُّنْيَا فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيل قِيلَ : مَنْ أَنْتَ قَالَ : جِبْرِيل قِيلَ : وَمَنْ مَعَك ؟ قَالَ : مُحَمَّد قِيلَ : أَوَ قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ ؟ قَالَ : قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِآدَم فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِالْخَيْرِ ثُمَّ عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاء الثَّانِيَة فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيل فَقِيلَ : مَنْ أَنْتَ فَقَالَ : جِبْرِيل قِيلَ : وَمَنْ مَعَك قَالَ : مُحَمَّد قِيلَ أَوَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ : قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا بِابْنَيْ الْخَالَة يَحْيَى وَعِيسَى فَرَحَّبَا بِي وَدَعَوَا لِي بِالْخَيْرِ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاء الثَّالِثَة فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيل فَقِيلَ : مَنْ أَنْتَ ؟ قَالَ : جِبْرِيل فَقِيلَ : وَمَنْ مَعَك قَالَ : مُحَمَّد فَقِيلَ : أَوَ قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ : قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِيُوسُف وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْر الْحُسْن فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاء الرَّابِعَة فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيل فَقِيلَ : مَنْ أَنْتَ قَالَ جِبْرِيل فَقِيلَ : وَمَنْ مَعَك قَالَ : مُحَمَّد فَقِيلَ : أَوَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ : قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِدْرِيس فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاء الْخَامِسَة فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيل فَقِيلَ : مَنْ أَنْتَ قَالَ : جِبْرِيل فَقِيلَ : وَمَنْ مَعَك قَالَ : مُحَمَّد فَقِيلَ : أَوَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ : قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِهَارُونَ فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاء السَّادِسَة فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيل فَقِيلَ : مَنْ أَنْتَ فَقَالَ : جِبْرِيل فَقِيلَ : وَمَنْ مَعَك قَالَ : مُحَمَّد فَقِيلَ : أَوَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ : قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِمُوسَى فَرَحَّبَ بِي وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاء السَّابِعَة فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيل فَقِيلَ : مَنْ أَنْتَ فَقَالَ : جِبْرِيل قِيلَ وَمَنْ مَعَك فَقَالَ : مُحَمَّد قِيلَ : أَوَ قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ : قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيم فَإِذَا هُوَ مُسْتَنِد إِلَى الْبَيْت الْمَعْمُور وَإِذَا هُوَ يَدْخُلهُ كُلّ يَوْم سَبْعُونَ أَلْف مَلَك ثُمَّ لَا يَعُودُونَ إِلَيْهِ ؛ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَى سِدْرَة الْمُنْتَهَى فَإِذَا أَوْرَاقهَا كَآذَانِ الْفِيلَة وَإِذَا ثَمَرهَا كَالْقِلَالِ فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْر اللّٰه مَا غَشِيَهَا تَغَيَّرَتْ فَمَا أَحَد مِنْ خَلْق اللّٰه تَعَالَى يَسْتَطِيع أَنْ يَصِفهَا مِنْ حُسْنهَا قَالَ : فَأَوْحَى اللّٰه إِلَيَّ مَا أَوْحَى وَفَرَضَ عَلَيَّ فِي كُلّ يَوْم وَلَيْلَة خَمْسِينَ صَلَاة فَنَزَلْت حَتَّى انْتَهَيْت إِلَى مُوسَى فَقَالَ : مَا فَرَضَ رَبّك عَلَى أُمَّتك قُلْت : خَمْسِينَ صَلَاة فِي كُلّ يَوْم وَلَيْلَة قَالَ : ارْجِعْ إِلَى رَبّك فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيف لِأُمَّتِك فَإِنَّ أُمَّتك لَا تُطِيق ذَلِكَ وَإِنِّي قَدْ بَلَوْت بَنِي إِسْرَائِيل وَخَبَرْتهمْ قَالَ :

صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں نے پوچھا کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا کہ ہاں بلائے گئے ہیں، پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا اور اللہ نے انہیں حسن کا نصف حصہ عطا فرمایا تھا انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر ہمیں چوتھے آسمان کی طرف چڑھایا گیا دروازہ کھولنے کے لئے کہا گیا تو پوچھا کون؟ کہا جبرائیل پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کہ کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا کہ ہاں بلائے گئے ہیں ہمارے لئے دروازہ کھلا تو میں نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، حضرت ادریس کے بارے میں اللہ عزوجل نے فرمایا (وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا) ہم نے ان کو بلند مقام عطا فرمایا ہے، پھر ہمیں پانچویں آسمان کی طرف چڑھایا گیا حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون؟ کہا جبرائیل پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کیا بلائے گئے ہیں؟ کہا کہ ہاں بلائے گئے ہیں پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا تو میں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف چڑھایا گیا تو جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو پوچھا گیا کون؟ کہا کہ جبرائیل پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھر پوچھا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہاں کہ ہاں یہ بلائے گئے ہیں ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لئے دعائے خیر کی، پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف چڑھایا گیا حضرت جبرائیل صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو فرشتوں نے پوچھا کون؟ کہا جبرائیل پوچھا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا گیا کہ کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ کہا ہاں ان کو بلانے کا حکم ہوا ہے پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا تو میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت المعمور کی طرف پشت کئے اور ٹیک لگائے بیٹھے دیکھا اور بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور انہیں دوبارہ آنے کا موقع نہیں ملتا (فرشتوں کی کثرت کی وجہ سے) پھر حضرت جبرائیل مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے گئے اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح بڑے بڑے تھے اور اس کے پھل بیر جیسے اور بڑے گھڑے کے برابر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اس درخت کو اللہ کے حکم سے ڈھانکا گیا تو اس کا حال ایسا پوشیدہ ہو گیا کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس کے حسن کو بیان کر سکے، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض فرمائیں پھر میں وہاں سے واپس حضرت موسیٰ تک پہنچا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں دن رات میں، موسیٰ نے فرمایا کہ اپنے رب کے پاس واپس جا کر ان سے کم کا سوال کریں اس لئے کہ آپ کی امت میں اتنی طاقت نہ ہوگی کیونکہ میں بنی اسرائیل پر اس کا تجربہ کر چکا اور آزما چکا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے پھر واپس جا کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ میری امت پر تخفیف فرما دیں تو اللہ نے پانچ نمازیں کم کر دیں میں پھر واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ نے پانچ نمازیں کم کر دیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ کی امت میں اس کی بھی طاقت نہیں اپنے رب کے پاس جا کر ان میں تخفیف کا سوال کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس طرح اپنے اللہ کے پاس سے موسیٰ کے پاس اور موسیٰ علیہ السلام

کے پاس سے اللہ کے بارگاہ میں آتا جاتا رہا اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں یہاں تک کہ اللہ نے فرمایا کہ اے محمد ہر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں اور ہر نماز کا ثواب اب دس نمازوں کے برابر ہے پس اس طرح ثواب کے اعتبار سے پچاس نمازیں ہوگئیں اور جو آدمی کسی نیک کام کا ارادہ کرے مگر اس پر عمل نہ کر سکے تو میں اسے ایک نیکی کا ثواب عطا کروں گا اور اگر وہ اس پر عمل کرلے تو میں اسے دس نیکیوں کا ثواب عطا کروں گا اور جو آدمی کسی برائی کا ارادہ کرے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے نامہ اعمال میں یہ برائی نہیں لکھی جاتی اور اگر برائی اس سے سرزد ہو جائے تو میں اس کے نامہ اعمال میں ایک ہی برائی لکھوں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پھر واپس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور ان کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب کے پاس جا کر تخفیف کا سوال کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے پروردگار کے پاس اس سلسلہ میں بار بار آ جا چکا ہوں یہاں تک کہ اب مجھے اس کے متعلق اپنے اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 411) اس امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے اور امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے۔

سورہ الاسراء آیت ا کے شان نزول کا بیان

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج درجاتِ عالیہ و مراتبِ رفیعہ پر فائز ہوئے تو رب عزّ وجلّ نے خطاب فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فضیلت و شرف میں نے تمہیں کیوں عطا فرمایا؟ حضور نے عرض کیا اس لئے کہ تو نے مجھے عبدیّت کے ساتھ اپنی طرف منسوب فرمایا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، سورہ الاسراء، بیروت)

اسراء و معراج کی تاریخ کا بیان

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ معراج کی تاریخ میں روایات بہت مختلف ہیں موسی بن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ بعثت نبوی کے سات سال بعد ہوا ہے بعض روایات میں ہے کہ واقعہ معراج بعثت نبوی سے پانچ سال بعد میں ہوا ہے ابن اسحاق کہتے ہیں کہ واقعہ معراج اس وقت پیش آیا جبکہ اسلام عام قبائل عرب میں پھیل چکا تھا ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ واقعہ معراج ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔ حربی کہتے ہیں کہ واقعہ اسراء و معراج ربیع الثانی کی ستائیسویں شب میں ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا ہے اور ابن قاسم ذہبی کہتے ہیں کہ بعثت سے اٹھارہ مہینے کے بعد واقعہ پیش آیا ہے اور مشہور عام طور پر یہ ہے کہ ماہ رجب کی ستائیسویں شب شب معراج ہے۔

مسجد حرام اور مسجد اقصےٰ کا بیان

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کون سی ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسجد حرام پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سی تو آپ نے فرمایا مسجد اقصے میں نے

دریافت کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا چالیس سال پھر فرمایا کہ (مسجدوں کی ترتیب تو یہ ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ساری زمین کو مسجد بنادیا ہے جس جگہ نماز کا وقت آجائے وہیں نماز ادا کرلیا کرو۔ (رواہ مسلم)

امام تفسیر مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ کو پوری زمین سے دو ہزار سال پہلے بنایا ہے اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین کے اندر تک پہنچی ہوئی ہیں اور مسجد اقصے کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا ہے۔

(رواہ النسائی باسناد صحیح عن عبداللہ بن عمر) تفسیر قرطبی ص ج ۴

اور مسجد حرام اس مسجد کا نام ہے جو بیت اللہ کے گرد بنی ہوئی ہے اور بعض اوقات پورے حرم کو بھی مسجد حرام سے تعبیر کیا جاتا ہے اس دوسرے معنی کے اعتبار سے دو روایتوں کا یہ تعارض بھی رفع ہوجاتا ہے کہ بعض روایات میں آپ کا اسراء کے لئے تشریف لیجانا حضرت ام ہانی کے مکان سے منقول ہے اور بعض میں حطیم بیت اللہ سے اگر مسجد حرام کے عام معنی لئے جائیں تو یہ کچھ مستبعد نہیں کہ پہلے آپ ام ہانی کے مکان میں ہوں وہاں سے چل کر حطیم کعبہ میں تشریف لائے پھر وہاں سے سفر اسراء کی ابتدا ہوئی واللہ اعلم۔

مسجد اقصے اور ملک شام کی برکات کا بیان

آیت میں بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ میں حَوْلَ سے مراد پوری زمین شام ہے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے دریائے فرات تک مبارک زمین بنائی ہے اور اس میں سے فلسطین کی زمین کو تقدس خاص عطا فرمایا ہے۔ (روح المعانی، سورہ الاسراء، بیروت)

اس کی برکات دینی بھی ہیں اور دنیاوی بھی دینی برکات تو یہ ہیں کہ وہ تمام انبیاء سابقین کا قبلہ اور تمام انبیاء علیہم السلام کا مسکن ومدفن بنے اور دنیوی برکات اس کی زمین کا سرسبز ہونا اور اس میں عمدہ چشمے نہریں باغات وغیرہ کا ہونا ہے۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ملک شام تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الاسراء، بیروت)

مقدس زمین میں دفن ہونے کی تمنا رکھنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ملک الموت کو موسیٰ کے پاس بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کے ایک گھونسہ مارا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس واپس گئے اور کہنے لگے کہ تو نے ایسے بندہ کے پاس مجھے بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم واپس جاکر اس سے کہو کہ تم کسی بیل کی پشت پر اپنا ہاتھ رکھو پس جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آجائیں گے تو ہر بال کے بدلے میں ایک سال کی عمر ملے گی، موسیٰ نے کہا کہ اے پروردگار پھر کیا ہوگا؟ اللہ نے کہا پھر موت آئے گی موسیٰ نے کہا تو ابھی آجائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا، موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی انہیں ارض مقدس سے ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ تک قریب کردے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں ان کی قبر راستہ کے کنارے سرخ ٹیلے کے نیچے دکھادیتا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 668)

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًاؕ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا کوئی کارساز نہ پکڑو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول تورات کا بیان

"وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَاب " التَّوْرَاة "أَ" نْ "لَا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا" يُفَوِّضُونَ إلَيْهِ أَمْرهمْ وَفِي قِرَاءَة تَتَّخِذُوا بِالْفَوْقَانِيَّةِ اِلْتِفَاتًا فَأَنْ زَائِدَة وَالْقَوْل مُضْمَر"

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب یعنی تورات دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا کہ تم میرے سوا کوئی کارساز نہ پکڑو۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ اپنے معاملات اس کے حوالے کر دیں ایک قرأت میں فوقانیہ کے ساتھ التفات کیلئے آیا ہے اور یہاں پر اَن زائدہ ہے اور قول مضمر ہے۔

ارشاد فرمایا گیا اور ہم ہی نے موسیٰ کو دی تھی وہ کتاب یعنی تورات جو کہ اپنے دور میں ہدایت و نور کا منبع و ماخذ تھی۔ مگر بعد میں اس کے حاملین و وارثین نے اس کو بدل کر کچھ کا کچھ کر دیا۔ یہاں تک کہ اب اس کے اصل نسخے کا وجود بھی کہیں باقی نہیں رہا۔ جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ یہ سب یقینی طور پر اللہ کلام ہے۔ بہرکیف اصل تورات آسمانی اور الہامی کتاب ہی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطاء فرمائی گئی تھی۔ اور اس کو سرچشمہ ہدایت بنایا گیا تھا بنی اسرائیل کیلئے۔ سو پہلی آیت کریمہ میں اکرام محمدی کا ذکر تھا جس سے معجزہ اسراء و معراج کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا گیا تھا۔ اور اب یہ اکرام موسیٰ کا ذکر ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطائے تورات کی صورت میں سرفراز فرمایا گیا تھا۔ (المحاسن، سورہ الاسراء، بیروت)

جن دنوں اسراء کا واقعہ پیش آیا اس وقت بیت المقدس بنی اسرائیل کی تولیت میں تھا۔ اسلام کا عرب کی بستی بستی تک چرچا ہو چکا تھا۔ مدینہ کے اوس و خزرج کے بعض افراد اسلام لا چکے تھے۔ یہود اسلام کی دعوت پر پوری طرح آگاہ تھے۔ بیت المقدس میں آپ کو لے جانے اور آپ کی امامت سے صاف اشارہ ملتا تھا کہ عنقریب بیت المقدس پر امت مسلمہ کا قبضہ ہو جانے والا ہے اور اس سورہ بنی اسرائیل کا آغاز جو واقعہ اسراء سے ہوا ہے تو محض تمہید کے طور ہوا ہے ورنہ اصل روئے سخن یہود ہی کی طرف ہے اور انہیں ان کی سابقہ تاریخ سے خبردار کرنے کے بعد متنبہ کیا جا رہا ہے کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ پیغمبر اسلام پر ایمان لے آئیں اور سرکشی کی روش چھوڑ دیں۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا

اے ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا! بے شک وہ بہت شکرگزار بندہ تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیان کردہ حمد کی تعریف کا بیان

"ذُرِّيَّة مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوح" فِي السَّفِينَة "شَكُورًا" كَثِير الشُّكْر لَنَا حَامِدًا فِي جَمِيع أَحْوَاله

اے ان لوگوں کی اولاد جنھیں ہم نے نوح علیہ السلام کی کشتی کے ساتھ سوار کیا! بے شک وہ بہت شکر گزار بندہ تھا یعنی ہر حالت میں ہماری حمد بیان کرنے والے تھے۔

اللہ کا شکر گزار بندہ ہونے کا بیان

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو (نماز پڑھنے کے لئے) اس قدر قیام کیا (یعنی اتنی دیر تک کھڑے رہے) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پاؤں پر ورم آ گیا (یہ حال دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب سے تو اگلے پچھلوں سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں اللہ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 1195)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○
اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں فیصلہ سنا دیا تھا کہ بے شک تم زمین میں ضرور دو بار فساد کرو گے اور
بے شک تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔

بنی اسرائیل کیلئے تورات میں فیصلہ ہونے کا بیان

"وَقَضَيْنَا" أَوْحَيْنَا "فِي الْكِتَاب" التَّوْرَاة "لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْض" أَرْض الشَّام بِالْمَعَاصِي "وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا" تَبْغُونَ بَغْيًا عَظِيمًا،

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب یعنی تورات میں فیصلہ سنا دیا تھا کہ بے شک تم زمین یعنی شام میں معاصی کے سبب ضرور دوبار فساد کرو گے اور بے شک تم ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔ یعنی بڑی سرکشی کرنے والے ہو۔

زمین شام میں دو مرتبہ فساد کشی سے متعلق پیش گوئی کا بیان

جو کتاب بنی اسرائیل پر اتری تھی اس میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے ہی سے خبر دے دی تھی کہ وہ زمین پر دو مرتبہ سرکشی کریں گے اور سخت فساد برپا کریں گے پس یہاں پر قضینا کے معنی مقرر کر دینا اور پہلے ہی سے خبر دے دینا کے ہیں۔ جیسے آیت (وقضینا الیہ ذالك الامر) میں یہی معنی ہیں۔ بس ان کے پہلے فساد کے وقت ہم نے اپنی مخلوق میں سے ان لوگوں کو ان کے اوپر مسلط کیا جو بڑے ہی لڑنے والے سخت جان اور ساز و سامان سے پورے لیس تھے وہ ان پر چھا گئے ان کے شہر چھین لئے لوٹ مار کر کے ان کے گھروں تک کو خالی کر کے بے خوف وخطر واپس چلے گئے، اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا کہتے ہیں کہ یہ جالوت کا لشکر تھا۔ پھر اللہ نے بنی اسرائیل کی مدد کی اور یہ حضرت طالوت کی بادشاہت میں پھر لڑے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موصل کے بادشاہ سخاریب اور اس کے لشکر نے ان پر فوج کشی کی تھی۔

بعض کہتے ہیں بابل کا بادشاہ بخت نصر چڑھ آیا تھا۔ابن ابی حاتم نے یہاں پر ایک عجیب وغریب قصہ نقل کیا ہے کہ کس طرح اس شخص نے بتدریج ترقی کی تھی۔ اولاً یہ ایک فقیر تھا پڑا رہتا تھا اور بھیک مانگ کر گزارہ کرتا تھا پھر تو بیت المقدس تک اس نے فتح کر لیا اور وہاں پر بنی اسرائیل کو بے دریغ قتل کیا۔

اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں نے ہمیں ان چیزوں کا محتاج نہیں رکھا مطلب صرف اس قدر ہے کہ بنی اسرائیل کی سرکشی کے وقت اللہ نے ان کے دشمن ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے انہیں خوب مزہ چکھایا بری طرح درگت بنائی ان کے بال بچوں کو تہ تیغ کیا انہیں اس قدر و ذلیل کیا کہ ان کے گھروں تک میں گھس کر ان کا ستیاناس کیا اور ان کی سرکشی کی پوری سزا دی۔ انہوں نے بھی ظلم وزیادتی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی عوام تو عوام انہوں نے تو نبیوں کے گلے کاٹے تھے، علماء کو سر بازار قتل کیا تھا۔ بخت نصر ملک شام پر غالب آیا بیت المقدس کو ویران کر دیا وہاں کم باشندوں کو قتل کیا پھر دمشق پہنچا یہاں دیکھا کہ ایک سخت پتھر پر خون جوش مار رہا ہے پوچھا یہ کیا ہے؟

لوگوں نے کہا ہم نے تو اسے باپ دادوں سے اسی طرح دیکھا ہے یہ خون برابر ابلتا رہتا ہے ٹھہرتا نہیں اس نے وہیں پر قتل عام شروع کر دیا ستر ہزار مسلمان وغیرہ اس کے ہاتھوں یہاں یہ قتل ہوئے پس وہ خون ٹھہر گیا۔ اس نے علماء اور حفاظ کو اور تمام شریف اور ذی عزت لوگوں کو بیدردی سے قتل کیا ان میں کوئی بھی حافظ تورات نہ بچا۔ پھر قید کرنا شروع کیا ان قیدیوں میں نبی زادے بھی تھے غرض ایک لرزہ خیز ہنگامہ ہوا لیکن چونکہ صحیح روایتوں سے بلکہ صحت کے قریب والی روایتوں سے بھی تفصیلات نہیں ملتی اس لئے ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔ نیکی کرنے والا دراصل اپنے لئے ہی بھلا کرتا ہے اور برائی کرنے والا حقیقت میں اپنا ہی برا کرتا ہے جیسے ارشاد ہے۔ آیت (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ، فصلت:46)

جو شخص نیک کام کرے وہ اس کے اپنے لئے ہے اور جو برائی کرے اس کا بوجھ اسی پر ہے۔ پھر جب دوسرا وعدہ آیا اور پھر بنی اسرائیل نے اللہ کی نافرمانیوں پر کھلے عام کمر کس لی اور بے باکی اور بے حیائی کے ساتھ ظلم کرنے شروع کر دیئے تو پھر ان کے دشمن چڑھ دوڑے کہ وہ ان کی شکلیں بگاڑ دیں اور بیت المقدس کی مسجد جس طرح پہلے انہوں نے اپنے قبضے میں کر لی تھی اب پھر دوبارہ کر لیں اور جہاں تک بن پڑے ہر چیز کا ستیاناس کر دیں چنانچہ یہ بھی ہو کر رہا۔ تمہارا رب تو ہے ہی رحم و کرم کرنے والا اور اس سے ناامیدی نازیبا ہے، یہ ممکن ہے کہ پھر سے دشمنوں کو پست کر دے ہاں یہ یاد رہے کہ ادھر تم نے سر اٹھایا ادھر ہم نے تمہارا سر کچلا۔ ادھر تم نے فساد مچایا ادھر ہم نے برباد کیا۔ یہ تو ہوئی دنیوی سزا۔ ابھی آخرت کی زبردست اور غیر فانی سزا باقی ہے۔ جہنم کافروں کا قید خانہ ہے جہاں سے نہ وہ نکل سکیں نہ چھوٹ سکیں نہ بھاگ سکیں۔ ہمیشہ کے لئے ان کا اوڑھنا بچھونا یہی ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پھر بھی انہوں نے سر اٹھایا اور بالکل فرمان الٰہی کو چھوڑا اور مسلمانوں سے ٹکرا گئے تو اللہ تعالی نے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر غالب کیا اور انہیں جزیہ دینا پڑا۔

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ الاسراء، بیروت)

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰـهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

پھر جب ان دونوں میں سے پہلی کا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی والے کچھ بندے بھیجے،

پس وہ گھروں کے اندر گھس گئے اور یہ ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا۔

فساد کے سبب بنی اسرائیل پر لشکر جالوت کے تسلط کا بیان

"فَإِذَا جَاء وَعْد أُولَاهُمَا" أُولَى مَرَّتَيْ الْفَسَاد "أُولِي بَأْس شَدِيد" أَصْحَاب قُوَّة فِي الْحَرْب وَالْبَطْش "فَجَاسُوا" تَرَدَّدُوا لِطَلَبِكُمْ "خِلَال الدِّيَار" وَسْط دِيَاركُمْ لِيَقْتُلُوكُمْ وَيَسْبُوكُمْ "وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا" وَقَدْ أَفْسَدُوا الْأُولَى بِقَتْلِ زَكَرِيَّا فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ جَالُوت وَجُنُوده فَقَتَلُوهُمْ وَسَبَوْا أَوْلَادهمْ وَخَرَّبُوا بَيْت الْمَقْدِس

پھر جب ان دونوں میں سے پہلی کا وعدہ آیا یعنی فساد کے دونوں مواقع میں سے پہلا موقع آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت لڑائی والے کچھ بندے بھیجے، جو بڑی جنگی طاقت والے تھے۔ تاکہ تمہارا محاسبہ کریں پس وہ گھروں کے اندر گھس گئے تاکہ تمہیں ڈھونڈ نکالیں اور تمہارے شہروں کے درمیان آئے تاکہ تمہیں قتل کردیں یا وہ تمہیں قید کردیں اور یہ ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا۔ اور انہوں نے پہلا فساد اس طرح شروع کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کردیا تو ان پر جالوت اور اس کے لشکر کو بھیجا تو انہوں نے ان کو قتل کردیا اور ان کی اولادوں کو قیدی بنالیا اور بیت المقدس کو منہدم کردیا۔

یہود کی پہلی بار فتنہ انگیزی اور اس کی سزا کا بیان

سیدنا موسیٰ کے ساتھ مصر سے آنے والے بنی اسرائیل جب فلسطین میں داخل ہوگئے تو انہیں حکم یہ تھا کہ فلسطین کا سارا علاقہ فتح کریں اور وہاں کے رہنے والے لوگوں کی اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے اجتناب کریں۔ مگر ایک تو انہوں نے سارے علاقہ کو فتح نہ کیا اور جو کرچکے تھے اس پر ہی قناعت کرلی۔ دوسرے وہ قبائلی عصبیت میں مبتلا ہوگئے اور مفتوحہ علاقہ کو بارہ حصوں میں تقسیم کرکے ہر قبیلہ نے الگ الگ حکومت قائم کرلی۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت کو کبھی استحکام نصیب نہ ہوسکا۔ نیز سابقہ اقوام کی اخلاقی اور اعتقادی بیماریاں یعنی شرک، بے حیائی اور بدکاری وغیرہ ان میں بھی پھیلنے لگیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو یکسر بھول گئے۔ سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان نے بہت حد تک اصلاح احوال کی اور ایک دفعہ پھر سے حکومت بنی اسرائیل کو مستحکم بنادیا۔ مگر جلد ہی بنی اسرائیل پھر سے انہیں بیماریوں اور خرابیوں میں مبتلا ہوگئے۔ بت پرستی اور بے حیائی عام ہوگئی اور حکومت بھی متزلزل ہوگئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر بابل کے بادشاہ بخت نصر نے دولت یہودیہ کو مسخر کیا اور بادشاہ کو قید کرلیا۔ اس دوران سیدنا یرمیاہ ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنے اعمال درست کرنے کے بجائے بابل کے

خلاف سازش اور بغاوت کر کے اپنی قسمت بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔

آخر ۵۸۷ ق م میں بخت نصر نے ایک زوردار حملہ کر کے سلطنت یہودیہ کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ کشت وخون کا بازار گرم کیا۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کر دیا۔ بہت سے قیدیوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور جو لوگ بچ رہے وہ ہمسایہ قوموں کے ہاتھ بری طرح ذلیل ہو کر رہے۔ یہ تھا وہ پہلا فساد جس سے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا تھا۔ جو قیدی وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا انہیں میں سے ایک عزیر علیہ السلام بھی تھے۔ ان قیدیوں کو سات سال بعد بخت نصر نے چھوڑ دیا۔ آپ جب واپس اپنے وطن آرہے تھے تو ایک اجڑی ہوئی اور برباد شدہ بستی دیکھی تو کہنے لگے اس بستی کو کیسے دوبارہ زندہ یا آباد کرے گا؟ یہ بستی بھی دراصل بخت نصر کے حملے میں ہی تباہ ہوئی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی مقام پر سیّدنا عزیر علیہ السلام کو موت دے دی۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا۝
پھر ہم نے ان کے اوپر غلبہ کو تمہارے حق میں پلٹا دیا اور ہم نے اموال واولاد کے ذریعے تمہاری مدد فرمائی
اور ہم نے تمہیں افرادی قوت میں بڑھا دیا۔

جالوت کے قتل کے بعد غلبہ واپس آنے کا بیان

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ "الْكَرَّةَ" الدَّوْلَةَ وَالْغَلَبَةَ "عَلَيْهِمْ" بَعْدَ مِائَةِ سَنَةٍ بِقَتْلِ جَالُوتَ "نَفِيْرًا" عَشِيْرَةً
پھر ہم نے ان کے اوپر جالوت کے قتل کے سو سال کے بعد غلبہ کو تمہارے حق میں پلٹا دیا اور ہم نے اموال واولاد کی کثرت کے ذریعے تمہاری مدد فرمائی اور ہم نے تمہیں افرادی قوت میں بھی بڑھا دیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

رددنا۔ ماضی جمع متکلم۔ ہم نے پھیر دیا۔ ہم نے لوٹا دیا۔ ہم نے واپس کر دیا۔ ہم نے پلٹا دیا۔ لکم تمہارے حق میں۔ الکرۃ۔ الکر کے اصل معنی ہیں کسی چیز کو بالذات یا بالفعل پلٹانا یا موڑ دینا۔ یہ اصل میں مصدر ہے مگر بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع کرور ہے (مادہ کرر) اسی سے الکرۃ بمعنی دوسری بار ثم رددنا لکم الکرۃ علیہم پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا۔ امددناکم۔ ماضی جمع متکلم کم ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ ہم نے تمہاری مدد کی امداد (افعال) سے۔ نفیرا۔ منصوب بوجہ تمیز کے ہے اکثر سے نفیر کنبہ یا قبیلہ کے افراد۔ یا یہ نفر کی جمع ہے جیسے عبد کی جمع عبید ہے اور کلب کی جمع کلیب ہے۔ یا نفر ینفر (ضرب) سے مصدر ہے۔ لڑائی کے لئے نکلنا۔ نفر القوم للقتال قوم لڑائی کے لئے نکلی، اکثرھم بفیرا۔ ای اکثر عددا۔ جعلنکم اکثر نفیرا۔ ہم نے تم کو کثیر التعداد بنا دیا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا
وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا۝

اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے لئے بھلائی کرو گے، اور اگر تم برائی کرو گے تو اپنی جان کے لئے، پھر جب دوسرے وعدہ کی گھڑی
آئی تا کہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تا کہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوں جیسے اس میں پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور
تا کہ جس پر غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر ڈالیں۔

بخت نصر کے ذریعے عذاب آنے کا بیان

"إِنْ أَحْسَنْتُمْ" بِالطَّاعَةِ "أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ" لِأَنْ ثَوَابه لَهَا "وَإِنْ أَسَأْتُمْ" بِالْفَسَادِ "فَلَهَا" إِسَاءَتُكُمْ "وَعْد" الْمَرَّة "الْآخِرَة" بَعَثْنَاهُمْ "لِيَسُوءُوا وُجُوهكُمْ" يُحْزِنُوكُمْ بِالْقَتْلِ وَالسَّبْي حُزْنًا يَظْهَر فِي وُجُوهكُمْ "وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِد" بَيْت الْمَقْدِس فَيُخَرِّبُوهُ "كَمَا دَخَلُوهُ" وَخَرَّبُوهُ "أَوَّل مَرَّة وَلِيُتَبِّرُوا" يُهْلِكُوا "مَا عَلَوْا" غَلَبُوا عَلَيْهِ "تَتْبِيرًا" هَلَاكًا وَقَدْ أَفْسَدُوا ثَانِيًا بِقَتْلِ يَحْيَى فَبَعَثَ عَلَيْهِمْ بُخْتُنَصَّر فَقَتَلَ مِنْهُمْ أُلُوفًا وَسَبَى ذُرِّيَّتهمْ وَخَرَّبَ بَيْت الْمَقْدِس،

اگر تم طاعت کے ساتھ بھلائی کرو گے تو اپنے ہی لئے بھلائی کرو گے، یعنی اس کا ثواب اسی کیلئے ہے۔ اور اگر تم برائی یعنی فساد کرو گے تو اپنی ہی جان کے لئے، پھر جب دوسرے وعدہ کی گھڑی آئی یعنی فساد کا دوسرا موقع آیا تو اور ظالموں کو تم پر مسلط کر دیا تا کہ مار مار کر تمہارے چہرے بگاڑ دیں یعنی تمہیں قتل کر دیں اور قیدی بنالیں۔ اور تمہیں اتنا رنج پہنچائیں جس کا اثر تمہارے چہروں پر ظاہر ہو۔ اور تا کہ مسجد اقصیٰ میں اسی طرح داخل ہوں جیسے اس میں حملہ آور لوگ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور تا کہ جس مقام پر غلبہ پائیں اسے تباہ و برباد کر ڈالیں۔ اور انہوں نے دوسرا فساد یہ کیا کہ انہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ تو ان کی طرف بخت نصر کو بھیجا جس نے ان کے ہزاروں کو قتل کر دیا اور ان کی اولادوں کو قیدی بنالیا اور بیت المقدس کو ویران کر چھوڑا۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝
تمہارا رب قریب ہے کہ تم پر رحم کرے اور اگر تم دوبارہ کرو گے تو ہم دوبارہ کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔

جہنم کا کفار کیلئے قید خانہ ہونے کا بیان

"يَرْحَمكُمْ" بَعْد الْمَرَّة الثَّانِيَة إِنْ تُبْتُمْ "وَإِنْ عُدْتُمْ" إِلَى الْفَسَاد "عُدْنَا" إِلَى الْعُقُوبَة وَقَدْ عَادُوا بِتَكْذِيبِ مُحَمَّد صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُلِّطَ عَلَيْهِمْ بِقَتْلِ قُرَيْظَة وَنَفْي النَّضِير وَضَرْب الْجِزْيَة عَلَيْهِمْ "حَصِيرًا" مَحْبِسًا وَسِجْنًا

تمہارا رب قریب ہے کہ تم پر رحم کرے یعنی اگر تم توبہ کر لو تو وہ دوسری مرتبہ تم پر رحم فرمائے گا۔ اور اگر تم دوبارہ فساد کرو گے تو ہم بھی دوبارہ سزا دیں گے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کی تکذیب کے سبب اس کا اعادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بنو قریظہ کے قتل اور بنو نضیر کی جلاوطنی اور ان پر جزیہ لازم کرنے میں آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرما دیا۔ اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے۔

دور نبوی ﷺ میں یہود کی فتنہ انگیزی اور اس کی سزا کا بیان

دو بار کی انتہائی سرکشی اور اس کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد دور نبوی ﷺ کے یہود کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم نے اس نبی آخر الزمان ﷺ سے وہی سرکشی اور بغاوت جاری رکھی جو تم سابقہ انبیاء کے وقت کرتے رہے تو پھر تمہیں ایسی ہی سزا ملے گی جیسے پہلے مل چکی ہے لیکن اس تنبیہ کا بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور یہود مدینہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کی بجائے آپ سے بدعہدیاں، شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں ہی کرتے رہے جس کے نتیجہ میں انہیں یہ سزا ملی کہ کچھ قتل کیے گئے، کچھ غلام بنائے گئے اور کچھ جلاوطن کیے گئے۔ حتیٰ کہ دور فاروقی میں سب یہود وہاں سے نکال کو خطہ عرب کو ان سے خالی کرالیا گیا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ
يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝
بلاشبہ یہ قرآن اس کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں،
بشارت دیتا ہے کہ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

ایمان و نیک اعمال والوں کی ثواب کی بشارت کا بیان

"لِلَّتِي" أَيْ لِلطَّرِيقَةِ الَّتِي "هِيَ أَقْوَم" أَعْدَل وَأَصْوَب وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا،

بلاشبہ یہ قرآن اس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا یعنی عدل و درستگی والا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

قرآن سیدھی راہ دکھلاتا ہے

حارث اعور کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا دیکھئے یہ لوگ کیسی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: "سن لو! عنقریب ایک فتنہ بپا ہوگا" میں نے پوچھا۔ "یارسول اللہ ﷺ اس فتنہ سے بچاؤ کی کیا صورت ہے؟" آپ نے فرمایا: "اس سے بچاؤ کی صورت اللہ کی کتاب ہے جس میں تم سے پہلے لوگوں کے بھی حالات ہیں اور بعد والوں کے بھی اور تمہارے باہمی معاملات کے متعلق حکم بھی ہے۔ وہ دوٹوک بات کہتا ہے ہنسی مذاق کی بات نہیں کہتا۔ جس نے اسے حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا اللہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ اور جس نے قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں سے راہ ڈھونڈھی اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔

وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور حکمتوں سے لبریز نصیحت ہے وہی صراط مستقیم ہے جس سے خواہشات کجرو نہیں ہوتیں اور لوگوں کی زبانیں اسے مشکوک نہیں بناتیں۔ اس سے عالم لوگ سیر نہیں ہوتے، اسے بار بار پڑھنے سے جی نہیں اکتاتا نہ وہ پرانا معلوم ہوتا

ہے۔اس کے عجائبات ختم ہونے میں نہیں آتے۔قرآن ایسی کتاب ہے کہ جب اسے جنوں نے سنا تو فوراً بول اٹھے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جس نے قرآن کے مطابق کلام کیا اس نے سچ کہا اور جس نے اس کے مطابق عمل کیا اسے اجر دیا جائے گا اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا اور جس نے لوگوں کو قرآن کی طرف بلایا اسے سیدھی راہ دکھلا دی گئی۔اعور! یہ باتیں خوب یاد رکھ لو۔(ترمذی۔ابواب فضائل القرآن)

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۝

اور یہ کہ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کیلئے دردناک عذاب ہونے کا بیان

"وَ" يُخْبِر "أَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا" أَعْدَدْنَا "لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا" مُؤْلِمًا هُوَ النَّار

اور وہ بیان کرتا ہے کہ بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔یعنی وہ آپ انہیں تکلیف پہنچانے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور پھر اس چیز کی پیروی کی جو اس (کتاب اللہ) کے اندر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں گمراہی سے ہٹا کر راہ ہدایت پر لگائے (یعنی اس کو ہدایت کے راستہ پر ثابت قدم رکھے گا اور گمراہی سے بچالے گا) اور قیامت کے دن اس کو برے حساب سے بچالے گا (یعنی اس سے مواخذہ نہیں ہوگا) اور ایک روایت میں ہے کہ جس شخص نے کتاب اللہ کی پیروی کی تو نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدبخت ہوگا (یعنی اسے عذاب نہیں دیا جائے گا) اس کے بعد عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی آیت (فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى، طہ:123) جس آدمی نے میری ہدایت (یعنی قرآن) کی پیروی کی نہ وہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ (آخرت میں) بدبخت ہوگا۔(رزین، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 185)

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۝

اور انسان برائی کی دعا کرتا ہے اپنے لئے بھلائی کی دعا کرنے کی طرح اور انسان ہمیشہ سے بہت جلد باز ہے۔

انسان کے جلد باز ہونے کا بیان

"وَيَدْعُ الْإِنْسَان بِالشَّرِّ" عَلَى نَفْسه وَأَهْله إِذَا ضَجِرَ "دُعَاءَهُ" أَيْ كَدُعَائِهِ لَهُ "بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَان" الْجِنْس "عَجُولًا" بِالدُّعَاءِ عَلَى نَفْسه وَعَدَم النَّظَر فِي عَاقِبَته

اور انسان برائی کی دعا کرتا ہے یعنی جب وہ تنگ آجاتا ہے تو اپنے لئے اور اپنے اہل وعیال کیلئے بددعا کرنے لگ جاتا ہے جس طرح اپنے لئے بھلائی کی دعا کرتا ہے اور انسان یعنی جنس انسان ہمیشہ سے بہت جلد باز ہے۔اور انجام کار کی فکر نہیں کرتا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں انسان سے کافر مراد ہے اور برائی کی دعا سے اس کا عذاب کی جلدی کرنا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نضر بن حارث کافر نے کہا یارب اگر یہ دین اسلام تیرے نزدیک حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا دردناک عذاب بھیج، اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ دعا قبول کر لی اور اس کی گردن ماری گئی۔

انسان کی جلد باز طبیعت اور اس کا نقصان کا بیان

اس آیت میں انسان کی اس فطرت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب اسے کوئی سانحہ پیش آتا ہے تو فوراً بددعا دینا شروع کر دیتا ہے خواہ وہ بددعا اس کے دشمنوں کے حق میں ہو یا اس کے اپنے حق میں ہو یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں ہو۔ پھر وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی یہ بددعا جلد قبول ہو جائے۔ حالانکہ بعد میں خود اسے احساس ہو جاتا ہے کہ اگر اس کی بددعا قبول ہو جاتی تو اس کا اسے کتنا زیادہ نقصان پہنچ سکتا تھا جیسا کہ ابوجہل نے اپنے حق میں بددعا کی تھی کہ اے اللہ! اگر یہ نبی اور یہ قرآن برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ اسی طرح مسلمان بھی کفار مکہ سے سختیاں برداشت کرنے پر بعض دفعہ بددعا کیا کرتے تھے۔ حالانکہ انہیں لوگوں میں سے اکثر بعد میں ایمان لے آئے تھے۔ اسی طرح بعض دفعہ انسان تنگ آ کر اپنی اولاد کے حق میں بددعا کر بیٹھتا ہے حالانکہ اگر اس کی دعا قبول ہو جاتی تو اسے اس وقت سے بہت زیادہ صدمہ پہنچتا جس وقت اس نے یہ بددعا مانگی تھی۔ گویا انسان کی جلد باز طبیعت اکثر اوقات نقصان دہ ہی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اللہ کے کاموں میں تدریج اور امہال کا قانون جاری وساری ہے جس میں طرح طرح کی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝
اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنایا، تاکہ تم اپنے رب کا کچھ فضل تلاش کرو اور تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اور ہر چیز، ہم نے اسے کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا۔

دن اور رات سے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت ہونے کا بیان

"وَجَعَلْنَا اللَّيْل وَالنَّهَار آيَتَيْنِ" دَالَّتَيْنِ عَلَى قُدْرَتنَا "فَمَحَوْنَا آيَة اللَّيْل" طَمَسْنَا نُورهَا بِالظَّلَامِ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالْإِضَافَة لِلْبَيَانِ "مُبْصِرَة" أَيْ مُبْصِرًا فِيهَا بِالضَّوْءِ "لِتَبْتَغُوا" فِيهِ "فَضْلًا مِنْ رَبّكُمْ" بِالْكَسْبِ "وَلِتَعْلَمُوا" بِهِمَا "عَدَد السِّنِينَ وَالْحِسَاب" لِلْأَوْقَاتِ "وَكُلّ شَيْء" يُحْتَاج إلَيْهِ "فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا" بَيَّنَّاهُ تَبْيِينًا

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، ان دونوں کی دلالت ہماری قدرت پر ہے۔ پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا یعنی اس کے اندھیرے کو روشنی سے مٹا دیا۔ تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو۔ اور یہاں پر آیۃ اللیل میں اضافت بیانیہ ہے۔ اور دن کی

نشانی کو روشن بنایا، کہ اس میں نظر آسکے۔تا کہ تم اپنے رب کا کچھ فضل تلاش کرو یعنی کسب کے ذریعے رزق تلاش کرو۔اور تا کہ تم ان دونوں کے سبب سالوں کی گنتی اور حساب یعنی اوقات معلوم کرو۔اور ہر چیز، ہم نے اسے کھول کر بیان کیا ہے، خوب کھول کر بیان کرنا۔جس کی طرف انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔

دن اور رات کے فوائد کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے دو کا یہاں بیان فرماتا ہے کہ دن رات اس نے الگ الگ طرح کے بنائے۔رات آرام کے لئے دن تلاش معاش کیلئے۔کہ اس میں کام کاج کرو صنعت وحرفت کرو سیر وسفر کرو۔رات دن کے اختلاف سے دنوں کی، جمعوں کی، مہینوں کی، برسوں کی گنتی معلوم کر سکو تا کہ لین دین میں، معاملات میں، قرض میں، مدت میں، عبادت کے کاموں میں سہولت اور پہچان ہو جائے۔اگر ایک وقت رہتا تو بڑی مشکل ہو جاتی سچ ہے اگر اللہ چاہتا تو ہمیشہ رات ہی رات رکھتا کوئی اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ دن کر دے اور اگر وہ ہمیشہ رات ہی رات رکھتا کوئی اتنی قدرت نہیں رکھتا کہ دن کر دے اور اگر وہ ہمیشہ دن ہی دن رکھتا تو کس کی مجال تھی کہ رات لا دے؟ یہ نشانات قدرت سننے دیکھنے کے قابل ہیں۔یہ اسی کی رحمت ہے کہ رات سکون کے لئے بنائی اور دن تلاش معاش کے لئے۔ان دونوں کو ایک دوسرے کے پیچھے لگا تار آنے والے بنایا تا کہ شکر ونصیحت کا ارادہ رکھنے والے کامیاب ہو سکیں۔اسی کے ہاتھ رات دن کا اختلاف ہے وہ رات کا پردہ دن پر اور دن کا نقاب رات پر چڑھا دیتا ہے۔سورج چاند اسی کی ماتحتی میں ہے ہر ایک اپنے مقررہ وقت پر چل پھر رہا ہے وہ اللہ غالب اور غفار ہے۔صبح کا چاک کرنے والا ہے اسی نے رات کو سکون والی بنایا ہے اور سورج چاند کو مقرر کیا ہے یہ اللہ عزیز وحلیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔رات اپنے اندھیرے سے چاند کے ظاہر ہونے سے پہچانی جاتی ہے اور دن روشنی سے اور سورج کے چڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔سورج چاند دونوں ہی روشن اور منور ہیں لیکن ان میں بھی پورا تفاوت رکھا کہ ہر ایک پہچان لیا جاسکے۔سورج کو بہت روشن اور چاند کو نورانی اسی نے بنایا ہے منزلیں اسی نے مقرر کی ہیں تا کہ حساب اور سال معلوم رہیں اللہ کی یہ پیدائش حق ہے۔الخ قرآن میں ہے لوگ تجھ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دے کہ وہ لوگوں کے لئے اوقات ہیں اور حج کے لئے بھی الخ رات کا اندھیرا ہٹ جاتا ہے دن کا اجالا آجاتا ہے۔سورج دن کی علامت ہے چاند رات کا نشان ہے۔اللہ تعالیٰ نے چاند کو کچھ سیاہی والا پیدا کیا ہے پس رات کی نشانی چاند کو بہ نسبت سورج کے اندر کر دیا ہے اس میں ایک طرح کا دھبہ رکھ دیا ہے۔ابن الکواء نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ چاند یہ جھائیں کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ ہم نے رات کے نشان یعنی چاند میں سیاہ دھند لکا ڈال دیا اور دن کا نشان خوب روشن ہے یہ چاند سے زیادہ منور اور چاند سے بہت بڑا ہے دن رات کو دو نشانیاں مقرر کر دی ہیں پیدائش ہی ان کی اسی طرح کی ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ الاسراء، بیروت)

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝

اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کا نوشتہ اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے، اور ہم اس کے لئے قیامت کے دن نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔

ہر انسان کی گردن میں اس کا نامہ اعمال لٹکا دینے کا بیان

"وَكُلّ إِنْسَان أَلْزَمْنَاهُ طَائِره" عَمَله يَحْمِلهُ "فِي عُنُقه" خُصَّ بِالذِّكْرِ لِأَنَّ اللُّزُوم فِيهِ أَشَدّ وَقَالَ مُجَاهِد : مَا مِنْ مَوْلُود يُولَد إِلَّا وَفِي عُنُقه وَرَقَة مَكْتُوب فِيهَا شَقِيّ أَوْ سَعِيد "كِتَابًا" مَكْتُوبًا فِيهِ عَمَله "يَلْقَاهُ مَنْشُورًا" صِفَتَانِ لِ "كِتَابًا"

اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کا نوشتہ اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے، جس کو اٹھائے ہوئے ہوگا اور یہاں گردن کا ذکر اس لئے خاص طور پر کیا کیونکہ سخت لازم ہے۔

حضرت مجاہد علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا کہ مگر اس کی گردن میں یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ خوش بخت ہے یا بد بخت ہے۔ اس میں اس کا عمل بھی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اور ہم اس کے لئے قیامت کے دن یہ نامہ اعمال نکالیں گے جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا۔ یہاں پر یلقاہ منشورا یہ کتاب کی صفت واقع ہوئے ہیں۔

نامہ اعمال کے آجانے کا بیان

اس دن انسان اپنے تمام اگلے پچھلے اعمال سے خبردار کر دیا جائے گا انسان تو اپنے معاملے میں خود ہی حجت ہے گو اپنی بیگناہی کے کتنے ہی بہانے پیش کر دے۔ اس وقت اس سے فرمایا جائے گا کہ تو خوب جانتا ہے کہ تجھ پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ اس میں وہی لکھا گیا ہے جو تو نے کیا ہے اس وقت چونکہ بھولی بسری چیزیں بھی یاد آ جائیں گی۔ اس لئے درحقیقت کوئی عذر پیش کرنے کی گنجائش نہ رہے گی پھر سامنے کتاب ہے جو پڑھ رہا ہے خواہ وہ دنیا میں ان پڑھ ہی تھا لیکن آج ہر شخص اسے پڑھ لے گا۔ گردن کا ذکر خاص طریقے پر اس لئے کیا کہ وہ ایک مخصوص حصہ ہم اس میں جو چیز لٹکا دی گئی ہو چپک گئی ضروری ہو گئی شاعروں نے بھی اس خیال کو ظاہر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے بیماری کا متعدی ہونا کوئی چیز نہیں، فال کوئی چیز نہیں، ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار ہے اور روایت میں ہے کہ ہر انسان کا شگون اس کے گلے کا ہار ہے۔ آپ کا فرمان ہے کہ ہر دن کے عمل پر مہر لگ جاتی ہے جب مومن بیمار پڑتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں اے اللہ تو نے فلاں کو تو روک لیا ہے اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے اس کے جو عمل تھے وہ برابر لکھتے جاؤ یہاں تک کہ میں اسے تندرست کر دوں یا فوت کر دو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں طائر سے مراد عمل ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اے ابن آدم تیرے دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں صحیفے کھلے رکھے ہیں داہنی جانب والا نیکیاں اور بائیں طرف والا بدیاں لکھ رہا ہے اب تجھے اختیار ہے نیکی کر یا بدی کر یا زیادہ تیری موت پر یہ دفتر لپیٹ دئے

جائیں گے اور تیری قبر میں تیری گردن میں لٹکا دیئے جائیں گے قیامت کے دن کھلے ہوئے تیرے سامنے پیش کردئے جائیں گے اور تجھ سے کہا جائے گا لے اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور تو ہی حساب اور انصاف کر لے۔ اللہ کی قسم وہ بڑا ہی عادل ہے جو تیرا معاملہ تیرے ہی سپرد کر رہا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ الاسراء، بیروت)

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝
اپنی کتاب پڑھ لے، آج تو اپنا حساب جانچنے کے لئے خود ہی کافی ہے۔

نامہ اعمال کو پڑھنے کا حکم دینے کا بیان

اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ "حَسِيبًا" مُحَاسِبًا

اس سے کہا جائے گا اپنی کتاب یعنی اعمال پڑھ لے، آج تو اپنا حساب جانچنے کے لئے خود ہی کافی ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اقرأ۔ تو پڑھ۔ امر۔ واحد مذکر حاضر۔ قراءۃ مصدر۔ باب فتح ونصر سے مستعمل ہے، اس سے قبل یقال لہ مقدر ہے۔ ای یقال له اقرأ۔ اس سے کہا جائے گا پڑھ۔ کتابک۔ ای کتاب اعمالک۔ اپنا نامہ اعمال۔

كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا ۔بنفسك میں باء زائدہ ہے۔ نفسك مضاف مضاف الیہ مل کر کفی کا فاعل ہے۔ یعنی حساب لگانے میں آج تو خود ہی کافی ہے۔ تیری اپنی ذات ہی کافی ہے (یعنی تیرا نامہ اعمال بذاتِ خود تجھ پر تیرے دنیاوی اعمال کی حقیقت واضح کر دے گا) کفی۔ ماضی واحد مذکر غائب ماضی بمراد استمرار ہے یعنی اس طرح کفایت کرنے والا۔ ضرورت پوری کرنے والا کہ اس کے بعد کسی کی حاجت نہ رہے۔ کفایۃ مصدر۔ اسم مصدر بھی ہے۔ وہ چیز جو ضرورت کو پوری کردے اور اس کے بعد کسی کی حاجت نہ رہے۔ اسی سے الکافی۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے کہ وہ ذات پاک ضرورت کو پوری کرنے والی ہے اور اس کے بعد کسی کی حاجت نہیں۔ حسیبا۔ بروزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ حساب لینے والا۔ حساب کرنے والا۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ
وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝
جس نے ہدایت پائی تو وہ اپنی ہی جان کے لیے ہدایت پاتا ہے اور جو گمراہ ہوا تو اسی پر گمراہ ہوتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی
کسی دوسری کا بوجھ نہیں اٹھاتی اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔

ہدایت و گمراہی کا ورود فاعل کی جانب منسوب ہونے کا بیان

"مَنْ اهْتَدَى فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ "لِأَنَّ ثَوَاب اهْتِدَائِهِ لَهُ "وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلّ عَلَيْهَا "لِأَنَّ إثْمه

عَلَيْهَا "وَلَا تَزِر" لَا تَزِر نَفْس "وَازِرَة" آثِمَة أَيْ لَا تَحْمِل "وِزْر" نَفْس "أُخْرَى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ" أَحَدًا "حَتَّى نَبْعَث رَسُولًا" يُبَيِّن لَهُ مَا يَجِب عَلَيْهِ

جس نے ہدایت پائی تو وہ اپنی ہی جان کے لیے ہدایت پاتا ہے کیونکہ اس کی ہدایت کا ثواب اسی کیلئے ہے۔ اور جو گمراہ ہوا تو اسی پر گمراہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی گمراہی کا گناہ اسی پر ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتی اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں، یہاں تک کہ کوئی پیغام پہنچانے والا بھیجیں۔ یعنی جو عذاب آنے کے بارے میں بتا دے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کی اولاد کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اپنے آباء کے ساتھ ہوں گے پھر اس کے بعد سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ زندہ رہتے تو کیا اعمال کرنے والے تھے پھر اسلام کے مستحکم ہو جانے کے بعد سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ فطرت اسلام پر ہیں یا فرمایا کہ وہ جنت میں ہیں۔

کفار کے نابالغ بچوں کی جنت ہونے یا نہ ہونے کی بحث کا بیان

کافروں کے جو نابالغ چھوٹے بچے بچپن میں مر جاتے ہیں اور جو دیوانے لوگ ہیں اور نیم بہرے اور جو ایسے زمانے میں گزرے ہیں جس وقت زمین پر کوئی رسول یا دین کی صحیح تعلیم نہیں ہوتی اور انہیں دعوت اسلام نہیں پہنچتی اور جو بالکل بڈھے حواس باختہ ہوں ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اس بارے میں شروع سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ ان کے بارے میں جو حدیثیں ہیں وہ میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں پھر ائمہ کا کلام بھی مختصراً ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ مدد کرے۔

پہلی حدیث مسند احمد میں ہے چار قسم کے لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے گفتگو کریں گے ایک تو بالکل بہرا آدمی جو کچھ بھی نہیں سنتا اور دوسرا بالکل احمق پاگل آدمی جو کچھ بھی نہیں جانتا، تیسرا بالکل بڈھا پھوس آدمی جس کے حواس درست نہیں، چوتھے وہ لوگ جو ایسے زمانوں میں گزرے ہیں جن میں کوئی پیغمبر یا اس کی تعلیم موجود نہ تھی۔ بہرا تو کہے گا اسلام آیا لیکن میرے کان میں کوئی آواز نہیں پہنچی، دیوانہ کہے گا کہ اسلام آیا لیکن میری حالت تو یہ تھی کہ بچے مجھ پر مینگنیاں پھینک رہے تھے اور بالکل بڈھے بیحواس آدمی کہیں گے کہ اسلام آیا لیکن میرے ہوش حواس ہی درست نہ تھے جو میں سمجھ کر سکتا رسولوں کے زمانوں کا اور ان کی تعلیم کو موجود نہ پانے والوں کا قول ہوگا کہ نہ رسول آئے نہ میں نے حق پایا پھر میں کیسے عمل کرتا؟ اللہ تعالیٰ ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ اچھا جاؤ جہنم میں کود جاؤ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر وہ فرماں برداری کر لیں اور جہنم میں کود پڑیں تو جہنم کی آگ ان پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جائے گی۔ اور روایت میں ہے کہ جو کود پڑیں گے ان پر تو سلامتی اور ٹھنڈک ہو جائے گی اور جو رکیں گے انہیں حکم عدولی کے باعث گھسیٹ کی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ابن جریر میں اس حدیث کے بیان کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کی تصدیق میں کلام اللہ کی آیت (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا 15)-17 الاسراء:15) پڑھ لو دوسری حدیث ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ ابو حمزہ مشرکوں کے بچوں کے بارے

میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ وہ گنہگار نہیں جو دوزخ میں عذاب کئے جائیں اور نیکوکار بھی نہیں جو جنت میں بدلہ دئے جائیں۔ تیسری حدیث ابویعلی میں ہے کہ ان چاروں کے عذر سن کر جناب باری فرمائے گا کہ اوروں کے پاس تو میں اپنے رسول بھیجتا تھا لیکن تم سے میں آپ کہتا ہوں کہ جاؤ اس جہنم میں چلے جاؤ جہنم میں سے بھی فرمان باری سے ایک گردن اونچی ہوگی اس فرمان کو سنتے ہی وہ لوگ جو نیک طبع ہیں فوراً دوڑ کر اس میں کود پڑیں گے اور جو باطن ہیں وہ کہیں گے اللہ پاک ہم اسی سے بچنے کے لئے تو یہ عذر معذرت کر رہے تھے اللہ فرمائے گا جب تم خود میری نہیں مانتے تو میرے رسولوں کی کیا مانتے اب تمہارے لئے فیصلہ یہی ہے کہ تم جہنمی ہو اور ان فرمانبرداروں سے کہا جائے گا کہ تم بیشک جنتی ہو تم نے اطاعت کرلی۔

چوتھی حدیث مسند حافظ ابویعلی موصلی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی اولاد کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہے۔ پھر مشرکین کی اولاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ اپنے باپوں کے ساتھ، تو کہا گیا یا رسول اللہ انہوں نے کوئی عمل تو نہیں کیا آپ نے فرمایا ہاں لیکن اللہ انہیں بخوبی جانتا ہے۔ پانچویں حدیث۔ حافظ ابوبکر احمد بن عمر بن عبدالخالق بزار رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اہل جاہلیت اپنے بوجھ اپنی کمروں پر لادے ہوئے آئیں گے اور اللہ کے سامنے عذر کریں گے کہ نہ ہمارے پاس تیرے رسول پہنچے نہ ہمیں تیرا کوئی حکم پہنچا اگر ایسا ہوتا تو ہم جی کھول کر مان لیتے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب اگر حکم کروں تو مان لوگے؟ وہ کہیں گے ہاں ہاں بیشک بلا چون و چرا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا اچھا جاؤ جہنم کے پاس جا کر اس میں داخل ہو جاؤ یہ چلیں گے یہاں تک کہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے اب جو اس کا جوش اور اس کی آواز اور اس کے عذاب دیکھیں گے۔

تو واپس آ جائیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہمیں اس سے تو بچا لے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا دیکھو تو اقرار کر چکے ہو کہ میری فرمانبرداری کروگے پھر یہ نافرمانی کیوں؟ وہ کہیں گے اچھا اب اسے مان لیں گے اور کر گزریں گے چنانچہ ان سے مضبوط عہد و پیمان لئے جائیں گے، پھر یہی حکم ہوگا یہ جائیں گے اور پھر خوفزدہ ہو کر واپس لوٹیں گے اور کہیں گے اے اللہ ہم تو ڈر گئے ہم سے تو اس فرمان پر کاربند نہیں ہوا جاتا۔ اب جناب باری فرمائے گا تم نافرمانی کر چکے اب جاؤ ذلت کے ساتھ جہنمی بن جاؤ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی مرتبہ ہی یہ بحکم الٰہی اس میں کود جاتے تو آتش دوزخ ان پر سرد پڑ جاتی اور ان کا ایک رواں بھی نہ جلاتی۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کا متن معروف نہیں ایوب سے صرف عباد ہی روایت کرتے ہیں اور عباد سے صرف ریحان بن سعید روایت کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسے ابن حبان نے ثقہ بتلایا ہے۔ یحییٰ بن معین اور نسائی کہتے ہیں ان میں کوئی ڈر خوف کی بات نہیں۔ ابوداؤد نے ان سے روایت نہیں کی۔ ابوحاتم کہتے ہیں یہ شیخ ہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔ ان کی حدیثیں لکھائی جاتی ہیں اور

چھٹی حدیث۔ امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ روایت لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خالی زمانے

والے اور مجنون اور بچے اللہ کے سامنے آئیں گے ایک کہے گا میرے پاس تیری کتاب پہنچی ہی نہیں، مجنوں کہے گا میں بھلائی برائی کی تمیز ہی نہیں رکھتا۔ بچہ کہے گا میں نے سمجھ بوجھ کا بلوغت کا زمانہ پایا ہی نہیں۔ اسی وقت ان کے سامنے آگ شعلے مارنے لگے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے ہٹا دو تو جو لوگ آئندہ نیکی کرنے والے تھے وہ تو اطاعت گزار ہو جائیں گے اور جو اس عذر کے ہٹ جانے کے بعد بھی نافرمانی کرنے والے تھے وہ رک جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تم میری ہی براہ راست نہیں مانتے تو میرے پیغمبروں کی کیا مانتے؟

ساتویں حدیث۔ انہی تین شخصوں کے بارے میں اوپر والی احادیث کی طرح اس میں یہ بھی ہے کہ جب یہ جہنم کے پاس پہنچیں گے تو اس میں سے ایسے شعلے بلند ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ تو ساری دنیا کو جلا کر بھسم کر دیں گے دوڑتے ہوئے واپس لوٹ آئیں گے پھر دوبارہ یہی ہوگا اللہ عزوجل فرمائے گا۔ تمہاری پیدائش سے پہلے ہی تمہارے اعمال کی خبر تھی میں نے علم ہوتے ہوئے تمہیں پیدا کیا تھا اسی علم کے مطابق تم ہو۔ اے جہنم انہیں دبوچ لے چنانچہ اسی وقت آگ انہیں لقمہ بنا لے گی۔

آٹھویں حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان کے اپنے قول سمیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ بخاری و مسلم میں آپ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہر بچہ دین اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں"۔ جیسے کہ بکری کے صحیح سالم بچے کے کان کاٹ دیا کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر وہ بچپن میں ہی مر جائے تو؟ آپ نے فرمایا اللہ کو ان کے اعمال کی صحیح اور پوری خبر تھی۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ مسلمان بچوں کی کفالت جنت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد یکسو مخلص بنایا ہے۔ ایک روایت میں اس کے ساتھ ہی مسلمان کا لفظ بھی ہے۔

نویں حدیث حافظ ابوبکر برقانی اپنی کتاب المستخرج علی البخاری میں روایت لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے لوگوں نے با آواز بلند دریافت کیا کہ مشرکوں کے بچے بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مشرکوں کے بچے بھی۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ مشرکوں کے بچے اہل جنت کے خادم بنائے جائیں گے۔

دسویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں کون کون جائیں گے۔ آپ نے فرمایا نبی اور شہید بچے اور زندہ درگور کئے ہوئے بچے۔ علماء میں سے بعض کا مسلک تو یہ ہے کہ ان کے بارے میں ہم توقف کرتے ہیں، خاموش ہیں ان کی بھی گزر چکی۔ بعض کہتے ہیں یہ جنتی ہیں ان کی دلیل معراج والی وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری شریف میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے اس خواب میں ایک شیخ کو ایک جنتی درخت تلے دیکھا، جن کے پاس بہت سے بچے تھے۔ سوال پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں کی اور مشرکوں کی اولاد ہیں، لوگوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اولاد بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں مشرکین کی

اولاد بھی۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ دوزخی ہیں کیونکہ ایک حدیث میں ہے کہ وہ اپنے باپوں کے ساتھ ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں ان کا امتحان قیامت کے میدانوں میں ہو جائے گا۔ اطاعت گزار جنت میں جائیں گے، اللہ اپنے سابق علم کا اظہار کر کے پھر انہیں جنت میں پہنچائے گا اور بعض بوجہ اپنی نافرمانی کے جو اس امتحان کے وقت ان سے سرزد ہوگی اور اللہ تعالیٰ اپنے پہلا علم آشکارا کر دے گا۔ اس وقت انہیں جہنم کا حکم ہوگا۔ اس مذہب سے تمام احادیث اور مختلف دلیلوں میں جمع ہو جاتی ہے اور پہلے کی حدیثیں جو ایک دوسری کو تقویت پہنچاتی ہیں اس معنی کی کئی ایک ہیں۔

شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی مذہب اہل سنت و جماعت کا نقل فرمایا ہے۔ اور اسی کی تائید امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاعتقاد میں کی ہے۔ اور بھی بہت سے محققین علماء اور پرکھ والے حافظوں نے یہی فرمایا ہے۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ عزی نے امتحان کی بعض روایتیں بیان کر کے لکھا ہے اس بارے کی حدیثیں قوی نہیں ہیں اور ان سے حجت ثابت نہیں ہوتی اور اہل علم کا انکار کرتے ہیں اس لئے کہ آخرت دار جزا ہے، دار عمل نہیں ہے اور نہ دار امتحان ہے۔ اور جہنم میں جانے کا حکم بھی تو انسانی طاقت سے باہر کا حکم ہے اور اللہ کی یہ عادت نہیں۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا جواب بھی سن لیجئے، اس بارے جو حدیثیں ہیں، ان میں سے بعض تو بالکل صحیح ہیں۔ جیسے کہ ائمہ علماء نے تصریح کی ہے۔ بعض حسن ہیں اور بعض ضعیف بھی ہیں لیکن وہ بوجہ صحیح اور حسن احادیث کے قوی ہو جاتی ہیں۔ اور جب یہ ہے تو ظاہر ہے کہ یہ حدیثیں حجت و دلیل کے قابل ہو گئیں اب رہا امام صاحب کا یہ فرمان کہ آخرت دار عمل اور دار امتحان نہیں وہ دار جزا ہے۔ یہ بیشک صحیح ہے لیکن اس سے اس کی نفی کیسے ہوگئی کہ قیامت کے مختلف میدانوں کی پیشیوں میں جنت دوزخ میں داخلے سے پہلے کوئی حکم احکام نہ دئے جائیں گے۔

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے تو مذہب اہل سنت و جماعت کے عقائد میں بچوں کے امتحان کو داخل کیا ہے۔ مزید بار آں آیت قرآن آیت (یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّیُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ،القلم:42) اس کی کھلی دلیل ہے کہ منافق و مومن کی تمیز کے لئے پنڈلی کھول دی جائے گی اور سجدے کا حکم ہوگا۔ صحاح کی احادیث میں ہے کہ مومن تو سجدہ کر لیں گے اور منافق الٹے منہ پیٹھ کے بل گر پڑیں گے۔

بخاری و مسلم میں اس شخص کا قصہ بھی ہے جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا کہ وہ اللہ سے وعدے وعید کرے گا سوا اس سوال کے اور کوئی سوال نہ کرے گا اس کے پورا ہونے کے بعد وہ اپنے قول قرار سے پھر جائے گا اور ایک اور سوال کر بیٹھے گا وغیرہ۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ابن آدم تو بڑا ہی عہد شکن ہے اچھا جا، جنت میں چلا جا۔ پھر امام صاحب کا یہ فرمانا کہ انہیں ان کی طاقت سے خارج بات کا یعنی جہنم میں کود پڑنے کا حکم کیسے ہو گیا؟ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ بھی صحت حدیث میں کوئی روک پیدا نہیں کر سکتا۔ خود امام صاحب اور تمام مسلمان مانتے ہیں کہ پل صراط پر سے گزرنے کا حکم سب کو ہوگا جو جہنم کی پیٹھ پر ہوگا اور تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہوگا۔ مومن اس پر سے اپنی نیکیوں کے اندازے سے گزر جائیں

گے۔بعض مثل بجلی کے،بعض مثل ہوا کے،بعض مثل گھوڑوں کے بعض مثل اونٹوں کے،بعض مثل بھاگنے والوں کے،بعض مثل پیدل جانے والوں کے،بعض گھٹنوں کے بل سرک سرک کر،بعض کٹ کٹ کر،جہنم میں پڑیں گے۔پس جب یہ چیز وہاں ہے تو انہیں جہنم میں کود پڑنے کا حکم تو اس سے کوئی نہیں بلکہ یہ اس سے بڑا اور بہت بھاری ہے۔اور سنئے حدیث میں ہے کہ دجال کے ساتھ آگ اور باغ ہوگا۔شارع علیہ السلام نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ جسے آگ دیکھ رہے ہیں اس میں سے پئیں وہ ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کی چیز ہے۔پس یہ اس واقعہ کی صاف نظیر ہے۔اور لیجئے بنو اسرائیل نے جب گوسالہ پرستی کی اس کی سزا میں اللہ نے حکم دیا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں ایک ابر نے آ کر انہیں ڈھانپ لیا اب جو تلوار چلی تو صبح ہی صبح ابر پھٹنے سے پہلے ان میں سے ستر ہزار آدمی قتل ہو چکے تھے۔بیٹے نے باپ کو اور باپ نے بیٹے کو قتل کیا کیا یہ حکم اس حکم سے کم تھا؟ کیا اس کا عمل نفس پر گراں نہیں؟ پھر تو اس کی نسبت بھی کہہ دینا چاہیے تھے کہ اللہ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ان تمام بحثوں کے صاف ہونے کے بعد اب سنئے۔مشرکین کے بچپن میں مرے ہوئے بچوں کی بابت بھی بہت سے اقوال ہیں۔

ایک یہ کہ یہ سب جنتی ہیں،ان کی دلیل وہی معراج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس مشرکوں اور مسلمانوں کے بچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا ہے اور دلیل ان کی مسند کی وہ روایت ہے جو پہلے گزر چکی کہ آپ نے فرمایا بچے جنت میں ہیں۔ ہاں امتحان ہونے کی جو حدیثیں گزریں وہ ان میں سے خصوص ہیں۔پس جن کی نسبت رب العالمین کو معلوم ہے کہ وہ مطیع اور فرمانبردار ہیں ان کی روحیں عالم برزخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ہیں اور مسلمانوں کے بچوں کی روحیں بھی۔اور جن کی نسبت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ قبول کرنے والی نہیں،ان کا امر اللہ کے سپرد ہے،وہ قیامت کے دن جہنمی ہوں گے۔جیسے کہ احادیث امتحان سے ظاہر ہے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ الاسراء،بیروت)

وَ اِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۝
اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم وہاں کے امراء اور خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں
نافرمانی کرتے ہیں پس اس پر ہمارا فرمان واجب ہو جاتا ہے پھر ہم اس بستی کو بالکل ہی مسمار کر دیتے ہیں۔

احکام الٰہی کی اطلاع کے بعد عذاب آنے کا بیان

وَاِذَا أَرَدْنَـا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا "مُتْرَفِيهَا" مُـنَـعَّـمِيهَـا بِـمَعْنَى رُؤَسَائِهَا بِالطَّاعَةِ عَلَى لِسَانِ رُسُلِنَا "فَفَسَقُوا فِيهَا " فَـخَرَجُوا عَنْ أَمْرِنَا "فَـحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْل" بِالْعَذَابِ "فَـدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا" أَهْـلَكْنَاهَا بِإِهْلَاكِ أَهْلِهَا وَتَخْرِيبِهَا،

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم وہاں کے امراء اور خوشحال لوگوں کو کوئی حکم دیتے ہیں یعنی وہاں سردار لوگوں کو اپنے رسولان گرامی کی زبانی حکم دیتے ہیں۔پس وہ ہمارے حکم سے نکل جائیں تو ہمارا عذاب ان پر لازم ہو جاتا ہے۔

تو وہ اس بستی میں نافرمانی کرتے ہیں پس اس پر ہمارا فرمان عذاب واجب ہو جاتا ہے پھر ہم اس بستی کو بالکل ہی مسمار کر دیتے ہیں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

امرنا۔ امر سے۔ ماضی جمع متکلم۔ ہم نے حکم دیا۔ امرنا کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ امرنا بمعنی امرنا ہے یعنی ہم امیر بنا دیتے ہیں یعنی حاکم کر دیتے ہیں اہل ثروت کو۔ اور وہ دولت واقتدار کے نشے میں فسق وفجور کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بعض کے نزدیک امرنا بمعنی اکثرنا ہے یعنی ہم اہل ثروت کی تعداد کثیر کر دیتے ہیں اور وہ دولت کے نشے میں فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک امرنا مترفیھا کے بعد یہ عبارت مقدر ہے **بالطاعۃ علی لسان الرسول** یعنی ہم وہاں کے اہل ثروت اشخاص کو ان کے رسول کے ذریعہ اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ نافرانی کرتے ہیں۔

مترفیھا۔ اسم مفعول جمع مذکر حالت نصب۔ مضاف ھا مضاف الیہ ضمیر بستی کی طرف راجع ہے۔ اصل میں مترفین تھا اضافت کی وجہ سے نونِ اعرابی گر گیا۔ بستی کے دولت مند۔ اہل ثروت صاحب اقتدار لوگ۔

مترفی ۔ صاحبِ دولت۔ اسم فاعل۔ اتراف (افعال) سے جس کے معنی عیش وآرام دینا۔ فراغت کی زندگی دینا ہے۔ اترف زید زید کو خوش حالی دی گئی **فھو مترف** ۔ پس وہ آسودہ حالی اور کثرت دولت سے بدمست ہے **اترفتہ النعمۃ**۔ عیش نے اس کو بے راہ کر دیا۔ قرآن مجید میں اور جگہ آیا ہے **واترفنھم فی الحیوۃ الدنیا** ،اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی۔

فحق علیھا القول ۔ای فوجب علیھا الوعید پس عذاب کا فرمان ان پر واجب ہو جاتا ہے۔ **القول ۔ای کلمۃ العذاب ۔فدمرنھا تدمیرا ۔ ف** عطف سببی کے لئے ہے دمرنا۔ فعل با فاعل ھا مفعول تدمیرا۔ مصدر برائے تاکید لایا گیا ہے۔ پس ہم اس کو تہس نہس کر دیتے ہیں۔ دمر یدمر تدمیر (تفعیل) ہلاک کرنا۔ اکھاڑ مارنا۔ تباہی لا ڈالنا۔ اور جگہ ارشاد ہے **دمر اللہ علیھم)** اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی ڈال دی۔

اجتماعی بداعمالیوں کے سبب عذاب آنے کا بیان

جب بداعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعۃً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے، بلکہ اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے۔ اول پیغمبر یا اس کے نائبین کی زبانی خدائی احکام ان کو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہاں کے امراء اور بارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے، آگاہ کیا جاتا ہے۔ جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بندوں نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم ومکدر بنا دیتے ہیں، اس وقت وہ بستی اپنے کو اعلانیہ مجرم ثابت کر کے عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ۝

اور ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا کافی ہے۔

کثیر قوموں کی عذاب الٰہی کے سبب ہلاکت کا بیان

"وَكَمْ" أَيْ كَثِيرًا "أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ" الْأُمَمِ "خَبِيرًا بَصِيرًا" عَالِمًا بِبَوَاطِنِهَا وَظَوَاهِرِهَا وَبِهِ يَتَعَلَّقُ بِذُنُوبِ،

اور ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد کتنے ہی زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے یعنی کثیر قوموں کو ہلاک کیا۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کی پوری خبر رکھنے والا، سب کچھ دیکھنے والا کافی ہے۔ جو ان کے باطن وظاہر کو جاننے والا ہے۔ اور اسی سے ان کے گناہ متعلق ہیں۔ یعنی ان کے گناہ ظاہری ہیں یا پوشیدہ ہیں جو اللہ کے علم میں ہیں۔ بعض علماء نے یہاں سہو ذکر کیا ہے۔

انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والوں کیلئے ہلاکت کا بیان

اے قریشیو! ہوش سنبھالو میرے اس رسول مکرم ﷺ کی تکذیب کر کے بے خوف نہ ہو جاؤ تم اپنے سے پہلے نوح علیہ السلام کے بعد کے لوگوں کو دیکھو کہ رسولوں کی تکذیب نے ان کا نام ونشان مٹا دیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نوح سے پہلے کے حضرت آدم علیہ السلام تک کے لوگ دین اسلام پر تھے۔ پس تم اے قریشیو! کچھ ان سے زیادہ ساز وسامان اور گنتی اور طاقت والے نہیں ہو۔ اس کے باوجود کہ تم اشرف الرسل خاتم الانبیاء کو جھٹلا رہے ہو پس تم عذاب اور سزا کے زیادہ لائق ہو۔ اللہ تعالیٰ پر اپنے کسی بندے کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں خیر وشر سب پر ظاہر ہے، کھلا چھپا سب وہ جانتا ہے ہر عمل کو خود دیکھ رہا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

جو کوئی صرف دنیا کی خوشحالی چاہتا ہے تو ہم اسی دنیا میں جسے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں جلدی دے دیتے ہیں پھر ہم نے اس کے لئے دوزخ بنا دی ہے جس میں وہ ملامت سنتا ہوا دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔

دنیا میں صلہ مانگنے والے کا بیان

"مَنْ كَانَ يُرِيد" بِعَمَلِهِ "الْعَاجِلَة" أَيْ الدُّنْيَا "عَجَّلْنَا لَهُ" التَّعْجِيل لَهُ بَدَل مِنْ لَهُ بِإِعَادَةِ الْجَارّ "ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ" فِي الْآخِرَة "جَهَنَّم يَصْلَاهَا" يَدْخُلهَا "مَذْمُومًا" مَلُومًا "مَدْحُورًا" مَطْرُودًا عَنْ الرَّحْمَة

جو کوئی صرف دنیا کی خوشحالی کی صورت میں اپنی محنت کا جلدی بدلہ دنیا میں چاہتا ہے، یہاں پر من لہ یہ اعادہ جار سے بدل ہے

تو ہم اسی دنیا میں جسے چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں جلدی دے دیتے ہیں پھر ہم نے آخرت میں اس کے لئے دوزخ بنادی ہے جس میں وہ ملامت سنتا ہوا، رب کی رحمت سے دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔

یہ ضروری نہیں کہ طالب دنیا کی ہر خواہش پوری کی جائے اور اسے دیا ہی جائے اور جو وہ مانگے وہی دیا جائے ایسا نہیں ہے بلکہ ان میں سے جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں دیتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محروم کر دیتے ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ بہت چاہتا ہے اور تھوڑا دیتے ہیں، کبھی ایسا کہ عیش چاہتا ہے تکلیف دیتے ہیں، ان حالتوں میں کافر دنیا وآخرت دونوں کے ٹوٹے میں رہا اور اگر دنیا میں اس کو اس کی پوری مراد دے دی گئی تو آخرت کی بدنصیبی وشقاوت جب بھی ہے بخلاف مومن کے جو آخرت کا طلب گار ہے اگر وہ دنیا میں فقر سے بھی بسر کر گیا تو آخرت کی دائمی نعمت اس کے لئے ہے اور اگر دنیا میں بھی فضلِ الٰہی سے اس کو عیش ملا تو دونوں جہان میں کامیاب، غرض مومن ہر حال میں کامیاب ہے اور کافر اگر دنیا میں آرام پا بھی لے تو بھی کیا؟ کیونکہ انجام کار میں وہ ناکام ونامراد ہے۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○
اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش کی، جو اس کے لائق کوشش ہے، جبکہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں
جن کی کوشش ہمیشہ سے قدر کی ہوئی ہے۔

آخرت کا ارادہ کرنے والے کیلئے ثواب ہونے کا بیان

"وَمَنْ أَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا" عَمِلَ عَمَلَهَا اللَّائِقِ بِهَا "وَهُوَ مُؤْمِن" حَال "مَشْكُورًا" عِنْد اللّٰه أَيْ مَقْبُولًا مُثَابًا عَلَيْهِ،

اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش کی، جو اس کے لائق کوشش ہے، جبکہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قدر کی ہوئی ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک مقبول اعمال ہیں جن پر ثواب ہوگا۔

آخرت کی نیت کیلئے دنیا کی لذات کو ترک کرنے والوں کا بیان

حضرت زید بن اسلم تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک دن امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ان کی خدمت میں جو پانی پیش کیا گیا اس میں شہد ملا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پانی کو دیکھ کر اور یہ جان کر کہ اس میں شہد ملا ہوا ہے) فرمایا یقیناً یہ پانی پاک وحلال اور نہایت خوشگوار ہے لیکن میں اس کو نہیں پیوں گا، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں (قرآن سے سنتا اور جانتا ہوں کہ اس نے ایک قوم کو خواہشات نفس کی اتباع کا ملزم گردانا اور بطور سرزنش وتنبیہ فرمایا۔ کہ تم نے اس دنیاوی زندگی میں اپنی لذتوں اور نعمتوں کو پالیا اور ان سے پورا پورا فائدہ حاصل کر لیا (اب آخرت میں تمہارے لئے کیا رہ گیا ہے" لہٰذا میں ڈرتا ہے کہ کہیں ہماری نیکیاں بھی ایسی نہ ہوں جن کا اجر وثواب (دنیاوی نعمتوں اور لذتوں کی صورت میں) جلد ہی اتنی دنیا

دور نبوی ﷺ میں یہود کی فتنہ انگیزی اور اس کی سزا کا بیان

دو بار کی انتہائی سرکشی اور اس کی سزا کا ذکر کرنے کے بعد دور نبوی ﷺ کے یہود کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم نے اس نبی آخر الزمان ﷺ سے وہی سرکشی اور بغاوت جاری رکھی جو تم سابقہ انبیاء کے وقت کرتے رہے تو پھر تمہیں ایسی ہی سزا ملے گی جیسے پہلے مل چکی ہے لیکن اس تنبیہ کا بھی ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور یہود مدینہ نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لانے کی بجائے آپ سے بدعہدیاں، شرارتیں اور فتنہ انگیزیاں ہی کرتے رہے جس کے نتیجہ میں انہیں یہ سزا ملی کہ کچھ قتل کیے گئے، کچھ غلام بنائے گئے اور کچھ جلاوطن کیے گئے۔ حتیٰ کہ دور فاروقی میں سب یہود وہاں سے نکال کو خطہ عرب کو ان سے خالی کرالیا گیا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ
یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًاۙ
بلاشبہ یہ قرآن اس کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں،
بشارت دیتا ہے کہ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

ایمان و نیک اعمال والوں کی ثواب کی بشارت کا بیان

"لِلَّتِی" أَیْ لِلطَّرِیقَةِ الَّتِی "هِیَ أَقْوَم" أَعْدَل وَأَصْوَب وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِینَ الَّذِینَ یَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِیرًا،

بلاشبہ یہ قرآن اس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے سیدھا یعنی عدل و درستگی والا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ بے شک ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

قرآن سیدھی راہ دکھلاتا ہے

حارث اعور کہتے ہیں کہ میں مسجد میں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا دیکھئے یہ لوگ کیسی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ سیّدنا علی رضی اللہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: "سن لو! عنقریب ایک فتنہ بپا ہوگا" میں نے پوچھا۔ "یارسول اللہ ﷺ اس فتنہ سے بچاؤ کی کیا صورت ہے؟" آپ نے فرمایا: "اس سے بچاؤ کی صورت اللہ کی کتاب ہے جس میں تم سے پہلے لوگوں کے بھی حالات ہیں اور بعد والوں کے بھی اور تمہارے باہمی معاملات کے متعلق حکم بھی ہے۔ وہ دوٹوک بات کہتا ہے ہنسی مذاق کی بات نہیں کہتا۔ جس نے اسے حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا اللہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ اور جس نے قرآن کے علاوہ دوسری چیزوں سے راہ ڈھونڈھی اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔

وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے اور حکمتوں سے لبریز نصیحت ہے وہی صراط مستقیم ہے جس سے خواہشات کجرو نہیں ہوتیں اور لوگوں کی زبانیں اسے مشکوک نہیں بناتیں۔ اس سے عالم لوگ سیر نہیں ہوتے، اسے بار بار پڑھنے سے جی نہیں اکتاتا نہ وہ پرانا معلوم ہوتا

میں ہمیں دے دیا جائے اور پھر آخرت میں محرومی کا منہ دیکھنا پڑے) چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شہد ملا ہوا وہ پانی نہیں پیا۔
(رزین، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1190)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ شہد ملا ہوا یہ پانی نہایت لذت آمیز اور بہت بڑی دنیاوی نعمت ہے جو نفس کو بھی نہایت مطلوب ہے، اگر میں اس پانی کو پیتا ہوں تو گویا بہت بڑی نعمت سے فائدہ اٹھاتا ہوں اور لذت کام ودہن سے نفس کو خوش کرتا ہوں تو اس صورت میں مجھے خوف ہے کہیں یہ لذت ونعمت ہمارے اعمال صالحہ کا وہ اجر وثواب نہ قرار پائے جو ہمیں بس دنیا ہی میں چکا دیا جائے اور آخرت کے لئے کچھ نہ رہ جائے جیسا کہ کافروں کے بارے میں ہے کہ ان کے نیک عمل کا بدلہ، دنیاوی نعمتوں اور لذتوں کی صورت میں ان کو اس دنیا میں مل جاتا ہے اور آخرت میں ان کو کچھ نصیب نہیں ہوگا۔ واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا جو ارشاد نقل فرمایا ہے یعنی آیت (اذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیا و استمتعتم بھا) ۔ یہ ایک آیت کا ٹکڑا ہے اس طرح ایک آیت یہ بھی ہے (مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَۃَ عَجَّلْنَا لَہٗ فِیْھَا مَا نَشَاءُ الاسراء:18) یعنی جو شخص دنیا کے نفع کی نیت رکھے گا ہم ایسے شخص کو دنیا میں جتنا چاہیں گے جس کے واسطے چاہیں گے جلدی اسی دنیا میں دے دیں گے۔ یہ دونوں آیتیں اگرچہ کفار کے حق میں ہیں لیکن اصل اعتبار تو الفاظ کی عمومیت کا ہے جس سے ہر شخص سبق حاصل کرسکتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا اعتبار ہونا چاہئے۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝
ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں، ان کی اور ان کی بھی، تیرے رب کی بخشش سے اور تیرے رب کی بخشش کبھی بندکی ہوئی نہیں۔

دنیا میں سب اللہ کی عطاء ہونے کا بیان

"كُلًّا" مِنَ الْفَرِيقَيْنِ "نُمِدّ" نُعْطِي "هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ" بَدَل "مِنْ" مُتَعَلِّق بِنُمِدّ "عَطَاء رَبّك" فِي الدُّنْيَا "وَمَا كَانَ عَطَاء رَبّك" فِيهَا "مَحْظُورًا" مَمْنُوعًا عَنْ أَحَد

ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبان دنیا) کی بھی اور ان (طالبان آخرت) کی بھی، یہاں پر "ھٰؤُلَاءِ وَھٰؤُلَاءِ" یہ کلا سے بدل ہے اور لفظ من، یہ نمد سے متعلق ہے۔ یہ دنیا میں سب آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا کسی ایک کے لئے ممنوع بھی اور بند نہیں ہے۔

دنیا وآخرت کے اعتبار سے لوگوں کی دو اقسام کا بیان

ان دونوں قسم کے لوگوں کو ایک وہ جن کا مطلب صرف دنیا ہے دوسرے وہ جو طالب آخرت ہیں دونوں قسم کے لوگوں کو ہم بڑھاتے رہتے ہیں جس میں بھی وہ ہیں، یہ تیرے رب کی عطا ہے، وہ ایسا متصرف اور حاکم ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ مستحق سعادت کو سعادت اور مستحق شقاوت کو شقاوت دے دیتا ہے۔ اس کے احکام کوئی رد نہیں کرسکتا، اس کے روکے ہوئے کو کوئی دے نہیں سکتا اس کے ارادوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ تیرے رب کی نعمتیں عام ہیں، نہ کسی کے روکے رکیں، نہ کسی کے ہٹائے ہٹیں وہ نہ کم ہوتی ہیں نہ

گھٹتی ہیں۔ دیکھ لوکہ دنیا میں ہم نے انسانوں کے کیسے مختلف درجے رکھے ہیں ان میں امیر بھی ہیں، فقیر بھی ہیں درمیانہ حالت میں بھی ہیں، اچھے بھی ہیں، برے بھی ہیں اور درمیانہ درجے کے بھی۔ کوئی بچپن میں مرتا ہے، کوئی بوڑھا بڑا ہو کر، کوئی اس کے درمیان۔ آخرت درجوں کے اعتبار سے دنیا سے بھی بڑھی ہوئی ہے کچھ تو طوق وزنجیر پہنے ہوئے جہنم کے گڑھوں میں ہوں گے، کچھ جنت کے درجوں میں ہوں گے، بلند وبالا بالا خانوں میں نعمت وراحت سرور وخوشی میں، پھر خود جنتیوں میں بھی درجوں کا تفاوت ہوگا ایک ایک درجے میں زمین وآسمان کا سا تفاوت ہوگا۔ جنت میں ایسے ایک سو درجے ہیں۔ بلند درجوں والے اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم کسی چمکتے ستارے کو آسمان کی اونچائی پر دیکھتے ہو۔ پس آخرت درجوں اور فضیلتوں کے اعتبار سے بہت بڑی ہے، طبرانی میں ہے جو بندہ دنیا میں جو درجہ چڑھنا چاہے گا اور اپنی خواہش میں کامیاب ہو جائے گا درجہ گھٹا دے گا جو اس سے بہت بڑا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ الاسراء، بیروت)

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝
دیکھو ہم نے ان میں ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی اور بیشک آخرت درجوں میں سب سے بڑی اور فضل میں سب سے اعلیٰ ہے۔

آخرت کے اعلیٰ درجات کا بیان

"اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْض "فِي الرِّزْق وَالْجَاه "وَلَلْآخِرَة أَكْبَر" أَعْظَم "دَرَجَات وَأَكْبَر تَفْضِيلًا" مِنْ الدُّنْيَا فَيَنْبَغِي الِاعْتِنَاء بِهَا دُونهَا

دیکھو ہم نے ان میں بعض کو بعض پر رزق وعزت میں کیسی بڑائی دی اور بیشک آخرت درجوں میں سب سے بڑی اور فضل میں سب سے اعلیٰ ہے۔ یعنی دنیا سے بڑی فضیلت والی ہے پس مناسب یہی ہے دنیا کو چھوڑ اسی کو اختیار کیا جائے۔

دنیاوی زندگی میں مال، دولت، عزت، حکومت، اولاد وغیرہ کے اعتبار سے ایک کو دوسرے پر کسی قدر فضیلت ہے۔ اسی پر قیاس کرلو کہ آخرت میں تفاوتِ اعمال واحوال کے لحاظ سے کس قدر فرقِ مراتب ہوگا۔ چنانچہ نصوص سے ثابت ہے کہ درجاتِ جنت اور درجاتِ جہنم بے حد متفاوت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے درجوں کے درمیان زمین وآسمان کا تفاوت ہوگا، نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم زمین پر کھڑے ہو کر افق میں کوئی ستارہ دیکھتے ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ جنت کے یہ درجات انہی کو مل سکتے ہیں جو آخرت کے لیے اس کے لائق دوڑ دھوپ کریں۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝
اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت بنا، ورنہ مذمت کیا ہوا، بے یار ومددگار ہو کر بیٹھا رہے گا۔

اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنانے کی ممانعت کا بیان

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا "مَخْذُولًا" لَا نَاصِر لَك

اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت بنا، ورنہ مذمت کیا ہوا، بے یار و مددگار ہو کر بیٹھا رہے گا۔ یعنی تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

یہ خطاب ہر ایک مکلف سے ہے۔ آپ کی تمام امت کو حق تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر ایسا کرو گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اللہ کی مدد ہٹ جائے گی۔ جس کی عبادت کرو گے اسی کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ کے سوا کوئی نفع نقصان کا مالک نہیں وہ واحد لاشریک ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو فاقے میں مبتلا کیا گیا اور اس نے اپنی حالت لوگوں سے بیان کرنی شروع کر دی اور چاہا کہ لوگ اس کی حاجت پوری کر دیں تو ایسے شخص کا فاقہ دور نہیں کیا جائے گا لیکن اس نے اپنی آزمائش پر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ جلد یا بدیر اسے رزق عطا فرمائے گا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 212)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ
اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝
اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو،
اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا
بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔

والدین سے حسن سلوک کرنے کا بیان

"وَقَضَى" أَمَرَ "أَ" نْ أَيْ بِأَنْ "لَا تَعْبُدُوا إلَّا إيَّاهُ" "أَنْ تُحْسِنُوا "وَبِالْوَالِدَيْنِ إحْسَانًا" بِأَنْ تَبَرُّوهُمَا "يَبْلُغَنَّ" فَاعِل وَفِي قِرَاءَة يَبْلُغَانِّ فَأَحَدهمَا بَدَل مِنْ أَلِفه "أُفّ" بِفَتْحِ الْفَاء وَكَسْرهَا مُنَوَّنًا وَغَيْر مُنَوَّن مَصْدَر بِمَعْنَى تَبًّا وَقُبْحًا "وَلَا تَنْهَرهُمَا" تَزْجُرهُمَا "وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا" جَمِيلًا لَيِّنًا

اور آپ کے رب نے حکم فرما دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، یعنی ان دونوں کے ساتھ نیکی کرو۔ احدھما یبلغن کا فاعل ہے اور ایک قرأت میں یبلغان ہے، اس طرح احدھما یبلغان کے الف سے بدل ہے۔ لفظ اف یہ فاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یا نون کے ساتھ یا غیر نون کے ساتھ مصدر بھی آیا ہے۔ جس کا معنی تیرا ستیاناس ہو، اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔

حسن سلوک میں والدہ کے مقام کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ میری اچھی رفاقت یعنی میری طرف سے

حسن سلوک واحسان اور خدمت گزاری کا سب سے زیادہ مستحق کون شخص ہے؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اس نے عرض کیا پھر کون ؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں اس نے عرض کیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری ماں اس نے عرض کیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے اس شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہاری ماں پھر تمہارا باپ پھر تمہارا وہ عزیز جو نزدیک کی قرابت رکھتا ہو۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 842)

والدین کی خدمت کرنے میں فضیلت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں قرآن پڑھنے کی آواز سنی میں نے فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے تو فرشتوں نے بتایا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہیں (صحابہ نے یہ بات سنی تو گویا ان کے دل میں یہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی کہ حارثہ نے اپنے کس عمل کے سبب یہ فضیلت حاصل کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ان کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی چنانچہ آپ نے حارثہ کی اس فضیلت کا سبب ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا کہ یہی وہ فضیلت ہے جو والدین کے ساتھ نیکی کرنے پر حاصل ہوتی ہے یہی وہ فضیلت ہے جو والدین کے ساتھ نیکی پر حاصل ہوتی ہے اور حارثہ ابن نعمان اپنی ماں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے اس روایت کو بغوی نے شرح السنہ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور بیہقی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے (میں جنت میں گیا یہ فرمانے کے بجائے) فرمایا کہ میں گیا تھا اس حالت میں کہ میں کیا دیکھتا ہو کہ میں جنت میں ہوں۔ (مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 857)

والدین کی نافرمانی پر وعید کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خاک آلودہ ہو ناک اس شخص کی، خاک آلودہ ہو ناک اس شخص کی، یعنی آپ نے تین مرتبہ گویا یہ دعائے ضرر فرمائی کہ وہ شخص ذلیل وخوار ہو پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون شخص ہے جس کے حق میں دعائے ضرر فرمائی جارہی ہے آپ نے فرمایا وہ شخص جو اپنے والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور پھر جنت میں داخل نہ ہو یعنی جس شخص کے ماں باپ یا دونوں میں سے کوئی ایک بڑھاپے کی حالت میں ہو اور وہ شخص ان کی خدمت کر کے ان کو راضی نہ کرے تو وہ انتہائی بدقسمت ہے کیونکہ خصوصیت سے بوڑھے ماں باپ کی خدمت کرنا بڑے اجر کی بات ہے اور جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 843)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین طرح کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے (یہ نجات یافتہ بندوں کے ساتھ ابتداءً جنت میں داخل ہونا ان تینوں پر حرام قرار دیا ہے) ایک تو وہ شخص جو ہمیشہ شراب پئے، دوسرا وہ شخص جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے اور تیسرا وہ دیوث کہ جو اپنے اہل وعیال میں ناپاکی پیدا کرے۔ (مسند احمد، سنن نسائی، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 800)

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا○

اوران دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھواور عرض کرتے رہو: اے میرے رب!

ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا تھا۔

والدین کیلئے رحمت کی دعا مانگنے کا بیان

"وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ" أَلِنْ لَهُمَا جَانِبَكَ الذَّلِيْلَ "مِنَ الرَّحْمَةِ" أَيْ لِرِقَّتِكَ عَلَيْهِمَا "كَمَا" كَمَا رَحِمَانِي حِيْنَ "رَبَّيَانِي صَغِيْرًا"

اوران دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھواور اللہ کے حضور عرض کرتے رہو، اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے رحمت وشفقت سے پالا تھا۔

والدین کی خدمت کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں جانے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تم انہیں کے درمیان رہ کر جہاد کرو یعنی پوری محنت وتندہی کے ساتھ ان کی خدمت کو کہ تمہارے حق میں یہی جہاد ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 936)

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ تو پھر اپنے ماں باپ کے پاس جاؤ اوران کی صحبت کو بہتر بناؤ یعنی ان کی خدمت اوران کے حقوق کی ادائیگی اچھی طرح کرو۔ تشریح: شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اس کا تعلق نفل جہاد سے ہے کہ جس شخص کے والدین زندہ ہوں اور مسلمان ہوں وہ ان کی اجازت کے بغیر نفل جہاد میں شرکت کے لئے گھر سے نہ جائے ہاں اگر جہاد فرض ہو تو پھر اس صورت میں اس کو والدین کی اجازت کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ منع بھی کریں اور جہاد میں جانے سے روکیں تو ان کا حکم نہ مانا جائے اور جہاد میں شریک ہو کر اپنا فرض ادا کیا جائے نیز اگر والدین کو اللہ نے اسلام کی ہدایت نہ بخشی ہو اور وہ کافر ہوں تو جہاد میں شریک ہونے کے لئے ان کی اجازت کی کسی حال میں بھی حاجت نہیں ہے خواہ جہاد فرض ہو یا نفل اسی طرح علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر مسلمان ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو ناگوار خاطر ہو تو ان کی اجازت کے بغیر بھی نفل عبادت جیسے حج وعمرہ کے لئے نہ جائے اور نہ نفل روزہ رکھے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا○

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم لائق ہوئے تو بیشک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

والدین کیلئے دلوں میں خیر خواہی کا جذبہ رکھنے کا بیان

"رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ" مِنْ اِضْمَارِ الْبِرِّ وَالْعُقُوقِ "إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ" طَائِعِينَ لِلّٰهِ "فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ" الرَّجَّاعِينَ إِلَى طَاعَتِهِ "غَفُورًا" لِمَا صَدَرَ مِنْهُمْ فِي حَقِّ الْوَالِدَيْنِ مِنْ بَادِرَةٍ وَهُمْ لَا يُضْمِرُونَ عُقُوقًا

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے یعنی جو بھی نیکی و بھلائی تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم لائق ہوئے تو بیشک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ یعنی جو اس کی اطاعت کی طرف رجوع کرنے والا ہے۔ کیونکہ جو والدین کے حقوق سے متعلق ان لغزش سرزد ہوئی ہو جبکہ وہ ان دلوں میں نہ ہو تو وہ معاف کرنے والا ہے۔

والدین سے متعلق بعض لغزشوں کی معافی کا بیان

اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جن سے جلدی میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے نزدیک عیب کی اور گناہ کی بات نہیں سمجھتے ہیں چونکہ ان کی نیت بخیر ہوتی ہے، اس لیے اللہ ان پر رحمت کرتا ہے جو ماں باپ کا فرمانبردار نمازی ہو اس کی خطائیں اللہ کے ہاں معاف ہیں۔ کہتے ہیں کہ اوابین وہ لوگ ہیں جو مغرب عشا کی درمیان نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں جو صبح کی نماز ادا کرتے رہیں جو ہر گناہ کے بعد توبہ کرلیا کریں۔ جو جلدی سے بھلائی کی طرف لوٹ آیا کریں۔ تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے خلوص دل سے استغفار کرلیا کریں۔

عبید کہتے ہیں جو برابر ہر مجلس سے اٹھتے ہوئے یہ دعا پڑھ لیا کریں۔ دعا (اللّٰھم اغفرلی ما اصبت فی مجلسی ھذا) امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں اولیٰ قول یہ ہے کہ جو گناہ سے توبہ کرلیا کریں۔ معصیت سے طاعت کی طرف آ جایا کریں۔ اللہ کی ناپسندیدگی کے کاموں کو ترک کر کے اس کے اس کی رضامندی اور پسندیدگی کے کام کرنے لگیں۔ یہی قول بہت ٹھیک ہے کیونکہ لفظ اواب مشتق ہے اوب سے اور اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں جیسے عرب کہتے ہیں اب فلان اور جیسے قران میں ہے آیت (اِنَّ اِلَیْنَآ اِیَابَھُمْ ، الغاشیۃ:25) ان کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے لوٹتے تو فرماتے دعا (ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون) لوٹنے والے توبہ کرنے والے عبادتیں کرنے والے اپنے رب کی ہی تعریفیں کرنے والے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ الاسراء، بیروت)

والدین کیلئے ایصال ثواب کرتے رہنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی ایسے بندے کے ماں باپ مر جاتے ہیں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک مرتا ہے جو ان کی نافرمانی کیا کرتا تھا اور پھر ان کی موت کے بعد وہ ان کے لئے برابر دعا و استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نیکوکار لکھ دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 873)

والدین کے مرنے کے بعد اولاد کا ان کے حق میں برابر دعا و استغفار کا ایصال ثواب کرتے رہنا اس درجہ سود مند ہے کہ اگر والدین اس اولاد سے ناراضگی و ناخوشی کی حالت میں بھی اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اللہ تعالیٰ ان کی ناراضگی و ناخوشی کو ختم کر دے اور اس اولاد کا نام ان لوگوں میں شمار کرے گا جو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرتے ہیں اور ان کی رضا و خوشنودی کے جو یا رہتے ہیں۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝
اور قرابت داروں کو ان کا حق ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی اور فضول خرچی سے مت اڑاؤ۔

فضول خرچی کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَآتِ" أَعْطِ "ذَا الْقُرْبَى" الْقَرَابَة "حَقّه" مِنْ الْبِرّ وَالصِّلَة "وَلَا تُبَذِّر تَبْذِيرًا" بِالْإِنْفَاقِ فِي غَيْر طَاعَة اللّٰه

اور قرابت داروں کو ان کا حق قرابت یعنی نیکی اور صلہ رحمی ادا کرو اور محتاجوں اور مسافروں کو بھی دو اور اپنا مال فضول خرچی سے مت اڑاؤ۔ یعنی اللہ کی اطاعت کے سوا خرچ کرتے ہوئے فضول خرچی نہ کرو۔

سورہ الاسراء آیت ۲۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور انہیں فدک عطا فرمایا۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ بات مشکل ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت مدنی ہے جبکہ مشہور اس کے خلاف (یعنی آیت کا مکی ہونا) ہے اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے قریب قریب ایک روایت نقل کی ہے۔ (ابن کثیر 3۔36 قرطبی 10۔247)

قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کیا یعنی اللہ نے تمام مخلوقات کو ان کی پیدائش سے پہلے ان صورتوں کے ساتھ اپنے علم ازلی میں مقدر کر دیا جن وہ پیدا ہوں گے جب اس سے فارغ ہوا تو رحم یعنی رشتہ ناتا کھڑا ہوا اور پروردگا کی کمر تھام لی، پروردگار نے فرمایا کیا چاہتا ہے؟ رحم نے عرض کیا کہ یہ کاٹے جانے کے خوف سے تیری پناہ کے طلبگار کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے یعنی میں تیرے روبرو کھڑا ہوں اور تیرے دامن عزت وعظمت کی طرف دست سوال دراز ہوں تجھ سے اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی شخص مجھ کو کاٹ دے۔

اور میرے دامن عزت وعظمت کی طرف دست سوال دراز کیے ہوئے ہوں تجھ سے اس امر کی پناہ چاہتا ہوں کہ کوئی شخص مجھ کو کاٹ دے اور میرے دامن کو جوڑنے کے بجائے اس کو تار تار کر دے۔ پروردگار نے فرمایا کہ تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو شخص رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کا ذریعہ) تجھ کو قائم رکھے اور اس کو میں بھی اپنے احسان وانعام اور اجر و بخشش کے ذریعہ

قائم برقرار رکھوں گا اور جو شخص رشتہ داری کے تعلق کو پامالی کا ذریعہ تجھ کو منقطع کردے میں بھی اپنے احسان وانعام کا تعلق اس سے منقطع کرلوں؟ رحم نے عرض کیا کہ پروردگار بے شک میں اس پر راضی ہوں پروردگار نے فرمایا اچھا تو یہ وعدہ تیرے لئے ثابت و برقرار ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 850)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تقدیر الٰہی کو دعا کے علاوہ کوئی چیز نہیں بدلتی اور عمر کو دراز کرنے والی چیز نہیں کوئی علاوہ والدین اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور یاد رکھو انسان کو جس سبب سے روزی سے محروم کیا جاتا ہے وہ صرف گناہ ہے، جس کا وہ مرتکب ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 856)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ میرے کچھ قرابت دار ایسے ہیں تو ان کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں لیکن وہ میرے ساتھ نیک سلوک نہیں کرتے، ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں میں ان کے ساتھ حلم و بردباری اور درگزر کا رویہ اختیار کرتا ہوں اور وہ مجھ سے جہالت کے ساتھ پیش آتے ہیں یعنی مجھے برا بھلا کہتے ہیں اور مجھ پر غیظ وغضب کا اظہار کرتے ہیں اس کی یہ باتیں سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا تو گویا تم ان کو گرم راکھ پھکاتے ہو اور تمہارے ساتھ اللہ کی طرف سے ہمیشہ مدد و نصرت ہے جو ان کی ایذاء اور ان کے شر سے تمہاری محافظ ہے جب تک تم اسی صفت پر قائم ہو۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 855)

راکھ پھکاتے" سے مراد یہ ہے کہ تمہارے وہ قرابت دار چونکہ تمہارے نیک سلوک کے قدر دان نہیں ہیں اور تمہاری نیکی کا شکریہ ادا نہیں کرتے اس لئے تم ان کو جو کچھ دیتے ہو وہ ان کے حق میں حرام مال کا حکم رکھتا ہے اور تمہاری دی ہوئی چیزیں ان کے پیٹ میں آگ کی طرح ہیں گویا آپ نے ان قرابت داروں کے اس گناہ کو گرم راکھ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو ان چیزوں کو کھانے کی وجہ سے ان کو لاحق ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے یہ مراد بیان کی ہے کہ تم ان کے برتاؤ کے علی الرغم، ان کے ساتھ احسان وسلوک کرکے ان کو خود ان کے نفس کے سامنے ذلیل و رسوا کرتے ہو جیسا کہ کوئی شخص اگر گرم راکھ منہ میں ڈالے اور اس کو پیٹ میں اتارے تو اس کا نفس اس کو لعنت و ملامت کرتا ہے بعض شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کے ساتھ تمہارا احسان گویا ان کے حق میں گرم راکھ ہے جو ان کو جلاتا ہے اور ہلاک کرتا ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ تمہارا احسان ان کا منہ کالا کرتا ہے جیسا کہ گرم راکھ کسی چہرے کو جلا کر سیاہ کردے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝
بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

فضول خرچی کرنے والوں کیلئے شیطان کے بھائی ہونے کا بیان

"اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْن" أَيْ عَلَى طَرِيقَتهمْ "كَفُوْرًا" شَدِيد الْكُفْر لِنِعَمِهِ فَكَذَلِكَ أَخُوهُ الْمُبَذِّر

14

بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں، یعنی وہ شیاطن کے طریقہ پر ہیں۔ اور شیطان اپنے رب کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔ یعنی وہ نعمتوں کا سخت کفر کرنے والا ہے پس اسی طرح فضول خرچ اس کا بھائی ہے۔

مال خرچ کرنے میں تبذیر کے مفہوم کا بیان

امام تفسیر حضرت مجاہد نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا سارا مال حق کے لئے خرچ کر دے تو وہ تبذیر نہیں اور اور اگر باطل کے لئے ایک مد (آدھ سیر) بھی خرچ کرے تو وہ تبذیر ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غیر حق میں بیموقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے امام مالک نے فرمایا کہ تبذیر یہ ہے کہ انسان مال کو حاصل تو حق کے مطابق کرے مگر خلاف حق خرچ کر ڈالے اور اس کا نام اسراف بھی ہے اور یہ حرام ہے۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ حرام و ناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے اور جائز و مباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ تبذیر میں داخل نہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الاسراء، بیروت)

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں مال کو برا سمجھا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ کے لوگوں میں زہد وقناعت بہت زیادہ تھی، علاوہ ازیں اس وقت کے بادشاہوں اور حاکموں کی طرف سے اپنی رعایا کی بنیادی ضرورتوں کی فراہمی کا خاص انتظام ہوتا تھا اور لوگ بلا کسی سعی وکوشش کے اور بغیر کسی الجھن و پریشانی کے گھر بیٹھے قوت لایموت حاصل کر لیتے تھے، نیز اس سلسلے میں ان بادشاہوں اور حاکموں کے کسی تعامل ورویہ سے اپنے تئیں کوئی ذلت وخواری بھی محسوس نہیں کرتے تھے اس لئے روپیہ پیسہ کمانے اور مال و دولت حاصل کرنے کو برا سمجھا جاتا تھا، لیکن جہاں تک اس زمانہ کا تعلق ہے تو اب مال و دولت مسلمانوں کی ڈھال ہے (کیونکہ آج کل کے لوگوں میں زہد وقناعت کے جذبات مضمحل ہو گئے ہیں اور ضروریات زندگی کی احتیاج کا بہت زیادہ غلبہ ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں اب سلاطین وامراء اور حکومتوں کی طرف سے لوگوں کی کفالت کا کوئی نظم بھی باقی نہیں رہا ہے نتیجہ کے طور پر اگر کوئی شخص کسب ومحنت کر کے مال حاصل نہ کرے تو اس کو اپنی ضروریات زندگی کی فراہمی کے لئے ان لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے جو مالی واخلاقی ومدد اعانت سے زیادہ ذلیل وخوار کرتے ہیں پس اس صورت میں حلال مال مومن کے لئے بہت بڑی ڈھال ہے جس کے ذریعہ وہ نہ صرف حرام ومشتبہ معاملات میں پڑنے سے بچتا ہے بلکہ دنیادار امراء اور ظالموں کی مصاحبت وحاشیہ نشینی کی ذلت وخواری سے بھی اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ حضرت سفیان نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہم لوگوں کے پاس یہ درہم ودینار اور روپیہ پیسہ نہ ہوتا تو یہ آج کل کے سلاطین وامراء ہمیں ذلیل و پامال کر ڈالتے، نیز انہوں نے فرمایا۔ کسی شخص کے پاس اگر تھوڑا بہت بھی مال ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کی اصلاح کرے یعنی اس تھوڑے سے مال کو یوں ہی ضائع نہ ہونے دے بلکہ تدبیر و ہنر مندی کے ساتھ اس کو کسی تجارت وغیرہ میں لگا کر بڑھانے کی سعی کرے یا یہ کہ اس کو بہت کفایت وقناعت کے ساتھ خرچ کرے تا کہ جلدی ختم نہ ہو جائے کیونکہ ہمارا یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس میں اگر کوئی محتاج ومفلس ہوتا تو دنیا حاصل کرنے کی خاطر اپنے دین کو اپنے ہاتھ سے

گنوانے والا سب سے پہلے شخص وہی ہوگا۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ حلال مال، اسراف کا روادار نہیں ہوتا۔ (شرح السنہ، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1217)

حضرت سفیان رحمہ اللہ کے آخری قول کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص محنت و مشقت برداشت کر کے اور جائز وسائل و ذرائع سے جو کچھ کماتا ہے وہ بڑا پاکیزہ مال ہوتا ہے، لہٰذا اس کو چاہئے کہ وہ اپنے اس حلال و پاکیزہ مال کو فضول خرچیوں میں ضائع نہ کرے بلکہ کفایت شعاری اور احتیاط کے ساتھ خرچ کرے اور تھوڑا بہت پس انداز کرنے کی کوشش بھی کرے اور اس کی حفاظت کرے تا کہ وہ کسی فوری ضرورت کے وقت کسی کا محتاج نہ رہے اور قلبی اطمینان و استغناء کی وجہ سے اپنے دین کی سلامتی حاصل رہے۔ یا اس قول کے یہ معنی ہیں کہ محنت و مشقت اور جائز وسائل و ذرائع سے کمایا ہوا مال اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ اس کو فضول خرچیوں میں ضائع کیا جا سکے۔ بلکہ وہ بہت تھوڑا اور مختصر ہوتا ہے کہ جائز ضروریات زندگی کو بھی مشکل ہی سے پورا کر پاتا ہے۔

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝
اور اگر تم ان سے گریز کرنا چاہتے ہو اپنے رب کی جانب سے رحمت کے انتظار میں جس کی تم توقع رکھتے ہو تو
ان سے نرمی کی بات کہہ دیا کرو۔

قرابت داروں کے ساتھ نرمی سے سلوک کرنے کا بیان

"وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمْ" أَيِ الْمَذْكُورِينَ مِنْ ذِي الْقُرْبَى وَمَا بَعْدهمْ فَلَمْ تُعْطِهِمْ "ابْتِغَاء رَحْمَة مِنْ رَبّك تَرْجُوهَا" أَيْ لِطَلَبِ رِزْق تَنْتَظِرهُ يَأْتِيك فَتُعْطِيهِمْ مِنْهُ "قَوْلًا مَيْسُورًا" لَيِّنًا سَهْلًا بِأَنْ تَعِدهُمْ بِالْإِعْطَاءِ عِنْد مَجِيء الرِّزْق

اور اگر تم اپنی تنگ دستی کے باعث ان مستحقین سے گریز کرنا چاہتے ہو یعنی جن قرابتداروں اور جو ان کے بعد مذکور ہوئے ہیں جن کو تم نے نہیں دیا۔ اپنے رب کی جانب سے رحمت خوش حالی کے انتظار میں جس کی تم توقع رکھتے ہو یعنی رزق کی طلب کیلئے انتظار میں ہوتا کہ انہیں بھی دو۔ تو ان سے نرمی کی بات کہہ دیا کرو۔ یعنی ان سے نہایت نرمی سے بات کہہ کہ رزق آنے پر ان سے دینے کا عہد کرے۔

سورہ الاسراء آیت ۲۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت عطاء خراسانی سے روایت ہے کہ قبیلہ مزینہ سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ آپ سے سواریاں مانگ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے لیے سواریاں نہیں ہیں لہٰذا یہ لوگ اس حالت میں واپس لوٹے کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی گمان کیا اس کو تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۔ ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت

کریمہ مساکین کے بارے میں نازل ہوئی جو نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کرتے تھے۔ (سیوطی 167، زادالمسیر 5-28)

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ○
اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے۔

اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنے کا بیان

"وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ" أَيْ لَا تُمْسِكْهَا عَنِ الْإِنْفَاقِ كُلَّ الْمَسْكِ "وَلَا تَبْسُطْهَا" فِي الْإِنْفَاقِ "كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا" رَاجِعٌ لِلْأَوَّلِ "مَحْسُورًا" مُنْقَطِعًا لَا شَيْءَ عِنْدَكَ رَاجِعٌ لِلثَّانِي

اور نہ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا رکھو کہ کسی کو کچھ نہ دو اور نہ ہی اسے سارا کا سارا کھول دو کہ سب کچھ ہی دے ڈالو کہ پھر تمہیں خود ملامت زدہ بن بیٹھے یہ پہلی صورت ہے اور تھکا ہارا بن کر بیٹھنا پڑے۔ یعنی ایسا نہ ہو تمہارے پاس کچھ بھی نہ بچے۔ یہ دوسری صورت ہے۔

سورہ الاسراء آیت ۲۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ایک بچہ آ گیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ سے میری ماں پہننے کے لیے کچھ مانگتی ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت اپنے کرتے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

آپ ﷺ نے بچے سے فرمایا ایک گھڑی سے دوسری گھڑی تک ایسا ظاہر ہوتا ہے یعنی گھڑی دو گھڑی تک تو ہماری یہی حالت معلوم ہوتی ہے لہٰذا تم کسی اور وقت آ ؤ بچہ اپنی ماں کے پاس واپس آیا اور اس کی ماں نے اسے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے کہہ کہ میری ماں آپ سے وہ کرتا پہننے کو مانگتی ہے جو آپ پہنے ہوئے ہیں رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور اپنا کرتا اتار کر اسے دے دیا اور خود برہنہ تن ہو کر بیٹھے رہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔ (تفسیر درمنثور، ج۴، ص۱۷۸، بیروت)

مال میں بخل کی مذمت کا بیان

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں نہ تو مکار داخل ہوگا نہ بخیل نہ اللہ کی راہ میں کسی کو مال دے کر احسان جتانے والا۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 371)

مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں جنت میں ابتداء بغیر عذاب کے داخل نہیں ہوں گے بلکہ یہ اپنے اپنے جرم کی سزا پا لیں گے تو عذاب کے بعد جنت میں داخل ہوں گے۔ "بخیل سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے مال میں سے حق واجب ادا نہ کرے۔ "منان" کے ایک معنی تو وہی ہیں جو ترجمے میں مذکور ہیں اس کے دوسرے معنی کاٹنے والا ہیں یعنی وہ شخص جو اپنے اعزا اور رشتہ داروں سے ترک تعلقات کرے اور مسلمانوں سے محبت و مروت کا معاملہ نہ کرے۔

مال خرچ کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اولاد آدم! جو مال تمہاری حاجت و ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرنا تمہارے لئے دنیا و آخرت میں بہتر ہے۔

اور اسے روکے رکھنا یعنی خرچ نہ کرنا اللہ کے نزدیک بھی اور بندوں کے نزدیک بھی تمہارے لئے برا ہے! بقدر کفایت مال پر کوئی ملامت نہیں ہے اور جو مال تمہاری حاجت سے زائد ہو اسے خرچ کرنے کے سلسلے میں اپنے اہل و عیال سے ابتداء کرو۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 361)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک فرشتہ تو سخی کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما یعنی جو شخص جائز جگہ اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کو بہت زیادہ بدلہ عطا فرما بایں طور کہ یا تو دنیا میں اسے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ مال دے دے یا آخرت میں اجر وثواب عطا فرما اور دوسرا فرشتہ بخیل کے لئے بددعا کرتا ہے کہ اے اللہ! بخیل کو تلف (نقصان) دے۔

اور یعنی جو شخص مال و دولت جمع کرتا ہے اور جائز جگہ خرچ نہیں کرتا بلکہ بے محل اور بے مصرف خرچ کرتا ہے تو اس کا مال تلف و ضائع کردے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 358)

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝
بیشک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں
کی خوب خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عطاء کے مطابق رزق ملنے کا بیان

"اِنَّ رَبَّك يَبْسُط الرِّزْق" يُوَسِّعهُ "وَيَقْدِر" يُضَيِّقهُ لِمَنْ يَشَاء "اِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا" عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرهمْ فَيَرْزُقهُمْ عَلَى حَسَب مَصَالِحهمْ .

بیشک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے یعنی دوگنا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، بیشک وہ اپنے بندوں کے اعمال و احوال کی خوب خبر رکھنے والا خوب دیکھنے والا ہے۔ یعنی وہ ان کے ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے پس وہ ان کو حسب مصلحت رزق عطا کرتا ہے۔

خرچ کرنے کے سبب رزق میں اضافہ ہونے کا بیان

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جگہ مال خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہو وہاں اپنا مال خرچ کرو اور یہ شمار نہ کرو کہ کتنا خرچ کروں اور کیا خرچ کروں نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں شمار کرے گا (یعنی اس

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت ختم کر کے تمہارا رزق کم کر دے گا بایں طور کہ اسے ایک معدودع ومحدود چیز کی مانند کر دے گا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مال وزر کے بارے میں تم سے محاسبہ کرے گا اور جو مال تمہاری حاجت وضرورت سے زائد ہوا سے حاجت مندوں سے روک کر نہ رکھو نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں اپنی زائد عطاء وبخشش روک لے گا، نیز یہ کہ تم سے جو کچھ بھی ہو سکے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 359)

لفظ لاتحصی (اور یہ شمار نہ کروائی) کے ایک معنی تو وہی ہیں جو اوپر ترجمے میں مذکور ہوئے ہیں اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ مال کو جمع کرنے کے لئے نہ شمار کرو اور اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ترک نہ کرو۔ حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے تم اپنی حیثیت وقدرت کے مطابق جو کچھ بھی خرچ کر سکو اسے اللہ کی راہ میں جرور خرچ کرو خواہ وہ مقدار تعداد کتنا ہی کم کیوں نہ ہو بلکہ اسے حقیق بھی نہ سمجھو کیونکہ خلوص نیت کے ساتھ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جانے والا ایک ذرہ بھی اللہ کے نزدیک بہت وقیع اور میزان عمل میں بہت وزنی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اولاد آدم میری راہ میں اپنا مال خرچ کر میں تیرے اوپر خرچ کروں گا۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 360)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اے اولاد آدم! تو دنیا کے فانی مال کو میری راہ میں خرچ کرتا کہ آخرت میں تجھے اموال عالیہ حاصل ہوں۔ بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو کچھ میں نے تجھے عطا کیا ہے اس میں سے تو لوگوں کو دے تا کہ میں تجھے دنیا وعقبیٰ میں اس سے زیادہ عطا کروں گویا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے کہ آیت (وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُه، سبأ: 39) تم جو کچھ بھی اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہو اللہ تمہیں اس کا بدلہ عطا کرتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝
اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے ممانعت کا بیان

"وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادكُمْ" بِالْوَأْدِ "خَشْيَة" مَخَافَة "إِمْلَاق" فَقْر "خِطْئًا" إثْمًا "كَبِيرًا" عَظِيمًا

اور تم اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل مت کرو، ہم ہی انہیں بھی روزی دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بیشک ان کو قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

قتل اولاد کی مذمت اور بدکاری کی ممانعت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ان کے ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے۔ ایک طرف ماں باپ کو حکم دیتا ہے کہ اپنا مال اپنے بچوں کو بطور ورثے کے دو اور دوسری جانب فرماتا ہے کہ انہیں مار نہ ڈالا کرو۔ جاہلیت کے لوگ نہ تو لڑکیوں کو ورثہ دیتے تھے نہ

ان کا زندہ رکھنا پسند کرتے تھے بلکہ دختر کشی ان کی قوم کا ایک عام رواج تھا۔ قرآن اس نافرجام رواج کی تردید کرتا ہے کہ یہ خیال کس قدر بودا ہے کہ انہیں کھلائیں گے کہاں سے؟ کسی کی روزی کسی کے ذمہ نہیں سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ سورہ انعام میں فرمایا آیت (وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا، الإسراء: 31) فقیری اور تنگ دستی کے خوف سے اپنی اولاد کی جان نہ لیا کرو۔ تمہیں اور انہیں روزیاں دینے والے ہم ہیں۔ ان کا قتل جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔

خطا کی دوسری قرأت خطاء ہے دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھیرائے حالانکہ اسی اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے۔ میں نے کہا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الاسراء، بیروت)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝
اور تم زنا کے قریب بھی مت جانا بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی بری راہ ہے۔

بدکاری سے ممانعت کا بیان

"تَقْرَبُوْا" اَبْلَغ مِنْ لَا تَأْتُوْهُ "فَاحِشَة" قَبِيْحًا "وَسَاءَ" بِئْسَ "سَبِيْلًا" طَرِيْقًا هُوَ

اور تم زنا جیسی بدکاری کے قریب بھی مت جانا، زنا نہ کرنے کی تعبیر سے یہ زیادہ بلیغ ہے۔ بیشک یہ بے حیائی کا کام ہے، اور بہت ہی بری راہ ہے۔

زنا کے وقت ایمان باقی نہ رہنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا، شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان نہیں رہتا اور چھینا جھپٹی کرتا ہے اور لوگ اس کو (کھلم کھلا) چھینا جھپٹی کرتے ہوئے دیکھتے ہیں (لیکن خوف و دہشت کے مارے بے بس ہو جاتے ہیں اور چیخ و پکار کے علاوہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ پاتے) تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا پس تم (ان گناہوں سے) بچو۔

(صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 49)

مومن کا قلب ایک ایسے حساس اور پاکیزہ ظرف کی مانند ہے جس میں صرف ایمان کا نور ٹھہر سکتا ہے، ایمان کے منافی کوئی بھی چیز دراندازہونے کی کوشش کرتی ہے تو نہ قلب مومن اس کا روادار ہوتا ہے اور نہ نور ایمان اس کو برداشت کرتا ہے، چنانچہ وہ بدترین اور سنگین گناہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہوا، ایسی منافی ایمان باتیں ہیں جن کا تحمل نور ایمان کسی حالت میں نہیں کر سکتا، ادھر انسان

ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب شروع کرتا ہے کہ ادھر نور ایمان اس کے قلب سے رخصت ہو جاتا ہے اور پھر جب تک کہ اس گناہ پر نادم وشرمندہ ہو کر آئندہ کے لئے خلوص دل سے توبہ نہیں کر لیتا ایمان کی وہ نورانی کیفیت جو ارتکاب گناہ سے قبل اس کو حاصل تھی، اس کے قلب میں واپس نہیں آتی۔

اسی صورت حال کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی انگلیوں کی مثال کے ذریعہ واضح کیا، انہوں نے پہلے اپنے ایک ہاتھ کے پنجہ کو دوسرے ہاتھ کے پنجہ میں داخل کیا اور دکھایا کہ یہ گویا ارتکاب معصیت سے قبل کی حالت ہے کہ نور ایمان مومن کے قلب میں جاگزیں ہے پھر انہوں نے دونوں پنجوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر کے بتایا کہ جس طرح یہ پنجہ دوسرے پنجہ سے الگ ہو گیا ہے، اسی طرح ارتکاب معصیت کے وقت نور ایمان مومن کے قلب سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور پھر انہوں نے دوسرے پنجوں کو ایک دوسرے میں داخل کر دیا اور کہا کہ جس طرح یہ پنجے پھر ایک دوسرے میں داخل ہو گئے ہیں اسی طرح اگر مومن ارتکاب معصیت کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو اس کا نور ایمان پہلے کی طرح اپنی جگہ واپس آ جاتا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے لکھا ہے کہ ارتکاب معصیت کے وقت ایمان کے باقی نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرتکب معصیت کامل مومن نہیں رہ جاتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے (ترجمان السنۃ) اور یہی حاصل عبداللہ بن اسماعیل بخاری کے قول کا ہے جو روایت کے آخری فقرہ سے معلوم ہوا۔

زنا کاری کے ذرائع سے بچنے کا بیان

ہر وہ چیز جو انسان کی شہوت کی انگیخت کا سبب بن سکتی ہے۔ وہ زنا کا راستہ ہے مثلاً عورتوں سے آزادانہ اختلاط، عورتوں کا بے پردہ ہو کر بازاروں میں نکلنا، اجنبی مرد و عورت کی گفتگو بالخصوص اس صورت میں کہ وہ اکیلے ہوں۔ نظر بازی، عریاں تصویر، فلمیں، فحش لٹریچر، گندی گالیاں، ٹی وی اور ریڈیو پر فحش افسانے اور ڈرامے اور مردوں اور عورتوں کی بے حجابانہ گفتگو وغیرہ سب شہوت کو ابھارنے والی باتیں ہیں اور یہی زنا کے راستے ہیں۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا
لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝
اور اس جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص قتل کر دیا جائے، اس حال میں کہ مظلوم ہو تو یقیناً
ہم نے اس کے ولی کے لیے پورا غلبہ رکھا ہے۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے، یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہو گا۔

قتل کی حرمت کا بیان

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا "لِوَلِيِّهٖ" لِوَارِثِهٖ "سُلْطٰنًا" تَسَلُّطًا عَلَى الْقَاتِلِ "فَلَا يُسْرِفْ" يَتَجَاوَزِ الْحَدَّ "فِي الْقَتْلِ" بِأَنْ يَقْتُلَ غَيْرَ قَاتِلِهٖ أَوْ بِغَيْرِ مَا قُتِلَ بِهٖ

اور اس جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص قتل کر دیا جائے، اس حال میں کہ مظلوم ہو تو یقیناً ہم نے اس کے ولی کے لیے پورا غلبہ رکھا ہے۔ یعنی اس کو قاتل پر غلبہ دیا ہے۔ پس وہ قتل میں حد سے نہ بڑھے، یعنی ایسا نہیں کہ وہ غیر قاتل کو قتل کر دے یا آلہ قتل کے سوا قتل کرے۔ یقیناً وہ مدد دیا ہوا ہوگا۔

قتل ناحق کے وقت ایمان کے خروج کا بیان

عبداللہ ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اقتل کرنے والا جب ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان باقی نہیں رہتا۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے (یہ حدیث سن کر) پوچھا کہ اس سے ایمان علیحدہ کس طرح کر لیا جاتا ہے، تو انہوں نے کہا اس طرح (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری میں داخل کیں اور پھر ان انگلیوں کو ایک دوسری سے علیحدہ کر لیا اس کے بعد انہوں نے فرمایا اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو ایمان اس طرح واپس آ جاتا ہے اور یہ (کہہ کر) انہوں نے انگلیوں کو پھر ایک دوسری میں داخل کر لیا۔ نیز ابوعبداللہ (یعنی عبداللہ بن اسماعیل بخاری) نے کہا ہے کہ (اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ) وہ آدمی ارتکاب معصیت کے وقت مومن کامل نہیں رہتا اور اس میں سے ایمان کا نور نکل جاتا ہے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 49)

تین اسباب کے باعث قتل کی اباحت کا بیان

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں اہل فتنہ کے ڈر سے گھر میں محبوس تھے کہ ایک دن چھت پر چڑھے اور فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا تم لوگوں کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کا خون تین جرموں کے علاوہ بہانا حرام ہے اول یہ کہ شادی شدہ زنا کرے دوسرا یہ کہ کوئی اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے اور تیسرا یہ کہ کوئی شخص کسی کو ناحق قتل کرے اللہ کی قسم میں نے نہ کبھی زمانہ جاہلیت میں زنا کیا اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد پھر جس دن سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس کے بعد مرتد نہیں ہوا اور نہ ہی میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام کیا پس تم لوگ مجھے کس جرم میں قتل کرتے ہو اس باب میں حضرت ابن مسعود، عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں یہ حدیث حسن ہے اس حدیث کو حماد بن سلمہ یحییٰ بن سعید سے غیر مرفوع نقل کرتے ہیں پھر یحییٰ بن سعید قطان اور کئی راوی یحییٰ بن سعید سے یہی حدیث موقوفاً نقل کرتے ہیں حضرت عثمان سے یہ حدیث کئی سندوں سے مرفوعاً منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 32)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ○
اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے
اور عہد کو پورا کرو، بے شک عہد کا سوال ہوگا۔

یتیم کے مال کے قریب نہ جانے کا بیان

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ "وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ " إِذَا عَاهَدْتُمُ اللَّهَ أَوْ النَّاس "مَسْئُولًا" مَسْئُولًا عَنْهُ

اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو، یعنی جب تم اللہ سے یا لوگوں سے عہد کرو۔ بے شک عہد کا سوال ہوگا۔

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور میری نگہداشت میں ایک یتیم ہے تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ کھالوں آپ ﷺ نے فرمایا تمہاری نگرانی میں جو یتیم ہے تم اس کے مال میں سے کھا سکتے ہو بشرطیکہ اسراف فضول خرچی نہ کرو خرچ کرنے میں عجلت نہ کرو اور نہ اپنے لئے جمع کرو۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 548)

یتیم بچہ کے مال میں سے یتیم کے مربی کو اپنی ضروریات زندگی پوری کرنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں سے مشروط کیا پہلی شرط تو یہ کہ اس کے مال میں سے صرف اتنا لیا جائے جو اصل ضروریات زندگی کے بقدر ہو اسراف اور اپنی ضرورت حاجت سے زیادہ خرچ کر کے اس یتیم کے مال کو ضائع نہ کیا جائے دوسری شرط یہ کہ اس کے مال میں سے جو کچھ بھی لیا جائے ضرورت کے وقت لیا جائے چنانچہ اس خوف سے کہ اگر یتیم بچہ بالغ ہو گیا تو اپنا تمام مال اپنے قبضہ میں لے لے گا ضرورت سے پہلے ہرگز نہ لیا جائے اور تیسری شرط یہ کہ اپنی ضرورت وحاجت کے نام پر اس کے مال میں سے نکال نکال کر اپنے لئے جمع نہ کیا جائے۔ بہر حال حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ یتیم کے مربی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اگر محتاج و مفلس ہو تو اس یتیم کے مال میں سے اپنی ضرورت وحاجت کے بقدر اپنے اوپر خرچ کرے لیکن جو مربی خود خوشحال ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝
اور ماپ کو پورا کرو، جب ماپو اور سیدھی ترازو کے ساتھ وزن کرو۔ یہ بہترین ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت زیادہ اچھا ہے۔

برابر وزن کے ساتھ ماپ تول کرنے کا بیان

"وَأَوْفُوا الْكَيْل " أَتِمُّوهُ "بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيم" الْمِيزَان السَّوِيّ "ذَلِكَ خَيْر وَأَحْسَن تَأْوِيلًا" مَآلًا،

اور ماپ کو پورا کرو، جب ماپو اور سیدھی ترازو کے ساتھ وزن کرو۔ یعنی وزن برابر کرو۔ یہ بہترین ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت زیادہ اچھا ہے۔

ماپ تول پورا کرنے میں انصاف کرنے کا بیان

ناپ اور تول میں کمی بیشی کرنا یعنی خود زیادہ لینا اور دوسرے کو کم دینا، ڈنڈی مار جانا اور کاروباری بددیانتی کرنا اتنا بڑا جرم ہے

جس کی وجہ سے شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہوا تھا اور جو شخص ایسے کام کرتا ہے اس کے رزق سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔ ناپ اور تول پورا پورا دینے سے دنیا میں تو انجام اس لحاظ سے بہتر ہوتا ہے کہ ایسے شخص کی ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔ اور اس کی تجارت کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور اس کے رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اور ایسے شخص کا اخروی انجام بہتر ہونے میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

جھونک نہ مارو۔ ناپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ قوم شعیب کی ہلاکت کا قصہ پہلے کئی جگہ آ چکا ہے ان کا بڑا عملی گناہ یہ ہی بیان کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پا کر محض خدا کے خوف سے رک جائے تو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں آخرت سے پہلے اس کو نعم البدل عطا فرمائے گا۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْــُٔـوْلًا ۝
اور تو اس بات کی پیروی نہ کر جس کا تجھے علم نہیں، بیشک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔

علم صحیح نہ ہونے کے سبب اتباع کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَقْفُ" تَتَّبِع وَالْفُؤَاد الْقَلْب "كُلّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا" مَسْئُولًا عَنْهُ صَاحِبه مَاذَا فَعَلَ بِهِ

اور اے انسان! تو اس بات کی پیروی نہ کر، کہ جس کا تجھے صحیح علم نہیں، بیشک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہوگی۔ جو کچھ ان کا مالک ان سے عمل کرتا رہا ہے۔

حدیث میں ہے گمان سے بچو، گمان بدترین جھوٹی بات ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ تکیہ کلام بہت ہی برا ہے کہ لوگ خیال کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے بدترین بہتان یہ ہے کہ انسان جھوٹ موٹ کوئی خواب گھڑ لے اور صحیح حدیث میں ہے جو شخص ایسا خواب از خود گھڑ لے قیامت کے دن اسے یہ تکلیف دی جائے گی کہ وہ دو جو کے درمیان گرہ لگائے اور یہ اس سے ہرگز نہیں ہونا۔ قیامت کے دن آنکھ کان دل سب سے باز پرس ہوگی سب کو جواب دہی کرنی ہوگی۔

سنی سنائی بغیر تحقیق کے بات کرنے سے ممانعت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کردے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 9)

وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝
كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝
اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، بے شک تو نہ کبھی زمین کو پھاڑے گا اور نہ کبھی لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچے گا۔
یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔

تکبر کرنے کی ممانعت کا بیان

"وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا " أَيْ ذَا مَرَحٍ بِالْكِبْرِ وَالْخُيَلَاء "إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ " تَثْقُبهَا حَتَّى تَبْلُغ آخِرهَا بِكِبْرِك "وَلَنْ تَبْلُغ الْجِبَال طُولًا" الْمَعْنَى أَنَّك لَا تَبْلُغ هَذَا الْمَبْلَغ فَكَيْفَ تَخْتَال، "كُلّ ذَلِكَ" الْمَذْكُور ، كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبّك مَكْرُوهًا

اور زمین میں اکڑ کر نہ چل، یعنی غرور وتکبر سے نہ چل، بے شک تو نہ کبھی زمین کو پھاڑے گا یعنی زمین کو پھاڑ کر اس کے آخر کہ انتہاء تک پہنچ جائے۔ اور نہ کبھی لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچے گا۔ یعنی وہاں تک پہنچنا بھی ممکن نہیں ہے۔ تو پھر تکبر کیسے کرتے ہو؟ یہ سب کام، ان کا برا تیرے رب کے ہاں ہمیشہ سے ناپسندیدہ ہے۔

تکبر کرنے والوں کا زمین میں دھنس جانے کا بیان

اکڑ کر، اترا کر، تکبر کے ساتھ چلنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو منع فرماتا ہے۔ یہ عادت سرکش اور مغرور لوگوں کی ہے پھر اسے نیچا دکھانے کے لئے فرماتا ہے کہ گو کتنے ہی بلند سر ہو کر چلو لیکن پہاڑی کی بلندی سے پست ہی رہو گے اور گو کیسے ہی کھٹ پٹ کرتے ہوئے پاؤں مار مار کر چلو لیکن زمین کو پھاڑنے سے رہے۔ بلکہ ایسے لوگوں کا حال برعکس ہوتا ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص چادر جوڑے میں اتراتا ہوا چلا جا رہا تھا جو وہیں زمین میں دھنسا دیا گیا جو آج تک دھنستا ہوا چلا جا رہا ہے۔ قرآن میں قارون کا قصہ موجود ہے کہ وہ مع اپنے محلات کے زمین دوز کر دیا گیا۔ ہاں تواضع، نرمی، فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے اور لوگ اسے جلیل القدر سمجھتے ہیں اور تکبر کرنے والا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے کتوں اور سوروں سے بھی زیادہ حقیر جانتے ہیں۔

امام ابوبکر بن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الخمول والتواضع میں لائے ہیں کہ ابن الاہیم دربار منصور میں جا رہا تھے ریشمی جبہ پہنے ہوئے تھا اور پنڈلیوں کے اوپر سے اسے دوہرا سلوایا تھا کہ نیچے سے قبا بھی دکھائی دیتی رہے اور اکڑتا اینڈتا جا رہا تھا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر فرمایا افوہ ناک چڑھا، بل کھایا، رخساروں پھولا، اپنے ڈنڑ باز و دیکھتا، اپنے تئیں تولتا، مستوں کے ذکر وشکر کو بھولا، رب کے احکام کو چھوڑے ہوئے، اللہ کے حق کو توڑا، دیوانوں کی چال چلتا، عضو عضو میں کسی کی دی ہوئی نعمت رکھتا، شیطان کی لعنت کا مارا ہوا دیکھو جا رہا ہے۔ الاہیم نے سن لیا اور اسی وقت لوٹ آیا اور عذر بہانہ کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے کیا معذرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر اور اسے ترک کر۔

کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا آیت (وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ، الاسراء: 37)۔ عابد بختری رحمۃ اللہ علیہ نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑتے ہوئے چلتا دیکھ کر فرمایا اے شخص جس نے تجھے یہ اکرام دیا ہے اس کی روش ایسی نہ تھی۔ اس نے اسی وقت توبہ کر لی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ایسے شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ شیطان کے یہی بھائی ہوتے ہیں۔

حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگو اکڑ اکڑ کر چلنا چھوڑ و اس لئے کہ انسان۔(اصل عربی میں کچھ عبارت غائب ہے) اس کا ہاتھ اس کے باقی جسم سے (ابن ابی الدنیا)

ابن ابی الدنیا میں حدیث ہے کہ جب میری امت غرور اور تکبر کی چال چلنے لگے گی اور فارسیوں اور رومیوں کو اپنی خدمت میں لگائے گی تو اللہ تعالیٰ ایک کو ایک پر مسلط کر دے گا۔ سیئہ کی دوسری قرأت سیئۃ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ جن جن کاموں سے ہم نے تمہیں روکا ہے یہ سب کام نہایت برے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ ہیں۔ یعنی اپنی اولاد کو قتل نہ کرو سے لے کر اکڑ کر نہ چلو تک کے تمام کام۔ اور سیئہ کی قرأت پر مطلب یہ ہے کہ آیت (وقضی ربک) سے یہاں تک جو حکم احکام اور جو ممانعت اور روک بیان ہوئی اس میں جن برے کاموں کا ذکر ہے وہ سب اللہ کے نزدیک مکروہ کام ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ الاسراء، بیروت)

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا
اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝
یہ حکمت و دانائی کی ان باتوں میں سے ہے جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہیں، اور اللہ کے ساتھ کوئی
دوسرا معبود نہ ٹھہرا تو ملامت زدہ دھتکارا ہوا ہو کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

وحی کے ذریعے علوم حکمت بتانے کا بیان

"ذٰلِكَ مِمَّا أَوْحَى إِلَيْكَ" يَا مُحَمَّد "الْحِكْمَة" الْمَوْعِظَة "مَدْحُورًا" مَطْرُودًا عَنْ رَحْمَة اللّٰه،

یا محمد ﷺ یہ حکمت و دانائی کی ان باتوں میں سے ہے جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہیں، اور (اے انسان!) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا ورنہ تو ملامت زدہ اور اللہ کی رحمت سے دھتکارا ہوا ہو کر دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

جن کی صحت پر عقل گواہی دے اور ان سے نفس کی اصلاح ہو ان کی رعایت لازم ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان آیات کا حاصل توحید اور نیکیوں اور طاعتوں کا حکم دینا اور دنیا سے بیرغبتی اور آخرت کی طرف رغبت دلانا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ اٹھارہ آیتیں (لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ، الاسراء: 22) تک حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الواح میں تھیں، ان کی ابتداء توحید کے حکم سے ہوئی اور انتہا شرک کی ممانعت پر۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر حکمت کی اصل توحید و ایمان ہے اور کوئی قول و عمل بغیر اس کے قابلِ پذیرائی نہیں۔

(تفسیر خزائن العرفان، سورہ الاسراء، لاہور)

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝
بھلا تمہیں تو تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے چن لیا ہے اور اس نے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے، بیشک تم بڑی سخت بات کہتے ہو۔

اللہ کیلئے بیٹیوں کا نظریہ رکھنے والے مشرکین کا بیان

"أَفَأَصْفَاكُمْ" أَخْلَصَكُمْ يَا أَهْل مَكَّة "إِنَاثًا" بَنَات لِنَفْسِهِ بِزَعْمِكُمْ "إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ" لَتَقُولُونَ بِذَلِكَ

اے اہل مکہ! بھلا تمہیں تو تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے چن لیا ہے اور اپنے لئے اس نے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے، جیسا کہ تمہارا نظریہ ہے۔ بیشک تم اپنے ہی گھڑے ہوئے خیالات کے پیمانہ پر بڑی سخت بات کہتے ہو۔

یہاں مشرکین کے نظریے کا رد کیا جارہا ہے۔ کہ یہ تم نے خوب تقسیم کی ہے کہ بیٹے تمہارے اور بیٹیاں اللہ کی۔ جو تمہیں ناپسند جن سے تم جلو کڑھو۔ بلکہ زندہ درگور کردو انہیں اللہ کے لئے ثابت کرو۔ اور آیتوں میں بھی ان کا یہ کمینہ پن بیان ہوا ہے کہ یہ کہتے ہیں رب رحمان کی اولاد ہے حقیقتا انکا یہ قول نہایت ہی برا ہے بہت ممکن ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائے، زمین شق ہو جائے، پہاڑ چورا چورا ہو جائیں کہ یہ اللہ رحمان کی اولاد ٹھہرا رہے ہیں حالانکہ اللہ کو یہ کسی طرح لائق ہی نہیں۔ زمین و آسمان کی کل مخلوق اس کی غلام ہے۔ سب اس کے شمار میں ہیں اور گنتی میں اور ایک ایک اس کے سامنے قیامت کے دن تنہا پیش ہونے والا ہے۔

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر بیان کیا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور وہ انہیں نفرت کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتا۔

قرآن مجید میں بار بار امثال کو بتانے کا بیان

"وَلَقَدْ صَرَّفْنَا" بَيَّنَّا "فِي هَذَا الْقُرْآن" مِنْ الْأَمْثَال وَالْوَعْد وَالْوَعِيد "لِيَذَّكَّرُوا" يَتَّعِظُوا "وَمَا يَزِيدهُمْ" مَا يَزِيدهُمْ ذَلِكَ "إِلَّا نُفُورًا" عَنْ الْحَقّ

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن میں امثال، وعدو وعید کو پھیر پھیر کر بیان کیا، تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور وہ انہیں نفرت کے سوا کچھ زیادہ نہیں کرتا۔ یعنی وہ حق سے نفرت کرتے ہیں۔

کافروں کو قرآن کی نصیحتیں کیوں راس نہیں آتیں؟:۔ کیونکہ جب طبیعت میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو صحت بخش اور عمدہ غذائیں بھی راس نہیں آتیں۔ بلکہ جب تک مرض کا پوری طرح علاج نہ کر لیا جائے۔ عمدہ سے عمدہ غذائیں بھی مزید بدہضمی کا سبب بن جاتی ہیں۔ یہی حال ان کافروں کا ہے کہ قرآن کریم کے اعلیٰ سے اعلیٰ دلائل سن کر نصیحت قبول کرنے کے بجائے یہ بدبخت اور زیادہ بدکتے اور وحشت کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝
آپ فرمادیں! اگر اس کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے، جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو اس وقت وہ عرش والے کی طرف کوئی راستہ
ضرور ڈھونڈتے۔ وہ پاک ہے اور ان باتوں سے جو وہ کہتے رہتے ہیں بہت ہی بلند و برتر ہے۔

متعدد معبود ہونے کی صورت میں جنگ کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "لَوْ كَانَ مَعَهُ" أَيِ اللّٰهِ "لَابْتَغَوْا" طَلَبُوا "إِلَى ذِي الْعَرْشِ" أَيِ اللّٰهِ "سَبِيلًا" لِيُقَاتِلُوهُ، "سُبْحَانَهُ" تَنْزِيهًا لَهُ "وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ" مِنَ الشُّرَكَاءِ

آپ فرما دیں! اگر اس کے ساتھ کچھ اور معبود ہوتے، جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو اس وقت وہ عرش والے یعنی اللہ کی طرف کوئی راستہ ضرور ڈھونڈتے۔ تا کہ وہ اس سے لڑتے۔ وہ پاک ہے اور ان باتوں سے جو وہ شرکاء کی بات کہتے رہتے ہیں بہت ہی بلند و برتر ہے۔

اصنام وغیرہ جنہیں خدائی کا شریک اور الوہیت کا حصہ دار بتلایا جاتا ہے۔ پرایا محکوم رہنا کیوں پسند کرتے، سب مل کر خدا تعالیٰ کے تخت سلطنت کو الٹ ڈالتے۔ اگر کہا جائے کہ صاحب عرش کے مقابلہ میں ان کی کچھ چلتی نہیں تو ایک عاجز مخلوق کی عبادت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے یا اگر وہ معبود خود رب العرش کو خوش رکھنا اور اس کا قرب حاصل کرنا اپنے لیے ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے پوجنے والوں کے لیے اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ خدائے اکبر کو خوش رکھنے کی فکر کریں۔ لیکن خدائے بزرگ تمام انبیاء کی زبانی اور فطرتِ انسانی کی معرفت شرک سے اپنی کامل بیزاری کا اظہار فرما چکا۔ پھر تعجب ہے کہ یہ احمق کس راستہ پر اندھا دھند چلے جا رہے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ
بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○
ساتوں آسمان اور زمین اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بھی جو ان میں ہیں اور کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔
اور لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔

زمین و آسمان کی ساری مخلوق کی تسبیح کرنے کا بیان

"تُسَبِّحُ لَهُ" تُنَزِّهُهُ "وَإِنْ" مَا "مِنْ شَيْءٍ" مِنَ الْمَخْلُوقَاتِ "إِلَّا يُسَبِّحُ" مُتَلَبِّسًا "بِحَمْدِهِ" أَيْ يَقُولُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ "وَلٰكِنْ لَا تَفْقَهُونَ" تَفْهَمُونَ "تَسْبِيحَهُمْ" لِأَنَّهُ لَيْسَ بِلُغَتِكُمْ "إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا" حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوبَةِ

ساتوں آسمان اور زمین اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بھی جو ان میں مخلوقات ہیں اور کوئی بھی چیز نہیں مگر اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے یعنی وہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ" لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ کیونکہ وہ تمہاری زبان میں نہیں ہے۔ بے شک وہ ہمیشہ سے بے حد بردبار، نہایت بخشنے والا ہے۔ کیونکہ وہ تمہاری سزا میں جلدی نہیں فرماتا۔

زمین وآسمان کی ساری مخلوق کا اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے کہتا ہے کہ اے فلاں کیا تیرے اوپر کوئی ایسا آدمی گذرا ہے جو اللہ کو یاد کرنے والا ہوا گروہ کہتا ہے کہ ہاں تو یہ پہاڑ اس سے خوش ہوتا ہے اس پر استدلال کے لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا اور پھر فرمایا کہ جب اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ پہاڑ کلمات کفر سننے سے متاثر ہوتے ہیں ان پر خوف طاری ہو جاتا ہے تو کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ باطل کلمات کو سنتے ہیں حق بات اور ذکر اللہ نہیں سنتے اور اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ (قرطبی بحوالہ رقائق ابن مبارک)

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جن اور انسان اور درخت اور پتھر اور ڈھیلا ایسا نہیں جو موذن کی آواز سنتا ہے اور قیامت کے روز اس کے ایمان اور نیک ہونے کی شہادت نہ دے۔ (مؤطا امام مالک وسنن ابن ماجہ از سعید خدری رضی اللہ عنہ)

امام بخاری نے روایت حضرت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے جبکہ وہ کھایا جا رہا ہو اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت ونبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حجر اسود ہے۔ امام قرطبی نے فرمایا کہ روایات حدیث اس طرح کے معاملات میں بہت ہیں اور اسطوانہ حنانہ کی حکایت تو عام مسلمانوں کی زبان زد ہے جس کے رونے کی آواز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے سنی جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت اس کو چھوڑ کر منبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔ (تفسیر قرطبی، سورۃ الاسراء، بیروت)

ایک مرتبہ حضرت حسن رحمۃ اللہ کے پاس خوان آیا تو ابو یزید قاشی نے کہا کہ اے ابوسعید کیا یہ خوان بھی تسبیح گو ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک تر لکڑی کی صورت میں تھا تسبیح گو تھا جب کٹ کر سوکھ گیا تسبیح جاتی رہی۔

اس قول کی تائید میں اس حدیث سے بھی مدد لی جا سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہیں فرماتے ہیں انہیں عذاب کیا جا رہا ہے اور کسی بڑی چیز میں نہیں ایک تو پیشاب کے وقت پردے کا خیال نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا، پھر آپ نے ایک تر ٹہنی لے کر اس کے دو ٹکڑے کر کے دونوں قبروں پر گاڑ دئے اور فرمایا کہ شاید جب تک یہ خشک نہ ہوں، ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔ (بخاری ومسلم)

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝
اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے
ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

قرأت قرآن اور بے ایمانوں کے درمیان پردے کا بیان

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا "مَسْتُورًا" أَيْ سَاتِرًا لَكَ عَنْهُمْ فَلَا يَرَوْنَكَ ،

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ یعنی آپ کے درمیان اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیں گے جس کی وجہ سے وہ آپ کو نہیں دیکھ سکیں گے۔

سورہ الاسراء آیت ۴۵ کے مضمون نزول کا بیان

ابن شہاب سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مشرکین قریش پر قرآن کریم کی تلاوت فرماتے اور انہیں کتاب اللہ کی طرف دعوت دیتے تو وہ آپ سے مذاق کے طور پر کہتے ،قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اذننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب"(سورہ فصلت ،۵) تو اللہ نے ان کے قول کے بارے میں یہاں سے آگے تک کچھ آیات نازل فرمائیں۔

(سیوطی 168،زادالمسیر 5-41،قرطبی 10-269)

سورہ الاسراء آیت ۴۵ کے شان نزول کا بیان

جب آیت تَبَّتْ یَدَا نازل ہوئی تو ابولہب کی عورت پتھر لے کر آئی ،حضور ﷺ مع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تشریف رکھتے تھے،اس نے حضور ﷺ کو نہ دیکھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی،تمہارے آقا کہاں ہیں مجھے معلوم ہوا ہے انہوں نے میری ہجو کی ہے؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ شعر گوئی نہیں کرتے ہیں تو وہ یہ کہتی ہوئی واپس ہوئی کہ میں ان کا سر کچلنے کے لئے یہ پتھر لائی تھی۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس نے حضور ﷺ کو دیکھا نہیں؟ فرمایا میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ حائل رہا۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن،سورہ الاسراء،بیروت)

وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ
رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝
اور ہم ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ اسے سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ پیدا کر دیتے ہیں اور جب
آپ قرآن میں اپنے رب کا تنہا ذکر کرتے ہیں، تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

کفار کے دلوں پر پردہ ڈال دینے کا بیان

نَزَلَ فِيمَنْ أَرَادَ الْفَتْكَ بِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ "أَكِنَّةً" أَغْطِيَةً "أَنْ يَفْقَهُوهُ"

مِنْ اَنْ يَفْهَمُوا الْقُرْآن اَیْ فَلَا يَفْهَمُونَهُ "وَفِی آذَانِهِمْ وَقْرًا" ثِقْلًا فَلَا يَسْمَعُونَهُ "نُفُورًا" نُفُورًا عَنْهُ

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ایک بد بخت شخص نے آپ ﷺ کو اچانک قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (نعوذ باللہ) اور ہم ان کے دلوں پر بھی پردے ڈال دیتے ہیں تا کہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ پیدا کر دیتے ہیں تا کہ اسے سن نہ سکیں، گویا ان کے کانوں میں روئی ہے اور جب آپ قرآن میں اپنے رب کا تنہا ذکر کرتے ہیں، تو وہ نفرت کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

اکنہ کنان کی جمع ہے اس پردے نے ان کے دلوں کو ڈھک رکھا ہے جس سے یہ قرآن سمجھ نہیں سکتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے، جس سے وہ قرآن اس طرح سن نہیں سکتے کہ انہیں فائدہ پہنچے اور جب تو قرآن میں اللہ کی وحدانیت کا ذکر پڑھتا ہے تو یہ بیطرح بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ نفور جمع ہے نافر کی جیسے قاعد کی جمع قعود آتی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ مصدر بغیر فعل ہو واللہ اعلم۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اللہ واحد کے ذکر سے بے ایمانوں کے دل اچاٹ ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کا لا الہ الا اللہ کا مشرکوں پر بہت گراں گزرتا تھا ابلیس اور اس کا لشکر اس سے بہت چڑ تا تھا۔ اس کے دبانے کی پوری کوشش کرتا تھا لیکن اللہ کا ارادہ ان کے برخلاف اسے بلند کرنے اور عزت دینے اور پھیلانے کا تھا۔ یہی وہ کلمہ ہے کہ اس کا قائل فلاح پاتا ہے اس کا عامل مدد دیا جاتا ہے دیکھ لو اس جزیرے کے حالات تمہارے سامنے ہیں کہ یہاں سے وہاں تک یہ پاک کلمہ پھیل گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الاسراء، بیروت)

دشمنوں کی نظر سے مستور رہنے کا بیان

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین کی آنکھوں سے مستور ہونا چاہتے تو قرآن کی تین آیتیں پڑھ لیتے تھے اس کے اثر سے کفار آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے وہ تین آیتیں یہ ہیں ایک آیت سورہ کہف میں یعنی اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا () دوسری آیت سورہ نحل میں ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ () اور تیسری آیت سورہ جاثیہ میں ہے: اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ()

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ میں نے ملک شام کے ایک شخص سے بیان کیا اس کو کسی ضرورت سے رومیوں کے ملک میں جانا تھا وہاں گیا اور ایک زمانہ تک مقیم رہا پھر رومی کفار نے اس کو ستایا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا ان لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اس شخص کو وہ روایت یاد آ گئی اور مذکورہ تین آیتیں پڑھیں قدرت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ جس راستہ پر یہ چل رہے تھے اسی راستہ پر دشمن گذر رہے تھے مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

امام ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت کعب سے جو روایت نقل کی گئی ہے میں رے کے رہنے والے ایک شخص کو بتلائی اتفاق سے دیلم کے کفار نے اس کو گرفتار کرلیا کچھ عرصہ ان کی قید میں رہا پھر ایک روز موقع پا کر بھاگ کھڑا ہوا یہ لوگ اس کے تعاقب میں نکلے مگر اس شخص نے بھی یہ تین آیتیں پڑھ لیں اس کا یہ اثر ہوا کہ اللہ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ اس کو نہ دیکھ سکے حالانکہ ساتھ

ساتھ چل رہے تھے اور ان کے کپڑے ان کے کپڑوں سے چھو جاتے تھے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الاسراء، بیروت)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ
الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝
ہم خوب جانتے ہیں یہ جس مقصد کے لئے دھیان سے سنتے ہیں جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب یہ سرگوشیاں
کرتے ہیں جب یہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم تو محض ایک ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے۔

کفار کا بہ طور مذاق قرأت قرآن سننے کا بیان

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ "بِهِ" بِسَبَبِهِ مِنْ الْهُزْء "إذْ يَسْتَمِعُونَ إلَيْك" إلَى قِرَاءَتك "وَإِذْ هُمْ نَجْوَى" يَتَنَاجَوْنَ بَيْنهمْ أَيْ يَتَحَدَّثُونَ "إذْ" بَدَل مِنْ إذْ قَبْله "يَقُول الظَّالِمُونَ" فِي تَنَاجِيهِمْ "إنْ" مَا "مَسْحُورًا" مَخْدُوعًا مَغْلُوبًا عَلَى عَقْله

ہم خوب جانتے ہیں یہ جس مقصد کے لئے دھیان سے سنتے ہیں یعنی وہ قرأت کو بہ طور مذاق سنتے ہیں۔ جب یہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں یعنی آپس میں خفیہ باتیں کرتے ہیں۔ یہاں پر اذ ماقبل کے اذ سے بدل ہے۔ جب یہ ظالم لوگ سرگوشی سے کہتے ہیں کہ تم تو محض ایک ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے۔ یعنی جو مغلوب العقل ہے۔

سرگوشیوں میں قرآن سن کر بھی حق سے پھسل جانے والوں کا بیان

سرادارانِ کفر جو آپس میں باتیں بناتے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی جا رہی ہیں کہ آپ تو تلاوت میں مشغول ہوتے ہیں یہ چپکے چپکے کہا کرتے ہیں کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ یہ تو ایک انسان ہے جو کھانے پینے کا محتاج ہے۔ گو یہ لفظ اسی معنی میں شعر میں بھی ہے۔

امام ابن جریر فرماتے ہیں لیکن یہ غور طلب ہے۔ ان کا ارادہ اس موقع پر اس کہنے سے یہ تھا کہ خود یہ جادو میں مبتلا ہے کوئی ہے جو اسے اس موقع پر کچھ پڑھا جاتا۔ کافر لوگ طرح طرح کے وہم آپ کی نسبت ظاہر کرتے تھے۔

کوئی کہتا آپ شاعر ہیں، کوئی کہتا کاہن ہیں، کوئی مجنوں بتلاتا، کوئی جادوگر وغیرہ۔ اس لئے فرماتا ہے کہ دیکھو یہ کیسے بہک رہے ہیں کہ حق کی جانب آ ہی نہیں سکتے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ الاسراء، بیروت)

کفار سرداروں کا خفیہ طور پر کلام اللہ کو سننے کا بیان

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، اخنس بن شریق رات کے وقت اپنے اپنے گھروں سے کلام اللہ شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سننے کے لئے نکلے آپ اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ لوگ آ کر چپ چاپ چھپ کر ادھر ادھر بیٹھ گئے ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، رات کو سنتے رہے فجر ہوتے وقت یہاں سے چلے، اتفاقاً راستے میں

سب کی آپس میں ملاقات ہوگئی ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے اب سے یہ حرکت نہ کرنا ورنہ اور لوگ تو بالکل اسی کے ہو جائیں گے۔ لیکن رات کو پھر یہ تینوں آگئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن سننے میں رات گزر ای۔ صبح واپس چلے راستے میں مل گئے، پھر سے کل کی باتیں دہرائیں اور آج پختہ ارادہ کیا کہ اب سے ایسا کام ہرگز کوئی نہ کرے گا۔ تیسری رات پھر یہی ہوا اب کے انہوں نے کہا آؤ عہد کر لیں کہ اب نہیں آئیں گے چنانچہ قول قرار کر کے جدا ہوئے صبح کو اخنس اپنی لاٹھی سنبھالے ابوسفیان کے گھر پہنچا اور کہنے لگا ابوحنظلہ مجھے بتاؤ تمہاری اپنی رائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کیا ہے؟ اس نے کہا ابوثعلبہ جو آیتیں قرآن کی میں نے سنی ہیں، ان میں سے بہت سی آیتوں کا تو مطلب میں جان گیا، لیکن بہت سی آیتوں کی مراد مجھے معلوم نہیں ہوئی۔ اخنس نے کہا واللہ میرا بھی یہی حال ہے۔ یہاں سے ہو کر اخنس ابوجہل کے پاس پہنچا۔ اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سنئے۔ شرافت و سرداری کے بارے میں ہمارا بنوعبدمناف سے مدت کا جھگڑا چلا آتا ہے انہوں نے کھلایا تو ہم نے بھی کھلانا شروع کر دیا، انہوں نے سواریاں دیں تو ہم نے بھی انہیں سواریوں کے جانور دیئے۔ انہوں نے لوگوں کے ساتھ سلوک کیئے اور ان انعامات میں ہم نے بھی ان سے پیچھے رہنا پسند نہ کیا۔ اب جب کہ تمام باتوں میں وہ اور ہم برابر رہے اس دوڑ میں جب وہ بازی لے جا نہ سکے تو جھٹ سے انہوں نے کہہ دیا کہ ہم میں نبوت ہے، ہم میں ایک شخص ہے، جس کے پاس آسمانی وحی آتی ہے، اب بتاؤ اس کو ہم کیسے مان لیں؟ واللہ نہ اس پر ہم ایمان لائیں گے نہ کبھی اسے سچا کہیں گے اسی وقت اخنس اسے چھوڑ کر چل دیا۔ (سیرت ابن اسحاق)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۝
دیکھئے آپ کے لئے کیسی تشبیہات دیتے ہیں پس یہ گمراہ ہو چکے، اب راہِ راست پر نہیں آ سکتے۔

کفار کا نبی کریم ﷺ پر شاعر و کاہن کے طور پر تنقید کرنے کا بیان

"اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْاَمْثَالَ" بِالْمَسْحُورِ وَالْكَاهِنِ وَالشَّاعِرِ "فَضَلُّوا" بِذٰلِكَ عَنِ الْهُدٰى "فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا" طَرِيقًا إِلَيْهِ

دیکھئے یہ لوگ آپ کے لئے کیسی کیسی تشبیہات دیتے ہیں۔ یعنی مسحور، کاہن اور شاعر کی مثالیں دیتے ہیں۔ پس یہ گمراہ ہو چکے، اب راہِ راست پر نہیں آ سکتے۔ یعنی ہدایت پر نہیں آئیں گے۔

کبھی آپ کو مسحور کہتے ہیں، کبھی ساحر، کبھی کاہن اور کبھی شاعر یعنی ان کی ایسی مت ماری گئی ہے کہ وہ خود بھی کسی ایک بات پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ ایک بات کہتے ہیں پھر خود ہی اس کی تردید کرنے لگتے ہیں۔ انہیں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس پر وہ سب متفق ہو سکیں کہ آخر اسے کہیں تو کیا کہیں؟

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا۝
اور کہتے ہیں جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اَز سرِ نو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا۔

فرمادیجئے، تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔

منکرین بعث کا دوبارہ زندگی سے متعلق اعتراض کا بیان

"وَقَالُوا" مُنْكِرِينَ لِلْبَعْثِ أَئِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا "قُلْ" لَهُمْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا .

اور کہتے ہیں یعنی منکرین بعث کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہمیں از سر نو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا۔ فرمادیجئے، تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔

موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا بیان

کافر جو قیامت کے قائل نہ تھے اور مرنے کے بعد کے جینے کو محال جانتے تھے وہ بطور انکار پوچھا کرتے تھے کہ کیا ہم جب ہڈی اور مٹی ہو جائیں گے، غبار بن جائیں گے، کچھ نہ رہیں گے بالکل مٹ جائیں گے۔ پھر بھی نئی پیدائش سے پیدا ہوں گے؟ سورہ نازعات میں ان منکروں کا قول بیان ہوا ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد الٹے پاؤں زندگی میں لوٹائے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہماری ہڈیاں بھی گل سڑ گئی ہوں؟ بھئی یہ تو بڑے ہی خسارے کی بات ہے۔

سورہ یاسین میں ہے کہ یہ ہمارے سامنے مثالیں بیان کرنے بیٹھ گیا اور اپنی پیدائش کو فراموش کر گیا۔ الخ پس انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ ہڈیاں تو کیا تم خواہ پتھر بن جاؤ خواہ لوہا بن جاؤ۔ خواہ اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ مثلاً پہاڑ یا زمین یا آسمان بلکہ تم خود موت ہی کیوں نہ بن جاؤ اللہ پر تمہارا جلانا مشکل نہیں جو چاہو ہو جاؤ دوبارہ اٹھو گے ضرور۔

حدیث میں ہے کہ بھیڑیے کی صورت میں موت کو قیامت کے دن جنت دوزخ کے درمیان لایا جاتا ہے اور دونوں سے کہا جائے گا کہ اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے ہاں پھر اسے وہیں ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ہو جائے گی کہ اے جنتیو اب دوام ہے موت نہیں اور اے جہنمیو اب ہمیشہ قیام ہے موت نہیں۔ یہاں فرمان ہے کہ یہ پوچھتے ہیں کہ اچھا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں یا پتھر اور لوہا ہو جائیں گے یا جو ہم چاہیں اور جو بڑی سے بڑی سخت چیز ہو وہ ہم ہو جائیں۔

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۗ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ
فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۗ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ○
یا کوئی ایسی مخلوق جو تمہارے خیال میں زیادہ سخت ہو، پھر وہ کہیں گے کہ ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرمادیجئے: وہی جس نے تمہیں
پہلی بار پیدا فرمایا تھا، پھر وہ آپ کے سامنے اپنے سر ہلا دیں گے اور کہیں گے، یہ کب ہوگا؟ فرمادیجئے، امید ہے جلد ہی ہو جائے گا۔

خلق اول کے استدلال سے خلق ثانی کی دلیل کا بیان

"أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُر فِي صُدُوركُمْ" يَعْظُم عَنْ قَبُول الْحَيَاة فَضْلًا عَنْ الْعِظَام وَالرُّفَات فَلَا بُدّ مِنْ

اِیجَاد الرُّوح فِیکُم "فَسَیَقُولُونَ مَنْ یُعِیدُنَا" إلَی الْحَیَاۃ "قُلِ الَّذِی فَطَرَکُمْ" خَلَقَکُمْ "اَوَّلَ مَرَّۃٍ" وَلَمْ تَکُونُوا شَیْئًا لِأَنَّ الْقَادِرِ عَلَی الْبَدْء قَادِر عَلَی الْإِعَادَۃ بَلْ هِیَ أَهْوَن "فَسَیُنْغِضُونَ" یُحَرِّکُونَ "إلَیْكَ رُء وسهمْ" تَعَجُّبًا "وَیَقُولُونَ" اسْتِهْزَاء "مَتَی هُوَ" أَیِ الْبَعْث، قُلْ عَسَی أَنْ یَکُونَ قَرِیبًا،

یا کوئی ایسی مخلوق جو تمہارے خیال میں ان چیزوں سے بھی زیادہ سخت ہو کہ اس میں زندگی پانے کی بالکل صلاحیت ہی نہ ہو۔ تب بھی اس میں روح ڈال کر رہے گا۔ پھر وہ اس حال میں کہیں گے کہ ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرما دیجئے: وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا فرمایا تھا، کیونکہ جو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہی دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ بلکہ دوبارہ اس پر آسان ہے۔ پھر وہ تعجب اور تمسخر کے طور پر آپ کے سامنے اپنے سر ہلا دیں گے اور کہیں گے، یہ کب ہوگا؟ فرما دیجئے، امید ہے جلدی ہی ہو جائے گا۔

یہ تو بتلاؤ کہ کس کے اختیار میں ہے کہ اب ہمیں پھر سے اس زندگی کی طرف لوٹا دے؟ ان کے اس سوال اور بیجا اعتراض کے جواب میں تو انہیں سمجھا کہ تمہیں لوٹانے والا تمہارا سچا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا ہے جب کہ تم کچھ نہ تھے۔ پھر اس پر دوسری بار کی پیدائش کیا گراں ہے؟ بلکہ بہت آسان ہے تم خواہ کچھ بھی بن جاؤ۔ یہ جواب چونکہ لا جواب ہے حیران تو ہو جائیں گے لیکن پھر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئیں گے،، بدعقیدگی نہ چھوڑیں گے اور بطور مذاق سر ہلاتے ہوئے کہیں گے کہ اچھا یہ ہوگا کب؟ سچے ہو تو وقت کا تعین کر دو۔ بے ایمانوں کا یہ شیوہ ہے کہ وہ جلدی مچاتے رہتے ہیں۔ ہاں ہے تو وہ وقت قریب ہی تم اس کے لئے انتظار کر لو، غلفت نہ برتو۔ اس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ آنے والی چیز کو آئی ہوئی سمجھا کرو۔ اللہ کی ایک آواز کے ساتھ ہی تم زمین سے نکل کھڑے ہوؤ گے ایک آنکھ جھپکانے کی جیز بھی تو نہ لگے گی۔ اللہ کے فرمان کے ساتھ ہی تم سے میدان محشر پر ہو جائے گا۔ قبروں سے اٹھ کر اللہ کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے احکام کی بجا آوری میں کھڑے ہو جاؤ گے۔ حمد کے لائق وہی ہے تم اس کے حکم سے اور ارادے سے باہر نہیں ہو۔ حدیث میں ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں پر ان کی والوں پر ان کی قبر میں کوئی وحشت نہیں ہوگی۔ گویا کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں کہ وہ قبروں سے اٹھ رہے ہیں اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ کہیں گے کہ اللہ کی حمد ہے جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

اس وقت تمہارا یقین ہوگا کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے گویا صبح یا شام کوئی کہے گا دس دن کوئی کہے گا ایک دن کوئی سمجھے گا ایک ساعت ہی۔ سوال پر یہی کہیں گے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی۔ اور اس پر قسمیں کھائیں گے۔ اسی طرح دنیا میں بھی اپنے جھوٹ پر قسمیں کھاتے رہے تھے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ الاسراء، بیروت)

یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا۝
جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی حمد کے ساتھ جواب دو گے اور خیال کرتے ہو گے کہ تم بہت تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو۔

حضرت اسرافیل کا اہل قبور کو ندا کرنے کا بیان

"یَوْمَ یَدْعُوکُمْ" یُنَادِیکُمْ مِنَ الْقُبُورِ عَلَی لِسَانِ إِسْرَافِیل "فَتَسْتَجِیبُونَ" فَتُجِیبُونَ دَعْوَتَهُ مِنَ الْقُبُور "بِحَمْدِهِ" بِأَمْرِهِ وَقِیلَ وَلَهُ الْحَمْد "إِنْ" مَا "لَبِثْتُمْ" فِی الدُّنْیَا "إِلَّا قَلِیلًا" لِهَوْلِ مَا تَرَوْنَ

جس دن وہ تمہیں پکارے گا یعنی اسرافیل کی زبان سے تمہیں قبروں سے ندا دے گا۔ تو تم اس کی حمد کے ساتھ جواب دو گے یعنی قبروں سے اس کی حمد کے ساتھ جواب دیں گے اور یہ بھی کہا گیا کہ اسی کیلئے حمد ہے۔ اور خیال کرتے ہو گے کہ تم اس دنیا میں بہت تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو۔ یعنی اس کی ہولناکی کی وجہ سے کم عرصہ ٹھہرے۔

صور اسرافیل کے وقت کی سختی سے بچنے کیلئے وظیفہ کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آرام وسکون سے کیسے بیٹھا رہوں جب کہ صور پھونکنے والا حضرت اسرافیل علیہ السلام) صور کو (پھونکنے کے لئے) منہ میں دبائے ہوئے ہیں، اپنا کان (بارگاہ حق جل مجدہ کی طرف) لگائے ہوئے ہیں کہ جب بھی حکم صادر ہو فوراً پھونک دیں) اور پیشانی جھکائے ہوئے (بالکل تیاری کی حالت میں) ہیں اور انتظار کر رہے ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم ملے "(یہ سن کر) صحابہ نے عرض کیا کہ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب بھی کوئی آفت ومصیبت آئے تو بس حق تعالیٰ ہی کی طرف لو لگاؤ اسی کی بارگاہ میں التجا کرو اور اس کے فضل وکرم پر بھروسہ واعتماد رکھو، نیز، یہ پڑھا کرو حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 99)

حسبنا اللہ ونعم الوکیل "پڑھنا ایک ایسا عمل ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی آفت ومصیبت اور سخت سے سخت مشکل کو دفع کر کے عافیت وسلامتی عطا فرما دیتا ہے، چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی آگ میں ڈالا جانا تھا تو آپ کی زبان پر یہی بابرکت کلمہ تھا، اسی طرح ایک غزوہ (جہاد) کے موقع پر جب کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم۔ یعنی دشمنوں نے آپ لوگوں کے مقابلہ کے لئے بڑا لاؤ لشکر جمع کر لیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے ڈرنا چاہئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پڑھا، حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ
اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○
اور آپ میرے بندوں سے فرما دیں کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہتر ہوں، بیشک شیطان لوگوں کے درمیان فساد بپا کرتا ہے،
یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

شیطان کا انسان کیلئے کھلا دشمن ہونے کا بیان

"وَقُلْ لِعِبَادِی" الْمُؤْمِنِينَ "يَقُولُوا" لِلْكُفَّارِ الْكَلِمَةَ "يَنْزَغُ" يُفْسِد "إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا" بَيِّنَ الْعَدَاوَةِ وَالْكَلِمَةُ الَّتِي هِيَ أَحْسَن وَهِيَ

اور آپ میرے بندوں یعنی مؤمنین سے فرمادیں کہ وہ کفار سے ایسی باتیں کیا کریں جو بہتر ہوں، بیشک شیطان لوگوں کے درمیان فساد بپا کرتا ہے، یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔یعنی عداوت میں واضح ہے۔اور وہ کلمہ جو بہتر ہے وہ آئندہ آیت میں ہے۔

سورہ الاسراء آیت ۵۳ کے سبب نزول کا بیان

یہ آیت کریمہ حضرت عمر بن خطاب کے بارے میں نازل ہوئی۔عرب کے کسی آدمی نے انہیں گالی دی تو اللہ نے انہیں درگزر کرنے کا حکم فرمایا(قرطبی10۔276)

اور کلبی کہتے ہیں کہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کو باتوں اور افعال سے (طرح طرح) کی تکالیف دیا کرتے تھے انہوں نے اس بات کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(نیسابوری243،زادالمیسر 5۔46)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝
تمہارا رب تمہارے حال سے بہتر واقف ہے، اگر چاہے تم پر رحم فرمادے یا اگر چاہے تم پر عذاب کرے،
اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔

توبہ وایمان کے ذریعے رحمت ہونے کا بیان

"رَبُّكُمْ أَعْلَم بِكُمْ إِنْ يَشَأْ يَرْحَمكُمْ " بِالتَّوْبَةِ وَالْإِيمَان "أَوْ إِنْ يَشَأْ" تَعْذِيبكُمْ "يُعَذِّبكُمْ" بِالْمَوْتِ عَلَى الْكُفْر "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا" فَتُجْبِرهُمْ عَلَى الْإِيمَان وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِالْقِتَالِ

تمہارا رب تمہارے حال سے بہتر واقف ہے، اگر چاہے تم پر توبہ وایمان کے ذریعے رحم فرمادے یا اگر چاہے تم پر کفر پر موت کے ذریعے عذاب کرے، اور ہم نے آپ کو ان پر ان کے امور کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔کہ آپ ان کو ایمان پر مجبور کریں اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

نیک عمل کا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب بننے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ ایک بدکار عورت کی بخشش کر دی گئی کیونکہ ایک مرتبہ اس کا گزر ایک ایسے کتے پر ہوا جو کنویں کے قریب کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا کہ پیاس کی شدت اسے ہلاک کر دے چنانچہ اس عورت نے اپنا چرمی موزہ اتار کر اسے اپنی اوڑھنی سے باندھا اور اس کے ذریعے کتے کے لئے پانی نکالا اور اسے پلا دیا چنانچہ اس کے اس فعل کی بنا پر اس کی بخشش کر دی گئی۔صحابہ نے یہ سن کر عرض کیا کہ کیا جانوروں کے ساتھ

حسن سلوک کرنے میں ہمارے لئے ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہر صاحب جگر تر یعنی ہر جاندار کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ثواب ہے (خواہ انسان ہو یا جانور)۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف، جلد دوم، حدیث نمبر 401)

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ
عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝
اور آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور بیشک ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی
اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا کی۔

انبیائے کرام کی ایک دوسرے پر فضیلت کا بیان

"وَرَبّك أَعْلَم بِمَنْ فِي السَّمَاوَات وَالْأَرْض " فَيَخُصّهُمْ بِمَا شَاءَ عَلَى قَدْر أَحْوَالهمْ "وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْض النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْض " بِتَخْصِيصِ كُلّ مِنْهُمْ بِفَضِيلَةٍ كَمُوسَى بِالْكَلَامِ وَإِبْرَاهِيم بِالْخُلَّةِ وَمُحَمَّد بِالْإِسْرَاءِ

اور آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں آباد ہیں، یعنی ان کے حالات کے مطابق جو چاہتا ہے خاص کرتا ہے۔ اور بیشک ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی یعنی ان میں سے ہر ایک کو فضیلت دی جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو کلام کیلئے خاص کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مقام خلیل کے ساتھ خاص کیا اور نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کیلئے معراج کو خاص کیا ہے۔ اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا کی۔

نبی کریم ﷺ کی فضیلت کبریٰ کا بیان

زبور کتاب الٰہی ہے جو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی، اس میں ایک سو پچاس سورتیں ہیں سب میں دعا اور اللہ تعالیٰ کی ثنا اور اسکی تحمید و تمجید ہے، نہ اس میں حلال و حرام کا بیان، نہ فرائض، نہ حدود و احکام، اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ حضرت داؤد علیہ والسلام کا نام لے کر ذکر فرمایا گیا۔ مفسرین نے اس کے چند وجوہ بیان کئے ہیں ایک یہ کہ اس آیت میں بیان فرمایا گیا کہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی پھر ارشاد کیا کہ حضرت داؤد کو زبور عطا کی باوجودیکہ حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ملک بھی عطا کیا تھا لیکن اس کا ذکر نہ فرمایا اس میں تنبیہ ہے کہ آیت میں جس فضیلت کا ذکر ہے وہ فضیلت علم ہے نہ کہ فضیلت ملک و مال۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں فرمایا ہے کہ محمد خاتم الانبیاء ہیں اور ان کی امت خیر الامم اسی سبب سے آیت میں حضرت داؤد اور زبور کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہود کا گمان تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں اور توریت کے بعد کوئی کتاب نہیں اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور عطا فرمانے کا ذکر کر کے یہود کی تکذیب کر دی گئی اور ان کے دعوے کا بطلان ظاہر فرما دیا گیا غرض کہ یہ آیت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کبریٰ پر

دلالت کرتی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ الاسراء، لاہور)

تمہارا رب تم سے بخوبی واقف ہے وہ ہدایت کے مستحق لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔ وہ جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے، اپنی اطاعت کی توفیق دیتا ہے اور اپنی جانب جھکا لیتا ہے۔ اسی طرح جسے چاہے بداعمالی پر پکڑ لیتا ہے اور سزا دیتا ہے۔ ہم نے تجھے ان کا ذمہ دار نہیں بنایا تیرا کام ہوشیار کر دینا ہے تیری ماننے والے جنتی ہوں گے اور نہ ماننے والے دوزخی بنیں گے۔ زمین و آسمان کے تمام انسان جنات فرشتوں کا اسے علم ہے، ہر ایک کے مراتب کا اسے علم ہے، ایک کو ایک پر فضیلت ہے، نبیوں میں بھی درجے ہیں، کوئی کلیم اللہ ہے، کوئی بلند درجہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نبیوں میں فضیلتیں قائم نہ کیا کرو، اس سے مطلب صرف تعصب اور نفس پرستی سے اپنے طور پر فضیلت قائم کرنا ہے نہ یہ کہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ فضیلت سے بھی انکار۔ جو فضیلت جس نبی کی از روئے دلیل ثابت ہو جائے گی اس کا ماننا واجب ہے مانی ہوئی بات ہے کہ تمام انبیاء سے رسول افضل ہیں اور رسولوں میں پانچ اولو العزم رسول سب سے افضل ہیں جن کا نام سورۃ احزاب کی آیت میں ہے یعنی حضرت محمد ﷺ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ صلوۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الاسراء، بیروت)

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا۝
فرما دیجئے: تم ان سب کو بلا لو جنہیں تم اللہ کے سوا گمان کرتے ہو وہ تم سے تکلیف دور کرنے پر قادر نہیں ہیں اور
نہ پھیر دینے کا (اختیار رکھتے ہیں)۔

معبود حقیقی ہی تکالیف کو دور کرنے والا ہے

"قُلْ" لَهُمْ "ادْعُوا الَّذِینَ زَعَمْتُمْ" أَنَّهُمْ آلِهَة "مِنْ دُونه" كَالْمَلَائِكَةِ وَعِيسَى وَعُزَيْر "تَحْوِيلًا" لَهُ إلَى غَيْركُمْ

فرما دیجئے: تم ان سب کو بلا لو جنہیں تم اللہ کے سوا معبود گمان کرتے ہو جس طرح فرشتے، عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام ہیں۔ وہ تم سے تکلیف دور کرنے پر قادر نہیں ہیں اور نہ اسے دوسروں کی طرف پھیر دینے کا اختیار رکھتے ہیں۔

سورہ الاسراء آیت ۵۶ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ انسان کچھ جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے چنانچہ وہ دین اسلام لے آئے اور دوسرے انسان ان کی عبادت کے ساتھ چمٹے رہے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 169، زاد المسیر 5-49)

صحیح بخاری میں ہے کہ جن جنات کی یہ مشرکین پرستش کرتے تھے وہ خود مسلمان ہو گئے تھے لیکن یہ اب تک اپنے کفر پر جمے ہوئے ہیں، اس لئے انہیں خبردار کیا گیا کہ تمہارے معبود خود اللہ کی طرف جھک گئے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ جن فرشتوں کی ایک قسم سے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہ السلام، حضرت عزیر علیہ السلام، سورج چاند، فرشتے سب قرب الٰہی

کی تلاش میں ہیں۔

ابن جریر فرماتے ہیں ٹھیک مطلب یہ ہے کہ جن جنوں کو یہ پوجتے تھے آیت میں وہی مراد ہیں کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ کا زمانہ تو گزر چکا تھا اور فرشتے پہلے ہی سے عابد الٰہی تھے تو مراد یہاں بھی جنات ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، الاسراء، بیروت)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ
وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۝
یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں سے زیادہ مقرب کون ہے اور
اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

خود عبادت کرنے والے معبود کیسے بن سکتے ہیں

"أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ" أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَهُمْ آلِهَة "يَبْتَغُونَ" يَطْلُبُونَ "إلَى رَبّهمْ الْوَسِيلَة" الْقُرْبَة بِالطَّاعَةِ "أَيّهمْ" بَدَل مِنْ وَاو يَبْتَغُونَ أَيْ يَبْتَغِيهَا الَّذِي هُوَ "أَقْرَب" إلَيْهِ فَكَيْفَ بِغَيْرِهِ "وَيَرْجُونَ رَحْمَته وَيَخَافُونَ عَذَابه" كَغَيْرِهِمْ فَكَيْفَ تَدْعُونَهُمْ آلِهَة

یہ لوگ جن کی عبادت کرتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں یعنی طاعت کے ساتھ قربت حاصل کرتے ہیں۔ کہ ان میں سے بارگاہِ الٰہی میں زیادہ مقرب کون ہے، یہاں پر ایھم یبتغون کی واؤ سے حال ہے۔ اور وہ خود اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور وہ خود ہی اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں، (اب تم ہی بتاؤ کہ وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں وہ تو خود معبودِ برحق کے سامنے جھک رہے ہیں)، بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

سورہ الاسراء آیت ۵۷ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ایک جماعتِ عرب کے حق میں نازل ہوئی جو جنات کے ایک گروہ کو پوجتے تھے وہ جنات اسلام لے آئے اور ان کے پوجنے والوں کو خبر نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں عار دلائی۔ (تفسیر خازن، سورہ الاسراء، بیروت)

وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًاؕ
كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۝
اور کوئی بستی ایسی نہیں مگر ہم اسے روزِ قیامت سے قبل ہی تباہ کر دیں گے یا اسے نہایت ہی سخت عذاب دیں گے،
یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

قیامت سے قبل موت کے ذریعے ہلاکت کا بیان

"وَإِنْ" مَا "مِنْ قَرْيَةٍ" أُرِيدَ أَهْلُهَا "مُهْلِكُوهَا" بِالْمَوْتِ "أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا" بِالْقَتْلِ وَغَيْرِه "كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ" اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ "مَسْطُورًا" مَكْتُوبًا

اور کوئی بستی ایسی نہیں مگر ہم اسے روزِ قیامت سے قبل ہی موت کے ساتھ تباہ کر دیں گے یا اسے نہایت ہی سخت عذاب دیں گے، یعنی قتل وغیرہ سے عذاب دیں گے۔ یہ امر کتاب لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

وہ نوشتہ جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے وہ حکم جو جاری کر دیا گیا ہے اس کا بیان اس آیت میں ہے کہ گنہگاروں کی بستیاں یقیناً ویران کر دی جائیں گی یا ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہی کے قریب ہو جائیں گی اس میں ہماری جانب سے کوئی ظلم نہ ہوگا بلکہ انکے اپنے کرتوت کا خمیازہ ہوگا، رب کی آیتوں اور اسکے رسولوں سے سرکشی کرنے کا پھل ہوگا۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ
مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝
اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ ہم نشانیاں دے کر بھیجیں مگر اس بات نے کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا اور ہم نے ثمود کو
اونٹنی واضح نشانی کے طور پر دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشانیاں دے کر نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کے لیے۔

معجزات کا مقصد ایمان ہونے کا بیان

"وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ" الَّتِي اقْتَرَحَهَا أَهْلُ مَكَّةَ "إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ" لَمَّا أَرْسَلْنَاهَا فَأَهْلَكْنَاهُمْ وَلَوْ أَرْسَلْنَاهَا إِلَى هَؤُلَاءِ لَكَذَّبُوا بِهَا وَاسْتَحَقُّوا الْإِهْلَاكَ وَقَدْ حَكَمْنَا بِإِمْهَالِهِمْ لِإِتْمَامِ أَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ" آيَةً "مُبْصِرَةً" بَيِّنَةً وَاضِحَةً "فَظَلَمُوا" كَفَرُوا "بِهَا" "بِالْآيَاتِ" الْمُعْجِزَاتِ "إِلَّا تَخْوِيفًا" لِلْعِبَادِ فَيُؤْمِنُوا

اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ ہم نشانیاں یعنی اہل مکہ کے فرمائشی معجزات دے کر بھیجیں مگر اس بات نے کہ پہلے لوگوں نے انہیں جھٹلا دیا۔ یعنی ان کی طرف معجزات بھیجے پھر ہلاکت کے لائق ہوئے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور اگر ہم ان کی طرف معجزات بھیجیں تو یہ بھی ہلاکت کے حقدار بن جائیں گے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کی شریعت کی تکمیل کیلئے ہم نے ان کو مہلت دی ہے۔ اور ہم نے ثمود کو اونٹنی واضح نشانی کے طور پر دی تو انھوں نے اس پر ظلم یعنی کفر کیا اور ہم نشانیاں یعنی معجزات دے کر نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کے لیے۔ تاکہ وہ ایمان لائیں۔

کوہ صفا کو سونے کے بنانے کے مطالبہ کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے یہ معجزہ طلب کیا کہ آپ ان کے لیے کوہ صفا کو سونے کا

بنادیں اور ان سے پہاڑوں کو دور کر دیں تاکہ وہ کھیتی باڑی کر سکیں آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کا انتظار کریں اور اگر چاہیں تو انہیں ان کا مطالبہ پورا کر دیں لیکن اگر (اس صورت میں) انہوں نے پھر کفر کیا تو انہیں پچھلوں کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا بلکہ میں انتظار کروں گا (کہ کسی موقع پر ہدایت قبول کرلیں) اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۔ طبرانی اور ابن مردویہ نے زبیر سے اسی طرح کی روایت اس سے زیادہ بسط کے ساتھ نقل کی ہے۔ (سیوطی 169، مسند احمد 4۔96، زاد المسیر 5۔(15)

حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ وہ صفا کو ہمارے لیے سونے کا بنادیں اور پہاڑوں کو ہم سے فاصلے پر کر دیں تاکہ ہم کھیتی باڑی کر سکیں تو آپ سے فرمایا گیا کہ آپ چاہیں تو ان کا انتظار کریں (اور انہیں مہلت دیں) شاید کہ ہم ان میں سے بعض کو منتخب کرلیں اور اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ ان کو عطا کر دیتے ہیں لیکن اگر انہوں نے اس کے باوجود کفر کیا تو پھر انہیں پچھلی امتوں کی طرح ہلاک کر دیا جائے گا آپ نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ میں انتظار کروں گا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ،

(طبری 5۔74، مسند احمد 1۔258)

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ
وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝
اور جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بیشک آپ کے رب نے لوگوں کو احاطہ میں لے رکھا ہے، اور ہم نے تو اس نظارہ کو جو
ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کے لئے صرف ایک آزمائش بنایا ہے اور اس درخت بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے،
اور ہم انہیں ڈراتے ہیں مگر یہ ان میں کوئی اضافہ نہیں کرتا سوائے اور بڑی سرکشی کے۔

جہنم میں شجر ملعونہ ہونے کا بیان

"وَ" وَاذْكُرْ "إِذْ قُلْنَا لَك إِنَّ رَبّك أَحَاطَ بِالنَّاسِ" عِلْمًا وَقُدْرَة فَهُمْ فِي قَبْضَته فَبَلِّغْهُمْ وَلَا تَخَف أَحَدًا فَهُوَ يَعْصِمك مِنْهُمْ "أَرَيْنَاك" عِيَانًا لَيْلَة الْإِسْرَاء "إِلَّا فِتْنَة لِلنَّاسِ" أَهْل مَكَّة إِذْ كَذَّبُوا بِهَا وَارْتَدَّ بَعْضهمْ لَمَّا أَخْبَرَهُمْ بِهَا "وَالشَّجَرَة الْمَلْعُونَة فِي الْقُرْآن" وَهِيَ الزَّقُّوم الَّتِي تَنْبُت فِي أَصْل الْجَحِيم جَعَلْنَاهَا فِتْنَة لَهُمْ إِذْ قَالُوا : النَّار تُحْرِق الشَّجَر فَكَيْفَ تُنْبِتهُ "وَنُخَوِّفهُمْ" بِهَا "فَمَا يَزِيدهُمْ" تَخْوِيفنَا،

اور یاد کیجئے، جب ہم نے آپ سے فرمایا کہ بیشک آپ کے رب نے سب لوگوں کو اپنے علم وقدرت کے احاطہ میں لے رکھا ہے، پس وہ سب قبضہ میں ہیں۔ لہٰذا آپ ان کو پیغام بتائیے اور کسی ایک کا بھی خوف خاطر میں نہ لائیں۔ کیونکہ وہ آپ ﷺ کی ان

سے حفاظت کرنے والا ہے۔اور ہم نے تو شب معراج کے اس نظارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا۔ جو لوگوں یعنی اہل مکہ نے اس کی تکذیب کی ان کے لئے صرف ایک آزمائش بنایا ہے (ایمان والے مان گئے)اور ظاہر بین الجھ گئے اور اس درخت (شجرۃ الزقوم جو جہنم میں اگا ہوا ہے، جو تھوہر کا درخت ہے) کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے،اس کو بھی ان کیلئے آزمائش بنایا۔ جب انہوں نے کہا کہ آگ تو درخت کو جلا ڈالتی ہے تو وہ جہنم میں کیسے اگ آیا ہے۔اور ہم انہیں ڈراتے ہیں مگر یہ (ڈرانا بھی) ان میں کوئی اضافہ نہیں کرتا سوائے اور ہاں البتہ جوان کی بڑی سرکشی ہے۔

سورہ الاسراء آیت ۶۰ کے شان نزول کا بیان

جب اللہ نے زقوم (جہنم کا درخت) کا ذکر کیا اور اس کے ذریعے قبیلہ قریش کو ڈرایا تو ابوجہل نے کہا کیا تم جانتے ہو یہ زقوم جس سے محمد تمہیں ڈراتا ہے کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں اس نے کہا یہ مکھن کے ساتھ بنی ہوئی ثرید ہے اللہ کی قسم اگر ہمیں اس پر قدرت دے دی گئی تو ہم اسے ضرور بالضرور نگل جائیں گے۔اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ) ۔(نیسابوری 244،زادالمسیر 5)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے قول، وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ، اور وہ خواب جو ہم نے تمہیں دکھایا اور وہ خبیث درخت جس کا ذکر قرآن میں ہے ان سب کو ان لوگوں کے لئے فتنہ بنا دیا۔اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں مذکور ملعون درخت سے مراد زقوم کا درخت ہے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1079)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ۝
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، اس نے کہا کیا میں اسے سجدہ کروں
جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔

مٹی کو حقیر سمجھ کر شیطان کا دلیل قائم کرنے کا بیان

"وَ" اذْكُر "اُسْجُدُوا لِاٰدَمَ" سُجُود تَحِيَّة بِالِانْحِنَاءِ "طِينًا" نُصِبَ بِنَزْعِ الْخَافِض أَيْ مِنْ طِين

اور یاد کریں جب ہم نے فرشتوں سے کہا آدم کو سجدہ کرو یعنی تعظیمی سجدہ کے طور پر جھک جاؤ، یہاں پر لفظ طین یہ حذف جر کے سبب منصوب ہے۔یعنی من طین تھا، تو انھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس، اس نے کہا کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا۔

اس ملعون نے کہا کہ میں آدم کو سجدہ کیسے کروں جبکہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں جو کہ مٹی کے مقابلے میں افضل اور ایک جوہر لطیف ہے۔اور آدم کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔تو پھر میں اس کو سجدہ کیسے کروں؟ سو یہ تھی اس لعین کی متکبرانہ ابلیسی منطق جو اس نے حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ اقدس میں بگھاری۔اور جس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ کیلئے مردود و مطرود ہو گیا۔ جو لوگ آج اپنے

استکبار اور غرور و گھمنڈ کی بناء پر انبیائے کرام کی تعظیم نہیں کرتے اور دعوت حق پر لبیک نہیں کہتے۔ وہ دراصل اپنے اسی امام ابلیس کی پیروی کرتے اور اس کی منطق اپناتے ہیں اور اسطرح وہ خود اپنی محرومی کا سامان کرتے ہیں مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔

قَالَ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا○

اس نے کہا کیا تو نے دیکھا، یہ شخص جسے تو نے مجھ پر عزت بخشی، یقیناً اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں بہت تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی اولاد کو ہر صورت جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔

شیطان کا گمراہی کیلئے مہلت طلب کرنے کا بیان

"قَالَ أَرَأَیْتُكَ" أَیْ أَخْبِرْنِی "هٰذَا الَّذِی كَرَّمْت" فَضَّلْت "عَلَیَّ" بِالْأَمْرِ بِالسُّجُودِ لَهُ "وَأَنَا خَیْر مِنْهُ خَلَقْتنِی مِنْ نَار" "لَئِنْ" لَام قَسَم "لَأَحْتَنِكَنَّ" لَأَسْتَأْصِلَنَّ "ذُرِّیَّته" بِالْإِغْوَاءِ "إلَّا قَلِیلًا" مِنْهُمْ مِمَّنْ عَصَمْته

اس نے کہا کیا تو نے دیکھا، یعنی مجھے بتایئے یہ شخص جسے تو نے مجھ پر عزت بخشی ہے یعنی فضیلت دی ہے۔ اور مجھے اس کو سجدے کا حکم دیا حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں۔ کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ یہاں پر لئن میں لام برائے قسم ہے۔ یقیناً اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں بہت تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی اولاد کو ہر صورت جڑ سے اکھاڑ دوں گا۔ یعنی سوائے ان قلیل لوگوں کے جن کو تو نے بچالیا۔

اس ملعون نے کہا کہ اگر تو نے مجھے مہلت دی تو میں جڑ نکال دونگا اس کی سب نسل کی اور ان سب کو راہ حق سے پھسلا کر دوزخ میں پہنچا کر چھوڑوں گا سوائے ان میں کے ان تھوڑے سے لوگوں کے جن پر میرا زور نہیں چل سکے گا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے خود بھی ارشاد فرمایا ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغاوین (الحجر) کہ میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا سوائے ان بہکے بھٹکے ہوئے گمراہوں کے جو تیرے پیچھے چلیں گے اور انہوں نے اپنے کیے کرائے کا بھگتان بھگتنا اور تیرے ساتھ دوزخ میں داخل ہونا ہے کہ یہی تقاضا ہے عدل و انصاف و مکافات عمل کا ہے۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا○

اللہ نے فرمایا۔ جا، پس ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تو بیشک دوزخ تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔

قیام قیامت تک شیطان کیلئے مہلت ہونے کا بیان

"قَالَ" تَعَالَى لَهُ "اذْهَبْ" مُنْظَرًا إلَى وَقْت النَّفْخَة الْأُولَى "جَزَاؤُكُمْ" أَنْتَ وَهُمْ "جَزَاء مَوْفُورًا" وَافِرًا كَامِلًا

اللہ نے فرمایا جا تجھے پہلی بار صور پھونکنے تک مہلت ہے، پس ان میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا تو بیشک دوزخ ہی تم

سب کی پوری پوری سزا ہے۔

ابلیس نے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کیلئے خدائے پاک سے جو مہلت مانگی تھی وہ اس کو دے دی گئی، اور حق تعالیٰ نے اس ملعون سے فرمادیا کہ تو ان کو ورغلانے کیلئے جو کچھ کرنا چاہے کرلے، تجھے اسکی پوری آزادی ہے، اور یہ کہ تجھے اور تیری پیروی کرنے والوں کو پورا پورا بدلہ دینے کیلئے جہنم کافی ہے اور ایسی اور اس قدر کافی، کہ اس کے ہوتے ہوئے تمہاری سزا میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جائیگی۔ جہنم کی سزا ایسی ہولناک ہوگی کہ وہ ایک ہی ساتھ سب کسر پوری کر چھوڑے گی۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ
فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۝
اور جس پر بھی تیرا بس چل سکتا ہے تو اپنی آواز سے ڈگمگا لے اور ان پر اپنی سوار اور پیادہ دستوں کو چڑھا دے اور ان کے مال واولاد
میں ان کا شریک بن جا اور ان سے وعدے کر، اور ان سے شیطان دھوکہ وفریب کے سوا وعدہ نہیں کرتا۔

گناہوں کی طرف لے جانے والے شیطانی ذرائع کا بیان

"وَاسْتَفْزِزْ" اسْتَخِفَّ "بِصَوْتِكَ" بِدُعَائِكَ بِالْغِنَاءِ وَالْمَزَامِير وَكُلّ دَاعٍ إِلَى الْمَعْصِيَة "وَأَجْلِبْ" صِحْ "عَلَيْهِمْ بِخَيْلِك وَرَجِلك" وَهُمْ الرُّكَّاب وَالْمُشَاة فِي الْمَعَاصِي "وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَال" الْمُحَرَّمَة كَالرِّبَا وَالْغَصْب "وَالْأَوْلَاد" مِنْ الزِّنَى "وَعِدْهُمْ" بِأَنْ لَا بَعْث وَلَا جَزَاء "وَمَا يَعِدهُمْ الشَّيْطَان" بِذَلِكَ "إِلَّا غُرُورًا" بَاطِلًا

اور جس پر بھی تیرا بس چل سکتا ہے تو اسے اپنی آواز سے ڈگمگا لے یعنی موسیقی اور مزامیر اور ہر ایسی چیز جو گناہ کی طرف لے جانے والی ہے اس کے ذریعے ان کو پھسلا لے۔ اور ان پر اپنی فوج کے سوار اور پیادہ دستوں کو چڑھا دے یہاں پر خیل سے مراد گھوڑ سوار اور رجل سے مراد پیدل ہیں جو گناہوں کی طرف چلتے ہیں۔ اور ان کے مال واولاد میں ان کا شریک بن جا یعنی حرام مال اور ڈکیتی کا مال اور زنا کی اولاد سے حصہ لے۔ اور ان سے جھوٹے وعدے کر، کہ دوبارہ کوئی زندگی نہ ہوگی اور نہ کوئی جزاء ہوگی۔ اور ان سے شیطان دھوکہ وفریب کے سوا کوئی وعدہ نہیں کرتا۔ غرور سے مراد باطل ہے۔

لوگوں کے اموال واولاد میں شیطان کی شرکت کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جتنے افراد بھی کفر ومعصیت کی حمایت کے لئے لڑنے کو چلتے ہیں وہ سوار اور پیادے سب شیطان ہی کا سوار اور پیادہ لشکر ہے رہا یہ معاملہ کہ شیطان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اولاد آدم کو بہکا کر گمراہ کرنے پر قادر ہو جائے گا جس کی بناء پر اس نے یہ دعویٰ کیا تو ممکن ہے کہ انسان کے اجزا ترکیبی کو دیکھ کر اس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے اندر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوگا اس لئے بہکانے میں آ جانا دشوار نہیں اور اس میں بھی کچھ بعد نہیں کہ یہ دعویٰ بھی محض جھوٹ ہی ہو۔

لوگوں کے اموال اور اولاد میں شیطان کی شرکت کا مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا کہ اموال میں جو مال ناجائز حرام طریقوں سے حاصل کیا جائے یا حرام کاموں میں خرچ کیا جائے یہی شیطان کی اس میں شرکت ہے اور اولاد میں شیطان کی شرکت اولاد حرام ہونے سے بھی ہوتی ہے اور اس سے بھی کہ اولاد کے نام مشرکانہ رکھے یا ان کی حفاظت کے لئے مشرکانہ رسوم ادا کرے یا ان کی پرورش کے لئے حرام ذرائع آمدنی اختیار کرے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الاسراء، بیروت)

شیطان کی لشکروں سے جنگ کرنے کا بیان

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو آدمی صبح کی نماز کے لئے جاتا ہے وہ گویا وہ ایمان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے اور جو آدمی صبح بازار جاتا ہے تو گویا وہ شیطان کا جھنڈا لے کر چلتا ہے۔

(ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 603)

علامہ طیبی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے لشکر اور شیطان کو بیان کرنے کے لئے تمثیل ہے کہ جو آدمی فجر کی نماز پڑھنے کے لئے صبح سویرے مسجد کی طرف چلتا ہے تو گویا وہ ایمان کا جھنڈا اٹھا کر شیطان سے جنگ کرنے کے لئے چلتا ہے جس طرح غازی اور مجاہدین دشمنان اسلام سے برسرپیکار ہونے کے لئے اسلامی جھنڈا لے کر چلتے ہیں لہٰذا صبح سویرے فجر کی نماز کو جانے والا آدمی اللہ تعالیٰ کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے اور جو آدمی صبح سویرے حصول دنیا کے چکر میں بازار کی طرف چلتا ہے تو وہ شیطان کے لشکر کا ایک فرد ہوتا ہے۔ بایں طور کہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز کو جانے کی بجائے شیطان کی خواہش پر عمل کرتا ہے اور اس طرح وہ اپنے دین کو کمزور کر کے شیطان کی پیروی اور تابعداری کا جھنڈا اٹھا کر اس کی شان و شوکت بڑھاتا ہے لیکن یہ سمجھ لیجئے کہ یہ تمثیل اس آدمی کے حق میں ہے جو فجر کی نماز اور وظائف پڑھے بغیر بازار جاتا ہے۔ ہاں اگر کوئی آدمی نماز و تلاوت اور وظائف سے فارغ ہو کر حلال رزق طلب کرنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے سامان حیثیت کی فراہمی کی خاطر بازار جاتا ہے تو وہ اس تمثیل کی رو سے شیطان کے لشکر کا فرد نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے لشکر کا فرد ہوتا ہے۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا ۝
بیشک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا تسلط نہیں ہو سکے گا، اور تیرا رب ان کی کارسازی کے لئے کافی ہے۔

اہل ایمان پر شیطانی فریب نہ چل سکنے کا بیان

"اِنَّ عِبَادِی" اَلْمُؤْمِنِیْنَ "سُلْطَان" تَسَلُّط وَقُوَّة "وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا" حَافِظًا لَهُمْ مِنْك

بیشک جو میرے بندے یعنی اہل ایمان ہیں ان پر تیرا تسلط نہیں ہو سکے گا، اور تیرا رب ان اللہ والوں کی کارسازی کے لئے کافی ہے۔ یعنی وہ ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔

16

فرشتے اور شیطانی تصرف کے درمیان اختیار کا بیان

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا! حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو شیطان کا ہوا کرتا ہے اور ایک تصرف فرشتہ کا شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ برائی پر ابھارتا ہے اور حق کو جھٹلاتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ نیکی پر ابھارتا ہے اور حق کی تصدیق کرتا لہٰذا جو آدمی (نیکی پر فرشتہ کے ابھارنے کی) یہ کیفیت اپنے اندر پائے تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے (ہدایت) ہے اس پر اس کو اللہ کا شکر بجالانا چاہیے اور جو آدمی دوسری کیفیت (یعنی شیطان کی وسوسہ اندازی) اپنے اندر پائے تو اس کو چاہیے کہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآنی آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور گناہ کے لئے اکساتا ہے۔ اس روایت کو جامع ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 70)

فرشتہ کے ابھارنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ نیکی کی اہمیت اور نیکی پر ملنے والے اجر و انعام کی کشش ظاہر کرتا ہے اور انسان کے احساس و شعور میں یہ بات ڈالتا ہے کہ اللہ کا سچا دین ہی انسانیت کی بقاو ترقی کا ضامن ہے اللہ کے رسول جو شریعت لے کر آئے ہیں اسی میں بنی آدم کی دنیاوی اور آخروی نجات پوشیدہ ہے۔ اگر اپنی فلاح و نجات چاہتے ہو تو برائی کے راستہ سے بچو اور نیکی کے راستہ کو اختیار کرو۔ شیطان کا ابھارنا یہ ہوتا ہے کہ وہ راہ حق کو تاریک کر کے دکھاتا ہے وسوسہ اندازی کے ذریعہ دین کی بنیادی باتوں مثلاً توحید، نبوت آخرت اور دوسرے معتقدات میں تردد و تشکیک پیدا کرتا ہے۔ نیکی کو بدنما صورت میں اور بدی کو اچھی شکل و صورت میں پیش کرتا ہے، انسانی دماغ یہ میں بات بٹھانے کی سعی کرتا ہے کہ اگر ان چیزوں کو اختیار کرو گے جو نیکی سے تعبیر کی جاتی ہیں تو پریشانیاں اٹھاؤ گے، تکلیفیں، برداشت کرو گے، مثلاً توکل و قناعت کی زندگی اختیار کرو گے اور اپنے اوقات کو دنیا سازی میں صرف کرنے کی بجائے اللہ کی عبادت اور دین کی خدمت میں لگاؤ گے تو تم نہ مال دولت حاصل کر پاؤ گے اور نہ دنیا کی کوئی آسائش و راحت اٹھا پاؤ گے، اسلئے فقر و محتاجگی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝
تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارے لیے دریا میں کشتی رواں کرتا ہے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، بیشک وہ تم پر مہربان ہے۔

تجارتی فوائد وغیرہ کیلئے دریاؤں کو مسخر کرنے کا بیان

"يُزْجِى" يُجْرِى "لَكُمُ الْفُلْكَ" السُّفُن "لِتَبْتَغُوا" تَطْلُبُوا "مِنْ فَضْله" تَعَالَى بِالتِّجَارَةِ "إنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا" فِي تَسْخِيرهَا لَكُمْ

تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارے لیے دریا میں کشتی رواں کرتا ہے کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، یعنی تجارت کرو، بیشک وہ تم پر مہربان ہے۔ کیونکہ اس نے تمہارے لئے اس کو مسخر کیا ہے۔

ارشاد فرمایا گیا اور انسان کے قلب وضمیر اور عقل وفکر کو جھنجھوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا کہ تمہارا رب وہی ہے جو تمہارے لئے کشتیاں (اور طرح طرح کے جہاز) چلاتا ہے سمندر میں۔ حالانکہ پانی کی طبیعت اور خاصیت یہ ہے کہ اس میں معمولی سا کنکر پتھر بھی اگر پھینکا جائے تو وہ ڈوب جاتا ہے مگر تمہارے فائدے کیلئے اس قادر مطلق نے اس کو تمہارے لئے ایسا مسخر کردیا کہ طرح طرح کی کشتیاں اور ہزاروں ٹن وزن کے یہ دیو ہیکل جہاز اس پر اس سہولت اور آسانی سے تیرتے پھرتے ہیں اور تمہارے لئے طرح طرح کے فوائد اور قسما قسم کے منافع کا ذریعہ بنتے ہیں کہ انہی بحری ذرائع حمل ونقل سے تمہاری ضرورتوں کے سامان مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق اور شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال جاتے ہیں اور اسی سے تمہاری روزی کے بھی طرح طرح کے ذرائع ووسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سواس سے تم لوگ یہ اندازہ کرسکتے ہو کہ تمہارا وہ رب کتنا مہربان، کس قدر قادر اور کیسی عظمت شان کا مالک ہے سبحانہ وتعالیٰ جس نے تمہاری طرح طرح کی ضرورتوں کی تکمیل اور ان کی بہم رسانی کا اس قدر پر حکمت طریقہ سے انتظام فرمایا ہے سبحانہ وتعالیٰ پھر اسی سے تم لوگ خود سوچو کہ اس کا تم پر کیا حق ہے؟ اور اس کے اس حق کی ادائیگی کس طرح کی جاسکتی ہے؟

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ
اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝
اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے تو وہ گم ہوجاتے ہیں جن کی تم پرستش کرتے رہتے ہو سوائے اسی کے،
پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے رُوگردانی کرنے لگتے ہو، اور انسان بڑا ناشکرا واقع ہوا ہے۔

مصائب وپریشانیوں میں مشرکین کا اللہ سے دعا کرنے کا بیان

"الضُّرّ" الشِّدَّة "فِي الْبَحْر" خَوْف الْغَرَق "ضَلَّ" غَابَ عَنْكُمْ "مَنْ تَدْعُونَ" تَعْبُدُونَ مِنْ الْآلِهَة فَلَا تَدْعُونَهُ "إلَّا إيَّاهُ" تَعَالَى فَإِنَّكُمْ تَدْعُونَهُ وَحْده لِأَنَّكُمْ فِي شِدَّة لَا يَكْشِفهَا إلَّا هُوَ "فَلَمَّا نَجَّاكُمْ" مِنْ الْغَرَق وَأَوْصَلَكُمْ "أَعْرَضْتُمْ" عَنْ التَّوْحِيد "وَكَانَ الْإِنْسَان كَفُورًا" جَحُودًا لِلنِّعَمِ

اور جب سمندر میں تمہیں کوئی مصیبت لاحق ہوتی ہے۔ یعنی ڈوب جانے کا خوف لاحق ہوتا ہے تو وہ سب بت تمہارے ذہنوں سے گم ہوجاتے ہیں جن کی تم پرستش کرتے رہتے ہو سوائے اسی اللہ کے جسے تم اس وقت یاد کرتے ہو، پھر جب وہ اللہ تمہیں غرق ہونے سے بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو پھر اس کی توحید سے رُوگردانی کرنے لگتے ہو، اور انسان نعمتوں کا انکار کرکے بڑا ناشکرا واقع ہوا ہے۔

بندے مصیبت کے وقت تو خلوص کے ساتھ اپنے پروردگار کی طرف جھکتے ہیں اور اس سے دلی دعائیں کرنے لگتے ہیں اور جہاں وہ مصیبت اللہ تعالیٰ نے ٹال دی تو یہ آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ فتح مکہ کے وقت جب کہ ابوجہل کا لڑکا عکرمہ حبشہ جانے کے

ارادے سے بھاگا اور کشتی میں بیٹھ کر چلا اتفاقاً کشتی طوفان میں پھنس گئی، باد مخالف کے جھونکے اسے پتے کی طرح ہلانے لگے، اس وقت کشتی میں جتنے کفار تھے، سب ایک دوسرے سے کہنے لگے اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی کچھ کام نہیں آنے گا۔ اسی کو پکارو۔ عکرمہ کے دل میں اسی وقت خیال آیا کہ جب تری میں صرف وہی کام کرسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی وہ کام آسکتا ہے۔

عکرمہ کے دل میں اسی وقت خیال آیا کہ جب تری میں صرف وہی کام کرسکتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی وہی کام آسکتا ہے۔

اے اللہ میں نذر مانتا ہوں کہ اگر تو نے مجھے اس آفت سے بچالیا۔

تو میں سیدھا جا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے دوں گا اور یقیناً وہ مجھ پر مہربانی اور رحم و کرم فرمائیں گے (صلی اللہ علیہ وسلم) چنانچہ سمندر سے پار ہوتے ہی وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا پھر تو اسلام کے پہلوان ثابت ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الاسراء، بیروت)

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝
کیا تم بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں خشکی کے کنارے دھنسا دے، یا تم پر کوئی پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دے،
پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ۔

غفلت کے سبب عذاب الٰہی سے بے پرواہ ہو جانے کا بیان

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ "جَانِبَ الْبَرِّ" أَيِ الْأَرْض كَقَارُونَ "أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا" أَيْ يَرْمِيكُمْ بِالْحَصْبَاءِ كَقَوْمِ لُوط "وَكِيلًا" حَافِظًا مِنْهُ،

کیا تم بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں خشکی یعنی زمین کے کنارے دھنسا دے، جس طرح قارون کے ساتھ ہوا۔ یا تم پر کوئی پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیج دے، جس طرح قوم لوط کے ساتھ ہوا۔ پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ۔ یعنی جو اس سے حفاظت کرنے والا ہو۔

پس فرماتا ہے کہ سمندر کی اس مصیبت کے وقت تو اللہ کے سوا سب کو بھول جاتے ہو لیکن پھر اس کے ہٹتے ہی اللہ کی توحید ہٹا دیتے ہو اور دوسروں سے التجائیں کرنے لگتے ہو۔ انسان ہے ہی ایسا ناشکرا کہ نعمتوں کو بھلا بیٹھتا ہے بلکہ منکر ہو جاتا ہے ہاں جسے اللہ بچالے اور توفیق خیر دے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ
بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ۝
یا اس سے نڈر ہوئے کہ تمہیں دوبارہ دریا میں لے جائے پھر تم پر جہاز توڑنے والی آندھی بھیجے تو تم کو تمہارے کفر کے سبب
ڈبو دے پھر اپنے لیے کوئی ایسا نہ پاؤ کہ اس پر ہمارا پیچھا کرے۔

سخت مصیبت سے نجات کے باوجود نہ سمجھ سکنے کا بیان

أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ "فِيهِ" أَيْ الْبَحْر "تَارَة" مَرَّة "قَاصِفًا مِنَ الرِّيح" أَيْ رِيحًا شَدِيدَة لَا تَمُرّ بِشَيْءٍ إِلَّا قَصَفَتْهُ فَتَكْسِر فُلْككُمْ "فَيُغْرِقكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ" بِكُفْرِكُمْ "تَبِيعًا" نَاصِرًا وَتَابِعًا يُطَالِبنَا بِمَا فَعَلْنَا بِكُمْ

یا اس سے نڈر ہوئے کہ تمہیں دوبارہ دریا میں لے جائے۔ پھر تم پر جہاز توڑنے والی آندھی بھیجے۔ یعنی ایسی آندھی کہ جس میں کوئی چیز گزر نہ سکے مگر یہ کہ اس کو توڑ دے جو تمہاری کشتیوں کو بھی توڑ دے۔ تو تم کو تمہارے کفر کے سبب ڈبو دے پھر اپنے لیے کوئی ایسا نہ پاؤ کہ اس پر ہمارا پیچھا کرے۔ یعنی ایسا مددگار کہ جو کچھ ہم نے تمہارے ساتھ کیا ہے اس کے بارے میں ہم پوچھنے کی جرأت کر سکے۔

جیسا کہ قارون کو دھنسا دیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ خشکی وتری سب اس کے تحتِ قدرت ہیں جیسا وہ سمندر میں غرق کرنے اور بچانے دونوں پر قادر ہے ایسا ہی خشکی میں بھی زمین کے اندر دھنسا دینے اور محفوظ رکھنے دونوں پر قادر ہے، خشکی ہو یا تری ہر کہیں بندہ اس کی رحمت کا محتاج ہے وہ زمین دھنسانے پر بھی قادر ہے اور یہ بھی قدرت رکھتا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ
وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۟
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو بہت عزت بخشی اور انہیں خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا
اور ہم نے جو مخلوق پیدا کی اس میں سے بہت سوں پر انہیں فضیلت دی، بڑی فضیلت دینا۔

خشکی و بحری سواریوں کو انسانوں کیلئے مسخر کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ كَرَّمْنَا" فَضَّلْنَا "بَنِي آدَم" بِالْعِلْمِ وَالنُّطْق وَاعْتِدَال الْخَلْق وَغَيْر ذَلِكَ وَمِنْهُ طَهَارَتهمْ بَعْد الْمَوْت "وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرّ" عَلَى الدَّوَابّ "وَالْبَحْر" عَلَى السُّفُن "كَثِير مِمَّنْ خَلَقْنَا" كَالْبَهَائِمِ وَالْوُحُوش "تَفْضِيلًا" فَمَنْ بِمَعْنَى مَا أَوْ عَلَى بَابهَا وَتَشْمَل الْمَلَائِكَة وَالْمُرَاد تَفْضِيل الْجِنْس وَلَا يَلْزَم تَفْضِيل أَفْرَاده إِذْ هُمْ أَفْضَل مِنْ الْبَشَر غَيْر الْأَنْبِيَاء

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے آدم کی اولاد کو بہت عزت بخشی یعنی علم، بولنا، تخلیق میں درمیانہ روی وغیرہ کے سبب عزت بخشی ہے اور موت کے طہارت بھی انہی اوصاف میں سے ہے۔ اور انہیں خشکی جانوروں پر سوار کیا اور سمندر میں کشتیوں پر سوار کیا اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے جو مخلوق پیدا کی، جس طرح حیوانات ووحوش ہیں۔ اس میں سے بہت سوں پر انہیں فضیلت دی، بڑی فضیلت دینا۔ یہاں پر من بہ معنی ما ہے یا اپنی حالت پر ہے اور یہ فضیلت فرشتوں کو بھی شامل ہے اور یہاں فضیلت سے مراد جنس فضیلت ہے جبکہ

اس سے افراد کی فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ انبیائے کرام کے سوا باقی سب انسانوں پر فرشتوں کو فضیلت حاصل ہے۔

انسان کی برتری وحسن میں کرامت کا بیان

حسن کا قول ہے کہ اکثر سے کل مراد ہے اور اکثر کا لفظ کل کے معنی میں بولا جاتا ہے قرآن کریم میں بھی ارشاد ہوا (وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ، الشعراء:223) اور (وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ، یونس:36) میں اکثر بہ معنی کل ہے لہٰذا ملائکہ بھی اس میں داخل ہیں اور خواص بشر یعنی انبیاء علیہم السلام خواص ملائکہ سے افضل ہیں اور صلحائے بشر عوام ملائکہ سے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے زیادہ کرامت رکھتا ہے وجہ یہ ہے کہ فرشتے طاعت پر مجبول ہیں یہی ان کی سرشت ہے، ان میں عقل ہے شہوت نہیں اور بہائم میں شہوت ہے عقل نہیں اور آدمی شہوت وعقل دونوں کا جامع ہے تو جس نے عقل کو شہوت پر غالب کیا وہ ملائکہ سے افضل ہے اور جس نے شہوت کو عقل پر غالب کیا وہ بہائم سے بدتر ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ الاسراء، لاہور)

آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل وحواس عنایت فرمائے جن سے دنیاوی واخروی مضار ومنافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لیے کھلی ہیں دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیاوی آسائش و رہائش کے سامانوں سے منتفع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مسجودِ ملائکہ اور ان کے آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دے کر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا (هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ الاسراء:62) کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا، پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔

مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ "رسل بشر"، "رسل ملائکہ" سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی، سورہ الاسراء، لاہور)

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝
جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، پھر جسے اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی
تو یہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر ظلم نہ ہوگا۔

قیامت کے دن ہر امت کو اس کے نبی مکرم علیہ السلام کے ساتھ بلائے جانے کا بیان

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ "بِإِمَامِهِمْ" نَبِيِّهِمْ فَيُقَال يَا أُمَّة فُلَان أَوْ بِكِتَابِ أَعْمَالهمْ فَيُقَال يَا صَاحِب الشَّرّ وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة "فَمَنْ أُوتِيَ" مِنْهُمْ "كِتَابه بِيَمِينِهِ" وَهُمْ السُّعَدَاء أُولُو الْبَصَائِر فِي الدُّنْيَا "يُظْلَمُونَ" يُنْقَصُونَ مِنْ أَعْمَالهمْ "فَتِيلًا" قَدْر قِشْرَة النَّوَاة،

جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے امام یعنی ان کے نبی مکرم علیہ السلام کے ساتھ بلائیں گے، پس کہا جائے گا اے فلاں نبی مکرم علیہ السلام کی امت یا ان کے نامہ اعمال کے ساتھ بلایا جائے گا۔ پس کہا جائے گا اے برے نامہ اعمال والے، اے اچھے نامہ اعمال والے، پھر جسے اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی، وہ سعادت مند اور دنیا میں اہل بصیرت ہوں گے، تو یہ لوگ اپنی کتاب پڑھیں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

قیامت کے لوگوں کا اپنے ائمہ کے ساتھ آنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت (يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ جس دن ہم لوگوں کو ان کے سرداروں کے ساتھ بلائیں گے۔ سو جسے اس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا سو وہ لوگ اپنا اعمال نامہ پڑھیں گے)۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک شخص کو بلا کر نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور اس کا بدن ساٹھ گز لمبا کر دیا جائے گا۔ پھر اس کا چہرہ روشن کر کے اس کے سر پر موتیوں کا ایک تاج پہنایا جائے گا۔ جو چمک رہا ہوگا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف جائے گا تو وہ اسے دور ہی سے دیکھ کہیں گے کہ یا اللہ ہمیں بھی ایسی نعمت عطا فرما اور ہمارے لئے اس میں برکت دے یہاں تک کہ وہ آئے گا اور ان سے کہے گا کہ تم میں سے ہر شخص کے لئے ایسے انعام کی خوشخبری ہے لیکن کافر کا منہ سیاہ ہوگا اور اس کا جسم ساٹھ گز تک بڑھا دیا جائے گا۔ جیسے کہ آدم علیہ السلام کا قد وجسم تھا۔ پھر اسے بھی ایک تاج پہنایا جائے گا۔ جسے اللہ کے دوست دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں یہ چیز نہ دینا اور جب وہ ان کے پاس جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یا اللہ! اسے ہم سے دور کر دے۔ وہ کہے گا اللہ تمہیں دور کرے تم میں سے ہر شخص کے لئے اس کے مثل ہے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے اور سدی کا نام اسماعیل بن عبدالرحمن ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1081)

بزار میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس کا جسم بڑھ جائے گا، چہرہ چمکنے لگے گا، سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا، یہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے، کہ اے اللہ ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے۔ لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا، اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہنے لگیں گے اللہ اسے رسوا کر، یہ جواب دے گا، اللہ تمہیں غارت کرے، تم میں سے ہر شخص کے لئے یہی اللہ کی مار ہے۔ اس دنیا میں جس نے اللہ کی آیتوں سے اس کی کتاب سے اس کی راہ ہدایت سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں سچ مچ رسوا ہوگا اور

دنیا سے بھی زیادہ راہ بھولا ہوا ہوگا۔ (جامع البیان، سورہ الاسراء، بیروت)

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ٥
اور جو اس میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا۔

دنیا میں گمراہی کا اندھا آخرت میں نابینا ہوگا

"وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ" أَيْ الدُّنْيَا "أَعْمَى" عَنْ الْحَقّ "فَهُوَ فِي الْآخِرَة أَعْمَى" عَنْ طَرِيق النَّجَاة وَقِرَاءَة الْقُرْآن "وَأَضَلّ سَبِيلًا" أَبْعَد طَرِيقًا عَنْهُ ،

اور جو اس دنیا میں حق دیکھنے سے اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی نجات کے راستے اور قرأت قرآن سے اندھا ہوگا اور راستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا۔ یعنی راستے سے دور ہو جائے گا۔

دنیا میں ہدایت کے راستہ کو دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی اور اندھا بنا رہا۔ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور جنت کی راہ نظر ہی نہ آئے گی۔ دنیا میں اس کا اندھا پن اختیاری تھا اور اس کی اصلاح ممکن تھی۔ لیکن آخرت میں اس کا اندھا پن اضطراری ہوگا جو دنیا کے اندھا پن کے نتیجہ میں واقع ہوگا اور چونکہ اس کی اصلاح کی اب کوئی صورت ممکن نہ ہوگی نہ کسی دوسرے کا اسے راستہ دکھانا کام آسکے گا۔ لہٰذا ایسا شخص جنت سے دور ہی کہیں بھٹکتا رہے گا اور اسے صرف اپنے سامنے جہنم کے مختلف طرح کے عذاب ہی نظر آئیں گے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ٥
اور کفار تو یہی چاہتے تھے کہ آپ کو اس سے پھیر دیں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تا کہ آپ اس کے سوا
ہم پر کچھ اور کو منسوب کر دیں اور تب آپ کو اپنا دوست بنالیں۔

سورہ الاسراء آیت ۷۳ کے شان نزول کا بیان

وَنَزَلَ فِي ثَقِيف وَقَدْ سَأَلُوهُ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحَرِّم وَادِيهمْ وَأَلَحُّوا عَلَيْهِ، "وَإِنْ" مُخَفَّفَة "كَادُوا" قَارَبُوا "لَيَفْتِنُونَك" لَيَسْتَنْزِلُونَك "وَإِذًا" لَوْ فَعَلْت ذَلِكَ، لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا

یہ آیت مبارکہ قبیلہ ثقیف کے لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ ان کی وادی (طائف) کو حرم بنا دیں۔ اور اسی بات پر اصرار کیا۔ یہاں پر حرف إن مخففہ ہے۔

اور کفار تو یہی چاہتے تھے کہ آپ کو اس حکم الٰہی سے پھیر دیں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے تا کہ آپ اس وحی کے سوا ہم پر کچھ اور باتوں کو منسوب کر دیں اور تب آپ کو اپنا دوست بنالیں۔

طائف کو حرم بنانے کا مطالبہ کرنے والوں کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت ثقیف کے وفد کے متعلق نازل ہوئی یہ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے حق دور ہونے سوال کیا انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ایک سال تک لات، سے نفع اٹھانے دیجیے اور ہماری وادی کو اسی طرح حرمت والا قرار دیجیے جس طرح مکہ حرمت والا ہے کہ اس کے درخت، پرندے اور وحشی جانور سب حرمت والے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کوئی جواب نہ دیا انہوں نے آپ کے پاس آ کر بارہا یہی سوال کیا اور کہا ہم چاہتے ہیں کہ عرب خود پر ہماری فضیلت پہچانیں اگر آپ ہماری بات ناپسند کرتے ہیں اور آپ کو اس بات ڈر ہے کہ عرب کہیں گے کہ آپ نے ان قبیلہ ثقیف کو وہ کچھ دے دیا جو ہمیں نہیں دیا تو آپ کہہ دینا کہ اس کا حکم مجھے اللہ ہی نے دیا ہے رسول اللہ ﷺ ان سے خاموش ہو گئے اور ان میں لالچ آ گئی (کہ شاید آپ قبول فرمالیں) اسی دوران حضرت عمران پر چلائے کیا تم نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ تمہاری بات کی ناپسندیدگی کی وجہ سے تمہیں جواب نہیں دے رہے جبکہ رسول اللہ ان کی ناحق فرمائش دینے کا ارادہ کر لیا تھا کہ اللہ نے اسی وقت یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 245، زاد المسیر 5۔67، طبری 15۔130)

حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ مشرکین نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم ایذا پہنچانے سے اس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک کہ آپ ہمارے معبودوں کے قریب نہ آئیں اگر چہ آپ اپنی انگلی کی نوک ہی لگا دیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں گا تو اللہ جانتا ہے کہ میں نیکی کا ارادہ رکھتا ہوں اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ) ۔الی قولہ (نصیرا)۔ نیسابوری 244، زاد المسیر 5۔67، قرطبی 10۔(299)

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ قریش ایک رات صبح تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خلوت میں رہے وہ آپ سے کلام کرتے رہے آپ کی تعظیم کرتے، آپ کو اپنا سردار مانتے اور آپ کو قریب کرتے رہتے انہوں نے کہا بے شک آپ تو ایسی چیز (وحی) لاتے ہیں جو کوئی دوسرا نہیں لاتا اے ہمارے سردار آپ تو ہمارے سردار ہیں وہ مسلسل اسی طرح کرتے رہے یہاں تک کہ قریب تھا کہ آپ ان کے کسی برے ارادے میں ان کے قریب ہو جاتے پھر اللہ نے آپ کو اس سے بچا لیا اور یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری 245، زاد المسیر 5۔68، قرطبی 10۔299)

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝
اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تب بھی آپ ان کی طرف بہت ہی معمولی سے جھکاؤ کے قریب جاتے۔

نبی کریم ﷺ کی عصمت کا بیان

"وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ" عَلَى الْحَقّ بِالْعِصْمَةِ "لَقَدْ كِدْتَ" قَارَبْتَ "تَرْكَن" تَمِيل "إلَيْهِمْ شَيْئًا" رُكُونًا "قَلِيلًا" لِشِدَّةِ احْتِيَالهمْ وَإِلْحَاحهمْ وَهُوَ صَرِيح فِي أَنَّهُ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَرْكَن وَلَا قَارَبَ

اور اگر ہم نے آپ کو (پہلے ہی سے عصمتِ نبوت کے ذریعہ) ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تب بھی آپ ان کی طرف (اپنے پاکیزہ نفس اور طبعی استعداد کے باعث) بہت ہی معمولی سے جھکاؤ کے قریب جاتے۔اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ ان کی طرف پھر بھی زیادہ مائل نہ ہوتے اور وہ نا کام رہتے مگر اللہ نے آپ کو عصمتِ نبوت کے ذریعہ اس معمولی سے میلان کے قریب جانے سے بھی محفوظ فرمالیا ہے۔

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ مگر چونکہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت قدم رکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست ہماری نگرانی اور حفاظت میں تھے۔اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کسی بھی بات کا کوئی صدور ووقوع نہیں ہوا۔ورنہ آپ کسی قدر ان کی طرف جھک جاتے۔اسی لئے روایات میں ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اللّٰھم لا تکلنی الی نفسی طرفة عین کہ اے میرے اللہ مجھے کبھی لحہ بھر کیلئے بھی اپنے نفس کے حوالے نہیں کرنا۔(المراغی، المحاسن تاویل، سورہ الاسراء، بیروت)

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○
(اگر بالفرض آپ مائل ہو جاتے تو) اس وقت ہم آپ کو دوگنا مزہ زندگی میں اور دوگنا موت میں چکھاتے
پھر آپ اپنے لئے (بھی) ہم پر کوئی مددگار نہ پاتے۔

مثال فرض کر کے حق کو سمجھانے کا بیان

"إِذًا" لَوْ رَكَنْت "ضِعْف الْحَيَاة" أَيْ ضِعْف الْعَذَاب "وَضِعْف الْمَمَات" أَيْ مِثْلَيْ مَا يُعَذَّب غَيْرك فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة "نَصِيرًا" مَانِعًا مِنْهُ

اگر بالفرض آپ مائل ہو جاتے تو اس وقت ہم آپ کو دوگنا مزہ زندگی میں اور دوگنا موت میں چکھاتے، یعنی اس سے دوگنا جو آپ کے سوا دنیا و آخرت میں دوسروں کو دیا جاتا ہے۔پھر آپ اپنے لئے بھی ہم پر کوئی مددگار نہ پاتے۔یعنی جو اس عذاب کو روکنے والا ہوتا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اذا۔تب۔اس وقت۔اس صورت میں۔لاذقنک۔لام تاکید کے لئے ہے اذقنا ماضی جمع متکلم۔ہم نے چکھایا۔ک ضمیر مفعول جمع مذکر حاضر۔ہم تجھے ضرور چکھاتے۔ضعف الحیوۃ و ضعف الممات ۔اصل کلام یہ تھا۔لا ذقنك عذابا ضعفا فی الحیوۃ الدنیا ضعفا فی المماۃ ۔پھر موصوف کو حذف کر کے اس کی جگہ صفت کو قائم رکھا۔یعنی الضعف پھر موصوف کی اضافت صفت کو دی اور الحیوۃ کا مضاف ہو کر ضعف الحیوۃ بن گیا۔اسی طرح ضعف المماۃ یعنی دوگنا عذاب دنیا و دوگنا عذاب بعد از موت۔لک۔تیرے اپنے لئے۔علینا ہمارے مقابلہ میں (پھر آپ اپنے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا۝

اور کفار یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کے قدم زمین سے اکھاڑ دیں تا کہ وہ آپ کو یہاں سے نکال سکیں اور اس وقت وہ آپ کے بعد تھوڑی سی مدت کے سوا ٹھہر نہ سکتے۔

نبی کریم ﷺ کے وسیلہ کے سبب کفار بھی دنیاوی عذاب سے بچے رہے

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ لَهُ الْيَهُود : اِنْ كُنْتَ نَبِيًّا فَالْحَقْ بِالشَّامِ فَاِنَّهَا اَرْضُ الْاَنْبِيَاءِ "وَاِنْ" مُخَفَّفَة "كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْاَرْضِ "اَرْضِ الْمَدِينَة "وَاِذًا" لَوْ اَخْرَجُوكَ "لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ" فِيهَا "اِلَّا قَلِيلًا" ثُمَّ يَهْلِكُونَ

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا کہ اگر آپ نبی برحق ہوتے تو آپ شام میں ہوتے کیونکہ شام انبیائے کرام کی زمین ہے۔ یہاں لفظ اِن مخففہ ہے۔

اور کفار یہ بھی چاہتے تھے کہ آپ کے قدم زمین یعنی مدینہ منورہ سے اکھاڑ دیں تا کہ وہ آپ کو یہاں سے نکال سکیں اور (اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو) اس وقت وہ خود بھی آپ کے پیچھے تھوڑی سی مدت کے سوا ٹھہر نہ سکتے۔ اس کے بعد وہ ہلاک کر دیئے جاتے۔

سورہ الاسراء آیت ۷۶ کے شان نزول کا بیان

مشرکین نے اتفاق کر کے چاہا کہ سب مل کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سرزمین عرب سے باہر کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ ارادہ پورا نہ ہونے دیا اور ان کی یہ مراد بر نہ آئی، اس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر خازن، الاسراء، بیروت)

جن ایام میں یہ آیت نازل ہوئی اس وقت مسلمانوں پر کفار مکہ کا تشدد اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا ان ایام میں ایسی آیت کا نزول کفار مکہ کے حق میں ایک صریح پیشینگوئی تھی جسے انہوں نے اپنی طاقت کے نشہ میں محض ایک دھمکی ہی سمجھا جیسا کہ دوسری عذاب کی آیات متعلقہ اقوام سابقہ میں بھی ایسے اشارات پائے جاتے تھے مگر آنے والے حالات اور واقعات نے اس پیشینگوئی کو حرف بحرف سچا ثابت کر دیا۔ اس آیت کے نزول کے ایک سال بعد آپ مکہ کو چھوڑنے اور مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے بعد قریش کی طاقت میں دم بدم زوال آنا شروع ہوا اور صرف آٹھ سال بعد معاملہ بالکل الٹ ہو گیا۔ ظلم و تشدد کرنے والے خود محکوم بن گئے اور پیغمبر اسلام سے رحم کی التجا پر مجبور ہو گئے۔ بعد میں اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ حتیٰ کہ مزید دو سال بعد سرزمین عرب کفر و شرک کی نجاست سے پاک ہو گئی۔

اس سے کفار و مشرکین کی حق اور اہل حق سے عداوت و دشمنی کی انتہا واضح ہو جاتی ہے کہ ایسے منحوس اور بد بخت لوگ اہل حق یہاں تک کہ حضرت امام الانبیاء کا وجود بھی اپنے درمیان برداشت نہیں کرتے۔ سو کفار مکہ نے پیغمبر کو اپنی سرزمین سے نکالنے کی

پوری کوشش کی۔ یعنی مکہ مکرمہ سے جو کہ آپ کا مولد و مسکن تھا۔ اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارا و عزیز تھا۔ لیکن ان ظالموں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں رہنا برداشت اور گوارہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکالنے کی ٹھان لی۔ لیکن یہ ایسا کر نہیں سکے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے رب نے خود وہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دے دیا۔ ورنہ یہ لوگ اگر اپنے منصوبے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے نکال دیتے تو اس کے بعد یہ بھی وہاں رہنے نہ پاتے بجز تھوڑے سے عرصے کے اس کے بعد ہلاک ہو جاتے۔ (تفسیر الکبیر، سورہ الاسراء، بیروت)

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا۝

ان سب رسولوں کا دستور یہی رہا ہے، جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

انبیائے کرام کی جلاوطنی کا سبب عذاب ہونے کا بیان

"سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلك مِنْ رُسُلنَا" أَيْ كَسُنَّتِنَا فِيهِمْ مِنْ إهْلَاك مَنْ أَخْرَجَهُمْ "تَحْوِيلًا" تَبْدِيلًا

ان سب رسولوں کے لئے اللہ کا دستور یہی رہا ہے، جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا جب انہوں نے ہمارے رسولان گرامی کو نکالا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

اللہ کا دستور یہ ہے کہ جب تک کسی نافرمان قوم میں اللہ کا نبی موجود رہے اس وقت تک اس پر عذاب نہیں آتا۔ اور جب عذاب مقدر ہو جائے تو نبی کو وہاں سے نکال لیا جاتا ہے یا ہجرت کرنے کا حکم دے دیا جاتا ہے اور جب نبی نکل جاتا ہے تو پھر عذاب کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ براہ راست اس قوم پر عذاب نازل کر کے اس قوم کو تباہ کر دے اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کے ہاتھوں اس سرکش قوم کو پٹوا دے۔ جن کو ان مجرموں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تھا یا ان کے بجائے کسی دوسری قوم سے انہیں سزا دلوا دے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۝

نماز قائم کر سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور فجر کا قرآن، بے شک فجر کا قرآن ہمیشہ سے حاضر ہونے کا وقت رہا ہے۔

پانچوں نمازوں کے اوقات میں عبادت کا بیان

"أَقِمْ الصَّلَاة لِدُلُوكِ الشَّمْس" أَيْ مِنْ وَقْت زَوَالهَا "إلَى غَسَق اللَّيْل" إقْبَال ظُلْمَته أَيْ الظُّهْر وَالْعَصْر وَالْمَغْرِب وَالْعِشَاء "وَقُرْآن الْفَجْر" صَلَاة الصُّبْح "إنَّ قُرْآن الْفَجْر كَانَ مَشْهُودًا" تَشْهَدهُ مَلَائِكَة اللَّيْل وَمَلَائِكَة النَّهَار،

نماز قائم کر سورج ڈھلنے یعنی وقت زوال سے رات کے اندھیرے تک یعنی اندھیرے سے پہلے یعنی ظہر، عصر، مغرب، اور عشاء پڑھو۔ اور فجر کا قرآن پڑھ یعنی نماز فجر پڑھو۔ بے شک فجر کا قرآن ہمیشہ سے حاضر ہونے کا وقت رہا ہے۔ یعنی اس وقت

رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

سورہ الاسراء آیت ۷۸ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا، بے شک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو) کی تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور علی بن مسہر اسے اعمش سے وہ ابوصالح سے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں۔ علی بن حجر نے بواسطہ مسہر اور اعمش سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1080)

اوقات نماز کی اہمیت کا بیان

نمازوں کو وقتوں کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم ہو رہا ہے دلوک سے مراد غرب ہے یا زوال ہے۔ امام ابن جریر زوال کے قول کو پسند فرماتے ہیں اور اکثر مفسرین کا قول بھی یہی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے ساتھ ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جنہیں آپ نے چاہا دعوت کی، کھانا کھا کر سورج ڈھل جانے کے بعد آپ میرے ہاں سے چلے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا، چلو یہی وقت دلوک شمس کا ہے۔ پس پانچوں نمازوں کا وقت اس آیت میں بیان ہو گیا۔ غسق سے۔ مراد اندھیرا ہے جو کہتے ہیں کہ دلوک سے مراد غروب ہے، ان کے نزدیک ظہر عصر مغرب عشا کا بیان تو اس میں ہے اور فجر کا بیان وقران الفجر میں ہے۔ حدیث سے بہ تواتر اقوال وافعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچوں نمازوں کے اوقات ثابت ہیں اور مسلمان بحمد للہ اب تک اس پر ہیں، ہر پچھلے زمانے کے لوگ اگلے زمانے والوں سے برابر لیتے چلے آتے ہیں۔ جیسے کہ ان مسائل کے بیان کی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے والحمد للہ۔ صبح کی تلاوت قرآن پر دن اور رات کے فرشتے آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے تنہا شخص کی نماز پر جماعت جماعت کی نماز پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ صبح کن نماز کے وقت دن اور رات کے فرشتے اکٹھے ہوتے ہیں۔ اسے بیان فرما کر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم قرآن کی آیت کو پڑھ لو وقران الفجر الخ، بخاری ومسلم میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پے در پے آتے رہتے ہیں، صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہو جاتا ہے تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے، باوجود یہ کہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ چوکیدار فرشتے صبح کی نماز میں جمع ہوتے ہیں پھر یہ چڑھ جاتے ہیں اور وہ ٹھیر جاتے ہیں۔ ابن جریر کی ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے اور اس ارشاد فرمانے کا ذکر کیا کہ کوئی ہے؟ جو مجھ سے

استغفار کرے اور میں اسے بخشوں کوئی ہے؟ کہ مجھ سے سوال کرے اور میں اسے دوں۔ کوئی ہے؟ جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا کو قبول کروں۔ یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی ہے پس اس وقت پر اللہ تعالیٰ موجود ہوتا ہے اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الاسراء، بیروت)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝
اور رات کے کچھ حصہ میں (بھی قرآن کے ساتھ شب خیزی کرتے ہوئے) نماز تہجد پڑھا کریں یہ خاص آپ کے لئے زیادہ
(کی گئی) ہے، یقیناً آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا (یعنی وہ مقام شفاعتِ عظمٰی جہاں جملہ اوّلین وآخرین
آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے)

نماز تہجد کا بیان

"فَتَهَجَّدْ" فَصَلِّ "بِهٖ" بِالْقُرْآنِ "نَافِلَةً لَّكَ" فَرِيضَةً زَائِدَةً لَكَ دُون أُمَّتك أَوْ فَضِيلَةً عَلَى الصَّلَوَات الْمَفْرُوضَة "عَسَى أَنْ يَبْعَثك" يُقِيمك "رَبّك" فِي الْآخِرَة "مَقَامًا مَحْمُودًا" يَحْمَدك فِيهِ الْأَوَّلُونَ وَالْآخِرُونَ وَهُوَ مَقَام الشَّفَاعَة فِي فَصْل الْقَضَاء،

اور رات کے کچھ حصہ میں بھی قرآن کے ساتھ شب خیزی کرتے ہوئے نماز تہجد پڑھا کریں یہ خاص آپ کے لئے زیادہ کی گئی ہے، جبکہ آپ کی امت کیلئے نہیں ہے یا فرض نمازوں پر زائد ہے۔ یقیناً آپ کا رب آپ کو آخرت میں مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا یعنی وہ مقامِ شفاعتِ عظمٰی جہاں جملہ اوّلین وآخرین آپ کی طرف رجوع اور آپ کی حمد کریں گے۔ اور مقام شفاعت ہے۔ جو فیصلے کا مقام ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سے (عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ،قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر پہنچادے۔ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد شفاعت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1082)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور میرے پاس حمد کا جھنڈا ہوگا۔ میں ان (انعامات پر) فخر نہیں کرتا۔ پھر اس دن کوئی نبی نہیں ہوگا اور آدم علیہ السلام سمیت تمام انبیاء میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ میرے ہی لئے (بعثت کے وقت) سب سے پہلے زمین شق ہوگی۔ پھر فرمایا کہ لوگ تین مرتبہ سخت گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ ہمارے باپ ہیں۔ اپنے رب سے ہماری سفارش کیجئے۔ وہ فرمائیں کہ میں نے ایک گناہ کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے جنت سے نکال کر زمین

میں پر اتار دیا گیا (میں سفارش نہیں کر سکتا) تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ چنانچہ وہ ان کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں نے اپنی قوم کے لئے ایک بددعا کی تھی جس کی وجہ سے وہ ہلاک کر دیئے گئے تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے کہ میں نے تین مرتبہ (بظاہر) جھوٹ خلاف واقعہ بات کہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوئی ایسا جھوٹ نہیں بولا بلکہ ان کا مقصد صرف دین کی تائید تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ کہیں گے کہ میں نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ اللہ کے سوا میری عبادت کی گئی۔ لہٰذا تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ۔ پھر وہ لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں ان کے ساتھ جاؤں گا۔ ابن جدعان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت کا دروازہ پکڑ کر کھڑا ہوں گا اور اسے کھٹکھٹاؤں گا۔ پوچھا جائے گا کون ہے؟ کہا جائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ پھر وہ میرے لئے دروازہ کھولیں گے اور مجھے خوش آمدید کہیں گے۔ پھر میں سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ اور اللہ تعالیٰ مجھے اپنی حمد و ثنا کرنے کے لئے الفاظ سکھائیں گے۔ پھر مجھے کہا جائے گا کہ سر اٹھاؤ اور مانگو جو مانگو گے دیا جائے گا۔ شفاعت کرو گے تو قبول کی جائے گی اور اگر کچھ کہو گے تو سنا جائے گا۔ اور یہی مقامِ محمود ہے۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ (عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا) 17۔ اسراء:79) (یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز کریں گے)۔۔ حضرت سفیان کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ میں جنت کا دروازہ پکڑ کر کھڑا ہوں گا اور اسے کھٹکھٹاؤں گا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ بعض راوی اس حدیث کو ابونضرہ سے اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مکمل روایت کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1093)

نبی کریم ﷺ کے مقام محمود کا بیان

اور اس بناء پر وہ محمود بھی ہے۔ وہ اس وقت بھی محمود تھا جب اس کی تعریف کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔ حمد چونکہ اس کی ذاتی خوبی ہے۔ ذاتی خوبی مخلوق کی احتیاج سے بھی ماوراء ہے۔ وہ تعریف کرنے والوں کا محتاج نہیں ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ سب تعریف کرنے والوں کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ اس نے تعریف کرنے والوں کو ایک طرف رکھ دیا ہے۔ کوئی حامد تعریف کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات میں ہر حمد کا حق دار ہے ہر خوبی کا سزاوار وہ ہے۔ اس حمد کی بناء پر وہ محمود ہے۔ اب جو وسعت، جامعیت، ہمہ گیریت اس حمد میں ہے وہی شان محمود میں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے مگر کسی کے مقام کا نام مقامِ محمود نہیں رکھا کیونکہ محمود اس کا اپنا ذاتی نام ہے۔ جو حمد کا سزاوار ہے اور حقیقی محمود وہی ہے اس لئے اس نے مقام محمود کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا ہے۔ آپ غور کیجئے ادھر قرآن حمد سے شروع ہو رہا ہے اور الحمد للہ کہہ کر اعلان ہو رہا ہے کہ محمودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ حمد سے شروع ہونے والا اس کا کلام اور محمود پر ختم ہو جانے والی ساری تعریفیں، ادھر قیامت

پر ختم ہو جانے والی ساری کائنات، ساری مخلوقات و کائنات کا خاتمہ قیامت پر ہوگا اور ساری حمد کا خاتمہ محمود کی ذات پر ہے۔ جب وہ انتہائے کائنات کا دن ہوگا تو مقامِ محمود انتہائے حمد کا مقام ہے وہ مقام کسی اور نبی اور ولی کو نہیں دیا بلکہ فرمایا محبوب ﷺ تیری شان حمد کا عالم یہ ہے کہ یہاں اس دنیا میں محمود میرا نام ہے اس کو روزِ قیامت تیرا مقام بنادوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو مقامِ محمود کہہ دینا کوئی اتفاقیہ امر نہیں ہے۔ بلکہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کے نزول کے وقت یہ کہہ دیا کہ محبوب ﷺ تورات کی خلوت میں میری بارگاہ میں حاضر ہو، میں تجھے روزِ قیامت پوری مخلوق کے درمیان مقامِ محمود پر فائز فرمادوں گا۔

علامہ ابن کثیر نے جو مقامِ محمود کا معنی بیان کیا اس کی وضاحت یہ ہے کہ انہوں نے کہا: مقامِ محمود کو مقامِ محمود اس لئے کہا گیا کہ ادھر ساری مخلوق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر رہی ہوگی اور خود باری تعالیٰ بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کر رہا ہوگا۔ (ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، 5، 103)

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا٥
اور آپ عرض کرتے رہیں، اے میرے رب! مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما اور مجھے سچائی کے ساتھ باہر لے آ
اور مجھے اپنی جانب سے مددگار غلبہ وقوت عطا فرمادے۔

ہجرت مدینہ کے حکم کے نزول کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا أُمِرَ بِالْهِجْرَةِ،وَقُلْ رَبِّ "أَدْخِلْنِي" الْمَدِينَة "مُدْخَل صِدْق" إِدْخَالًا مَرْضِيًّا لَا أَرَى فِيهِ مَا أَكْرَه "وَأَخْرِجْنِي" مِنْ مَكَّة "مُخْرَج صِدْق" إخْرَاجًا لَا أَلْتَفِت بِقَلْبِي إلَيْهَا "وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْك سُلْطَانًا نَصِيرًا" قُوَّة تَنْصُرنِي بِهَا عَلَى أَعْدَائِك،

یہ آیت مبارکہ اس وقت نازل ہوئی جب آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا۔ اور آپ ﷺ اپنے رب کے حضور یہ عرض کرتے رہیں، اے میرے رب! مجھے سچائی وخوشنودی کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل فرما یعنی ایسے داخل فرما کہ خوشنودی کے ساتھ ایسا ہو کہ میں اس میں کوئی ناپسند چیز نہ دیکھوں اور مجھے سچائی وخوشنودی کے ساتھ مکہ سے باہر لے آ کہ میرا دل اس کی طرف متوجہ نہ ہو اور مجھے اپنی جانب سے مددگار غلبہ وقوت عطا فرمادے۔ یعنی ایسی قوت جو تیرے دشمنوں کے مقابلے میں میری مددگار ہو۔

سورہ الاسراء آیت ۸۰ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے پھر ہجرت کا حکم دیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا، فرمادیجئے، رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو سچا نکالنا اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1084)

جہاں بھی میں داخل ہوں اور جہاں سے بھی میں باہر آؤں خواہ وہ کوئی مکان ہو یا منصب ہو یا کام۔ بعض مفسرین نے کہا مراد یہ ہے کہ مجھے قبر میں اپنی رضا اور طہارت کے ساتھ داخل کر اور وقت بعثت عزت و کرامت کے ساتھ باہر لا۔ بعض نے کہا معنی یہ ہیں کہ مجھے اپنی طاعت میں صدق کے ساتھ داخل کر اور اپنے مناہی سے صدق کے ساتھ خارج فرما اور اس کے معنی میں ایک قول یہ بھی ہے کہ منصب نبوت میں مجھے صدق کے ساتھ داخل کر اور صدق کے ساتھ دنیا سے رخصت کے وقت نبوت کے حقوق واجبہ سے عہدہ برآ فرما۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مجھے مدینہ طیبہ میں پسندیدہ داخلہ عنایت کر اور مکہ مکرمہ سے میرا خروج صدق کے ساتھ کر کہ اس سے میرا دل غمگین نہ ہو مگر یہ توجیہہ اس صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جب کہ یہ آیت مدنی نہ ہو جیسا کہ علامہ سیوطی نے نقل فرما کر اس آیت کے مدنی ہونے کا قول ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ قوت عطا فرما جس میں سے میں تیرے دشمنوں پر غالب ہوں اور وہ حجت جس سے میں ہر مخالف پر فتح پاؤں اور وہ غلبہ ظاہرہ جس سے میں تیرے دین کو تقویت دوں یہ دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے ان کے دین کو غالب کرنے اور انہیں دشمنوں سے محفوظ رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ الاسراء، لاہور)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝
اور فرما دیجئے، حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا، بیشک باطل نے زائل و نابود ہی ہو جانا ہے۔

حق کے آجانے اور باطل کے بھاگ جانے کا بیان

"وَقُلْ" عِنْد دُخُولك مَكَّة "جَاءَ الْحَقّ" الْإِسْلَام "وَزَهَقَ الْبَاطِل" بَطَلَ الْكُفْر "إِنَّ الْبَاطِل كَانَ زَهُوقًا" مُضْمَحِلًّا زَائِلًا "وَقَدْ دَخَلَهَا صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَوْل الْبَيْت ثَلَاثمِائَةٍ وَسِتُّونَ صَنَمًا فَجَعَلَ يَطْعَنهَا بِعُودٍ فِي يَده وَيَقُول ذٰلِكَ حَتّٰى سَقَطَتْ" رَوَاهُ الشَّيْخَان،

اور آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوتے وقت فرما دیجئے، حق یعنی اسلام آ گیا اور باطل یعنی کفر بھاگ گیا، بیشک باطل نے زائل و نابود ہی ہو جانا ہے۔ اور جب نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت تھے تو آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی تو آپ ﷺ وہ چھڑی ان پر مارتے جاتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے۔ یہاں تک کہ بتوں کو گرا دیا۔ اس روایت کو امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

سورہ الاسراء آیت ۸۱ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ پتھر (یعنی بت) نصب تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک چھڑی یا لکڑی تھی اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بتوں کو مارتے اور گراتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ

الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا، حق آیا اور باطل بھاگ گیا بے شک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1083)

اشارہ کرنے کے سبب بتوں کے گر جانے کا بیان

اگر چہ باطل کو کسی وقت میں دولت وصولت حاصل ہو مگر اس کو پائیداری نہیں اس کا انجام بربادی وخواری ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روز فتح مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو کعبہ مقدسہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب کئے ہوئے تھے جن کو لوہے اور رانگ سے جوڑ کر مضبوط کیا گیا تھا، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی حضور یہ آیت پڑھ کر اس لکڑی سے جس بت کی طرف اشارہ فرماتے جاتے تھے وہ گرتا جاتا تھا۔ (مدارک)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝
اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے
اور وہ ظالموں کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔

قرآن مجید کا اہل ایمان کیلئے شفاء ورحمت ہونے کا بیان

"وَنُنَزِّل" لِلْبَيَانِ "شِفَاء" "مِنْ الضَّلَالَة" "وَرَحْمَة لِلْمُؤْمِنِينَ" بِهِ "وَلَا يَزِيد الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ "إلَّا خَسَارًا" لِكُفْرِهِمْ بِهِ

اور ہم قرآن میں سے تھوڑا تھوڑا بیان کیلئے نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے سراسر شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں یعنی کفار کو خسارے کے سوا کسی چیز میں زیادہ نہیں کرتا۔ کیونکہ انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا ہے۔

قرآنی آیات کا بہ طور شفاء ہونے کا بیان

اس سے امراضِ ظاہرہ اور باطنہ ضلالت وجہالت وغیرہ دور ہوتے ہیں اور ظاہری وباطنی صحت حاصل ہوتی ہے، اعتقاداتِ باطلہ واخلاقِ رذیلہ دفع ہوتے ہیں اور عقائدِ حقّہ ومعارفِ الٰہیہ وصفاتِ حمیدہ واخلاقِ فاضلہ حاصل ہوتے ہیں کیونکہ یہ کتاب مجید ایسے علوم ودلائل پر مشتمل ہے جو وہمانی وشیطانی ظلمتوں کو اپنے انوار سے نیست ونابود کر دیتے ہیں اور اس کا ایک ایک حرف برکات کا گنجینہ ہے جس سے جسمانی امراض اور آسیب دور ہوتے ہیں۔

قرآن کریم کا قلوب کے لئے شفاء ہونا شرک وکفر اور اخلاق رذیلہ اور امراض باطنہ سے نفوس کی نجات کا ذریعہ ہونا تو کھلا ہوا معاملہ ہے اور تمام امت اس پر متفق ہے اور بعض علماء کے نزدیک قرآن جس طرح امراض باطنہ کی شفاء ہے امراض ظاہرہ کی بھی شفاء ہے کہ آیات قرآن پڑھ کر مریض پر دم کرنا اور تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا امراض ظاہرہ کے لئے بھی شفاء ہوتا ہے روایات حدیث اس پر شاہد ہیں تمام کتب حدیث میں ابو سعید خدری کی یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایک جماعت

سفر میں تھی کسی گاؤں کے رئیس کو بچھو نے کاٹ لیا تھا لوگوں نے حضرات صحابہ سے پوچھا کہ آپ کچھ اس کا علاج کر سکتے ہیں انہوں نے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا مریض اچھا ہو گیا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔ اسی طرح دوسری متعدد روایات حدیث سے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معوذات پڑھ کر دم کرنا ثابت ہے اور صحابہ و تابعین سے معوذات اور دوسری آیات قرآن کے ذریعہ مریضوں کا علاج کرنا لکھ کر گلے میں ڈالنا ثابت ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الاسراء، بیروت)

مختلف امراض سے شفاء کے اعمال کا بیان

صحاح ستہ میں یہ روایت آتی ہے کہ جب کسی شخص کو بچھو یا سانپ کاٹ لیتا تھا یا کوئی مرگی میں مبتلا ہوتا تھا یا کوئی دیوانہ ہو جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سورت فاتحہ پڑھ کر اس شخص پر دم کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عمل کو پسند فرماتے تھے۔ دار قطنی اور ابن عساکر حضرت زید بن سائب رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت فاتحہ پڑھ کر ان پر دم کیا اور یہ سورت پڑھنے کے بعد اپنے دہن مبارک کا لعاب ان کے جسم کے اس حصہ پر ملا جہاں درد تھا۔

بزار نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنا پہلو اپنے بچھونے پر رکھا (یعنی سونے کے لئے اپنے بستر پر گیا) اور پھر اس نے سورت فاتحہ اور قل ھو اللہ احد پڑھ کر اپنے اوپر دم کیا تو وہ ہر آفت و بلاء سے محفوظ ہو گیا الا یہ کہ اس کی موت کا وقت آ پہنچا ہو یعنی موت سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ عبد حمید نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق مرفوع یہ روایت نقل کی ہے کہ فاتحۃ الکتاب (سورت فاتحہ) باعتبار ثواب کے دو تہائی قرآن کے برابر ہے، ابو شیخ طبرانی، ابن مردویہ، دیلمی اور ضیاء مقدسی روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مجھے کنج العرش (عرش کے خزانہ) سے چار چیزیں عطا کی گئی ہیں اس خزانہ سے ان چار چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز دوسرے کو نہیں دی گئی ہے اور وہ چار چیزیں ہیں۔ (۱) ام الکتاب (سورت فاتحہ) (۲) آیۃ الکرسی (۳) سورت بقرہ کی آخری آیتیں (۴) سورت کوثر۔

ابو نعیم اور دیلمی نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورت فاتحہ اس چیز سے کفایت کرتی ہے کہ قرآن کی اور کوئی سورت و آیت کفایت نہیں کرتی اور اگر سورت فاتحہ کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور باقی تمام قرآن کو دوسرے پلڑے میں رکھیں تو یقیناً سورت فاتحہ سات قرآن کے برابر ہو۔ حضرت ابو عبید فضائل قرآن میں حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورت فاتحہ پڑھی اس نے گویا توریت و انجیل زبور اور قرآن کو پڑھا۔ تفسیر وکیع، کتاب، المصاحف ابن انباری، کتاب، العظمہ، ابو الشیخ اور حلیۃ الاولیاء ابو نعیم میں منقول ہے کہ ابلیس ملعون کو نوحہ و آہ و زاری کرنے اور اپنے سر پر خاک ڈالنے کا چار مرتبہ اتفاق ہوا ہے اول تو اس وقت جب کہ اس کو ملعون قرار دیا گیا دوسرے اس وقت جب کہ اسے آسمان و زمین پر ڈالا گیا تیسرے اس وقت جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت

سے نوازا گیا اور چوتھے اس وقت جب کہ سورت فاتحہ نازل ہوئی۔

ابوشیخ نے کتاب الثواب میں لکھا ہے کہ جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہو تو اسے چاہئے کہ وہ سورت فاتحہ پڑھے اور اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے دعا کرے (انشاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی)

ثعلبی حضرت شعبی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے درد گردہ کی شکایت کی انہوں نے اس شخص سے کہا کہ تمہیں چاہئے کہ اساس القرآن پڑھ کر درد کی جگہ دم کرو (انشاء اللہ شفا ہوگی) اس شخص نے پوچھا کہ اساس القرآن کیا ہے؟ شعبی نے فرمایا کہ فاتحۃ الکتاب یعنی سورت فاتحہ۔ مشائخ کے مجرب اعمال میں یہ مذکور ہے کہ سورت فاتحہ اسم اعظم ہے اس سورت کو ہر مطلب وحاجت کے لئے پڑھنا چاہئے اس سلسلے میں اس سورت کو پڑھنے کے دو طریقے منقول ہیں اول یہ کہ اس سورت کو فجر کی سنت وفرض نماز کے درمیان چالیس دن تک اکتالیس مرتبہ اس طرح پڑھا جائے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے میم کو الحمد کے لام کے ساتھ ملایا جائے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ رب العالمین الآیہ۔ اس سورت کو مقرر بالا دن تک مذکورہ بالا طریقہ سے پڑھنے کے بعد مطلوب انشاء اللہ حاصل ہوگا اگر کسی مریض یا سحر زدہ کی شفا منظور ہو تو مذکورہ بالا طریقہ سے یہ سورت پڑھ کر پانی پر دم کر کے اس مریض یا سحر زدہ کو پلایا جائے انشاء اللہ شفا حاصل ہوگی۔

دوم یہ کہ نوچندی اتوار کو فجر کی سنت وفرض نماز کے درمیان میم کو لام کے ساتھ ملانے کی قید کے بغیر ستر مرتبہ یہ سورت پڑھے بعد ازاں ہر روز اسی وقت پڑھے مگر اس طرح کہ ہر روز مذکورہ تعداد میں سے دس مرتبہ کم کر دے یعنی نوچندی اتوار کو ستر مرتبہ، دوسرے روز ساٹھ مرتبہ تیسرے روز پچاس مرتبہ، اس طرح دس دس بار کم کرتا جائے تا آنکہ ہفتہ کے روز ختم ہو جائے اگر پہلے مہینہ میں مطلب حاصل ہو جائے تو فبہا ورنہ دوسرے اور تیسرے مہینہ میں اسی طرح پڑھے۔ امراض مزمنہ پرانے امراض کی شفاء کے لئے اس سورت کو چینی کے پیالے یا پلیٹ پر گلاب، مشک اور زعفران سے لکھ کر پلانا ایک مجرب عمل ہے اسی طرح دانتوں کے درد، شکم اور دوسرے دردوں میں سات مرتبہ سورت فاتحہ پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب ہے۔

وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰبِجَانِبِهٖ‌ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوۡسًا۝
اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں وہ منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو دور کر لیتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے
تو بہت ناامید ہو جاتا ہے۔

کفار نعمتوں کی عطاء پر ناشکری کرتے ہیں

"الْاِنْسَان" الْكَافِر "اَعْرَضَ" عَنْ الشُّكْر "وَنَاٰى بِجَانِبِهٖ" ثَنَى عِطْفه مُتَبَخْتِرًا "وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرّ" الْفَقْر وَالشِّدَّة "كَانَ يَئُوسًا" قَنُوطًا مِنْ رَحْمَة اللّٰه

اور جب ہم انسان یعنی کافر پر انعام کرتے ہیں وہ شکر کرنے کی بجائے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو دور کر لیتا ہے یعنی تکبر کے ساتھ

کروٹ پھیر لیتا ہے۔اور جب اسے تکلیف فقر و تنگی پہنچتی ہے تو بہت ناامید ہو جاتا ہے۔یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے۔

انسان کا عجیب حال ہے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نعمتیں دیتا ہے تو احسان نہیں مانتا۔جتنا عیش و آرام ملے اسی قدر منعم حقیقی کی طرف سے اس کی غفلت و اعراض بڑھتا ہے اور فرائض بندگی سے پہلو بچا کر کھسکنا چاہتا ہے۔پھر جب سخت اور برا وقت آیا تو ایک دم آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔گویا دونوں حالتوں میں خدا سے بےتعلق رہا۔کبھی غفلت کی بناء پر،کبھی مایوسی کی (نعوذ باللہ من کلا الحالین)۔یہ مضمون غالباً اس لیے بیان فرمایا کہ قرآن جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے،بہت لوگ اس کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلو تہی کرتے ہیں۔پھر جب اس کفران نعمت اور اعراض و انکار کا برا نتیجہ سامنے آئے گا اس وقت قطعاً مایوسی ہوگی کسی طرف امید کی جھلک نظر نہ پڑے گی۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝
فرما دیجئے:ہر کوئی اپنے طریقہ وفطرت پر عمل پیرا ہے،اور آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر کون ہے۔

صراط مستقیم والوں کیلئے ثواب ہونے کا بیان

"قُلْ كُلٌّ" مِنَّا وَمِنْكُمْ "يَعْمَل عَلَى شَاكِلَته" طَرِيقَته "أَهْدَى سَبِيلًا" طَرِيقًا فَيُثِيبهُ

فرما دیجئے:ہر کوئی اپنے اپنے طریقہ وفطرت پر عمل پیرا ہے،اور آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ سب سے زیادہ سیدھی راہ پر کون ہے۔تا کہ وہ اس کو ثواب دے۔

مزاج کے مطابق اعمال کرنے کا بیان

اس آیت کی تفسیر میں ائمہ سلف سے مختلف اقوال منقول ہیں طبیعت عادت جبلت نیت طریقہ وغیرہ اور حاصل سب کا یہ ہے کہ ہر انسان کی اپنے ماحول اور عادات اور رسم و رواج کے اعتبار سے ایک عادت اور طبعیت ثانیہ بن جاتی ہے اس کا عمل اسی کے تابع رہتا ہے۔اس میں انسان کو اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ برے ماحول بری صحبت اور بری عادتوں سے پرہیز کرے نیک لوگوں کی صحبت اور اچھی عادات کا خوگر بنے۔کیونکہ اپنے ماحول اور صحبت اور رسم و رواج سے انسان کی ایک طبیعت بن جاتی ہے اس کا ہر عمل اسی کے تابع چلتا ہے۔امام جصاص نے اس جگہ شاکلہ کے ایک معنیٰ ہم شکل کے بھی کئے ہیں اس معنی کے لحاظ سے مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ ہر شخص اپنے مزاج کے مطابق آدمی سے مانوس ہوتا ہے نیک آدمی نیک سے اور شریر شریر سے مانوس ہوتا ہے اسی کیطریقہ پر چلتا ہے اور اس کی نظیر حق تعالیٰ کا یہ قول ہے۔(آیت) اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ اور وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ یعنی خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کیلئے ہیں مراد یہ ہے کہ ہر ایک اپنے مزاج کے مطابق مرد و عورت سے مانوس ہوتا ہے اور حاصل مطلب اس کا بھی اس بات پر تنبیہ ہے کہ انسان کو چاہئے کہ خراب صحبت اور خراب عادت سے پرہیز کا اہتمام کرے۔

(احکام القرآن،سورہ الاسراء،بیروت)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا○

اور یہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے: روح میرے رب کے اُمر سے ہے اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔

یہود کا روح سے متعلق سوال کرنے کا بیان

"وَيَسْأَلُونَك" أَيْ الْيَهُود "عَنْ الرُّوح" الَّذِي يَحْيَا بِهِ الْبَدَن "قُلْ" لَهُمْ "الرُّوح مِنْ أَمْر رَبِّي" أَيْ عِلْمه لَا تَعْلَمُونَهُ "وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ الْعِلْم إلَّا قَلِيلًا" بِالنِّسْبَةِ إلَى عِلْمه تَعَالَى،

اور یہ یہود آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بدن زندہ رہتا ہے۔ آپ ان سے فرما دیجئے: روح میرے رب کے اُمر سے ہے یعنی اس کا علم نہیں جانتے، اور تمہیں بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کی بہ نسبت تم بہت کم علم رکھتے ہو۔

سورہ الاسراء آیت ۸۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش نے یہود سے فرمائش کی کہ ہمیں کوئی ایسی چیز بتاؤ کہ ہم اس کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھیں، انہوں نے کہا کہ ان سے روح کے متعلق پوچھیں۔ چنانچہ جب انہوں نے پوچھا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ (وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا، اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے تھوڑا سا اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی، پھر نہ تو پائے اپنے واسطے اس کے لا دینے کو ہم پر کوئی ذمہ)۔ وہ کہنے لگے ہمیں تو بہت علم دیا گیا۔ ہمیں تورات دی گئی اور جسے تورات ملی اسے بہت کچھ دیا گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قل لو کان البحر الآیۃ یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1085)

روح کا امر ربی ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے ایک کھیت میں چل رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی ایک ٹہنی پر ٹیک لگائے ہوئے چل رہے تھے کہ یہودیوں کی ایک جماعت پر سے گذر ہوا۔ بعض کہنے لگے کہ ان سے پوچھا چاہئے جب کہ دوسرے کہنے لگے کہ مت سوال کرو کیوں کہ وہ ایسا جواب دیں گے جو تمہیں برا لگے گا۔ لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کر دیا۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کھڑے رہے پھر سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی جارہی ہے یہاں تک کہ وحی کے آثار ختم ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي الآیۃ (یعنی روح میرے رب کے حکم سے ہے)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1086)

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝

اور اگر ہم چاہیں تو اس کو جو ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے محو فرما دیں پھر آپ اپنے لئے اس کے لے جانے پر ہماری بارگاہ میں کوئی وکالت کرنے والا بھی نہ پائیں گے۔

وحی کی حفاظت و تنسیخ کا بیان

"وَلَئِنْ" لَامُ قَسَمٍ "اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ" أَيِ الْقُرْآنَ بِأَنْ نَمْحُوَهُ مِنَ الصُّدُوْرِ وَالْمَصَاحِفِ، ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا

یہاں پر لئن میں لام قسمیہ ہے۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو جو ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے۔ لوگوں کے دلوں اور تحریری نسخوں سے محو فرما دیں پھر آپ اپنے لئے اس وحی کے لے جانے پر ہماری بارگاہ میں کوئی وکالت کرنے والا بھی نہ پائیں گے۔

قرآن مجید کی قیامت تک حفاظت کا بیان

اللہ تعالیٰ اپنے زبردست احسان اور عظیم الشان نعمت کو بیان فرما رہا ہے جو اس نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر انعام کی ہے یعنی آپ پر نہ کتاب نازل فرمائی جس میں کہیں سے بھی کسی وقت باطل کی آمیزش ناممکن ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس وحی کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آخر زمانے میں ایک سرخ ہوا چلے گی شام کی طرف سے یہ اٹھے گی اس وقت قرآں کے ورقوں میں سے اور حافظوں کے دلوں میں سے قرآن سلب ہو جائے گا۔ ایک حرف بھی باقی نہیں رہے گا پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی۔ پھر اپنا فضل وکرم اور احسان بیان کرکے فرماتا ہے کہ اس قرآن کریم کی بزرگی ایک یہ بھی ہے کہ تمام مخلوق اس کے مقابلے سے عاجز ہے۔ کسی کے بس میں اس جیسا کلام نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ بیمثل بے نظیر بے شریک ہے اسی طرح اس کا کلام مثال سے نظیر سے اپنے جیسے سے پاک ہے۔ ابن اسحاق نے وارد کیا ہے کہ یہودی آئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم بھی اسی جیسا کلام بنا لاتے ہیں پس یہ آیت اتری لیکن ہمیں اس کے ماننے میں تامل ہے اس لئے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس کا کل بیان قریشوں سے ہے وہی مخاطب ہیں اور یہود کے ساتھ مکے میں آپ کا اجتماع نہیں ہوا مدینے میں ان سے میل ہوا۔ ہم نے اس پاک کتاب میں ہر قسم کی دلیلیں بیان فرما کر حق کو واضح کر دیا ہے اور ہر بات کو شرح وبسط سے بیان فرما دیا ہے باوجود اس کے بھی اکثر لوگ حق کی مخالفت کر رہے ہیں اور حق کو دھکے دے رہے ہیں اور اللہ کی ناشکری میں لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم)

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝

مگر یہ کہ آپ کے رب کی رحمت ہے، بیشک آپ پر اس کا بہت بڑا فضل ہے۔

نبی کریم ﷺ پر اللہ کا فضل کبیر ہونے کا بیان

"إلَّا" لَكِنْ أَبْقَيْنَاهُ "رَحْمَةً مِنْ رَبِّك إنَّ فَضْله كَانَ عَلَيْك كَبِيرًا" عَظِيمًا حَيْثُ أَنْزَلَهُ عَلَيْك وَأَعْطَاك الْمَقَام الْمَحْمُود وَغَيْر ذَلِكَ مِنْ الْفَضَائِل

مگر یہ کہ آپ کے رب کی رحمت سے ہم نے اسے قائم رکھا ہے، بیشک آپ پر (اور آپ کے وسیلہ سے آپ کی امت پر) اس کا بہت بڑا فضل ہے۔ یعنی آپ ﷺ کو مقام محمود وغیرہ جیسی فضیلتیں عطا کی ہیں۔

امام رازی کہتے ہیں اس میں علماء پر دوہرے کرم و احسان کا بیان ہے کہ ایک تو ان کو قرآن حکیم کے علم سے نوازا گیا اور دوسرا اس کو ان کے سینوں میں محفوظ رکھا گیا۔ (تفسیر الرازی، الحاسن، سورہ الاسراء، بیروت)

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝
آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لا دیں
تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جائیں۔

تمام انس و جن کیلئے قرآن کی مثل لانے سے عجز کا بیان

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا "بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآن " فِي الْفَصَاحَة وَالْبَلَاغَة "ظَهِيرًا" مُعِينًا نَزَلَ رَدًّا لِقَوْلِهِمْ "وَلَوْ نَشَاء لَقُلْنَا مِثْل هَذَا"

آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ ایسا فصاحت و بلاغت والا قرآن بنا لا دیں تب بھی ایسا نہ لا سکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی بن جائیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل لے آئیں۔

سورہ الاسراء آیت ۸۸ کے شان نزول کا بیان

مشرکین نے کہا تھا کہ ہم چاہیں تو اس قرآن کی مثل بنالیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی تکذیب کی کہ خالق کے کلام کے مثل مخلوق کا کلام ہو ہی نہیں سکتا اگر وہ سب باہم مل کر کوشش کریں جب بھی ممکن نہیں کہ اس کلام کے مثل لا سکیں چنانچہ ایسا ہی ہوا تمام کفار عاجز ہوئے اور انہیں رسوائی اٹھانا پڑی اور وہ ایک سطر بھی قرآن کریم کے مقابل بنا کر پیش نہ کر سکے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سلام بن مشکم بڑے بڑے یہودیوں کے ساتھ آیا (جن کے نام بھی حضرت ابن عباس نے بیان فرمائے) انہوں نے کہا کہ ہم آپ کی اتباع کس طرح کریں حالانکہ آپ نے ہمارے قبلہ کو

چھوڑ دیا اور یہ جو آپ ہمارے پاس لائے ہیں۔

ہم اسے تورات کی طرح مرتب و منظم نہیں پاتے لہٰذا آپ ہمارے پاس ایسی کتاب لائیں جس کو ہم پہچانتے ہوں وگرنہ ہم بھی ویسا ہی کلام لائیں گے جیسا کہ آپ لاتے ہیں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سیوطی 173، طبری 15۔106)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال پھیر پھیر کر بیان کی مگر اکثر لوگوں نے کفر کے سوا انکار کر دیا۔

قرآن مجید میں نصیحت کیلئے آیات کو بیان کرنا

"وَلَقَدْ صَرَّفْنَا" بَيَّنَّا "كُلِّ مَثَل" صِفَةٌ لِمَحْذُوفٍ أَيْ مَثَلًا مِنْ جِنْس كُلّ مَثَل لِيَتَّعِظُوا "فَأَبَى أَكْثَر النَّاس" أَيْ أَهْل مَكَّة "إِلَّا كُفُورًا" جُحُودًا لِلْحَقِّ

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال پھیر پھیر کر بیان کی، یہاں پر مثلا کی صفت محذوف ہے یعنی من جنس کل مثل ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں مگر اکثر لوگوں یعنی اہل مکہ نے کفر کے سوا ہر حق چیز سے انکار کر دیا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

صرفنا۔ ماضی جمع متکلم۔ تصریف (تفعیل) ہم نے پھیر پھیر کر سمجھایا۔ ہم نے طرح سے بیان کیا۔ تصریف الامر۔ کسی بات کو بار بار مختلف انداز سے بیان کرنا۔ ابی۔ ماضی واحد مذکر غائب اباء مصدر۔ اس نے سختی سے انکار کر دیا۔ کفورا۔ انکار۔ کفر۔ منصوب بوجہ ابی کے مفعول ہونے کے ہے۔ فابی اکثر الناس الا کفورا۔ سوائے کفر کے اکثر لوگوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ یا اکثر لوگوں نے انکار کرنے کے سوا قبول نہ کیا۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا
اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہا دو۔

زمین سے چشمہ جاری کروانے کے مطالبہ کا بیان

"وَقَالُوا" عَطْف عَلَى أَبَى "يَنْبُوعًا" عَيْنًا يَنْبُع مِنْهَا الْمَاء

اور بولے، یہاں پر قالوا کا عطف ابی پر ہے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہا دو۔ یا ایسا چشمہ جس سے پانی جاری ہو۔

سورہ الاسراء آیت ۹۰ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ (نیسابوری 247) عتبہ، شیبہ، ابوسفیان، نضر بن حارث، ابوالبختری، ولید بن مغیرہ،

ابوجہل، عبداللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف اور قریش کے دوسرے سردار کعبہ میں جمع ہوئے ان میں سے بعض نے بعض سے کہا کہ محمد ﷺ کی طرف پیغام بھیج کر انہیں بلاؤ ان سے کلام کرو اور یہاں تک جھگڑا کرو کہ تم انہیں معذور کردو چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کے شرفاء کو آپ کی طرف بھیجا جبکہ وہ سب آپ سے کلام کرنے کے لیے جمع تھے آپ ان کے پاس تیزی سے آ کر بیٹھ گئے آپ یہ گمان فرمارہے تھے کہ شاید یہ میرے معاملے میں سے ان پر کچھ ظاہر ہوا ہے۔

آپ ان کے بارے میں بہت حریص تھے ان کی ہدایت چاہتے تھے اور ان کا اعراض آپ پر بہت شاق گزرتا تھا انہوں نے کہا اے محمد اللہ کی قسم ہم عرب میں سے کوئی ایسا شخص نہیں جانتے جس نے اپنی قوم پر ایسی چیز داخل کی ہو جو تم نے کی ہے تم نے ہمارے آباء واجداد کو برا بھلا کہا اور ہمارے دین کو عیب دار قرار دیا ہماری عقلوں کو بے وقوف بتلایا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی اور کوئی بھی قبیح چیز تم نے ہمارے درمیان لانے سے نہیں چھوڑی۔ اگر تم یہ جو چیز لائے ہو مال حاصل کرنے کے لیے ہے تو ہم تمہیں اپنے اموال میں سے اتنا کچھ دیں گے کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مال دار بن جاؤ گے اگر تم ہم میں شرف چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنادیں گے اگر تم حکومت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا حاکم بنادیں گے اگر وہ جن جو تمہارے پاس آتا ہے تم پر غالب آ گیا ہے تو ہم تمہارے علاج میں اپنے اموال اس حد تک خرچ کریں گے کہ تم صحت یاب ہو جاؤ گے یا ہم تمہارا عذر قبول کرلیں گے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ وہ معاملہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو اور میں جو چیز لایا ہوں نہ تمہارے اموال حاصل کرنے کے لیے لایا ہوں نہ تم میں شرف حاصل کرنے کے لیے لایا ہوں اور نہ ہی تم پر حکومت کرنے کے لیے بلکہ اللہ نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں خوش خبری سناؤں اور اس عذاب سے ڈراؤں سو میں نے اپنے رب کا پیغام تمہاری طرف پہنچادیا ہے اور تمہاری خیر خواہی کی اب اگر تم اس چیز کو جو میں تمہارے پاس لایا ہوں قبول کرلو تو یہ تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بڑے حصے کا باعث ہے اور اگر تم اس کو رد کرو تو میں اللہ کے امر کا انتظار کروں گا تاوقتیکہ وہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرمادیں انہوں نے کہا کہ اے محمد ﷺ اگر تم ہماری معروضات قبول نہیں کرتے تو تم جانتے ہو کہ ہم سے بڑھ کر کوئی بھی تنگ ملک والا ہے نہ تنگ دست ہے اور نہ ہی بدحال تم اپنے رب سے جس نے تمہیں یہ کچھ دے کر بھیجا ہے درخواست کرو کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو جو ہم پر تنگ ہوئے ہیں فاصلے پر کردے ہماری سرزمین کو کھول دے اس میں شام اور عراق کی طرح نہریں جاری کردے اور ہمارے لیے ہمارے پچھلے آباؤ اجداد کو زندہ کردے اور ان میں قصی بن کلاب بھی ہوں کیونکہ وہ بہت سچے بزرگ گزرے ہیں تاکہ ہم ان آباء اجداد سے تمہارے بارے میں پوچھیں کہ یہ حق بات کہتا ہے کہ اگر تم نے ایسا کردیا تو ہم تمہاری تصدیق کردیں گے اور تمہارے اللہ کے ہاں بلند رتبہ کو جان لیں گے اور یہ بھی مان لیں گے کہ اس نے واقعتاً تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ کچھ دے کر نہیں بھیجا گیا میں تو اللہ کی جناب سے تمہارے پاس وہی کچھ لایا ہوں جس کے

ساتھ اس نے مجھے مبعوث کیا ہے اور تحقیق کہ میں نے وہ پیغام تم تک پہنچا دیا ہے پس اگر تم اسے قبول کرلو تو یہ تمہارے لیے دنیا وآخرت میں بڑے حصے کا باعث ہے اور اگر رد کردو تو میں اللہ کے امر کا انتظار کروں گا انہوں نے کہا اگر تم یہ نہیں کرتے تو اپنے رب سے گزارش کرو کہ وہ ہمارے سامنے ایک فرشتہ بھیج دیں جو تمہاری تصدیق کرے اور اس سے سوال کرو کہ وہ تمہیں باغات اور سونے چاندی کے خزانے اور محلات عطا کردے اور تمہیں بازاروں میں کھڑے ہونے اور معاش تلاش کرنے سے مستغنی کردے جس میں ہم تمہیں مشغول دیکھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب سے اس چیز کا سوال نہیں کروں گا اور نہ ہی میں اس کے ساتھ تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں بلکہ اللہ نے مجھے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے انہوں نے کہا پھر ہم پر آسمان کا ایک ٹکڑا گرا دو جیسا کہ تم گمان کرتے ہو کہ اگر تمہارا رب چاہے تو ایسا کردے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جواب دیا کہ یہ معاملہ اللہ کی مشیت پر ہے اگر چاہے تو ایسا کردے ان میں سے ایک نے کہا ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تو ہمارے روبرو اللہ اور فرشتوں کو نہ لے آئے اور عبداللہ بن امیہ مخزومی نے کہا جو کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا اور نبی کا پھوپھی زاد تھا میں تجھ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا تاوقتیکہ تو آسمان سے سیڑھی لگا کر اس میں چڑھ جائے اور میں تجھے دیکھ رہا ہوں یہاں تک کہ تو آسمان پر پہنچ جائے اور اپنے ساتھ ایک کھلا نسخہ اور اپنے حق میں یہ گواہی دینے والے فرشتے کو کہ تو واقعتاً نبی ہے نہ لے آئے رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے آپ کی اتباع نہ کرنے اور ان کی آپ سے دوری دیکھ کر انتہائی غم کی حالت میں اپنے گھر کی طرف لوٹے تو اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا) ۔(طبری 15-110، نیسابوری 247)

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝
یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تم اس کے لیے اندر بہتی نہریں رواں کرو

خواہ ان کیلئے باغ میں چشمہ جاری کردیا جائے

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ "جَنَّةٌ" بُسْتَانٌ "خِلٰلَهَا" وَسَطَهَا، نَخِيْلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهَارَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا

یا تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تم اس کے لیے اندر بہتی نہریں رواں کرو۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝
یا جیسا کہ آپ کا خیال ہے ہم پر آسمان کے چند ٹکڑے گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔

اللہ اور فرشتوں کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے کا بیان

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا "كِسَفًا" قِطَعًا "قَبِيْلًا" مُقَابَلَةً وَعِيَانًا فَنَرَاهُمْ

یا جیسا کہ آپ کا خیال ہے ہم پر ابھی آسمان کے چند ٹکڑے گرادیں یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں۔ تاکہ وہ انہیں دیکھ لیں۔

کفار کی سخت قلبی اور سرکشی میں حد سے بڑھ جانے کا بیان

جب قرآن کریم کا اعجاز خوب ظاہر ہو چکا اور معجزات واضحات نے حجت قائم کردی اور کفار کے لئے کوئی جائے عذر باقی نہ رہی تو وہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے طرح طرح کی نشانیاں طلب کرنے لگے اور انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ روایت ہے کہ کفار قریش کے سردار کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے اور انہوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا حضور تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آج گفتگو کرکے آپ سے معاملہ طے کرلیں تا کہ ہم پھر آپ کے حق میں معذور سمجھے جائیں، عرب میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہوا جس نے اپنی قوم پر وہ شدائد کئے ہوں جو آپ نے کئے ہیں، آپ نے ہمارے باپ دادا کو برا کہا، ہمارے دین کو عیب لگائے، ہمارے دانش مندوں کو کم عقل ٹھہرایا، معبودوں کی توہین کی، جماعت متفرق کردی، کوئی برائی اٹھا نہ رکھی، اس سے تمہاری غرض کیا ہے؟ اگر تم مال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کردیں کہ ہماری قوم میں تم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ، اگر اعزاز چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں، اگر ملک وسلطنت چاہتے ہو تو ہم تمہیں بادشاہ تسلیم کرلیں یہ سب باتیں کرنے کے لئے ہم تیار ہیں اور اگر تمہیں کوئی دماغی بیماری ہوگئی ہے یا کوئی خلش ہو گیا ہے تو ہم تمہارا علاج کریں اور اس میں جس قدر خرچ ہو اٹھائیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے کوئی بات نہیں اور میں مال وسلطنت و سرداری کسی چیز کا طلب گار نہیں، واقعہ صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور حکم دیا کہ میں تمہیں اسکے ماننے پر اللہ کی رضا اور نعمتِ آخرت کی بشارت دوں اور انکار کرنے پر عذاب الٰہی کا خوف دلاؤں، میں نے تمہیں اپنے رب کا پیام پہنچایا اگر تم اسے قبول کرو تو یہ تمہارے لئے دنیا وآخرت کی خوش نصیبی ہے اور نہ مانو تو میں صبر کروں گا اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار کروں گا، اس پر ان لوگوں نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ ہمارے معروضات کو قبول نہیں کرتے ہیں تو ان پہاڑوں کو ہٹا دیجئے اور میدان صاف نکال دیجئے اور نہریں جاری کردیجئے اور ہمارے مرے ہوئے باپ دادا کو زندہ کردیجئے ہم ان سے پوچھ دیکھیں کہ آپ جو فرماتے ہیں کیا یہ سچ ہے اگر وہ کہہ دیں گے تو ہم مان لیں گے، حضور نے فرمایا میں ان باتوں کے لئے نہیں بھیجا گیا جو پہنچانے کے لئے میں بھیجا گیا تھا وہ میں نے پہنچا دیا اگر تم مانو تمہارا نصیب نہ مانو تو میں خدائی فیصلہ کا انتظار کروں گا، کفار نے کہا پھر آپ اپنے رب سے عرض کرکے ایک فرشتہ بلوا لیجئے جو آپ کی تصدیق کرے اور اپنے لئے باغ اور محل اور سونے چاندی کے خزانے طلب کیجئے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں بھیجا گیا، میں بشیر ونذیر بنا کر بھیجا گیا ہوں، اس پر کہنے لگے تو ہم پر آسمان گروا دیجئے اور بعضے ان میں سے یہ بولے کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک آپ اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے پاس نہ لایئے، اس پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مجلس سے اٹھ آئے اور عبداللہ بن اُمیہ آپ کے ساتھ اٹھا اور آپ سے کہنے لگا خدا کی قسم میں کبھی آپ پر ایمان نہ لاؤں گا جب تک آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر نہ چڑھو اور میری نظروں کے سامنے وہاں سے ایک کتاب اور فرشتوں کی ایک جماعت لے کر نہ آؤ اور خدا کی قسم اگر یہ بھی کرو تو میں سمجھتا ہوں کہ میں پھر بھی نہ مانوں گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ یہ لوگ اس قدر ضد اور عناد میں ہیں اور ان کی حق دشمنی حد سے گذر گئی ہے تو آپ کو ان کی حالت پر رنج ہوا۔ اس پر

آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ الاسراء، لاہور)

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝
یا تمہارے لیے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جو ہم پڑھیں، تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

آسمان پر چڑھ جانے کے باوجود کفار کا ایمان نہ لانے کا بیان

أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ "زُخْرُف" ذَهَب "أَوْ تَرْقَى" تَصْعَد "فِي السَّمَاء " بِسُلَّمٍ "وَلَنْ نُؤْمِن لِرُقِيِّك" لَوْ رَقِيت فِيهَا "حَتَّى تُنَزِّل عَلَيْنَا " مِنْهَا "كِتَابًا" فِيهِ تَصْدِيقك "قُلْ" لَهُمْ "سُبْحَان رَبِّي " تَعَجُّب "هَلْ" مَا "كُنْت إلَّا بَشَرًا رَسُولًا" كَسَائِرِ الرُّسُل وَلَمْ يَكُونُوا يَأْتُونَ بِآيَةٍ إلَّا بِإِذْنِ اللَّه

یا تمہارے لیے طلائی گھر ہو، یہاں زخرف کا معنی سونا ہے یا تم سیڑھی کے ذریعے آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے یعنی اگرچہ آسمان پر چڑھ جائیں۔ جب تک ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جس میں آپ کی تصدیق ہو، جو ہم پڑھیں، تم ان سے فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو، یہ بہ طور تعجب ہے۔ میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔ جس طرح تمام رسولان گرامی ہیں۔ اور وہ صرف اللہ کے حکم سے معجزہ لے کر آئے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝
اور لوگوں کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہ ہوئی جبکہ ان کے پاس ہدایت آ چکی تھی سوائے اس کے کہ وہ کہنے لگے: کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

فرشتے کی بعثت کا مطالبہ کرنے کا بیان

وَمَا مَنَعَ النَّاس أَنْ يُؤْمِنُوا إذْ جَاءَهُمْ الْهُدَى "إلَّا أَنْ قَالُوا " أَيْ قَوْلهمْ مُنْكِرِينَ "أَبَعَثَ اللَّه بَشَرًا رَسُولًا" وَلَمْ يَبْعَث مَلَكًا

اور ان لوگوں کو ایمان لانے سے اور کوئی چیز مانع نہ ہوئی جبکہ ان کے پاس ہدایت بھی آ چکی تھی سوائے اس کے کہ وہ یعنی منکرین کہنے لگے، کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی فرشتہ مبعوث نہ کیا۔

ان آیات میں کفار مکہ کے ان مطالبات کے کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو وہ وقتاً فوقتاً نبوت کی دلیل پر حسی معجزہ کی صورت میں مطالبہ کرتے رہے تھے۔ وہ اس قسم کے مطالبہ کرنے میں قطعاً حق بجانب نہیں تھے کیونکہ کئی معجزات وہ ایسے دیکھ چکے تھے جو آپ کی

نبوت پر واضح دلائل تھے مثلاً بار بار کے چیلنج کے باوجود وہ قرآن جیسا کلام نہ پیش کر سکے تھے۔ چاند پھٹنے کا واقعہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔ واقعہ اسراء کے سلسلہ میں بیت المقدس کی ساخت پر وہ سوال و جواب کر چکے تھے۔ یہ سب باتیں ان کے قلبی اطمینان کے لیے کافی تھیں۔ مگر "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کے مصداق وہ نئے سے نئے مطالبے کرتے ہی رہتے تھے جن میں سے چند ایک یہ تھے کہ آپ یہاں پانی کے چشمے بہادیں تاکہ ہمارے لیے پانی کی قلت دور ہو نیز یہاں سے پہاڑوں کو دور ہٹادیں تاکہ ہمیں رہنے کو کچھ میدان میسر آئے اور اس میں کھیتی اور کھجوریں اور انگور کے باغ پیدا ہوں یا جیسے ہمیں دھمکی دیتے رہتے ہو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادو۔ جس سے نہ ہم رہیں اور نہ تم اور یہ روز روز کی تکرار ختم ہو جائے۔ یا جس فرشتے کے متعلق کہتے ہو کہ وہ مجھ پر نازل ہوتا ہے کم از کم ہم اسے ہی دیکھ لیں یا اگر تم ہمارا بھلا نہ کر سکو تو تمہارا اپنا ہی گھر سونے کا یا سنہرا بن جائے یا ہمارے سامنے تم آسمان کی طرف چڑھو اور جب اترو تو تمہارے ہاتھوں میں ہماری طرف ایک کتاب ہونا چاہیے۔ جس میں ہمیں خطاب کیا گیا ہو کہ "یہ واقعی نبی ہے اور اس پر ایمان لے آؤ" تو تب ہی ہم تمہاری نبوت پر ایمان لا سکتے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝
فرمادیجئے: اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے سکونت پذیر ہوتے تو یقیناً ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر اتارتے۔

زمین پر انبیائے کرام بعثت جنس انسانیت سے ہونے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلَائِكَة يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ" بَدَل الْبَشَر "لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاء مَلَكًا رَسُولًا" إِذْ لَا يُرْسَل إِلَى قَوْم رَسُول إِلَّا مِنْ جِنْسهمْ لِيُمْكِنهُمْ مُخَاطَبَته وَالْفَهْم عَنْهُ

فرمادیجئے: اگر زمین میں انسانوں کی بجائے فرشتے چلتے پھرتے سکونت پذیر ہوتے تو یقیناً ہم بھی ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر اتارتے۔ کیونکہ کسی بھی قوم کیلئے رسول انہی کی جنس سے بھیجا جاتا ہے۔ تاکہ وہ قوم ان کا خطاب وکلام کو سمجھ سکے۔

رسولوں کو بشر ہی جانتے رہے اور ان کے منصب نبوت اور اللہ تعالیٰ کے عطا فرمائے ہوئے کمالات کے مقر اور معترف نہ ہوئے، یہی ان کے کفر کی اصل تھی اور اسی لئے وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا، اس پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ اے حبیب ان سے فرمادیجئے: اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے سکونت پذیر ہوتے تو یقیناً ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر اتارتے۔

ارشاد فرمایا کہ تم انسان ہونے کے باوجود جو یہ مطالبہ کرتے ہو کہ ہمارا رسول فرشتہ ہونا چاہئے یہ مطالبہ تو نامعقول ہے البتہ اگر اس زمین پر فرشتے آباد ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو فرشتہ ہی کو رسول بنایا جاتا اس میں جو زمین پر بسنے والے فرشتوں کا یہ وصف ذکر کیا گیا ہے کہ يَمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ یعنی وہ فرشتے زمین پر مطمئن ہو کر چلتے پھرتے اس سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کی طرف فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجنے کی ضرورت اسی وقت ہو سکتی تھی جبکہ زمین کے فرشتے خود آسمان پر نہ جا سکتے بلکہ زمین ہی پر چلتے پھرتے رہتے ورنہ اگر وہ خود آسمان پر جانے کی قدرت رکھتے تو زمین پر رسول بھیجنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ○
فرما دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کے طور پر کافی ہے، بیشک وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ خوب دیکھنے والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی صداقت پر اللہ کی گواہی کے کافی ہونے کا بیان

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ "شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ" عَلٰى صِدْقِى "خَبِيْرًا بَصِيْرًا" عَالِمًا بِبَوَاطِنِهِمْ وَظَوَاهِرِهِمْ

فرما دیجئے: میرے اور تمہارے درمیان میری صداقت پر اللہ ہی گواہ کے طور پر کافی ہے، بیشک وہ اپنے بندوں سے خوب آگاہ خوب دیکھنے والا ہے۔ جو ان کے ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے۔

اپنی سچائی پر میں اور گواہ کیوں ڈھونڈوں؟ اللہ کی گواہی کافی ہے۔ میں اگر اس کی پاک ذات پر تہمت باندھتا ہوں تو وہ خود مجھ سے انتقام لے گا۔ چنانچہ قرآن کی سورہ الحاقہ میں بیان ہے کہ اگر یہ پیغمبر زبردستی کوئی بات ہمارے سر چپکا دیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ تھام کر اس کی گردن اڑا دیتے اور ہمیں اس سے کوئی نہ روک سکتا۔ پھر فرمایا کہ کسی بندے کا حال اللہ سے مخفی نہیں وہ انعام و احسان ہدایت و لطف کے قابل لوگوں کو اور گمراہی اور بدبختی کے قابل لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ○
اور اللہ جسے ہدایت فرما دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ ان کے لئے اس کے سوا مددگار نہیں
پائیں گے، اور ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے،
ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی ہم انہیں اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔

قیامت کے دن کفار کو اوندھے منہ اٹھائے جانے کا بیان

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِىْ وَمَنْ يُّضْلِلْ "فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاءَ" يَهْدُوْنَهُمْ "وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ" مَاشِيْنَ "مَاْوَاهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ" سَكَنَ لَهَبُهَا "زِدْنَاهُمْ سَعِيْرًا" تَلَهُّبًا وَاشْتِعَالًا

اور اللہ جسے ہدایت فرما دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ ان کے لئے اس کے سوا مددگار نہیں پائیں گے، اور ہم انہیں قیامت کے دن جمع کریں گے۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، جب بھی وہ بجھنے لگے گی ہم انہیں عذاب دینے کے لئے اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ تمام مخلوق میں تصرف صرف اسی کا ہے اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا اس کے راہ دکھائے ہوئے کو کوئی بہکا نہیں سکتا نہ اس کے بہکائے ہوئے کی کوئی راہنمائی کر سکتا ہے اس کا ولی اور مرشد کوئی نہیں بن سکتا۔ ہم انہیں اوندھے منہ میدان قیامت (محشر کے مجمع) میں لائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا

جس نے پیروں پر چلایا ہے وہ سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ مسند میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے بنی غفار قبیلے کے لوگو سچ کہو اور قسمیں نہ کھاؤ صادق مصدوق پیغمبر نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے کہ لوگ تین قسم کے بنا کر حشر میں لائے جائیں گے ایک فوج تو کھانے پینے اوڑھنے والی، ایک چلنے اور دوڑنے والی، ایک وہ جنہیں فرشتے اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم کے سامنے جمع کریں گے۔ لوگوں نے کہا دو قسمیں تو سمجھ میں آ گئیں لیکن یہ چلنے اور دوڑنے والے سمجھ میں نہیں آئے آپ نے فرمایا سواریوں پر آفت آ جائے گی یہاں تک کہ ایک انسان اپنا ہرا بھرا باغ دے کر پالان والی اونٹنی خریدنا چاہے گا لیکن نہ مل سکے گی۔

یہ اس وقت نابینا ہوں گے، بیزبان ہوں گے، کچھ بھی نہ سن سکیں گے غرض مختلف حال ہوں گے اور گناہوں کی شامت میں گناہوں کے مطابق گرفتار کئے جائیں گے۔ دنیا میں حق سے اندھے بہرے اور گونگے بنے رہے آج سخت احتیاج والے دن، سچ مچ اندھے بہرے گونگے بنا دیئے گئے۔ ان کا اصلی ٹھکانا، گھوم پھر کر آنے اور رہنے سہنے بسنے ٹھہرنے کی جگہ جہنم قرار دی گئی۔ وہاں کی آگ جہاں مدھم پڑنے کو آئی اور بھڑکا دی گئی سخت تیز کر دی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ الاسراء، بیروت)

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۝
یہی ان کی جزا ہے، کیونکہ بے شک انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو گئے
تو کیا واقعی ہم ضرور نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جانے والے ہیں؟

موت کے بعد دوبارہ زندگی کا بیان

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ "بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا " مُنْكِرِينَ لِلْبَعْثِ "أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا"

یہی ان کی جزا ہے، کیونکہ بے شک انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور منکرین بعث نے کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو گئے تو کیا واقعی ہم ضرور نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے جانے والے ہیں؟

بوسیدہ ہڈیاں پھر توانا ہوں گی

فرمان ہے کہ اوپر جن منکروں کو جس سزا کا ذکر ہوا ہم وہ اسی کے قابل تھے، وہ ہماری دلیلوں کو جھوٹ سمجھتے تھے اور قیامت کے قائل ہی نہ تھے اور صاف کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے کے بعد مٹی کے ریزوں سے مل جانے کے بعد ہلاک اور برباد ہو چکنے کے بعد کا دوبارہ جی اٹھنا تو عقل کے باہر ہے۔ پس ان کے جواب میں قرآن نے اس کی ایک دلیل پیش کی کہ اس زبردست قدرت کے مالک نے آسمان و زمین کو بغیر کسی چیز کے اول بار بلا نمونہ پیدا کیا جس کی قدرت ان بلند و بالا، وسیع اور سخت مخلوق کی ابتدائی پیدائش سے عاجز نہیں۔ کیا وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہو جائے گا؟ آسمان زمین کی پیدائش تو تمہاری پیدائش سے بہت

بڑی ہے وہ ان کے پیدا کرنے میں نہیں تھکا کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے سے بے اختیار ہو جائے گا؟ کیا آسمان وزمین کا خالق انسانوں جیسے اور پیدا نہیں کرسکتا؟ بیشک کرسکتا ہے اس کا حکم ہی چیز کے وجود کیلئے کافی وافی ہے۔ وہ انہیں قیامت کے دن دوبارہ پیدائش میں ضرور اور قطعا پیدا کرے گا اس نے ان کے اعادہ کی، ان کے قبروں سے نکل کھڑے ہونے کی مدت مقرر کررکھی ہے۔ اس وقت یہ سب کچھ ہو کر رہے گا یہاں کی قدرے تاخیر صرف معینہ وقت کو پورا کرنے کیلئے ہے۔ افسوس کس قدر واضح دلائل کے بعد بھی لوگ کفر وضلالت کو نہیں چھوڑتے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ
مِثْلَهُمْ وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ○
اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا کردے
اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے، جس میں کچھ شک نہیں، پھر ظالموں نے کفر کے سوا انکار کردیا۔

زمین وآسمان کی تخلیق سے استدلال کرنے کا بیان

"أَوَلَمْ يَرَوْا" يَعْلَمُوا "أَنَّ اللّٰهَ الَّذِى خَلَقَ السَّمَاوَات وَالْأَرْض "مَعَ عِظَمهمَا "قَادِر عَلَى أَنْ يَخْلُق مِثْلهمْ" أَيْ الْأَنَاسِيّ فِي الصِّغَر "وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا" لِلْمَوْتِ وَالْبَعْث "فَأَبَى الظَّالِمُونَ إلَّا كُفُورًا" جُحُودًا لَهُ،

اور کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو ان کے بڑا ہونے کے باوجود پیدا کیا، اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا کردے یعنی ان جیسے صغیر انسانوں کو پیدا کردے، اور اس نے ان کے لیے موت وبعث کا ایک وقت مقرر کیا ہے، جس میں کچھ شک نہیں، پھر بھی ظالموں نے کفر کے سوا ہر چیز سے انکار کردیا۔

مشرکین مکہ کا یہ اعتراض تھا کہ ہزاروں برس گزر چکے جو مر گیا ان میں سے کوئی دوبارہ زندہ ہو کر تو آیا نہیں۔ پھر دوبارہ زندگی کیسے ممکن ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ہر کام کے لیے ایک مقررہ وقت ہوتا ہے وہ اسی وقت ہی ہوتا ہے۔ گندم کا بیج آپ زمین میں پھینک دیں۔ مگر وہ اگے گا اسی وقت جب اس کے اگنے کا موسم آئے گا۔ اسی طرح انسانوں کے اگنے کا وقت یا موسم نفخہ صور ثانی ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو تم سب ایک طبعی عمل کے تحت زمین سے نکل پڑو گے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّىْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ○
فرما دیجئے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تب بھی خرچ ہو جانے کے خوف سے
تم روکے رکھتے، اور انسان بہت ہی تنگ دل اور بخیل واقع ہوا ہے۔

انسان کی تنگ دلی وبخالت کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "لَوْ أَنْتُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي" مِنْ الرِّزْق وَالْمَطَر "إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ" لَبَخِلْتُمْ "خَشْيَةَ الْإِنْفَاق" خَوْف نَفَادهَا بِالْإِنْفَاقِ فَتَفْتَقِرُوا "قَتُورًا" بَخِيلًا

آپ ان سے فرما دیجئے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں یعنی رزق اور بارش کے مالک ہوتے تو تب بھی سب خرچ ہو جانے کے خوف سے تم اپنے ہاتھ روکے رکھتے، یعنی خرچ کے ڈرے سے بخل کرتے اور انسان بہت ہی تنگ دل اور بخیل واقع ہوا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی ہے جن کے جسم پر لوہے کی زرہیں اور ان زرہوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے ہاتھ ان کی چھاتیوں اور گردن کی ہنسلی کی طرف چمٹے ہوئے ہوں چنانچہ جب صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کھل جاتی ہے اور جب بخیل صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کے حلقے اور تنگ ہو جاتے ہیں اور اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 362)

اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ سخی انسان جب اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرنے کا قصد کرتا ہے تو اس جذبہ صدق کی بنا پر اس کا سینہ کشادہ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کے قلب و احساسات کے تابع ہوتے ہیں بایں طور کہ وہ مال خرچ کرنے کے لئے دراز ہوتے ہیں اس کے برخلاف ایسے مواقع پر بخیل انسان کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ سمٹ جاتے ہیں۔

اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ جب سخی انسان خیر و بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوتی ہے بایں طور کہ اس کے لئے خیر و بھلائی اور نیکی کا راستہ آسان کر دیا جاتا ہے اور بخیل کے لئے نیکی و بھلائی کا راستہ دشوار گزار ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ ۢ بَيِّنٰتٍ فَاسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ
فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ○
اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دیں، سو بنی اسرائیل سے پوچھ، جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے
اس سے کہا یقیناً میں تو تجھے اے موسیٰ! جادو زدہ سمجھتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْع آيَات بَيِّنَات" وَهِيَ الْيَد وَالْعَصَا وَالطُّوفَان وَالْجَرَاد وَالْقُمَّل وَالضَّفَادِع وَالدَّم أَوْ الطَّمْس وَنَقْص الثَّمَرَات "فَاسْأَلْ" يَا مُحَمَّد "بَنِي إِسْرَائِيل" عَنْهُ سُؤَال تَقْرِير لِلْمُشْرِكِينَ عَلَى صِدْقك أَوْ فَقُلْنَا لَهُ : اسْأَلْ وَفِي قِرَاءَة بِلَفْظِ الْمَاضِي "مَسْحُورًا" مَخْدُوعًا

مَغْلُوبًا عَلٰی عَقْلِكَ،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دیں، اور وہ ید بیضاء، عصائے موسوی، طوفان، ٹڈی، جوئیں، مینڈک، خون ، اموال کی ہلاکت، قحط سالی۔ یا محمد ﷺ آپ بنی اسرائیل سے پوچھو، یہ سوال مشرکین مکہ سے آپ ﷺ کی صداقت کا اقرار کروانے کیلئے تھا۔ یا ہم نے ان کیلئے کہا جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا، ایک قرأت کے مطابق عل ماضی کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یقیناً میں تو تجھے اے موسیٰ! جادو زدہ سمجھتا ہوں۔ یعنی آپ مغلوب العقل ہیں۔

سورہ الاسراء آیت ۱۰۱ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت صفوان بن عسال بیان فرماتے ہیں کہ وہ یہودیوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس نبی کرم ﷺ کے پاس چلتے ہیں اور کچھ پوچھتے ہیں۔ دوسرا کہنے لگا کہ انہیں نبی مت کہو اگر انہوں نے سن لیا تو خوشی سے ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ پھر وہ دونوں آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی، وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ، الایۃ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو کھلی نشانیاں دی تھیں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ یہ ہیں، اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، زنا مت کرو، چوری مت کرو، کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کرے، سود خوری نہ کرو ، کسی پاکباز عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ، دشمنوں سے مقابلے کے وقت راہ فرار اختیار نہ کرو۔ اور شعبہ کو شک ہے کہ نویں بات یہ تھی کہ یہودیوں کے لئے خاص حکم یہی کہ ہفتے کے دن زیادتی نہ کریں۔

چنانچہ وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں چومنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ پھر کس چیز نے تمہیں مسلمان ہونے سے روکا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ داؤد علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ نبی ہمیشہ ان کی اولاد میں سے ہو۔ ہمیں خوف ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو یہودی ہمیں قتل نہ کر دیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1089)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تو ایسے معجزے ملے جو آپ کی نبوت کی صداقت اور نبوت پر کھلی دلیل تھی۔ لکڑی، ہاتھ، قحط، دریا، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ یہ تھیں تفصیل وار آیتیں۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ یہ معجزے یہ ہیں ہاتھ کا چمکیلا بن جانا۔ لکڑی کا سانپ ہو جانا اور پانچ وہ جن کا بیان سورہ اعراف میں ہے اور مالوں کا مٹ جانا اور پتھر۔ ابن عباس وغیرہ سے روایت ہے کہ یہ معجزے آپ کا ہاتھ، آپ کی لکڑی، قحط سالیاں پھلوں کی کمی طوفان ٹڈیاں جوئیں مینڈک اور خون ہیں۔ یہ قول زیادہ ظاہر، بہت صاف، بہتر اور قوی ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے قحط سالی اور پھلوں کی کمی کو ایک گن کر نواں معجزہ آپ کی لکڑی کا جادوگروں کے سانپوں کو کھا جانا بیان کیا ہے۔ لیکن ان تمام معجزوں کے باوجود فرعونیوں نے تکبر کیا اور گنہگاری پر اڑے رہے باوجودیکہ دل یقین لا چکا تھا مگر ظلم و زیادتی کر کے کفر انکار پر جم گئے۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ○
اس نے کہا بلاشبہ یقیناً تو جان چکا ہے کہ انہیں آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نہیں اتارا، اس حال میں کہ
واضح دلائل ہیں اور یقیناً میں تو اے فرعون! تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔

خیر و بھلائی سے محروم فرعون کا بیان

"قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰؤُلَاءِ " الْآيَات "اِلَّا رَبُّ السَّمَاوَات وَالْاَرْض بَصَائِر " عِبَرًا وَلٰكِنَّك تُعَانِد وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ التَّاء "وَاِنِّي لَاَظُنُّك يَا فِرْعَوْن مَثْبُورًا" هَالِكًا اَوْ مَصْرُوفًا عَنْ الْخَيْر

اس نے کہا بلاشبہ یقیناً تو جان چکا ہے کہ انہیں یعنی معجزات کو آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نہیں اتارا، اس حال میں کہ واضح دلائل ہیں یعنی عبرت ہے لیکن عناد پر جو آیا ہے اس کیلئے نہیں۔ ایک قرأت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور یقیناً میں تو اے فرعون! تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔ یا بھلائی سے محروم سمجھتا ہوں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اسے دھڑلے سے جواب دیا۔ بات یوں نہیں جو تم مجھے کہہ رہے ہو بلکہ مجھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری تباہی کے دن قریب آ گئے ہیں جو اتنے واضح معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لا رہے۔ تمہارے جادوگر تو حقیقت کو سمجھ کر ایمان لا چکے ہیں پھر بھی تمہیں یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ جادو کی شعبدہ بازیوں سے نہ کسی ملک میں کبھی قحط پڑا ہے، نہ پڑ سکتا ہے، پوری قوم پر طرح طرح کے عذاب لانا جادوگروں کی بساط سے باہر ہے۔ ایسے کام صرف وہ ہستی کر سکتی ہے جو قادر مطلق اور مختار کل ہو اور اگر تم یہ سب کچھ دیکھ کر اس ہستی پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تو تمہیں اپنے انجام کی فکر کرنا چاہیے۔

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ○
تو اس نے ارادہ کیا کہ انہیں اس سرزمین سے پھسلا دے تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ تھے، سب کو غرق کر دیا۔

نبی اللہ کو جلاوطن کرنے والوں کیلئے غرق ہونے کا بیان

"فَاَرَادَ" فِرْعَوْن "اَنْ يَسْتَفِزّهُمْ" يُخْرِج مُوسٰى وَقَوْمه "مِنْ الْاَرْض" اَرْض مِصْر "فَاَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيعًا"

تو اس نے یعنی فرعون نے ارادہ کیا کہ انہیں اس سرزمین سے پھسلا دے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کو قوم کو سرزمین مصر سے نکال دے۔ تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ تھے، سب کو غرق کر دیا۔

فرعون نے بنی اسرائیل پر صرف اس جرم کی پاداش میں کہ وہ سیدنا موسیٰ پر ایمان لانے لگے تھے، طرح طرح کی سختیاں شروع کر دی تھیں نیز اس سزا کو نئے سرے سے نافذ کر دیا جو پہلے اس کے باپ نے نافذ کی تھی۔ یعنی بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ باپ فرعون رعمیس کا اس سزا سے یہ مقصد تھا کہ موسیٰ اگر پیدا ہوں تو

اسی وقت انہیں ختم کر دیا جائے تاکہ اس کی حکومت پر آنچ نہ آنے پائے اور بیٹے فرعون منفتاح نے یہ سزا اس لیے جاری کی کہ بنی اسرائیل کی اس طرح نسل کشی کر کے اس ملک سے ان کا خاتمہ ہی کر دیا جائے اور ان کی عورتوں کو اپنی لونڈیاں بنا لیا جائے۔ مگر ہم نے فرعون اور فرعونیوں کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ بنی اسرائیل کا تعاقب کریں۔ اور ان کا یہی تعاقب دراصل ان کی موت کا بلاوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اور حیرت انگیز طریقے سے ان سب کو دریا میں غرق کر دیا اور بنی اسرائیل کو ان سے نجات دی۔

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ○
اور ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس سرزمین میں رہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا
ہم تمہیں اکٹھا کر کے لے آئیں گے۔

قیامت کے دن لوگوں کو جمع کرنے کا بیان

وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهٖ لِبَنِيْ اِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَاءَ "وَعْدُ الْاٰخِرَةِ" أَيِ السَّاعَةِ "جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا" جَمِيعًا أَنْتُمْ وَهُمْ،

اور ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس سرزمین میں رہو، پھر جب آخرت یعنی قیامت کا وعدہ آئے گا ہم تمہیں اکٹھا کر کے لے آئیں گے۔ یعنی تم اور وہ سب ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ تین اصناف میں منقسم ہو کر جمع ہوں گے۔ پیدل سوار اور چہروں پر گھسٹتے ہوئے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ چہروں پر کیسے چلیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے انہیں پیروں پر چلایا وہ انہیں سروں پر چلانے پر بھی قادر ہے۔ جان لو کہ وہ اپنے منہ سے ہر بلندی اور کانٹے سے بچ کر چلیں گے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ اس حدیث کو ابن طاؤس اپنے والد سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1087)

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○
اور حق کے ساتھ ہی ہم نے اس کو اتارا ہے اور حق ہی کے ساتھ وہ اترا ہے، اور ہم نے آپ کو خوشخبری سنانے والا
اور ڈر سنانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔

قرآن کا بغیر تبدیلی کے حق کے ساتھ نازل ہونے کا بیان

"وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ" أَيِ الْقُرْآنَ "وَبِالْحَقِّ" الْمُشْتَمِلِ عَلَيْهِ "نَزَلَ" كَمَا أُنْزِلَ لَمْ يَعْتَرِهِ تَبْدِيلٌ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ" يَا مُحَمَّدُ "إِلَّا مُبَشِّرًا" مَنْ آمَنَ بِالْجَنَّةِ "وَنَذِيرًا" مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ

اور حق کے ساتھ ہی ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے اور حق ہی پر مشتمل ہے وہ ایسا اترا ہے، جس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے۔ اور یا محمد ﷺ ہم نے آپ کو جنت کی خوشخبری سنانے والا اور منکر آگ کو ڈر سنانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔

شیاطین کے خلط سے محفوظ رہا اور کسی تغیر نے اس میں راہ نہ پائی۔ تبیان میں ہے کہ حق سے مراد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے۔

قرآن مجید کی برکت کا بیان

آیت شریفہ کا یہ جملہ ہر ایک بیماری کے لئے عمل مجرب ہے، موضعِ مرض پر ہاتھ رکھ کر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو باذن اللہ بیماری دور ہو جاتی ہے۔ محمد بن سماک بیمار ہوئے تو ان کے متوسلین قارورہ لے کر ایک نصرانی طبیب کے پاس بغرضِ علاج گئے، راہ میں ایک صاحب ملے نہایت خوش رو و خوش لباس ان کے جسمِ مبارک سے نہایت پاکیزہ خوشبو آ رہی تھی انہوں نے فرمایا کہاں جاتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا ابن سماک کا قارورہ دکھانے کے لئے فلاں طبیب کے پاس جاتے ہیں انہوں نے فرمایا سبحان اللہ اللہ کے ولی کے لئے خدا کے دشمن سے مدد چاہتے ہو قارورہ پھینکو واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ مقامِ درد پر ہاتھ رکھ کر پڑھو (وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ، الاسراء:105) یہ فرما کر وہ بزرگ غائب ہو گئے ان صاحبوں نے واپس ہو کر ابن سماک سے واقعہ بیان کیا انہوں نے مقامِ درد پر ہاتھ رکھ کر یہ کلمے پڑھے فوراً آرام ہو گیا اور ابن سماک نے فرمایا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ الاسراء، لاہور)

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا۝
اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے اتارا ہے تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے رفتہ رفتہ بہ تدریج اتارا ہے۔

قرآن کے نزول کا بہ تدریج ہونے کا بیان

"وَقُرْآنًا" مَنْصُوب بِفِعْلٍ يُفَسِّرهُ "فَرَقْنَاهُ" نَزَّلْنَاهُ مُفَرَّقًا فِي عِشْرِينَ سَنَة أَوْ وَثَلَاث "مُكْث" مَهَل وَتُؤَدَة لِيَفْهَمُوهُ "وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا" شَيْئًا بَعْد شَيْء عَلَى حَسَب الْمَصَالِح

یہاں پر لفظ قرآن یہ فعل کے سبب منصوب ہے جس اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے یعنی تئیس سال میں اتارا ہے تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں تا کہ وہ اس کو سمجھ سکیں۔ اور ہم نے اسے رفتہ رفتہ حالات اور مصالح کے مطابق بہ تدریج اتارا ہے۔

مشرکین مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر قرآن اللہ کا کلام ہوتا تو یکبارگی نازل ہو جاتا۔ ہو نہ ہو یہ نبی ساتھ ساتھ اسے تصنیف کرتا جاتا ہے اور جیسے حالات ہوں اس کے مطابق لوگوں کو سناتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس قرآن کو موقع بہ موقع اور بتدریج ہم ہی نے اتارا ہے اور اس طرح وقفہ وقفہ پر اتارنے میں کئی مصلحتیں اور فوائد ہیں۔ مثلاً یہ کہ لوگوں

کو اس کے حفظ کرنے میں آسانی رہے نیز ہر ایک کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آیت کس موقع پر نازل ہوئی تھی اور اس کا صحیح مفہوم کیا ہے نیز یہ کہ لوگوں کو اس کے اوامر پر عمل کرنے اور نواہی سے اجتناب کرنے میں آسانی رہے اور اگر یکدم ہی ان پر سب اوامر و نواہی نازل کر دیتے تو سب انکار کر دیتے اور کوئی ان کو اپنے آپ پر نافذ کرنے کی ہمت نہ پاتا۔ نیز یہ کہ اس طرح مختلف اوقات پر آیات نازل کرنے سے مومنوں کا ایمان زیادہ ہوتا رہتا ہے اور پختہ تر بنتا جاتا ہے ان میں مصائب کو برداشت کرنے کی قوت اور استقلال پیدا ہوتا ہے اور یہ سب فوائد اسی صورت میں حاصل ہو سکتے تھے کہ قرآن وقفہ وقفہ سے نازل ہوتا اور اوامر و نواہی میں تدریج کو ملحوظ رکھا جاتا۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ
تم فرماؤ! کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، بیشک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا، اب ان پر پڑھا جاتا ہے،
ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

علم والوں کے ایمان لانے کا بیان

"قُلْ" لِكُفَّارِ مَكَّة "آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا" تَهْدِيد لَهُمْ "مِنْ قَبْله" قَبْل نُزُوله وَهُمْ مُؤْمِنُو أَهْل الْكِتَاب، "إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا"،

تم کفار مکہ سے فرماؤ! کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، اس میں ان کیلئے تہدید ہے۔ بیشک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا، یعنی وہ جو اہل کتاب ایمان لانے والے ہیں۔ اب ان پر پڑھا جاتا ہے، ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

علم والوں کو حق کو سمجھ کر سجدے میں گر جانے کا بیان

مومنینِ اہل کتاب جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انتظار و جستجو میں تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد شرف اسلام سے مشرف ہوئے جیسے کہ زید بن عمرو بن نفیل اور سلمان فارسی اور ابوذر وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

فرمان ہے کہ تمہارے ایمان پر صداقت قرآن موقوف نہیں تم مانو یا نہ مانو قرآن فی نفسہ کلام اللہ اور بیشک برحق ہے۔ اس کا ذکر تو ہمیشہ سے قدیم کتابوں میں چلا آ رہا ہے۔ جو اہل کتاب، صالح اور عامل کتاب اللہ ہیں، جنہوں نے اگلی کتابوں میں کوئی تحریف و تبدیلی نہیں کی وہ تو اس قرآن کو سنتے ہی بیچین ہو کر شکریہ کا سجدہ کرتے ہیں کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ہماری موجودگی میں اس رسول کو بھیجا اور اس کلام کو نازل فرمایا۔ اپنے رب کی قدرت کاملہ پر اس کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں۔ جانتے تھے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، غلط نہیں ہوتا۔ آج وہ وعدہ پورا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے وعدے کی سچائی کا اقرار کرتے ہیں۔ خشوع و خضوع، فروتنی اور عاجزی کے ساتھ روتے گڑگڑاتے اللہ کے سامنے اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں ایمان و تصدیق اور کلام الٰہی اور رسول اللہ کی وجہ سے وہ ایمان و اسلام میں، ہدایت و تقویٰ میں، ڈر اور خوف میں اور بڑھ

جاتے ہیں۔ یہ عطف صفت کا صفت پر ہے سجدے کا سجدے پر نہیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ الاسراء، بیروت)

وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۝
اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ یقیناً ہمیشہ پورا کیا ہوا ہے۔

نزول قرآن اور بعثت نبوی ﷺ کے حق ہونے کا بیان

"وَيَقُولُونَ سُبْحَان رَبّنَا" تَنْزِيهًا لَهُ عَنْ خُلْف الْوَعْد "إنْ" مُخَفَّفَة "كَانَ وَعْد رَبّنَا" بِنُزُولِهِ وَبَعْث النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور وہ کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، یعنی وہ وعدہ خلافی سے پاک ہے۔ یہاں پر ان مخففہ ہے۔ بے شک ہمارے رب کا وعدہ یعنی جو نزول قرآن اور نبی کریم ﷺ کی بعثت سے متعلق ہے۔ یقیناً ہمیشہ پورا کیا ہوا ہے۔

اہل علم نزول قرآن سے خوش ہو کر کہتے ہیں کہ بیشک ہمارے رب کے وعدے نے پورا ہو کر رہنا تھا جو اس نے اس سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں فرمایا تھا کہ وہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمائے گا اور اس پر اپنا آخری کلام نازل فرمائے گا۔

(محاسن تاویل، سورہ الاسراء، بیروت)

وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا۝ السجدہ
اور ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے گر جاتے ہیں، اور یہ ان کے خشوع وخضوع میں مزید اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔

قرآن کے ذریعے خشوع وخضوع میں اضافہ ہونے کا بیان

"وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ" عَطْف بِزِيَادَةِ صِفَة "وَيَزِيدهُمْ" الْقُرْآن "خُشُوعًا" تَوَاضُعًا لِلّٰهِ

اور ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے گر جاتے ہیں، یہاں پر یخرون پر زیادتی صفت کے سبب عطف ہے۔ اور یہ قرآن ان کے خشوع وخضوع میں مزید اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔

فکر آخرت میں رونے والوں کے خشوع میں اضافہ کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کسی میت کو رکھنے کے لئے) قبر میں اترے، آپ کے لئے چراغ جلا دیا گیا چنانچہ آپ نے میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا (اور اسے قبر میں اتارا) اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے تو (خوف اللہ سے) بہت رونے والا اور قرآن کریم بہت زیادہ پڑھنے والے تھے (اور ان دونوں چیزوں کے سبب سے تم رحمت ومغفرت کے مستحق ہو) یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 189)

اس روایت کے بارہ میں امام ترمذی کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز اس بارہ میں حضرت جابر اور حضرت یزید بن ثابت کی روایتیں بھی منقول ہیں۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ رات کے وقت مردہ کو دفن کرنا مکروہ نہیں جیسا کہ بعض علماء نے لکھا

ہے یہ حدیث حنفیہ کے مسلک کی دلیل ہے ان کے ہاں میت کو قبر میں قبلہ کی طرف سے اتارنا سنت ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ○

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو رحمان کہہ کر، جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں، اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ پڑھو اور اس کا درمیان اختیار کرو۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا بیان

وَكَانَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُول : "يَا اللّٰه يَا رَحْمَن" فَقَالُوا : يَنْهَانَا أَنْ نَعْبُد إِلٰهَيْنِ وَهُوَ يَدْعُو إِلٰهًا آخَرَ مَعَهُ فَنَزَلَ "قُلْ" لَهُمْ "اُدْعُوا اللّٰه أَوْ اُدْعُوا الرَّحْمَن" أَيْ سَمُّوهُ بِأَيِّهِمَا أَوْ نَادُوهُ بِأَنْ تَقُولُوا : يَا اللّٰه يَا رَحْمَن "أَيًّا" شَرْطِيَّة "مَا" زَائِدَة أَيْ أَيّ هٰذَيْنِ "تَدْعُوا" فَهُوَ حَسَن دَلَّ عَلَى هٰذَا "فَلَهُ" أَيْ لِمُسَمَّاهُمَا "الْأَسْمَاء الْحُسْنَى" وَهٰذَانِ مِنْهَا فَإِنَّهَا كَمَا فِي الْحَدِيث،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اللہ، یا رحمٰن کہہ کر پکارا کرتے تھے تو مشرکین نے کہا کہ ہمیں دو معبودوں سے منع کرتے ہو اور خود اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارتے ہو تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی کہ تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو کیونکہ یہ دونوں نام بلکہ اس کے سب نام اچھے ہیں۔ (یعنی ذات ایک ہی ہے)۔ یہاں پر ایا شرطیہ ہے اور ما زائدہ ہے۔ یعنی یہ دونوں، یا اللہ، یا رحمٰن اچھے ہیں۔ کیونکہ ان کی دلالت اسی ذات پر ہے۔ اور اسمائے حسنیٰ میں سے یہ دونوں بھی ہیں۔ جس حدیث میں آیا ہے جو حسب ذیل ہے۔

"اللّٰه الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَن الرَّحِيم الْمَلِك الْقُدُّوس السَّلَام الْمُؤْمِن الْمُهَيْمِن الْعَزِيز الْجَبَّار الْمُتَكَبِّر الْخَالِق الْبَارِء الْمُصَوِّر الْغَفَّار الْقَهَّار الْوَهَّاب الرَّزَّاق الْفَتَّاح الْعَلِيم الْقَابِض الْبَاسِط الْخَافِض الرَّافِع الْمُعِزّ الْمُذِلّ السَّمِيع الْبَصِير الْحَكَم الْعَدْل اللَّطِيف الْخَبِير الْحَلِيم الْعَظِيم الْغَفُور الشَّكُور الْعَلِيّ الْكَبِير الْحَفِيظ الْمُقِيت الْحَسِيب الْجَلِيل الْكَرِيم الرَّقِيب الْمُجِيب الْوَاسِع الْحَكِيم الْوَدُود الْمَجِيد الْبَاعِث الشَّهِيد الْحَقّ الْوَكِيل الْقَوِيّ الْمَتِين الْوَلِيّ الْحَمِيد الْمُحْصِي الْمُبْدِء الْمُعِيد الْمُحْيِي الْمُمِيت الْحَيّ الْقَيُّوم الْوَاجِد الْمَاجِد الْوَاحِد الْأَحَد الصَّمَد الْقَادِر الْمُقْتَدِر الْمُقَدِّم الْمُؤَخِّر الْأَوَّل الْآخِر الظَّاهِر الْبَاطِن الْوَالِي الْمُتَعَالِي الْبَرّ التَّوَّاب الْمُنْتَقِم الْعَفُوّ الرَّءُوف مَالِك الْمُلْك ذُو الْجَلَال وَالْإِكْرَام الْمُقْسِط الْجَامِع الْغَنِيّ الْمُغْنِي الْمَانِع الضَّارّ النَّافِع النُّور الْهَادِي الْبَدِيع الْبَاقِي الْوَارِث الرَّشِيد الصَّبُور" رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ "وَلَا تَجْهَر بِصَلَاتِك" بِقِرَاءَتِك بِهَا فَيَسْمَعك الْمُشْرِكُونَ فَيَسُبُّوك وَيَسُبُّوا الْقُرْآن وَمَنْ أَنْزَلَهُ "وَلَا تُخَافِت" تُسِرّ "بِهَا"

لِيَنتَفِعَ أَصْحَابُكَ "وَابْتَغِ" اقْصِدْ "بَيْنَ ذٰلِكَ" الْجَهْرِ وَالْمُخَافَتَةِ "سَبِيلًا" طَرِيقًا وَسَطًا،

سورہ الاسراء آیت ۱۱۰ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو شخص ان ناموں کو یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسم ذات اللہ کے علاوہ ننانوے نام یہ ہیں۔ (۱) الرحمٰن (۲) الرحیم (۳) الملک (۴) القدوس (۵) السلام (۶) المومن (۷) المہیمن (۸) العزیز (۹) الجبار (۱۰) المتکبر (۱۱) الخالق (۱۲) الباری (۱۳) المصور (۱۴) الغفار (۱۵) القہار (۱۶) الوہاب (۱۷) الرزاق (۱۸) الفتاح (۱۹) العلیم (۲۰) القابض (۲۱) الباسط (۲۲) الخافض (۲۳) الرافع (۲۴) المعز (۲۵) المذل (۲۶) السمیع (۲۷) البصیر (۲۸) الحکم (۲۹) العدل (۳۰) اللطیف (۳۱) الخبیر (۳۲) الحلیم (۳۳) العظیم (۳۴) الغفور (۳۵) الشکور (۳۶) العلی (۳۷) الکبیر (۳۸) الحفیظ (۳۹) المقیت (۴۰) الحسیب (۴۱) الجلیل (۴۲) الکریم (۴۳) الرقیب (۴۴) المجیب (۴۵) الواسع (۴۶) الحکیم (۴۷) الودود (۴۸) المجید (۴۹) الباعث (۵۰) الشہید (۵۱) الحق (۵۲) الوکیل (۵۳) القوی (۵۴) المتین (۵۵) الولی (۵۶) الحمید (۵۷) المحصی (۵۸) المبدی (۵۹) المعید (۶۰) المحی (۶۱) الممیت (۶۲) الحی (۶۳) القیوم (۶۴) الواجد (۶۵) الماجد (۶۶) الواحد (۶۷) الاحد (۶۸) الصمد (۶۹) القادر (۷۰) المقتدر (۷۱) المقدم (۷۲) المؤخر (۷۳) الاول (۷۴) الآخر (۷۵) الظاہر (۷۶) الباطن (۷۷) الوالی (۷۸) المتعال (۷۹) البر (۸۰) التواب (۸۱) المنتقم (۸۲) العفو (۸۳) الرؤف (۸۴) مالک الملک (۸۵) ذوالجلال والاکرام (۸۶) المقسط (۸۷) الجامع (۸۸) الغنی (۸۹) المغنی (۹۰) المانع (۹۱) الضار (۹۲) النافع (۹۳) النور (۹۴) الہادی (۹۵) البدیع (۹۶) الباقی (۹۷) الوارث (۹۸) الرشید (۹۹) الصبور۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 809)

اس روایت کو ترمذی نے اور بیہقی نے دعوات کبیر میں نقل کیا۔

آیت (ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو) ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی یہ علیحدہ جملہ ہے اور ان ننانوے ناموں کا بیان ہے جو آگے ذکر کئے گئے ہیں۔

اس کلمہ کے کئی مراتب ہیں اول یہ کہ جب منافق اس کلمہ کو پڑھتا ہے اور اس کی تصدیق سے خالی ہوتا ہے یعنی وہ قلبی تصدیق اور اعتقاد کے بغیر محض اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے کے لئے اس کلمہ کو زبان سے ادا کرتا ہے تو یہ کلمہ اس کی دنیا کے لئے تو نافع بن جاتا ہے بایں طور کہ اس کی وجہ سے اس کی جان، اس کا مال اور اس کے اہل وعیال مسلمانوں کے ہاتھوں محفوظ ہو جاتے ہیں لیکن آخرت کے اعتبار سے یہ کلمہ اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

دوم یہ کہ اس کلمہ کو زبان سے پڑھنے کے ساتھ اعتقاد قلبی بھی ہو مگر تقلید محض کے طور پر اس درجہ صحیح ہونے میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ درجہ صحیح ہے۔

سوم یہ کہ اس کلمہ کو پڑھنے کے ساتھ اعتقاد قلبی بھی ہو مگر ایسا اعتقاد قلبی جو اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر حاصل کیا گیا ہو۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ بھی درجہ معتبر ہے۔

چہارم یہ کہ زبان سے اس کلمہ کی ادائیگی کے ساتھ اعتقاد جازم بھی ہو۔ جواز راہ دلیل قطعی حاصل ہوا ہو متفقہ طور پر یہ درجہ مقبول ہے۔

پنجم یہ کہ اس کلمہ کو ادا کرنے والا اس طرح کا ہو کہ وہ دل کی آنکھوں سے اس کلمہ کے معنی جانتا ہو۔ یعنی اسے کامل طور پر عرفان حق حاصل ہوا اور یہی رتبہ عالی ہے یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ اس کلمہ کو زبان سے ادا کیا جائے دوسری شکل یہ ہے کہ اس کلمہ کو صرف دل میں کہے یعنی زبان سے ادائیگی نہ ہو اس صورت میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی عذر مثلاً گونگے پن وغیرہ کی بنا پر اس کلمہ کو زبان سے ادا کرنے سے قاصر ہے تو یہ کلمہ دنیا و آخرت دونوں کے لئے نافع ہے یعنی وہ دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے نجات یافتہ ہوگا اور اگر کسی عذر کے بغیر بھی زبان سے ادا نہ کرے تو پھر آخرت میں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

نووی نے اس بات پر اہل سنت کا اجماع نقل کیا ہے۔ "اللہ" باری تعالیٰ کا اسم ذات ہے اس کے معنی ہیں وہ ذات عبادت کے لائق ہے۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اسماء باری تعالیٰ میں یہ نام سب سے بڑا ہے نیز کہا گیا ہے کہ عوام کو چاہئے کہ وہ اس نام کو اپنی زبان پر جاری کریں اور خشیت و تعظیم کے طور پر اس نام کے ساتھ ذکر کریں خواص کو چاہئے کہ وہ اس نام کے معنی میں غور و فکر کریں اور یہ جانیں کہ اس نام کا اطلاق صرف اسی ذات پر ہو سکتا ہے جو صفات الوہیت کی جامع ہے اور خواص الخواص کو چاہئے کہ وہ اپنا دل اللہ میں مستغرق رکھیں اور اس ذات کے علاوہ اور کسی بھی طرف التفات نہ کریں اور صرف اسی سے ڈریں کیونکہ وہی حق اور ثابت ہے اس کے علاوہ ہر چیز فانی اور باطل ہے جیسا کہ بخاری میں منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاعروں کے کلام میں سب سے صحیح کلام شاعر لبید کا یہ مصرعہ ہے کہ۔ الاکل چیز ماخلا اللہ باطل۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ خاصیت جو شخص اس اسم ذات (اللہ) کو ہزار بار پڑھے وہ صاحب یقین ہو اور جو شخص اس کو نماز کے بعد وافر پڑھے اس کا باطن کشادہ ہو اور وہ صاحب کشف ہو۔ "الرحمٰن، الرحیم۔ بخشنے والا" ان دونوں ناموں سے بندہ کا نصیب یہ ہے (یعنی صفات باری تعالیٰ کو اپنانے کے سلسلہ میں ان اسماء کا تقاضہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کامل توجہ ہو، اسی ذات پر توکل و بھروسہ کیا جائے اپنا باطن اس کے ذکر میں مشغول رکھا جائے غیر اللہ سے بے پرواہی برتی جائے بندگان اللہ پر رحم کیا جائے چنانچہ مظلوم کی حمایت و مدد کی جائے اور ظالم کو بطریق نیک ظلم سے باز رکھا جائے اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غفلت برتنے والوں کو خبردار کیا جائے گنہگار کی طرف رحمت کی نظر کی جائے نہ کہ اسے نظر حقارت سے دیکھا جائے اپنی طاقت کے بقدر شرع امور کے استیصال میں کوشش صرف کی جائے اور اپنی وسعت و ہمت کے مطابق محتاجوں اور ضرورت مندوں کی حاجتوں کو پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ خاصیت جو شخص ہر نماز کے بعد سو بار الرحمٰن الرحیم کہے حق تعالیٰ اس کے دل سے غفلت، نسیان اور قساوت دور کرے گا اور تمام مخلوق اس پر مہربان و مشفق ہو گی۔ "الملک" حقیقی بادشاہ۔ یعنی وہ زمین و آسمان اور تمام عالم کا حقیقی بادشاہ ہے دونوں جہاں اسی کے تصرف اور قبضہ میں ہیں وہ

سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج لہٰذا جب بندہ نے اس کی یہ حیثیت وصفت جان لی تو اس پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ کا بندہ وغلام اور اسی کے در کا گدا بنے اور اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ اسی کے آستانہ عزت وجاہ کی طلب کرے۔ نیز بندہ پر لازم ہے کہ اس کی بارگاہ قدرت وتصرف سے تعلق پیدا کرے اس کے علاوہ ہر ایک سے کلیۃً بے نیازی اختیار کرے۔ نہ کسی سے اپنی ضرورت وحاجت بیان کرے اور نہ کسی سے ڈرے نہ امید رکھے اپنے دل اپنے نفس اور اپنے قالب کی دنیا کا حاکم بنے اور اپنے اعضاء اور اپنے قوی کو قابو میں رکھ کر اس کی اطاعت وعبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں لگا دے تا کہ صحیح معنی میں اپنے وجود کی دنیا کا حاکم کہلائے۔ خاصیت جو شخص اس اسم کو القدوس کے ساتھ (یعنی ملک القدوس) پابندی کے ساتھ پڑھتا رہے تو اگر وہ صاحب ملک اور سلطنت ہوگا تو اس کے ملک اور سلطنت کو اللہ تعالیٰ قائم ودائم رکھے گا اور جو صاحب سلطنت نہ ہوگا تو اس کی برکت سے اس کا اپنا نفس مطیع وفرمانبردار رہے گا اور جو شخص اسے عزت وجاہ کے لئے پڑھے تو اس کا مقصود حاصل ہوگا اور اس بارہ میں یہ عمل مجرب ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحمٰن نے اس کی خاصیت یہ لکھی ہے کہ جو شخص اس اسم "الملک" کو روزانہ نوے بار پڑھے تو نہ صرف یہ کہ روشن اور تونگر ہوگا بلکہ حکام وسلاطین اس کے لئے مسخر ہو جائیں گے اور عزت واحترام اور جاہ کی زیادتی کے حصول کے لئے مجرب ہے۔ "القدوس" نہایت پاک۔

قشیری رحمہ اللہ نے کہا کہ جس شخص نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نہایت پاک ہے تو اب اس کو چاہئے کہ اس بات کی آرزو کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہر حالت میں عیوب اور آفات سے دور اور گناہوں کی نجاست سے پاک رکھے۔ خاصیت جو شخص اس اسم پاک کو ہر روز زوال آفتاب کے وقت پڑھے اس کا دل صاف ہو اور جو شخص نماز جمعہ کے بعد اس اسم واسم السبوح کے ساتھ (یعنی القدس السبوح) روٹی کے ٹکڑے پر لکھ کر کھائے تو فرشتہ صفت ہو اور بھگدڑ کے وقت دشمنوں سے حفاظت کے وقت اس اسم کو جتنا پڑھا جا سکے پڑھا جائے اور مسافر اس کو برابر پڑھتا رہے اور کبھی ماندہ اور عاجز نہ ہو اور اگر اس کو تین سو انیس بار شیرنی پر پڑھ کر دشمن کو کھلا دے تو وہ مہربان ہو۔ "السلام"۔ بے عیب وسلامت۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ بتایا ہے کہ مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ وسلامت رہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت زیادہ شفقت کا معاملہ کرے جب وہ کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو اس سے عمر میں بڑا ہو تو یہ کہے کہ یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اس نے میری نسبت زیادہ عبادت واطاعت کی ہے اور ایمان ومعرفت میں مجھ پر سبقت رکھتا ہے اور اگر کسی ایسے مسلمان کو دیکھے جو عمر میں اس سے چھوٹا ہو تو بھی یہی کہے یہ مجھ سے بہتر ہے کیونکہ اس نے میری بنسبت گناہ کم کئے ہیں۔ نیز اگر کسی مسلمان بھائی سے کوئی قصور ہو جائے اور وہ معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول کر کے اس کا قصور معاف کر دیا جائے۔ خاصیت اگر کوئی شخص اس اسم مبارک کو کسی بیمار پر ایک سو گیارہ مرتبہ پڑھے تو انشاء اللہ حق تعالیٰ اسے صحت وشفا عطا فرمائے گا اور اگر کوئی شخص اس کو برابر پڑھتا رہے تو خوف سے نڈر ہو گا۔ "المؤمن"۔ امن دینے والا۔ اس اسم سے بندہ کا نصیب یہ ہے کہ وہ مخلوق اللہ کو نہ صرف اپنے شر اور اپنی برائی سے بلکہ دوسروں کی برائی اور شر سے بھی امن میں رکھے۔ خاصیت جو

شخص اس اسم کو بہت پڑھتا رہے یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے تو حق تعالیٰ اس کو شیطان کے شر سے نڈر رکھے گا اور کوئی شخص اس پر حاوی نہیں ہوگا نیز اس کا ظاہر اور اس کا باطن حق تعالیٰ کی امان میں رہے گا اور جو شخص اس کو بہت زیادہ پڑھتا رہے گا مخلوق اللہ اس کی مطیع اور فرمانبردار ہوگی۔ "المہیمن"۔ ہر چیز کا اچھی طرح محافظ نگہبان۔ اس اسم سے عارف کا نصیب یہ ہے کہ بری عادتوں، برے عقیدوں اور بری چیزوں مثلاً حسد اور کینہ وغیرہما سے اپنے دل کی نگہبانی کرے اپنے احوال درست کرے اور اپنے قوی اور اپنے اعضا کو ان چیزوں میں مشغول ہونے سے محفوظ رکھے جو دل کو اللہ کی طرف سے غفلت میں ڈالنے والی ہوں۔ خاصیت جو شخص غسل کے بعد اس اسم کو ایک سو پندرہ مرتبہ پڑھے وہ غیب اور باطن کی باتوں پر مطلع ہو اور جو شخص اس کو برابر پڑھتا رہے وہ تمام آفات سے پناہ پائے اور جنتیوں کی جماعت میں شامل ہو۔

درمیانی آواز میں قرأت کرنے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ،اور اپنی نماز میں نہ چلا کر پڑھ اور نہ بالکل ہی آہستہ پڑھ اور اس کے درمیان اختیار کر۔ مکہ میں نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر بلند آواز سے قرآن پڑھتے تو مشرکین قرآن کو اس کو نازل کرنے والے اور اسے لانے والے کو گالیاں دینے لگتے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ نہ قرآن اتنی بلند آواز سے پڑھیں کہ مشرکین قرآن کو، اس کو نازل کرنے والے اور اسے لانے والے کو گالیاں دینے لگیں اور نہ اتنا آہستہ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سن نہ سکیں۔ یعنی اتنی آواز پر پڑھیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سیکھ سکیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1090)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چھپ کر دعوت دیتے تھے اور صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھتے تو قرآن بلند آواز سے پڑھتے۔ چنانچہ مشرکین جب قرآن سنتے تو اسے اور اس کے لانے والے کو گالیاں دینے لگتے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم دیا کہ اتنی بلند آواز سے مت پڑھیے کہ مشرکین سنیں اور اسے گالیاں دیں اور اتنی آہستہ بھی نہ پڑھیے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سن نہ سکیں بلکہ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کیجئے (یعنی درمیانی آواز سے پڑھیے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1091)

وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ
وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۠
اور فرمائیے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے نہ تو کوئی بیٹا بنایا اور نہ ہی سلطنت وفرمانروائی میں کوئی شریک ہے
اور نہ کمزوری کے باعث اس کا کوئی مددگار ہے۔ آپ اسی کو بزرگ تر جان کر اس کی خوب بڑائی کرتے رہیے۔

تمام خوبیاں ذات وصفات میں اللہ تعالیٰ کیلئے ہونے کا بیان

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ "شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ" فِي الْأُلُوهِيَّة "وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ" يَنْصُرهُ "مِنْ" أَجْل "الذُّلّ" أَيْ لَمْ يَذِلّ فَيَحْتَاج إِلَى نَاصِر "وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا" عَظِّمْهُ عَظَمَة تَامَّة عَنْ اتِّخَاذ الْوَلَد الشَّرِيك وَالذُّلّ وَكُلّ مَا لَا يَلِيق بِهِ وَتَرْتِيب الْحَمْد عَلَى ذَلِكَ لِلدَّلَالَةِ عَلَى أَنَّهُ الْمُسْتَحِقّ لِجَمِيعِ الْمَحَامِد لِكَمَالِ ذَاته وَتَفَرُّده فِي صِفَاته ،

اور فرمایئے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے نہ تو اپنے لئے کوئی بیٹا بنایا اور نہ ہی اس کی سلطنت وفرمانروائی میں کوئی شریک ہے یعنی اس کو الوہیت میں کوئی شریک نہیں ہے اور نہ کمزوری کے باعث اس کا کوئی مددگار ہے۔ یعنی اس کے ہاں کوئی کمزوری نہیں ہے کہ وہ کسی مددگار کا محتاج بنے۔ (اے حبیب ﷺ) آپ اسی کو بزرگ تر جان کر اس کی خوب بڑائی بیان کرتے رہیے۔ یعنی وہ بیٹا بنانے، شریک بنانے، کمزوری اور ہر وہ چیز جو ان سے ملی ہوئی ہو اس سے پاک ہے۔ اور حمد کی تعریف اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہی ذات جمیع محامد کا حق رکھتی ہے۔ کیونکہ ذات وصفات میں وہ ذات کمال وتفرد رکھتی ہے۔

چار کلاموں کا بہتر کلام ہونے کا بیان

حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے کلام میں سب سے بہتر کلام چار ہیں اور وہ یہ ہیں۔ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے) الحمد للہ (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اللہ اکبر (اللہ بہت بڑا ہے) ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام چار ہیں (۱) سبحان اللہ (۲) الحمد للہ (۳) لا الہ الا اللہ (۴) اللہ اکبر۔ ان میں سے کسی بھی کلمہ سے شروع کرنا تمہارے لئے نقصان دہ نہیں ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 824)

سب سے بہتر کلام چار ہیں۔ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے بعد انسان کے کلام میں یہ چار کلمے سب سے افضل ہیں یہ وضاحت اور ترجمہ میں انسان کی قید اس لئے ہے کہ چوتھا کلمہ یعنی اللہ اکبر قرآن کریم میں نہیں ہے اور یہ ایک ظاہر بات ہے کہ جو چیز قرآن میں نہیں ہے وہ اس چیز سے افضل نہیں جو قرآن میں ہے لیکن اور ایک حدیث میں اس طرح ہے افضل الکلام بعد القرآن وہی من القرآن۔ یعنی یہ کلمے مجموعہ قرآن کے بعد افضل کلمے ہیں اور یہ کلمے بھی قرآن ہی کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام سے انسانی کلام کے ساتھ اللہ بھی مراد ہے یعنی یہ چار کلمے اللہ تعالیٰ کے تمام کلام میں افضل ترین کلمے ہیں اس صورت میں کہا جائے گا کہ ان میں سے اول الذکر تین کلمے تو بعینہ قرآن میں موجود ہیں اور چوتھا کلمہ اگرچہ بعینہ قرآن میں نہیں ہے لیکن اس آیت (وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا الاسراء: 111) میں بالمعنی یقیناً موجود ہے۔ اس موقع پر یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ یہ چاروں کلمے اگرچہ افضل ہیں لیکن احادیث سے جو ذکر کسی حال یا کسی وقت سے متعلق ثابت ہے اس حالت یا اس وقت میں اس ذکر میں مشغول ہونا تسبیح وغیرہ سے افضل ہے۔ دوسری روایت کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ان چاروں کلموں کو پڑھتے وقت مذکورہ ترتیب ضروری نہیں ہے

چاہے کوئی پہلے سبحان اللہ کہے اور چاہے کوئی پہلے الحمدللہ کہے یالا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر کہے۔اس میں کوئی حرج نہیں ہے تاہم طیبی نے کہا ہے کہ چاروں کلمات کو مذکورہ ترتیب کے ساتھ پڑھنا عزیمت یعنی اولیٰ ہے اور بغیر ترتیب کے پڑھنا رخصت یعنی جائز ہے۔

وَرَوَى الْإِمَام أَحْمَد فِي مُسْنَده عَنْ مُعَاذ الْجُهَنِيّ عَنْ رَسُول اللّٰه صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُول : "آيَة الْعِزّ الْحَمْد لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيك فِي الْمُلْك " إِلَى آخِر السُّورَة وَاَللّٰه تَعَالَى أَعْلَم ،

ترجمہ:امام احمد نے مسند میں نقل کیا ہے کہ حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا عزت والی آیت "الْحَمْد لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيك فِي الْمُلْك" آخر تک ہے۔اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ کا تفسیر سے متعلق بیان

قَالَ مُؤَلِّفه هَذَا آخِر مَا كَمَّلْت بِهِ تَفْسِير الْقُرْآن الْكَرِيم الَّذِي أَلَّفَهُ الشَّيْخ الْإِمَام الْعَالِم الْمُحَقِّق جَلَال الدِّين الْمَحَلِّيّ الشَّافِعِيّ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ وَقَدْ أَفْرَغْت لِمُكْمِلٍ وَعَلَيْهِ فِي الْآي الْمُتَشَابِهَة الِاعْتِمَاد وَالْمُعَوَّل فَرَحِمَ اللّٰه امْرَأً نَظَرَ بِعَيْنِ الْإِنْصَاف إِلَيْهِ وَوَقَفَ فِيهِ عَلَى خَطَأ فَأَطْلَعَنِي عَلَيْهِ وَقَدْ قُلْت : حَمِدْت اللّٰه رَبِّي إِذْ هَدَانِي لِمَا أَبْدَيْت مَعَ عَجْزِي وَضَعْفِي فَمَنْ لِي بِالْخَطَأ فَأَرُدّ عَنْهُ وَمَنْ لِي بِالْقَبُولِ وَلَوْ بِحَرْفٍ هَذَا وَلَمْ يَكُنْ قَطّ فِي خَلَدِي أَنْ أَتَعَرَّض لِذَلِكَ لِعِلْمِي بِالْعَجْزِ عَنْ الْخَوْض فِي هَذِهِ الْمَسَالِك وَعَسَى اللّٰه أَنْ يَنْفَع بِهِ نَفْعًا جَمًّا وَيَفْتَح بِهِ قُلُوبًا غُلْفًا وَأَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَكَأَنِّي بِمَنْ اعْتَادَ الْمُطَوَّلَات وَقَدْ أَضْرَبَ عَنْ هَذِهِ التَّكْمِلَة وَأَصْلهَا حَسْمًا وَعَدَلَ إِلَى صَرِيح الْعِنَاد وَلَمْ يُوَجِّه إِلَى دَقَائِقهَا فَهْمًا "وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَة أَعْمَى " رَزَقَنَا اللّٰه بِهِ هِدَايَة إِلَى سَبِيل الْحَقّ وَتَوْفِيقًا وَاطِّلَاعًا عَلَى دَقَائِق كَلِمَاته وَتَحْقِيقًا وَجَعَلَنَا بِهِ "مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰه عَلَيْهِمْ مِنْ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا " وَفَرَغَ مِنْ تَأْلِيفه يَوْم الْأَحَد عَاشِر شَوَّال سَنَة سَبْعِينَ وَثَمَانِمِائَةٍ وَكَانَ الِابْتِدَاء فِي يَوْم الْأَرْبِعَاء مُسْتَهَلّ رَمَضَان مِنْ السَّنَة الْمَذْكُورَة وَفَرَغَ مِنْ تَبْيِيضه يَوْم الْأَرْبِعَاء سَادِس صَفَر سَنَة إِحْدَى وَسَبْعِينَ وَثَمَان مِائَة وَاَللّٰه أَعْلَم ،

تفسیر جلالین نصف اول کے مؤلف امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ وہ حصہ ہے جس کو امام شیخ جلال الدین محلی شافعی رضی اللہ عنہ نے بہ طور تفسیر مکمل کیا ہے۔اور جب میں اس کام سے فارغ ہوا ہوں۔اس میں آیات متشابہ اور ان کی تاویلات بھی ہیں جن پر اعتماد کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اس کو انصاف کی نظر سے دیکھے۔اور اگر اس کو اس میں

کوئی خطاء نظر آئے تو وہ مجھے اس کی اطلاع کر دے۔اور میں کہتا ہوں۔

حَمِدْتُ اللّٰہَ رَبِّی اِذْ ھَدَانِی لِمَا اَبْدَیْتُ مَعَ عَجْزِی وَضَعْفِی فَمَنْ لِی بِالْخَطَأِ فَاَرُدُّ عَنْہُ وَمَنْ لِی بِالْقَبُوْلِ وَلَوْ بِحَرْفٍ ھٰذَا،

اللہ کیلئے حمد ہے جو میرا رب ہے جس نے مجھے ہدایت دی ہے کہ جسے میں نے اپنی عاجزی اور کمزوری کے باوجود شروع کیا ہے۔لہٰذا جو میری خطاء کو ظاہر کرے گا تو میں اس سے رجوع کرلوں گا۔اور جس نے مجھے اس کتاب کی قبولیت کی اطلاع کی اگرچہ ایک ہی حرف کیوں نہ ہو تو میں اس کا شکریہ ادا کروں گا۔

اس سے یہ بات میرے دل میں بالکل نہیں ہے کہ میں اس کام کو شروع کردوں گا اور ان راستوں میں غور وفکر کروں گا۔جبکہ عجز کو بھی جانتا ہوں۔بلکہ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے کہ اس سے کثیر فائدہ عطا کرے گا۔اور اس تفسیر کے ذریعے بند ہونے والے دلوں ،نہ دیکھنے والی آنکھوں اور نہ سننے والے کانوں کو کھول دے گا۔حالانکہ میں ایسا شخص ہوں جس کو بڑی بڑی طویل کتابوں کا مطالعہ کرنے کی عادت ہو۔اور اس کتاب کا تکملہ یعنی اس کی اصل کو مکمل یا مکمل ہے اس سے اعراض کیا ہے۔اور جو سمجھنے کیلئے ان دونوں کی جانب متوجہ نہ ہوا تو جو اس سے بے علم رہا تو وہ دوسرے سے بھی علم رہا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس قرآن کے ذریعے حق کی راہ کی توفیق عطا کی ہے۔اور اس کی باریکیوں کو سمجھنے کیلئے اور تحقیق کرنے کیلئے توفیق عطا فرمائی ہے۔ہمیں اسی کی ہدایت کے وسیلہ سے ان لوگوں کا ساتھ نصیب فرمائے جن پر اس نے انعام کیا ہے۔

اور وہ انبیائے کرام ،صدیقین ،شہداء اور صالحین ہیں۔اور یہی سب سے اعلیٰ رفیق ہیں۔اور تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے۔اور ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ پر اللہ کی طرف سے رحمت کاملہ نازل ہو۔اللہ تعالیٰ ہمارے لئے مدد کرنے میں کافی ہے کہ وہ اس کے مؤلف پر اپنا کرم فرمائے۔میں اس کی تالیف سے ماہ شوال ۸۷۰ھ بہ روز اتوار فارغ ہوا ہوں۔اور اس کو اسی سال میں بہ روز چہار شنبہ رمضان المبارک میں شروع کیا۔جبکہ اس کے مسودے سے ۶ صفر بہ روز چہار شنبہ ۸۷۱ھ میں فارغ ہوا ہوں۔(امام جلال الدین سیوطی شافعی علیہ الرحمہ)

سورہ الاسراء کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔انہی کے تصدق سے سورہ الاسراء کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے ،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی ،ہدایت کی پختگی ،تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما،امین ،بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سورت کہف کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃُ الْکَھْفِ (مَکِّیَّۃٌ إِلَّا وَاصْبِرْ نَفْسَكَ الْآیَۃَ وَھِیَ مِائَۃٌ وَعَشْرُ آیَاتٍ أَوْ خَمْسَ عَشْرَۃَ آیَۃً) نَزَلَتْ بَعْدَ (سُورَۃِ الْغَاشِیَۃِ)

اس سورت کا نام سورہ کہف ہے، یہ سورت مکیہ ہے اس میں ایک سو گیارہ آیات اور ایک ہزار پانچ سو ستر کلمات اور چھ ہزار تین سو ساٹھ حروف ہیں۔

سورت کہف کی فضیلت کا بیان

ابو اسحاق روایت کرتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب کو یہ کہتے ہوئے سنا ایک شخص نے (نماز میں) سورت کہف پڑھی جس کے گھر میں ایک گھوڑا بندھا تھا وہ بدکنے لگا جب اس نے سلام پھیرا تو دیکھا کہ ایک ابر کا ٹکڑا اس پر سایہ فگن ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں! پڑھے جا اس لئے کہ یہ سکینہ قرآن پاک کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 865)

حضرت معاذ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص سورت کہف کا ابتدائی حصہ اور آخری حصہ پڑھ لیا کرے وہ اس کے پاؤں سے لے کر سر تک باعث نور بن جائے گا جو شخص پوری سورت کہف پڑھ لیا کرے اس کے لئے آسمان و زمین کے درمیان نور کا گھیراؤ کر دیا جائے گا۔ (مسند احمد: جلد ششم: حدیث نمبر 1478)

حضرت نواس رضی اللہ عنہ بن سمعان سے روایت ہے کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تحقیر کی (یعنی گھٹایا) اور کبھی بڑا کر کے بیان فرمایا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے پس جب ہم شام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اس بارے میں معلوم کر لیا تو فرمایا تمہارا کیا حال ہے؟ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح دجال کا ذکر کیا اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تحقیر کی اور کبھی اس فتنہ کو بڑا کر کے بیان کیا یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے ایک جھنڈ میں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے بارے میں دجال کے علاوہ دوسرے فتنوں کا زیادہ خوف کرتا ہوں اگر وہ میری

موجودگی میں ظاہر ہو گیا تو تمہارے بجائے میں اس کا مقابلہ کروں گا اور اگر میری غیر موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرنے والا ہوگا اور اللہ ہر مسلمان پر میرا خلیفہ اور نگہبان ہوگا بے شک دجال نوجوان گھنگریالے بالوں والا اور پھولی ہوئی آنکھ والا ہوگا گویا کہ میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن کے ساتھ تشبیہ دیتا ہوں پس تم میں سے جو کوئی اسے پالے تو چاہئے کہ اس پر سورت کہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرے بے شک اس کا خروج شام اور عراق کے درمیان سے ہوگا پھر وہ اپنے دائیں اور بائیں جانب فساد برپا کرے گا اے اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ زمین میں کتنا عرصہ رہے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس دن اور ایک دن سال کے برابر اور ایک دن مہینہ کے برابر اور ایک دن ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی ایام تمہارے عام دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ دن جو سال کے برابر ہوگا کیا اس میں ہمارے لئے ایک دن کی نمازیں پڑھنا کافی ہوں گیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تم ایک سال کی نمازوں کا اندازہ کر لینا ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اس کی زمین میں چلنے کی تیزی کیا ہوگی آپ نے فرمایا اس بادل کی طرح جسے پیچھے سے ہوا دھکیل رہی ہو پس وہ ایک قوم کے پاس آئے گا اور انہیں دعوت دے گا تو وہ اس پر ایمان لے آئیں گے اور اس کی دعوت قبول کر لیں گے پھر وہ آسمان کو حکم دے گا تو وہ بارش برسائے گا اور زمین سبزہ اگائے گی اور اسے چرنے والے جانور شام کے وقت آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے سے لمبے تھن بڑے اور کوکھیں تنی ہوئی ہوں گی پھر وہ ایک اور قوم کے پاس جائے گا اور انہیں دعوت دے گا وہ اس کے قول کو رد کر دیں گے تو وہ اس سے واپس لوٹ آئے گا پس وہ قحط زدہ ہو جائیں گے کہ ان کے پاس دن کے مالوں میں سے کچھ بھی نہ رہے گا اور اسے کہے گا کہ اپنے خزانے کو نکال دے تو زمین کے خزانے اس کے پاس آئیں گے۔ جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سرداروں کے پاس آتی ہیں، پھر وہ ایک کڑیل اور کامل الشباب آدمی کو بلائے گا اور اسے تلوار مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے ایک تیر کی مسافت پر رکھ دے گا، پھر وہ اس (مردہ) کو آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ ہنستا ہوا آئے گا۔ دجال کے اسی افعال کے دوران اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بھیجے گا، وہ دمشق کے مشرق میں سفید منارے کے پاس زرد رنگ کے حلے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب وہ اپنے سر کو جھکائیں گے تو اس سے قطرے گریں گے اور جب اپنے سر کو اٹھائیں گے تو اس سے سفید موتیوں کی طرح قطرے ٹپکیں گے اور جو کافر بھی ان کی خوشبو سونگھے گا وہ مرے بغیر رہ نہ سکے گا اور ان کی خوشبو وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر جائے گی۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام (دجال کو) طلب کریں گے، اسے باب لد پر پائیں گے تو اسے قتل کر دیں گے، پھر عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے پاس وہ قوم آئے گی جسے اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا تھا، پس عیسیٰ علیہ السلام ان کے چہروں کو صاف کریں گے اور انہیں جنت میں ملنے والے ان کے درجات بتائیں گے۔ پس اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ رب العزت وحی نازل فرمائیں گے کہ تحقیق میں نے اپنے ایسے بندوں کو نکالا ہے کہ کسی کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں۔ پس آپ میرے بندوں کو حفاظت کے لئے طور کی طرف لے جائیں اور اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر اونچائی سے نکل پڑیں گے، ان کی اگلی جماعتیں بحیرہ طبری پر سے گزریں گی اور اس کا سارا پانی

پی جائیں گے اور ان کی آخری جماعتیں گزریں گی تو کہیں گی کہ اس جگہ کسی وقت پانی موجود تھا اور اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ محصور ہو جائیں گے، یہاں تک کہ ان میں کسی ایک کے لئے بیل کی سری بھی تم میں سے کسی ایک کے لئے آج کل کے سو دینار سے افضل و بہتر ہوگی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا، وہ ایک جان کی موت کی طرح سب کے سب یک لخت مر جائیں گے، پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی زمین کی طرف اتریں گے تو زمین میں ایک بالشت کی جگہ بھی یاجوج ماجوج کی علامات اور بدبو سے انہیں خالی نہ ملے گی۔ پھر اللہ کے نبی عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر پرندے بھیجیں گے جو انہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور جہاں اللہ چاہے وہ انہیں پھینک دیں گے پھر اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا جس سے ہر مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا بالوں کا آئینہ کی طرح صاف ہو جائے گا اور زمین مثل باغ یا حوض کے دھل جائے گی۔ پھر زمین سے کہا جائے گا: اپنے پھل کو اگا دے اور اپنی برکت کو لوٹا دے، پس ان دنوں ایسی برکت ہوگی کہ ایک انار کو ایک پوری جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے میں سایہ حاصل کرے گی اور دودھ میں اتنی برکت دے دی جائے گی کہ ایک دودھ دینے والی گائے قبیلہ کے لوگوں کے لئے کافی ہو جائے گی اور ایک دودھ دینے والی اونٹنی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگی اور ایک دودھ دینے والی بکری پوری گھرانے کے لئے کفایت کر جائے گی، اسی دوران اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو لوگوں کی بغلوں کے نیچے تک پہنچ جاءے گی، پھر ہر مسلمان اور ہر مومن کی روح قبض کر لی جائے گی اور بد لوگ ہی باقی رہ جائیں گے، جو گدھوں کی طرح کھلے بندوں جماع کریں گے، پس انہیں پر قیامت قائم ہوگی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2872)

سورہ کہف کے شان نزول کا بیان

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا اور قریش مکہ اس سے پریشان ہوئے تو انہوں نے اپنے دو آدمی نضر بن حارث اور عقبہ ابن ابی معیط کو مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیجا کہ وہ لوگ کتب سابقہ تورات وانجیل کے عالم ہیں وہ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ علماء یہود نے ان کو بتلایا کہ تم لوگ ان سے تین سوالات کرو، اگر انہوں نے ان کا جواب صحیح دے دیا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، اور یہ نہ کر سکے تو یہ سمجھ لو کہ یہ بات بنانے والے ہیں رسول نہیں۔ ایک تو ان سے ان نوجوانوں کا حال دریافت کرو جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکل گئے تھے ان کا کیا واقعہ ہے، کیونکہ یہ واقعہ عجیبہ ہے، دوسرے ان سے اس شخص کا حال پوچھو جس نے دنیا کی مشرق ومغرب اور تمام زمین کا سفر کیا اس کا کیا واقعہ ہے، تیسرے ان سے روح کے متعلق سوال کرو کہ وہ کیا چیز ہے؟ یہ دونوں قریشی مکہ مکرمہ واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں سے کہا کہ ہم ایک فیصلہ کن صورت حال لے کر آئے ہیں، علماء یہود کا پورا قصہ سنا دیا، پھر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ سوالات لے کر حاضر ہوئے، آپ نے سن کر فرمایا کہ میں ان کا جواب کل دوں گا، مگر آپ اس وقت انشاء اللہ کہنا بھول گئے یہ لوگ لوٹ گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے انتظار میں رہے کہ ان سوالات کا جواب وحی

سے بتلا دیا جائے گا، مگر وعدے کے مطابق اگلے دن تک کوئی وحی نہ آئی، بلکہ پندرہ دن اسی حال پر گذر گئے کہ نہ جبرائیل امین آئے نہ کوئی وحی نازل ہوئی، قریش مکہ نے مذاق اڑانا شروع کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے سخت رنج وغم پہنچا۔ پندرہ دن کے بعد جبرائیل امین سورہ کہف لے کر نازل ہوئے (جس میں تاخیر وحی کا سبب بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہنا چاہیے، اس واقعہ میں چونکہ ایسا نہ ہوا اس پر تنبیہ کرنے کے لئے وحی میں تاخیر ہوئی، اس سورۃ میں اس معاملہ کے متعلق یہ آیتیں آگے آئیں گی۔ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاىْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ، اور اس سورۃ میں نوجوانوں کا واقعہ بھی پورا بتلا دیا گیا، جن کو اصحاب کہف کہا جاتا ہے، اور مشرق ومغرب کے سفر کرنے والے ذوالقرنین کے واقعہ کا بھی مفصل بیان آ گیا، اور روح کے سوال کا جواب بھی ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ کہف، بیروت)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ
تمام خوبیاں اس اللہ کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے خاص بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔

تمام خوبیوں کے مالک کا نبی کریم ﷺ پر قرآن کو نازل کرنے کا بیان

"اَلْحَمْد" وَهُوَ الْوَصْف بِالْجَمِيلِ ثَابِت "لِلّٰهِ" تَعَالَى وَهَلْ الْمُرَاد الْإِعْلَام بِذَلِكَ لِلْإِيمَانِ بِهِ أَوْ الثَّنَاء بِهِ أَوْ هُمَا ؟ احْتِمَالَات أَفْيَدهَا الثَّالِث "الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْده" مُحَمَّد "الْكِتَاب" الْقُرْآن "وَلَمْ يَجْعَل لَهُ" أَيْ فِيهِ "عِوَجًا" اخْتِلَافًا أَوْ تَنَاقُضًا وَالْجُمْلَة حَال مِنْ الْكِتَاب،

حمد سے مراد وہ وصف جمیل جو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔ کیا یہاں پر حمد سے جملہ خبریہ کے ذریعے ایمان کی خبر مقصود ہے یا ثناء یعنی انشاء سے مقصود ہے یا دونوں مراد ہیں اس طرح یہاں کل تین احتمالات ہوئے جبکہ ان میں زیادہ مفید تیسرا ہے۔

تمام خوبیاں اس اللہ کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے خاص بندے یعنی حضرت محمد ﷺ پر یہ کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ یعنی کوئی اختلاف وتناقض نہیں ہے۔ اور یہ 'وَلَمْ يَجْعَل لَهُ' جملہ کتاب سے حال ہے۔

سب تعریفیں اس اللہ ہی کیلئے ہیں جس نے اپنے بندے پر اس کتاب کو نازل فرمایا۔ یعنی قرآن حکیم کو جو کہ ایسی کامل اور بے مثال کتاب ہے جس کے مقابلے میں کوئی بھی کتاب درحقیقت کتاب کہلانے کا حق ہی نہیں رکھتی اور یہ ایسی عظیم الشان اور بے مثال نعمت ہے جس کے مقابلے میں اور کوئی نعمت نعمت ہی نہیں کہ یہ انسان کو طرح طرح کی گمراہیوں کے اتھاہ اندھیروں سے نکال کر ایمان وہدایت کی روشنی اور عظیم دولت سے نوازتی اور سرفراز کرتی ہے اور اس کو دارین کی سعادتوں اور حقیقی کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ پس ہر طرح کی تعریف اور حمد وثناء اسی ذات وحدہ لاشریک کیلئے ہے جس نے اپنے بندوں کیلئے اس عظیم الشان کتاب ہدایت اور بے مثال نعمت کو اپنے فضل وکرم سے اتارا تاکہ وہ دارین کی سعادت اور حقیقی فوز وفلاح سے سرفراز ہو سکیں۔

قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَ يُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۙ
بالکل سیدھی، تا کہ وہ اس کی جانب سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے اور ان مومنوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں،
خوش خبری دے کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔

کتاب مبین کے ذریعے کفار کو عذاب سے ڈرانے کا بیان

"قَيِّمًا" مُسْتَقِيمًا حَال ثَانِيَة مُؤَكِّدَة "لِيُنْذِر" يُخَوِّف بِالْكِتَابِ الْكَافِرِينَ "بَأْسًا" عَذَابًا "شَدِيدًا مِنْ لَدُنْهُ" مِنْ قِبَل اللّٰه، وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا،

یہاں پر مستقیما یہ قیما سے حال ثانی برائے تاکید ہے۔ بالکل سیدھی، تا کہ وہ اس کی جانب سے آنے والے سخت عذاب سے ڈرائے یعنی آپ کفار کو اس کتاب کے ذریعے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ اور ان مومنوں کو جو نیک اعمال کرتے ہیں، خوش خبری دے کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔

قرآن مجید میں بیان کردہ احکام کو لازم پکڑنے کا بیان

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبردار، عنقریب اپنے چھپر کھٹ پر پڑا ایک پیٹ بھرا آدمی کہے گا کہ بس اس قرآن کو اپنے اوپر لازم جانو اور جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو۔ اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اسے حرام جانو۔ حالانکہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ اس کے مانند ہے جسے اللہ نے حرام کیا، خبردار تمہارے لئے نہ اہلی (گھریلو) گدھا حلال کیا اور نہ کچلی رکھنے والے درندے اور نہ تمہارے لئے معاہد یعنی وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو کا لقطہ حلال کیا ہے۔ جس کی پرواہ اس کے مالک کو نہ ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانند اس سے حاصل کرے۔ (ابوداؤد، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 160)

مَّاكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا ۙ وَّ يُنۡذِرَ الَّذِيۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ ؕ
كَبُرَتۡ كَلِمَةً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ؕ اِنۡ يَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ۝
جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے لڑکا بنا رکھا ہے۔ نہ اس کا کوئی علم انہیں ہے
اور نہ ان کے باپ دادا کو تھا، کتنا بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے، وہ جھوٹ کے سوا کچھ کہتے ہی نہیں۔

کفار کا بڑی شرکیہ بات بولنے کا بیان

"مَاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا" هُوَ الْجَنَّة، "وَيُنْذِر" مِنْ جُمْلَة الْكَافِرِينَ، "مَا لَهُمْ بِهِ" بِهَذَا الْقَوْل "مِنْ عِلْم وَلَا

لِآبَائِهِمْ " مِنْ قَبْلِهِمُ الْقَائِلِينَ لَهُ "كَبُرَتْ" عَظُمَتْ "كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ " كَلِمَةً تَمْيِيزٌ مُفَسِّرٌ لِلضَّمِيرِ الْمُبْهَمِ وَالْمَخْصُوصُ بِالذَّمِّ مَحْذُوفٌ أَيْ مَقَالَتُهُمُ الْمَذْكُورَةُ "إِنْ" مَا "يَقُولُونَ" فِي ذَلِكَ "إِلَّا" مَقُولًا

جس میں یعنی جنت میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اوران لوگوں یعنی تمام کفار کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے لئے لڑکا بنا رکھا ہے۔ نہ اس کا کوئی علم انہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو تھا، یہ کتنا بڑا بول ہے جوان کے منہ سے نکل رہا ہے، یہاں پر کلمہ تمیز ہے جو ضمیر مبہم کی تفسیر ہے۔ اور مخصوص بہ ذم محذوف ہے یعنی ان کی کہی ہوئی بات، وہ سراسر جھوٹ کے سوا کچھ کہتے ہی نہیں۔

اس سے عام کے بعد خاص کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو اس لئے نازل فرمایا ہے کہ وہ اسکے ذریعے ان لوگوں کو خبردار فرمائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد ٹھہرائی ہے حالانکہ ان کے پاس اس کے لئے کوئی علم نہیں۔ نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ دادا کے پاس تھی، اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہ ہے نہ ہوسکتی ہے، کہ وہ ایسے تمام تصورات سے پاک اور ان سے اعلیٰ و بالا ہے، کہ اسکی صفت وشان لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ کی صفت وشان ہے کہ نہ اسکی کوئی اولاد، اور نہ وہ خود کسی کی اولاد تو پھر اس کیلئے کسی دلیل وسند، اور علم و برہان کا سوال ہی کیا پیدا ہوسکتا ہے؟ مگر ظالموں نے اس جرم کا ارتکاب بہرحال کیا۔ چنانچہ یہود نے حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مانا، اور نصاریٰ نے حضرت مسیح کو اور مشرکین مکہ نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔ سو یہ بڑی ہی سنگین بات ہے جوان لوگوں کے مونہوں سے نکل رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت و بہتان اور اسکی غیرت کو چیلنج ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔ اور اس کا بھگتان ان کو بہرحال بھگتنا ہوگا۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝
تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم میں اپنی جان گھلا دیں گے اگر وہ اس کلام پر ایمان نہ لائے۔

لوگوں کے ایمان کی خاطر نبی کریم ﷺ کی شفقت کا بیان

"فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ " مُهْلِكٌ "نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ " بَعْدَهُمْ أَيْ بَعْدَ تَوَلِّيهِمْ عَنْكَ "إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ" الْقُرْآنِ "أَسَفًا" غَيْظًا وَحُزْنًا مِنْكَ لِحِرْصِكَ عَلَى إِيمَانِهِمْ وَنَصْبُهُ عَلَى الْمَفْعُولِ لَهُ

(اے حبیب مکرم ﷺ) تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم میں اپنی جان عزیز بھی گھلا دیں گے اگر وہ اس کلام یعنی قرآن پر ایمان نہ لائے۔ یعنی آپ کو ان کے ایمان پر حریص ہیں، یہاں پر اسفا یہ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

مشرکین کی گمراہی پر افسوس نہ کرنے کا بیان

مشرکین جو آپ سے دور بھاگتے تھے، ایمان نہ لاتے تھے اس پر جو رنج وافسوس آپ کو ہوتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی کر رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے کہ ان پر اتنا رنج نہ کرو، اور جگہ ہے ان پر اتنے غمگین نہ ہو، اور جگہ ہے ان کے ایمان نہ لانے سے اپنے

آپ کو ہلاک نہ کر، یہاں بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو تو اپنی جان کو روگ نہ لگا لے اس قدر غم وغصہ رنج و افسوس نہ کر نہ گھبرا نہ دل تنگ ہو اپنا کام کیے جا۔ تبلیغ میں کوتاہی نہ کر۔ راہ یافتہ اپنا بھلا کریں گے۔ گمراہ اپنا برا کریں گے۔ ہر ایک کا عمل اس کے ساتھ ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۝
وَ اِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا۝
بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کے لیے زینت بنایا ہے، تا کہ ہم انہیں آزمائیں ان میں سے کون عمل میں بہتر ہے۔
اور بلاشبہ ہم جو کچھ اس پر ہے، اسے ضرور ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔

زمین کی سجاوٹوں کو ختم کر دینے کا بیان

"إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْض " مِنْ الْحَيَوَان وَالنَّبَات وَالشَّجَر وَالْأَنْهَار وَغَيْر ذَلِكَ "زِينَة لَهَا لِنَبْلُوهُمْ" لِنَخْتَبِر النَّاس نَاظِرِينَ إِلَى ذَلِكَ "أَيّهمْ أَحْسَن عَمَلًا" فِيهِ أَيْ أَزْهَد لَهُ، "وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا" فُتَاتًا "جُرُزًا" يَابِسًا لَا يُنْبِت،

بے شک ہم نے زمین پر جو حیوانات، درخت اور نہریں وغیرہ ہیں جو کچھ بھی ہے اس کے لیے زینت بنایا ہے، تا کہ ہم انہیں آزمائیں یعنی لوگوں میں سے جو ان کی طرف مائل ہیں۔ ان میں سے کون عمل میں بہتر ہے۔ یعنی زاہد کون ہے۔ اور بلاشبہ ہم جو کچھ اس پر ہے، اسے ضرور ایک چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں۔ یعنی ایسا خشک جس پر کچھ نہ اگ سکے۔

دنیا کی سجاوٹوں کا باعث امتحان ہونے کا بیان

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ جو کہ بنی عامر بن لوئی کے حلیف تھے سے روایت ہے کہ وہ غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے انہوں نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا تا کہ وہاں سے جزیہ وصول کر کے لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی اور ان پر حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تھا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین کا مال وصول کر کے لائے انصار نے جب یہ بات سنی کہ حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ آ گئے ہیں تو انہوں نے فجر کی نماز رسول اللہ کے ساتھ پڑھی پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے اور انصار آپ کے سامنے پیش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر خوش ہوئے (مسکرائے) پھر آپ نے فرمایا میرا گمان ہے کہ تم نے سن لیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بحرین سے کچھ (مال) لے کر آئے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! اے اللہ کے رسول آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ اور تم لوگ اس بات کی امید رکھو کہ جس سے تمہیں خوش ہو گی اور اللہ کی قسم! مجھے تم پر فقر کا ڈر نہیں ہے بلکہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں تم پر دنیا کشادہ نہ ہو جائے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں نے حسد کیا اور تم

ہلاک ہو جاؤ جیسا کہ تم سے پہلے ہلاک ہوئے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2924)

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝
کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف ورقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب نشانی تھے؟

واقعہ اصحاب کہف کے عجیب ہونے کا بیان

"أَمْ حَسِبْتَ" أَيْ ظَنَنْت "أَنَّ أَصْحَاب الْكَهْف" الْغَار فِي الْجَبَل "وَالرَّقِيم" اللَّوْح الْمَكْتُوب فِيهِ أَسْمَاؤُهُمْ وَأَنْسَابهمْ وَقَدْ سُئِلَ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِصَّتهمْ "كَانُوا" فِي قِصَّتهمْ "مِنْ" جُمْلَة "آيَاتنَا عَجَبًا" خَبَر كَانَ وَمَا قَبْله حَال أَيْ كَانُوا عَجَبًا دُون بَاقِي الْآيَات أَوْ أَعْجَبهَا لَيْسَ الْأَمْر كَذَلِكَ

کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف یعنی جو پہاڑ میں غار ہے۔اور رقیم یعنی وہ تختی جس میں ان نام لکھے ہوئے تھے اور ان کے انساب تھے۔اور ان کے واقعہ کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے سوال کیا گیا۔ ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کتنی عجیب نشانی تھے؟ یہاں پر عجبا یہ کان کی خبر اور اس کا ماقبل کانوا کی ضمیر سے حال ہے۔یعنی بقیہ عجائبات کی طرح یا ان سے زیادہ عجیب نشانی تھی۔جبکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔

اصحاف کہف کے واقعہ کا بیان

اصحاف کہف کا قصہ اجمال کے ساتھ بیان ہو رہا ہے پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوگا فرماتا ہے کہ وہ واقعہ ہماری قدرت کے بیشمار واقعات میں سے ایک نہایت معمولی واقعہ ہے۔اس سے بڑے بڑے نشان روز مرہ تمہارے سامنے ہیں آسمان زمین کی پیدائش رات دن کا آنا جانا سورج چاند کی اطاعت گزاری وغیرہ قدرت کی ان گنت نشانیاں ہیں جو بتلا رہی ہیں کہ اللہ کی قدرت بے انداز ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے اس پر کوئی مشکل نہیں اصحاب کہف سے تو کہیں زیادہ تعجب خیز اور اہم نشان قدرت تمہارے سامنے دن رات موجود ہیں کتاب وسنت کا جو علم میں نے تجھے عطا فرمایا ہے وہ اصحاب کہف کی شان سے کہیں زیادہ ہے۔بہت سی حجتیں میں نے اپنے بندوں پر اصحاب کہف سے زیادہ واضح کر دی ہیں کہف کہتے ہیں پہاڑی غار کو وہیں یہ نوجوان چھپ گئے تھے رقیم یا تو ایلہ کے پاس کی وادی کا نام ہے یا ان کی اس جگہ کی عمارت کا نام ہے یہ کسی آبادی کا نام ہے یا اس پہاڑ کا نام ہے اس پہاڑ کا نام نجلوس بھی آیا ہے غار کا نام حیزوم کہا گیا ہے اور ان کے کتے کا نام حمران بتایا گیا ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سارے قرآن کو میں جانتا ہوں لیکن لفظ حنان اور لفظ اواہ اور لفظ رقیم کو۔ مجھے نہیں معلوم کہ رقیم کسی کتاب کا نام ہے یا کسی بنا کا۔اور روایت میں آپ سے روایت ہے کہ وہ کتاب ہے۔سعید کہتے ہیں کہ یہ پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر غار کے دروازے پر اسے لگا دیا گیا تھا۔عبدالرحمٰن کہتے ہیں قرآن میں ہے کتاب مرقوم پس آیت کے ظاہری الفاظ تو اس کی تائید کرتے ہیں

اور یہی امام ابن جریر رضی اللہ عنہ کا مختار قول ہے کہ رقیم فعیل کے زون پر مرقوم کے معنی میں ہے جیسے مقتول قتیل اور مجروح جریح واللہ اعلم۔ یہ نوجوان اپنے دین کے بچاؤ کیلئے اپنی قوم سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے کہ کہیں وہ انہیں دین سے بہکا نہ دیں ایک پہاڑ کے غار میں گھس گئے اور اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ہمیں اپنی جانب سے رحمت عطا فرما ہمیں اپنی قوم سے چھپائے رکھ۔ ہمارے اس کام میں اچھائی کا انجام کر۔

حدیث کی ایک دعا میں ہے کہ اللہ اے اللہ جو فیصلہ تو ہمارے حق میں کرے اسے انجام کے لحاظ سے بھلا کر۔ مسند میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے تے کہ اے اللہ ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور ہمیں دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذابوں سے بچالے۔ یہ غار میں جا کر جو پڑ کر سوئے تو برسوں گزر گئے پھر ہم نے انہیں بیدار کیا ایک صاحب درہم لے کر بازار سے سودا خریدنے چلے؟ اسے ہم بھی معلوم کریں۔ امد کے معنی عدد یا گنتی کے ہیں اور کہا گیا ہم کہ غایت کے معنی میں بھی یہ لفظ آیا ہے جیسے کہ عرب کے شاعروں نے اپنے شعروں میں اسے غایت کے معنی میں باندھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا٥
جب ان جوانوں نے غار کی طرف پناہ لی تو انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے کوئی رحمت عطا کر
اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں کوئی رہنمائی مہیا فرما۔

اصحاب کہف کی دعائے توفیق کا بیان

"إِذْ أَوَى الْفِتْيَة إِلَى الْكَهْف" جَمْع فَتًى وَهُوَ الشَّابّ الْكَامِل خَائِفِينَ عَلَى إِيمَانهمْ مِنْ قَوْمهمْ الْكُفَّار "فَقَالُوا رَبّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْك" مِنْ قِبَلك "رَحْمَة وَهَيِّء" أَصْلِحْ "لَنَا مِنْ أَمْرنَا رَشَدًا" هِدَايَة،

یہاں پر لفظ فتیہ یہ فتی کی جمع ہے وہ کامل جوانی کو کہتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی قوم کفار سے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ جب ان جوانوں نے غار کی طرف پناہ لی تو انھوں نے کہا اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے کوئی رحمت وتوفیق عطا کر اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں کوئی رہنمائی مہیا فرما۔

اصحابِ کہف کی تعداد کا بیان

قوی ترین اقوال یہ ہے کہ سات حضرات تھے اگرچہ ان کے ناموں میں کسی قدر اختلاف ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر جو خازن میں ہے ان کے نام یہ ہیں () مکسلمینا () یملیخا () مرطونس (۴) بینونس () سارینونس (۶) ذونوانس () کشفیط طونس اور ان کے کتے کا نام قطمیر ہے۔

سورہ کہف کے خواص کا بیان

یہ اسماء لکھ کر دروازے پر لگا دیئے جائیں تو مکان جلنے سے محفوظ رہتا ہے، سرمایہ پر رکھ دیئے جائیں تو چوری نہیں جاتا، کشتی یا

جہاز ان کی برکت سے غرق نہیں ہوتا، بھاگا ہوا شخص ان کی برکت سے واپس آ جاتا ہے، کہیں آگ لگی ہو۔

اور یہ اسماء کپڑے میں لکھ کر ڈال دیئے جائیں تو وہ بجھ جاتی ہے، بچے کے رونے، باری کے بخار، درد سر، ام الصبیان، خشکی و تری کے سفر میں جان و مال کی حفاظت، عقل کی تیزی، قیدیوں کی آزادی کے لئے یہ اسماء لکھ کر بطریق تعویذ بازو میں باندھے جائیں۔ (تفسیر جمل، سورہ کہف، بیروت)

اصحاب کہف کے واقعہ کا اجمالی بیان

واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اہل انجیل کی حالت ابتر ہوگئی وہ بت پرستی میں مبتلا ہوئے اور دوسروں کو بت پرستی پر مجبور کرنے لگے ان میں دقیانوس بادشاہ بڑا جابر تھا جو بت پرستی پر راضی نہ ہوتا اس کو قتل کر ڈالتا، اصحاب کہف شہر اُفسُوس کے شرفاء و معززین میں سے ایماندار لوگ تھے، دقیانوس کے جبر وظلم سے اپنا ایمان بچانے کے لئے بھاگے اور قریب کے پہاڑ میں غار کے اندر پناہ گزین ہوئے، وہاں سو گئے تین سو برس سے زیادہ عرصہ تک اسی حال میں رہے، بادشاہ کو جستجو سے معلوم ہوا کہ وہ غار کے اندر ہیں تو اس نے حکم دیا کہ غار کو ایک سنگین دیوار کھینچ کر بند کر دیا جائے تاکہ وہ اس میں مر کر رہ جائیں اور وہ ان کی قبر ہو جائے یہی ان کی سزا ہے، عمال حکومت میں سے یہ کام جس کے سپرد کیا گیا وہ نیک آدمی تھا۔

اس نے ان اصحاب کے نام، تعداد، پورا واقعہ رانگ کی تختی پر کندہ کرا کر تانبے کے صندوق میں دیوار کی بنیاد کے اندر محفوظ کر دیا، یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسی طرح ایک تختی شاہی خزانہ میں بھی محفوظ کرا دی گئی کچھ عرصہ بعد دقیانوس ہلاک ہوا، زمانے گزرے، سلطنتیں بدلیں تا آنکہ ایک نیک بادشاہ فرمانروا ہوا اس کا نام بیدروس تھا جس نے اڑسٹھ سال حکومت کی پھر ملک میں فرقہ بندی پیدا ہوئی اور بعض لوگ مرنے کے بعد اٹھنے اور قیامت آنے کے منکر ہو گئے، بادشاہ ایک تنہا مکان میں بند ہو گیا اور اس نے گریہ وزاری سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی یارب کوئی ایسی نشانی ظاہر فرما جس سے خلق کو مردوں کے اٹھنے اور قیامت آنے کا یقین حاصل ہو، اسی زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بکریوں کے لئے آرام کی جگہ حاصل کرنے کے واسطے اسی غار کو تجویز کیا اور دیوار گرا دی، دیوار گرنے کے بعد کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ گرانے والے بھاگ گئے۔

اصحاب کہف بحکم الٰہی فرحاں و شاداں اٹھے، چہرے شگفتہ، طبیعتیں خوش، زندگی کی تر و تازگی موجود، ایک نے دوسرے کو سلام کیا، نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، فارغ ہو کر یملیخا سے کہا کہ آپ جائیے اور بازار سے کچھ کھانے کو بھی لائیے اور یہ بھی خبر لائیے کہ دقیانوس کا ہم لوگوں کی نسبت کیا ارادہ ہے؟ وہ بازار گئے اور شہر پناہ کے دروازے پر اسلامی علامت دیکھی، نئے نئے لوگ پائے، انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کی قسم کھاتے سنا، تعجب ہوا یہ کیا معاملہ ہے کل تو کوئی شخص اپنا ایمان ظاہر نہیں کر سکتا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لینے سے قتل کر دیا جاتا تھا آج اسلامی علامتیں شہر پناہ پر ظاہر ہیں، لوگ بیخوف وخطر حضرت عیسیٰ کے نام قسمیں کھاتے ہیں پھر آپ نان بز کی دوکان پر گئے کھانے خریدنے کے لئے اس کو دقیانوسی سکہ کا روپیہ دیا جس کا چلن صدیوں سے موقوف ہو گیا تھا اور اس کا دیکھنے والا بھی کوئی باقی نہ رہا تھا، بازار والوں نے خیال کیا کہ کوئی پرانا خزانہ ان کی ہاتھ آ گیا ہے انہیں پکڑ

کر حاکم کے پاس لے گئے، وہ نیک مخلص تھا اس نے بھی ان سے دریافت کیا کہ خزانہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا خزانہ کہیں نہیں ہے یہ روپیہ ہمارا اپنا ہے، حاکم نے کہا یہ بات کسی طرح قابل یقین نہیں اس میں جو سکہ موجود ہے وہ تین سو برس سے زیادہ کا ہے اور آپ نوجوان ہیں ہم لوگ بوڑھے ہیں، ہم نے تو کبھی یہ سکہ دیکھا ہی نہیں، آپ نے فرمایا میں جو دریافت کروں وہ ٹھیک ٹھیک بتاؤ تو عقدہ حل ہو جائے گا، یہ بتاؤ کہ دقیانوس بادشاہ کس حال وخیال میں ہے؟

حاکم نے کہا آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ نہیں، سینکڑوں برس ہوئے جب ایک بے ایمان بادشاہ اس نام کا گزرا ہے، آپ نے فرمایا کل ہی تو ہم اس کے خوف سے جان بچا کر بھاگے ہیں میرے ساتھی قریب کے پہاڑ میں ایک غار کے اندر پناہ گزین ہیں، چلو میں تمہیں ان سے ملا دوں، حاکم اور شہر کے عمائد اور ایک خلق کثیر ان کے ہمراہ سرِ غار پہنچے، اصحاب کہف یملیخا کے انتظار میں تھے کثیر لوگوں کے آنے کی آواز اور کھٹکے سن کر سمجھے کہ یملیخا پکڑے گئے اور دقیانوسی فوج ہماری جستجو میں آ رہی ہے اللہ کی حمد اور شکر بجالانے لگے اتنے میں یہ لوگ پہنچے، یملیخا نے تمام قصہ سنایا، ان حضرات نے سمجھ لیا کہ ہم بحکم الٰہی اتنا طویل زمانہ سوئے اور اب اس لئے اٹھائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لئے بعد موت زندہ کئے جانے کی دلیل اور نشانی ہوں، حاکم سرِ غار پہنچا تو اس نے تانبے کا صندوق دیکھا اس کو کھولا تو تختی برآمد ہوئی اس تختی میں ان اصحاب کے اسماء اور ان کے کتے کا نام لکھا تھا، یہ بھی لکھا تھا کہ یہ جماعت اپنے دین کی حفاظت کے لئے دقیانوس کے ڈر سے اس غار میں پناہ گزین ہوئی، دقیانوس نے خبر پا کر ایک دیوار سے انہیں غار میں بند کر دینے کا حکم دیا۔

ہم یہ حال اس لئے لکھتے ہیں جب کبھی یہ غار کھلے تو لوگ حال پر مطلع ہو جائیں، یہ لوح پڑھ کر سب کو تعجب ہوا اور لوگ اللہ کی حمد وثناء بجالائے کہ اس نے ایسی نشانی ظاہر فرما دی جس سے موت کے بعد اٹھنے کا یقین حاصل ہوتا ہے، حاکم نے اپنے بادشاہ بیدروس کو واقعہ کی اطلاع دی اور امراء وعمائد کو لے کر حاضر ہوا اور سجدہ شکرِ الٰہی بجالایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی، اصحاب کہف نے بادشاہ سے معانقہ کیا اور فرمایا ہم تمہیں اللہ کے سپرد کرتے ہیں والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت فرمائے اور جن وانس کے شر سے بچائے۔ بادشاہ کھڑا ہی تھا کہ وہ حضرات اپنے خوابگاہوں کی طرف واپس ہو کر مصروف خواب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات دی، بادشاہ نے سال کے صندوق میں ان کے اجساد کو محفوظ کیا اور اللہ تعالیٰ نے رعب سے ان کی حفاظت فرمائی کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہاں پہنچ سکے، بادشاہ نے سرِ غار مسجد بنانے کا حکم دیا اور ایک سرور کا دن معین کیا کہ ہر سال لوگ عید کی طرح وہاں آیا کریں۔ (تفسیر خازن، سورہ کہف، بیروت)

فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝
پس ہم نے غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال پردہ ڈال دیا۔

اصحاب کہف کا کئی سالوں کیلئے حالت نیند میں رہنے کا بیان

"فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ اٰذَانِهِمْ" أَيْ أَنَمْنَاهُمْ "فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا" مَعْدُوْدَةً

پس ہم نے غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے کئی سال پردہ ڈال دیا۔ یعنی ان کو گئی گنتی کے سال نیند کی حالت میں ہم نے سلادیا۔

شہر غرناطہ کی قریب آثار کا بیان

امام تفسیر قرطبی اندلسی نے اپنی تفسیر میں اس جگہ چند واقعات کچھ سماعی کچھ چشم دید نقل کیے ہیں، جو مختلف شہروں سے متعلق ہیں، قرطبی نے سب سے پہلے تو ضحاک کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ رقیم روم کے ایک شہر کا نام ہے، جس کے ایک غار میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورہے ہیں، پھر امام تفسیر ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ شام میں ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں، وہاں کے مجاورین یہ کہتے ہیں کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں، اور اس غار کے پاس ایک مسجد اور مکان کی تعمیر ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے، اور ان مردہ لاشوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔

اور دوسرا واقعہ اندلس غرناطہ کا نقل کیا ہے، ابن عطیہ کہتے ہیں کی غرناطہ میں ایک لوشہ نامی گاؤں کے قریب ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں اور ان کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے، ان میں سے اکثر لاشوں پر گوشت باقی نہیں رہا، صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں، اور بعض پر اب تک گوشت پوست بھی موجود ہے، صدیاں گزر گئیں، مگر صحیح سند سے ان کا کچھ حال معلوم نہیں، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہی اصحاب کہف ہیں، ابن عطیہ کہتے ہیں کہ یہ خبر سن کر میں خود سنہ ۵۰۴ھ میں وہاں پہنچا تو واقعی یہ لاشیں اسی حالت پر پائیں اور ان کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے، اور ایک رومی زمانے کی تعمیر بھی ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں کوئی عالیشان محل ہوگا اس وقت تک بھی اس کی بعض دیواریں موجود ہیں، اور یہ ایک غیر آباد جنگل میں ہے، اور فرمایا کہ غرناطہ کے بالائی حصہ میں ایک قدیم شہر کے آثار ونشانات پائے جاتے ہیں، جو رومیوں کے طرز کے ہیں، اس شہر کا نام دقیوس بتلایا جاتا ہے، ہم نے اس کے کھنڈروں میں بہت سے عجائبات اور قبریں دیکھی ہیں، قرطبی جو اندلس ہی کے رہنے والے ہیں ان تمام واقعات کو نقل کرنے کے بعد بھی کسی کو متعین طور پر اصحاب کہف کہنے سے گریز کرتے ہیں، اور خود ابن عطیہ نے بھی اپنے مشاہدے کے باوجود یہ جزم نہیں کیا کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں، محض عام شہرت نقل کی ہے، مگر دوسرے اندلسی مفسر ابوحیان جو ساتویں صدی سنہ ۶۴۶ھ میں خاص غرناطہ میں پیدا ہوئے وہیں رہے، بسے ہیں وہ بھی اپنی تفسیر بحر محیط میں غرناطہ کے اس غار کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں جس طرح قرطبی نے کیا ہے، اور ابن عطیہ کے اپنے مشاہدہ کا ذکر لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم جب اندلس میں تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اگرچہ وہ لاشیں اب تک وہاں موجود ہیں، اور زیارت کرنے والے ان کو شمار بھی کرتے ہیں مگر ہمیشہ ان کی تعداد بتانے میں غلطی کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ ابن عطیہ نے جس شہر دقیوس کا ذکر کیا ہے جو غرناطہ کی جانب قبلہ میں واقع ہے تو اس شہر سے میں خود بے شمار مرتبہ گزرا ہوں، اور اس میں بڑے بڑے غیر معمولی پتھر دیکھے ہیں، اس کے بعد کہتے ہیں ویترجح کون اهل الکهف بالاندلس لکثرة دین النصاری بها حتی هی بلاد مملکتهم العظمی (تفسیر بحر محیط ص ج ۰۶) یعنی اصحاب کہف کے اندلس میں ہونے کی ترجیح کے لئے یہ بھی قرینہ ہے کہ وہاں نصرانیت کا غلبہ ہے، یہاں تک کہ یہی خطہ ان کی سب

سے بڑی مذہبی مملکت ہے اس میں یہ بات واضح ہے کہ ابوحیان کے نزدیک اصحاب کہف کا اندلس میں ہونا راجح ہے۔

(تفسیر قرطبی، ۶، ج)

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝
پھر ہم نے انہیں اٹھا دیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون اس کو صحیح شمار کرنے والا ہے جو وہ ٹھہرے رہے۔

اصحاب کہف کو مدت بعیدہ کے بعد بیدار کرنے کا بیان

"ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ" أَيْقَظْنَاهُمْ "لِنَعْلَمَ" عِلْم مُشَاهَدَة "أَيّ الْحِزْبَيْنِ" الْفَرِيقَيْنِ الْمُخْتَلِفَيْنِ فِي مُدَّة لُبْثهمْ "أَحْصَى" أَفْعَل بِمَعْنَى أَضْبَط "لِمَا لَبِثُوا" لِلُبْثِهِمْ مُتَعَلِّق بِمَا بَعْده "أَمَدًا" غَايَة

پھر ہم نے انہیں اٹھا دیا یعنی ان کو بیدار کر دیا کہ دیکھیں دونوں گروہوں میں سے کون اس مدت کو صحیح شمار کرنے والا ہے یعنی دونوں گروہوں میں سے جن کا مدت میں اختلاف ہوا۔ یہاں پر احصی، افعل بہ معنی اضبط ہے۔ جو وہ غار میں ٹھہرے رہے۔ یہاں پر لبث اپنے مابعد سے متعلق ہے۔ اور امدا کا معنی غایت ہے۔

اصحاب کہف کے مشاہدہ سے ممانعت کا بیان

امام تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رقیم ایک وادی کا نام ہے جو فلسطین سے نیچے ایلہ (عقبہ) کے قریب ہے اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور چند دوسرے محدثین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ رقیم کیا ہے، لیکن میں نے کعب احبار سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں اصحاب کہف غار میں جانے سے پہلے مقیم تھے۔

ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رومیوں کے مقابلے میں ایک جہاد کیا جس کو غزوۃ المضیق کہتے ہیں، اس موقع پر ہمارا گزر اس غار پر ہوا جس میں اصحاب کہف ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں اور اصحاب کہف کی لاشوں کا مشاہدہ کریں، مگر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مشاہدہ کرنے سے اس ہستی کو بھی منع کر دیا ہے جو آپ سے بہتر تھی، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا (آیت) لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (یعنی اگر آپ ان کو دیکھیں تو آپ ان سے بھاگیں گے اور رعب و ہیبت سے مغلوب ہو جائیں گے) مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس بات کو شاید اس لئے قبول نہیں کیا کہ قرآن کریم نے ان کی جو حالت بیان کی ہے یہ وہ ہے جو ان کی زندگی کے وقت تھی یہ کیا ضروری ہے کہ اب بھی وہی حالت ہو، اس لئے کچھ آدمیوں کو دیکھنے کے لئے بھیجا، وہ غار پر پہنچے مگر جب غار میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ

نے ان پر ایک سخت ہوا بھیج دی جس نے ان سب کو غار سے نکال دیا، (روح المعانی، سورہ کہف، بیروت)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ط اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًى٥
ہم تجھ سے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں، بے شک وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے
اور ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ کر دیا۔

اصحاب کہف کے واقعہ کی صداقت کا بیان

"نَحْنُ نَقُصّ " نَقْرَأ "عَلَيْك نَبَأَهُمْ بِالْحَقّ" بِالصِّدْقِ ،إِنَّهُمْ فِتْيَة آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى
ہم تجھ سے ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک یعنی سچائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں، بے شک وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ کر دیا۔

اصحاب کہف کا قصہ

یہاں سے تفصیل کے ساتھ اصحاب کہف کا قصہ شروع ہوتا ہے کہ یہ چند نوجوان تھے جو دین حق کی طرف مائل ہوئے اور ہدایت پر آ گئے قریش میں بھی یہی ہوا تھا کہ جوانوں نے تو حق کی آواز پر لبیک کہی تھی لیکن بجز چند کے اور بوڑھے لوگ اسلام کی طرف جرات سے مائل نہ ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کے کانوں میں بالے تھے یہ متقی مومن اور راہ یافتہ نوجوانوں کی جماعت تھی اپنے رب کی وحدانیت کو مانتے تھے اس کی توحید کے قائل ہو گئے تھے اور روز بروز ایمان وہدایت میں بڑھ رہے تھے۔ یہ اور اس جیسی اور آیتوں اور احادیث سے استدلال کر کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین کرام کا مذہب ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے۔ اس میں مرتبے ہیں، یہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔ یہاں ہے ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا۔

وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاْ
مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا٥
اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط و مستحکم فرما دیا، جب وہ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے: ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے
ہم اس کے سوا ہرگز کسی معبود کی پرستش نہیں کریں گے۔ اس وقت ہم ضرور حق سے ہٹی ہوئی بات کریں گے۔

اصحاب کہف کا بادشاہ کے سامنے بتوں کو سجدہ کرنے سے انکار کرنے کا بیان

"وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبهمْ " قَوَّيْنَاهَا عَلَى قَوْل الْحَقّ "إذْ قَامُوا" بَيْن يَدَيْ مَلِكهمْ وَقَدْ أَمَرَهُمْ بِالسُّجُودِ لِلْأَصْنَامِ "فَقَالُوا رَبّنَا رَبّ السَّمَوَات وَالْأَرْض لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونه" أَيْ غَيْره "إلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إذًا شَطَطًا" أَيْ قَوْلًا ذَا شَطَط أَيْ إفْرَاط فِي الْكُفْر إنْ دَعَوْنَا إلَهًا غَيْر اللَّه فَرْضًا

اور ہم نے ان کے دلوں کو اپنے قول حق مضبوط و مستحکم فرما دیا ہے، جب وہ اپنے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو اس نے انہیں بتوں کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو وہ کہنے لگے، ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ہم اس کے سوا ہرگز کسی دوسرے معبود کی پرستش نہیں کریں گے۔اگر ایسا کریں یعنی اگر بالفرض کسی دوسرے معبود کی پرستش کریں تو اس وقت ہم ضرور حق سے ہٹی ہوئی بات کریں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے ان کے دلوں کو مضبوط کر دینے کا واقعہ اس وقت ہوا جب کہ بت پرست ظالم بادشاہ نے ان نوجوانوں کو اپنے دربار میں حاضر کر کے سوالات کئے اس موت وحیات کی کش مکش اور قتل کے خوف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اپنی محبت اور ہیبت وعظمت ایسی مسلط کر دی کہ اس کے مقابلے میں قتل وموت اور ہر مصیبت کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو کر اپنے عقیدے کا صاف صاف اظہار کر دیا، کہ وہ اللہ کے سوا کسی معبود کی عبادت نہیں کرتے اور آئندہ بھی نہ کریں گیں، جو لوگ اللہ کے لئے کسی کام کا عزم پختہ کر لیتے ہیں تو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی ایسی ہی امداد ہوا کرتی ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ؕ
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ
یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اس کے سوا کئی معبود بنا لئے ہیں، تو یہ ان پر کوئی واضح سند کیوں نہیں لاتے؟
سو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔

معبودان باطلہ کی عبادت پر کوئی دلیل نہ ہونے کا بیان

"هٰؤُلَاءِ" . مُبْتَدَأ "قَوْمُنَا" عَطْف بَيَان "اتَّخَذُوا مِنْ دُونه آلِهَة لَوْلَا" هَلَّا "يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ" عَلَى عِبَادَتهمْ "بِسُلْطَانٍ بَيِّن" بِحُجَّةٍ ظَاهِرَة "فَمَنْ أَظْلَم" أَيْ لَا أَحَد أَظْلَم "مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللّٰه كَذِبًا" بِنِسْبَةِ الشَّرِيك إِلَيْهِ تَعَالَى قَالَ بَعْض الْفِتْيَة لِبَعْضٍ

یہاں پر ھولاء یہ مبتداء ہے۔اور قومنا یہ عطف بیان ہے۔یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے اس کے سوا کئی معبود بنا لئے ہیں، تو یہ ان کے معبود ہونے پر کوئی واضح سند کیوں نہیں لاتے؟ سو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے۔یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف شرک کی نسبت کی۔ان نوجوانوں نے ایک دوسرے سے کہا۔

انہوں نے کہا یہ لوگ اپنے خودساختہ معبودوں کیلئے کوئی دلیل کیوں نہیں لاتے؟ جس سے ان کے دعوے کی تصدیق ہو سکے اور جب یہ اس کیلئے کوئی دلیل نہیں لا سکتے تو پھر انہوں نے ایسے خودساختہ معبود آخر کیوں گھڑ رکھے ہیں؟ اور ان کی پوجا یہ لوگ کیوں کرتے ہیں؟ تو پھر اور ایسوں سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟ جو معبود برحق یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا ایسے خودساختہ معبودوں کی پوجا پاٹ کرے۔

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ
مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۝
اور جب تم ان سے اور جو کچھ وہ اللہ سوا پوجتے ہیں سب سے الگ ہو جاؤ تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لیے
اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آسانی کے سامان بنا دے گا۔

اصحاب کہف کے نوجوانوں کا غار میں پناہ لینے کا بیان

"وَاِذْ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰه فَأْوُوْا اِلَى الْكَهْف يَنْشُر لَكُمْ رَبّكُمْ مِنْ رَحْمَته وَيُهَيِّء لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا" بِكَسْرِ الْمِيم وَفَتْح الْفَاء وَبِالْعَكْسِ مَا تَرْتَفِقُونَ بِهِ مِنْ غَدَاء وَعِشَاء

اور جب تم ان سے اور جو کچھ وہ اللہ سوا پوجتے ہیں سب سے الگ ہو جاؤ تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا اور تمہارے کام میں آسانی کے سامان بنا دے گا۔ یہاں پر لفظ مرفقا یہ میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ اور اس کے برعکس بھی آیا ہے۔ یعنی وہ صبح وشام کا کھانا جس سے تم فائدہ اٹھاؤ گے۔

جب تم نے اپنی قوم کے معبودوں سے کنارہ کشی کر لی ہے، تو اب جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ یہ اصحاب کہف نے آپس میں کہا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ ایک غار میں جا چھپے، جب ان کے غائب ہونے کی خبر مشہور ہوئی تو تلاش کیا گیا، لیکن وہ اسی طرح ناکام رہے، جس طرح نبی کریم ﷺ کی تلاش میں کفار مکہ غار ثور تک پہنچ جانے کے باوجود، جس میں آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے، ناکام رہے تھے۔

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ
تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ
فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۝
اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے
تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ اس غار کے کشادہ میدان میں ہیں، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، جسے اللہ ہدایت
فرما دے سو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرا دے تو آپ اس کے لئے کوئی ولی مرشد نہیں پائیں گے۔

اصحاب کہف کو گرمی سے بچانے کیلئے سورج کا راستہ تبدیل کرنے کا بیان

"وَتَرَى الشَّمْس اِذَا طَلَعَتْ تَزَّاوَر" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف تَمِيل "عَنْ كَهْفهمْ ذَات الْيَمِين" نَاحِيَته "وَاِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضهُمْ ذَات الشِّمَال" تَتْرُكهُمْ وَتَتَجَاوَز عَنْهُمْ فَلَا تُصِيبهُمْ الْبَتَّة "وَهُمْ فِي فَجْوَة

مِنۡهُ "مُتَّسَعٍ مِنَ الْكَهْفِ يَنَالُهُمْ بَرْدُ الرِّيحِ وَنَسِيمُهَا "ذٰلِكَ" الْمَذْكُورُ "مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ" دَلَائِلِ قُدْرَتِهٖ مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِي وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُرْشِدًا،

اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع ہوتا ہے۔ یہاں پر تزاور یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ تو ان کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہے۔ یعنی انہیں اس حالت میں چھوڑ دیتا ہے کہ وہاں پر دھوپ نہیں پہنچتی۔ اور وہ اس غار کے کشادہ میدان میں محو آرام ہیں، جہاں ان کو ٹھنڈی ہوا اور ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ یہ (سورج کا اپنے راستے کو بدل لینا) اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے ہے، یعنی اس کی قدرت کے دلائل ہیں۔ جسے اللہ ہدایت فرمادے سو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ ٹھہرادے تو آپ اس کے لئے کوئی ولی مرشد (یعنی راہ دکھانے والا مددگار) نہیں پائیں گے۔

غار اور سورج کی شعائیں

یہ دلیل ہے اس امر کی کہ اس غار کا منہ شمال رخ ہے۔ سورج کے طلوع کے وقت ان کے دائیں جانب دھوپ کی چھاؤں جھک جاتی ہے پس دوپہرے کے وقت وہاں بالکل دھوپ نہیں رہتی۔ سورج کی بلندی کے ساتھ ہی ایسی جگہ سے شعاعیں دھوپ کی کم ہوتی جاتی ہیں اور سورج کے ڈوبنے کے وقت دھوپ ان کے غار کی طرف اس کے دروازے کے شمال رخ سے جاتی ہے مشرق جانب سے۔ علم ہیئت کے جاننے والے اسے خوب سمجھ سکتے ہیں۔ جنہیں سورج چاند اور ستاروں کی چال کا علم ہے۔ اگر غار کا دروازہ مشرق رخ ہوتا تو سورج کے غروب کے وقت وہاں دھوپ بالکل نہ جاتی اور اگر قبلہ رخ ہوتا تو سورج کے طلوع کے وقت دھوپ نہ پہنچتی اور نہ غروب کے وقت پہنچتی اور نہ سایہ دائیں بائیں جھکتا اور اگر دروازہ مغرب رخ ہوتا تو بھی سورج نکلنے کے وقت اندر دھوپ نہ جاسکتی بلکہ زوال کے بعد اندر پہنچتی اور پھر برابر مغرب تک رہتی۔ پس ٹھیک بات وہی ہے جو ہم بیان نے کی۔

تقرضهم کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ترک کرنے اور چھوڑ دینے کے کئے ہمیں اس سے کوئی فائدہ نہیں، نہ اس سے کسی شرعی مقصد کا حصول ہوتا ہے۔ پھر بھی بعض مفسرین نے اس میں تکلیف اٹھائی ہے کوئی کہتا ہے وہ ایلہ کے قریب ہے کوئی کہتا ہے نینوئی کے پاس ہے کوئی کہتا ہے، روم میں ہے کوئی کہتا ہے بلقا میں ہے۔ اصل علم اللہ ہی کو ہے وہ کہاں ہے اگر اس میں کوئی دینی مصلحت یا ہمارا کوئی مذہبی فائدہ ہوتا تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیں بتا دیتا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرا دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تمہیں جو جو کام اور چیزیں جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرنے والی تھیں ان میں سے ایک بھی ترک کئے بغیر میں نے بتادی ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اس کی صفت بیان فرمادی اور اس کی جگہ نہیں بتائی۔ فرمادیا کہ سورج کے طلوع کے وقت ان کے غار سے وہ دائیں جانب جھک جاتا ہے اور غروب کے وقت انہیں بائیں طرف چھوڑ دیتا ہے، وہ اس سے فراخی میں ہیں، انہیں دھوپ کی تپش نہیں پہنچتی ورنہ ان کے بدن اور کپڑے جل جاتے یہ اللہ کی ایک نشانی ہے کہ رب انہیں اس غار میں پہنچایا جہاں انہیں زندہ رکھا دھوپ بھی پہنچے ہوا بھی جائے چاندنی بھی رہے تاکہ نیند میں خلل آئے نہ نقصان پہنچے۔ فی الواقع اللہ کی طرف سے یہ بھی

جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں اور دشمنوں سے بچانے کے لئے تو اللہ نے نیند میں بھی ان کی آنکھیں کھلی رکھی ہیں اور زمین نہ کھا جائے، کروٹیں گل نہ جائیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلوا دیتا ہے، کہتے ہیں سال بھر میں دو مرتبہ کروٹ بدلتے ہیں۔ ان کا کتا بھی انگنائی میں دروازے کے پاس مٹی میں چوکھٹ کے قریب بطور پہریدار کے بازو زمین پر لٹکاتے ہوئے بیٹھا ہوا ہے دروازے کے باہر اس لئے ہے کہ جس گھر میں کتا تصویر جنبی اور کافر شخص ہو اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے۔ جیسے کہ ایک حسن حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اس کتے کو بھی اسی حالت میں نیند آ گئی ہے۔ سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے دیکھئے نا اس کتے کی کتنی شان ہو گئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کا یہ شکاری کتا پلا ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے باورچی کا یہ کتا تھا۔ چونکہ وہ بھی ان کے ہم مسلک تھے۔ ان کے ساتھ ہجرت میں تھے۔ ان کا کتا ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو مینڈھا ذبح ہوا اس کا نام جریر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس ہدہد نے ملکہ سبا کی خبر دی تھی اس کا نام عنفر تھا اور اصحاب کہف کے اس کتے کا نام قطمیر تھا اور بنی اسرائیل نے جس بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی اس کا نام مہموت تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے ہند میں اترے تھے، حضرت حواجدہ میں ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصفہان میں۔ ایک قول ہے کہ اس کتے کا نام حمران تھا۔ نیز اس کتے کے رنگ میں بھی بہت سے اقوال ہیں، لیکن ہمیں حیرت ہے کہ اس سے کیا نتیجہ؟ کیا فائدہ؟ کیا ضرورت؟ بلکہ عجب نہیں کہ ایسی بحثیں ممنوع ہوں۔ اس لئے کہ یہ تو آنکھیں بند کر کے پتھر پھینکنا ہے بیدلیل زبان کھولنا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں وہ رعب دیا ہے کہ کوئی انہیں دیکھ ہی نہیں سکتا یہ اس لئے کہ لوگ ان کا تماشہ نہ بنالیں کوئی جرات کر کے ان کے پاس نہ چلا جائے کوئی انہیں ہاتھ نہ لگا سکے وہ آرام اور چین سے جب تک حکمت الٰہی متقضی ہے با آرام سوتے رہیں۔ جو انہیں دیکھتا ہے مارے رعب کے کلیجہ تھر تھرا جاتا ہے۔ اسی وقت الٹے پیروں واپس لوٹتا ہے، انہیں نظر بھر کر دیکھنا بھی ہر ایک کے لئے محال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ○

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا، تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی دیر رہے؟ انھوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے، دوسروں نے کہا تمہارا رب زیادہ جاننے والا ہے جتنی مدت تم رہے ہو، پس اپنے میں سے ایک کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو، پس وہ دیکھے کہ اس میں کھانے کے لحاظ سے زیادہ ستھرا کون ہے، پھر تمہارے پاس اس سے کچھ کھانا لے آئے اور نرمی و باریک بینی کی کوشش کرے اور تمہارے بارے میں کسی کو ہرگز معلوم نہ ہونے دے۔

اصحاب کہف کا مدت ٹھہراؤ میں باہمی کلام کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَمَا فَعَلْنَا بِهِمْ مَا ذَكَرْنَا "بَعَثْنَاهُمْ" أَيْقَظْنَاهُمْ "لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ" عَنْ حَالِهِمْ وَمُدَّة لُبْثهمْ "قَالَ قَائِل مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْض يَوْم" لِأَنَّهُمْ دَخَلُوا الْكَهْف عِنْد طُلُوع الشَّمْس وَبُعِثُوا عِنْد غُرُوبهَا فَظَنُّوا أَنَّهُ غُرُوب يَوْم الدُّخُول ثُمَّ "قَالُوا" مُتَوَقِّفِينَ فِي ذٰلِكَ "رَبّكُمْ أَعْلَم بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدكُمْ بِوَرِقِكُمْ" بِسُكُونِ الرَّاء وَكَسْرهَا بِفِضَّتِكُمْ "هٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَة" يُقَال إِنَّهَا الْمُسَمَّاة الْآن طَرَسُوس بِفَتْحِ الرَّاء "فَلْيَنْظُرْ أَيّهَا أَزْكَى طَعَامًا" أَيْ أَيّ أَطْعِمَة الْمَدِينَة أَحَلّ، فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا،

اوراسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا، جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ کہ انہیں بیدار کردیا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے حال اورٹھہرنے کی مدت پوچھیں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی دیر رہے؟ انھوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے، کیونکہ اصحاب کہف سورج کے طلوع ہونے کے وقت اس غار میں داخل ہوئے تھے اور غروب آفتاب کے وقت وہ بیدار ہوئے دوسروں نے یعنی جو وہاں سوئے تھے انہوں نے کہا تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے جتنی مدت تم رہے ہو، پس اپنے میں سے ایک کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو، یہاں پر ورق یہ راء کے سکون اور کسرہ دونوں کے ساتھ آیا ہے اس کا معنی چاندی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت وہاں طرطوس نامی بادشاہ تھا۔ لفظ طرطوس یہ راء کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ پس وہ دیکھے کہ اس میں کھانے کے لحاظ سے زیادہ ستھرا کون ہے، پھر تمھارے پاس اس شہر سے کچھ کھانا لے آئے۔ یعنی شہر کا کونسا کھانا حلال ہے؟ اور نرمی و باریک بینی کی کوشش کرے اور تمھارے بارے میں کسی کو ہرگز معلوم نہ ہونے دے۔

موت کے بعد زندگی کی دلیل کا بیان

ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں سلا دیا تھا، اسی طرح اپنی قدرت سے انہیں جگا دیا۔ تین سو نو سال تک سوتے رہے لیکن جب جاگے بالکل ویسے ہی تھے۔ جیسے سوتے وقت تھے، بدن بال کھال سب اصلی حالت میں تھے۔ بس جیسے سوتے وقت تھے ویسے ہی اب بھی تھے۔ کسی قسم کا کوئی تغیر نہ تھا آپس میں کہنے لگے کہ کیوں جی ہم کتنی مدت سوتے رہے؟ تو جواب ملا کہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کم کیونکہ صبح کے وقت یہ سو گئے تھے اور اس وقت شام کا وقت تھا اس لئے انہیں یہی خیال ہوا۔ لیکن پھر خود انہیں خیال ہوا کہ ایسا تو نہیں اس لئے انہوں نے ذہن لڑانا چھوڑ دیا اور فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ اب چونکہ بھوک پیاس معلوم ہو رہی تھی اس لئے انہوں نے بازار سے سودا منگوانے کی تجویز کی۔ دام ان کے پاس تھے۔ جن میں سے کچھ راہ اللہ خرچ کئے تھے۔ کچھ موجود تھے۔ کہنے لگے کہ اسی شہر میں کسی کو دام دے کر بھیج دو، وہ وہاں سے کوئی پاکیزہ چیز کھانے پینے کی لائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بہت سارا کھانا لانے سے ہے جیسے کھیتی کے بڑھ جانے کے وقت عرب کہتے ہیں زکا الزرع۔ اس لئے کہ اصحاب کہف کا مقصد اس قول سے حلال چیز کا لانا تھا۔ خواہ وہ زیادہ ہو یا کم۔ کہتے ہیں کہ جانے والے کو بہت

احتیاط برتنی چاہیے، آنے جانے اور سودا خریدنے میں ہوشیاری سے کام لے جہاں تک ہو سکے لوگوں کی نگاہوں میں نہ چڑھے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی معلوم کر لے۔ اگر انہیں علم ہو گیا تو پھر خیر نہیں۔

دقیانوس کے آدمی اگر تمہاری جگہ کی خبر پا گئے تو وہ طرح طرح کی سخت سزائیں تمہیں دیں گے یا تو تم ان سے گھبرا کر دین حق چھوڑ کر پھر سے کافر بن جاؤ یا یہ کہ وہ انہی سزاؤں میں تمہارا کام ہی ختم کر دیں اگر تم ان کے دین میں جا ملے تو سمجھ لو کہ تم نجات سے دست بردار ہو گئے پھر تو اللہ کے ہاں کا چھٹکارا تمہارے لئے محال ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا٥
بے شک وہ اگر تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے، یا تمہیں دوبارہ اپنے دین میں لے جائیں گے
اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔

اصحاب کہف کو اہل شہر کا ارتداد کی طرف لے جانے کے خدشہ کا بیان

"اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ" يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجْمِ "اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْا اِذًا" أَيْ اِنْ عُدْتُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

بے شک وہ اگر تم پر قابو پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے، یا تمہیں دوبارہ اپنے دین میں لے جائیں گے اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔ یعنی اگر تم ان کے مذہب میں چلے گئے تو کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔

جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سلایا تھا، اسی طرح بروقت جگا دیا۔ اٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے؟ بعض نے کہا "ایک آدھ دن۔ "یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان سے حلال اور ستھرا کھانا دیکھ کر خرید لائے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے نہایت ہوشیاری سے جانا آنا اور نرمی و تدبیر سے معاملہ کرنا چاہیے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہوگی۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بجبر واکراہ دین حق سے ہٹایا جائے گا۔ العیاذ باللہ ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی وفلاح ہم چاہتے ہیں، وہ کبھی حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا گو بجبر واکراہ ہو اولوالعزم مومنین کا کام نہیں ہو سکتا۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا
اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ
قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا٥

اور اس طرح ہم نے ان پر ان لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت کے آنے میں
کوئی شک نہیں ہے۔ جب وہ آپس میں ان کے معاملہ میں جھگڑا کرنے لگے تو انہوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو،
ان کا رب ان سے خوب واقف ہے، ان نے کہا جنہیں ان کے معاملہ پر غلبہ حاصل تھا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد
بنائیں گے (تا کہ مسلمان اس میں نماز پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں)

اصحاب کہف کے مزارات کے ساتھ اہل ایمان کا مسجد بنانے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَمَا بَعَثْنَاهُمْ "أَعْثَرْنَا" أَطْلَعْنَا "عَلَيْهِمْ" قَوْمهمْ وَالْمُؤْمِنِينَ "لِيَعْلَمُوا" أَيْ قَوْمهمْ "أَنَّ وَعْد اللّٰه" بِالْبَعْثِ "حَقّ" بِطَرِيقِ أَنَّ الْقَادِر عَلَى إنَامَتهمْ الْمُدَّة الطَّوِيلَة وَإِبْقَائِهِمْ عَلَى حَالهمْ بِلَا غِذَاء قَادِر عَلَى إحْيَاء الْمَوْتَى "وَأَنَّ السَّاعَة لَا رَيْب" لَا شَكّ "فِيهَا إذْ" مَعْمُول لِأَعْثَرْنَا "يَتَنَازَعُونَ" أَيْ الْمُؤْمِنُونَ وَالْكُفَّار "بَيْنهمْ أَمْرهمْ" أَمْر الْفِتْيَة فِي الْبِنَاء حَوْلهمْ "فَقَالُوا" أَيْ الْكُفَّار "ابْنُوا عَلَيْهِمْ" أَيْ حَوْلهمْ "بُنْيَانًا" يَسْتُرهُمْ "رَبّهمْ أَعْلَم بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرهمْ" أَمْر الْفِتْيَة وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ "لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ" حَوْلهمْ "مَسْجِدًا" يُصَلَّى فِيهِ وَفُعِلَ ذٰلِكَ عَلَى بَاب الْكَهْف

اور اس طرح ہم نے ان کے حال پر ان لوگوں یعنی ان کی قوم اور اہل ایمان کو (جو چند صدیاں بعد کے تھے) مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بعث سچا ہے کیونکہ وہ ان کی طویل مدت نیند پر قادر ہے اور اس کے بعد بغیر کسی غذا کے انہیں اسی حالت میں زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ بھی کہ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ جب وہ بستی والے یعنی اہل ایمان اور کفار آپس میں ان کے معاملہ میں جھگڑا کرنے لگے (جب اصحاب کہف وفات پا گئے) تو انہوں یعنی ان میں سے کفار نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بطور یادگار بنا دو، جس میں وہ پوشیدہ رہیں۔ ان کا رب ان کے حال سے خوب واقف ہے، ان ایمان والوں نے کہا جنہیں ان کے معاملہ پر غلبہ حاصل تھا کہ ہم ان کے دروازہ پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔ اس میں نماز ہوگی۔ اور اصحاب کہف کے واقعہ میں اسی طرح کیا گیا۔ (تا کہ مسلمان اس میں نماز پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں)

بادشاہ کی اصحاب کہف سے ملاقات کا بیان

ارشاد ہے کہ اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے لوگوں کو ان کے حال پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ کے وعدے اور قیامت کے آنے کی سچائی کا انہیں علم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے کے وہاں موجود لوگوں کو قیامت کے آنے میں کچھ شکوک پیدا ہو چلے تھے۔ ایک جماعت تو کہتی تھی کہ فقط روحیں دوبارہ جی اٹھیں گی، جسم کا اعادہ نہ ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد اصحاب کہف کو جگا کر قیامت کے ہونے اور جسموں کے دوبارہ جینے کی حجت واضح کر دی ہے اور عینی دلیل دے دی۔

مذکور ہے کہ جب ان میں سے ایک صاحب دام لے کر سودا خریدنے کو غار سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی دیکھی ہوئی ایک چیز

نہیں سارا نقشہ بدلا ہوا ہے اس شہر کا نام افسوس تھا زمانے گزر چکے تھے، بستیاں بدل چکی تھیں، صدیاں بیت گئی تھیں اور یہ تو اپنے نزدیک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہمیں یہاں پہنچے ایک آدھ دن گزرا ہے۔ گھر گو انہیں جیسے ہیں لیکن قبیلے کے لوگ اور ہی ہیں اس نے دیکھا کہ نہ تو شہر کوئی چیز اپنے حال پر ہے، نہ شہر کا کوئی بھی رہنے والا جان پہچان کا ہے نہ یہ کسی کو جانیں نہ انہیں اور کوئی پہچانے۔ تمام عام خاص اور ہی ہیں۔ یہ اپنے دل میں حیران تھا۔ دماغ چکرا رہا تھا کہ کل شام ہم اس شہر کو چھوڑ کر گئے ہیں۔ یہ دفعتا ہو کیا گیا؟ ہر چند سوچتا تھا کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر خیال کرنے لگا کہ شاید میں مجنوں ہو گیا ہوں یا میرے حواس ٹھکانے نہیں رہے یا مجھے کوئی مرض لگ گیا ہے یا میں خواب میں ہوں۔ لیکن فوراً ہی یہ خیالات ہٹ گئے مگر کسی بات پر تسلی نہ ہو سکی اس لئے ارادہ کر لیا کہ مجھے سودا لے کر اس شہر کو جلد چھوڑ دینا چاہئے۔ ایک دکان پر جا کر اسے دام دیئے اور سودا کھانے پینے کا طلب کیا۔ اس نے اس سکے کو دیکھ کر سخت تر تعجب کا اظہار کیا اپنے پڑوسی کو دیا کہ دیکھنا یہ سکہ کیا ہے کب کا ہے؟ کسی زمانے کا ہے؟ اس نے دوسرے کو دیا اس سے کسی اور نے دیکھنے کو مانگ لیا الغرض وہ تو ایک تماشہ بن گیا ہر زبان سے یہی نکلنے لگا کہ اس نے کسی پرانے زمانے کا خزانہ پایا ہے، اس میں سے یہ لایا ہے اس سے پوچھو یہ کہاں کا ہے؟ کون ہے؟ یہ سکہ کہاں سے پایا؟ چنانچہ لوگوں نے اسے گھیر لیا مجمع لگا کر کھڑے ہو گئے اور اوپر تلے ٹیڑھے ترچھے سوالات شروع کر دئے۔

اس نے کہا میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں، کل شام کو میں یہاں سے گیا ہوں، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے۔ اب تو سب نے قہقہہ لگا کر کہا بھئی یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سے سوالات ہوئے اس نے تمام حال کہہ سنایا اب ایک طرف بادشاہ اور دوسرے سب لوگ متحیر ایک طرف سے خود ششدر و حیران۔ آخر سب لوگ ان کے ساتھ ہوئے۔ اچھا ہمیں اپنے اور ساتھی دکھاؤ اور اپنا غار بھی دکھا دو۔ یہ انہیں لے کر چلے غار کے پاس پہنچ کر کہا تم ذرا ٹھیرو میں پہلے انہیں جا کر خبر کر دوں۔ ان کے الگ ہٹتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر بیخبری کے پردے ڈال دئے۔ انہیں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گیا؟ اللہ نے پھر اس راز کو مخفی کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ یہ لوگ مع بادشاہ کے گئے، ان سے ملے، سلام علیک ہوئی، بغلگیر ہوئے، یہ بادشاہ خود مسلمان تھا۔ اس کا نام تندوسیس تھا، اصحاب کہف ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور محبت وانسیت سے ملے جلے، باتیں کیں، پھر واپس جا کر اپنی اپنی جگہ لیٹے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوت کر لیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

نیک لوگوں کے مزارات کے ساتھ مساجد بنانے کا بیان

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدیں بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار میں برکت حاصل ہوتی ہے اسی لئے اہل اللہ کے مزارات پر لوگ حصول برکت کے لئے جایا کرتے ہیں اور اسی لئے قبروں کی زیارت سنّت اور موجب ثواب ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ کہف، بیروت)

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ ۚ
وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۬
فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّ لَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ؃
اب کچھ لوگ کہیں گے، (اصحاب کہف) تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا، اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان
کا کتا تھا، یہ بن دیکھے اندازے ہیں، اور بعض کہیں گے: سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ فرما دیجئے: میرا رب ہی
ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے اور سوائے چند لوگوں کے ان کا علم کسی کو نہیں، سو آپ کسی سے ان کے بارے میں بحث نہ کیا کریں
سوائے اس قدر وضاحت کے جو ظاہر ہو چکی ہے اور نہ ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں کچھ دریافت کریں۔

اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف کا بیان

"سَيَقُوْلُونَ" أَیْ الْمُتَنَازِعُونَ فِی عَدَدِ الْفِتْيَة فِی زَمَنِ النَّبِیّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَیْ يَقُول بَعْضهمْ هُمْ "ثَلَاثَة رَابِعهمْ كَلْبهمْ وَيَقُولُونَ" أَیْ بَعْضهمْ "خَمْسَة سَادِسهمْ كَلْبهمْ" وَالْقَوْلَانِ لِنَصَارَى نَجْرَان "رَجْمًا بِالْغَيْبِ" أَیْ ظَنًّا فِی الْغَيْبَة عَنْهُمْ وَهُوَ رَاجِع إِلَى الْقَوْلَيْنِ مَعًا وَنَصْبه عَلَى الْمَفْعُول لَهُ أَیْ لِظَنِّهِمْ ذَلِكَ "وَيَقُولُونَ" أَیْ الْمُؤْمِنُونَ "سَبْعَة وَثَامِنهمْ كَلْبهمْ" الْجُمْلَة مِنْ الْمُبْتَدَأ وَخَبَره صِفَة سَبْعَة بِزِيَادَةِ الْوَاو وَقِيلَ تَأْكِيد أَوْ دَلَالَة عَلَى لُصُوق الصِّفَة بِالْمَوْصُوفِ وَوَصْف الْأَوَّلَيْنِ بِالرَّجْمِ دُون الثَّالِث دَلِيل عَلَى أَنَّهُ مَرْضِیّ وَصَحِيح "قُلْ رَبِّی أَعْلَم بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمهُمْ إِلَّا قَلِيل" قَالَ ابْن عَبَّاس أَنَا مِنْ الْقَلِيل وَذَكَرَهُمْ سَبْعَة "فَلَا تُمَارِ" تُجَادِل "فِيهِمْ إِلَّا مِرَاء ظَاهِرًا" بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْك "وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ" تَطْلُب الْفُتْيَا "مِنْهُمْ" مِنْ أَهْل الْكِتَاب الْيَهُود "أَحَدًا"۔

اب کچھ لوگ کہیں گے۔ یعنی اصحاب کہف کے جوانوں کی تعداد میں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جھگڑا ہوا اور بعض نے کہا اصحاب کہف تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا، اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ دونوں اقوال نجران کے نصاری کے تھے۔ یہ بن دیکھے اندازے ہیں، یہاں پر رجما کا متعلق دونوں اقوال ہیں جبکہ یہ منصوب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی ان کا گمان ایسا ہے۔ اور بعض یعنی اہل ایمان کہیں گے وہ سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ یہ جملہ مبتداء ہے اور اس کی خبر واؤ کی زیادتی کے ساتھ سبعۃ کی صفت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تاکید ہے یا صفت کا موصوف کے ساتھ لاحق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا پہلے دونوں اقوال کا رجم بہ غیب کے ساتھ متصف ہوتا ہے جبکہ تیسرے میں نہیں کیونکہ وہ حق ہے۔ فرما دیجئے، میرا رب ہی ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے اور سوائے چند لوگوں کے ان کی صحیح تعداد کا علم کسی کو نہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان قلیل لوگوں میں سے میں بھی ہوں۔ اور آپ نے ان کی تعداد سات بتائی

20

کامل نشان قدرت ہے۔ ان نوجوانوں موحدوں کی ہدایت خود اللہ نے کی تھی، یہ راہ راست پا چکے تھے کسی کے بس میں نہ تھا کہ انہیں گمراہ کر سکے اور اس کے برعکس جسے وہ راہ نہ دکھائے اس کا ہادی کوئی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

وَ تَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ ۖ وَّ نُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَ كَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ
ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّ لَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ۝
اور تو انہیں جاگتے ہوئے خیال کرے گا، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم دائیں اور بائیں ان کی کروٹ پلٹتے رہتے ہیں
اور ان کا کتا اپنے دونوں بازو دہلیز پر پھیلائے ہوئے ہے۔ اگر تو ان پر جھانکے تو ضرور بھاگتے ہوئے ان سے پیٹھ
پھیر لے اور ضرور ان کے خوف سے بھر دیا جائے۔

اصحاب کہف کے بدنوں کا مٹی سے محفوظ رہنے کا بیان

"وَتَحۡسَبهُمۡ" لَوۡ رَأَيۡتهمۡ "أَيۡقَاظًا" أَيۡ مُنۡتَبِهِينَ لِأَنَّ أَعۡيُنهمۡ مُنۡفَتِحَة جَمۡع يَقِظ بِكَسۡرِ الۡقَاف "وَهُمۡ رُقُود" نِيَام جَمۡع رَاقِد "وَنُقَلِّبهُمۡ ذَات الۡيَمِين وَذَات الشِّمَال" لِئَلَّا تَأۡكُل الۡأَرۡض لُحُومهمۡ "وَكَلۡبهمۡ بَاسِط ذِرَاعَيۡهِ" يَدَيۡهِ "بِالۡوَصِيدِ" بِفِنَاءِ الۡكَهۡف وَكَانُوا إِذَا انۡقَلَبُوا انۡقَلَبَ هُوَ مِثۡلهمۡ فِي النَّوۡم وَالۡيَقَظَة "لَوۡ اطَّلَعۡت عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡت مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَلَمُلِئۡت" بِالتَّشۡدِيدِ وَالتَّخۡفِيف "مِنۡهُمۡ رُعۡبًا" بِسُكُونِ الۡعَيۡن وَضَمّهَا مَنَعَهُمۡ اللّٰه بِالرُّعۡبِ مِنۡ دُخُول أَحَد عَلَيۡهِمۡ

اور تو انہیں جاگتے ہوئے خیال کرے گا، یعنی وہ سوتے ہوئے محسوس ہوتے تھے جبکہ انہیں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں یہاں پر ایقاظ قاف کے کسرہ کے ساتھ یقظ کی جمع ہے۔ حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں یہاں پر رقود راقد کی جمع ہے۔ اور ہم دائیں اور بائیں ان کی کروٹ پلٹتے رہتے ہیں تاکہ زمین ان کے جسموں کو نہ کھائے۔ اور ان کا کتا اپنے دونوں بازو دہلیز یعنی غار کے صحن پر پھیلائے ہوئے ہے۔ اور جب وہ کروٹ بدلتے تو یہ بھی کروٹ بدلتا۔ اور یہ کتا سونے اور بیدار ہونے میں ان کی طرح ہوتا رہتا۔ اگر تو ان پر جھانکے تو ضرور بھاگتے ہوئے ان سے پیٹھ پھیر لے۔ یہاں ملئت تشدید وتخفیف کے ساتھ آیا ہے۔ اور ضرور ان کے خوف سے بھر دیا جائے۔ یہاں پر رعب عین کے سکون کے ساتھ آیا ہے اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رعب کے ذریعے ان کی حفاظت فرمائی کہ کوئی غار میں داخل نہ ہو سکے۔

اصحاب کہف اور ان کے ساتھ کلب قمطیر کا بیان

یہ سو رہے ہیں لیکن دیکھنے والا انہیں بیدار سمجھتا ہے کیونکہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ مذکور ہے کہ بھیڑیا جب سوتا ہے تو ایک آنکھ بند رکھتا ہے، ایک کھلی ہوتی ہے پھر اسے بند کر کے اسے کھول دیتا ہے چنانچہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

ینام باحدی مقلتیه ویتقی   باخری الرزایا فهو یقظان نائم

جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں اور دشمنوں سے بچانے کے لئے تو اللہ نے نیند میں بھی ان کی آنکھیں کھلی رکھی ہیں اور زمین نہ کھا جائے، کروٹیں گل نہ جائیں اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹیں بدلوا دیتا ہے، کہتے ہیں سال بھر میں دو مرتبہ کروٹ بدلتے ہیں۔ ان کا کتا بھی انگنائی میں دروازے کے پاس مٹی میں چوکھٹ کے قریب بطور پہریدار کے باز و زمین پر لگاتے ہوئے بیٹھا ہوا ہے دروازے کے باہر اس لئے ہے کہ جس گھر میں کتا تصویر جنبی اور کافر شخص ہو اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے۔ جیسے کہ ایک حسن حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اس کتے کو بھی اسی حالت میں نیند آ گئی ہے۔ سچ ہے بھلے لوگوں کی صحبت بھی بھلائی پیدا کرتی ہے دیکھئے نا اس کتے کی کتنی شان ہوگئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آیا۔ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی کا یہ شکاری کتا پلا ہوا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بادشاہ کے باورچی کا یہ کتا تھا۔ چونکہ وہ بھی ان کے ہم مسلک تھے۔ ان کے ساتھ ہجرت میں تھے۔ ان کا کتا ان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ واللہ اعلم۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں حضرت ذبیح اللہ کے بدلے جو مینڈھا ذبح ہوا اس کا نام جریر تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جس ہدہد نے ملکہ سبا کی خبر دی تھی اس کا نام عنفر تھا اور اصحاب کہف کے اس کتے کا نام قطیر تھا اور بنی اسرائیل نے جس بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی اس کا نام مہموت تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام بہشت بریں سے ہند میں اترے تھے، حضرت حوا جدہ میں ابلیس دشت بیسان میں اور سانپ اصفہان میں۔ ایک قول ہے کہ اس کتے کا نام حمران تھا۔ نیز اس کتے کے رنگ میں بھی بہت سے اقوال ہیں، لیکن ہمیں حیرت ہے کہ اس سے کیا نتیجہ؟ کیا فائدہ؟ کیا ضرورت؟ بلکہ عجب نہیں کہ ایسی بحثیں ممنوع ہوں۔ اس لئے کہ یہ تو آنکھیں بند کر کے پتھر پھینکنا ہے بیدلیل زبان کھولنا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں وہ رعب دیا ہے کہ کوئی انہیں دیکھ ہی نہیں سکتا یہ اس لئے کہ لوگ ان کا تماشہ نہ بنالیں کوئی جرات کر کے ان کے پاس نہ چلا جائے کوئی انہیں ہاتھ نہ لگا سکے وہ آرام اور چین سے جب تک حکمت الٰہی متقضی ہے با آرام سوتے رہیں۔ جو انہیں دیکھتا ہے مارے رعب کے کلیجہ تھرتھرا جاتا ہے۔ اسی وقت الٹے پیروں واپس لوٹتا ہے، انہیں نظر بھر کر دیکھنا بھی ہر ایک کے لئے محال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ
يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ
اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝
اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا، تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی دیر رہے؟
انھوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے، دوسروں نے کہا تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے جتنی مدت تم رہے ہو، پس اپنے میں
سے ایک کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو، پس وہ دیکھے کہ اس میں کھانے کے لحاظ سے زیادہ ستھرا کون ہے، پھر تمھارے پاس
اس سے کچھ کھانا لے آئے اور نرمی و باریک بینی کی کوشش کرے اور تمھارے بارے میں کسی کو ہرگز معلوم نہ ہونے دے۔

اصحاب کہف کا مدت ٹھہراؤ میں باہمی کلام کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَمَا فَعَلْنَا بِهِمْ مَا ذَكَرْنَا "بَعَثْنَاهُمْ" أَيْقَظْنَاهُمْ "لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ" عَنْ حَالِهِمْ وَمُدَّة لُبْثِهِمْ "قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْض يَوْم" لِأَنَّهُمْ دَخَلُوا الْكَهْف عِنْد طُلُوع الشَّمْس وَبُعِثُوا عِنْد غُرُوبهَا فَظَنُّوا أَنَّهُ غُرُوب يَوْم الدُّخُول ثُمَّ "قَالُوا" مُتَوَقِّفِينَ فِي ذٰلِكَ "رَبُّكُمْ أَعْلَم بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدكُمْ بِوَرِقِكُمْ" بِسُكُونِ الرَّاء وَكَسْرهَا بِفِضَّتِكُمْ "هٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَة" يُقَال إِنَّهَا الْمُسَمَّاة الْآن طَرَسُوس بِفَتْحِ الرَّاء "فَلْيَنْظُرْ أَيّهَا أَزْكَى طَعَامًا" أَيْ أَيّ أَطْعِمَة الْمَدِينَة أَحَلّ "فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا"

اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا، جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ کہ انہیں بیدار کر دیا تا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے حال اور ٹھہرنے کی مدت پوچھیں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم کتنی دیر رہے ہو؟ انھوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے، کیونکہ اصحاب کہف سورج کے طلوع ہونے کے وقت اس غار میں داخل ہوئے تھے اور غروب آفتاب کے وقت وہ بیدار ہوئے دوسروں نے یعنی جو وہاں سوئے تھے انہوں نے کہا تمھارا رب زیادہ جاننے والا ہے جتنی مدت تم رہے ہو، پس اپنے میں سے ایک کو اپنی یہ چاندی دے کر شہر کی طرف بھیجو، یہاں پر ورق یہ راء کے سکون اور کسرہ دونوں کے ساتھ آیا ہے اس کا معنی چاندی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت وہاں طرطوس نامی بادشاہ تھا۔ لفظ طرطوس یہ راء کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ پس وہ دیکھے کہ اس میں کھانے کے لحاظ سے زیادہ ستھرا کون ہے، پھر تمھارے پاس اس شہر سے کچھ کھانا لے آئے۔ یعنی شہر کا کونسا کھانا حلال ہے؟ اور نرمی و باریک بینی کی کوشش کرے اور تمھارے بارے میں کسی کو ہرگز معلوم نہ ہونے دے۔

موت کے بعد زندگی کی دلیل کا بیان

ارشاد ہوتا ہے کہ جیسے ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں سلا دیا تھا، اسی طرح اپنی قدرت سے انہیں جگا دیا۔ تین سو نو سال تک سوتے رہے لیکن جب جاگے بالکل ویسے ہی تھے۔ جیسے سوتے وقت تھے، بدن بال کھال سب اصلی حالت میں تھے۔ بس جیسے سوتے وقت تھے ویسے ہی اب بھی تھے۔ کسی قسم کا کوئی تغیر نہ تھا آپس میں کہنے لگے کہ کیوں جی ہم کتنی مدت سوتے رہے؟ تو جواب ملا کہ ایک دن بلکہ اس سے بھی کم کیونکہ صبح کے وقت یہ سو گئے تھے اور اس وقت شام کا وقت تھا اس لئے انہیں یہی خیال ہوا۔ لیکن پھر خود انہیں خیال ہوا کہ ایسا تو نہیں اس لئے انہوں نے ذہن لڑانا چھوڑ دیا اور فیصلہ کن بات کہہ دی کہ اس کا صحیح علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ اب چونکہ بھوک پیاس معلوم ہو رہی تھی اس لئے انہوں نے بازار سے سودا منگوانے کی تجویز کی۔ دام ان کے پاس تھے۔ جن میں سے کچھ راہ اللہ خرچ کئے تھے۔ کچھ موجود تھے۔ کہنے لگے کہ اسی شہر میں کسی کو دام دے کر بھیج دو، وہ وہاں سے کوئی پاکیزہ چیز کھانے پینے کی لائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بہت سارا کھانا لانے سے ہے جیسے کھیتی کے بڑھ جانے کے وقت عرب کہتے ہیں زکا الزرع، اس لئے کہ اصحاب کہف کا مقصد اس قول سے حلال چیز کا لانا تھا۔ خواہ وہ زیادہ ہو یا کم۔ کہتے ہیں کہ جانے والے کو بہت

احتیاط برتنی چاہیے، آنے جانے اور سودا خریدنے میں ہوشیاری سے کام لے جہاں تک ہو سکے لوگوں کی نگاہوں میں نہ چڑھے دیکھو ایسا نہ ہو کوئی معلوم کر لے۔ اگر انہیں علم ہو گیا تو پھر خیر نہیں۔

دقیانوس کے آدمی اگر تمہاری جگہ کی خبر پا گئے تو وہ طرح طرح کی سخت سزائیں تمہیں دیں گے یا تو تم ان سے گھبرا کر دین حق چھوڑ کر پھر سے کافر بن جاؤ یا یہ کہ وہ انہی سزاؤں میں تمہارا کام ہی ختم کر دیں اگر تم ان کے دین میں جا ملے تو سمجھ لو کہ تم نجات سے دست بردار ہو گئے پھر تو اللہ کے ہاں کا چھٹکارا تمہارے لئے محال ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۝
بے شک وہ اگر تم پر قابو پالیں گے تو تمھیں سنگسار کر دیں گے، یا تمھیں دوبارہ اپنے دین میں لے جائیں گے
اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔

اصحاب کہف کو اہل شہر کا ارتداد کی طرف لے جانے کے خدشہ کا بیان

"اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ" يَقْتُلُوْكُمْ بِالرَّجْمِ "اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْا اِذًا" أَيْ إِنْ عُدْتُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

بے شک وہ اگر تم پر قابو پالیں گے تو تمھیں سنگسار کر دیں گے، یا تمھیں دوبارہ اپنے دین میں لے جائیں گے اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔ یعنی اگر تم ان کے مذہب میں چلے گئے تو کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے۔

جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سلایا تھا، اسی طرح بروقت جگا دیا۔ اٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہوں گے؟ بعض نے کہا "ایک آدھ دن۔ "یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان سے حلال اور ستھرا کھانا دیکھ کر خرید لائے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے نہایت ہوشیاری سے جانا آنا اور نرمی و تدبیر سے معاملہ کرنا چاہیے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہوگی۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بجبر و اکراہ دین حق سے ہٹایا جائے گا۔ العیاذ باللہ ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی و فلاح ہم چاہتے ہیں، وہ کبھی حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا گو بجبر و اکراہ ہو اولوالعزم مومنین کا کام نہیں ہو سکتا۔

وَ كَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ
اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ
قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا۝

اور اس طرح ہم نے ان پر ان لوگوں کو مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ جب وہ آپس میں ان کے معاملہ میں جھگڑا کرنے لگے تو انہوں نے کہا کہ ان پر ایک عمارت بنا دو، ان کا رب ان سے خوب واقف ہے، ان نے کہا جنہیں ان کے معاملہ پر غلبہ حاصل تھا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے (تا کہ مسلمان اس میں نماز پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں)

اصحاب کہف کے مزارات کے ساتھ اہل ایمان کا مسجد بنانے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" كَمَا بَعَثْنَاهُمْ "أَعْثَرْنَا" أَطْلَعْنَا "عَلَيْهِمْ" قَوْمَهُمْ وَالْمُؤْمِنِينَ "لِيَعْلَمُوا" أَيْ قَوْمُهُمْ "أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ" بِالْبَعْثِ "حَقٌّ" بِطَرِيقِ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى إِنَامَتِهِمُ الْمُدَّةَ الطَّوِيلَةَ وَإِبْقَائِهِمْ عَلَى حَالِهِمْ بِلَا غِذَاءٍ قَادِرٌ عَلَى إِحْيَاءِ الْمَوْتَى "وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ" لَا شَكَّ "فِيهَا إِذْ" مَعْمُولٌ لِأَعْثَرْنَا "يَتَنَازَعُونَ" أَيِ الْمُؤْمِنُونَ وَالْكُفَّارُ "بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ" أَمْرَ الْفِتْيَةِ فِي الْبِنَاءِ حَوْلَهُمْ "فَقَالُوا" أَيِ الْكُفَّارُ "ابْنُوا عَلَيْهِمْ" أَيْ حَوْلَهُمْ "بُنْيَانًا" يَسْتُرُهُمْ "رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ" أَمْرِ الْفِتْيَةِ وَهُمُ الْمُؤْمِنُونَ "لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ" حَوْلَهُمْ "مَسْجِدًا" يُصَلَّى فِيهِ وَفُعِلَ ذٰلِكَ عَلَى بَابِ الْكَهْفِ

اور اس طرح ہم نے ان کے حال پر ان لوگوں یعنی ان کی قوم اور اہل ایمان کو (جو چند صدیاں بعد کے تھے) مطلع کر دیا تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ بعث سچا ہے کیونکہ وہ ان کی طویل مدت نیند پر قادر ہے اور اس کے بعد بغیر کسی غذا کے انہیں اسی حالت میں زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ بھی کہ قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ جب وہ بستی والے یعنی اہل ایمان اور کفار آپس میں ان کے معاملہ میں جھگڑا کرنے لگے (جب اصحاب کہف وفات پا گئے) تو انہوں یعنی ان میں سے کفار نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بطور یادگار بنا دو، جس میں وہ پوشیدہ رہیں۔ ان کا رب ان کے حال سے خوب واقف ہے، ان ایمان والوں نے کہا جنہیں ان کے معاملہ پر غلبہ حاصل تھا کہ ہم ان کے دروازہ پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔ اس میں نماز ہوگی۔ اور اصحاب کہف کے واقعہ میں اسی طرح کیا گیا۔ (تا کہ مسلمان اس میں نماز پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں)

بادشاہ کی اصحاب کہف سے ملاقات کا بیان

ارشاد ہے کہ اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے لوگوں کو ان کے حال پر آگاہ کر دیا تا کہ اللہ کے وعدے اور قیامت کے آنے کی سچائی کا انہیں علم ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے کے وہاں موجود لوگوں کو قیامت کے آنے میں کچھ شکوک پیدا ہو چلے تھے۔ ایک جماعت تو کہتی تھی کہ فقط روحیں دوبارہ جی اٹھیں گی، جسم کا اعادہ نہ ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے صدیوں بعد اصحاب کہف کو جگا کر قیامت کے ہونے اور جسموں کے دوبارہ جینے کی حجت واضح کر دی ہے اور عینی دلیل دے دی۔

مذکور ہے کہ جب ان میں سے ایک صاحب دام لے کر سودا خریدنے کو غار سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی دیکھی ہوئی ایک چیز

نہیں سارا نقشہ بدلا ہوا ہے اس شہر کا نام افسوس تھا زمانے گزر چکے تھے، بستیاں بدل چکی تھیں، صدیاں بیت گئی تھیں اور یہ تو اپنے نزدیک یہی سمجھے ہوئے تھے کہ ہمیں یہاں پہنچے ایک آدھ دن گزارا ہے۔ گھر گو انہیں جیسے ہیں لیکن قبیلے کے لوگ اور ہی ہیں اس نے دیکھا کہ نہ تو شہر کوئی چیز اپنے حال پر ہے، نہ شہر کا کوئی بھی رہنے والا جان پہچان کا ہے نہ یہ کسی کو جانیں نہ انہیں اور کوئی پہچانے۔ تمام عام خاص اور ہی ہیں۔ یہ اپنے دل میں حیران تھا۔ دماغ چکرا رہا تھا کہ کل شام ہم اس شہر کو چھوڑ کر گئے ہیں۔ یہ دفعتا ہو کیا گیا؟ ہر چند سوچتا تھا کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آخر خیال کرنے لگا کہ شاید میں مجنوں ہو گیا ہوں یا میرے حواس ٹھکانے نہیں رہے یا مجھے کوئی مرض لگ گیا ہے یا میں خواب میں ہوں۔ لیکن فوراً ہی یہ خیالات ہٹ گئے مگر کسی بات پر تسلی نہ ہو سکی اس لئے ارادہ کر لیا کہ مجھے سودا لے کر اس شہر کو جلد چھوڑ دینا چاہئے۔ ایک دکان پر جا کر اسے دام دیئے اور سودا کھانے پینے کا طلب کیا۔ اس نے اس سکے کو دیکھ کر سخت تر تعجب کا اظہار کیا اپنے پڑوسی کو دیا کہ دیکھنا یہ سکہ کیا ہے کب کا ہے؟ کسی زمانے کا ہے؟ اس نے دوسرے کو دیا اس سے کسی اور نے دیکھنے کو مانگ لیا الغرض وہ تو ایک تماشہ بن گیا ہر زبان سے یہی نکلنے لگا کہ اس نے کسی پرانے زمانے کا خزانہ پایا ہے، اس میں سے یہ لایا ہے اس سے پوچھو یہ کہاں کا ہے؟ کون ہے؟ یہ سکہ کہاں سے پایا؟ چنانچہ لوگوں نے اسے گھیر لیا مجمع لگا کر کھڑے ہو گئے اور اوپر تلے ٹیڑھے ترچھے سوالات شروع کر دیئے۔

اس نے کہا میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں، کل شام کو میں یہاں سے گیا ہوں، یہاں کا بادشاہ دقیانوس ہے۔ اب تو سب نے قہقہہ لگا کر کہا بھئی یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سے سوالات ہوئے اس نے تمام حال کہہ سنایا اب ایک طرف بادشاہ اور دوسرے سب لوگ متحیر ایک طرف سے خود ششدر و حیران۔ آخر سب لوگ ان کے ساتھ ہوئے۔ اچھا ہمیں اپنے اور ساتھی دکھاؤ اور اپنا غار بھی دکھا دو۔ یہ انہیں لے کر چلے غار کے پاس پہنچ کر کہا تم ذرا ٹھیرو میں پہلے انہیں جا کر خبر کر دوں۔ ان کے الگ ہٹتے ہی اللہ تعالیٰ نے ان پر بیخبری کے پردے ڈال دئے۔ انہیں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گیا؟ اللہ نے پھر اس راز کو مخفی کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی آئی ہے کہ یہ لوگ مع بادشاہ کے گئے، ان سے ملے، سلام علیک ہوئی، بغلگیر ہوئے، یہ بادشاہ خود مسلمان تھا۔ اس کا نام تندوسیس تھا، اصحاب کہف ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور محبت و انسیت سے ملے جلے، باتیں کیں، پھر واپس جا کر اپنی اپنی جگہ لیٹے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوت کر لیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

نیک لوگوں کے مزارات کے ساتھ مساجد بنانے کا بیان

اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے مزارات کے قریب مسجدیں بنانا اہل ایمان کا قدیم طریقہ ہے اور قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمانا اور اس کو منع نہ کرنا اس فعل کے درست ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے جوار میں برکت حاصل ہوتی ہے اسی لئے اہل اللہ کے مزارات پر لوگ حصول برکت کے لئے جایا کرتے ہیں اور اسی لئے قبروں کی زیارت سنّت اور موجب ثواب ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ کہف، بیروت)

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۟ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝

اب کچھ لوگ کہیں گے، (اصحاب کہف) تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا، اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ بن دیکھے اندازے ہیں، اور بعض کہیں گے: سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ فرما دیجئے: میرا رب ہی ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے اور سوائے چند لوگوں کے ان کا علم کسی کو نہیں، سو آپ کسی سے ان کے بارے میں بحث نہ کیا کریں سوائے اس قدر وضاحت کے جو ظاہر ہو چکی ہے اور نہ ان میں سے کسی سے ان کے بارے میں کچھ دریافت کریں۔

اصحاب کہف کی تعداد میں اختلاف کا بیان

"سَيَقُولُونَ" أَيْ الْـمُتَنَازِعُونَ فِي عَدَد الْفِتْيَة فِي زَمَن النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ يَقُول بَعْضهمْ هُمْ "ثَلَاثَة رَابِعهمْ كَلْبهمْ وَيَقُولُونَ " أَيْ بَعْضهمْ "خَـمْسَة سَادِسهمْ كَلْبهمْ " وَالْـقَوْلَانِ لِنَصَارَى نَجْرَان "رَجْمًا بِالْغَيْبِ " أَيْ ظَنًّا فِي الْغَيْبَة عَنْهُمْ وَهُوَ رَاجِع إلَى الْقَوْلَيْنِ مَعًا وَنَصْبهُ عَلَى الْمَفْعُول لَهُ أَيْ لِظَنِّهِمْ ذَلِكَ "وَيَقُولُونَ" أَيْ الْمُؤْمِنُونَ "سَبْعَة وَثَامِنهمْ كَلْبهمْ " الْـجُمْلَة مِنْ الْمُبْتَدَإ وَخَبَره صِـفَة سَبْعَة بِـزِيَـادَةِ الْوَاو وَقِيلَ تَأْكِيد أَوْ دَلَالَة عَلَى لُصُوق الصِّفَة بِالْمَوْصُوفِ وَوَصْف الْأَوَّلَيْنِ بِـالرَّجْمِ دُون الثَّالِث دَلِيل عَلَى أَنَّهُ مَرْضِيّ وَصَحِيح "قُـلْ رَبِّي أَعْلَم بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمهُمْ إلَّا قَلِيل " قَـالَ ابْن عَبَّاس أَنَا مِنْ الْقَلِيل وَذَكَرَهُمْ سَبْعَة "فَلَا تُمَارِ " تُجَادِل "فِيهِمْ إلَّا مِرَاء ظَاهِرًا " بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْك "وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ" تَطْلُب الْفُتْيَا "مِنْهُمْ" مِنْ أَهْل الْكِتَاب الْيَهُود "أَحَدًا" ،

اب کچھ لوگ کہیں گے۔ یعنی اصحاب کہف کے جوانوں کی تعداد میں نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں جھگڑا ہوا اور بعض نے کہا اصحاب کہف تین تھے ان میں سے چوتھا ان کا کتا تھا، اور بعض کہیں گے: پانچ تھے ان میں سے چھٹا ان کا کتا تھا، یہ دونوں اقوال نجران کے نصاریٰ کے تھے۔ یہ بن دیکھے اندازے ہیں، یہاں پر رجما کا متعلق دونوں اقوال ہیں جبکہ یہ منصوب مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی ان کا گمان ایسا ہے۔ اور بعض یعنی اہل ایمان کہیں گے وہ سات تھے اور ان میں سے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ یہ جملہ مبتداء ہے اور اس کی خبر واؤ کی زیادتی کے ساتھ سبعۃ کی صفت ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تاکید ہے یا صفت کا موصوف کے ساتھ لاحق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا پہلے دونوں اقوال کا رجم بہ غیب کے ساتھ متصف ہونا ہے جبکہ تیسرے میں نہیں کیونکہ وہ صحیح ہے۔ فرما دیجئے، میرا رب ہی ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے اور سوائے چند لوگوں کے ان کی صحیح تعداد کا علم کسی کو نہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان قلیل لوگوں میں سے میں بھی ہوں۔ اور آپ نے کی تعداد سات بتائی

ہے۔لہٰذا آپ کسی سے ان کے بارے میں بحث نہ کیا کریں سوائے اس قدر وضاحت کے جو ظاہر ہو چکی ہے اور نہ ان میں سے یعنی اہل کتاب میں سے کسی سے ان اصحاب کہف کے بارے میں کچھ دریافت کریں۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝
اور کسی بھی چیز کی نسبت یہ ہرگز نہ کہا کریں کہ میں اس کام کو کل کرنے والا ہوں۔

آئندہ کام کیلئے ان شاء اللہ کہنے کا بیان

وَسَأَلَهُ أَهْلُ مَكَّةَ عَنْ خَبَرِ أَهْلِ الْكَهْفِ فَقَالَ أُخْبِرُكُمْ بِهِ غَدًا وَلَمْ يَقُلْ إِنْ شَاءَ اللَّه فَنَزَلَ "وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ" أَيْ لِأَجْلِ شَيْءٍ "إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا" أَيْ فِيمَا يُسْتَقْبَلُ مِنَ الزَّمَانِ

جب نبی کریم ﷺ سے اہل مکہ نے اصحاب کہف کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل تمہیں ان کے بارے میں کلی علم بیان کردوں گا۔لیکن آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔اور کسی بھی چیز کی نسبت یہ ہرگز نہ کہا کریں کہ میں اس کام کو کل کرنے والا ہوں۔یعنی آئندہ زمانے کے بارے میں اس طرح نہ فرمائیں بلکہ

بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نوے بیویاں تھیں۔ایک روایت میں ہے سو تھیں۔ایک میں ہے بہتر (۷۲) تھیں تو آپ نے ایک بار کہا کہ آج رات میں ان سب کے پاس جاؤں گا ہر عورت کو بچہ ہوگا تو سب اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے،اس وقت فرشتے نے کہا انشاء اللہ کہہ۔مگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے نہ کہا، اپنے ارادے کے مطابق وہ سب بیویوں کے پاس گئے،مگر سوائے ایک بیوی کے کسی کے ہاں بچہ نہ ہوا اور جس ایک کے ہاں ہوا بھی وہ بھی آدھے جسم کا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو یہ ارادہ ان کا پورا ہوتا اور ان کی حاجت روائی ہو جاتی۔اور یہ سب بچے جوان ہو کر راہ حق کے مجاہد بنتے۔(صحیح بخاری)

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَ قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝
مگر یہ کہ اگر اللہ چاہے (یعنی اِنْ شاء اللہ کہہ کر) اور اپنے رب کا ذکر کیا کریں جب آپ بھول جائیں اور کہیں: امید ہے میرا رب مجھے اس سے قریب تر ہدایت کی راہ دکھا دے گا۔

اصحاب کہف کے واقعہ سے نبوت محمدی ﷺ پر دلالت کا بیان

"إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّه" أَيْ إِلَّا مُلْتَبِسًا بِمَشِيئَةِ اللَّه تَعَالَى بِأَنْ تَقُول إِنْ شَاءَ اللَّه "وَاذْكُرْ رَبَّك" أَيْ مَشِيئَته مُعَلِّقًا بِهَا "إِذَا نَسِيت" وَيَكُون ذِكْرهَا بَعْد النِّسْيَان كَذِكْرِهَا مَعَ الْقَوْل قَالَ الْحَسَن وَغَيْره مَا دَامَ فِي الْمَجْلِس "وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنِي رَبِّي لِأَقْرَب مِنْ هَذَا" مِنْ خَبَر أَهْل الْكَهْف فِي الدَّلَالَة عَلَى نُبُوَّتِي "رَشَدًا" هِدَايَة وَقَدْ فَعَلَ اللَّه ذَلِكَ،

مگر یہ کہ اگر اللہ چاہے یعنی ان شاء اللہ کہا کریں تا کہ اس کام میں اللہ کی مرضی شامل ہو جائے۔ اور اپنے رب کا ذکر کیا کریں یعنی اس وعدہ کو مشیئت پر معلق کر دیا کریں۔ جب آپ بھول جائیں یعنی جب بھول جانے کے بعد یاد آجائے۔ تو جب تک مجلس میں ہیں ان شاء اللہ کہہ دیا کریں یہ کافی ہو جائے گا امام حسن وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور کہیں: امید ہے میرا رب مجھے اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ دکھا دے گا۔ کیونکہ اصحاب کہف کا واقعہ میری نبوت پر دلیل ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان کر دیا ہے۔

سورہ کہف آیت ۲۴ کے شان نزول کا بیان

اہل مکہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اصحاب کہف کا حال دریافت کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل بتاؤں گا اور ان شاء اللہ نہیں فرمایا تھا، کئی روز وحی نہیں آئی پھر یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر خازن، سورہ کہف، بیروت)

وَ لَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَ ازْدَادُوْا تِسْعًا○
اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو (سال) زیادہ رہے۔

اصحاب کہف کا تین سو نو سال حالت نیند میں رہنے کا بیان

"وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاث مِائَة" بِالتَّنْوِينِ "سِنِينَ" عَطْف بَيَان لِثَلَاثِ مِائَةٍ وَهَذِهِ السُّنُونَ الثَّلَاث مِائَةٍ عِنْد أَهْل الْكَهْف شَمْسِيَّة وَتَزِيد الْقَمَرِيَّة عَلَيْهَا عِنْد الْعَرَب تِسْع سِنِينَ وَقَدْ ذُكِرَتْ فِي قَوْله "وَازْدَادُوا تِسْعًا" أَيْ تِسْع سِنِينَ فَالثَّلَاث مِائَةِ الشَّمْسِيَّة : ثَلَاث مِائَةٍ وَتِسْع قَمَرِيَّة

یہاں پر مأۃ یہ تنوین کے ساتھ آیا ہے۔ اور سنین یہ ثلاث ماۃ کا عطف بیان ہے۔ اور یہ اصحاب کہف کے نزدیک یہ تین سو سال شمسی ہیں جبکہ اہل عرب کے نزدیک قمری سالوں کے حساب سے نو سال زیادہ ہیں۔ لہٰذا تین سو نو سال قمری تقویم کے مطابق ہوئے۔ لہٰذا تین سو سال شمسی جبکہ تین سو نو سال قمری ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم ﷺ کو اس مدت کو بیان کرتا ہے، جو اصحاب کہف نے اپنے سونے کے زمانے میں گزاری کہ وہ مدت سورج کے حساب سے تین سو سال کی تھی اور چاند کے حساب سے تین سو نو سال کی تھے۔ فی الواقع شمسی اور قمری سال میں سو سال پر تین سال کر فرق پڑتا ہے، اسی لئے تین سو الگ بیان کر کے پھر نو الگ بیان کئے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ
مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا○
فرما دیجئے: اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت ٹھہرے رہے، آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اسی کے علم میں ہیں، کیا خوب
دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے، اس کے سوا ان کا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم و سننے سے کچھ پوشیدہ نہ ہونے کا بیان

"قُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا" مِمَّنْ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَهُوَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ "لَهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" أَيْ عِلْمه "أَبْصِرْ بِهِ" أَيْ بِاللّٰهِ هِيَ صِيغَة تَعَجُّب "وَأَسْمِعْ" بِهِ كَذٰلِكَ بِمَعْنَى مَا أَبْصَرَهُ وَمَا أَسْمَعَهُ وَهُمَا عَلَى جِهَة الْمَجَاز وَالْمُرَاد أَنَّهُ تَعَالَى لَا يَغِيب عَنْ بَصَره وَسَمْعه شَيْء "مَا لَهُمْ" لِأَهْلِ السَّمَاوَات وَالْأَرْض "مِنْ دُونه مِنْ وَلِيّ" نَاصِر "وَلَا يُشْرِك فِي حُكْمه أَحَدًا" لِأَنَّهُ غَنِيّ عَنْ الشَّرِيك

فرما دیجئے، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنی مدت وہاں ٹھہرے رہے، یعنی جس میں انہوں نے اختلاف کیا جو اس سے پہلے ذکر ہوئی ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سب پوشیدہ باتیں اسی کے علم میں ہیں، کیا خوب دیکھنے والا، یہاں پر ابصر بہ یہ صیغہ فعل تعجب کا ہے اور کیا خوب سننے والا ہے، یہ بھی اسی طرح تعجب کا صیغہ ہے اور یہ دونوں مجازی طور پر ہیں۔ مراد یہ ہے کوئی بھی چیز اللہ کے دیکھنے اور سننے سے غائب نہیں ہے۔ اس کے سوا ان کا زمین و آسمان میں نہ کوئی مددگار ہے اور نہ دوست ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک فرماتا ہے۔ کیونکہ وہ شرک سے بے نیاز ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○
اور آپ وہ پڑھ کر سنائیں جو آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں
اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

کتاب اللہ میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکنے کا بیان

"وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَاب رَبّك لَا مُبَدِّل لِكَلِمَاتِهِ وَلَنْ تَجِد مِنْ دُونه مُلْتَحَدًا" مَلْجَأ

اور آپ وہ کلام پڑھ کر سنائیں جو آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں اور آپ اس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اتل۔ تلاوۃ سے امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر۔ تو پڑھ۔ تو تلاوت کر۔ اوحی۔ ماضی مجہول۔ وحی کی گئی۔ حکم بھیجا گیا۔ صیغہ واحد مذکر غائب۔ من كتاب ربك اى من القران ۔مبدل ۔اسم فاعل۔ واحد مذکر۔ تبدیل مصدر۔ بدلنے والا۔ منصوب بوجہ عمل لا کے ہے۔ ملتحدا۔ اسم ظرف۔ بروزن اسم مفعول التحاد (افتعال) مصدر۔ پناہ کی جگہ۔ یا باب افتعال سے مصدر میمی ہے۔ بمعنی پناہ۔ اللحد ۔اس گڑھے یا شگاف کو کہتے ہیں کہ جو قبر کی ایک جانب بنایا جاتا ہے۔ الحداِلی۔ کسی کی طرف مائل ہونا۔ کسی کی طرف نسبت کرنا۔ جیسے لسان الذی یلحدون الیہ ، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ نسبت کرتے ہیں (عجمی ہے) الحد عن۔ پھرنا

مثلاً الحد عن الدین وہ دین سے پھر گیا۔ اسی سے ملحد جو دین سے پھر گیا ہو۔ اور الحاد (باب افعال) دین سے پھر جانا ہے

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ
وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ
عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○
تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں
تیری نگاہیں ان سے نہ ہٹیں، کیا تو دنیوی زندگی کی آرائش چاہتا ہے، اور تو اس شخص کی اطاعت بھی نہ کر جس کے دل کو ہم نے
اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

اخلاص سے عبادت کرنے والوں کا بیان

"وَاصْبِرْ نَفْسكَ" احْبِسْهَا "مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبّهمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيّ يُرِيدُونَ" بِعِبَادَتِهِمْ "وَجْهه" تَعَالَى لَا شَيْئًا مِنْ أَغْرَاض الدُّنْيَا وَهُمْ الْفُقَرَاء "وَلَا تَعْدُ" تَنْصَرِف "عَيْنَاك عَنْهُمْ" عَبَّرَ بِهِمَا عَنْ صَاحِبهمَا "تُرِيد زِينَة الْحَيَاة الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبه عَنْ ذِكْرنَا" أَيْ الْقُرْآن هُوَ عُيَيْنَة بْن حِصْن وَأَصْحَابه "وَاتَّبَعَ هَوَاهُ" فِي الشِّرْك "فُرُطًا" إسْرَافًا

(اے میرے بندے!) تو اپنے آپ کو ان لوگوں کی سنگت میں جمائے رکھا کر جو صبح و شام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں یعنی اس کی عبادت کرتے ہیں اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں یعنی دنیا کوئی غرض نہیں ہے اور وہ فقراء ہیں۔ (اس کی دید کے متمنی اور اس کا مکھڑا تکنے کے آرزو مند ہیں) تیری (محبت اور توجہ کی) نگاہیں ان سے نہ ہٹیں، یہاں پر لفظ عین بول کر صاحب عین مراد ہے۔ کیا تو (ان فقیروں سے دھیان ہٹا کر) دنیوی زندگی کی آرائش چاہتا ہے، اور تو اس شخص کی اطاعت بھی نہ کر، جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر یعنی قرآن سے غافل کر دیا ہے اور وہ عیینہ بن حصن اور ان کے ساتھی ہیں۔ اور وہ شرک میں اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا حال حد سے گزر گیا ہے۔

سورہ کہف آیت ۲۸ کے شان نزول کا بیان

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے کہ مولفۃ القلوب میں سے عیینہ بن حصن، الاقرع بن حابس اور ان کے قرابت دار رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ صدر مجلس میں بیٹھیں اور ان جبہ پوش لوگوں کو ہم سے دور رکھیں ان سے مراد ان کی سلمان، ابوذر اور نادار مسلمان تھے ان پر اونی جبے پڑے ہوتے تھے ان جبوں کے سوا ان کے تن بدن پر اور کچھ نہ ہوتا تھا تو ہم آپ کے ساتھ مل بیٹھتے آپ کے ساتھ باتیں کرتے اور آپ سے باتیں سنتے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل کی۔

واتل مااوحی الیك من کتاب ربك لامبدل سے انا اعتدنا للظالمین نارا ۔اس آیت میں انہیں دوزخ کی آگ کا ڈراوادیا گیا ہے اس کے بعد نبی اکرم انہیں تلاش کرنے اٹھ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ آپ نے ان کو مسجد کے پچھواڑے میں پایا وہ وہاں اللہ کا ذکر کررہے تھے آپ نے فرمایا اس ذات باری کا شکر ہے جس نے تب تک موت نہیں دی جب تک کہ مجھے اپنی امت کے لوگوں کے ساتھ اپنے نفس پر صبر کرنے کا حکم نہیں دیا تمہارے ہی ساتھ میرا جینا مرنا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ کہف، بیروت)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّآ اَعْتَدْنَا
لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ
يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝
اور فرمادیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے، بیشک ہم نے
ظالموں کے لئے آگ تیار کررکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیرلیں گی، اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی ایسے پانی سے
کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جو ان کے چہروں کو بھون دے گا، کتنا برا مشروب ہے، اور کتنی بری آرام گاہ ہے۔

اہل جہنم کے چہروں کو بھون دینے والے پانی کا بیان

"وَقُلْ" لَهُ وَلِأَصْحَابِهِ هَذَا الْقُرْآن "الْحَقّ مِنْ رَبّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" تَهْدِيد لَهُمْ "إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ" أَيْ الْكَافِرِينَ "نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقهَا" مَا أَحَاطَ بِهَا "وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ" كَعَكَرِ الزَّيْت "يَشْوِي الْوُجُوه" مِنْ حَرّه إِذَا قُرِّبَ إِلَيْهَا "بِئْسَ الشَّرَاب" هُوَ "وَسَاءَتْ" أَيْ النَّار "مُرْتَفَقًا" تَمْيِيز مَنْقُول عَنْ الْفَاعِل أَيْ قَبُحَ مُرْتَفَقهَا وَهُوَ مُقَابِل لِقَوْلِهِ الْآتِي فِي الْجَنَّة "وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا" وَإِلَّا فَأَيّ ارْتِفَاق فِي النَّار،

اور آپ اس سے اور اس کے ساتھیوں سے فرمادیجئے کہ یہ حق یعنی قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے، پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے، اس میں ان کیلئے تہدید ہے۔ بیشک ہم نے ظالموں یعنی کافروں کے لئے دوزخ کی آگ تیار کررکھی ہے۔ جس کی دیواریں انہیں گھیرلیں گی، اور اگر وہ پیاس اور تکلیف کے باعث فریاد کریں گے تو ان کی فریادرسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہوگا جس کو چہروں کے جیسے ہی قریب کیا جائے گا۔ تو وہ اپنی حرارت سے ان کے چہروں کو بھون دے گا، کتنا برا مشروب ہے، اور کتنی بری آرام گاہ ہے۔ جو جہنم ہے۔ یہاں مرتفقا تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے۔ یعنی قبح مرتفقھا اور آنے والے قول جو جنت کے بارے میں حسنت مرتفقا ہے اس کے مقابلے میں لایا گیا ہے۔ کیونکہ آگ میں آرام کہاں ہوتا ہے۔

اہل جہنم کیلئے پینے کے پانی کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قرآنی کے ان الفاظ (تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ، المؤمنون:104) کی وضاحت میں فرمایا کہ دوزخ کی آگ کافر کے منہ (کے گوشت) کو بھون ڈالے گی جس سے اس کے اوپر کا ہونٹ اوپر کو سمٹ جائے گا یہاں تک کہ سر کے درمیانی حصہ تک پہنچے گا اور نیچے کا ہونٹ لٹک جائے گا یہاں تک کہ ناف تک پہنچ جائے گا۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 247)

قرآن کی مذکورہ جس آیت میں ہے وہ پوری یوں ہے۔ جہنم کی آگ ان دوزخیوں کے چہروں کو جھلستی ہوگی اور اس جہنم میں ان کے چہرے بگڑے ہوں گے۔ "لفظ" کالح" سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کا ہونٹ سکڑ کر اوپر چڑھ گیا ہو اور دانت کھل گئے ہوں بعض مفسرین نے تو کالحون کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ان کی تیوریاں چڑھی ہوئی ہوں گی" اور بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ ان کے دانت کھلے ہوں گے!" یہ دوسرا ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ وضاحت کے زیادہ مناسب ہے لیکن ان کے چہرے بگڑے ہوں گے "ایک ایسا ترجمہ ہے جس میں لغوی معنی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت، سب کی رعایت ہو جاتی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًاo
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یقیناً ہم اس شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے جو نیک عمل کرتا ہے۔

ایمان وعمل صالح والوں کے اعمال کے ضائع نہ ہونے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات إِنَّا لَا نُضِيع أَجْر مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا" الْجُمْلَة خَبَر إِنَّ الَّذِينَ وَفِيهَا إِقَامَة الظَّاهِر مَقَام الْمُضْمَر وَالْمَعْنَى أَجْرهمْ أَيْ نُثِيبهُمْ بِمَا تَضَمَّنَهُ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یقیناً ہم اس شخص کا اجر ضائع نہیں کرتے جو نیک عمل کرتا ہے۔ یہ جملہ ان الذین کی خبر ہے۔ اور یہاں اسم ظاہر کی جگہ پر اسم ضمیر کو لایا گیا ہے اور اس کا معنی اجرھم ہے یعنی ہم انہیں ثواب عطا کریں گے۔ جو ذکر کردہ تمام لوگوں کو شامل ہوگا۔

یہ اللہ، رسول اور کتاب کے ماننے والے نیک عمل کرنے والے ہوتے ہیں ان کے لئے ہمیشہ والی دائمی جنتیں ہیں، ان کے بالا خانوں کے اور باغات کے نیچے نہریں لہریں لے رہی ہیں۔ انہیں زیورات خصوصا سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے ان کا لباس وہاں خالص ریشم کا ہوگا، نرم باریک اور نرم موٹے ریشم کا لباس ہوگا، یہ با آرام، شاہانہ شان سے مسندوں پر جو تختوں پر ہوں گے، تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ کہا گیا ہے کہ لیٹنے اور چار زانوں بیٹھنے کا نام بھی یہی قول ہیں ارایک جمع ہے اریکہ کی تخت چھپر کھٹ وغیرہ کو کہتے ہیں۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کتنی ہی اچھی اور آرام دہ جگہ ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ

مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى

الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں انہیں کچھ کنگن سونے کے

پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور گاڑھے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، ان میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے۔

اچھا بدلہ ہے اور اچھی آرام گاہ ہے۔

اہل جنت کیلئے حجلہ عروسی میں رہنے کا بیان

"أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّات عَدْن" إِقَامَة "تَجْرِي مِنْ تَحْتهمْ الْأَنْهَار يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِر" قِيلَ مِنْ زَائِدَة وَقِيلَ لِلتَّبْعِيضِ وَهِيَ جَمْع أَسْوِرَة كَأَحْمِرَةٍ جَمْع سِوَار "مِنْ ذَهَب وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُس" مَا رَقَّ مِنْ الدِّيبَاج "وَإِسْتَبْرَق" مَا غَلُظَ مِنْهُ وَفِي آيَة الرَّحْمَن "بَطَائِنهَا مِنْ إِسْتَبْرَق" "مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِك" جَمْع أَرِيكَة وَهِيَ السَّرِير فِي الْحَجَلَة وَهِيَ بَيْت يُزَيَّن بِالثِّيَابِ وَالسُّتُور لِلْعَرُوسِ "نِعْمَ الثَّوَاب" الْجَزَاء الْجَنَّة، وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا،

یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے باغات ہیں، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں انہیں کچھ کنگن سونے کے پہنائے جائیں گے۔ کہا گیا ہے کہ یہاں پر من زائدہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ من تبعیضیہ ہے۔ اور یہ اسورۃ کی جمع ہے جس طرح احمرۃ ہے اور اس کی جمع سوار ہے۔ اور وہ باریک اور گاڑھے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، جس طرح سورہ رحمٰن میں آیا ہے "بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَق" کہ ان کے بستر موٹے ریشم کے ہوں گے۔ ان میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے۔ یہاں پر ارائک یہ اریکہ کی جمع ہے اور وہ حجلہ میں تخت ہے حجلہ وہ مکان ہے جس کو پردوں اور کپڑوں سے دلہن کیلئے سجایا جاتا ہے۔ اچھا بدلہ یعنی جنت ہے۔ ہے اور اچھی آرام گاہ ہے۔

سونے کے کنگنوں کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ قدیم زمانہ میں یہ دستور رہا ہے کہ بادشاہ سونے کے کنگن پہنا کرتے تھے گویا اہل جنت وہاں شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے رہیں گے۔ پہننے کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ ریشمی کپڑے ہوں گے اور بیٹھنے کے لیے اونچی اونچی مسندیں۔ واضح رہے کہ اس دنیا میں سونے اور ریشمی کپڑوں کا استعمال مردوں کے لیے جائز نہیں لیکن جنت میں جائز ہوگا بلکہ ایسے ہی جیسے اس دنیا میں شراب سب مردوں عورتوں پر حرام ہے مگر جنت کی شراب خالص اہل جنت کے لیے بیش بہا نعمت ہوگی۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّ حَفَفْنٰهُمَا
بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا٥
اور آپ ان سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کریں جن میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو باغات بنائے اور ہم نے ان
دونوں کو تمام اطراف سے کھجور کے درختوں کے ساتھ ڈھانپ دیا اور ہم نے ان کے درمیان سرسبز و شاداب کھیتیاں اگا دیں۔

دنیا میں کافر کی مثال کا بیان

"وَاضْرِبْ" اجْعَلْ "لَهُمْ" لِلْكُفَّارِ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ "مَثَلًا رَجُلَيْنِ" بَدَل وَهُوَ وَمَا بَعْده تَفْسِير لِلْمَثَلِ "جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا" الْكَافِر "جَنَّتَيْنِ" بُسْتَانَيْنِ "مِنْ أَعْنَاب وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنهمَا زَرْعًا" يُقْتَات بِهِ،

اور آپ ان سے یعنی کفار بمع اہل ایمان سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کریں۔ یہاں پر رجلین یہ مثلا بدل ہے اور اس کا مابعد اس کی تفسیر ہے۔ جن میں سے ایک یعنی کافر کے لئے ہم نے انگور کے دو باغات بنائے اور ہم نے ان دونوں کو تمام اطراف سے کھجور کے درختوں کے ساتھ ڈھانپ دیا اور ہم نے ان کے درمیان سرسبز و شاداب کھیتیاں اگا دیں۔

جو شخص کافر و مشرک اور دو باغوں کا مالک تھا اس آیت میں اس کے باغوں کی بہار کا منظر پیش کیا گیا ہے یعنی ان دونوں کے درمیانی حصہ میں کھیتی باڑی ہوتی تھی اور غلہ اگتا تھا۔ اردگرد پھل دار درخت تھے پھر ان باغوں کی چار دیواری کھجوروں کے درختوں کی تھی جن پر انگور کی بیلیں چڑھائی گئی تھیں۔ ان دونوں باغوں کے درمیان ایک نہر جاری تھی جو انہیں سیراب کرتی اور آپس میں ملاتی تھی۔ زمین زرخیز و شاداب تھی لہٰذا پھل دار درخت بھی بھرپور پھل لاتے اور غلہ بھی وافر مقدار میں پیدا ہوتا تھا۔ گویا اس شخص کو بیٹھنے کے لیے ٹھنڈی چھاؤں، پینے کے لیے ٹھنڈا پانی، کھانے کو با افراط غلہ' پھل اور دیکھنے کو خوش نما منظر سب کچھ موجود تھا جس پر وہ پھولا نہ سماتا تھا۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا٥
دونوں باغوں نے اپنا پھل دیا اور اس سے کچھ کمی نہ کی اور ہم نے دونوں کے درمیان ایک نہر جاری کر دی۔

دونوں باغات کے درمیان نہر جاری کر دینے کا بیان

"كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ" كِلْتَا مُفْرَد يَدُلّ عَلَى التَّثْنِيَة مُبْتَدَأ "آتَتْ" خَبَره "أُكُلهَا" ثَمَرهَا "وَلَمْ تَظْلِم" تَنْقُص "وَفَجَّرْنَا" أَيْ شَقَقْنَا "خِلَالهمَا نَهَرًا" يَجْرِي بَيْنهمَا

دونوں باغوں نے اپنا پھل دیا یہاں پر کلتا مفرد ہے جس کی دلالت تثنیہ پر ہے یہ مبتداء ہے اور اتت اس کی خبر ہے۔ اور اس

سے کچھ کمی نہ کی اور ہم نے دونوں کے درمیان ایک نہر جاری کردی۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

کلتا۔تاکید تثنیہ مونث کے لئے آتا ہے اس کا استعمال تثنیہ مذکر کلا کی طرح ہے ہر دو۔دونوں۔دونوں میں سے ہر ایک۔ اکلھا۔مضاف مضاف الیہ۔اس کا میوہ۔اس کا پھل۔ھا ضمیر واحد مونث غائب دونوں جنتوں میں سے ہر ایک جنت کے لئے ہے۔ کلتا الجنتین اتت اکلھا۔یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے۔لم تظلم۔مضارع واحد مونث غائب نفی حجد بلم اس نے نہ گھٹایا۔ اس نے نہ کم کیا۔اس نے ظلم نہ کیا۔یہاں ظلم کے معنی گھٹانے کے ہیں۔اور کم کرنے کے ہیں۔لم کے استعمال سے مضارع ماضی منفی کے معنی میں ہوگیا ہے۔ضمیر فاعل ہر دو جنتوں میں سے ہر جنت کے لئے ہے یعنی دونوں باغوں میں سے کسی باغ نے بھی پھل لانے میں کوئی کمی نہ کی۔(یعنی ہر دو باغ پورا پورا پھل لائے تھے اور کسی قسم کی کسر نہ اٹھا رکھی تھی)۔منہ میں ضمیر ہُ واحد مذکر غائب اکل (ثمر، پھل) کے لئے ہے۔شیئا۔مفعول کی وجہ سے منصوب ہے۔فجرنا۔ماضی جمع متکلم۔تفجیر (تفعیل) مصدر۔ہم نے بہایا۔ہم نے پھاڑ کر بہایا۔ہم نے پھاڑا۔یعنی ہم نے جاری کر رکھی تھی (ایک نہر) دونوں کے درمیان۔یا ہم نے دونوں باغوں میں نہریں بہا رکھی تھیں۔خللھما مضاف مضاف الیہ۔خلل درمیان۔وسط۔بیچ۔خلل کی جمع ہے جس کے معنی دو چیزوں کے درمیان کشادگی کے ہیں۔

وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَ هُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ۝
اور اس کے لیے بہت سا پھل تھا تو اس نے اپنے ساتھی سے، جب اس سے باتیں کر رہا تھا، کہا میں تجھ سے مال میں زیادہ
اور نفری کے لحاظ سے زیادہ باعزت ہوں۔

دنیاوی مال و اسباب کے سبب تکبر کرنے کا بیان

"وَكَانَ لَهُ" مَعَ الْجَنَّتَيْنِ "ثَمَر" بِفَتْحِ الثَّاء وَالْمِيم وَبِضَمِّهِمَا وَبِضَمِّ الْأَوَّل وَسُكُون الثَّانِي وَهُوَ جَمْع ثَمَرَة كَشَجَرَةٍ وَشَجَر وَخَشَبَة وَخَشَب وَبَدَنَة وَبَدَن "فَقَالَ لِصَاحِبِهِ" الْمُؤْمِن "وَهُوَ يُحَاوِرهُ" يُفَاخِرهُ "أَنَا أَكْثَر مِنْك مَالًا وَأَعَزّ نَفَرًا" عَشِيرَة

اور اس کے لیے بہت سا پھل تھا۔یہاں پر ثمر ثاء اور میم کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے اور ان دونوں کے ضمہ کے ساتھ اور پہلے کے ضمہ اور دوسرے کے سکون کے ساتھ بھی آیا ہے اور یہ ثمرۃ کی جمع ہے جس شجرۃ کی جمع شجر ہے اور خشبۃ کی جمع خشب ہے۔اور بدنۃ کی جمع بدن ہے۔تو اس نے اپنے ساتھی سے، جب اس سے فخریہ انداز میں باتیں کر رہا تھا، کہا میں تجھ سے مال میں زیادہ اور نفری کے لحاظ سے زیادہ باعزت ہوں۔

لوگوں کی نظر بد سے بچنے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز دیکھے اور وہ اس کو

پسند آئے تو اگر اس نے یہ کلمہ کہہ لیا۔

مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی (یعنی وہ پسندیدہ محبوب چیز رہے گی) اور بعض روایات میں ہے کہ جس نے کسی محبوب، پسندیدہ چیز کو دیکھ کر یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس کو نظر بد نہ لگے گی۔ (شعب الایمان)

وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝
اور وہ اپنے باغ میں اس حال میں داخل ہوا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، کہا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہوگا۔

کفر کے ذریعے اپنی جان پر ظلم کرنے کا بیان

"وَدَخَلَ جَنَّته" بِصَاحِبِهِ يَطُوف بِهِ فِيهَا وَيُرِيهِ أَثْمَارهَا وَلَمْ يَقُلْ جَنَّتَيْهِ إرَادَة لِلرَّوْضَةِ وَقِيلَ اكْتِفَاء بِالْوَاحِدِ "وَهُوَ ظَالِم لِنَفْسِهِ" بِالْكُفْرِ "قَالَ مَا أَظُنّ أَنْ تَبِيد" تَنْعَدِم

اور وہ اپنے ساتھی کو باغ میں پھیراتا ہوا اور اس کو پھل دیکھاتا ہوا اس حال میں داخل ہوا، یہاں پر جنتیہ نہیں کہا گیا کیونکہ وہ اس سے ارادہ روضہ ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ کہ وہ کفر کرکے اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا، کہا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہوگا۔

ایک موحد اور ایک کافر ومشرک کی مثال کا بیان

ایک دن وہ اپنے باغ کے پاس کھڑا تھا کہ اس کے مفلس ہمسایہ کا ادھر سے گذر ہوا تو اس سے اپنی شیخی بگھارنے بیٹھ گیا اور اس سے کہنے لگا جیسی زندگی تم گزار رہے ہو میں بہر حال تم سے بہتر ہوں۔ مالدار بھی اور اولاد بھی کافی ہے یہی باتیں کہتے کہتے وہ اپنے ہمسایہ کو لیے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے اس باغ پر اتنی محنت کی ہے اور ایسے انتظامات مکمل کر دیے ہیں کہ کم از کم میری زندگی میں یہ باغ اجڑ نہیں سکتا اور جس قیامت کی تم باتیں کرتے رہتے ہو، اول تو مجھے اس کا یقین ہی نہیں اور اگر قائم ہوئی بھی جیسا کہ تم کہتے ہو تو جس خدا نے مجھ پر اس دنیا میں اتنی مہربانی اور اپنا فضل کیا ہے آخر وہ اس زندگی میں مجھ پر کیوں فضل نہ کرے گا؟ اور قریشی سرداروں کا بھی یہی نظریہ تھا۔

اس آیت میں دراصل دنیادار لوگوں کے اس غلط نظریہ کی تردید کی گئی ہے کہ اگر انہیں اس دنیا میں آسودہ حالی مہیا ہے تو یہ اللہ کی ان پر خوشنودی کی دلیل ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے سخت آزمائش میں پڑے ہوتے ہیں کہ آیا وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں یا اس کے نافرمان بن کر رہتے ہیں لیکن وہ یہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ جنت تو ہمیں مل ہی گئی ہے اب اور کون سی جنت ہے جسے حاصل کرنے کی فکر کریں۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ٥

اور نہ میں قیامت کو گمان کرتا ہوں کہ قائم ہونے والی ہے اور واقعی اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

دنیاوی دولت کے نشہ میں قیام قیامت کو بھول جانے کا بیان

"وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْت إِلَى رَبِّي" فِي الْآخِرَة عَلَى زَعْمك "لَأَجِدَن خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا" مَرْجِعًا

اور نہ میں قیامت کو گمان کرتا ہوں کہ قائم ہونے والی ہے اور واقعی اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً میں ضرور اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا۔

آخرت کے قریب ہو جانے کا بیان

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مشہور حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، میرے بیٹے! جس بات (یعنی مردوں کا دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا، حساب اور ثواب وعذاب وغیرہ) کا لوگوں سے وعدہ کیا گیا تھا، اس کی مدت (از آدم تا ایں دم) ان پر دراز ہو گئی حالانکہ لوگ آخرت کی طرف تیزی سے چلے جا رہے ہیں۔ اور میرے بیٹے! جس وقت تم پیدا ہوئے تھے اسی وقت سے تمہاری پیٹھ دنیا کی طرف اور تمہارا رخ آخرت کی طرف ہے (یعنی تم اپنی پیدائش کے دن سے گویا دنیا کو پیچھے چھوڑتے چلے آ رہے ہو اور آخرت کی طرف بڑھتے جا رہے ہو) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس گھر اور مقام کی طرف تم جا رہے ہو وہ تم سے اس گھر اور مقام کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے جس کو تم چھوڑ کر جا رہے ہو۔ (رزین، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1145)

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰٮكَ رَجُلًا ٥

اس کے ساتھی نے، جب کہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس سے کہا کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک قطرے سے، پھر تجھے ٹھیک ٹھاک ایک آدمی بنا دیا۔

عاجز مٹی سے پیدا ہونے والے کیلئے تکبر مناسب نہ ہونے کا بیان

"قَالَ لَهُ صَاحِبه وَهُوَ يُحَاوِرهُ" يُجَاوِبهُ "أَكَفَرْت بِالَّذِي خَلَقَك مِنْ تُرَاب" لِأَنَّ آدَم خُلِقَ مِنْهُ "ثُمَّ مِنْ نُطْفَة" مَنِيّ "ثُمَّ سَوَّاك" عَدَلَك وَصَيَّرَك

اس کے ساتھی نے، جب کہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس سے کہا کیا تو نے اس کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھے حقیر مٹی سے پیدا کیا، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے تخلیق کیا گیا۔ پھر منی کے ایک قطرے سے، پھر تجھے ٹھیک ٹھاک ایک آدمی بنا دیا۔ یعنی

پھر تجھے صحیح سالم بنایا۔

یہ مشرک مالدار اللہ کی ہستی کا منکر نہ تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا ہے۔ یہ اسی کی مہربانی ہے البتہ وہ روز آخرت اور اللہ کے سامنے جواب دہی کا منکر تھا جسے اللہ کے انکار کے مترادف یا کفر قرار دیا گیا ہے کیونکہ آخرت میں سزا اور جزاء کا انکار دراصل اللہ کی صفت عدل کا انکار ہے علاوہ ازیں یہ سمجھ لینا کہ میرا مال و دولت اور شان وشوکت میری اپنی ہی قابلیت کا نتیجہ ہے کسی کا عطیہ نہیں اور کوئی مجھ سے چھیننے والا نہیں یہ بھی حقیقتاً اللہ کی کئی صفات کا انکار ہے اور ایسا شخص اللہ کو اپنا مالک آقا اور فرمانروا ہونے کی حیثیت سے نہیں مانتا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّىْۤ اَحَدًا٥
لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں۔

اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے کا بیان

"لٰكِنَّا" أَصله لٰكِنْ أَنَا نُقِلَتْ حَرَكَةُ الْهَمْزَةِ إِلَى النُّون أَوْ حُذِفَتْ الْهَمْزَة ثُمَّ أُدْغِمَتْ النُّون فِي مِثْلهَا "هُوَ" ضَمِير الشَّأْن تُفَسِّرهُ الْجُمْلَة بَعْده وَالْمَعْنَى أَنَا أَقُول

لیکن میں تو یہی کہتا ہوں، یہاں پر لکنا اصل میں لکن انا تھا تو ہمزہ کی حرکت کو نون کی طرف نقل کیا گیا ہے یا ہمزہ کو حذف کیا گیا ہے اور نون کا نون میں ادغام کیا گیا ہے۔ یہاں پر ھو ضمیر شان ہے اس کے بعد والا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ اور معنی یہ ہے میں کہتا ہوں۔ کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لکنا۔ اصل میں لکن انا ہے۔ عبارت یوں ہے لکن انا ھو اللہ ربی۔ اس کی ترکیب یہ ہے انا مبتدا اول ھو مبتدا ثانی۔ اللہ مبتدا ثالث۔ ربی مبتدا ثالث کی خبر۔ دونوں مل کر مبتدا ثانی کی خبر یہ اپنی خبر سے مل کر انا مبتدا اول کی خبر۔ لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میرا تو عقیدہ ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جو میرا رب ہے ھو ضمیر شان ہے اللہ کے لئے۔

وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا٥
اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا" جو اللہ نے چاہا، کچھ قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے
"اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم تر ہوں۔

اپنے کاموں میں اللہ کی طاقت کے اظہار کا بیان

"وَلَوْلَا" هَلَّا "إِذْ دَخَلْت جَنَّتك قُلْت" عِنْد إِعْجَابك بِهَا هٰذَا "مَا شَاءَ اللّٰه لَا قُوَّة إِلَّا بِاللّٰهِ" وَفِي الْحَدِيث "مَنْ أُعْطِيَ خَيْرًا مِنْ أَهْل أَوْ مَال فَيَقُول عِنْد ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰه لَا قُوَّة إِلَّا بِاللّٰهِ لَمْ يَرَ فِيهِ

مَكْرُوهًا " "إِنْ تَرَنِ أَنَا" ضَمِير فَصْل بَيْنَ الْمَفْعُولَيْنِ

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے پسند کرتے ہوئے یہ کیوں نہ کہا "جو اللہ نے چاہا، کچھ قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے"، حدیث مبارکہ میں ہے، جس کو اچھا اہل یا مال دیا گیا تو اس نے اس کیلئے "جو اللہ نے چاہا، کچھ قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے" تو وہ اس مال میں ناپسندیدگی نہ دیکھے گا۔ اگر تو مجھے دیکھتا ہے، یہاں پر انا ضمیر دو مفعولوں کے درمیان بطور فصل لائی گئی ہے۔ میں مال اور اولاد میں تجھ سے کم تر ہوں۔

ابو یعلی موصلی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس بندے پر اللہ اپنی کوئی نعمت انعام فرمائے اہل وعیال ہوں، دولتمندی ہو، پھر وہ اس کلمہ کو کہہ لے تو اس میں کوئی آنچ نہ آئے گی سوائے موت کے پھر آپ اس آیت کی تاویل کرتے۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں جنت کا ایک خزانہ بتادوں؟ وہ خزانہ لاحول قوۃ الا باللہ کہنا ہے۔ اور روایت میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے مان لیا اور اپنا معاملہ میرے اس بندے نے مان لیا اور اپنا معاملہ میرے سپرد کر دیا۔

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝
تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کر دے اور اس پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے تو وہ چٹیل میدان ہو جائے۔

کڑک و آسمانی بجلی کے ذریعے عذاب آنے کا بیان

"فَعَسَى رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِنْ جَنَّتك " جَوَاب الشَّرْط "وَيُرْسِل عَلَيْهَا حُسْبَانًا " جَمْع حُسْبَانَة أَيْ صَوَاعِق "مِنْ السَّمَاء فَتُصْبِح صَعِيدًا زَلَقًا" أَرْضًا مَلْسَاء لَا يَثْبُت عَلَيْهَا قَدَم

تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کر دے، یہ جملہ جواب شرط ہے اور اس پر آسمان سے کوئی عذاب بھیج دے، یہاں پر حسبانا یہ حسبانہ کی جمع ہے۔ یعنی آسمان سے کڑک بھیج دے تو وہ چٹیل میدان ہو جائے۔ یعنی زمین کو ایسا چکنا بنادیں کہ اس پر قدم نہ ٹھہر سکے۔

حُسْبَانًا اس لفظ کی تفسیر حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے مطلق عذاب سے کی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آگ سے اور بعض نے پتھراؤ سے، اس کے بعد جو قرآن میں آیا ہے اس میں ظاہر یہ ہے کہ اس کے باغ اور تمام مال وزر اور سامان عیش پر کوئی بڑی آفت آپڑی، جس نے سب کو برباد کر دیا۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝
یا اس کا پانی زمین کی گہرائی میں چلا جائے پھر تو اسے حاصل کرنے کی طاقت بھی نہ پا سکے۔

پانی کا زمین کی گہرائی میں چلے جانے کا بیان

"أَوْ يُصْبِح مَاؤُهَا غَوْرًا" بِمَعْنَى غَائِرًا عَطْف عَلَى يُرْسِل دُون تُصْبِح لِأَنَّ غَوْر الْمَاء لَا يَتَسَبَّب عَنْ

الصَّوَاعِق "فَلَنْ تَسْتَطِيع لَهُ طَلَبًا" حِيلَة تُدْرِكهُ بِهَا

یا اس کا پانی زمین کی گہرائی میں چلا جائے۔ یہاں غورا یہ بہ معنی غائر ہے اس کا عطف یرسل پر ہے جبکہ تصبح پر نہیں ہے کیونکہ پانی کے اترنے کا سبب بجلیاں نہیں ہیں۔ پھر تو اسے حاصل کرنے کی طاقت بھی نہ پا سکے۔ یعنی تیرے پاس کوئی ایسی تدبیر نہ ہوگی جس کے سبب تو اس پانی کو حاصل کر سکے۔

سورہ کہف آیت ۴۱ کے الفاظ کے معانی کا بیان

غورا۔ غار یغور سے مصدر ہے پانی کا زمین کے اندر گھس جانا۔ کسی چیز کا اندر کی طرف چلے جانا۔ نشیبی جگہ۔ گڑھا۔ غارت عینہ۔ اس کی آنکھ اندر کو گھس گئی۔ غیار بھی مصدری معنی میں استعمال ہوتا ہے بمعنی سورج کا غروب ہونا۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

هل الدهر الا ليلة ونهارها والا طلوع الشمس ثم غيارها ۔

زمانہ نام ہے صرف رات دن اور آفتاب کے طلوع و غروب کا،

آیت ہذا میں مصدر بمعنی اسم فاعل استعمال ہوا ہے یعنی زمین میں گھس کر خشک ہو جانے والا پانی اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے ان اصبح ماء کم غورا فمن یاتیکم بماء معین ،(ملك) اگر تمہارا پانی نیچے کو غائب ہی ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے پاس سوت کا پانی لے آئے۔ او یصبح ماء ھا غورا یا اس کا پانی بالکل زمین کے اندر اتر جائے۔

لن تستطیع ۔استطاعة (استفعال) سے مضارع نفی حجد بلن صیغہ واحد مذکر حاضر تو نہ کر سکے گا۔ لن تستطیع له طلبا ۔ جس کو تو طلب کرے تو بھی نہ پا سکے۔

وَ اُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا
وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا۝
اور اس کا سارا پھل مارا گیا تو اس نے اس حال میں صبح کی کہ اپنی ہتھیلیاں ملتا تھا اس پر جو اس میں خرچ کیا تھا اور وہ
اپنی چھتوں سمیت گرا ہوا تھا اور کہتا تھا اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔

مشرک کی حسرت وندامت کا بیان

"وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ" بِأَوْجُهِ الضَّبْط السَّابِقَة مَعَ جَنَّته بِالْهَلَاكِ فَهَلَكَتْ "فَأَصْبَحَ يُقَلِّب كَفَّيْهِ" نَدَمًا وَتَحَسُّرًا "عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا" فِي عِمَارَة جَنَّته "وَهِيَ خَاوِيَة" سَاقِطَة "عَلَى عُرُوشهَا" دَعَائِمهَا لِلْكَرْمِ بِأَنْ سَقَطَتْ ثُمَّ سَقَطَ الْكَرْم "وَيَقُول يَا لَيْتَنِي" لِلتَّنْبِيهِ،لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا،

اور اس کا سارا پھل مارا گیا، یہاں پر ثمر میں سابقہ تینوں قراءتیں ہیں۔ یعنی وہ باغ ہلاک ہو گیا۔ تو اس نے اس حال میں صبح کی کہ ندامت وحسرت میں اپنی ہتھیلیاں ملتا تھا۔ اس پر یعنی باغ کی شجر کاری پر جو اس میں خرچ کیا تھا اور وہ اپنی چھتوں سمیت گرا ہوا تھا

یعنی جن چیزوں پر انگور کی بیلیں تھی وہ گریں تو انگور کی بیلیں بھی گر گئیں۔ اور اعتناہ کیلئے وہ کہتا تھا اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔

جب انسان اللہ سے غافل ہوتا ہے تو اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جو ساز و سامان اور مال و اسباب مجھے حاصل ہیں وہ میری محنت، تدبر اور صلاحیت کا نتیجہ ہیں۔ یہی خناس اس شخص کے دماغ میں بھی سمایا ہوا تھا جس کا یہاں ذکر ہے۔ یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ وہ کونسا شرک تھا جس پر وہ اظہار پشیمانی کر رہا ہے کیونکہ اس پورے قصہ میں کسی دیوی دیوتا کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا شرک یہ تھا کہ اس نے فاعل حقیقی اور مسبب الاسباب اللہ کو چھوڑ کر اپنے باغ اور کھیتی کو اپنی محنت و صلاحیت کا ثمر سمجھا۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ؕ
اور اللہ کے سوا اس کا کوئی گروہ نہ تھا جو اس کی مدد کرتے اور نہ وہ بچنے والا تھا۔

اللہ کے سوا کسی کی مدد نہ ہونے کا بیان

"وَلَمْ تَكُنْ" بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ "لَهٗ فِئَةٌ" جَمَاعَة "يَنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰه" عِنْد هَلَاكهَا "وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا" عِنْد هَلَاكهَا بِنَفْسِهِ

یہاں پر لفظ تکن یہ تاء اور یاء دونوں طرح آیا ہے۔ اور اللہ کے سوا اس کا کوئی گروہ یعنی جماعت نہ تھی۔ جو ہلاکت کے وقت اس کی مدد کرتے اور نہ وہ خود بچنے والا تھا۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فئۃ۔ گروہ۔ بقول راغب وہ گروہ جو باہم مددگار ہو۔ اور ایک دوسرے کی طرف مدد کرنے کے لئے لوٹے۔ الفیی الفیئۃ کے معنی اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے کے ہیں جیسے قرآن مجید میں آیا ہے فان فاء وا) اگر وہ لوٹ آئیں۔ رجوع کر لیں۔

ینصرونہ کہ وہ اس کی مدد کریں (نصر ینصر) سے جمع مذکر غائب ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب۔ فعل جمع مذکر غائب اس لئے لایا گیا ہے کہ فئۃ میں جمعیت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ من دون اللہ۔ اللہ کو چھوڑ کر۔ اللہ کے ورے۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ اللہ کے مقابلہ میں۔ منتصرا۔ اسم فاعل واحد مذکر منصوب انتصار (افتعال) مصدر۔ بدلہ لینے والا۔ یعنی نہ ہی وہ بدلہ لینے کے قابل تھا۔ انتصر بمعنی غالب آنا۔ بدلہ لینا۔ انتقام لینا۔ قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے ہو الذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون) اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہو تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔ انتصر۔ ظالم سے بچنا۔ انتصر، امتنع من ظالمہ (المعجم الوسیط) وما کان منتصرا۔ الخازن لکھتے ہیں۔ ای ممتنعا لا یقدر علی الانتصار لنفسہ نہ ہی اس کو اپنے آپ کو اس (نقصان) سے بچنے کی قدرت ہوئی (نہ بچا سکا) الخازن۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ۝

وہاں ہر طرح کی مدد اللہ سچے کے اختیار میں ہے، وہ ثواب دینے میں بہتر اور انجام کی رو سے زیادہ اچھا ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا بیان

"هُنَالِكَ" أَيْ يَوْمِ الْقِيَامَةِ "الْوَلَايَةُ" بِفَتْحِ الْوَاوِ النُّصْرَةُ وَبِكَسْرِهَا الْمُلْكُ "لِلّٰهِ الْحَقِّ" بِالرَّفْعِ صِفَةُ الْوَلَايَةِ وَبِالْجَرِّ صِفَةُ الْجَلَالَةِ "هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا" مِنْ ثَوَابِ غَيْرِهِ لَوْ كَانَ يُثِيبُ "وَخَيْرٌ عُقْبًا" بِضَمِّ الْقَافِ وَسُكُونِهَا عَاقِبَةً لِلْمُؤْمِنِينَ وَنَصْبُهُمَا عَلَى التَّمْيِيزِ

وہاں یعنی قیامت کے دن ہر طرح کی مدد اللہ سچے کے اختیار میں ہے، یہاں پر لفظ ولایت واؤ کے فتحہ کے ساتھ جس کا معنی مدد ہے اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ جس کا معنی بادشاہت ہے۔ اور لفظ حق مرفوع بھی آیا ہے جب یہ ولایت کی صفت ہو اور جلالت کی صفت واقع ہونے کی صورت میں مجرور ہے۔ وہ ثواب دینے میں بہتر یعنی اگر اس میں ثواب دیا جائے تو سب سے بہتر اور انجام کی رو سے زیادہ اچھا ہے۔ یہاں پر لفظ عقبا یہ قاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اہل ایمان کا انجام اور تمیز ہونے کی وجہ سے یہ منصوب ہے۔

قیامت کے دن متکبرین کی بے بسی کا بیان

اولایۃ۔ کے معنی موالات اور نصرت کے ہیں یعنی اس مقام پر ہر مومن و کافر کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی کسی کی مدد کرنے پر اور اس کے عذاب سے بچانے پر قادر نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر اس موقع پر بڑے بڑے سرکش اور جبار بھی اظہار ایمان پر مجبور ہو جاتے ہیں، گو اس وقت کا ایمان نافع اور مقبول نہیں۔ جس طرح قرآن نے فرعون کی بابت نقل کیا ہے کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو کہنے لگا۔ امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنوا اسرائیل وانا من المسلمین ۔ سورہ یونس۔ میں اس اللہ پر ایمان لایا جس پر بنو اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ دوسرے کفار کی بابت فرمایا گیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہا ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جن کو ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے ان کا انکار کرتے ہیں سورۃ المومن۔ اگر ولایت واو کے کسرے کے ساتھ ہو تو پھر اس کے معنی حکم اور اختیارات کے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝

اور ان کے لیے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر، جیسے پانی، جسے ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے ساتھ زمین کی نباتات خوب مل جل گئی، پھر وہ چورا بن گئی، جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

زمین کی نباتات سے دنیا کی مثال سمجھانے کا بیان

"وَاضْرِبْ" صَيِّرْ "لَهُمْ" لِقَوْمِكَ "مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" مَفْعُول أَوَّل "كَمَاءٍ" مَفْعُول ثَانٍ "أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ" تَكَاثَفَ بِسَبَبِ نُزُولِ الْمَاءِ "نَبَاتُ الْأَرْضِ" أَوْ امْتَزَجَ الْمَاءُ بِالنَّبَاتِ فَرَوِيَ وَحَسُنَ "فَأَصْبَحَ" صَارَ النَّبَات "هَشِيمًا" يَابِسًا مُتَفَرِّقَةً أَجْزَاؤُهُ "تَذْرُوهُ" تَنْشُرهُ وَتُفَرِّقهُ "الرِّيَاح" فَتَذْهَب بِهِ الْمَعْنَى : شَبَّهَ الدُّنْيَا بِنَبَاتٍ حَسَن فَيَبِسَ فَتَكَسَّرَ فَفَرَّقَتْهُ الرِّيَاح وَفِي قِرَاءَة الرِّيح "وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا" قَادِرًا

اوران کے لیے یعنی اپنی قوم کیلئے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کریں، یہاں اضرب صیر کے معنی میں ہے اور مثل اس کا مفعول اول ہے۔اور کماء اس کا مفعول ثانی ہے۔ جیسے پانی، جسے ہم نے آسمان سے اتارا، تو نزول پانی کے سبب سبزہ اگ آیا۔تو اس کے ساتھ زمین کی نباتات خوب مل جل گئی، یعنی سبزہ وغیرہ آپس میں مل جل گیا۔ اور وہ کتنی اچھی گھاس بن گئی۔ پھر وہ چورا بن گئی، یعنی اس کے اجزاء خشک ہوگئے۔ جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں اور وہ بکھرے پھرتے ہیں۔لہٰذا معنی یہ ہوا کہ دنیا کو سرسبز نبات سے تشبیہ دی گئی ہے جو اس کے بعد خشک ہوگئی اور چورا بن گئی جس کے ٹکڑے اڑتے پھرتے ہیں۔ یہاں پر لفظ ریاح ایک قرأت میں ریح بھی آیا ہے۔اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

دنیا کی زندگی کی مثال کا بیان

دنیا کی زندگی کی مثال نباتات سے اس لیے دی گئی ہے کہ اس کی سب کو فوراً سمجھ آجاتی ہے ورنہ اس دنیا کی ہر جاندار اور بے جان چیز جس میں نباتات بھی شامل ہے انہیں مراحل سے گزرتی ہے۔ زمین پر بارش برسنے سے نباتات اگ آتی ہے پھر وہ بڑی ہوتی اور لہلہاتی ہے جو بن پر آتی ہے تو ہر ایک کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے پھر عروج کے بعد اس میں زوال آنا شروع ہوجاتا ہے اور وہ زرد ہونا شروع ہوجاتی ہے اب اگر اس زرد فصل کو پہلے کی طرح پانی سے سیراب کیا بھی جائے تو دوبارہ اس میں کبھی بہار یا ہریاول نہیں آئے گی اس لیے کہ اس کے انحطاط یا زوال کا دور شروع ہو چکا ہے پھر وہ فصل کاٹ دی جاتی ہے اور اس کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ ہوا اس کے ریزوں اور ذروں کو اڑائے پھرتی ہے۔ انسان کا اپنا بھی یہی حال ہے پیدا ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ اس پر جوانی آتی ہے، قوت آتی ہے۔ اس وقت وہ سب کو خوبصورت لگتا ہے اور سب چیزیں اسے حسین لگتی ہیں ہیں لیکن ایک مقررہ حد پر جاکر اس کا قد و قامت اور اس کی قوت سب کچھ رک جاتا ہے پھر بڑھاپے کا یعنی زوال و انحطاط کا وقت آتا ہے تو اب عمدہ سے عمدہ غذائیں کھائے لیکن اس میں نہ افزائش ہوگی اور نہ وہ اپنے زوال کو روک سکے گا کیونکہ ہر چیز کے طے شدہ اندازے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں ان سے کوئی چیز تجاوز نہیں کرسکتی۔ غرض یہ کہ اس دنیا کی ہر چیز زوال پذیر ہے جو چیز پیدا ہوئی ہے وہ فنا بھی ضرور ہوگی لہٰذا دنیا کے مال و دولت یا اس دنیا کی زندگی پر کبھی گھمنڈ نہ کرنا چاہیے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ اَمَلًا ۝
مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب میں بہتر
اور امید کی رو سے زیادہ اچھی ہیں۔

مال اور اولاد کا دنیا کی زینت ہونے کا بیان

"اَلْمَال وَالْبَنُوْنَ زِينَة الْحَيَاة الدُّنْيَا" يَتَجَمَّل بِهِمَا فِيهَا "وَالْبَاقِيَات الصَّالِحَات" هِيَ سُبْحَان اللّٰه وَالْحَمْد لِلّٰهِ وَلَا إِلَه إِلَّا اللّٰه وَاَللّٰه أَكْبَر زَادَ بَعْضهمْ وَلَا حَوْل وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاَللّٰهِ "خَيْر عِنْد رَبّك ثَوَابًا وَخَيْر أَمَلًا" أَيْ مَا يَأْمُلهُ الْإِنْسَان وَيَرْجُوهُ عِنْد اللّٰه تَعَالَى

مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں یعنی دنیا میں ان دونوں کے ساتھ خوبصورتی ہے۔اور باقی رہنے والی نیکیاں "سُبْحَان اللّٰه وَالْحَمْد لِلّٰهِ وَلَا إِلَه إِلَّا اللّٰه وَاَللّٰه أَكْبَر "اس میں بعض نے یہ زیادہ کیا ہے۔وَلَا حَوْل وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاَللّٰهِ، تیرے رب کے ہاں ثواب میں بہتر اور امید کی رو سے زیادہ اچھی ہیں۔یعنی انسان جس چیز کی امید رکھنے والا ہے وہ اللہ کے پاس ہے۔

باقیات وصالحات کی مفہوم میں احادیث آثار کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے تھے جو موذن پہنچا آپ نے پانی منگوایا ایک برتن میں قریب تین پاؤ کے پانی آیا، آپ نے وضو کر کے فرمایا حضور علیہ السلام نے اسی طرح وضو کر کے فرمایا جو میرے اس وضو جیسا وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرے تو صبح سے لے کر ظہر تک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔پھر عصر میں بھی اسی طرح نماز پڑھ لی تو ظہر سے عصر تک کے تمام گناہ معاف، پھر مغرب کی نماز پڑھی تو عصر سے مغرب تک کے گناہ معاف۔پھر عشاء کی نماز پڑھی تو مغرب سے عشا تک کے گناہ معاف پھر رات کو وہ سو رہا صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی تو عشا سے لے کے صبح تک کے گناہ معاف۔یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔لوگوں نے پوچھا یہ تو ہوئیں نیکیاں اب اے عثمان رضی اللہ عنہ آپ بتلائیے کہ باقیات صالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا دعا(سبحان اللہ والحمد للہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم) ۔

حضرت سعید بن میتب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں باقیات صالحات یہ ہیں دعا(سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ) ۔

حضرت سعید بن میتب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگرد عمارہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بتاؤ باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نماز اور روزہ۔آپ نے فرمایا تم نے صحیح جواب نہیں دیا انہوں نے کہا زکوۃ اور حج فرمایا ابھی جواب ٹھیک نہیں ہوا

سنو وہ پانچ کلمے ہیں دعا (لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر سبحان اللہ و الحمد للہ و لا حول و لا قوۃ الا باللہ) ۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا تو آپ نے بجز الحمد للہ کے اور چار کلمات بتلائے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ بجز لا حول کے اور چاروں کلمات بتلاتے ہیں۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ان ہی چاروں کلمات کو باقیات صالحات بتلاتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دعا (سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر) یہ ہیں باقیات صالحات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باقیات صالحات کی کثرت کرو پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا ملت، پوچھا گیا وہ کیا ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ آپ نے فرمایا تکبیر تہلیل تسبیح اور الحمد للہ اور لا حول و لا قوۃ الا باللہ (احمد)

سالم بن عبداللہ کے مولی عبداللہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قریظی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی کام کے لئے بھیجا تو انہوں نے کہا سالم سے کہہ دینا کہ فلاں قبر کے پاس کے کونے میں مجھ سے ملاقات کریں۔ مجھے ان سے کچھ کام ہے چنانچہ دونوں کی وہاں ملاقات ہوئی سلام علیک ہوا تو سالم نے پوچھا کچھ کے نزدیک باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا دعا (لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اور سبحان اللہ اور لا حول و لا قوۃ الا باللہ) ۔

سالم نے کہا یہ آخری کلمہ آپ نے اس میں کب سے بڑھایا؟ قرظی نے کہا میں تو ہمیشہ سے اس کلمے کو شمار کرتا ہوں دو تین بار یہی سوال جواب ہوا تو حضرت محمد بن کعب نے فرمایا کیا تمہیں اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں انکار ہے۔ کہا سنو میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا ہے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب مجھے معراج کرائی گئی میں نے آسمان پر حضرت ابراہیم کو دیکھا، آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انہوں نے مجھے مرحبا اور خوش آمدید کہا اور فرمایا آپ آپ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ وہ جنت میں اپنے لئے کچھ باغات لگالیں اس کی مٹی پاک ہے، اس کی زمین کشادہ ہے۔ میں نے پوچھا وہاں باغات لگانے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا لاحول و لا قوۃ الا باللہ بکثرت پڑھیں۔

حضرت سعید بن جنادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل طائف میں سے سب سے پہلے میں نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں اپنے گھر سے صبح ہی صبح چل کھڑا ہوا اور عصر کے وقت منی میں پہنچ گیا، پہاڑ پر چڑھا، پھر اترا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا، اسلام قبول کیا، آپ نے مجھے سورہ قل ھو اللہ احد اور سورہ اذا زلزلت سکھائی اور یہ کلمات تعلیم فرمائے۔ دعا (سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر) ۔ فرمایا یہ ہیں باقی رہنے والی نیکیاں۔ اس سند سے روایت ہے کہ جو شخص رات کو اٹھے وضو کرے کلی کرے پھر سو سو بار سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر لا الہ الا اللہ پڑھے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں بجز قتل و خون کے کہ وہ معاف نہیں ہوتا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں باقیات صالحات ذکر اللہ ہے اور لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر سبحان اللہ و الحمد للہ

تبارك الله ولا حول ولا قوة الا بالله واستغفر الله وصلى الله على رسول الله ہے اور روزہ نماز حج صدقہ غلاموں کی آزادی جہاد صلہ رحمی اور کل نیکیاں یہ سب باقیات صالحات ہیں جن کا ثواب جنت والوں کو جب تک آسمان و زمین ہیں ملتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں پاکیزہ کلام بھی اسی میں داخل ہے حضرت عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کل اعمال صالحہ اسی میں داخل ہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے مختار بتلاتے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ کہف، بیروت)

وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّ حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا
اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا اور ہم انہیں اکٹھا کریں گے
تو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔

قیامت کے دن پہاڑوں کو زمین سے ختم کر دینے کا بیان

"يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَال" يُذْهَب بِهَا عَنْ وَجْه الْأَرْض فَتَصِير هَبَاء مُنْبَثًّا وَفِي قِرَاءَة بِالنُّونِ وَكَسْرِ الْيَاء وَنَصْب الْجِبَال "وَتَرَى الْأَرْض بَارِزَة" ظَاهِرَة لَيْسَ عَلَيْهَا شَيْء مِنْ جَبَل وَلَا غَيْره "وَحَشَرْنَاهُمْ" الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ "فَلَمْ نُغَادِر" نَتْرُك،

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے یعنی ان کو روئے زمین سے لے جائیں گے، یعنی زمین ایک کھلا میدان بن جائے گی لہٰذا پہاڑ محض غبار کی طرح ہو جائیں گے۔ ایک قرأت میں نسیر نون اور یاء کے کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور جبال کے نصب کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا، یعنی زمین پر پہاڑ وغیرہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ اور ہم انہیں یعنی اہل ایمان اور کفار کو اکٹھا کریں گے تو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرما رہا ہے اور جب تعجب خیز بڑے بڑے کام اس دن ہوں گے ان کا ذکر کر رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا گو تمہیں جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن اس دن تو بادلوں کی طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے۔ آخر روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی جس میں کوئی اونچ نیچ تک باقی نہ رہے گی نہ اس میں کوئی مکان ہوگا نہ چھپر۔ ساری مخلوق بغیر کسی آڑ کے اللہ کے بالکل سامنے ہوگی۔ کوئی بھی مالک سے کسی جگہ چھپ نہ سکے گا کوئی جائے پناہ یا سر چھپانے کی جگہ نہ ہوگی۔ کوئی درخت پتھر گھاس پھوس دکھائی نہ دے گا تمام اول و آخر کے لوگ جمع ہوں گے کوئی چھوٹا بڑا غیر حاضر نہ ہوگا تمام اگلے پچھلے اس مقرر دن جمع کیے جائیں گے، اس دن سب لوگ حاضر شدہ ہوں گے اور سب موجود ہوں گے۔ تمام لوگ اللہ کے سامنے صف بستہ پیش ہوں گے روح اور فرشتے صفیں باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے کسی کو بات کرنے کی بھی تاب نہ ہوگی کہ دیکھو جس طرح ہم نے تمہیں اول بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوسری بار پیدا کر کے اپنے سامنے کھڑا کر لیا اس سے پہلے تو تم اس کے قائل نہ تھے۔ نامہ اعمال سامنے کر دیئے جائیں گے اور افسوس و رنج سے کہیں گے کہ ہائے ہم نے اپنی عمر کیسی غفلت میں بسر کی،

افسوس بدکرداریوں میں لگے رہے اور دیکھو تو اس کتاب نے ایک معاملہ بھی ایسا نہیں چھوڑا جسے لکھا نہ ہو چھوٹے بڑے تمام گناہ اس میں لکھے ہوئے ہیں۔ طبرانی میں ہے کہ غزوہ حنین سے فارغ ہو کر ہم چلے، ایک میدان میں منزل کی۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا جاؤ جسے کوئی لکڑی، کوئی کوڑا، کوئی گھاس پھوس مل جائے لے آؤ ہم سب ادھر ادھر ہو گئے چپٹیاں، چھال، لکڑی، پتے، کانٹے، جڑ ختت، جھاڑ، جھنکاڑ جو ملا لے آئے۔ ڈھیر لگ گیا تو آپ نے فرمایا دیکھ رہے ہو؟ اسی طرح گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اللہ سے ڈرتے رہو، چھوٹے بڑے گناہوں سے بچو کیونکہ سب لکھے جا رہے ہیں اور شمار کئے جا رہے ہیں جو خیر و شر بھلائی برائی جس کسی نے کی ہوگی اسے موجود پائے گا۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ
اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝
اور آپ کے رب کے حضور قطار در قطار پیش کئے جائیں گے، بیشک تم ہمارے پاس آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا
بلکہ تم یہ گمان کرتے تھے کہ ہم تمہارے لئے ہرگز وعدہ کا وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔

قیامت کے دن ہر امت کا صفیں باندھ کر حاضر ہونے کا بیان

"وَعُرِضُوا عَلَى رَبّك صَفًّا" حَال أَيْ مُصْطَفِّينَ كُلّ أُمَّة صَفّ وَيُقَال لَهُمْ "لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّل مَرَّة" أَيْ فُرَادَى حُفَاة عُرَاة غُرْلًا وَيُقَال لِمُنْكِرِي الْبَعْث "بَلْ زَعَمْتُمْ أَنْ" مُخَفَّفَة مِنْ الثَّقِيلَة أَيْ أَنَّهُ "لَنْ نَجْعَل لَكُمْ مَوْعِدًا" لِلْبَعْثِ

اور سب لوگ آپ کے رب کے حضور قطار در قطار پیش کئے جائیں گے، یہاں لفظ صفا حال ہے جو مصطفین کے معنی میں ہے یعنی ہر امت صف بنائے کھڑی ہوگی۔ ان سے کہا جائے گے، بیشک تم ہمارے پاس آج اسی طرح آئے ہو جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یعنی تن تنہا بغیر کسی لباس وغیرہ کے اور منکرین بعث سے کہا جائے گا بلکہ تم یہ گمان کرتے تھے، یہاں اَن ثقیلہ سے مخفف ہے کہ ہم تمہارے لئے ہرگز وعدہ بعث کا وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔

قیامت کے دن لوگوں کے جمع ہونے کا بیان

سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ برہنہ پا برہنہ بدن بغیر ختنہ کئے ہوئے قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی جس طرح ہم نے ابتداء پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اسی طرح دوسری دفعہ بھی کریں گے یہ وعدہ ہمارے ذمہ ہے ہم اسے ضرور پورا کریں گے تو سب سے پہلے جسے کپڑے پہنائے جائیں گے وہ ابراہیم ہیں پھر چند اصحاب کو داہنی طرف (جنت میں) اور بائیں طرف (دوزخ میں) لے جایا جائے گا میں کہوں گا یہ تو میرے اصحاب ہیں تو کہا جائے گا کہ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جدا ہوئے یہ تو مرتد رہے پس میں کہوں گا

جو اللہ کے نیک بندے عیسٰی بن مریم کہتے ہیں اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ان کا نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے الحکیم تک محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ ابوعبید اللہ قبیصہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ وہ مرتد ہیں جو عہد ابوبکر میں مرتد ہوئے اور ابوبکر نے ان سے جہاد کیا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 707)

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا
يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝
اور کتاب رکھی جائے گی، پس تو مجرموں کو دیکھے گا کہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے
ہائے ہماری بربادی! اس کتاب کو کیا ہے، نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑتی ہے اور نہ بڑی مگر اس نے اسے ضبط کر رکھا ہے،
اور انھوں نے جو کچھ کیا اسے موجود پائیں گے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

قیامت کے دن نامہ اعمال کی کتاب دیئے جانے کا بیان

"وَوُضِعَ الْكِتَاب" كِتَاب كُلّ امْرِءٍ فِي يَمِينه مِنْ الْمُؤْمِنِينَ وَفِي شِمَاله مِنْ الْكَافِرِينَ "فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ" الْكَافِرِينَ "مُشْفِقِينَ" خَائِفِينَ "مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ" عِنْد مُعَايَنَتهمْ مَا فِيهِ مِنْ السَّيِّئَات "يَا" لِلتَّنْبِيهِ "وَيْلَتنَا" هَلَكَتنَا وَهُوَ مَصْدَر لَا فِعْل لَهُ مِنْ لَفْظه "مَالِ هَذَا الْكِتَاب لَا يُغَادِر صَغِيرَة وَلَا كَبِيرَة" مِنْ ذُنُوبنَا "إلَّا أَحْصَاهَا" عَدَّهَا وَأَثْبَتَهَا تَعَجَّبُوا مِنْهُ فِي ذَلِكَ "وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا" مُثْبَتًا فِي كِتَابهمْ "وَلَا يَظْلِم رَبّك أَحَدًا" لَا يُعَاقِبهُ بِغَيْرِ جُرْم وَلَا يَنْقُص مِنْ ثَوَاب مُؤْمِن

اور کتاب رکھی جائے گی، یعنی وہ کتاب ہر مؤمن کے دائیں ہاتھ میں جبکہ کفار کے بائیں ہاتھ میں ہوگی۔ پس تو مجرموں یعنی کفار کو دیکھے گا کہ اس سے ڈرنے والے ہوں گے جو اس میں ہوگا اور کہیں گے ہائے ہماری بربادی! یہاں حرف یاء انتباہ کیلئے اور ویل کا معنی ہلاکت ہے۔ اور ویل ایسا مصدر ہے جس کے فعل کا استعمال نہیں ہے۔ اس کتاب کو کیا ہے، نہ کوئی چھوٹی بات یعنی گناہ چھوڑتی ہے اور نہ بڑی بات یعنی گناہ مگر اس نے اسے ضبط کر رکھا ہے، یعنی ان شمار کر رکھا ہے اور وہ اس حالت پر تعجب کریں گے اور انھوں نے جو کچھ کیا اسے موجود پائیں گے یعنی وہ کتاب میں لکھا ہوا ہوگا۔ اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ یعنی بغیر جرم کے سزا نہیں دیتا اور نہ کسی مؤمن کے ثواب میں کمی کرے گا۔

ہر انسان کیلئے نامہ اعمال تیار ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (صدق دل اور اخلاص نیت کی بنا پر) اپنے ایمان کو اچھا بنالیتا ہے تو وہ بھی جو نیک عمل کرتا ہے اس پر اس کے اعمالنامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا زائد اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر اس کے نامہ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ یہاں تک

کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 40)

اس امت کو اللہ نے اس فضل وکرم اور خصوصی احسان کے تحت جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک بہت بڑا انعام یہ بھی دیا ہے کہ جب کوئی آدمی مخلص اور صادق مومن نیک عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت بے حساب اس کا اجر صرف اسی ایک عمل کے برابر دینے پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اس جیسے دس عمل کا ثواب اس کو دیا جاتا ہے اور اس پر بھی بس نہیں ہوتا بلکہ جوں جوں ایمان میں صدق واستقامت اور عمل میں خلوص ونیک نیتی بڑھتی جاتی ہے اسی قدر اجر وانعامات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہی نیک عمل پر سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اجر عنایت فرمائے جاتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں تو یہ اضافہ سینکڑوں اور ہزاروں کی حد سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اگر حرم پاک میں کوئی نیک عمل کیا جائے تو اس مقدس جگہ کی عظمت و فضیلت کے طفیل میں اس پر ایک لاکھ اجر لکھے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اگر مومن سے بتقضائے بشریت کوئی برائی سرزد ہو جاتی ہے تو اس کا گناہ اضافہ کے ساتھ نہیں لکھا جاتا بلکہ جیسی برائی سرزد ہوتی ہے ویسا ہی یا اتنا ہی گناہ لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اس احسان کرم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ
اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ○
اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو سوان (سب) نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے،
وہ جنات میں سے تھا تو وہ اپنے رب کی طاعت سے باہر نکل گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر دوست بنا رہے ہو
حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، یہ ظالموں کے لئے کیا ہی برا بدل ہے۔

تمام فرشتوں کا آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرنے کا بیان

"وَاِذْ" مَنْصُوب بِاذْكُرْ "قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اُسْجُدُوا لِآدَم" سُجُود انْحِنَاء لَا وَضْع جَبْهَة تَحِيَّة لَهُ "فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيس كَانَ مِنْ الْجِنّ" قِيلَ هُمْ نَوْع مِنْ الْمَلَائِكَة فَالِاسْتِثْنَاء مُتَّصِل وَقِيلَ هُوَ مُنْقَطِع وَإِبْلِيس هُوَ أَبُو الْجِنّ فَلَهُ ذُرِّيَّة ذُكِرَتْ مَعَهُ بَعْد وَالْمَلَائِكَة لَا ذُرِّيَّة لَهُمْ "فَفَسَقَ عَنْ أَمْر رَبّه" أَيْ خَرَجَ عَنْ طَاعَته بِتَرْكِ السُّجُود "أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّته" الْخِطَاب لِآدَم وَذُرِّيَّته وَالْهَاء فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِإِبْلِيسَ "أَوْلِيَاء مِنْ دُونِي" تُطِيعُونَهُمْ "وَهُمْ لَكُمْ عَدُوّ" أَيْ أَعْدَاء حَال "بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا" إِبْلِيس وَذُرِّيَّته فِي إِطَاعَتهمْ بَدَل إِطَاعَة اللّٰه

یہاں لفظ اذ یہ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور وہ وقت یاد کیجئے، جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم کرو یعنی پیشانی رکھے بغیر ہی جھک جاؤ۔ سوان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ ابلیس جنات میں سے تھا، یہ بھی کہا گیا

ہے کہ وہ فرشتوں کی نوع میں سے تھا اور یہ استثناء متصل ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ یہ استثناء منقطع ہے اور ابلیس جنات میں سے تھا۔ اور اس کیلئے اولاد ہے جس کا اس کے بعد بیان ہے حالانکہ فرشتوں کی اولاد نہیں ہوتی۔ تو وہ اپنے رب کی طاعت سے باہر نکل گیا، یعنی سجدہ نہ کرنے کے سبب وہ اللہ کی اطاعت سے خارج ہو گیا ہے۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو مجھے چھوڑ کر دوست بنا رہے ہو، یہاں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو خطاب ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں، یہاں پر عدو بہ معنی اعداء حال ہے۔ یہ ظالموں کے لئے کیا ہی برا بدل ہے۔ یعنی ابلیس اور اس کی اولاد کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے مقابلے میں کتنا برا بدل ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

فسق۔ فسق فلان کے معنی دائرہ شریعت سے کسی شخص کے نکل جانے کے ہیں۔ یہ فسق الرطب عن قشرہ۔ سے ماخوذ ہے جس کے معنی پکی ہوئی کھجور کا اپنے چھلکے سے باہر آنے کے ہیں۔ عام طور پر فاسق کا لفظ اس شخص کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو احکام شریعت کا التزام اور اقرار کرنے کے بعد تمام یا بعض احکام کی خلاف ورزی کرے۔ فسق عن امر ربہ۔ وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ افتتخذونہ۔ ہمزہ استفہام تتخذون مضارع جمع مذکر غائب (باب افتعال) تم اس کو پکڑتے ہو۔ تم اس کو پسند کرتے ہو۔ تم اس کو بناتے ہو۔ ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب برائے ابلیس۔

وہم۔ ہم ضمیر جمع مذکر غائب، ابلیس اور اس کی ذریت کے لئے ہے۔ بئس للظلمین بدلا۔ الظلمین ای الواضعین للشی فی غیر موضعہ کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام سے ہٹا کر رکھنا بدلا تمیز کی رو سے منصوب ہے اس جملہ کے دو معانی ہو سکتے ہیں۔ اگر بدل کے معنی عوض کے لئے جاویں تو اس کا مطلب ہوگا: ان ظالموں یعنی کافروں اور منکروں کو معاوضے کیسے برے برے ملیں گے۔ اور اگر بدل کو متبادل کے معنی میں لیا جاوے تو مطلب ہوگا کہ حق تعالیٰ کو چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت کو جو اصل دشمن ہیں اپنا دوست بنا لینا کیسا برا متبادل راستہ ان ظالموں نے اختیار کیا ہے یعنی یہ ظالم خدا ناشناس کیسے احمق ہیں کہ دوست اور کارساز تو حق تعالیٰ کو سمجھتے اور یہ بجائے اس کے ابلیس اور اس کی ذریت کو دوست اور کارساز بنائے ہوئے ہیں۔

اس آیت میں التفات ضمائر ہے صیغہ مخاطب سے یک لخت صیغہ غائب کی طرف التفات خداوند تعالیٰ کی سخت ناراضگی اور ناخوشگواری کی طرف اشارہ ہے۔ اور ظالموں کے ظلم قبیح پر ناراضگی کا اظہار ہے۔

ابلیس کی انبیائے کرام سے عداوت کا بیان

حضرت ابودرداء فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا (أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے میں اللہ تعالیٰ کی تجھ سے پناہ مانگتا ہوں پھر فرمایا کہ میں تجھ پر تین مرتبہ اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پھیلایا جیسے کوئی چیز لے رہے ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں کچھ کہتے ہوئے سنا جو اس سے پہلے کبھی نہیں سنا اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے بھی دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس آگ

کا ایک شعلہ لے کر آیا تا کہ میرا منہ جلائے تو میں نے (أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ) تین مرتبہ کہا پھر میں نے کہا کہ میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی پوری لعنت بھیجتا ہوں وہ تین مرتبہ تک پیچھے نہیں ہٹا پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح تک بندھا رہتا اور مدینہ والوں کے لڑکے اس کے ساتھ کھیلتے ۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1206)

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا٥
میں نے نہ انہیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر بلایا تھا اور نہ خود ان کی اپنی تخلیق، اور نہ میں ایسا تھا کہ گمراہ
کرنے والوں کو دست و بازو بناتا۔

اللہ تعالیٰ کے خالق حقیقی ہونے کا بیان

"مَا أَشْهَدْتهمْ " أَيْ إِبْلِيس وَذُرِّيَّته "خَلْق السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَلَا خَلْق أَنْفُسهمْ" أَيْ لَمْ أُحْضِر بَعْضهمْ خَلْق بَعْض "وَمَا كُنْت مُتَّخِذ الْمُضِلِّينَ" الشَّيَاطِين "عَضُدًا" أَعْوَانًا فِي الْخَلْق فَكَيْفَ تُطِيعُونَهُمْ ؟

میں نے نہ تو انہیں یعنی ابلیس اور اس کی اولاد کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر (معاونت یا گواہی کے لئے) بلایا تھا اور نہ خود ان کی اپنی تخلیق کے وقت یعنی کوئی کسی کی تخلیق پر موجود نہ تھا۔ اور نہ ہی میں ایسا تھا کہ گمراہ کرنے والے شیاطین کو دست و بازو بناتا۔ یعنی تخلیق میں ان کو مددگار بناتا لہٰذا تم ان کی کس طرح اطاعت کر سکتے ہو؟

زمین و آسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آ کر دیکھ جائیں، ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی۔ غرض نہ ان سے تکوین و ایجاد عالم میں کچھ مشورہ لیا گیا نہ مدد طلب کی گئی بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کیسا بنایا جائے۔ یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں ذرا آ کر میری مدد کرو۔ اور بفرض محال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بدبخت اشقیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دے دیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں رفیق و مددگار بنانے لگے۔

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا٥
اور اس دن اللہ فرمائے گا: انہیں پکارو جنہیں تم میرا شریک گمان کرتے تھے، سو وہ انہیں بلائیں گے مگر وہ
انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے۔

بتوں اور ان کے عابدین کے درمیان ہلاکت والی وادی کا بیان

"وَيَوْم" مَنْصُوب بِاذْكُرْ "يَقُول" بِالْيَاءِ وَالنُّون "نَادُوا شُرَكَائِيَ" الْأَوْثَان "الَّذِينَ زَعَمْتُمْ" لِيَشْفَعُوا

لَكُمْ بِزَعْمِكُمْ "فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ " لَمْ يُجِيبُوهُمْ "وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ " بَيْنَ الْأَوْثَانِ وَعَابِدِيهَا "مَوْبِقًا" وَادِيًا مِنْ أَوْدِيَة جَهَنَّم يَهْلِكُونَ فِيهِ جَمِيعًا وَهُوَ مِنْ وَبَقَ بِالْفَتْحِ هَلَكَ

یہاں پر یوم اذکر کی وجہ سے منصوب ہے۔اور یقول یہ یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ فرمائے گا: انہیں یعنی بتوں کو پکارو جنہیں تم میرا شریک گمان کرتے تھے، کہ وہ تمہارے خیال کے مطابق سفارش کریں گے۔سو وہ انہیں بلائیں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیانی یعنی بتوں اور ان کے عابدین کے درمیان ایک وادی جہنم کو ہلاکت کی جگہ بنادیں گے۔جس میں وہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔لفظ یہ موبق یہ وبق مفتوح سے مشتق ہے جس کا معنی ہلاکت ہے۔

مشرکوں اور ان کے معبودوں کے درمیان ایک گہری خندق بنادیں گے جس میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔اس طرح نہ عابد اپنے معبودوں سے کوئی تعلق قائم کرسکیں گے اور نہ معبود اپنے پیروکاروں سے، اور اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم ان عابد و معبود کے درمیان سخت عداوت ڈال دیں گے۔دنیا میں تو عابد ان کی بہت عزت واحترام کرتے تھے اور انہیں خدائی کا درجہ دے رکھا تھا مگر اس دن وہ ان کے بدترین دشمن بن جائیں گے اور سمجھیں گے کہ انہی کی وجہ سے ہم مبتلائے عذاب ہوئے ہیں۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝
اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ بے شک وہ اس میں گرنے والے ہیں اور
اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

اہل جہنم آگ دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ اس میں گرنے والے ہیں

" وَرَءَا الْمُجْرِمُونَ النَّار فَظَنُّوا " أَيْ أَيْقَنُوا "أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا" أَيْ وَاقِعُونَ فِيهَا "وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا" مَعْدِلًا

اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ بے شک وہ اس میں گرنے والے ہیں یعنی اس میں واقع ہوں گے اور اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

اس سے بچنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔اور حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ کافر چالیس برس اور دوسری روایت کے مطابق چار سو برس کی مسافت سے دوزخ کی آگ کو دیکھ کر یہ یقین کرلے گا کہ اس نے یقیناً اور بہر حال اس ہولناک دوزخ میں گرنا ہے۔ اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ قیامت کے روز مجرم لوگ جب دوزخ کی دہکتی بھڑکتی اس ہولناک آگ کو دیکھیں گے تو ان کو یقین ہوجائے گا کہ اب انہوں نے بہر حال اس میں گرنا ہے۔اب ان کیلئے اس سے بچنے اور بھاگ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہیں۔سو اس میں ان بدبختوں کی بے بسی کی تصویر پیش فرمائی گئی ہے کہ وہ آنکھوں دیکھتے اس طرح دوزخ میں گریں گے۔مگر قرآن حکیم کی ایسی تمام تصریحات اور توضیحات کے باوجود ایسے لوگوں کی نہ آنکھیں کھلتی ہیں اور نہ یہ حق کو سننے اور ماننے کیلئے تیار ہوتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال پھیر پھیر کر بیان کی ہے اور انسان ہمیشہ سے سب چیزوں سے زیادہ جھگڑنے والا ہے۔

قرآن مجید میں بار بار نصائح کی آیات کا بیان

"وَلَقَدْ صَرَّفْنَا" بَيَّنَّا "فِي هٰذَا الْقُرْآن لِلنَّاسِ مِنْ كُلّ مَثَل" صِفَة لِمَحْذُوفٍ أَيْ مَثَلًا مِنْ جِنْس كُلّ مَثَل لِيَتَّعِظُوا "وَكَانَ الْإِنْسَان" أَيْ الْكَافِر "أَكْثَر شَيْء جَدَلًا" خُصُومَة فِي الْبَاطِل وَهُوَ تَمْيِيز مَنْقُول مِنْ اسْم كَانَ الْمَعْنَى : وَكَانَ جَدَل الْإِنْسَان أَكْثَر شَيْء فِيهِ

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال پھیر پھیر کر بیان کی ہے یہاں مثلا یہ موصوف محذوف کی صفت ہے جو مِنْ جِنْس كُلّ مَثَل، یعنی ہر قسم کی مثال بیان کی تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔اور انسان یعنی کافر ہمیشہ سے سب چیزوں سے زیادہ جھگڑنے والا ہے۔یعنی وہ باطل میں جھگڑا کرنے والا ہے۔اور جدلا یہ اسم سے منقول تمیز ہے۔اور اصل عبارت اس طرح ہوگی۔وَكَانَ جَدَل الْإِنْسَان أَكْثَر شَيْء فِيهِ،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں آدمی سے مراد نضر بن حارث ہے اور جھگڑے سے اس کا قرآن پاک میں جھگڑا کرنا بعض نے کہا ابی بن خلف مراد ہے۔بعض مفسرین کا قول ہے کہ تمام کفار مراد ہیں بعض کے نزدیک آیت عموم پر ہے اور یہی اصح ہے۔

ہدایت کو روز روشن کی طرح واضح کردینے کا بیان

انسانوں کے لئے ہم نے اس اپنی کتاب میں ہر بات کا بیان خوب کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تا کہ لوگ راہ حق سے نہ بہکیں ہدایت کی راہ سے نہ بھٹکیں لیکن باوجود اس بیان، اس فرقان کے پھر بھی بجز راہ یافتہ لوگوں کے اور تمام کے تمام راہ نجات سے ہٹے ہوئے ہیں۔مسند احمد میں ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے مکان میں آئے اور فرمایا تم سوئے ہوئے ہو نماز میں نہیں ہو؟

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ ہیں وہ جب ہمیں اٹھانا چاہتا ہے اٹھا بٹھاتا ہے۔آپ یہ سن کر بغیر کچھ فرمائے لوٹ گئے لیکن اپنی زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے جا رہے تھے کہ انسان تمام چیزوں سے زیادہ جھگڑالو ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝

اور لوگوں کو کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں، جب ان کے پاس ہدایت آ گئی اور اپنے رب سے بخشش مانگیں،
مگر اس بات نے کہ ان کو پہلے لوگوں کا سا معاملہ پیش آ جائے، یا ان پر عذاب سامنے آ موجود ہو۔

قرآن آ جانے کے باوجود اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کا بیان

"وَمَا مَنَعَ النَّاس " أَيْ كُفَّار مَكَّة "أَنْ يُؤْمِنُوا" مَفْعُول ثَانٍ "إِذْ جَاءَهُمْ الْهُدَى" الْقُرْآن "وَيَسْتَغْفِرُوا رَبّهمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيهِمْ سُنَّة الْأَوَّلِينَ " فَاعِل أَيْ سُنَّتنَا فِيهِمْ وَهِيَ الْإِهْلَاك الْمُقَدَّر عَلَيْهِمْ "أَوْ يَأْتِيهِمْ الْعَذَاب قُبُلًا" مُقَابَلَة وَعِيَانًا وَهُوَ الْقَتْل يَوْم بَدْر وَفِي قِرَاءَة بِضَمَّتَيْنِ جَمْع قَبِيل أَيْ أَنْوَاعًا

اور لوگوں یعنی کفار مکہ کو کسی چیز نے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں، یہ مفعول ثانی ہے۔ جب ان کے پاس ہدایت یعنی قرآن آ گیا اور اپنے رب سے بخشش مانگیں، مگر اس بات نے کہ ان کو پہلے لوگوں کا سا معاملہ پیش آ جائے، یہاں سنة الاولین یہ تاتیھم کا فاعل ہے۔ یعنی ہلاکت ان پر لکھ دی گئی۔ یا ان پر عذاب سامنے آ موجود ہو۔ یعنی ان کی آنکھوں کے سامنے آ جائے اور وہ یوم بدر ان کا قتل ہونا ہے۔ ایک قرأت میں قبلا یہ دونوں ضمہ کے ساتھ آیا ہے اور قبیل کی جمع اور اس کا معنی انواع ہے۔

کفار کی سرکشی کا بیان

اگلے زمانے کے اور اس وقت کے کافروں کی سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی اسکی تابعداری سے رکے رہتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کے عذابوں کو اپنے آنکھوں دیکھ لیں کسی نے تمنا کی کہ آسمان ہم پر گر پڑے کسی نے کہا کہ لا جو عذاب لاسکتا ہے لے آ۔ قریش نے بھی کہا اے اللہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہمیں کر۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اے نبی ہم تو تجھے مجنوں جانتے ہیں اور اگر فی الواقع تو سچا نبی ہے تو ہمارے سامنے فرشتے کیوں نہیں لاتا؟ وغیرہ وغیرہ پس عذاب الٰہی کے انتظار میں رہتے ہیں اور اس کے معائنہ کے درپے رہتے ہیں۔ رسولوں کا کام تو صرف مومنوں کو بشارتیں دینا اور کافروں کو ڈرا دینا ہے۔ کافر لوگ ناحق کی حجتیں کر کے حق کو اپنی جگہ سے پھسلا دینا چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ چاہت کبھی پوری نہیں ہو گی حق ان کی باطل باتوں سے دبنے والا نہیں۔ یہ میری آیتوں اور ڈراوے کی باتوں کو خالی مذاق سمجھ رہے ہیں اور اپنی بے ایمانی میں بڑھ رہے ہیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، باطل کو لے کر جھگڑا کرتے ہیں، تاکہ اس کے ساتھ حق کو پھسلا دیں اور انھوں نے میری آیات کو اور ان چیزوں کو جن سے انہیں ڈرایا گیا، مذاق بنا لیا۔

کفار کا جہنم کے برحق ہونے کی تکذیب کا بیان

"وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ" لِلْمُؤْمِنِينَ "وَمُنْذِرِينَ" مُخَوِّفِينَ لِلْكَافِرِينَ "وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ" بِقَوْلِهِمْ: "أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا" وَنَحْوه "لِيُدْحِضُوا بِهِ" لِيُبْطِلُوا بِجِدَالِهِمْ "الْحَقَّ" الْقُرْآن "وَاتَّخَذُوا آيَاتِي" أَيْ الْقُرْآن "وَمَا أُنْذِرُوا" بِهِ مِنْ النَّار "هُزُوًا" سُخْرِيَّة

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر مؤمنین کو خوشخبری دینے والے اور کفار کو ڈرسنانے والے اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، باطل کو لے کر جھگڑا کرتے ہیں، یعنی ان کا قول ''أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا'' تا کہ اس کے ساتھ حق کو پھسلا دیں تا کہ وہ اپنے جھگڑے سے قرآن کو مٹادیں اور انھوں نے میری آیات یعنی قرآن کو اور ان چیزوں کو جن سے یعنی جہنم سے انہیں ڈرایا گیا، مذاق بنالیا۔

الفاظ کے معانی کا بیان

لیدحضوا ۔ لام تعلیل کا۔ یدحضوا مضارع جمع مذکر منصوب۔ بوجہ عمل لام۔ بمعنی لیزیلوا ویبطلوا کہ وہ زائل کر دیں یا باطل کر دیں ادحاض (افعال) سے مصدر باطل کرنا۔ یا زائل کرنا۔

بہ میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب کافرین کے مجادلہ کے لئے ہے۔ ای بالجدال ۔ الحق ۔ منصوب بوجہ مفعول ہونے کے ہے کہ اپنی کٹ حجتی سے حق کو باطل کر دیں۔ وما انذروا۔ میں بہ مضمر ہے عبارت یوں ہے وما انذروا بہ ای القرآن۔ جس سے ان کو ان کے اعمال بد کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔ انذروا ماضی مجہول جمع مذکر غائب ان کو ڈرایا گیا۔ یا وہ ڈرائے گئے۔ انذار۔ مصدر۔

ھزوا۔ مصدر۔ بمعنی اسم مفعول۔ وہ جس کا مذاق اڑایا جائے۔ ھزء مذاق۔ دل لگی۔ ھزء مادہ۔ الھزء کے معنی اندرونی طور پر کسی کا مذاق اڑانا کے ہیں اور کبھی یہ مذاق کی طرح گفتگو پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ قصداً مذاق اڑانے کے معنی میں آیا ہے اتخذوھا ھزوا ولعبا، یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔ باب استفعال سے استھزاء کے معنی اصل میں طلب ھزء کو کہتے ہیں لیکن اس کے معنی مذاق اڑانا کے بھی آتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی اکثر مثالیں ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور اسے بھول گیا
جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے بنا دیے ہیں، اس سے کہ اسے سمجھیں اور
ان کے کانوں میں بوجھ رکھ دیا ہے اور اگر تو انہیں سیدھی راہ کی طرف بلائے تو اس وقت وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے۔

قرآن سے اعراض کرنے والوں کے دلوں پر پردہ ہونے کا بیان

"وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ" مَا عَمِلَ مِنَ الْكُفْر وَالْمَعَاصِي "إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّة" أَغْطِيَة "أَنْ يَفْقَهُوهُ" أَيْ مِنْ أَنْ يَفْهَمُوا الْقُرْآن أَيْ فَلَا يَفْهَمُونَهُ "وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا" ثِقَلًا فَيَسْمَعُونَهُ "وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا" أَيْ بِالْجَعْلِ الْمَذْكُور

اوراس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات کے ساتھ نصیحت کی گئی تو اس نے ان سے منہ پھیر لیا اورا سے بھول گیا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا، یعنی جو اس نے کفر و نافرمانی کا عمل کیا۔ بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے بنادیے ہیں، اس سے کہ اسے یعنی قرآن کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بھاری بوجھ رکھ دیا ہے، جن سے وہ سنتے ہیں اور اگر تو انہیں سیدھی راہ کی طرف بلائے تو اس وقت وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے۔

قرآن سے اعراض کرنے والے بدترین شخص کا بیان

فی الحقیقت اس سے بڑھ کر پاپی کون ہے؟ جس کے سامنے اس کے پالنے پوسنے والے کا کلام پڑھا جائے اور وہ اس کی طرف التفات تک نہ کرے اس سے مانوس نہ ہو بلکہ منہ پھیر کر انکار کر جائے اور بدعملیاں اور سیاہ کاریاں اس سے پہلے کی ہیں انہیں بھی فراموش کر جائے۔ اس ڈھٹائی کی سزا یہ ہوتی ہے کہ دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں پھر قرآن و بیان کا سمجھنا نصیب نہیں ہوتا کانوں میں گرانی ہو جاتی ہے بھلی بات کی طرف توجہ نہیں رہتی اب لاکھ دعوت ہدایت دو لیکن راہ یابی مشکل و محال ہے۔ اے نبی تیرا رب بڑا ہی مہربان بہت اعلیٰ رحمت والا ہے اگر وہ گنہگار کی سزا جلدی ہی کر ڈالا کرتا، تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ بچتا وہ لوگوں کے ظلم سے درگزر کر رہا ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پکڑے گا ہی نہیں۔ یاد رکھو وہ سخت عذابوں والا ہے یہ تو اس کا حلم ہے پردہ پوشی ہے معافی ہے تا کہ گمراہی والے راہ راست پر آ جائیں گناہوں والے توبہ کرلیں اور اس کے دامن رحمت کو تھام لیں۔ لیکن جس نے اس حلم سے فائدہ اٹھایا اور اپنی سرکشی پر جمارہا تو اس کی پکڑ کا دن قریب ہے جو اتنا سخت دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے حمل گر جائیں گے اس دن کوئی جائے پناہ نہ ہوگی کوئی چھٹکارے کی صورت نہ ہوگی۔ یہ ہیں تم سے پہلے کی امتیں کہ وہ بھی تمہاری طرح کفر و انکار میں پڑ گئیں اور آخرش مٹادی گئیں ان کی ہلاکت کا مقررہ وقت آ پہنچا اور وہ تباہ برباد ہو گئیں۔ پس اے منکرو تم بھی ڈرتے رہو تم اشرف الرسل اعظم ہی کو ستا رہے ہو اور انہیں جھٹلا رہے ہو حالانکہ اگلے کفار سے تم قوت طاقت میں سامان اسباب میں بہت کم ہو میرے عذابوں سے ڈرو میری باتوں سے نصیحت پکڑو۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ
بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝

اورآپ کارب بڑا بخشنے والا صاحب رحمت ہے، اگر وہ ان کے کئے پر ان کا مؤاخذہ فرماتا تو ان پر یقیناً جلد عذاب بھیجتا،
بلکہ ان کے لئے وقت وعدہ ہے۔ اس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

عذاب کیلئے وقت قیامت کے مقرر ہونے کا بیان

"وَرَبُّكَ الْغَفُور ذُو الرَّحْمَة لَوْ يُؤَاخِذهُمْ" فِي الدُّنْيَا "بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمْ الْعَذَاب" فِيهَا "بَلْ لَهُمْ مَوْعِد" وَهُوَ يَوْم الْقِيَامَة "لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونه مَوْئِلًا" مَلْجَأ

اورآپ کارب بڑا بخشنے والا صاحب رحمت ہے، اگر وہ ان کے کئے پر ان کا مؤاخذہ دنیا میں فرماتا تو ان پر یقیناً جلد عذاب بھیجتا، بلکہ ان کے لئے تو وقت وعدہ قیامت مقرر ہے (جب وہ وقت آئے گا تو) اس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے۔

مؤئل کے معنی پناہ گاہ کے ہوتے ہیں۔ سو اس سے اس سبب کی وضاحت فرمادی گئی کہ آخر ایسے معاند اور ہٹ دھرم لوگوں پر عذاب آتا کیوں نہیں جو حق کو ماننے اور قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے؟ ان کا معاملہ چکا کیوں نہیں دیا جاتا؟ آخر ان کو اللہ کی دھرتی پر بار بنائے رکھنے کا فائدہ کیا؟ سو اس ارشاد سے واضح فرمایا گیا کہ ایسا اس لئے نہیں کیا جاتا کہ تمہارا رب بڑا ہی بخشنے والا، نہایت ہی رحمت والا ہے، اس لئے وہ ایسے مجرموں کو بھی آخری حد تک مہلت دیتا ہے، تاکہ جس نے بچنا ہو بچ جائے اور اپنے رونے کی اصلاح کرلے، تاکہ وہ دائمی ہلاکت وتباہی سے بچ جائے، ورنہ وہ اگر ان کو فوراً پکڑنا چاہے تو کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ بلکہ اس نے ایسوں کی گرفت کیلئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب وہ وقت مقرر آجائیگا تو ایسے لوگ نہ اسکی گرفت وپکڑ سے بھاگ سکیں گے، اور نہ ہی ان کو اپنے بچاؤ کیلئے کوئی پناہ گاہ مل سکے گی۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰـهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا۝
اور یہ بستیاں ہیں ہم نے جن کے رہنے والوں کو ہلاک کرڈالا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے
ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

سابقہ بستیوں کی ہلاکت کا بیان

"وَتِلْكَ الْقُرَى" أَيْ أَهْلهَا كَعَادٍ وَثَمُود وَغَيْرهمَا "أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا" كَفَرُوا "وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ" لِإِهْلَاكِهِمْ وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ الْمِيم أَيْ لِهَلَاكِهِمْ

اور یہ بستیاں ہیں یعنی ان میں رہنے والے عاد اور ثمود وغیرہ ہیں۔ ہم نے جن کے رہنے والوں کو ہلاک کرڈالا جب انہوں نے ظلم یعنی کفر کیا اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔ یہاں مھلکھم ایک قرأت میں میم کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی ان کی ہلاکت کیلئے۔

ان تباہ شدہ بستیوں سے مراد وہ بستیاں ہیں جن پر اہل مکہ کا گذر ہوتا رہتا تھا اور وہ ان کی تباہی کے آثار بچشم خود دیکھ سکتے تھے

اور یہ بستیاں قوم عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب علیہم السلام کی تھیں، اور قریش کو بتایا یہ جارہا ہے کہ ان لوگوں کو بھی ہم نے ان کی نافرمانی پر یکدم ہی ہلاک نہیں کرڈالا تھا بلکہ ان کی ہلاکت کے لیے بھی ایک معین وقت مقرر تھا اسی طرح اگر ابھی تک تمہیں عذاب سے دوچار نہیں ہونا پڑا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر تمہارے یہی کرتوت رہے تو تم عذاب سے بچ سکو گے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا٥
اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے کہا: میں نہیں ہٹ سکتا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک
پہنچ جاؤں یا مدتوں چلتا رہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یوشع بن نون کے ساتھ سفر کرنے کا بیان

"اِذْ قَالَ مُوسَی " هُوَ ابْنُ عِمْرَانَ "لِفَتَاهُ" يُوشَع بْن نُون. كَانَ يَتْبَعهُ وَيَخْدُمهُ وَيَأْخُذ عَنْهُ الْعِلْم "لَا أَبْرَح" لَا أَزَال أَسِير "حَتَّى أَبْلُغ مَجْمَع الْبَحْرَيْنِ" مُلْتَقَى بَحْر الرُّوم وَبَحْر فَارِس مِمَّا يَلِي الْمَشْرِق أَيْ الْمَكَان الْجَامِع لِذَلِكَ "أَوْ أَمْضِي حُقُبًا" دَهْرًا طَوِيلًا فِي بُلُوغه إنْ بَعُدَ

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواں سال ساتھی اور خادم یوشع بن نون علیہ السلام جو ابن عمران تھے جوان کے ساتھ چلتے رہیں تاکہ علم حاصل کریں۔ ان سے کہا میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا یعنی میں چلنا بند نہ کروں گا یہاں تک کہ میں دو دریاؤں کے سنگم کی جگہ تک پہنچ جاؤں، یعنی جانب مشرق میں بحر روم اور بحر فارس کے ملنے کی جگہ ہے۔ یا مدتوں چلتا رہوں۔ یعنی طویل زمانہ تک چلتا رہوں یہاں تک کہ وہاں پہنچ جاؤں اگرچہ وہ دور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ذکر کیا گیا کہ اللہ کا ایک بندہ دو دریا ملنے کی جگہ ہے اس کے پاس وہ علم ہے جو تمہیں حاصل نہیں آپ نے اسی وقت ان سے ملاقات کرنے کی ٹھان لی اب اپنے ساتھی سے فرماتے ہیں کہ میں تو پہنچے بغیر دم نہ لوں گا۔ کہتے ہیں یہ دو سمندر ایک تو بحیرہ فارس مشرقی اور دوسرا بحیرہ روم مغربی ہے۔ یہ جگہ طنجہ کے پاس مغرب کے شہروں کے آخر میں ہے۔

(61) فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا٥
تو جب وہ دونوں ان کے آپس میں ملنے کے مقام پر پہنچے تو وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو اس نے اپنا راستہ
سمندر میں سرنگ کی صورت بنالیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ناشتہ کی مچھلی کا سمندر میں کود جانے کا بیان

"فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَع بَيْنهمَا " بَيْن الْبَحْرَيْنِ "نَسِيَا حُوتهمَا " نَسِيَ يُوشَع حَمْله عِنْد الرَّحِيل وَنَسِيَ مُوسَى تَذْكِيره "فَاتَّخَذَ" الْحُوت "سَبِيله فِي الْبَحْر" أَيْ جَعَلَهُ بِجَعْلِ اللَّه "سَرَبًا" أَيْ مِثْل السَّرَب

فرمایا ہماری چاہت تھی کہ موسیٰ علیہ السلام (اللہ ان پر رحمت کرے) کچھ دیر اور صبر کرتے تا کہ ہمیں ان کی عجیب وغریب خبریں سننے کو ملتیں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ نے پہلا سوال تو بھول کر کیا تھا پھر ایک چڑیا آئی جس نے کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر دریا میں اپنی چونچ ڈبوئی، پھر حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا میرے اور آپ کے علم نے اللہ کے علم میں سے صرف اسی قدر کم کیا جتنا اس چڑیا نے دریا سے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ آیت اس قرات میں پڑھتے تھے وَكَانَ اَمَامَهُمْ مَلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا اور یہ آیت اس طرح پڑھتے وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اسے ابو اسحاق ہمدانی سعید بن جبیر سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ زہری بھی عبید اللہ سے وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کرتے ہیں۔ ابو مزاحم سمرقندی کہتے ہیں کہ میں نے علی بن مدینی کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ایک حج صرف اس نیت سے کیا کہ سفیان سے یہ حدیث سنوں وہ اس حدیث میں ایک چیز بیان کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے عمرو بن دینار سے حدیث نقل کی جب کہ اس سے پہلے جب میں نے ان سے یہ حدیث سنی تو انہوں نے اس چیز کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1094)

حضرت خضر علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ آپ صبر نہ کر پائیں گے

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝
اس (خضر علیہ السلام) نے کہا: بیشک آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کر سکیں گے

حضرت خضر نے یہ اس لئے فرمایا کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام امور منکرہ وممنوعہ دیکھیں گے اور انبیاء علیہم السلام سے ممکن ہی نہیں کہ وہ منکرات دیکھ کر صبر کر سکیں پھر حضرت خضر علیہ السلام نے اس ترک صبر کا عذر بھی خود ہی بیان فرما دیا۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝
اور آپ اس پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جسے آپ اپنے احاطہ علم میں نہیں لائے ہوں گے۔

باطنی علم کی حقیقت کے پوشیدہ ہونے کا بیان

"وَكَيْفَ تَصْبِر عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا" فِي الْحَدِيث السَّابِق عَقِب هَذِهِ الْآيَة "يَا مُوسَى إنِّي عَلَى عِلْم مِنْ اللَّه عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمهُ وَأَنْتَ عَلَى عِلْم مِنْ اللَّه عَلَّمَكَهُ اللَّه لَا أَعْلَمهُ " وَقَوْله خُبْرًا مَصْدَر بِمَعْنَى لَمْ تُحِطْ أَيْ لَمْ تُخْبَر حَقِيقَته

اور آپ اس بات پر کیسے صبر کر سکتے ہیں۔ جسے آپ پورے طور پر اپنے احاطہ علم میں نہیں لائے ہوں گے۔ جس طرح سابقہ آیت کے تحت حدیث میں گزر چکا ہے۔ کہ حضرت خصر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ اللہ نے مجھے ایسا علم عطا فرمایا ہے جس کو تم نہیں

جانتے اور تمہیں ایسا علم عطا کیا ہے جس کو میں نہیں جانتا۔ اور اللہ کے فرمان قولہ خبرا یہ مصدر ہے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ ایسا علم جس کا احاطہ نہیں، یعنی تم اس کی حقیقت کو نہیں جانتے۔

اور ظاہر میں وہ منکر ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک علم اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایسا عطا فرمایا جو آپ نہیں جانتے اور ایک علم آپ کو ایسا عطا فرمایا جو میں نہیں جانتا۔ مفسرین ومحدثین کہتے ہیں کہ جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لئے خاص فرمایا وہ علم باطن ومکاشفہ ہے اور اہل کمال کے لئے یہ باعث فضل ہے چنانچہ وارد ہوا ہے کہ صدیق کو نماز وغیرہ اعمال کی بنا پر صحابہ پر فضیلت نہیں بلکہ ان کی فضیلت اس چیز سے ہے جو ان کے سینہ میں ہے یعنی علم باطن وعلم اسرار کیونکہ جو افعال صادر ہوں گے وہ حکمت سے ہوں گے اگر چہ بظاہر خلاف معلوم ہوں۔

قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ۝
موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ ان شاء اللہ مجھے ضرور صابر پائیں گے اور میں آپ کی کسی بات کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صبر کرنے پر اعتماد دلانے کا بیان

"قَالَ سَتَجِدُنِی إِنْ شَاءَ اللَّه صَابِرًا وَلَا أَعْصِی" أَیْ وَغَیْر عَاصٍ "لَكَ أَمْرًا" تَأْمُرنِی بِهِ وَقَیَّدَ بِالْمَشِیئَةِ لِأَنَّهُ لَمْ یَكُنْ عَلَی ثِقَةٍ مِنْ نَفْسه فِیمَا الْتَزَمَ وَهَذِهِ عَادَة الْأَنْبِیَاء وَالْأَوْلِیَاء أَنْ لَا یَثِقُوا إِلَی أَنْفُسهمْ طَرْفَة عَیْن

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ ان شاء اللہ مجھے ضرور صابر پائیں گے اور میں آپ کی کسی بات کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ یعنی جس بات کا آپ مجھے حکم دیں گے۔ اس کو مشیئت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے اوپر لازم کردہ پابندی کے اعتماد نہ تھا۔ اور انبیائے کرام اور اولیائے کرام کی عادات میں سے ہے کہ وہ اپنے نفس پر لمحہ بھر کیلئے بھی بھروسہ نہیں کرتے۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝
(خضر علیہ السلام نے) کہا: پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کی بابت سوال نہ کریں
یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کردوں۔

حضرت خضر علیہ السلام کا سوال کرنے سے منع کرنے کا بیان

"قَالَ فَإِنْ اتَّبَعْتَنِی فَلَا تَسْأَلنِی" وَفِی قِرَاءَة بِفَتْحِ اللَّام وَتَشْدِید النُّون "عَنْ شَیْء" تُنْكِرهُ مِنِّی فِی عِلْمك وَاصْبِرْ "حَتَّی أُحْدِث لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا" أَیْ أَذْكُرهُ لَكَ بِعِلَّتِهِ فَقَبِلَ مُوسَی شَرْطه رِعَایَة لِأَدَبِ الْمُتَعَلِّم مَعَ الْعَالِم

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: پس اگر آپ میرے ساتھ رہیں تو مجھ سے کسی چیز کی بابت سوال نہ کریں۔ یہاں لاتسألنی ایک قرأت میں لام کے فتحہ کے نون کی تشدید کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی اپنے علم کے حساب سے منکر سمجھ کر سوال نہ کرنا بلکہ صبر کرنا۔ یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا ذکر کردوں۔ یعنی جب تک میں اس کی علت کو بیان نہ کروں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے ایک عالم کے سامنے متعلم کی طرح حصول علم کے طور پر اس شرط کو قبول کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ شاگرد اور مسترشد کے آداب میں سے ہے کہ وہ شیخ واستاد کے افعال پر زبان اعتراض نہ کھولے اور منتظر رہے کہ وہ خود ہی اس کی حکمت ظاہر فرما دیں۔ (تفسیر مدارک وابوالسعود، سورہ کہف، بیروت)

فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ○
پس دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے۔ اس میں شگاف کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا:
کیا آپ نے اسے اس لئے پھاڑ ڈالا ہے کہ آپ کشتی والوں کو غرق کر دیں، بیشک آپ نے بڑی عجیب بات کی۔

حضرت خضر علیہ السلام کا کشتی سے تختے نکال دینے کا بیان

"فَانْطَلَقَا" يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ "حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ" الَّتِي مَرَّتْ بِهِمَا "خَرَقَهَا" الْخَضِرُ بِأَنْ اقْتَلَعَ لَوْحًا أَوْ لَوْحَيْنِ مِنْهَا مِنْ جِهَةِ الْبَحْرِ بِفَأْسٍ لَمَّا بَلَغَتْ اللُّجَجَ "قَالَ" لَهُ مُوسَى "أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا" وَفِي قِرَاءَةٍ بِفَتْحِ التَّحْتَانِيَّةِ وَالرَّاءِ وَرَفْعِ أَهْلُهَا "لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا" أَيْ عَظِيمًا مُنْكَرًا رُوِيَ أَنَّ الْمَاءَ لَمْ يَدْخُلْهَا

پس وہ دونوں سمندر کے کنارے چل دیئے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے۔ جو ان دونوں کے پاس سے گزری۔ تو خضر علیہ السلام نے اس کشتی میں شگاف کر دیا، یعنی جب وہ کشتی درمیان میں پہنچی تو خضر علیہ السلام نے کلہاڑے سے ایک یا دو تختے نکال دیئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا آپ نے اسے اس لئے شگاف کر کے پھاڑ ڈالا ہے کہ آپ کشتی والوں کو غرق کر دیں، ایک قرأت میں تغرق کی تاء فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور راء پر بھی فتحہ جبکہ اہلہا یہ مرفوع آیا ہے۔ بیشک آپ نے بڑی عجیب بات کی۔ یعنی بہت بڑی ناپسندہ بات کی ہے۔ روایت کیا گیا ہے کہ پانی کشتی میں داخل نہ ہوا۔

دونوں میں جب شرط طے ہوگئی کہ تو سوال نہ کرنا جب تک میں خود ہی اس کی حکمت تجھ پر ظاہر نہ کروں تو دونوں ایک ساتھ چلنے پہلے مفصل روایتیں گزر چکی ہیں کہ کشتی والوں نے انہیں پہچان کر بغیر کرایہ لئے سوار کر لیا تھا جب کشتی چلی اور بیچ سمندر میں پہنچی تو حضرت خضر نے ایک تختہ اکھیڑ ڈالا پھر اسے اوپر سے ہی جوڑ دیا یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ سے صبر نہ ہو سکا شرط کو بھول گئے اور جھٹ سے کہنے لگے کہ یہ کیا ہے؟ لتغرق کا لام لام عاقبت ہے لام تعلیل نہیں ہے جیسے شاعر کے اس قول میں لدوا للموت وبنوا للخراب یعنی ہر پیدا شدہ جان دار کا انجام موت ہے اور ہر بنائی ہوئی عمارت کا انجام اجڑنا ہے۔ امرا کے معنی منکر اور عجیب کے

ہیں۔ یہ سن کر حضرت خضر نے انہیں ان کا وعدہ یاد لایا کہ تم نے اپنی شرط کا خلاف کیا میں تو تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ تمہیں ان باتوں کا علم نہیں تم خاموش رہنا مجھ سے نہ کہنا نہ سوال کرنا۔ ان کاموں کی مصلحت وحکمت الٰہی مجھے معلوم کراتا ہے اور تم سے یہ چیزیں مخفی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کی کہ اس بھول کو معاف کر دو اور مجھ پر سختی نہ کرو پہلے جو لمبی حدیث مفصل واقعہ کی بیان ہوئی ہے اس میں ہے کہ یہ پہلا سوال فی الواقع بھول چوک سے ہی تھا۔

خضر علیہ السلام کا قول کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا٥ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا٥
(خضر علیہ السلام نے) کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے
موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: آپ میری بھول پر میری گرفت نہ کریں اور میرے معاملہ میں مجھے زیادہ مشکل میں نہ ڈالیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھول پر عدم گرفت کا بیان

"قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيت" أَيْ غَفَلْت عَنْ التَّسْلِيم لَك وَتَرْك الْإِنْكَار عَلَيْك "وَلَا تُرْهِقْنِي" تُكَلِّفنِي "مِنْ أَمْرِي عُسْرًا" مَشَقَّة فِي صُحْبَتِي إِيَّاكَ أَيْ عَامِلْنِي فِيهَا بِالْعَفْوِ وَالْيُسْر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ میری بھول پر میری گرفت نہ کریں کیونکہ مجھے تمہاری حکم تسلیم کرنے اور اعتراض کرنے کے ترک پر غفلت ہوگئی ہے۔ اور میرے اس معاملہ میں مجھے زیادہ مشکل میں نہ ڈالیں۔ یعنی میری آپ کے ساتھ مصاحبت میں مشکل پیدا نہ کریں بلکہ آپ مجھ پر درگزر کریں اور آسانی کا معاملہ کریں۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا٥
پھر وہ دونوں چل دیئے یہاں تک کہ دونوں ایک لڑکے سے ملے تو اسے قتل کر ڈالا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا:
کیا آپ نے بیگناہ جان کو بغیر کسی جان کے قتل کر دیا ہے، بیشک آپ نے بڑا ہی سخت کام کیا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ایک لڑکے کو قتل کر دینے کا بیان

"فَانْطَلَقَا" بَعْد خُرُوجهمَا مِنْ السَّفِينَة يَمْشِيَانِ "حَتّٰى إِذَا لَقِيَا غُلَامًا" لَمْ يَبْلُغ الْحِنْث يَلْعَب مَعَ الصِّبْيَان أَحْسَنهمْ وَجْهًا "فَقَتَلَهُ" الْخَضِر بِأَنْ ذَبَحَهُ بِالسِّكِّينِ مُضْطَجِعًا أَوْ اقْتَلَعَ رَأْسه بِيَدِهِ أَوْ ضَرَبَ رَأْسَهُ بِالْجِدَارِ أَقْوَال وَأَتَى هُنَا بِالْفَاءِ الْعَاطِفَة لِأَنَّ الْقَتْل عَقِب اللِّقَاء وَجَوَاب إِذَا إِنْ ذُكِرَ الْآلَة الَّتِي قَتَلَ بِهَا الْخَضِر الصَّبِيّ أَوْ وَصْف طَرِيقَة قَتْله لَمْ يَرِد فِيهَا نَصّ صَرِيح وَلِهَذَا تَعَدَّدَتْ

فِيهَا الْأَقْوَال وَهِيَ لَا أَهَمِّيَّة لَهَا لِأَنَّ الْمُهِمّ هُوَ أَنَّ الْقَتْل قَدْ حَصَلَ فِعْلًا "قَالَ" لَهُ مُوسَى "أَقَتَلْت نَفْسًا زَاكِيَة" أَيْ طَاهِرَة لَمْ تَبْلُغ حَدّ التَّكْلِيف وَفِي قِرَاءَة زَكِيَّة بِتَشْدِيدِ الْيَاء بِلَا أَلِف "بِغَيْرِ نَفْس" أَيْ لَمْ تَقْتُل نَفْسًا "لَقَدْ جِئْت شَيْئًا نُكْرًا" بِسُكُونِ الْكَاف وَضَمّهَا أَيْ مُنْكَرًا

پھر وہ دونوں چل دیئے یعنی کشتی سے اترنے کے بعد دونوں حضرات وہاں سے چل دیئے۔ یہاں تک کہ دونوں ایک لڑکے سے ملے جو ابھی بلوغت کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا بلکہ وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اوران بچوں میں سب سے زیادہ خوبصورت تھا۔ تو خضر علیہ السلام نے اسے قتل کرڈالا، یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے اس کولٹا کر چھری کے ساتھ ذبح کر دیا۔ یا اس کوسرا کھاڑ دیا یا اس کے سر کو دیوار پر دے مارا۔ یہی اقوال ہیں۔ اور یہاں پر فاء برائے تعقیب ہے۔ کیونکہ یہ قتل ان کی ملاقات کے بعد ہوا تھا۔ اور یہاں اذا یہ جواب ہے یعنی وہ آلہ جس سے خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ یا جو قتل کا جو طریقہ تھا کیونکہ اس میں کوئی نص صریح وارد نہیں ہوئی اور اس میں اقوال متعدد ہیں۔ لہٰذا اس کی کوئی تحقیقی ضرورت بھی نہیں ہے جبکہ سمجھنا مقصد قتل ہے۔ اگر چہ وہ کسی بھی فعل سے واقع ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا آپ نے بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلہ کے قتل کر دیا ہے، یعنی وہ پاکباز بچہ جو ابھی سن بلوغت کو بھی نہیں پہنچا۔ اور ایک قرأت میں زکیہ یاء کی تشدید کے ساتھ بغیر الف کے آیا ہے۔ یعنی بغیر کسی جان کے۔ بیشک آپ نے بڑا ہی سخت کام کیا ہے۔ یہاں نکرا کاف کے سکون اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی ناپسندیدہ کام ہے۔

فرمان ہے کہ اس واقعہ کے بعد دونوں صاحب ایک ساتھ چلے ایک بستی میں چند بچے کھیلتے ہوئے ملے ان میں سے ایک بہت ہی تیز طرار نہایت خوبصورت چالاک اور بھلا لڑکا تھا۔ اس کو پکڑ کر حضرت خضر نے اس کا سر توڑ دیا یا تو پتھر سے یا ہاتھ سے ہی گردن مروڑ دی بچہ اسی وقت مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے اور بڑے سخت لہجے میں کہا یہ کیا واہیات ہے؟ چھوٹے بیگناہ بچے کو بغیر کسی شرعی سبب کے مار ڈالنا یہ کون سی بھلائی ہے؟ بیشک تم نہایت منکر کام کرتے ہو۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝
(خضر علیہ السلام نے) کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کرسکیں گے

حضرت خضر علیہ السلام کا صبر پر رہنے کا حکم دینے کا بیان

"قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَك إنَّك لَنْ تَسْتَطِيع مَعِي صَبْرًا" زَادَ لَك عَلَى مَا قَبْله لِعَدَمِ الْعُذْر هُنَا

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کرسکیں گے۔ یہاں پر لفظ لک کا اضافہ کیا ہے جبکہ ماقبل میں یہ اضافہ نہیں کیا تھا کیونکہ وہاں یہ عذر نہ تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے اس دوسری مرتبہ اور زیادہ تاکید سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی منظور کی ہوئی شرط کے خلاف کرنے پر تنبیہ فرمائی۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس بار اور ہی راہ اختیار کی اور فرمانے لگے اچھا اب کی دفعہ اور جانے دو اب اگر میں آپ پر اعتراض کروں تو مجھے آپ اپنے ساتھ نہ رہنے دینا، یقیناً آپ بار بار مجھے متنبہ فرماتے رہے اور اپنی

طرف سے آپ نے کوئی کمی نہیں کی اب اگر قصور کروں تو سزا پاؤں۔ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی یاد آجاتا اور اس کے لئے آپ دعا کرتے تو پہلے اپنے لئے کرتے۔ایک روز فرمانے لگے ہم پر اللہ کی رحمت ہو اور موسیٰ پر کاش کہ وہ اپنے ساتھی کے ساتھ اور بھی ٹھہرتے اور صبر کرتے تو اور یعنی بہت سی تعجب خیز باتیں معلوم ہوتیں۔لیکن انہوں نے تو یہ کہہ کر چھٹی لے لی کہ اب اگر پوچھوں تو ساتھ چھوٹ جائے۔میں اب زیادہ تکلیف میں آپ کو ڈالنا نہیں چاہتا۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا۝
موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کی نسبت سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا،
بیشک میری طرف سے آپ حدِ عذر کو پہنچ گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آئندہ سوال نہ کرنے کا کہنے کا بیان

وَلِهَذَا "قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍ بَعْدَهَا" أَیْ بَعْد هَذِهِ الْمَرَّة "فَلَا تُصَاحِبْنِی" لَا تَتْرُكنِی أَتَّبِعك "قَدْ بَلَغْت مِنْ لَدُنِّی" بِالتَّشْدِیدِ وَالتَّخْفِیف مِنْ قِبَلِی "عُذْرًا" فِی مُفَارَقَتك لِی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کی نسبت سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا، یعنی مجھے اپنے ساتھ نہ رہنے دینا۔بیشک میری طرف سے آپ حدِ عذر کو پہنچ گئے ہیں۔لدنی یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔یعنی آپ سے جدائی میں عذر ہے۔

حضرت موسیٰ نے آخری موقعہ کی تعیین کرتے ہوئے حضرت خضر سے کہا کہ "اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کچھ پوچھا تو آپ مجھے اپنے سے علیحدہ کر دینا" کہ یقیناً ایسی صورت میں آپ میری طرف سے معذوری کو پہنچ گئے۔یعنی اب مجھے الگ کر دینے پر آپ معذور ہوں گے اور آپ پر کوئی الزام واعتراض نہیں ہوگا۔کیونکہ ایسے میں آپ بھی معذوری کی انتہاء کو پہنچ چکے ہوں گے اور اس کے بعد میں بھی آپ کے ساتھ نہیں چل سکوں گا۔کیونکہ تین مرتبہ دینے سے حجت پوری ہو جائے گی اور حضرت موسیٰ کا یہ کلام انتہائی ندامت کی بناء پر تھا کہ مجھے اپنی طرف سے پختہ وعدہ کرنے کے باوجود حضرت خضر سے اس طرح بار بار پوچھنا پڑ رہا ہے۔ اسی لیے صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کی رحمتیں ہوں حضرت موسیٰ پر۔اگر آپ علیہ السلام صبر کر لیتے تو کچھ اور عجائب کا اظہار ہو جاتا۔(تفسیر المراغی، سورہ کہف، بیروت)

فَانْطَلَقَا حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا
جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَیْهِ اَجْرًا۝
پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی والوں کے پاس آپہنچے، دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب

کیا تو انہوں نے ان دونوں کی میزبانی کرنے سے انکار کر دیا، پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی تو
(خضر علیہ السلام نے) اسے سیدھا کر دیا، موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا انطاکیہ بستی میں دیوار کو بنانے کا بیان

"فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْل قَرْيَة" هِيَ أَنْطَاكِيَة "اسْتَطْعَمَا أَهْلهَا" طَلَبًا مِنْهُمْ الطَّعَام بِضِيَافَةٍ "فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا" ارْتِفَاعه مِائَة ذِرَاع "يُرِيد أَنْ يَنْقَضّ" أَيْ يَقْرُب أَنْ يَسْقُط لِمَيَلَانِهِ "فَأَقَامَهُ" الْخَضِر بِيَدِهِ "قَالَ" لَهُ مُوسَى "لَوْ شِئْت لَاتَّخَذْت" وَفِي قِرَاءَة لَتَخِذْت "عَلَيْهِ أَجْرًا" جُعْلًا حَيْثُ لَمْ يُضَيِّفُونَا مَعَ حَاجَتنَا إِلَى الطَّعَام

پھر دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب دونوں ایک بستی انطاکیہ والوں کے پاس آ پہنچے، دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا یعنی مہمان نوازی کے کھانا طلب کیا۔ تو انہوں نے ان دونوں کی میزبانی کرنے سے انکار کر دیا، پھر دونوں نے وہاں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی جو سو گز اونچی تھی۔ اور گرنے کی جانب جھکی ہوئی تھی۔ تو خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اسے سیدھا کر دیا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس تعمیر پر مزدوری لے لیتے۔ ایک قرأت میں لتخذت ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے ہماری مہمان نوازی نہیں کی جبکہ ہمیں کھانے کی بھی ضرورت تھی۔

دو دفعہ کے اس واقعہ کے بعد پھر دونوں صاحب مل کر چلے اور ایک بستی میں پہنچے روایت ہے وہ بستی ایکہ تھی یہاں کے لوگ بڑے ہی بخیل تھے۔ انتہا یہ کہ دو بھوکے مسافروں کے طلب کرنے پر انہوں نے روٹی کھلانے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ وہاں دیکھتے ہیں کہ ایک دیوار گرنا ہی چاہتی ہے، جگہ چھوڑ چکی ہے، جھک پڑی ہے۔ دیوار کی طرف ارادے کی اسناد بطور استعارہ کے ہے اسے دیکھتے ہی کمر کس کر لگ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے مضبوط کر دیا اور بالکل درست کر دیا پہلے حدیث بیان ہو چکی ہے کہ آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے لوٹا دیا۔ زخم ٹھیک ہو گیا اور دیوار درست بن گئی۔ اس وقت پھر کلیم اللہ علیہ السلام بول اٹھے کہ سبحان اللہ ان لوگوں نے تو ہمیں کھانے تک کو نہ پوچھا بلکہ مانگنے پر بھاگ گئے۔ اب جو تم نے ان کی یہ مزدوری کر دی اس پر کچھ اجرت کیوں نہ لے لی جو بالکل ہمارا حق تھا؟ اس وقت وہ بندہ الٰہی بول اٹھے لو صاحب اب مجھ میں اور آپ میں حسب معاہدہ خود جدائی ہو گئی۔ کیونکہ بچے کے قتل پر آپ نے سوال کیا تھا اس وقت جب میں نے آپ کو اس غلطی پر متنبہ کیا تھا تو آپ نے خود ہی کہا تھا کہ اب اگر کسی بات کو پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دینا اب سنو جن باتوں پر آپ نے تعجب سے سوال کیا اور برداشت نہ کر سکے ان کی اصلی حکمت آپ پر ظاہر کئے دیتا ہوں۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝
(خضر علیہ السلام نے) کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی ہے، اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت سے

آگاہ کئے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔

حضرت خضر علیہ السلام کا اعلان جدائی کا بیان

"قَالَ" لَهُ الْخَضِر "هٰذَا فِرَاق" أَيْ وَقْت فِرَاق "بَيْنِي وَبَيْنك" فِيهِ إِضَافَة بَيْن إِلَى غَيْر مُتَعَدِّد سَوَّغَهَا تَكْرِيره بِالْعَطْفِ بِالْوَاوِ "سَأُنَبِّئُك" قَبْل فِرَاقِي لَك

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت ہے، یہاں پر فراق مصدر بہ معنی فاعل ہے اور بین کی اضافت غیر متعدد کی جانب ہے اور واؤ عاطفہ کے سبب اس کے تکرار کو چلایا گیا ہے۔اب میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت سے آگاہ کئے دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہیں کر سکے۔یعنی جدا کرنے سے پہلے بتا دیتا ہوں۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا
وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ٥
وہ جو کشتی تھی سو وہ چند غریب لوگوں کی تھی وہ دریا میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ
اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین رہا تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا ظالم بادشاہ سے کشتی کو بچا لینے کا بیان

"أَمَّا السَّفِينَة فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ" عَشَرَة "يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْر" بِهَا مُؤَاجَرَة لَهَا طَلَبًا لِلْكَسْبِ "فَأَرَدْت أَنْ أَعِيبهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ" إِذَا رَجَعُوا أَوْ أَمَامهمْ الْآن "مَلِك" كَافِر "يَأْخُذ كُلّ سَفِينَة" صَالِحَة "غَصْبًا" نَصْبه عَلَى الْمَصْدَر الْمُبَيِّن لِنَوْعِ الْأَخْذ

وہ جو کشتی تھی وہ چند غریب یعنی دس غریب لوگوں کی تھی وہ دریا میں محنت مزدوری کیا کرتے تھے،ان کا ذریعہ معاش بھی وہ اجرت تھی۔پس میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار کر دوں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے آگے ایک جابر کافر بادشاہ کھڑا تھا جو ہر بے عیب کشتی کو زبردستی مالکوں سے بلا معاوضہ چھین رہا تھا۔یہاں پر غصبا کا نصب ان مصدر یہ کے سبب ہے جو بیان نوع کیلئے آیا ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کے انجام سے حضرت خضر کو مطلع کر دیا تھا اور انہیں جو حکم ملا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس راز کا علم نہ تھا اس لئے بظاہر اسے خلاف سمجھ کر اس پر انکار کرتے تھے لہٰذا حضرت خضر نے اب اصل معاملہ سمجھا دیا۔فرمایا کہ کشتی کو عیب دار کرنے میں تو یہ مصلحت تھی کہ اگر صحیح سالم ہوتی تو آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر ایک اچھی کشتی کو ظلماً چھین لیتا تھا۔جب اسے وہ ٹوٹی پھوٹی دیکھے گا تو چھوڑ دے گا اگر یہ ٹھیک ٹھاک اور ثابت ہوتی تو ساری کشتی ہی ان مسکینوں کے ہاتھ سے چھن جاتی اور ان کی روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا جو بالکل جاتا رہتا۔روایت ہے کہ اس کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ابن جریج کہتے ہیں اس بادشاہ کا نام حدد بن بدد تھا۔بخاری شریف کے حوالے سے یہ راویت پہلے گزر چکی ہے۔تورات میں ہے کہ یہ عیص بن

اسحاق کی نسل سے تھا توراۃ میں جن بادشاہوں کا صریح ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے۔

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّ كُفْرًاۚ

اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ صاحب ایمان تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ ان دونوں کو سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا تحفظ ایمان کیلئے لڑکے کو قتل کرنے کا بیان

"وَأَمَّا الْغُلَام فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا" فَإِنَّهُ كَمَا فِي حَدِيث مُسْلِم طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَأَرْهَقَهُمَا ذَلِكَ لِمَحَبَّتِهِمَا لَهُ يَتْبَعَانِهِ فِي ذَلِكَ

اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ صاحب ایمان تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ اگر زندہ رہا تو کافر بنے گا اور ان دونوں کو بڑا ہو کر سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔ جس طرح صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس پر کفر کی مہر لگائی گئی ہے۔ اور اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے والدین پر غالب آجاتا اور وہ دونوں بھی اس کی محبت میں اس کی اتباع کر جاتے۔

اور وہ اس کی محبت میں دین سے پھر جائیں اور گمراہ ہو جائیں اور حضرت خضر کا یہ اندیشہ اس سبب سے تھا کہ وہ باعلام الٰہی اس کے حالِ باطن کو جانتے تھے۔ حدیث مسلم میں ہے کہ یہ لڑکا کافر ہی پیدا ہوا تھا۔ امام سبکی نے فرمایا کہ حالِ باطن جان کر بچّے کو قتل کر دینا حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے انہیں اس کی اجازت تھی، اگر کوئی ولی کسی بچّے کے ایسے حال پر مطلع ہو تو اس کو قتل جائز نہیں ہے۔ کتاب عرائس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر سے فرمایا کہ تم نے ستھری جان کو قتل کر دیا تو یہ انہیں گراں گزرا اور انہوں نے اس لڑکے کا کندھا توڑ کر اس کا گوشت چیرا تو اس کے اندر لکھا ہوا تھا کافر ہے کبھی اللہ پر ایمان نہ لائے گا۔ (تفسیر جمل، سورہ کہف، بیروت)

فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا

تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو ان کا رب اس کے بدلے ایسی اولاد دے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور شفقت میں زیادہ قریب ہو۔

حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کے قتل کا علم طریقت بیان کیا

"فَأَرَدْنَا أَنْ يُبَدِّلهُمَا" بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيف "رَبّهمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاة" أَيْ صَلَاحًا وَتُقًى "وَأَقْرَب" مِنْهُ "رُحْمًا" بِسُكُونِ الْحَاء وَضَمّهَا رَحْمَة وَهِيَ الْبِرّ بِوَالِدَيْهِ فَأَبْدَلَهُمَا تَعَالَى جَارِيَة تَزَوَّجَتْ نَبِيًّا فَوَلَدَتْ نَبِيًّا فَهَدَى اللَّه تَعَالَى بِهِ أُمَّة

تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو ان کا رب اس کے بدلے ایسی اولاد دے۔ یہاں پر ان یبدلھما تشدید اور تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ جو پاکیزگی میں اس سے بہتر اور شفقت میں زیادہ قریب ہو۔ یعنی نیک و متقی اور رحمت کے قرب والی ہو۔ یہاں رحما، حاء کے سکون اور ضمہ کے ساتھ آیا ہے جس کا معنی رحمت ہے۔ اور یہ والدین کے ساتھ نیکی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس لڑکے

کے بدلے میں ایک بیٹی عطا فرمائی جس کی شادی ایک نبی مکرم علیہ السلام سے ہوئی۔ اور ان سے بھی ایک نبی مکرم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جن سے ایک امت نے ہدایت پائی۔

امام ابن ابی شیبہ، ابن المنذر راور ابن ابی حاتم نے بروایت عطیہ نقل کیا ہے کہ مقتول لڑکے کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے بطن سے دو نبی پیدا ہوئے بعض روایات میں ہے کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی امت کو ہدایت فرمائی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ کہف، بیروت)

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ
اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ
وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ ○
اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لئے ایک خزانہ تھا اور ان کا باپ صالح تھا،
سو آپ کے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور آپ کے رب کی رحمت سے وہ اپنا خزانہ نکالیں،
اور میں نے وہ ازخود نہیں کیا، یہ ان کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

یتیم بچوں کی دیوار سے متعلق علم طریقت کا بیان

"وَأَمَّا الْجِدَار فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَة وَكَانَ تَحْته كَنْز" مَال مَدْفُون مِنْ ذَهَب وَفِضَّة "لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا" فَحُفِظَا بِصَلَاحِهِ فِي أَنْفُسهمَا وَمَالهمَا "فَأَرَادَ رَبّك أَنْ يَبْلُغَا أَشُدّهمَا" أَيْ إينَاس رُشْدهمَا "وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزهمَا رَحْمَة مِنْ رَبّك" مَفْعُول لَهُ عَامِله أَرَادَ "وَمَا فَعَلْته" أَيْ مَا ذُكِرَ مِنْ خَرْق السَّفِينَة وَقَتْل الْغُلَام وَإِقَامَة الْجِدَار "عَنْ أَمْرِي" أَيْ اخْتِيَارِي بَلْ بِأَمْرِ إلْهَام . مِنْ اللّٰه "ذَلِكَ تَأْوِيل مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا" يُقَال اسْطَاعَ وَاسْتَطَاعَ بِمَعْنَى أَطَاقَ فَفِي هَذَا وَمَا قَبْله جَمْع بَيْن اللُّغَتَيْنِ وَنُوِّعَتْ الْعِبَارَة فِي : فَأَرَدْت فَأَرَدْنَا فَأَرَادَ رَبّك،

اور وہ جو دیوار تھی تو وہ شہر میں رہنے والے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان دونوں کے لئے سونے چاندی کو ایک خزانہ مدفون تھا اور ان کا باپ صالح شخص تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے مال و جان کو محفوظ رکھا۔ لہٰذا آپ کے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں یعنی جب وہ سمجھدار بن جائیں۔ اور آپ کے رب کی رحمت سے وہ اپنا خزانہ خود ہی نکالیں، یہاں پر رحمہ یہ مفعول لہ ہے جس کا عامل اراد ہے اور میں نے جو کچھ بھی کیا یعنی کشتی کو توڑنا لڑکے کا قتل، اور دیوار کو بنانا تھا۔ وہ ازخود نہیں کیا، بلکہ یہ میرے لئے اللہ کی طرف سے الہام تھا۔ یہ ان واقعات کی حقیقت ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔ کہا گیا ہے اسطاع اور استطاع کا

معنی اطاق یعنی طاقت کے معنی میں آیا ہے۔ یہ لغت اور ماقبل کی لغت دونوں لغات جمع ہیں۔ اور یہ عبارت، اردت، اردنا، اراد میں آپ کے رب نے عبارت کا تنوع اختیار کیا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں (وَّكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا، یعنی جو دیوار (حضرت خضر علیہ السلام نے صحیح کی تھی) اس کے نیچے ان دونوں کے لئے خزانہ تھا)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خزانے سے مراد سونا چاندی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1099)

سونے کی تختی پر لکھی ہوئی نصیحت کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر نصیحت کے مندرجہ ذیل کلمات لکھے ہوئے تھے یہ روایت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل فرمائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر غمگین کیونکر ہوتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ رزق کا ذمہ دار اللہ ہے پھر ضرورت سے زیادہ مشقت اور فضول قسم کی کوشش میں کیوں لگتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش وخرم کیسے رہتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو حساب آخرت پر ایمان رکھتا ہے پھر غفلت کیسے برتتا ہے۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو اور اس کے انقلابات کو جانتا ہے پھر کیسے اس پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔ (تفسیر قرطبی، سورہ کہف، بیروت)

حضرت خضر علیہ السلام کی حیات ونبوت کا بیان

بعض لوگ ولی کو نبی پر فضیلت دے کر گمراہ ہو گئے اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ حضرت موسیٰ کو حضرت خضر سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا باوجود یکہ حضرت خضر ولی ہیں اور درحقیقت ولی کو نبی پر فضیلت دینا کفرِ جلی ہے اور حضرت خضر نبی ہیں اور اگر ایسا نہ ہو جیسا کہ بعض کا گمان ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ابتلاء ہے علاوہ بریں یہ کہ اہل کتاب اس کے قائل ہیں کہ یہ حضرت موسیٰ پیغمبر بنی اسرائیل کا واقعہ ہی نہیں بلکہ موسیٰ بن ماثان کا واقعہ ہے اور ولی تو نبی پر ایمان لانے سے مرتبہ ولایت پر پہنچتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ نبی سے بڑھ جائے۔ (مدارک، سورہ کہف، بیروت)

اکثر علماء اس پر ہیں اور مشائخِ صوفیہ واصحاب عرفان کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ شیخ ابوعمرو بن صلاح نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ حضرت خضر جمہور علماء وصالحین کے نزدیک زندہ ہیں، یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت خضر والیاس دونوں زندہ ہیں اور ہر سال زمانہ حج میں ملتے ہیں۔ یہ بھی منقول ہے کہ حضرت خضر نے چشمہ حیات میں غسل فرمایا اور اس کا پانی پیا واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر خازن، سورہ کہف، بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ایک شخص سیاہ سفید داڑھی والے داخل ہوئے اور لوگوں کے مجمع کو چیرتے پھاڑتے اندر پہنچے اور رونے لگے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف متوجہ ہو کر یہ

کلمات کہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صبر ہے ہر مصیبت سے اور بدلہ ہے ہر فوت ہونے والی چیز کا اور وہی قائم مقام ہے ہر ہلاک ہونے والے کا اس لئے اسی کی طرف رجوع کرو اسی کو طرف رغبت کرو اور اس بات کو دیکھو کہ وہ تمہیں مصیبت میں مبتلا کر کے تم کو آزماتا ہے اصل مصیبت زدہ وہ ہے جس کی مصیبت کی تلافی نہ ہو۔

یہ آنے والے کلمات مذکورہ کہہ کر رخصت ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق اور علی المرتضی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اس روایت کو جزری رحمۃ اللہ علیہ نے حصن حصین میں بھی نقل کیا ہے۔ جن کی شرط یہ ہے کہ صرف صحیح السند روایات اس میں درج کرتے ہیں۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے ایک شخص اس کے مقابلہ کے لئے نکلے گا جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہوگا یا بہتر لوگوں میں سے ہوگا۔

ابو اسحق نے فرمایا کہ یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الہواتف میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو خضر علیہ السلام نے ان کو ایک دعا بتلائی جو کہ اس کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرے اس کے لئے ثواب عظیم اور مغفرت و رحمت ہے وہ دعا یہ ہے۔ اے وہ ذات جس کو ایک کلام کا سننا دوسرے کلام کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور اے وہ ذات جس کو بیک وقت ہونے والے (لاکھوں کروڑوں) سوالات میں کوئی مغالطہ نہیں لگتا اور وہ ذات جو دعا میں الحاح و اسرار کرنے اور بار بار کہنے سے ملول نہیں ہوتا مجھے اپنے عفو و کرم کا ذائقہ چکھا دیجئے اور اپنی مغفرت کی حلاوت نصیب فرمائیے۔ اور پھر اسی کتاب میں بعینہ یہی واقعہ اور یہی دعا اور خضر علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ کہف، بیروت)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝
اور یہ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے: میں ابھی تمہیں اس کے حال کا تذکرہ پڑھ کر سناتا ہوں۔

نبی کریم ﷺ سے یہود کا ذوالقرنین کے بارے میں پوچھنے کا بیان

"وَيَسْأَلُوْنَكَ" أَىْ الْيَهُوْد "عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ" اسْمه الْإِسْكَنْدَر وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا "قُلْ سَأَتْلُو" سَأَقُصُّ "عَلَيْكُمْ مِنْهُ" مِنْ حَاله "ذِكْرًا" خَبَرًا

اور (اے حبیب معظم ﷺ) یہ یعنی یہود آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں، جس کا نام اِسکندر تھا جو نبی نہ تھا فرما دیجئے: میں ابھی تمہیں اس کے حال کا تذکرہ پڑھ کر سناتا ہوں۔

ذوالقرنین اِسکندریہ کے تعارف کا بیان

ذوالقرنین کا نام اسکندر ہے یہ حضرت خضر علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی ہیں انہوں نے اسکندریہ بنایا اور اس کا نام اپنے نام پر رکھا، حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر اور صاحب لواء تھے، دنیا میں ایسے چار بادشاہ ہوئے ہیں جو تمام دنیا پر حکمران تھے، دو مومن

حضرت ذوالقرنین اور حضرت سلیمان علٰی نبینا وعلیہما السلام اور دو کافر نمرود اور بخت نصر اور عنقریب ایک پانچویں بادشاہ اور اس اُمت سے ہونے والے ہیں جن کا اسمِ مبارک حضرت امام مہدی ہے، ان کی حکومت تمام روئے زمین پر ہوگی۔ ذوالقرنین کی نبوت میں اختلاف ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ نہ نبی تھے، نہ فرشتے، اللہ سے محبت کرنے والے بندے تھے، اللہ نے انہیں محبوب بنایا۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ کہف، بیروت)

ذوالقرنین اِسکندریہ کے بارے میں یہود کے سوال کا بیان

کفار مکہ نے اہل کتاب سے کہلوایا تھا کہ ہمیں کچھ ایسی باتیں بتلاؤ جو ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کریں اور ان کے جواب آپ سے نہ بن پڑیں۔ تو انہوں نے سکھایا تھا کہ ایک تو ان سے اس شخص کا واقعہ پوچھو جس نے روئے زمین کی سیاحت کی تھی۔ دوسرا سوال ان سے ان نوجوانوں کی بہ نسبت کرو جو بالکل لاپتہ ہوگئے ہیں اور تیسرا سوال ان سے روح کی بابت کرو۔ ان کے ان سوالوں کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالقرنین کا قصہ دریافت کرنے کو آئی تھی۔ تو آپ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ تم اس لئے آئے ہو۔ پھر آپ نے وہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں ہے کہ وہ ایک رومی نوجوان تھا اسی نے اسکندریہ بنایا۔ اسے ایک فرشتہ آسمان تک چڑھا لے گیا تھا اور دیوار تک لے گیا تھا اس نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے منہ کتوں جیسے تھے وغیرہ۔

تعجب ہے کہ امام ابوزرعہ رازی جیسے علامہ زماں نے اسے اپنی کتاب دلائل نبوت میں مکمل وارد کیا ہے۔ فی الواقع یہ ان جیسے بزرگ سے تو تعجب خیز چیز ہی ہے۔ اس میں جو ہے کہ یہ رومی تھا یہ بھی ٹھیک نہیں۔ اسکندر ثانی البتہ رومی تھا وہ قیلیس مقذونی کا لڑکا ہے جس سے روم کی تاریخ شروع ہوتی ہے اور سکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی بنا کے بعد طواف بیت اللہ کیا ہے۔ آپ پر ایمان لایا تھا، آپ کا تابعدار بنا تھا۔ انہی کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اور سکندر ثانی کا وزیر ارسطاطالیس مشہور فلسفی تھا۔

اسی نے مملکت روم کی تاریخ لکھی یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اور سکندر اول جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانے میں تھا جیسے کہ ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ بنایا تو اس نے آپ کے ساتھ طواف کیا تھا اور اللہ کے نام بہت سی قربانیاں کی تھیں۔

وہب کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے چونکہ ان کے سر کے دونوں طرف تانبا رہتا تھا اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا یہ وجہ بھی بتلائی گئی ہے کہ یہ روم کا اور فارس کا دونوں کا بادشاہ تھا۔ بعض کا قول ہے کہ فی الواقع اس کے سر کے دونوں طرف کچھ سینگ سے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا یہ لوگ مخالف ہوگئے اور ان کے سر کے ایک جانب اس قدر مارا کہ یہ شہید ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے پھر سر کے دوسری طرف اسی قدر مارا جس سے یہ پھر مر گئے اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ مشرق سے مغرب کی طرف سیاحت کر آئے تھے اس لیے انہیں ذوالقرنین کہا گیا ہے۔ ہم نے اسے بڑی سلطنت دے رکھی تھی۔ ساتھ ہی قوت لشکر آلات حرب سب کچھ ہی دے رکھا تھا۔ مشرق سے مغرب تک اس کی سلطنت تھی عرب عجم سب اس کے ماتحت تھے۔ ہر چیز کا اسے علم دے رکھا تھا زمین کے ادنی اعلیٰ نشانات بتلا دیے تھے۔ تمام زبانیں جانتے تھے۔ جس قوم سے لڑائی ہوتی اس کی زبان بول لیتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝
بے شک ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا اور اسے ہر چیز میں سے کچھ سامان عطا کیا۔

ذوالقرنین اسکندر کیلئے زمین میں بادشاہت کا بیان

"إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْض" بِتَسْهِيلِ السَّيْر فِيهَا "وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلّ شَيْء" يَحْتَاج إِلَيْهِ "سَبَبًا" طَرِيقًا يُوصِلهُ إِلَى مُرَاده

بے شک ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا یعنی زمین میں سفر آسان کر دیا۔ اور اسے ہر چیز میں سے کچھ سامان عطا کیا۔ یعنی جن وسائل کی بادشاہوں کو ضرورت ہوتی ہے۔ اور وہ اسباب جن کے ذریعے مقاصد تک پہنچنا ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ دلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور ان کی دعا کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارقِ عادت سامان و وسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق و مغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضر علیہ السلام اس کے وزیر تھے، شاید اسی لیے قرآن نے حضرت خضر علیہ السلام کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا۔ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں "ذوالقرنین" کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخی سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے۔ شاید اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔ حال میں یورپ کے ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم سامی عربوں کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں کا سراغ لگایا ہے جن کا تاریخی اوراق میں کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں، بلکہ بعض ممتاز و مشہور سلاطین کا نام تک کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ مثلاً بادشاہ "حمورابی" جو اغلباً حضرت ابراہیم کے عہد میں ہوا ہے اور جس کو کہا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا۔ اس کے قوانین منارۂ بابل پر کندہ ملے ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہو گیا ہے۔ پرانے کتبات سے اس کی عجیب و غریب عظمت ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال "ذوالقرنین" ان ہی میں کا کوئی بادشاہ ہوگا۔ (فتح الباری شرح بالبخاری، بہ تصرف، بیروت)

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ
عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝

پس وہ اسباب کے پیچھے چل پڑا، یہاں تک کہ وہ غروبِ آفتاب کے آخری کنارے پر جا پہنچا وہاں اس نے سورج کے غروب
کے منظر کو ایسے محسوس کیا جیسے وہ پانی کے گرم چشمہ میں ڈوب رہا ہو اور اس نے وہاں ایک قوم کو پایا۔ ہم نے فرمایا:
اے ذوالقرنین! خواہ تم انہیں سزا دو یا ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

بادشاہ ذوالقرنین کا سورج کو غروب ہوتے دیکھنے کا بیان

"فَاَتْبَعَ سَبَبًا" سَلَكَ طَرِيقًا نَحو الْغَرْب "حَتَّى إِذَا بَلَغَ مَغْرِب الشَّمْس" مَوْضِع غُرُوبهَا "وَجَدَهَا تَغْرُب فِي عَيْن حَمِئَة" ذَات حَمْأَة وَهِيَ الطِّين الْأَسْوَد وَغُرُوبهَا فِي الْعَيْن فِي رَأْي الْعَيْن وَإِلَّا فَهِيَ أَعْظَم مِنْ الدُّنْيَا "وَوَجَدَ عِنْدهَا" أَيْ الْعَيْن "قَوْمًا" كَافِرِينَ "قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ" بِالْإِلْهَامِ "إمَّا أَنْ تُعَذِّب" الْقَوْم بِالْقَتْلِ "وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذ فِيهِمْ حُسْنًا" بِالْأَسْرِ

پس وہ مزید اسباب کے پیچھے چل پڑا، یہاں تک کہ وہ غروبِ آفتاب کی سمت آبادی کے آخری کنارے پر جا پہنچا یعنی غروب آفتاب کی جگہ پہنچا وہاں اس نے سورج کے غروب کے منظر کو ایسے محسوس کیا جیسے وہ کیچڑ کی طرح سیاہ رنگ پانی کے گرم چشمہ میں ڈوب رہا ہو اور یہ دیکھنے والے کی نظر کو محسوس ہوتا ہے ورنہ سورج دنیا سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔ اور اس نے وہاں ایک کافر قوم کو آباد پایا۔ ہم نے بہ ذریعہ الہام فرمایا: اے ذوالقرنین! یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے خواہ تم انہیں قتل کر کے سزا دو یا ان کو قیدی بنا کر ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

ذوالقرنین کا مغربی جانب جانے کا بیان

ذوالقرنین ایک راہ لگ گئے زمین کی ایک سمت یعنی مغربی جانب کوچ کر دیا۔ جو نشانات زمین پر تھے ان کے سہارے چل کھڑے ہوئے۔ جہاں تک مغربی رخ چل سکتے تھے چلتے رہے یہاں تک کہ اب سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچ گے۔ یہ یاد رہے کہ اس سے مراد آسمان کا وہ حصہ نہیں جہاں سورج غروب ہوتا ہے کیونکہ وہاں تک تو کسی کا جانا ناممکن ہے۔ ہاں اس رخ جہاں تک زمین پر جانا ممکن ہے۔ حضرت ذوالقرنین پہنچ گئے۔ اور یہ جو بعض قصے مشہور ہیں کہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ سے بھی آپ تجاوز کر گئے اور سورج مدتوں ان کی پشت پر غروب ہوتا رہا یہ بے بنیاد باتیں ہیں اور عموماً اہل کتاب کی خرافات ہیں اور ان میں سے بھی بددینوں کی گھڑنت ہیں اور محض دروغ بے مروغ ہیں۔

الغرض جب انتہائے مغرب کی سمت پہنچ گئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا بحر محیط میں سورج غروب ہو رہا ہے۔ جو بھی کسی سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھے گا تو بظاہر یہی منظر اس کے سامنے ہوگا کہ گویا سورج پانی میں ڈوب رہا ہے۔ حالانکہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس سے الگ کبھی نہیں ہوتا حمئۃ یا تو مشتق ہے حماۃ سے یعنی چکنی مٹی۔ آیت قرآنی (وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ،الحجر:28) میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ یہی مطلب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سن کر حضرت نافع نے سنا کہ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے تم ہم سے زیادہ قرآن کے عالم ہو لیکن

میں تو کتاب میں دیکھتا ہوں کہ وہ سیاہ رنگ مٹی میں غائب ہو جاتا تھا۔ ایک قرأت میں فی عین حامیۃ ہے یعنی گرم چشمے میں غروب ہونا پایا۔ یہ دونوں قرأتیں مشہور ہیں اور دونوں درست ہیں خواہ کوئی سی قرأت پڑھے اور ان کے معنی میں بھی کوئی تفاوت نہیں کیونکہ سورج کی نزدیکی کی وجہ سے پانی گرم ہو اور وہاں کی مٹی کے سیاہ رنگ کی وجہ سے اس کا پانی کیچڑ جیسا ہی ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سورج کو غروب ہوتے دیکھ کر فرمایا اللہ کی بھڑکی آگ میں اگر اللہ کے حکم سے اس کی سوزش کم نہ ہو جاتی تو یہ تو زمین کی تمام چیزوں کو جھلس ڈالتا۔ اس کی صحت میں نظر ہے بلکہ مرفوع ہونے میں بھی بہت ممکن ہے کہ یہ عبداللہ بن عمرو کا اپنا کلام ہو اور ان دو تھیلوں کی کتابوں سے لیا گیا ہو جو انہیں یرموک سے ملے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، کہف، بیروت)

تفسیر ابن حاتم میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے سورہ کہف کی یہی آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے (عین حامیۃ) پڑھا اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم تو حمئۃ پڑھتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کس طرح پڑھتے ہیں انہوں نے جواب دیا جس طرح آپ نے پڑھا۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے گھر میں قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آدمی بھیجا کہ بتلاؤ سورج کہاں غروب ہوتا ہے؟ تورات میں اس کے متعلق کچھ ہے؟ حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اسے عربیت والوں سے پوچھنا چاہئے، وہی اس کے پورے عالم ہیں۔ ہاں تورات میں تو میں یہ پاتا ہوں کہ وہ پانی اور مٹی میں یعنی کیچڑ میں چھپ جاتا ہے اور مغرب کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ یہ سب قصہ سن کر ابن حاضر نے کہا اگر میں اس وقت ہوتا تو آپ کی تائید میں تبع کے وہ دو شعر پڑھ دیتا جس میں اس نے ذوالقرنین کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ مشرق و مغرب تک پہنچا کیونکہ اللہ کے حکم نے اسے ہر قسم کے سامان مہیا فرمائے تھے اس نے دیکھا کہ سورج سیاہ مٹی جیسے کیچڑ میں غروب ہوتا نظر آتا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا اس شعر میں تین لفظ ہیں خلب، ثاط اور حرمد۔ ان کے کیا معنی ہیں؟ مٹی، کیچڑ اور سیاہ۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے یا کسی اور شخص سے فرمایا یہ جو کہتے ہیں لکھ لو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سورہ کہف کی تلاوت حضرت کعب رحمۃ اللہ علیہ نے سنی اور جب آپ نے حمئۃ پڑھا تو کہا کہ واللہ جس طرح تورات میں ہے اسی طرح پڑھتے ہوئے میں نے آپ ہی کو سنا تورات میں بھی یہی ہے کہ وہ سیاہ رنگ کیچڑ میں ڈوبتا ہے وہیں ایک شہر تھا جو بہت بڑا تھا اس کے بارہ ہزار دروازے تھے اگر وہاں شور غل نہ ہو تو کیا عجب کہ ان لوگوں کو سورج کے غروب ہونے کی آواز تک آئے وہاں ایک بہت بڑی امت کو آپ نے بستا ہوا پایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں پر بھی انہیں غلبہ دیا اب ان کے اختیار میں تھا کہ یہ ان پر جبر وظلم کریں یا ان میں عدل وانصاف کریں۔ اس پر ذوالقرنین نے اپنے عدل وایمان کا ثبوت دیا اور عرض کیا کہ جو اپنے کفر وشرک پر اڑا رہے گا اسے تو ہم سزا دیں گے قتل وغارت سے یا یہ کہ تانبے کے برتن کو گرم آگ کرکے اس میں ڈال دیں گے کہ وہیں اس کا مرنڈا ہو جائے یا یہ کہ سپاہیوں کے

ہاتھوں انہیں بدترین سزائیں کرائیں گے واللہ اعلم۔ اور پھر جب وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے سخت تر اور دردناک عذاب کرے گا۔ اس سے قیامت کے دن کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ اور جو ایمان لائے ہماری توحید کی دعوت قبول کرلے اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت سے دست برداری کرلے اسے اللہ اپنے ہاں بہترین بدلہ دے گا اور خود ہم بھی اس کی عزت افزائی کریں گے اور بھلی بات کہیں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ کہف، بیروت)

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ○
ذوالقرنین نے کہا: جو شخص ظلم کرے گا تو ہم اسے ضرور سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا،
پھر وہ اسے بہت ہی سخت عذاب دے گا۔

شرک کرنے والوں کو ذوالقرنین کا عذاب سنانے کا بیان

"قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ " بِالشِّرْكِ "فَسَوْفَ نُعَذِّبهُ " نَقْتُلهُ "ثُمَّ يُرَدّ إِلَى رَبّه فَيُعَذِّبهُ عَذَابًا نُكْرًا " بِسُكُونِ الْكَاف وَضَمّهَا شَدِيدًا فِي النَّار

ذوالقرنین نے کہا: جو شخص شرک کر کے ظلم کرے گا تو ہم اسے ضرور سزا دیں گے، یعنی اس کو قتل کر دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا، پھر وہ اسے بہت ہی سخت عذاب دے گا۔ یہاں پر نکرا کا کاف سکون اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے یعنی اس کو آگ کا سخت عذاب ہوگا۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰیۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا یُسْرًا ○
اور رہا وہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا تو اس کے لیے بدلے میں بھلائی ہے اور عنقریب ہم اسے
اپنے کام میں سے سراسر آسانی کا حکم دیں گے۔

ایمان و عمل صالح والے کیلئے جزائے حسنیٰ کا بیان

"وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاء الْحُسْنَى " أَيْ الْجَنَّة وَالْإِضَافَة لِلْبَيَانِ وَفِي قِرَاءَة بِنَصْبِ جَزَاء وَتَنْوِينه قَالَ الْفَرَّاء : وَنَصْبه عَلَى التَّفْسِير أَيْ لِجِهَةِ النِّسْبَة "وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرنَا يُسْرًا " أَيْ نَأْمُرهُ بِمَا يَسْهُل عَلَيْهِ

اور رہا وہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا تو اس کے لیے بدلے میں بھلائی ہے یعنی جنت ہے۔ اور یہاں اضافت بیانیہ ہے۔ یہاں پر جزاء ایک قرأت کے مطابق منصوب اور تنوین کے ساتھ بھی آیا ہے اور امام فراء نحوی نے کہا ہے کہ اس کا نصب جہت نسبت کی تفسیر کیلئے آیا ہے۔ اور عنقریب ہم اسے اپنے کام میں سے سراسر آسانی کا حکم دیں گے۔ یعنی ہمیں اس چیز کا حکم دیں جو ہمارے لئے آسان ہو۔

یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہ کریں گے۔ بلکہ اپنے کام کے لیے جب کوئی بات اس سے کہیں گے سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہی راہ ہوتی ہے۔ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہی چال اختیار کی۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًاo حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ
نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًاo
پھر وہ کچھ اور سامان ساتھ لے کر چلا۔ یہاں تک کہ وہ طلوع آفتاب کے آخری کنارے پر جا پہنچا، وہاں اس نے سورج کو
ایسے محسوس کیا سورج ایک قوم پر اُبھر رہا ہو جس کے لئے ہم نے سورج سے کوئی حجاب تک نہیں بنایا تھا۔

بادشاہ ذوالقرنین کا سورج کو مقام طلوع سے دیکھنے کا بیان

"ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا" نَحو الْمَشْرِق "حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْس" مَوْضِع طُلُوعهَا "وَجَدَهَا تَطْلُع عَلٰی قَوْم" هُمْ الزَّنْج "لَمْ نَجْعَل لَهُمْ مِنْ دُونهَا" أَيْ الشَّمْس "سِتْرًا" مِنْ لِبَاس وَلَا سَقْف لِأَنَّ أَرْضهمْ لَا تَحْمِل بِنَاء وَلَهُمْ سُرُوب يَغِيبُونَ فِيهَا عِنْد طُلُوع الشَّمْس وَيَظْهَرُونَ عِنْد ارْتِفَاعهَا

پھر وہ کچھ اور سامان ساتھ لے کر مشرق کی جانب چلا۔ یہاں تک کہ وہ طلوع آفتاب کی سمت آبادی کے آخری کنارے یعنی طلوع آفتاب کی جگہ پر جا پہنچا، وہاں اس نے سورج کے طلوع کے منظر کو ایسے محسوس کیا جیسے سورج زمین کے اس خطہ پر آباد ایک قوم پر اُبھر رہا ہو۔ جس کے لئے ہم نے سورج سے بچاؤ کی خاطر کوئی حجاب تک نہیں بنایا تھا۔ یعنی وہ لوگ بغیر لباس اور مکان کے غاروں میں رہتے تھے۔ کیونکہ ان کی زمین عمارت کو نہیں اٹھا سکتی۔ لہٰذا ان کیلئے مورچے تھے جن میں وہ طلوع آفتاب کے وقت چھپ جاتے اور غروب آفتاب کے وقت نکل آتے ہیں۔

ذوالقرنین اِسکندریہ کا مشرقی سفر کا بیان

ذوالقرنین مغرب سے واپس مشرق کی طرف چلے۔ راستے میں جو قومیں ملتیں اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی انہیں دعوت دیتے۔ اگر وہ قبول کر لیتے تو بہت اچھا ورنہ ان سے لڑائی ہوتی اور اللہ کے اور اللہ کے فضل سے وہ ہارتے آپ انہیں اپنا ماتحت کر کے وہاں کے مال و مویشی اور خادم وغیرہ لے کر آگے کو چلتے۔ بنی اسرائیلی خبروں میں ہے کہ یہ ایک ہزار چھ سو سال تک زندہ رہے۔ اور برابر زمین پر دین الٰہی کی تبلیغ میں رہے ساتھ ہی بادشاہت بھی پھیلتی رہے۔ جب آپ سورج نکلنے کی جگہ پہنچے وہاں دیکھا کہ ایک بستی آباد ہے لیکن وہاں کے لوگ بالکل نیم وحشی جیسے ہیں۔ نہ وہ مکانات بناتے ہیں نہ وہاں کوئی درخت ہے سورج کی دھوپ سے پناہ دینے والی کوئی چیز وہاں انہیں نظر نہ آئی۔ ان کے رنگ سرخ تھے ان کے قد پست تھے عام خوراک ان کی مچھلی تھی۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جایا کرتے تھے اور غروب ہونے کے بعد جانوروں کی طرح ادھر

ادھر ہو جایا کرتے تھے۔ قتادہ کا قول ہے کہ وہاں تو کچھ اگتا نہ تھا سورج کے نکلنے کے وقت وہ پانی میں چلے جاتے اور زوال کے بعد دور دراز اپنی کھیتیوں وغیرہ میں مشغول ہو جاتے۔ سلمہ کا قول ہے کہ ان کے کان بڑے بڑے تھے ایک اوڑھ لیتے، ایک بچھا لیتے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہ وحشی حبشی تھے۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہاں کبھی کوئی مکان یا دیوار یا احاطہ نہیں بنا سورج کے نکلنے کے وقت یہ لوگ پانی میں گھس جاتے وہاں کوئی پہاڑ بھی نہیں۔ پہلے کسی وقت ان کے پاس ایک لشکر پہنچا تو انہوں نے ان سے کہا دیکھو سورج نکلتے وقت باہر نہیں ٹھہرنا انہوں نے کہا نہیں ہم تو رات ہی رات یہاں سے چلے جائیں گے لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ ہڈیوں کے چمکیلے ڈھیر کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا یہاں سے پہلے ایک لشکر آیا تھا سورج کے نکلنے کے وقت وہ یہیں ٹھیر رہا سب مر گئے یہ ان کی ہڈیاں ہیں یہ سنتے ہی وہ وہاں سے واپس ہو گئے۔ پھر فرماتا ہے کہ ذوالقرنین کی اس کے ساتھیوں کی کوئی حرکت کوئی گفتار اور رفتار ہم پر پوشیدہ نہ تھی۔ گو اس کا لاؤ لشکر بہت تھا زمین کے ہر حصے پر پھیلا ہوا تھا لیکن ہمارا علم زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ ہم سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ (جامع البیان، سورہ کہف، بیروت)

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝
واقعہ اسی طرح ہے، اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم نے اپنے علم سے اس کا احاطہ کر لیا ہے

بادشاہ ذوالقرنین کی بادشاہت پر علم الٰہی کے محیط ہونے کا بیان

"كَذَلِكَ" أَيْ الْأَمْر كَمَا قُلْنَا "وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ" أَيْ عِنْد ذِي الْقَرْنَيْنِ مِنْ الْآلَات وَالْجُنْد وَغَيْرهمَا "خُبْرًا" عِلْمًا

واقعہ اسی طرح ہے، اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم نے اپنے علم سے اس کا احاطہ کر لیا ہے۔ یعنی خواہ وہ ذوالقرنین بادشاہ کے پاس آلات جنگ اور لشکر ہوں۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝
پھر وہ کچھ اور سامان ساتھ لے کر چلا۔ یہاں تک کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے
ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔

بڑی دیر کے بعد اشارہ سے سمجھنے والی قوم کا بیان

"حَتَّى إِذَا بَلَغَ بَيْن السَّدَّيْنِ" بِفَتْحِ السِّين وَضَمّهَا هُنَا وَبَعْدهمَا جَبَلَانِ بِمُنْقَطَعِ بِلَاد التُّرْك سَدّ الْإِسْكَنْدَر مَا بَيْنهمَا كَمَا سَيَأْتِي "وَجَدَ مِنْ دُونهمَا" أَيْ أَمَامهمَا "قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا" أَيْ لَا يَفْهَمُونَهُ إِلَّا بَعْد بُطْء وَفِي قِرَاءَة بِضَمِّ الْيَاء وَكَسْر الْقَاف،

یہاں تک کہ وہ ایک مقام پر دو پہاڑوں کے درمیان جا پہنچا۔ یہاں سدین یہ سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ آیا ہے۔ یہاں پر

اوران دونوں پہاڑوں کے بعد بلاد ترک میں اسکندران پہاڑوں کے پیچھے ایک ایسی قوم کو آباد پایا جو کسی کی بات نہیں سمجھ سکتے تھے۔یعنی وہ بڑی دیر کے بعد اشارہ سے سمجھتی ہے۔یہاں پر یفقھون ایک قرأت میں یاء کے ضمہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

ذوالقرنین اسکندریہ کا یاجوج ماجوج کی طرف سفر کا بیان

اپنے شرقی سفر کو ختم کر کے پھر ذوالقرنین وہیں مشرق کی طرف ایک راہ چلے دیکھا کہ دو پہاڑ ہیں جو ملے ہوئے ہیں لیکن ان کے درمیان ایک گھاٹی ہے جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر ترکوں پر تباہی ڈالا کرتے ہیں انہیں قتل کرتے ہیں کھیت باغات تباہ کرتے ہیں بال بچوں کو بھی ہلاک کرتے ہیں اور سخت فساد برپا کرتے رہتے ہیں۔یاجوج ماجوج بھی انسان ہیں جیسے کہ بخاری مسلم کی حدیث سے ثابت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے آدم! آپ لبیک وسعدیک کے ساتھ جواب دیں گے،حکم ہوگا آگ کا حصہ الگ کر۔پوچھیں گے کتنا حصہ؟حکم ہوگا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے دوزخ میں اور ایک جنت میں۔یہی وہ وقت ہوگا کہ بچے بوڑھے ہوجائیں گے اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا۔پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا تم میں دو امتیں ہیں کہ وہ جن میں ہوں انہیں کثرت کو پہنچا دیتی ہیں یعنی یاجوج ماجوج۔امام نووی رحمۃ اللہ نے شرح صحیح مسلم میں ایک عجیب بات لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خاص پانی کے چند قطرے جو مٹی میں گرے تھے انہی سے یاجوج ماجوج پیدا کئے گئے ہیں گویا وہ حضرت حوا اور حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے نہیں بلکہ صرف نسل آدم علیہ السلام سے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ یہ قول بالکل ہی غریب ہے نہ اس پر عقلی دلیل ہے نہ نقلی اور ایسی باتیں جو اہل کتاب سے پہنچتی ہیں وہ ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔بلکہ ان کے ہاں کے ایسے قصے ملاوٹی اور بناوٹی ہوتے ہیں۔واللہ اعلم۔مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکے تھے سام حام اور یافث۔سام کی نسل سے کل عرب ہیں اور حام کی نسل سے کل حبشی ہیں اور یافث کی نسل سے کل ترک ہیں۔بعض علماء کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے اس جد اعلیٰ یافث کی ہی اولاد ہیں انہیں ترک اس لئے کہا گیا ہے کہ انہیں بوجہ ان کے فساد اور شرارت کے انسانوں کی اور آبادی کے پس پشت پہاڑوں کی آڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ذوالقرنین کے سفر کے متعلق اور اس دیوار کے بنانے کے متعلق اور یاجوج ماجوج کے جسموں ان کی شکلوں اور ان کے کانوں وغیرہ کے متعلق وہب بن منبہ سے ایک بہت لمبا چوڑا واقعہ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے جو علاوہ عجیب وغریب ہونے کے صحت سے دور ہے۔ابن ابی حاتم میں بھی ایسے بہت سے واقعات درج ہیں لیکن سب غریب اور غیر صحیح ہیں۔ان پہاڑوں کے درے میں ذوالقرنین نے انسانوں کی ایک آبادی پائی جو بوجہ دنیا کے اور لوگوں سے دوری کے اور ان کی اپنی مخصوص زبان کے اوروں کی بات بھی تقریباً نہیں سمجھ سکتے تھے۔ان لوگوں نے ذوالقرنین کی قوت وطاقت عقل وہنر کو دیکھ کر درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم آپ کے لئے بہت سا مال جمع کر دیں اور آپ ان پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو کسی مضبوط دیوار سے بند کر دیں تاکہ ہم ان فسادیوں کی روزمرہ کی ان تکالیف سے بچ جائیں۔اس کے جواب میں حضرت ذوالقرنین نے فرمایا مجھے

تمہارے مال کی ضرورت نہیں اللہ کا دیا سب کچھ میرے پاس موجود ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ یہی جواب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا کے قاصدوں کو دیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اپنے اس جواب کے بعد فرمایا کہ ہاں تم اپنی قوت وطاقت اور کام کاج سے میرا ساتھ دو تو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دیتا ہوں۔ زبر جمع ہے زبرۃ کی۔ ذوالقرنین فرماتے ہیں کہ لوہے کے ٹکڑے اینٹوں کی طرح کے میرے پاس لاؤ۔ جب یہ ٹکڑے جمع ہو گئے تو آپ نے دیوار بنانی شروع کرادی اور وہ لمبائی چوڑائی میں اتنی ہوگئی کہ تمام جگہ گھر گئی اور پہاڑ کی چوٹی کے برابر پہنچ گئی۔ اس کے طول وعرض اور موٹائی کی ناپ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ جب یہ دیوار بالکل بن گئی تو حکم دیا کہ اب اس کے چاروں طرف آگ بھڑکاؤ جب وہ لوہے کی دیوار بالکل انگارے جیسی سرخ ہوگئی تو حکم دیا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور ہر طرف سے اس کے اوپر بہادو چنانچہ یہ بھی کیا گیا پس ٹھنڈی ہو کر یہ دیوار بہت مضبوط اور پختہ ہوگئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاری دار چادر ہو۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے آپ نے فرمایا کیسی ہے؟ اس نے کہا دھاری دار چادر جیسی ہے جس میں سرخ وسیاہ دھاریاں ہیں تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ خلیفہ واثق نے اپنے زمانے میں اپنے امیروں کو ایک وافر لشکر اور بہت سا سامان دے کر روانہ کیا تھا کہ وہ اس دیوار کی خبر لائیں یہ لشکر دو سال سے زیادہ سفر میں رہا اور ملک در ملک پھرتا ہوا آخر اس دیوار تک پہنچا دیکھا کہ لوہے اور تانبے کی دیوار ہے اس میں ایک بہت بڑا نہایت پختہ عظیم الشان دروازہ بھی اسی کا ہے جس پر منوں کے وزنی قفل لگے ہوئے ہیں اور جو مال مسالہ دیوار کا بچا ہوا ہے وہ وہیں پر ایک برج میں رکھا ہوا ہے جہاں پہرہ چوکی مقرر ہے۔ دیوار بیحد بلند ہے کتنی ہی کوشش کی جائے لیکن اس پر چڑھنا ناممکن ہے اس سے ملا ہوا پہاڑیوں کا سلسلہ دونوں طرف برابر چلا گیا ہے اور بھی بہت سے عجائب وغرائب امور دیکھے جو انہوں نے واپس آ کر خلیفہ کی خدمت میں عرض کئے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

قَالُوْا يٰـذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ
لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ سَدًّا۝
انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج اور ماجوج نے زمین میں فساد بپا کر رکھا ہے تو کیا ہم آپ کے لئے
اس پر کچھ مال مقرر کردیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنادیں۔

یاجوج وماجوج کے فساد سے بچنے کیلئے دیوار بنانے کا بیان

"قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوج وَمَأْجُوج" بِالْهَمْزِ وَتَرْكه : هُمَا اسْمَانِ أَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيلَتَيْنِ فَلَمْ يَنْصَرِفَا "مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْض" بِالنَّهْبِ وَالْبَغْي عِنْد خُرُوجهمْ إِلَيْنَا "فَهَلْ نَجْعَل لَك خَرْجًا" جُعْلًا مِنْ الْمَال وَفِي قِرَاءَة خَرَاجًا "عَلَى أَنْ تَجْعَل بَيْننَا وَبَيْنهمْ سَدًّا" حَاجِزًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْنَا،

انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج اور ماجوج۔ یہاں پر یاجوج وماجوج ہمزہ اور ترک ہمزہ دونوں طرح آئے ہیں۔ یہ دونوں اسماء عجمی ہیں اور دو قبیلوں کا نام ہونے اور عجمہ کے سبب غیر منصرف ہیں۔ یاجوج ماجوج نے زمین میں فساد بپا کر رکھا ہے یعنی ہماری جانب نکل کر قتل وغارت گری کرتے ہیں۔ تو کیا ہم آپ کے لئے اس شرط پر کچھ مال خراج مقرر کر دیں ایک قرأت میں خراج ہے۔ کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنا دیں۔ تاکہ وہ ہماری جانب نکل کر نہ آسکیں۔

یاجوج ماجوج کے تعارف کا بیان

یہ یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے فسادی گروہ ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، زمین میں فساد کرتے تھے، ربیع کے زمانے میں نکلتے تھے تو کھیتیاں اور سبزے سب کھا جاتے تھے، کچھ نہ چھوڑتے تھے اور خشک چیزیں لاد کر لے جاتے تھے، آدمیوں کو کھا لیتے تھے درندوں، وحشی جانوروں، سانپوں، بچھوؤں تک کو کھا جاتے تھے، حضرت ذوالقرنین سے لوگوں نے ان کی شکایت کی کہ اے ذوالقرنین! بیشک یاجوج اور ماجوج نے زمین میں فساد بپا کر رکھا ہے تو کیا ہم آپ کے لئے اس پر کچھ مال مقرر کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار بنا دیں۔ (تفسیر مدارک، سورہ کہف، بیروت)

سورہ کہف آیت ۹۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابورافع حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج اس دیوار کو روزانہ کھودتے ہیں جب وہ اس میں سوراخ کرنے ہی والے ہوتے ہیں تو ان کا بڑا کہتا ہے چلو باقی کل کھول دینا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کی مدت پوری ہو جائے گی اور اللہ چاہے گا کہ انہیں لوگوں پر مسلط کرے تو ان کا حاکم کہے گا کہ چلو باقی کل کھول دینا اور ساتھ انشاء اللہ بھی کہے گا۔ اس طرح جب وہ دوسرے دن آئیں گے تو دیوار کو اسی طرح پائیں گے جس طرح انہوں نے چھوڑی تھی اور پھر اس میں سوراخ کر کے لوگوں پر نکل آئیں گے۔ پانی پی کر ختم کر دیں گے اور لوگ ان سے بھاگیں گے پھر وہ آسمان کی طرف تیر چلائیں گے جو خون میں لت پت ان کے پاس واپس آئے گا۔ اور وہ کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو بھی دبا لیا اور آسمان والوں پر بھی چڑھائی کر دی۔ ان کا یہ قول ان کے دل کی سختی اور غرور کی وجہ سے ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا جس سے وہ سب مر جائیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ زمین کے جانور ان کا گوشت کھا کر موٹے ہو جائیں گے اور منکتے پھریں گے اور ان کا گوشت کھانے پر اللہ تعالیٰ کا خوب شکر ادا کریں گے۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اس حدیث کو صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1097)

قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ٥
اس نے کہا جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہ بہتر ہیں، اس لیے تم قوت کے ساتھ
میری مدد کرو کہ میں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار بنا دوں۔

ذوالقرنین کا بلا معاوضہ دیوار بنانے کا بیان

"قَالَ مَا مَکَّنِّی" وَفِی قِرَاءَ ۃ بِنُونَیْنِ مِنْ غَیْرِ إِدْغَام "فِیهِ رَبِّی" مِنَ الْمَال وَغَیْره "خَیْر" مِنْ خَرْجِکُمْ الَّذِی تَجْعَلُونَهُ لِی فَلَا حَاجَةَ بِی إِلَیْهِ وَأَجْعَل لَکُمْ السَّدّ تَبَرُّعًا "فَأَعِینُونِی بِقُوَّةٍ" لِمَا أَطْلُبهُ مِنْکُمْ "بَیْنکُمْ وَبَیْنهمْ رَدْمًا" حَاجِزًا حَصِینًا

اس نے کہا جن چیزوں میں میرے رب نے مجھے اقتدار بخشا ہے وہ مال وغیرہ سے بہتر ہے، یہاں پر ایک قرأت کے مطابق مکنني یہ دونونوں کے ساتھ بغیر ادغام کے آیا ہے۔ لہٰذا تم جو میرے لئے خراج وغیرہ نکالو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے بہ طور احسان دیوار بنا دیتا ہوں۔ اس لیے تم قوت کے ساتھ میری مدد کرو یعنی میں تم سے جس محنت ومزدوری کا مطالبہ کروں کہ میں تمھارے درمیان اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار بنا دوں۔ جو روکنے والا قلعہ بن جائے۔

چنانچہ ذوالقرنین نے ان کی اس درخواست کو منظور کرلیا اور کہا تمہاری مالی امداد کی مجھے ضرورت نہیں اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ موجود ہے البتہ لیبر یا مزدور تم مہیا کردو تو میں ایسی دیوار بنوادوں گا۔ علاوہ ازیں مجھے کچھ لوہے کی چادریں اور دوسرا سامان تعمیر مہیا کرنا تمہاری ذمہ داری ہوگی۔

آتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ
حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ
تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دو، یہاں تک کہ جب اس نے دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کردی تو کہنے لگا:
دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس کو آگ بنا ڈالا تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ، میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا۔

لوہا پگھلا کر یاجوج ماجوج سے بچنے کیلئے دیوار بنانے کا بیان

"آتُونِی زُبَر الْحَدِید" قِطَعه عَلَی قَدْر الْحِجَارَة الَّتِی یُبْنَی بِهَا وَجَعَلَ بَیْنهَا الْحَطَب وَالْفَحْم "حَتَّی إِذَا سَاوَی بَیْن الصَّدَفَیْنِ" بِضَمِّ الْحَرْفَیْنِ وَفَتْحهمَا وَضَمّ الْأَوَّل وَسُکُون الثَّانِی أَیْ جَانِبَیْ الْجَبَلَیْنِ بِالْبِنَاءِ وَوَضَعَ الْمَنَافِخ وَالنَّار حَوْل ذَلِکَ "قَالَ انْفُخُوا" فَنَفَخُوا "حَتَّی إِذَا جَعَلَهُ" أَیْ الْحَدِید "نَارًا" أَیْ کَالنَّارِ "قَالَ آتُونِی أُفْرِغ عَلَیْهِ قِطْرًا" هُوَ النُّحَاس الْمُذَاب تَنَازَعَ فِیهِ الْفِعْلَانِ وَحُذِفَ مِنْ الْأَوَّل لِإِعْمَالِ الثَّانِی النُّحَاس الْمُذَاب عَلَی الْحَدِید الْمُحْمَی فَدَخَلَ بَیْن زُبَره فَصَارَا شَیْئًا وَاحِدًا

تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا دو، یعنی پتھروں کی ٹکڑے جن پر دیوار بنائی جاسکے۔ تو بادشاہ ذوالقرنین نے ان کے درمیان لکڑی اور کوئلہ دکھ دیا۔ یہاں تک کہ جب اس نے وہ لوہے کی دیوار پہاڑوں کی دونوں چوٹیوں کے درمیان برابر کر،

دی۔ یہاں پر لفظ صدفین دونوں حروف کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ضمہ اول اور سکون ثانی کے ساتھ بھی آیا ہے۔ تو ان انہیں دونوں پہاڑوں کی جانب میں رکھ دیا۔ تو کہنے لگا: اب آگ لگا کر اسے دھونکو، یہاں تک کہ جب اس نے اس لوہے کو دھونک دھونک کر آگ بنا ڈالا۔ تو کہنے لگا: میرے پاس لاؤ۔ اب میں اس پر پگھلا ہوا تانبا ڈالوں گا۔ قطرا سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے اور قطرا کے بارے میں تنازع فعلان واقع ہوا ہے۔ جب پہلے فعل کو حذف کر کے دوسرے کو عمل دیں یعنی تانبا پگھلا کر لوہے پر ڈالا جائے۔ یا وہ لوہے میں داخل ہو کر ایک ہی چیز بن چکا ہے۔

پہلے لوہے کے بڑے بڑے تختوں کی اوپر نیچے تہیں جمائی گئیں جب ان کی بلندی دونوں طرف کی گھاٹیوں تک پہنچ گئی تو لوگوں کو حکم دیا کہ خوب آگ دھونکو اور اس کام کے لیے لکڑی اور کوئلہ کو استعمال میں لایا گیا جب لوہا آگ کی طرح سرخ ہو گیا تو پگھلا ہوا تانبہ اوپر سے ڈالا گیا جو لوہے کی چادروں کی درزوں میں جم کر پیوست ہو گیا اور یہ سب کچھ مل کر پہاڑ سا بن گیا بظاہر ایسی دیوار کی تعمیر ایک حیران کن اور بالخصوص اس دور میں ایک خرق عادت واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم اہرام مصر اور ان کے دور تعمیر کی طرف نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ایسے ایسے آلات تعمیر پائے جاتے تھے جن کا آج تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا۝
پھر ان (یاجوج اور ماجوج) میں نہ اتنی طاقت تھی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اتنی قدرت پا سکے کہ اس میں سوراخ کر دیں۔

دیوار یاجوج وماجوج میں مضبوطی کے باعث سوارخ نہ ہو سکنے کا بیان

"فَمَا اسْطَاعُوا" أَيْ يَأْجُوج وَمَأْجُوج "أَنْ يَظْهَرُوهُ" يَعْلُوا ظَهْره لِارْتِفَاعِهِ وَمَلَاسته "وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا" لِصَلَابَتِهِ وَسُمْكه

پھر ان (یاجوج اور ماجوج) میں نہ اتنی طاقت تھی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اتنی قدرت پا سکے کہ اس میں سوراخ کر دیں۔ یعنی اس کی سختی و مضبوطی کی وجہ سے وہ سوراخ نہیں کر سکتے۔

اس دیوار پر نہ تو چڑھنے کی طاقت یاجوج ماجوج کو ہے، نہ وہ اس میں کوئی سوراخ کر سکتے ہیں کہ وہاں سے نکل آئیں۔ چونکہ چڑھنا بہ نسبت توڑنے کے زیادہ آسان ہے اسی لئے چڑھنے میں مااسطاعوا کا لفظ لائے اور توڑنے میں مااستطاعوا کا لفظ لائے۔ غرض نہ تو وہ چڑھ کر آ سکتے ہیں نہ سوراخ کر کے۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز یاجوج ماجوج اس دیوار کو کھودتے ہیں یہاں تک کے قریب ہوتا ہے کہ سورج کی شعاع ان کو نظر آ جائیں چونکہ دن گزر جاتا ہے، اس لئے ان کے سردار کا حکم ہوتا ہے کہ اب بس کرو کل آ کر توڑ دیں گے لیکن جب وہ دوسرے دن آتے ہیں، تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ان کا نکلنا اللہ کو منظور ہوگا تو یہ کھودتے ہوئے جب دیوار کو چھلکے جیسی کر دیں گے تو ان کا سردار کہے گا اب چھوڑ دو کل انشاء اللہ اسے توڑ ڈالیں گے پس انشاء اللہ کہہ لینے کی برکت سے دوسرے دن جب وہ آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے۔ ویسی ہی پائیں گے فوراً گرا دیں گے اور

باہر نکل پڑیں گے۔ تمام پانی چاٹ جائیں گے، لوگ تنگ آ کر قلعوں میں پناہ گزیں ہو جائیں گے۔ یہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے اور مثل خون آلود تیروں کے ان کی طرف لوٹائے جائیں گے تو یہ کہیں گے زمین والے سب دب گئے آسمان والوں پر بھی ہم غالب آ گئے اب ان کی گردنوں میں گلٹیاں نکلیں گی اور سب کے سب بحکم الٰہی اسی وبا سے ہلاک کر دئے جائیں گے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ زمین کے جانوروں کی خوراک ان کے جسم وخون ہوں گے جس سے وہ خوب موٹے تازے ہو جائیں گے۔ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔

آیت کے ظاہری الفاظ صاف ہیں کہ نہ وہ چڑھ سکتے ہیں نہ سوراخ کر سکتے ہیں کیونکہ دیوار، نہایت، مضبوط، بہت پختہ اور سخت ہے۔ کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یاجوج ماجوج روزانہ اسے چاٹتے ہیں اور بالکل چھلکے جیسی کر دیتے ہیں پھر کہتے ہیں چلو کل توڑ دیں گے دوسرے دن جو آتے ہیں تو جیسی اصل میں تھی ویسی ہی پاتے ہیں آخری دن وہ بہ الہام الٰہی جاتے وقت انشاء اللہ کہیں گے دوسرے دن جو آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے، ویسی ہی پائیں گے اور توڑ ڈالیں گے۔

جو مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے، چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور فرماتے جاتے تھے لا الہ الا اللہ عرب کی خرابی کا وقت قریب آ گیا آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا اس پر ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم بھلے لوگوں کی موجودگی میں بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں جب خبیث لوگوں کی کثرت ہو جائے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے بخاری ومسلم دونوں میں ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ کہف، بیروت)

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ۝
کہا یہ میرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آ گیا تو وہ اسے زمین کے برابر کر دے گا
اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔

قرب قیامت یاجوج ماجوج کے خروج کا بیان

"قَالَ" ذُو الْقَرْنَيْنِ "هٰذَا" أَيِ السَّدّ أَيِ الْإِقْدَار عَلَيْهِ "رَحْمَة مِنْ رَبِّى" نِعْمَة لِأَنَّهُ مَانِع مِنْ خُرُوجهمْ "فَإِذَا جَاءَ وَعْد رَبِّى" بِخُرُوجِهِمْ الْقَرِيب مِنَ الْبَعْث "جَعَلَهُ دَكَّاء" مَدْكُوكًا مَبْسُوطًا "وَكَانَ وَعْد رَبِّى" بِخُرُوجِهِمْ وَغَيْره "حَقًّا" كَائِنًا

بادشاہ ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی طرف سے ایک رحمت ہے، یعنی مضبوط دیوار بنا دینا۔ کیونکہ وہی ان کے خروج کو روکنے والا ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آ گیا یعنی بعث کے قریب ان کے خروج کا وقت آئے گا۔ تو وہ اسے زمین کے برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ ہمیشہ سے سچا ہے۔ یعنی جو ان کے خروج وغیرہ کے بارے میں ہے۔

اس دیوار کو بنا کر ذوالقرنین اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور اللہ کا شکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگو یہ بھی رب کی رحمت ہے

کہ اس نے ان شریروں کی شرارت سے مخلوق کو اب امن دے دیا ہاں جب اللہ کا وعدہ آ جائے گا تو اس کا ڈھیر ہو جائے گا۔ یہ زمین دوز ہو جائے گی۔ مضبوطی کچھ کام نہ آئے گی۔ اونٹنی کا کوہان جب اس کی پیٹھ سے ملا ہوا ہو تو عرب میں اسے ناقتہ دکاء کہتے ہیں۔ قرآن میں اور جگہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پہاڑ پر رب نے تجلی کی تو وہ پہاڑ زمین دوز ہو گیا وہاں بھی لفظ جعلہ دکاء ہے۔ پس قریب بہ قیامت یہ دیوار پاش پاش ہو جائے گی اور ان کے نکلنے کا راستہ بن جائے گا۔ اللہ کے وعدے اٹل ہیں، قیامت کا آنا یقینی ہے۔ اس دیوار کے ٹوٹتے ہی یہ لوگ نکل پڑیں گے اور لوگوں میں گھس جائیں گے اپنوں بیگانوں کی تمیز اٹھ جائے گی۔ یہ واقعہ دجال کے آ جانے کے بعد قیامت کے قیام سے پہلے ہوگا

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۝

اور ہم اس وقت آزاد کر دیں گے وہ ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم ان سب کو جمع کر لیں گے۔

میدان حشر میں ساری مخلوق کے جمع ہونے کا بیان

"وَتَرَكْنَا بَعْضهمْ يَوْمَئِذٍ" يَوْم خُرُوجهمْ "يَمُوج فِي بَعْض" يَخْتَلِط بِهِ لِكَثْرَتِهِمْ "وَنُفِخَ فِي الصُّور" أَيْ الْقَرْن لِلْبَعْثِ "فَجَمَعْنَاهُمْ" أَيْ الْخَلَائِق فِي مَكَان وَاحِد يَوْم الْقِيَامَة

اور ہم اس وقت یعنی یاجوج ماجوج کے خروج کے وقت آزاد کر دیں گے وہ تیز و تند موجوں کی طرح ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا۔ جس کو قرآن نے بعث کہا ہے۔ تو ہم ان سب کو میدان حشر میں جمع کر لیں گے۔

اس کے بعد صور پھونکا جائے گا اور سب جمع ہو جائیں گے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان جن سب خلط ملط ہو جائیں گے۔

بنی خزارہ کے ایک شیخ کا بیان ابن جریر میں ہے کہ جب جن انسان آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے اس وقت ابلیس کہے گا کہ میں جاتا ہوں معلوم کرتا ہوں کہ یہ کیا بات ہے؟ مشرق کی طرف بھاگے گا لیکن وہاں فرشتوں کی جماعتوں کو دیکھ کر رک جائے گا اور لوٹ کر مغرب کو پہنچے گا، وہاں بھی یہی رنگ دیکھ کر دائیں بائیں بھاگے گا لیکن چاروں طرف سے فرشتوں کا محاصرہ دیکھ کر ناامید ہو کر چیخ پکار شروع کر دے گا اچانک اسے ایک چھوٹا سا راستہ دکھائی دے گا، اپنی ساری ذریات کو لے کر اس میں چل پڑے گا آگے جا کر دیکھے گا کہ دوزخ بھڑک رہی ہے ایک داروغہ جہنم اس سے کہے گا کہ اے موذی خبیث! کیا اللہ نے تیرا مرتبہ نہیں بڑھایا تھا؟ کیا تو جنتیوں میں نہ تھا؟ یہ کہے گا آج ڈانٹ کیوں کرتے ہو؟ آج تو چھٹکارے کا راستہ بتاؤ میں عبادت الٰہی کے لئے تیار ہوں اگر حکم ہو تو اتنی اور ایسی عبادت کروں کہ روئے زمین پر کسی نہ کی ہو۔ داروغہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ تیرے لئے ایک فریضہ مقرر کرتا ہے وہ خوش ہو کر کہے گا میں اس کے حکم کی بجا آوری کے لیے پوری مستعدی سے موجود ہوں۔ حکم ہوگا کہ یہی کہ تم سب جہنم میں چلے جاؤ۔ اب یہ خبیث ہکا بکا رہ جائے گا وہیں فرشتہ اپنے پر سے اسے اور اس کی تمام ذریت کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دے گا۔ جہنم انہیں لے کر

آ دبوچے گی اور ایک مرتبہ تو وہ جھلائے گی کہ تمام مقرب فرشتے اور تمام نبی رسول گھٹنوں کے بل اللہ کے سامنے عاجزی میں گر پڑیں گے۔

طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یاجوج ماجوج حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اگر وہ چھوڑ دئے جائیں تو دنیا کی معاش میں فساد ڈال دیں، ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے پھران کے سوا تین امتیں اور ہیں تاویل مارس اور منسک۔ یہ حدیث غریب ہے۔

نسائی میں ہے کہ ان کی بیویاں بچے ایک ایک اپنے پیچھے ہزار ہزار بلکہ زیادہ چھوڑ کر مرتا ہے۔ پھر فرمایا صور پھونک دیا جائے گا جیسے حدیث میں ہے کہ وہ ایک قرن ہے جس میں صور پھونک دیا جائے گا پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں کیسے چین اور آرام سے بیٹھوں؟ صور کو منہ سے لگائے ہوئے پیشانی جھکائے ہوئے، کان لگائے ہوئے، منتظر بیٹھا ہے کہ کب حکم ہو اور میں پھونک دوں۔ لوگوں نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم کیا کہیں؟ فرمایا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل علی اللہ توکلنا (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

وَّ عَرَضۡنَا جَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ عَرۡضَا ۝ نِ الَّذِيۡنَ كَانَتۡ اَعۡيُنُهُمۡ
فِيۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِكۡرِيۡ وَكَانُوۡا لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ سَمۡعًا ۝
اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے عین سامنے پیش کریں گے۔ وہ لوگ کہ ان کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں
اور وہ سن ہی نہ سکتے تھے۔

کفار کا بغض کے سبب قرآن کو نہ سن سکنے کا بیان

"وَعَرَضۡنَا" قَرَّبۡنَا، جَهَنَّمَ يَوۡمَئِذٍ لِلۡكَافِرِينَ عَرۡضًا "الَّذِينَ كَانَتۡ أَعۡيُنهمۡ" بَدَل مِنۡ الۡكَافِرِينَ "فِي غِطَاء عَنۡ ذِكۡرِي" أَيۡ الۡقُرۡآن فَهُمۡ عُمۡي لَا يَهۡتَدُونَ بِهِ "وَكَانُوا لَا يَسۡتَطِيعُونَ سَمۡعًا" أَيۡ لَا يَقۡدِرُونَ أَنۡ يَسۡمَعُوا مِنۡ النَّبِيّ مَا يَتۡلُوهُ عَلَيۡهِمۡ بُغۡضًا لَهُ فَلَا يُؤۡمِنُونَ بِهِ

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے عین سامنے پیش کریں گے۔ وہ لوگ کہ ان کی آنکھیں میرے ذکر یعنی قرآن سے پردے میں تھیں یعنی وہ اندھے ہیں نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں پر "الَّذِينَ كَانَتۡ أَعۡيُنهمۡ" کافرین سے بدل ہے۔ اور وہ سن ہی نہ سکتے تھے۔ یعنی جو کچھ نبی کریم ﷺ تلاوت فرماتے ہیں وہ بغض کے سبب اس کو نہیں سن سکتے اور نہ ہی وہ ایمان لاتے ہیں۔

کفار کا جہنم کو دیکھ کر سمجھ جانے کا بیان

کافر جہنم میں جانے سے پہلے جہنم کو اور اس کے عذاب کو دیکھ لیں گے اور یہ یقین کر کے کہ وہ اسی میں داخل ہونے والے ہیں داخل ہونے سے پہلے ہی جلنے کڑھنے لگیں گے غم ورنج ڈر خوف کے مارے گھلنے لگیں گے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جہنم

کو قیامت کے دن گھسیٹ کر لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر ایک لگام پر ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ یہ کافر دنیا کی ساری زندگی میں اپنی آنکھوں اور کانوں کے بیکار کیئے بیٹھے رہے، نہ حق دیکھا، نہ حق سنا نہ مانا نہ عمل کیا۔ شیطان کا ساتھ دیا اور رحمان کے ذکر سے غفلت برتی۔ اللہ کے احکام اور ممانعت کو پس پشت ڈالے رہے۔ یہی سمجھتے رہے کہ ان کے جھوٹے معبود ہی انہیں سارے نفع پہنچائیں گے اور کل سختیاں دور کریں گے۔ محض غلط خیال ہے بلکہ وہ تو ان کی عبادت کے بھی منکر ہو جائیں گے اور ان کے دشمن بن کر کھڑے ہوں گے۔ ان کافروں کی منزل تو جہنم ہی ہے جو ابھی سے تیار ہے۔ (صحیح مسلم)

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْۤ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝
کیا کافر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں گے، بیشک ہم نے کافروں کے لئے جہنم
کی میزبانی کو تیار کر رکھا ہے۔

کفار کیلئے مہمان خانہ کی طرح جہنم کو تیار کر رکھنے کا بیان

"أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي" أَيْ مَلَائِكَتِي وَعِيسَى وَعُزَيْرًا "مِنْ دُونِي أَوْلِيَاء" أَرْبَابًا مَفْعُول ثَانٍ لِيَتَّخِذُوا وَالْمَفْعُول الثَّانِي لِحَسِبَ مَحْذُوف الْمَعْنَى أَظَنُّوا أَنَّ الِاتِّخَاذ الْمَذْكُور لَا يُغْضِبنِي وَلَا أُعَاقِبهُمْ عَلَيْهِ؟ كَلَّا "إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّم لِلْكَافِرِينَ" هَؤُلَاءِ وَغَيْرهمْ "نُزُلًا" أَيْ هِيَ مُعَدَّة لَهُمْ كَالْمَنْزِلِ الْمُعَدّ لِلضَّيْفِ

کیا کافر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں جیسے میرے فرشتوں اور عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کو کارساز بنالیں گے، یہاں پر اولیاء یہ، یتخذوا کا مفعول ثانی ہے۔ اور حسب کا مفعول ثانی محذوف ہے۔ معنی یہ ہے کہ وہ مذکورہ معبودوں کو بنا کر کیا مجھے ناراض نہیں کریں گے؟ اور کیا میں انہیں اس پر سزا نہ دوں گا؟ لہٰذا ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ بیشک ہم نے کافروں کے لئے جہنم کی میزبانی کو تیار کر رکھا ہے۔ یعنی کفار کیلئے جہنم کو ایسے تیار کر رکھا ہے جس طرح مہمانوں کیلئے مہمان خانہ تیار کیا جاتا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝
فرما دیجئے: کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں سے خبردار کر دیں جو اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی
ساری جدوجہد دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہو گئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔

خود فہمی میں اچھے اجر کی توقع رکھنے والوں کے اعمال کی بربادی کا بیان

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا" تَمْيِيز طَابَقَ الْمُمَيَّز وَبَيَّنَهُمْ بِقَوْلِهِ "الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيهمْ فِي

الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا" بَطَلَ عَمَلُھُمْ "وَھُمْ یَحْسَبُوْنَ" یَظُنُّوْنَ "أَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا" عَمَلًا یُجَازُوْنَ عَلَیْہِ .

فرمادیجئے: کیا ہم تمہیں ایسے لوگوں سے خبردار کردیں، یہاں پر اعمالا یہ تمیز ہے۔ لہٰذا ممیّز کے مطابق لایا گیا ہے۔ اور ان کے اس بیان سے واضح ہے۔ جو اعمال کے حساب سے سخت خسارہ پانے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیا کی زندگی میں ہی برباد ہوگئی اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے اچھے کام انجام دے رہے ہیں۔ یعنی انہیں اچھے اعمال پر جزاء دی جائے گی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے بہت زیادہ کھانے پینے والے موٹے تازے انسان کو قیامت کے دن اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن اس کا وزن اناج کے ایک دانے کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ بزار میں ہے ایک قریشی کافر اپنے حلے میں اتراتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرا تو آپ نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ ان میں سے ہے جن کا کوئی وزن قیامت کے دن اللہ کے پاس نہ ہوگا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ کہف، بیروت)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۝
یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے،
سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

منکرین آخرت کیلئے آخرت میں کوئی قدر نہ ہونے کا بیان

"أُولَـئِكَ الَّـذِینَ كَفَرُوا بِآیَاتِ رَبِّھِمْ " بِـدَلَائِـل تَوْحِیده مِنْ الْقُرْآن وَغَیْره "وَلِـقَائِہِ" أَیْ وَبِـالْبَعْثِ وَالْحِسَاب وَالثَّوَاب وَالْعِقَاب "فَحَبِطَتْ أَعْمَالھمْ " بَطَلَتْ "فَلَا نُقِیم لَھُمْ یَوْم الْقِیَامَة وَزْنًا " أَیْ لَا نَجْعَل لَھُمْ قَدْرًا

یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات یعنی جو قرآن میں دلائل توحید وغیرہیں اور اس کی ملاقات یعنی بعث، حساب اور ثواب وعذاب کا انکار کیا، تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے، سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یعنی ان کیلئے کوئی قدر نہ ہوگی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ان کے صاحبزادے مصعب نے سوال کیا کہ کیا اس آیت سے مراد خارجی ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ مراد اس سے یہود ونصاریٰ ہیں۔ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور نصرانیوں نے جنت کو سچا نہ جانا اور کہا کہ وہاں کھانا پینا کچھ نہیں۔ خارجیوں نے اللہ کے وعدے کو اس کی مضبوطی کے بعد توڑ دیا۔ پس حضرت سعد رضی اللہ عنہ خارجیوں کو فاسق کہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے یہ آیت یہود ونصاریٰ وغیرہ کفار کو شامل ہے، اسی طرح خارجیوں کا حکم بھی اس میں ہے کیونکہ آیت عام ہے جو بھی اللہ کی عبادت واطاعت اس طریقے سے بجالائے جو طریقہ اللہ کو پسند نہیں تو گو وہ اپنے اعمال سے خوش ہوا اور سمجھ رہا ہے کہ میں نے آخرت کا توشہ بہت کچھ

جمع کرلیا ہے میرے نیک اعمال اللہ کے پسندیدہ ہیں اور مجھے ان پر اجر وثواب ضرور ملے گا لیکن اس کا یہ گمان غلط ہے اس کے اعمال مقبول نہیں بلکہ مردود ہیں اور وہ غلط گمان شخص ہے آیت مکی ہے اور ظاہر ہے کہ مکے میں یہود ونصاری مخاطب نہ تھے۔ اور خارجیوں کا تو اس وقت تک وجود بھی نہ تھا۔ پس ان بزرگوں کا یہی مطلب ہے کہ آیت کے عام الفاظ ان سب کو اور ان جیسے اور سب کو شامل ہیں۔ جیسے سورہ غاشیہ میں ہے کہ قیامت کے دن بہت سے چہرے ذلیل وخوار ہوں گے جو دنیا میں بہت محنت کرنے والے بلکہ اعمال سے تھکے ہوئے تھے اور سخت تکلیفیں اٹھائے ہوتے تھے آج وہ باوجود ریاضت وعبادت کے جہنم واصل ہوں گے اور بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔ اور آیت میں ہے (وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ،الفرقان:23) ان کے تمام کئے کرائے اعمال کو ہم نے آگے بڑھ کر ردی اور بیکار ردی کر دیا۔ اور آیت میں ہے کافروں کی اعمال کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی پیاسا ریت کے تودے کو پانی کا دریا سمجھ رہا ہو لیکن جب پاس آتا ہے تو ایک بوند پانی کی نہیں پاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے طور پر عبادت ریاضت تو کرتے رہے اور دل میں بھی سمجھتے رہے کہ ہم بہت کچھ نیکیاں کر رہے ہیں اور وہ مقبول اور اللہ کے پسندیدہ ہیں لیکن چونکہ وہ اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نہ تھیں، نبیوں کے فرمان کے مطابق نہ تھیں اس لئے بجائے مقبول ہونے کے مردود ہوگئیں اور بجائے محبوب ہونے کے مبغوض ہوگئے۔ اس لئے وہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے رہے اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت کے تمام تر ثبوت ان کے سامنے تھے لیکن انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور مانے ہی نہیں۔ ان کا نیکی کا پلڑا بالکل خالی رہے گا۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے قیامت کے دن ایک موٹا تازہ بڑا بھاری آدمی آئے گا لیکن اللہ کے نزدیک اس کا وزن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا پھر آپ نے فرمایا اگر تم چاہو اس آیت کی تلاوت کرلو، ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ کہف، بیروت)

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ○
یہی دوزخ ہی ان کی جزا ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے رہے اور میری نشانیوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑاتے رہے۔

آیات اور انبیائے کرام کا مذاق اڑانے والوں کیلئے جہنم کی آگ ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ" أَيْ الْأَمْر الَّذِي ذَكَرْت عَنْ حُبُوط أَعْمَالهمْ وَغَيْره مُبْتَدَأ خَبَره "جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّم بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا" أَيْ مَهْزُوءًا بِهِمَا

یہی یعنی جو ہم نے ان کے اعمال وغیرہ کی بربادی کو ذکر کیا ہے۔ یہ مبتداء اور اس کی خبر آنے والا جملہ ہے۔ کہ دوزخ ہی ان کی جزا ہے اس وجہ سے کہ وہ کفر کرتے رہے اور میری نشانیوں اور میرے رسولوں کا مذاق اڑاتے رہے۔ یعنی میری آیات اور رسولان گرامی دونوں سے مذاق کرتے تھے۔

مرفوع حدیث کی طرح حضرت کعب کا قول بھی روایت ہے۔ یہ بدلہ ہے ان کے کفر کا، اللہ کی آیتوں کا اور اس کے رسولوں کو ہنسی مذاق میں اڑانے کا۔ اور ان کے نہ ماننے بلکہ انہیں جھٹلانے کا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝
بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لئے فردوس کے باغات کی مہمانی ہوگی۔
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کبھی بدلنا نہ چاہیں گے۔

ایمان وعمل صالح والوں کیلئے جنت فردوس ہونے کا بیان

"اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات كَانَتْ لَهُمْ" فِي عِلْم اللّٰه "جَنَّات الْفِرْدَوْس" هُوَ وَسَط الْجَنَّة وَأَعْلَاهَا وَالْإِضَافَة إلَيْهِ لِلْبَيَانِ "نُزُلًا" مَنْزِلًا، "خَالِدِيْنَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ" يَطْلُبُونَ "عَنْهَا حِوَلًا" تَحَوُّلًا إلَى غَيْرهَا

بیشک جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ تو ان کے لئے فردوس کے باغات کی مہمانی ہوگی۔ جو اللہ کے علم میں ہے۔ اور وہ جنت کا درمیانی حصہ ہے اور اعلیٰ مقام ہے۔ اور یہاں اضافت بیانیہ ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے اپنا ٹھکانا کبھی بدلنا نہ چاہیں گے۔ یعنی وہاں سے کسی جگہ کی طرف نہ جائیں گے۔

جنت فردوس کے اعلیٰ ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دنیا میں بھیجی یعنی شریعت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر از راہ فضل وکرم بحسب اپنے وعدے کے واجب ہے کہ وہ اس شخص کو جنت میں داخل کرے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرے اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور خواہ ہجرت کرے اور خواہ اپنے وطن وگھر میں جہاں پیدا ہوا بیٹھا رہے یعنی نہ جہاد کرے اور نہ ہجرت کرے "صحابہ" نے سن کر عرض کیا کہ " کیا لوگوں کو ہم یہ خوشخبری نہ سنا دیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" لیکن جہاد کرنے والے کی یہ فضیلت بھی سن لو کہ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کیا ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور ان کے دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ لہٰذا جب تم اللہ سے جہاد پر درجہ عالی مانگو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ فردوس اوسط جنت ہے یعنی جنت کے تمام درجات میں سب سے بہتر وافضل ہے اور سب سے بلند جنت ہے اور اس کے اوپر عرش ہے گویا وہ عرش الٰہی کے سایہ میں ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں بہتی ہیں یعنی چار چیزیں جنت کی اصل ہیں جیسے پانی، دودھ، شراب اور شہد وہ جنت الفردوس ہی سے جاری ہوتی ہیں۔ (بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 910)

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○

فرمادیجئے: اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لئے روشنائی ہوجائے تو وہ سمندر میرے رب کے کلمات کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجائے گا اگرچہ ہم اس کی مثل اور مدد کے لئے لے آئیں۔

سمندروں کی روشنائی سے بھی کلمات کے زیادہ ہونے کا بیان

"قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْر" أَيْ مَاؤُهُ "مِدَادًا" هُوَ مَا يُكْتَب بِهِ "لِكَلِمَاتِ رَبِّي" الدَّالَّة عَلَى حِكَمه وَعَجَائِبه بِأَنْ تُكْتَب بِهِ "لَنَفِدَ الْبَحْر" فِي كِتَابَتهَا "قَبْل أَنْ تَنْفَد" بِالتَّاءِ وَالْيَاء : تَفْرُغ "كَلِمَات رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ" أَيْ الْبَحْر "مَدَدًا" زِيَادَة فِيهِ لَنَفِدَ وَلَمْ تَفْرُغ هِيَ وَنَصْبه عَلَى التَّمْيِيز

فرمادیجئے: اگر سمندر یعنی اس کا پانی میرے رب کے کلمات یعنی جن کی دلالت حکمت اور اس کے عجائب پر ہے۔ کے لئے روشنائی ہوجائے۔ جس کے ساتھ اس کو لکھا جائے۔ تو وہ سمندر میرے رب کے کلمات کو لکھنے کے ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہوجائے گا۔ یہاں پر تنفد یہ تاء اور یاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ اگرچہ ہم اس کی مثل اور سمندر یا روشنائی مدد کے لئے لے آئیں۔ یعنی سمندر زیادہ کردیں تب بھی وہ ختم ہوجائیں گے لیکن کلمات ربی ختم نہ ہوں گے۔ یہاں پر مددا یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

سورہ کہف آیت ۱۰۹ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہود نے کہا اے محمد ﷺ آپ کا خیال ہے کہ ہمیں حکمت دی گئی اور آپ کی کتاب میں ہے کہ جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی پھر آپ کیسے فرماتے ہیں کہ تمہیں نہیں دیا گیا مگر تھوڑا علم؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ جب آیت (وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ، الإسراء:85) نازل ہوئی تو یہود نے کہا کہ ہمیں توریت کا علم دیا گیا اور اس میں ہر شے کا علم ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، مدعا یہ ہے کہ کل شے کا علم بھی علم الٰہی کے حضور قلیل ہے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جتنی ایک قطرے کو سمندر سے ہو۔ (تفسیر قرطبی، سورہ کہف، بیروت)

اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کے عجائب کا لامتناہی ہونے کا بیان

کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کے کمالات اور عجائبات قدرت ہیں اور یہ لامتناہی اور بے حد وحساب ہیں جن میں ہر آن مزید وسعت بھی ہوتی رہتی ہے اور سمندر یا سمندروں کا پانی خواہ کتنا ہی کثیر مقدار میں ہو بہرحال اس کی ایک حد ہے اور ایک محدود چیز کا لامحدود چیز سے کیا مقابلہ ہوسکتا ہے لہٰذا سمندروں کی سیاہی تو ختم ہوسکتی ہے لیکن اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوسکتے۔

اللہ کی عظمت سمجھانے کے لئے دنیا میں اعلان کردیجئے کہ اگر روئے زمین کے سمندروں کی سیاہی بن جائے اور پھر اللہ کے کلمات اللہ کی قدرتوں کے اظہار، اللہ کی باتیں، اللہ کی حکمتیں لکھنی شروع کی جائیں تو یہ تمام سیاہی ختم ہوجائے گی لیکن اللہ کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی۔ گو پھر ایسے ہی دریا لائے جائیں اور پھر لائے جائیں لیکن ناممکن کہ اللہ کی قدرتیں اس کی حکمتیں

اس کی دلیلیں ختم ہو جائیں۔

یعنی روئے زمین کے درختوں کی قلمیں بن جائیں اور تمام سمندروں کی سیاہیاں بن جائیں پھر ان کے بعد سات سمندر اور بھی لائے جائیں لیکن ناممکن ہے کہ کلمات الٰہی پورے لکھ لئے جائیں اللہ کی عزت اور حکمت اس کا غلبہ اور قدرت وہی جانتا ہے۔ تمام انسانوں کا علم اللہ کے علمی مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا سمندر کے مقابلے میں قطرہ۔ تمام درختوں کی قلمیں گھس گھس کر ختم ہو جائیں تمام سمندروں کی سیاہیاں نبڑ جائیں لیکن کلمات الٰہی ویسے ہی رہ جائیں گے جیسے تھے وہ ان گنت ہیں، کون ہے؟ جو اللہ کی صحیح اور پوری قدر و عزت جان سکے؟ کون ہے جو اس کی پوری ثنا وصفت بجا لا سکے؟ بیشک ہمارا رب ویسا ہی ہے جیسا وہ خود فرما رہا ہے۔ بیشک ہم جو تعریفیں اس کی کریں وہ ان سب سے سوا ہے۔ اور ان سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ یاد رکھو جس طرح ساری زمین کے مقابلے پر ایک رائی کا دانہ ہے اسی طرح جنت کی اور آخرت کی نعمتوں کے مقابل تمام دنیا کی نعمتیں ہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا
لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ؈
تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے
ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔

شان نبوت کا وحی کے ذریعے خصوصیت کا بیان

"قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَر" آدَمِیّ "مِثْلكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهكُمْ إِلَه وَاحِد" أَنَّ الْمَكْفُوفَة بِمَا بَاقِيَةٌ عَلَى مَصْدَرِيَّتهَا وَالْمَعْنَى : يُوحَى إِلَيَّ وَحْدَانِيَّة الْإِلَه "فَمَنْ كَانَ يَرْجُو" يَأْمُل "لِقَاء رَبّه" بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاء "فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِك بِعِبَادَةِ رَبّه" أَيْ فِيهَا بِأَنْ يُرَائِي،

تو فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا انسان ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ یہاں پر اَن پر ما کافہ ہے جو مصدریت کے معنی پر باقی ہے اور معنی یہ ہے کہ میری طرف معبود واحد کی طرف سے وحی آئی ہے کہ جسے بعث و جزاء کے ذریعے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو۔ اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے۔ یعنی اس میں ریاکاری نہ کرے۔

سورہ کہف آیت ۱۱۰ کے شان نزول کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت جندب بن زہیر غامدی کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے کہا کہ میں خالص اللہ کے لیے عمل کرتا ہوں لیکن کوئی میرے عمل پر مطلع ہو جائے تو مجھے اس سے خوشی ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ پاک ہے اور پاکیزہ عمل ہی کو قبول کرتا ہے جس عمل میں ریا ہو اسے قبول نہیں کرتا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل

فرمائی۔ (قرطبی 11۔(69)

طاؤس کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا اے نبی اللہ ﷺ میں اللہ کے راستے میں جہاد کرنا پسند کرتا ہوں اور مجھے یہ بھی پسند ہے کہ (لوگوں) کو میرا درجہ معلوم ہو؟ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (طبری 16۔(32)

مجاہد کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا میں صدقہ کرتا ہوں اور صلہ رحمی کرتا ہوں اور میں یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہوں لیکن جب میرا اس حوالے سے تذکرہ کیا جاتا ہے اور میری تعریف کی جاتی ہے تو اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے اور میں اسے پسند بھی کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اور کوئی تعریفی کلمہ نہ کہا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ (نیسابوری 251، سیوطی 178)

نبی کریم ﷺ کی بشریت کے اعلیٰ ہونے کا بیان

مجھ پر بشری اعراض وامراض طاری ہوتے ہیں اور صورت خاصہ میں کوئی بھی آپ کا مثل نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسن و صورت میں بھی سب سے اعلیٰ و بالا کیا اور حقیقت وروح و باطن کے اعتبار سے تو تمام انبیاء اوصاف بشر سے اعلیٰ ہیں جیسا کہ شفاء قاضی عیاض میں ہے اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کے اجسام وظواہر توحدِّ بشریت پر چھوڑے گئے اور ان کے ارواح وبواطن بشریت سے بالا اور ملاءِ اعلیٰ سے متعلق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ والضحیٰ کی تفسیر میں فرمایا کہ آپ کی بشریت کا وجودِ اصلاً نہ رہے اور غلبہ انوارِ حق آپ پر علی الدوام حاصل ہو بہرحال آپ کی ذات وکمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار تواضع کے لئے حکم فرمایا گیا، یہی فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے۔ (خازن، سورہ کہف، بیروت)

انبیائے کرام کو اپنی مثل بشر کہنے کی ممانعت کا بیان

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی کو جائز نہیں کہ حضور کو اپنے مثل بشر کہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت وعظمت بہ طریق تواضع فرماتے ہیں ان کا کہنا دوسروں کے لئے روا نہیں ہوتا، دوئم یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائلِ جلیلہ ومراتبِ رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل ومراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام سے ذکر کرنا جو ہر کہ ومہ میں پایا جائے ان کمالات کے نہ ماننے کا مُشعر ہے، سوئم یہ کہ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنے مثل بشر کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے پھر اس کے بعد آیت يُوْحٰى اِلَيَّ میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص بالعلم اور مکرّم عند اللہ ہونے کا بیان ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ کہف، لاہور)

عبادت کرنے والے کو شرک سے منع کرنے کا بیان

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کجاوے کی درمیانی لکڑی کے علاوہ اور کوئی چیز حائل نہ تھی اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، پھر تھوڑی دیر چلے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ! میں نے عرض کیا میں حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم (! پھر تھوڑی دور چلے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر چلتے رہے پھر فرمایا اے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کیا تو جانتا ہے کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ بشرطیکہ وہ ایسا کریں یعنی شرک نہ کریں، میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 146)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کی کہ اس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے اللہ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا تھا تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ حضرت ابوایوب راوی نے کہا کہ ابوالزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اسحاق بن منصور، معاذ ابن ہشام ابوزبیر، جابر ایک دوسری سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 271)

سورہ کہف کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ کہف کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت مریم ہے

سورہ مریم کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَةُ مَرْيَم (مَكِّيَّة إِلَّا سَجْدَتهَا فَمَدَنِيَّة أَوْ إِلَّا فَخَلَفَ مِنْ بَعْدهِمْ خَلْف الْآيَتَيْنِ فَمَدَنِيَّتَانِ وَهِيَ ثَمَان أَوْ تِسْع وَتِسْعُونَ آيَة نَزَلَتْ بَعْد فَاطِر)

سورہ مریم مکیہ ہے لیکن اس کا سجدہ یا اس کے بعد کی دو آیات مدنی ہیں۔ اس میں چھ رکوع اٹھانوے آیات، سات سو اسی کلمات ہیں۔

سورہ مریم کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورہ کا نام مریم اس لئے ہے کہ اس میں سیدہ مریم کے حالات کا تفصیلی ذکر آیا ہے اور یہی ایک خاتون ہیں جن کا قرآن میں نام مذکور ہے اور کم از کم تیس مقامات پر ان کا نام آیا ہے۔ اس سورت کا نام آیت واذکر فی الکتب مریم سے ماخوذ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ سورہ جس میں حضرت مریم کا ذکر آیا ہے۔

سورہ مریم کے زمانہ نزول کا بیان

یہ سورت مکہ میں ہجرت حبشہ یعنی ۵ نبوی سے پیشتر نازل ہوئی تھی۔ قریش کے ناروا مظالم اور سختیوں میں مسلمان پس رہے تھے اور کوئی غلام تھا یا آزاد، کمزور تھا یا قوی سب مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ وہاں کا عیسائی بادشاہ جسے مسلمان نجاشی کہتے تھے۔ اپنے عدل کی وجہ سے مشہور تھا اور حبشہ کی طرف ہجرت کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ وہاں تبلیغ کے لئے میدان کھلا تھا۔ چنانچہ پہلی دفعہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں جو وفد حبشہ کو روانہ ہوا اس میں گیارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ ان عورتوں میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ بھی شامل تھیں۔ اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سیّدنا ابراہیم کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جو اللہ کی راہ میں ہجرت کے لئے نکلا" رفتہ رفتہ ان مہاجرین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ چند ہی ماہ میں ۸۳ مرد اور ۱۱ عورتیں حبشہ کو منتقل ہو گئے جن میں سات غیر قریشی مسلمان بھی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں صرف ۴۰ آدمی رہ گئے۔ اس صورت حال نے کفار مکہ کو سخت بے چین کر دیا۔ کیونکہ ہجرت کرنے والے تقریباً سب ہی کسی نہ کسی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ کسی کا بیٹا، کسی

داماد، کسی کی بیٹی، کسی کی بہن وغیرہ تھے۔ اس صدمہ سے متاثر ہو کر کچھ لوگ تو مسلمان ہوئے اور زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جنہوں نے مسلمانوں پر سختیوں میں مزید اضافہ کر دیا۔ ایک تجویز طے ہوئی کہ جیسے بھی بن پڑے مہاجرین حبشہ کو یہاں واپس مکہ لایا جائے۔

ہجرت حبشہ اور قریشی وفد کی ناکامی کا بیان

اس غرض کے لئے دو ماہرین سفارت عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابو جہل کا ماں جایا بھائی) اور عمرو بن عاص (فاتح مصر، جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے) کا انتخاب کیا گیا۔ یہ دونوں بادشاہ اور پادریوں کے لئے تحفے تحائف لے کر حبشہ پہنچے۔ پہلے پادریوں سے ملے اور انہیں تحفے تحائف دے کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ جب ہم بادشاہ کے سامنے اپنی عرضداشت پیش کریں تو وہ ان کی ہاں میں ہاں ملا دیں۔ چنانچہ دوسرے دن اس وفد نے بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر نذرانے پیش کرنے کے بعد عرض کی کہ ہمارے چند مجرموں نے مکہ سے بھاگ کر آپ کے ہاں پناہ لی ہے۔ وہ ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔ ساتھ ہی رشوت خور درباریوں اور پادریوں نے ہاں میں ہاں ملا دی۔ مگر نجاشی انصاف پسند انسان تھا۔ ان کی باتوں میں نہ آیا اور کہہ دیا کہ جب تک میں ان لوگوں کی بات نہ سن لوں ان کی واپسی کا کیسے حکم دے سکتا ہوں۔ چنانچہ مسلمانوں کو بلایا گیا اور ان سے صورت حال دریافت کی گئی۔ مسلمانوں نے سیّدنا جعفر طیار کو اپنا نمائندہ یا ترجمان مقرر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم فلاں فلاں قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان نبی مبعوث کیا جس پر ہم ایمان لے آئے تو یہ لوگ ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑ گئے۔ انہی لوگوں کے ظلم وستم سے تنگ آ کر ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی ہے۔ نجاشی کہنے لگا: تمہارے نبی پر جو کلام نازل ہوا ہے۔ اس کا کچھ حصہ تو سناؤ چنانچہ سیّدنا جعفر طیار نے اسی سورہ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں جن میں سیّدنا زکریا اور سیدہ مریم کا ذکر ہے۔ یہ کلام سن کر نجاشی پر رقت طاری ہو گئی۔ سنتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا حتیٰ کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی اور جب سیّدنا جعفر طیار نے تلاوت ختم کی تو کہنے لگا: یہ کلام اور وہ کلام جو سیّدنا عیسیٰؑ پر نازل ہوا دونوں ایک ہی منبع سے پھوٹے ہیں۔ واللہ! میں ان لوگوں کو تمہارے حوالہ نہ کروں گا۔

نجاشی کے انکار پر قریشی وفد سخت مایوس ہو گیا اور موجودہ صورتحال پر غور کرنے کے لئے سر جوڑ بیٹھے۔ عمرو بن عاص یکدم پکار اٹھا کہ بادشاہ سے دوبارہ ملاقات کی جائے میں کل ایسی بات پیش کروں گا جس سے یقیناً ہم کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ دوسرے دن عمرو بن عاص نے رسائی حاصل کر کے بادشاہ سے کہا: حضور آپ کو یہ بھی علم ہے کہ یہ لوگ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟

بادشاہ نے اس سوال کے جواب کے لئے دوبارہ مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ انہیں بھی اس بات کی خبر ہو گئی تھی۔ بہر حال انہوں نے یہ طے کر لیا کہ حالات جیسے بھی پیش آئیں ہمیں سچی بات ہی کہنا چاہئے اور جب نجاشی نے یہ سوال کیا تو سیّدنا جعفر طیار کہنے لگے کہ "عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول، روح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے" یہ جواب سن کر نجاشی نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا: "واللہ! جو کچھ تم نے کہا: عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں" نجاشی کے اس تبصرہ پر درباری لوگ برہم ہوئے مگر نجاشی نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ قریشی سفارت مکمل طور پر ناکام ہو گئی۔ نجاشی نے ان کے تحائف انہیں واپس کر دیئے اور مسلمانوں کو امن و

اطمینان سے اس ملک میں رہنے کی اجازت دے دی۔

(1) كٓهٰيٰعٓصٓ ○

"كهيعص" اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ بِذٰلِكَ

ان حروف کی مراد کو اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا○
یہ آپ کے پروردگار کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے خاص بندے زکریا (علیہ السلام) پر کی تھی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کیلئے خاص رحمت ہونے کا بیان

"ذِكْرُ رَحْمَةِ رَبِّكَ عَبْدَه" مَفْعُولُ رَحْمَةِ "زَكَرِيَّا" بَيَانٌ لَهُ

یہ آپ کے پروردگار کی اس رحمت کا ذکر ہے۔ یہاں رحمت مفعول ہے۔ جو اس نے اپنے خاص بندے زکریا (علیہ السلام) پر کی تھی۔ لفظ زکریا یہ عبدہ کیلئے بیان ہے۔

حضرت زکریا نبی علیہ السلام پر جو لطف الٰہی نازل ہوا اس کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک قرأت ہے۔ یہ لفظ مد سے بھی ہے اور قصر سے بھی۔ دونوں قرأتیں مشہور ہیں۔ آپ بنو اسرائیل کے زبردست رسول تھے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے آپ بڑھئی کا پیشہ کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ رب سے دعا کرتے ہیں لیکن اس وجہ سے کہ لوگوں کے نزدیک یہ انوکھی دعا تھی کوئی سنتا تو خیال کرتا کہ لو بڑھاپے میں اولاد کی چاہت ہوئی ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا○قَالَ رَبِّ اِنِّىْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّىْ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ
شَيْبًا وَّ لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا○
جب انہوں نے اپنے رب کو (ادب بھری) دبی آواز سے پکارا۔ عرض کیا: اے میرے رب! میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں
اور بڑھاپے کے باعث سر آگ کے شعلہ کی مانند سفید ہوگیا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا بیان

"إِذْ" مُتَعَلِّقٌ بِرَحْمَةِ "نَادَى رَبَّه نِدَاءً" مُشْتَمِلًا عَلَى دُعَاءٍ "خَفِيًّا" سِرًّا جَوْفَ اللَّيْلِ لِأَنَّهُ أَسْرَعُ لِلْإِجَابَةِ

"قَالَ رَبِّي إِنِّي وَهَنَ" ضَعُفَ "الْعَظْمُ" جَمِيعُه "مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ" مِنِّي "شَيْبًا" تَمْيِيزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ أَيْ: انْتَشَرَ الشَّيْبُ فِي شَعْرِه كَمَا يَنْتَشِرُ شُعَاعُ النَّارِ فِي الْحَطَبِ وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَدْعُوكَ

"وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ" أَىْ : بِدُعَائِي إِيَّاكَ "رَبِّ شَقِيًّا" أَىْ : خَائِبًا فِيمَا مَضَى فَلا تُخَيِّبْنِي فِيمَا يَأْتِي

یہاں پر اذ رحمۃ کے متعلق ہے۔ جب انہوں نے اپنے رب کو ادب بھری آواز سے پکارا جو خفیہ دعا تھی۔ اور یہ دعا آدھی رات کے وقت تھی کیونکہ یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ عرض کیا اے میرے رب! میرے جسم کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔ اور بڑھاپے کے باعث سر آگ کے شعلہ کی مانند سفید ہوگیا ہے۔ یہاں پر شَيْبًا تمیز ہے۔ جو فاعل سے منقول ہو کر آئی ہے۔ یعنی سفیدی میرے بالوں میں اس طرح پھیل گئی ہے جس طرح آگ لکڑیوں میں پھیل جاتی ہے۔ اور میں تجھ سے دعا کا ارادہ کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ یعنی میں گزشتہ زمانہ میں بھی محروم نہ رہا اور امید ہے کہ آئندہ بھی مجھے محروم نہ رکھے گا۔

خفیہ دعا مانگنے کی فضیلت کا بیان

پوشیدہ دعا اللہ کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور قبولیت سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ متقی دل کو بخوبی جانتا ہے اور آہستگی کی آواز کو پوری طرح سنتا ہے۔ بعض سلف کا قول ہے کہ جو شخص اپنے والوں کی پوری نیند کے وقت اٹھے اور پوشیدگی سے اللہ کو پکارے کہ اے میرے پروردگار اے میرے پالنہار اے میرے رب اللہ تعالیٰ اسی وقت جواب دیتا ہے کہ لبیک میں موجود ہوں میں تیرے پاس ہوں۔ دعا میں کہتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ اسی وقت جواب دیتا ہے کہ لبیک میں موجود ہوں میں تیرے پاس ہوں۔ دعا میں کہتے ہیں کہ اے اللہ میرے قوی کمزور ہو گئے ہیں میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں میرے سر کے بالوں کی سیاہی اب تو سفیدی سے بدل گئی ہے یعنی ظاہری اور پوشیدگی کی تمام طاقتیں زائل ہو گئی ہیں اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا تجھ کریم سے جو مانگا تو نے عطا فرمایا۔

کیونکہ اخفاء ریا سے دور اور اخلاص سے معمور ہوتا ہے نیز یہ بھی فائدہ تھا کہ پیرانہ سالی کی عمر میں جب کہ سن شریف پچھتر یا اسی برس کا تھا اولاد کا طلب کرنا احتمال رکھتا تھا کہ عوام اس پر ملامت کریں اس لئے بھی اس دعا کا اخفاء مناسب تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ضعف پیری کے باعث حضرت کی آواز بھی ضعیف ہوگئی تھی۔ (تفسیر مدارک، خازن، سورہ مریم، بیروت)

وَ اِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّاۙ
اور میں اپنے بعد رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے۔ آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے
ایک ایسا وارث دے دیجئے کہ وہ میرا وارث بنے۔

طلب نبی مکرم علیہ السلام کیلئے دعا کا بیان

"وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ" أَىْ الَّذِينَ يَلُونِي فِي النَّسَبِ كَبَنِي الْعَمِّ "مِنْ وَرَائِي" أَىْ بَعْدَ مَوْتِي عَلَى الدِّينِ أَنْ يُضَيِّعُوهُ كَمَا شَاهَدْته فِي بَنِي إِسْرَائِيل مِنْ تَبْدِيل الدِّين "وَكَانَتْ امْرَأَتِي عَاقِرًا" لَا تَلِد "فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْك" مِنْ عِنْدك "وَلِيًّا" ابْنًا

اور میں اپنے بعد یعنی اپنے وصال کے بعد اپنے رشتہ داروں یعنی جو نسب میں میرے ساتھ ملنے والے ہیں جس چچا کے بیٹے ہیں۔ان کی طرف سے اندیشہ رکھتا ہوں کہ وہ دین کو کہیں ضائع نہ کر دیں جس میں بن اسرائیل میں تبدیل دین کا مشاہدہ کر چکا ہوں اور میری بی بی بانجھ ہے سو اس صورت میں آپ مجھ کو خاص اپنے پاس سے ایک ایسا وارث یعنی بیٹا دے دیجئے کہ وہ (میرے علوم خاصہ میں) میرا وارث بنے۔

دعا میں موالی کے مفہوم کا بیان

موالی کو کسائی نے موالی پڑھا ہے۔ مراد اس سے عصبہ ہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان سے خفت کو خفت پڑھنا روایت ہے یعنی میرے بعد میرے والے بہت کم ہیں۔

پہلی قرأت پر مطلب یہ ہے کہ چونکہ میری اولاد نہیں اور جو میرے رشتے دار ہیں ان سے خوف ہے کہ مبادہ یہ کہیں میرے بعد کوئی برا تصرف نہ کر دیں تو تو مجھے اولاد عنایت فرما جو میرے بعد میری نبوت سنبھالے۔ یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ آپ کو اپنے مال املاک کے ادھر ادھر ہو جانے کا خوف تھا۔ انبیاء علیہم السلام اس سے بہت پاک ہیں۔ ان کا مرتبہ اس سے بہت سوا ہے کہ وہ اس لئے اولاد مانگیں کہ اگر اولاد نہ ہوئی تو میرا ورثہ دور کے رشتے داروں میں چلا جائے گا۔ دوسرے بہ ظاہر یہ بھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جو عمر بھر اپنی ہڈیاں پیل کر بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ اپنے ہاتھ کے کام سے پالتے رہے ان کے پاس ایسی کون سی بڑی رقم تھی کہ جس کے ورثے کے لئے اس قدر پس و پیش ہوتا کہ کہیں یہ دولت ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ انبیاء علیہم السلام تو یوں بھی ساری دنیا سے زیادہ مال سے بیرغبت اور دنیا کے زاہد ہوتے ہیں۔

يَّرِثُنِىْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝
جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسند کیا ہوا بنا۔

علوم نبوت کی وراثت کی حفاظت کیلئے بیٹا طلب کرنے کا بیان

"يَرِثُنِى" بِالْجَزْمِ جَوَابُ الْأَمْرِ وَبِالرَّفْعِ صِفَةً وَلِيًّا "وَيَرِثُ" بِالْوَجْهَيْنِ "مِنْ آلِ يَعْقُوب" جَدِّى الْعِلْم وَالنُّبُوَّة "وَاجْعَلْهُ رَبّ رَضِيًّا" أَىْ : مَرْضِيًّا عِنْدك قَالَ تَعَالَى فِى إجَابَة طَلَبه الِابْن الْحَاصِل بِهِ رَحْمَته

یہاں پر لفظ یرثنی مجزوم آیا ہے کیونکہ یہ جواب امر ہے۔ اور مرفوع بھی آیا ہے جب یہ ولیا کی صفت ہو۔ اور یرث میں دونوں وجوہات ہیں۔ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے یعنی میری دادا یعقوب علیہ السلام کے علم و نبوت کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسند کیا ہوا بنا۔ یعنی وہ تیری بارگاہ میں بھی مقبول ہو تو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا جو طلب ابن کی تھی اس کو قبول کیا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی وراثت سے مراد علوم نبوت ہونے کا بیان

بخاری و مسلم میں کئی سندوں سے حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑیں سب صدقہ ہے۔ ترمذی میں صحیح سند سے روایت ہے کہ ہم اس سے مطلب ورثہ نبوت ہے نہ کہ مالی ورثہ۔ اسی لئے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ (وورث سلیمان داود) سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ یعنی نبوت کے وراث ہوئے۔ نہ کہ مال کے ورنہ مال میں اور اولاد بھی شریک ہوتی ہے۔ تخصیص نہیں ہوتی۔ چوتھی وجہ یہ بھی ہے اور یہ بھی معقول وجہ ہے کہ اولاد کا وارث ہونا تو عام ہے، سب میں ہے تمام مذہبوں میں ہے پھر کوئی ضرورت نہ تھی کہ حضرت زکریا اپنی دعا میں یہ وجہ بیان فرماتے اس سے صاف ثابت ہے کہ وہ ورثہ کوئی خالص ورثہ تھا اور وہ نبوت کا وارث بننا تھا۔

پس ان تمام وجوہ سے ثابت ہے کہ اس سے مراد ورثہ نبوت ہے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے ہم جماعت انبیاء کا ورثہ نہیں بٹتا ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مراد ورثہ علم ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام اولاد یعقوب علیہ السلام میں تھے۔ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بڑوں کی طرح نبی ہے۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں نبوت اور علم کا وارث بنے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے میری اور آل یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وراث ہو۔ زید بن اسلم بھی یہی فرماتے ہیں ابوصالح کا قول یہ بھی ہے کہ میرے مال کا اور خاندان حضرت یعقوب علیہ السلام کی نبوت کا وہ وارث ہو۔

عبدالرزاق میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ زکریا علیہ السلام پر رحم کرے بھلا انہیں وراثت مال سے کیا غرض تھی؟ اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم کرے وہ کسی مضبوط قلعے کی تمنا کرنے لگے۔ ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بھائی زکریا پر اللہ کا رحم ہو کہنے لگے اے اللہ مجھے اپنے پاس سے والی عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے۔ (جامع البیان، سورہ مریم، بیروت)

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۝
اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں، جس کا نام یحییٰ ہے، اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے نام کی تخصیص کا بیان

"يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرك بِغُلَامٍ" يَرِث كَمَا سَأَلْت "اسْمه يَحْيَى لَمْ نَجْعَل لَهُ مِنْ قَبْل سَمِيًّا" أَيْ : مُسَمًّى بِيَحْيَى

اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں، جو وارث بنے گا جس طرح آپ نے سوال کیا تھا۔ جس کا نام یحییٰ ہے، اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔ یعنی جس کا نام یحییٰ ہو۔

دعا قبول ہوئی۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا مقبول ہوتی ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ آپ ایک بچے کی خوشخبری سن لیں جس کا نام یحییٰ ہے جیسے

اور آیت میں ہے (هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّه ،آل عمران:38)، میں حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اپنے پاس سے بہتری اولاد عطا فرما تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔فرشتوں نے انہیں آواز دی اور وہ اس وقت کی نماز کی جگہ میں کھڑے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے جو سردار ہوگا اور پاکباز ہوگا اور نبی ہوگا اور پورے نیک کار اعلیٰ درجے کے بھلے لوگوں میں سے ہوگا۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۝

کہا اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے اور میں تو بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا ضعف کی حالت میں عطائے اولاد پر اظہار تعجب کا بیان

"قَالَ رَبِّ أَنَّى " كَيْفَ "يَكُون لِي غُلَام وَكَانَتْ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْت مِنْ الْكِبَر عِتِيًّا" مِنْ عَتَا : يَبِسَ أَيْ نِهَايَة السِّنّ مِائَة وَعِشْرِينَ سَنَة وَبَلَغَتْ امْرَأَته ثَمَانِيَة وَتِسْعِينَ سَنَة وَأَصْل عِتِيّ : عِتوّ وَكُسِرَتْ التَّاء تَخْفِيفًا وَقُلِبَتْ الْوَاو الْأُولَى يَاء لِمُنَاسَبَةِ الْكَسْرَة وَالثَّانِيَة يَاء لِتُدْغَم فِيهَا الْيَاء

کہا اے میرے رب! میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری بیوی شروع سے بانجھ ہے اور میں تو بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں۔یعنی وہ انتہائی عمر جو ایک سو بیس سال تھی پہنچ گئے ہیں جبکہ ان کی زوجہ محترمہ اٹھانوے سال کی پہنچ چکی تھیں۔اور یہاں پر لفظ عتی یہ اصل میں عتو ہے اور تخفیف کے پیش نظر اس کی تاء کو کسرہ دی گئی ہے۔اور پہلی واو کو کسرہ کی مناسبت کی وجہ سے یاء میں تبدیل کیا گیا ہے۔اور پھر یاء کا یاء میں ادغام کیا گیا ہے۔

یہاں فرمایا کہ ان سے پہلے اس نام کا کوئی اور انسان نہیں ہوا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مشابہ کوئی اور نہ ہوگا یہی معنی سمیا کے آیت (هَلْ تَعْلَمُ لَه سَمِيًّا ،مریم:65) میں ہے۔یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے پہلے کسی بانجھ عورت سے ایسی اولاد نہیں ہوئی۔حضرت زکریا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی۔آپ کی بیوی صاحبہ بھی شروع عمر سے بے اولاد تھیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہما السلام نے بھی بچے کے ہونے کی بشارت سن کر بیحد تعجب کیا تھا لیکن ان کے تعجب کی وجہ ان کا بے اولاد ہونا اور بانجھ ہونا نہ تھی۔ بلکہ بہت زیادہ بڑھاپے میں اولاد کا ہونا یہ تعجب کی وجہ تھی اور حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں تو اس پورے بڑھاپے تک کوئی اولاد ہوئی نہ تھی اس لئے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے اس انتہائی بڑھاپے میں تم اولاد کی خبر کیسے دے رہے ہو؟ ورنہ اس سے تیرہ سال پہلے آپ کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوئے تھے آپ کی بیوی صاحبہ نے بھی خوشخبری کو سن کر تعجب سے کہا تھا کہ کیا اس بڑھے ہوئے بڑھاپے میں میرے ہاں اولاد ہوگی؟ ساتھ ہی میرے میاں بھی غایت درجے کے بوڑھے ہیں۔یہ تو سخت تر تعجب خیز چیز ہے۔یہ سن کر فرشتوں نے کہا کہ کیا تمہیں امر الٰہی سے تعجب ہے؟ اے ابراہیم کے گھرانے والو تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں اللہ تعریفوں اور بزرگیوں والا ہے۔

عاقر اس عورت کو بھی کہتے ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اولاد جننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو

شروع سے ہی بانجھ ہو۔ یہاں یہ دوسرے معنی میں ہی ہے۔ جو لکڑی سوکھ جائے، اسے عِتِیًّا کہتے ہیں۔ مراد بڑھاپے کا آخری درجہ ہے۔ جس میں ہڈیاں اکڑ جاتی ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ میری بیوی تو جوانی سے ہی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے آخری درجے پر پہنچ چکا ہوں، اب اولاد کیسے ممکن ہے؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ کا نام اشاع بنت فاقود بن میل ہے یہ حضرت حنہ (والدہ مریم) کی بہن ہیں۔ لیکن زیادہ قول صحیح یہ لگتا ہے کہ اشاع بھی حضرت عمران کی دختر ہیں جو حضرت مریم کے والد تھے۔ یوں حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ حدیث صحیح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ (فتح القدیر، سورہ مریم، بیروت)

قَالَ كَذٰلِكَ ج قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝
کہا ایسے ہی ہے، تیرے رب نے فرمایا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور یقیناً میں نے تجھے
اس سے پہلے پیدا کیا جب کہ تو کچھ بھی نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کا بیان

"قَالَ" الْأَمر "كَذٰلِكَ" مِنْ خلق غُلَامٍ مِنكُمَا "قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّن" أَيْ : بِأَنْ أَرَادَ عَلَيْكَ قُوَّة الْجِمَاع وَأَفْتَقَ رَحِم امْرَأَتك لِلْعُلُوقِ "وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْل وَلَمْ تَكُ شَيْئًا" قَبْل خَلْقك وَلِإِظْهَارِ اللَّه هَذِهِ الْقُدْرَة الْعَظِيمَة أَلْهَمَهُ السُّؤَال لِيُجَاب بِمَا يَدُلّ عَلَيْهَا وَلَمَّا تَاقَتْ نَفْسه إِلَى سُرْعَة الْمُبَشَّر بِهِ

کہا ایسے ہی ہے، یعنی وہ تم دونوں کو بیٹا عطا فرمائے گا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے یہ میرے لیے آسان ہے کہ تم میں قوت جماع کو لوٹا دوں اور تمہاری زوجہ کے رحم کو قابل ولادت بنادوں۔ اور یقیناً میں نے تجھے اس سے پہلے پیدا کیا جب کہ تو کچھ بھی نہ تھا۔ یعنی تمہیں اس سے پہلے پیدا کیا یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا اظہار ہے۔ اور اس نے سوال کا الہام کیا ہے تا کہ جواب اس کی قدرت پر دلالت کرے۔ تو اس پر حضرت زکریا علیہ السلام کے دل مبارک نے آنے والی بشارت کی طرف جلدی کی۔

یہ فرشتہ نے کہا۔ یعنی تمہارے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے ایک چیز مشکل ہو تو خدا کے یہاں مشکل نہیں۔ اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے۔ انسان اپنی ہستی ہی کو دیکھ لے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کوئی چیز نہ تھی اس کا نام ونشان بھی کوئی نہ جانتا تھا۔ حق تعالیٰ اس کو پردہ عدم سے وجود میں لایا۔ پھر جو قادر مطلق لاشئ محض کو شئ بنادے کیا وہ بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا نہیں کرسکتا۔ اس پر تو بطریق اولیٰ قدرت ہونی چاہیے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ط قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝
کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کردے۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تندرست ہوتے ہوئے

لوگوں سے تین راتیں بات نہیں کرے گا۔

تین دن رات کلام نہ کرنے کو علامت ٹھہرانے کا بیان

"قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَة" أَيْ عَلَامَة عَلَى حَمْل امْرَأَتِي "قَالَ آيَتك" عَلَيْهِ "أَلَّا تُكَلِّم النَّاس" أَيْ تَمْتَنِع مِنْ كَلَامهمْ بِخِلَافِ ذِكْر اللَّه "ثَلَاث لَيَالٍ" أَيْ بِأَيَّامِهَا كَمَا فِي آل عِمْرَان ثَلَاثَة أَيَّام "سَوِيًّا" حَال مِنْ فَاعِل تُكَلِّم أَيْ بِلَا عِلَّة

کہا اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کردے۔ جو میری زوجہ کیلئے حاملہ ہونے کیلئے علامت ٹھہرے۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تندرست ہوتے ہوئے لوگوں سے تین راتیں بات نہیں کرے گا۔ یعنی اللہ کے ذکر کے سوا کلام نہ کرنا جس طرح سورہ آل عمران میں آیا ہے۔ یہاں پر سویا یہ تکلم کے فاعل سے حال ہے یعنی بغیر کسی علت کے کلام نہ کرنا۔

دلی تسلی کیلئے علامت طلب کرنے کا بیان

حضرت زکریا علیہ السلام اپنے مزید اطمینان اور تشفی قلب کے لیے اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اس بات پر کوئی نشان ظاہر فرما جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے مردوں کے جی اٹھنے کے دیکھنے کی تمنا اسی لئے ظاہر فرمائی تھی تو ارشاد ہوا کہ تو گونگا نہ ہوگا بیمار نہ ہوگا لیکن تیری زبان لوگوں سے باتیں نہ کر سکے گی تین دن رات تک یہی حالت رہے گی۔ یہی ہوا بھی کہ تسبیح استغفار حمد وثنا وغیرہ پر تو زبان چلتی تھی لیکن لوگوں سے بات نہ کر سکتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ سویا کے معنی پے درپے کے ہیں یعنی مسلسل برابر تین شبانہ روز تمہاری زبان دنیوی باتوں سے رکی رہے گی۔ پہلا قول بھی آپ ہی سے روایت ہے اور جمہور کی تفسیر بھی یہی ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے چنانچہ سورۃ آل عمران میں اس کا بیان بھی گزر چکا ہے کہ علامت طلب کرنے پر فرمان ہوا کہ تین دن تک تم صرف اشاروں کنایوں سے لوگوں سے باتیں کر سکتے ہو۔ ہاں اپنے رب کی یاد بکثرت کرو اور صبح شام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ پس ان تین دن رات میں آپ کسی انسان سے کوئی بات نہیں کر سکتے تھے ہاں اشاروں سے اپنا مطلب سمجھا دیا کرتے تھے لیکن یہ نہیں کہ آپ گونگے ہو گئے ہوں۔ اب آپ اپنے حجرے سے جہاں جا کر تنہائی میں اپنے ہاں اولاد ہونے کی دعا کی تھی باہر آئے اور جو نعمت اللہ نے آپ پر انعام کی تھی اور جس تسبیح وذکر کا آپ کو حکم ہوا تھا وہی قوم کو بھی حکم دیا لیکن چونکہ بول نہ سکتے تھے اس لئے انہیں اشاروں سے سمجھایا یا زمین پر لکھ کر انہیں سمجھا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا۝
پھر (زکریا علیہ السلام) حجرہ عبادت سے نکل کر اپنے لوگوں کے پاس آئے تو ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم صبح وشام تسبیح کیا کرو۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا حجرہ عبادت سے نکل کر لوگوں کے پاس آنے کا بیان

"فَخَرَجَ عَلَى قَوْمه مِنْ الْمِحْرَاب" أَيْ الْمَسْجِد وَكَانُوا يَنْتَظِرُونَ فَتْحه لِيُصَلُّوا فِيهِ بِأَمْرِهِ عَلَى

الْعَادَة "فَأَوْحَى" أَشَارَ "إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا" صَلُّوا "بُكْرَة وَعَشِيًّا" أَوَائِل النَّهَار وَأَوَاخِره عَلَى الْعَادَة فَعَلِمَ بِمَنْعِهِ مِنْ كَلَامهمْ حَمْلهَا بِيَحْيَى وَبَعْد وِلَادَته بِسَنَتَيْنِ قَالَ اللّٰه تَعَالَى لَهُ :،

پھر حضرت زکریا علیہ السلام حجرہ یعنی مسجد عبادت سے نکل کر اپنے لوگوں کے پاس آئے۔اور لوگ انتظار میں تھے کہ مسجد کھلے اور وہ ان کے حکم سے اس میں عبادت کریں۔تو ان کی طرف اشارہ کیا اور سمجھایا کہ تم صبح و شام اللہ کی تسبیح کیا کرو۔یعنی دن کے اول وآخر میں اس کی تسبیح بیان کرو۔پس لوگوں سے ہم کلام ہونے سے رکنے کے سبب یحییٰ علیہ السلام سے حاملہ ہونے کا علم ہوا اور اس کے دو سال بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کا میلادھوا۔تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا۔

جو اس کی نماز کی جگہ تھی اور لوگ پسِ محراب انتظار میں تھے کہ آپ ان کے لئے دروازہ کھولیں تو وہ داخل ہوں اور نماز پڑھیں ، جب حضرت زکریا علیہ السلام باہر آئے تو آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا، گفتگو نہیں فرما سکتے تھے یہ حال دیکھ کر لوگوں نے دریافت کیا، کیا حال ہے۔اور حسبِ عادت فجر وعصر کی نمازیں ادا کرتے رہو، اب حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے کلام نہ کر سکنے سے جان لیا کہ آپ کی بیوی صاحبہ حاملہ ہوگئیں اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت سے دو سال بعد ہوئی۔(تفسیر خازن، سورہ مریم، بیروت)

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّ حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۝
اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور ہم نے انہیں بچپن ہی سے حکمت وبصیرت عطا فرمادی تھی۔
اور اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی اور وہ بہت بچنے والا تھا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پرہیزگار ہونے کا بیان

"يَا يَحْيَى خُذْ الْكِتَاب" أَيْ : التَّوْرَاة "بِقُوَّةٍ" بِجِدٍّ "وَآتَيْنَاهُ الْحُكْم" النُّبُوَّة "صَبِيًّا" ابْن ثَلَاث سِنِينَ،"وَحَنَانًا" رَحْمَة لِلنَّاسِ "مِنْ لَدُنَّا" مِنْ عِنْدنَا "وَزَكَاة" صَدَقَة عَلَيْهِمْ "وَكَانَ تَقِيًّا" رُوِيَ أَنَّهُ لَمْ يَعْمَل خَطِيئَة وَلَمْ يَهُمّ بِهَا،

اے یحییٰ! ہماری کتاب تورات کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور ہم نے انہیں بچپن ہی سے حکمت یعنی نبوت عطا فرمادی تھی۔اس وقت آپ کی عمر مبارک تین سال تھی۔اور اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی عطا کی اور وہ بہت بچنے والا تھا۔روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے کبھی کوئی غلطی نہ کی اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کو تین سال کی عمر مبارک میں حکمت ونبوت عطا ہونے کا بیان

جب کہ آپ کی عمر شریف تین سال کی تھی اس وقت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو عقلِ کامل عطا فرمائی اور آپ کی طرف وحی کی۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے اور اتنی سی عمر میں فہم وفراست اور کمالِ عقل ودانش خوارقِ عادات میں سے ہے اور جب بکرمہ تعالیٰ یہ حاصل ہو تو اس حال میں نبوت ملنا کچھ بھی بعید نہیں لہٰذا اس آیت میں حکم سے نبوت مراد ہے یہی قول صحیح

ہے۔ بعض مفسرین نے اس سے حکمت یعنی فہمِ توریت اور فقہ فی الدین بھی مراد لی ہے۔ (خازن و مدارک، سورہ مریم، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے۔ کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ حنان کا مطلب کیا ہے لغت میں محبت شفقت رحمت وغیرہ کے معنی میں یہ آتا ہے بہ ظاہر یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسے بچپن سے ہی حکم دیا اور اسے شفقت ومحبت اور پاکیزگی عطا فرمائی۔ (جامع البیان، سورہ مریم، بیروت)

حنانا سے مراد مہربانی، شفقت اور محبت کی وہ قسم ہے جو ماں کو اپنے بچہ سے ہوتی ہے۔ یعنی سیّدنا یحییٰ علیہ السلام لوگوں کے حق میں اس قدر ہمدرد، غمگسار اور نرم دل تھے جیسے ماں اپنی اولاد کے حق میں ہوتی ہے۔ پاکیزہ اخلاق کے مالک اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ سیّدنا یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی کوئی گناہ کا کام کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا اور اللہ کے ڈر سے روتے رہنے کی وجہ سے ان کے رخساروں پر نشان پڑ گئے تھے۔

وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا٥
اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا تھا اور وہ سرکش، نافرمان نہ تھا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے محسن والدین ہونے کا بیان

"وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ" أَيْ : مُحْسِنًا إِلَيْهِمَا "وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا" مُتَكَبِّرًا "عَصِيًّا" عَاصِيًا لِرَبِّهِ،

اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا تھا اور وہ سرکش، نافرمان نہ تھا۔ یعنی آپ اپنے رب کی نافرمانی کرنے والے نہ تھے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص جہنم میں ایک ہزار سال تک یا حنان یا منان پکارتا رہے گا پس ہر میل کچیل سے ہر گناہ اور معصیت سے آپ بچے ہوئے تھے۔ صرف نیک اعمال آپ کی عمر کا خلاصہ تھا آپ گناہوں سے اور اللہ کی نافرمانیوں سے یکسو تھے ساتھ ہی ماں باپ کے فرمابردار اطاعت گزار اور ان کے ساتھ نیک سلوک تھے کبھی کسی بات میں ماں باپ کی مخالفت نہیں کی کبھی ان کے فرمان سے باہر نہیں ہوتے کبھی ان کی روک کے بعد کسی کام کو نہیں کیا کوئی سرکشی کوئی نافرمانی کی خو آپ میں نہ تھی۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوْتُ وَ يَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا٥
اور یحییٰ پر سلام ہو ان کے میلاد کے دن اور ان کی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے یوم میلاد پر سلام بھیجنے کا بیان

"وَسَلَام" مِنَّا "عَلَيْهِ يَوْم وُلِدَ وَيَوْم يَمُوت وَيَوْم يُبْعَث حَيًّا" أَيْ : فِي هَذِهِ الْأَيَّام الْمَخُوفَة الَّتِي يَرَى مَا لَمْ يَرَهُ قَبْلهَا فَهُوَ آمِن فِيهَا

اور یحییٰ پر سلام ہو ان کے میلاد کے دن اور ان کی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے۔ یعنی ان تینوں دنوں

میں ایسی عطاء دیکھی گئی تو اس سے پہلے نہ دیکھی گئی۔

حضرت یحیٰ علیہ السلام پر تین مواقع پر اللہ کی طرف سے خاص سلام کا بیان

ان اوصاف جمیلہ اور خصائل حمیدہ کے بدلے تینوں حالتوں میں آپ کو اللہ کی طرف سے امن وامان اور سلامتی ملی۔ یعنی پیدائش والے دن موت والے دن اور حشر والے دن۔ یہی تینوں جگہیں گھبراہٹ کی اور انجان ہوتی ہیں۔ انسان ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی ایک نئی دنیا دیکھتا ہے جو اس کی آج تک کی دنیا سے عظیم الشان اور بالکل مختلف ہوتی ہے موت والے دن اس مخلوق سے واسطہ پڑتا ہے جس سے حیات میں کبھی بھی واسطہ نہیں پڑا انہیں کبھی نہ دیکھا۔ محشر والے دن بھی علی ہذا القیاس اپنے تئیں ایک بہت بڑے مجمع میں جو بالکل نئی چیز ہے دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ پس ان تینوں وقتوں میں اللہ کی طرف سے حضرت یحیٰ علیہ السلام کو سلامتی ملی۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ قیامت کے دن کچھ نہ کچھ گناہ لے کر جائیں گے سوائے حضرت یحیٰ علیہ السلام کے۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ آپ نے گناہ بھی کبھی نہیں کیا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت یحیٰ علیہ السلام سے فرمانے لگے آپ میرے لئے استغفار کیجئے آپ مجھ سے بہتر ہیں حضرت یحیٰ علیہ السلام نے جواب دیا آپ مجھ سے بہتر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے آپ ہی اپنے اوپر سلام کیا اور آپ پر خود اللہ نے سلام کہا۔ اب ان دونوں نے ہی اللہ کی فضیلت ظاہر کی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝
اور آپ کتاب میں مریم (علیہا السلام) کا ذکر کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر مشرقی مکان میں آ گئیں۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا ذکر قرآن کے ذریعے بتانے کا بیان

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَاب" الْقُرْآن "مَرْيَم" أَيْ : خَبَرهَا "إِذْ" حِين "انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا" أَيْ : اعْتَزَلَتْ فِي مَكَان نَحْو الشَّرْق مِنْ الدَّار

اور (اے حبیب مکرم ﷺ) آپ کتاب یعنی قرآن مجید میں مریم علیہا السلام کا ذکر کیجئے، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر عبادت کے لئے خلوت اختیار کرتے ہوئے مشرقی مکان میں آ گئیں۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حضرت مریم علیہ السلام عمران کی صاحبزادی تھیں حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سے تھیں۔ "بنو اسرائیل میں یہ گھرانہ طیب وطاہر تھا۔ سورہ آل عمران میں آپ کی پیدائش وغیرہ کا مفصل بیان گزر چکا ہے اس زمانے کے دستور کے مطابق آپ کی والدہ صاحبہ نے آپ کو بیت المقدس کی مسجد اقدس کی خدمت کے لئے دنیوی کاموں سے آزاد کر دیا تھا۔ اللہ نے یہ نذر قبول فرمائی اور

حضرت مریم کی نشو ونما بہترین طور پر کی اور آپ اللہ کی عبادت میں، ریاضت میں اور نیکیوں میں مشغول ہوگئیں۔ آپ کی عبادت وریاضت زہد وتقویٰ زبان زدعوام ہوگیا۔ آپ اپنے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کی پرورش وتربیت میں تھیں۔ جو اس وقت کے بنی اسرائیلی نبی تھے۔ تمام بنی اسرائیل دینی امور میں انہی کے تابع فرمان تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

اِنْتَبَذَتْ، نبذ سے مشتق ہے جس کے اصلی معنے دُور ڈالنے اور پھینکنے کے ہیں۔ انتباذ کے معنی مجمع سے ہٹ کر دُور چلے جانے کے ہوئے۔ مکانا شرقیا، یعنی گھر کے اندر مشرقی جانب کے کسی گوشہ میں چلی گئیں۔ ان کا گوشہ میں جانا کس غرض کے لئے تھا اسمیں احتمالات اور اقوال مختلف ہیں بعض نے کہا کہ غسل کرنے کے لئے اس گوشہ میں گئی تھیں۔ بعض نے کہا کہ حسب عادت عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونے کے لئے محراب کی شرقی جانب کے کسی گوشہ کو اختیار کیا تھا۔ قرطبی نے اسی دوسرے احتمال کو احسن قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ نصاریٰ نے جو جانب مشرق کو اپنا قبلہ بنایا اور اس جانب کی تعظیم کرتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۝
پھر اس نے ان کی طرف سے ایک پردہ بنالیا تو ہم نے اس کی طرف اپنا خاص فرشتہ بھیجا تو اس نے
اس کے لیے ایک پورے انسان کی شکل اختیار کی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے پاس انسانی شکل میں فرشتے کے آنے کا بیان

"فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونهمْ حِجَابًا" أَرْسَلَتْ سِتْرًا تَسْتَتِر بِهِ لِتُفَلِّي رَأْسهَا أَوْ ثِيَابهَا أَوْ تَغْتَسِل مِنْ حَيْضهَا "فَأَرْسَلْنَا إلَيْهَا رُوحنَا" جِبْرِيل "فَتَمَثَّلَ لَهَا" بَعْد لُبْسهَا ثِيَابهَا "بَشَرًا سَوِيًّا" تَامّ الْخَلْق

پھر اس نے ان کی طرف سے ایک پردہ بنالیا یعنی ایسا پردہ لٹکایا تاکہ وہ اپنے سر یا کپڑوں دھو سکیں یا حیض سے غسل کرسکیں۔ تو ہم نے اس کی طرف اپنا خاص فرشتہ یعنی جبرائیل کو بھیجا تو اس نے اس کے لیے ایک پورے انسان کی شکل اختیار کی۔ یعنی لباس پہن کر ایک انسانی شکل میں آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے میلاد کا بیان

جب یہ لوگوں سے دور گئیں اور ان میں اور آپ میں حجاب ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس اپنے امین فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، وہ پوری انسانی شکل میں آپ پر ظاہر ہوئے۔ یہاں روح سے مراد یہی بزرگ فرشتے ہیں۔ جیسے آیت قرآن (نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ،الشعراء:193) میں ہے۔ ابی بن کعب کہتے ہیں کہ روز ازل میں جب کہ ابن آدم کی تمام روحوں سے اللہ کا اقرار لیا گیا تھا۔ اسی روح نے آپ سے باتیں کیں اور آپ کے جسم میں حلول کر گئی۔ لیکن یہ قول علاوہ غریب ہونے کے بالکل ہی منکر ہے بہت ممکن ہے کہ یہ بنی اسرئیلی قول ہو۔ آپ نے جب اس تنہائی کے مکان میں ایک غیر شخص کو دیکھا تو یہ سمجھ کر کہ کہیں یہ کوئی برا آدمی نہ ہو، اسے اللہ کا خوف دلایا کہ اگر تو پرہیزگار ہے تو اللہ کا خوف کر۔ میں اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ اتنا پتہ تو آپ

کو ان کے بشرے سے چل گیا تھا کہ یہ کوئی بھلا انسان ہے۔ اور یہ جانتی تھیں کہ نیک شخص کو اللہ کا ڈر اور خوف کافی ہے۔ فرشتے نے آپ کا خوف وہراس ڈر اور گھبراہٹ دور کرنے کے لئے صاف کہہ دیا کہ اور کوئی گمان نہ کرو میں تو اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں، کہتے ہیں کہ اللہ کا نام سن کر حضرت جبرائیل علیہ السلام کانپ اٹھے اور اپنی صورت پر آ گئے اور کہہ دیا میں اللہ کا قاصد ہوں۔ اس لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے کہ وہ تجھے ایک پاک نفس فرزند عطا کرنا چاہتا ہے۔

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○
اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔ کہا:
میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔

حضرت جبرائیل کا پاکیزہ بیٹا عطا کرنے کا بیان

"قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا" فَتَنْتَهِي عَنِّي بِتَعَوُّذِي، "قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا" بِالنُّبُوَّةِ

اس نے کہا بے شک میں تجھ سے رحمان کی پناہ چاہتی ہوں، اگر تو کوئی ڈر رکھنے والا ہے۔ میں اس لئے پناہ مانگتی ہوں تا کہ تو یہاں سے دور ہو جائے۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا: میں تو فقط تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، اس لئے آیا ہوں کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔ یعنی جو نبی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے کئی ظاہری اسباب کے بغیر مخلوق کی تخلیق کا اظہار فرمایا ہے یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ومیلاد کا بغیر باپ کے ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے لیکن وسیلہ والدہ اور حضرت جبرائیل کے وسیلہ کو باقی رکھا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں منکرین وسیلہ اور صالحین کے وسیلہ و برکت کے انکاری خارجیوں نے بڑی کوشش کی ہے مقاصد نصوص کے الفاظ ومعانی میں تحریف کر کے کسی طرح انبیائے کرام اور اولیائے کرام کی طاقت وتصرف کا انکار کر دیا جائے۔ انہیں یاد رکھنا چاہے کہ جب انبیائے کرام اور اولیائے کرام کو قوت وتصرف اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے۔ تو یہ منکر خارجی ان کی قوت وتصرف کا انکار کر کے حقیقت میں کس کی قدرت کا انکار کر رہے ہیں۔ لیکن خوارجی لوگ اور مقام نبوت کے منکرین کو کبھی بھی سمجھ نہ آئے گی کیونکہ ایسے بدبخت لوگوں کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○
اس نے کہا میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے نہ کسی بشر نے چھوا ہے اور نہ میں بدکار رہوں۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا اپنی پاک دامنی بتانے کا بیان

"قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ" بِتَزَوُّجٍ "وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا" زَانِيَةً

اس نے کہا میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا، جب کہ مجھے نہ کسی بشر نے شادی کے ذریعے چھوا ہے اور نہ میں کبھی بدکار تھی۔

یہ سن کر مریم صدیقہ علیہ السلام کو اور تعجب ہوا کہ سبحان اللہ مجھے بچہ کیسے ہوگا؟ میرا تو نکاح ہی نہیں ہوا اور برائی کا مجھے تصور تک نہیں ہوا۔ میرے جسم پر کسی انسان کا کبھی ہاتھ ہی نہیں لگا۔ میں بدکار نہیں پھر میرے ہاں اولاد کیسی "بغیا" سے مراد زناکار ہے جیسے حدیث میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے کہ مہر البغی زانیہ کی خرچی حرام ہے۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ○
اس نے کہا ایسے ہی ہے، تیرے رب نے کہا ہے یہ میرے لیے آسان ہے اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی
اور اپنی طرف سے ایک رحمت بنائیں اور یہ شروع سے ایک طے کیا ہوا کام ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے ہاں بغیر باپ کے بیٹا ہونے کا بیان

"قَالَ" الْأَمْر "كَذٰلِكِ" مِنْ خَلْق غُلَام مِنْك مِنْ غَيْر أَب "قَالَ رَبّك هُوَ عَلَيَّ هَيِّن" أَيْ : بِأَنْ يَنْفُخ بِأَمْرِي جِبْرِيل فِيك فَتَحْمِلِي بِهِ وَلِكَوْنِ مَا ذُكِرَ فِي مَعْنَى الْعِلَّة عَطَفَ عَلَيْهِ "وَلِنَجْعَلهُ آيَة لِلنَّاسِ" عَلَى قُدْرَتنَا "وَرَحْمَة مِنَّا" لِمَنْ آمَنَ بِهِ "وَكَانَ" خَلْقه "أَمْرًا مَقْضِيًّا" بِهِ فِي عِلْمِي فَنَفَخَ جِبْرِيل فِي جَيْب دِرْعهَا فَأَحَسَّتْ بِالْحَمْلِ فِي بَطْنهَا مُصَوَّرًا

اس نے کہا ایسے ہی ہے، یعنی بغیر باپ کے تیرے ہاں بیٹا ہوگا۔ تیرے رب نے کہا ہے یہ میرے لیے آسان ہے۔ یعنی وہ اس طرح ہوگا کہ جبرائیل میرے حکم سے پھونک دیں گے جس کے سبب تم حاملہ ہو جاؤ گی۔ یہاں پر ھو علی ھین یہ علت کے معنی میں اور اس پر لنجعلہ کا عطف کیا گیا ہے۔ اور تا کہ ہم اسے لوگوں کے لیے ایک نشانی اور اپنی طرف سے ایک رحمت بنائیں جو ہماری قدرت پر یقین رکھتا ہو۔ اور میرے علم میں یہ شروع سے ایک طے کیا ہوا کام ہے۔ لہٰذا حضرت جبرائیل نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماردی تو انہوں نے اپنے بطن میں متشکل حمل محسوس کیا۔

فرشتوں کا اللہ کی قدرت کے ذریعے تعجب دور کردینے کا بیان

فرشتے نے آپ کے تعجب کو یہ فرما کر دور کرنا چاہا کہ یہ سب سچ ہے لیکن اللہ اس پر قادر ہے کہ بغیر خاوند کے اور بغیر کسی اور بات کے بھی اولاد دے دے۔ وہ جو چاہے ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کو اور اس واقعہ کو اپنے بندوں کی تذکیر کا سبب بنادے گا۔ یہ قدرت الٰہی کی ایک نشانی ہوگی تا کہ لوگ جان لیں کہ وہ خالق ہر طرح کی پیدائش پر قادر ہے۔ آدم علیہ السلام کو بغیر عورت مرد کے پیدا کیا حوا کو صرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا۔ باقی تمام انسانوں کو مرد و عورت سے پیدا کیا سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ بغیر مرد کے صرف عورت سے ہی پیدا ہوئے۔ پس تقسیم کی یہ چار ہی صورتیں ہو سکتی تھیں جو سب پوری کر دی گئیں اور اپنی کمال قدرت اور عظیم سلطنت کی مثال قائم کر دی۔ فی الواقع نہ اس کے سوا کوئی معبود نہ پروردگار۔ اور یہ بچہ اللہ کی رحمت بنے گا، رب کا

پیغمبر بنے گا اللہ کی عبادت کی دعوت اس کی مخلوق کو دے گا۔

فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوش خبری سناتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا جو دنیا اور آخرت میں آبرودار ہوگا اور ہوگا بھی اللہ کا مقرب وہ گہوارے میں ہی بولنے لگے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی۔ اور صالح لوگوں میں سے ہوگا یعنی بچپن اور بڑھاپے میں اللہ کے دین کی دعوت دے گا۔ روایت ہے کہ حضرت مریم نے فرمایا کہ خلوت اور تنہائی کے موقعہ پر مجھ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بولتے تھے اور مجمع میں اللہ کی تسبیح بیان کرتے تھے یہ حال اس وقت کا ہے جب کہ آپ میرے پیٹ میں تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ یہ کام علم اللہ میں مقدر اور مقرر ہو چکا ہے وہ اپنی قدرت سے یہ کام پورا کر کے ہی رہے گا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ قول بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ فرمان الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ اور مراد اس سے روح کا پھونک دینا ہو۔ جیسے فرمان ہے کہ عمران کی بیٹی مریم باعصمت بیوی تھیں ہم نے اس میں روح پھونکی تھی۔ اور آیت میں ہے وہ باعصمت عورت جس میں ہم نے اپنی روح پھونک دی۔ پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ تو ہو کر ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ کر چکا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۝
پس مُریم نے اسے پیٹ میں لے لیا اور الگ ہوکر دور ایک مقام پر جا بیٹھیں۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا آبادی سے دور رہنے کا بیان

"فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ" تَنَحَّتْ "بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا" بَعِيدًا مِنْ أَهْلِهَا

پس مریم نے اسے پیٹ میں لے لیا اور آبادی والوں سے الگ ہوکر دور ایک مقام پر جا بیٹھیں۔

حضرت مریم کی اپنی خالہ سے ملاقات کا بیان

جب آپ فرمان الٰہی تسلیم کر چکیں اور اس کے آگے گردن جھکا دی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان کے کرتے کے گریبان میں پھونک ماری۔ جس سے انہیں بحکم رب حمل ٹھہر گیا اب تو سخت گھبرائیں اور یہ خیال کرتے ہی کلیجہ منہ کو آنے لگا کہ میں لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی؟ لاکھ اپنی برات پیش کروں لیکن اس انوکھی بات کو کون مانے گا؟ اسی گھبراہٹ میں آپ تھیں کسی سے یہ واقعہ بیان نہیں کیا تھا ہاں جب آپ اپنی خالہ حضرت زکریا علیہما السلام کی بیوی کے پاس گئیں تو وہ آپ سے معانقہ کر کے کہنے لگیں بچی اللہ کی قدرت سے اور تمہارے خالو کی دعا سے میں اس عمر میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ آپ نے فرمایا خالہ جان میرے ساتھ یہ واقعہ گزرا اور میں بھی اپنے آپ کو اسی حالت میں پاتی ہوں چونکہ یہ گھرانہ نبی کا گھرانہ تھا۔ وہ قدرت الٰہی پر اور صداقت مریم پر ایمان لائیں۔ اب یہ حالت تھی کہ جب کبھی یہ دونوں پاک عورتیں ملاقات کرتیں تو خالہ صاحبہ یہ محسوس فرماتیں کہ گویا ان کا بچہ بھانجی کے بچے کے سامنے جھکتا ہے اور اس کی عزت کرتا ہے۔ ان کے مذہب میں یہ جائز بھی تھا اسی وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام کے

بھائیوں نے اور آپ کے والد نے آپ کو سجدہ کیا تھا۔ اور اللہ نے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن ہماری شریعت میں یہ تعظیم اللہ کے لیے مخصوص ہوگئی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں ایک ہی وقت حمل میں تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی والدہ اکثر حضرت مریم سے فرماتی تھیں کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا بچہ تیرے بچے کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ نے آپ کے ہاتھوں اپنے حکم سے مردوں کو زندہ کردیا اور مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو بھلا چنگا کردیا۔ جمہور کا قول تو یہ ہے کہ آپ نو مہینے تک حمل میں رہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آٹھ ماہ تک۔ اسی لئے آٹھ ماہ کے حمل کا بچہ عموماً زندہ نہیں رہتا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حمل کے ساتھ ہی بچہ ہوگیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا٥
پھر دردِ زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، وہ کہنے لگیں: اے کاش! میں پہلے سے مرگئی ہوتی
اور بالکل بھولی بسری ہو چکی ہوتی۔

حمل، تصویر اور ولادت کا لمحہ بھر میں ہوجانے کا بیان

"فَاَجَاءَهَا" جَاءَ بِهَا "الْمَخَاضُ" وَجَعُ الْوِلَادَةِ "إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ" لِتَعْتَمِدَ عَلَيْهِ فَوَلَدَتْ وَالْحَمْلُ وَالتَّصْوِيرُ وَالْوِلَادَةُ فِي سَاعَةٍ "قَالَتْ يَا" لِلتَّنْبِيهِ "لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا" الْأَمْرِ "وَكُنْت نَسْيًا مَنْسِيًّا" شَيْئًا مَتْرُوكًا لَا يُعْرَفُ وَلَا يُذْكَرُ،

پھر دردِ زہ انہیں ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آیا تاکہ آپ اس پر ٹیک لگائیں تو آپ نے ایک بیٹے کو جنم دیا اور یہ حمل اور تصویر اور ولادت سب کچھ لمحہ بھر میں ہوا، وہ پریشانی کے عالم میں کہنے لگیں: اے کاش! یہاں پر یاء انتباہ کیلئے آیا ہے۔ میں اس واقعہ سے پہلے مرگئی ہوتی اور بالکل بھولی بسری ہوچکی ہوتی۔ تاکہ کوئی نہ مجھے پہچانتا اور اور نہ میرا تذکرہ کرتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام ولادت کا بیان

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حمل کے حالات ظاہر ہوگئے قوم نے پھبتیاں پھینکی، آوازے کسنے اور باتیں بنانی شروع کردیں اور حضرت یوسف نجار جیسے صالح شخص پر یہ تہمت اٹھائی تو آپ ان سب سے کنارہ کش ہوگئیں نہ کوئی انہیں دیکھے نہ آپ کسی کو دیکھیں۔ جب دردزہ اٹھا تو آپ کھجور کے ایک درخت کی جڑ میں آبیٹھیں کہتے ہیں کہ یہ خلوت خانہ بیت المقدس کی مشرقی جانب کا حجرہ تھا۔ یہ بھی قول ہے کہ شام اور مصر کے درمیان آپ پہنچ چکی تھیں اس وقت بچہ ہونے کا درد شروع ہوا۔ اور قول ہے کہ بیت المقدس سے آپ آٹھ میل چلی گئی تھیں اس بستی کا نام بیت لحم تھا۔ معراج کے واقعہ کے بیان میں پہلے ایک حدیث گزری

ہے جس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ بھی بیت لحم تھا۔ (سیرت ابن اسحاق)

فَنَادٰهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا٥
تو اس نے اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کر، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی جاری کردی ہے۔

خشک ندی کے جاری ہو جانے کا بیان

"فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا" أَیْ : جِبْرِیل وَكَانَ أَسْفَل مِنْهَا "أَلَّا تَحْزَنِی قَدْ جَعَلَ رَبّك تَحْتك سَرِیًّا" نَهر مَاء كَانَ قَدْ انْقَطَعَ،

تو اس نے یعنی جبرائیل نے اسے اس کے نیچے سے آواز دی کہ غم نہ کر، بے شک تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی جاری کردی ہے۔ جس کا پانی خشک ہو چکا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یا حضرت جبریل نے اپنی ایڑی زمین پر ماری تو آب شیریں کا ایک چشمہ جاری ہو گیا اور کھجور کا درخت سرسبز ہو گیا، پھل لایا وہ پھل پختہ اور رسیدہ ہو گئے اور حضرت مریم سے کہا گیا

وَ هُزِّىْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا٥
اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرا دے گا۔

خشک کھجور کے درخت سے تر و تازہ کھجوروں کا بیان

"وَهُزِّی إلَیْك بِجِذْعِ النَّخْلَة" كَانَتْ یَابِسَة وَالْبَاء زَائِدَة "تُسَاقِط" أَصْله بِتَاءَیْنِ قُلِبَتْ الثَّانِیَة سِینًا وَأُدْغِمَتْ فِی السِّین وَفِی قِرَاءَة بِتَرْكِهَا "عَلَیْك رُطَبًا" تَمْیِیز "جَنِیًّا" صِفَته،

اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ حالانکہ وہ خشک ہو چکی تھی۔ اور یہاں پر بجذع میں باء زائدہ ہے اور تساقط میں اصل میں دو تائیں ہیں جس میں دوسری تاء کو سین سے تبدیل کیا گیا ہے۔ اور ایک قرأت میں اس کو ترک کیا گیا ہے۔ وہ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرا دے گا۔ یہاں پر رطبا تمیز ہے اور جنیا اس کی صفت ہے۔

کھجور کے اس درخت کو ہلاؤ اس میں سے تر و تازہ کھجوریں جھڑیں گی وہ کھاؤ۔ کہتے ہیں یہ درخت سوکھا پڑا ہوا تھا اور یہ قول بھی ہے کہ پھل دار تھا۔ بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ درخت کھجوروں سے خالی تھا لیکن آپ کے ہلاتے ہی اس میں سے قدرت الٰہی سے کھجوریں جھڑنے لگیں کھانا پینا سب کچھ موجود ہو گیا اور اجازت بھی دے دی۔ فرمایا کھا پی اور دل کو مسرور رکھ۔

کھجور کے درخت کے فوائد کا بیان

حضرت عمرو بن میمون کا فرمان ہے کہ نفاس والی عورتوں کے لئے کھجوروں سے اور خشک کھجوروں سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔
ایک حدیث میں ہے کھجور کے درخت کا اکرام کرو یہ اسی مٹی سے پیدا ہوا ہے جس سے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اس کے سوا اور

کوئی درخت نر مادہ مل کر نہیں پھلتا۔عورتوں کو ولادت کے وقت تر کھجوریں کھلاؤ نہ ملیں تو خشک ہی سہی کوئی درخت اس سے بڑھ کر اللہ کے پاس مرتبے والا نہیں۔اسی لئے اس کے نیچے حضرت مریم علیہ السلام کو اتارا۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ مریم،بیروت)

مسجد کے خادم کے سامنے قدرت الٰہی کے اظہار کا بیان

مسجد کے خادم ایک صاحب اور تھے جن کا نام یوسف نجار تھا۔انہوں نے جب مریم علیہا السلام کا یہ حال دیکھا تو دل میں کچھ شک سا پیدا ہوا لیکن حضرت مریم کے زہد وتقویٰ،عبادت وریاضت،خشیت الٰہی اور حق بینی کو خیال کرتے ہوئے انہوں نے یہ برائی دل سے دور کرنی چاہی،لیکن جوں جوں دن گزرتے گئے حمل کا اظہار ہوتا گیا اب تو خاموش نہ رہ سکے ایک دن با ادب کہنے لگے کہ مریم میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں ناراض نہ ہونا بھلا بغیر بیج کے کسی درخت کا ہونا،بغیر دانے کے کھیت کا ہونا،بغیر باپ کے بچے کا ہونا ممکن بھی ہے؟

آپ ان کے مطلب کو سمجھ گئیں اور جواب دیا کہ یہ سب ممکن ہے سب سے پہلے جو درخت اللہ تعالیٰ نے اگایا وہ بغیر بیج کے تھا سب سے پہلے جو کھیتی اللہ نے اگائی وہ بغیر دانے کی تھی،سب سے پہلے اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا وہ بیباپ کے تھے بلکہ بیماں کے بھی ان کی تو سمجھ میں آ گیا اور حضرت مریم علیہا السلام اور اللہ کی قدرت کو نہ جھٹلا سکے۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ مریم،بیروت)

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ
لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝
پس کھا اور پی اور ٹھنڈی آنکھ سے رہ،پھر اگر تو آدمیوں میں سے کسی کو دیکھے تو کہہ میں نے تو رحمان کے لیے
روزے کی نذر مانی ہے،لہٰذا آج میں ہرگز کسی انسان سے بات نہ کروں گی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے سکوت کے روزوں کا بیان

"فَكُلِي" مِنَ الرُّطَب "وَاشْرَبِي" مِنَ السَّرِيّ "وَقَرِّي عَيْنًا" بِالْوَلَدِ تَمْيِيز مُحَوَّل مِنَ الْفَاعِل أَيْ: لِتَقَرّ عَيْنك بِهِ أَيْ: تَسْكُن فَلَا تَطْمَح إِلَى غَيْره "فَإِمَّا" فِيهِ إِدْغَام نُون إِنْ الشَّرْطِيَّة فِي مَا الزَّائِدَة "تَرَيِنَّ" حُذِفَتْ مِنْهُ لَام الْفِعْل وَعَيْنه وَأُلْقِيَتْ حَرَكَتهَا عَلَى الرَّاء وَكُسِرَتْ يَاء الضَّمِير لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ "مِنْ الْبَشَر أَحَدًا" فَيَسْأَلك عَنْ وَلَدك "فَقُولِي إِنِّي نَذَرْت لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا" أَيْ إِمْسَاكًا عَنْ الْكَلَام فِي شَأْنه وَغَيْره مِنْ الْأَنَاسِيّ بِدَلِيلِ "فَلَنْ أُكَلِّم الْيَوْم إِنْسِيًّا" أَيْ: بَعْد ذَلِكَ

پس پکی کھجوریں کھاؤ اور چشمے کا پانی پیو اور بیٹے کے سبب ٹھنڈی آنکھ سے رہو،یہاں پر عینا تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہو کر تمیز بنی ہے۔یعنی آپ بیٹے کے سبب آنکھوں کی ٹھنڈک پاؤ کسی دوسرے کی طرف متوجہ نہ ہونا۔اور فاما میں ان شرطیہ ہے اور اس میں ماء زائدہ کا ادغام ہوا ہے۔اور ترین میں لام کلمہ اور عین کلمہ کو حذف کیا گیا اور عین کلمہ کی حرکت نقل کر کے راء کو دی گئی۔اور

التقائے ساکنین کی وجہ سے یا ضمیر کو کسرہ دی گئی۔ پھر اگر تو آدمیوں میں سے کسی کو دیکھے یعنی وہ آپ سے بیٹے کے بارے میں سوال کریں تو ان سے کہہ دے کہ میں نے تو رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، یعنی اس بیٹے کیلئے لوگوں سے کلام کرنے سے رکنے کی نذر مانی ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے۔ پس آج میں ہرگز کسی انسان سے بات نہ کروں گی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی خاموشی کی نذر کا بیان

حضرت عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں تو آپ نے کہا میں کیسے نہ گھبراؤں خاوند والی میں نہیں، کسی کی ملکیت کی لونڈی باندی میں نہیں مجھے دنیا نہ کہے گی کہ یہ بچہ کیسے ہوا؟ میں لوگوں کے سامنے کیا جواب دے سکوں گی؟ کون سا عذر پیش کر سکوں گی؟ ہائے کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی کاش کہ میں نسیا منسیا ہوگئی ہوتی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا اماں آپ کو کسی سے بولنے کی ضرورت نہیں میں آپ ان سب سے نبٹ لوں گا آپ تو انہیں صرف یہ سمجھا دینا کہ آج سے آپ نے چپ رہنے کی نذر مان لی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا۝
پھر وہ اس کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آگئیں۔ وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو بہت ہی عجیب چیز لائی ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا قوم کے سامنے بیٹے کو لانے کا بیان

"فَأَتَتْ بِهِ قَوْمهَا تَحْمِلهُ " حَال فَرَأَوْهُ "قَالُوا يَا مَرْيَم لَقَدْ جِئْت شَيْئًا فَرِيًّا " عَظِيمًا حَيْثُ أَتَيْت بِوَلَدٍ مِنْ غَيْر أَب

پھر وہ اس بچے کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس اس حالت میں آگئیں۔ کہ لوگوں نے اس کو دیکھا تو وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو بہت ہی عجیب چیز لائی ہے۔ یعنی ایسی عظیم چیز کہ بغیر باپ کے بیٹے کو لائی ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت مریم علیہ السلام کا گھرانہ اوپر سے ہی نیک صالح اور دیندار تھا اور یہ دینداری برابر گویا وراثتاً چلی آرہی تھی۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں اور بعض گھرانے اس کے خلاف بھی ہوتے ہیں کہ اوپر سے نیچے تک سب بد ہی بد۔ یہ ہارون بڑے بزرگ آدمی تھے اس وجہ سے بنی اسرائیل میں ہارون نام رکھنے کا عام طور عام شوق ہوگیا تھا یہاں تک مذکور ہے کہ جس دن حضرت ہارون کا جنازہ نکلا ہے تو آپ کے جنازے میں اسی ہارون نام کے چالیس ہزار آدمی تھے۔ الغرض وہ لوگ ملامت کرنے لگے کہ تم سے یہ برائی کیسے سرزد ہوگئی تم تو نیک کوکھ کی بچی ہو ماں باپ دونوں صالح سارا گھرانہ پاک پھر تم نے یہ کیا کام کیا ہے۔ (تفسیر خازن، سورہ مریم، بیروت)

يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۝
اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے قوم کا سوال کرنے کا بیان

"يَا أُخْتَ هَارُونَ " هُوَ رَجُل صَالِح أَيْ : يَا شَبِيهَته فِي الْعِفَّة "مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْء " أَيْ : زَانِيًا "وَمَا كَانَتْ أُمّك بَغِيًّا" أَيْ : زَانِيَة فَمِنْ أَيْنَ لَك هَذَا الْوَلَد،

اے ہارون کی بہن! وہ تو ایک نیک آدمی تھا۔ یعنی تو پاکدامنی میں اس جیسی ہے۔ نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔ تو پھر تو یہ بچہ کہاں سے لے آئی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر حیوانات کا سجدے میں گر جانے کا بیان

نوف بکالی کہتے ہیں کہ لوگ حضرت مریم کی جستجو میں نکلے تھے لیکن اللہ کی شان کہیں انہیں کھوج ہی نہ ملا۔ راستے میں ایک چرواہا ملا اس سے پوچھا کہ ایسی ایسی عورت کو تو نے کہیں اس جنگل میں دیکھا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ لیکن میں نے رات کو عجیب بات دیکھی ہے کہ میری یہ تمام گائیں اس وادی کی طرف سجدے میں گر گئیں۔ میں نے تو اس سے پہلے کبھی ایسا واقعہ نہیں دیکھا۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اس طرف ایک نور نظر آ رہا تھا۔ وہ اس کی نشان دہی پر جا رہے تھے جو سامنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو لئے ہوئے آتی دکھائی دی گئیں انہیں دیکھ کر آپ وہیں اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے بیٹھ گئیں۔ ان سب نے آپ کو گھیر لیا اور باتیں بنانے لگے۔ ان کا یہ کہنا کہ اے ہارون کی بہن اس سے مراد یہ ہے کہ آپ حضرت ہارون کی نسل سے تھیں یا آپ کے گھرانے میں ہارون نامی ایک صالح شخص تھا اور اسی کی سی عبادت و ریاضت حضرت مریم صدیقہ کی تھی۔ اس لئے انہیں ہارون کی بہن کہا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

انبیائے کرام کے ناموں پر اولاد کے نام رکھنے کا بیان

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نجران کے نصاری کے پاس بھیجا انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا تم لوگ یہ آیت اس طرح نہیں پڑھتے (يَاُخْتَ هٰرُوْنَ، یعنی مریم کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اے ہارون کی بہن)۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے۔

حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا جواب نہیں آیا تو جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو میں نے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے ان سے یہ نہیں کیا کہ وہ لوگ سابقہ انبیاء کے ناموں پر اپنی اولاد کے نام رکھتے تھے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1100)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص آئے۔ ایک نے تو سلام کیا، دوسرے نے نہ کیا آپ نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ لوگوں نے کہا اس نے قسم کھائی ہے کہ آج یہ کسی سے بات نہ کرے گا آپ نے فرمایا اسے توڑ دے سلام کلام شروع کر یہ تو صرف حضرت مریم علیہا السلام کے لئے ہی تھا کیونکہ اللہ کو آپ کی صداقت و کرامت ثابت کرنا منظور تھی اس لئے اسے عذر بنا دیا تھا۔

فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝

تو مریم نے اس کی طرف اشارہ کیا، وہ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو گہوارہ میں بچہ ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا بیٹے کی طرف اشارہ کرنے کا بیان

"فَأَشَارَتْ" لَهُمْ "إِلَيْهِ" أَنْ كَلِّمُوهُ "قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّم مَنْ كَانَ" أَيْ وُجِدَ

تو مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا، وہ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو ابھی گہوارہ میں بچہ ہے۔

سیدہ مریم نے فرشتہ کی ہدایت کے مطابق ان کی کڑوی کسیلی باتوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا بلکہ اس نومولود بچے کی طرف اشارہ کردیا کہ یہ خود جواب دے گا۔ اس بات پر لوگ اور زیادہ برہم ہوئے اور کہنے لگے ایک تو خود مجرم ہو دوسرے ہمارا مذاق اڑاتی ہو۔ یہ بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے بھلا ان باتوں کا کیا جواب دے سکتا ہے؟

یہ گفتگو سن کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور اپنے بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور داہنے دستِ مبارک سے اشارہ کر کے کلام شروع کیا۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝

بول پڑا: بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گہوارے میں کلام کرنے کا بیان

"قَالَ إِنِّي عَبْد اللَّه آتَانِي الْكِتَاب" أَيْ : الْإِنْجِيل

بچہ خود بول پڑا: بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب یعنی انجیل عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔

پہلے اپنے بندہ ہونے کا اقرار فرمایا تا کہ کوئی انہیں خدا اور خدا کا بیٹا نہ کہے کیونکہ آپ کی نسبت یہ تہمت لگائی جانے والی تھی اور یہ تہمت اللہ تبارک وتعالیٰ پر لگتی تھی اس لئے منصبِ رسالت کا اقتضا یہی تھا کہ والدہ کی براءت بیان کرنے سے پہلے اس تہمت کو رفع فرمادیں جو اللہ تعالیٰ کے جناب پاک میں لگائی جائے گی اور اسی سے وہ تہمت بھی رفع ہوگئی جو والدہ پر لگائی جاتی کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس مرتبہ عظیمہ کے ساتھ جس بندے کو نوازتا ہے بالیقین اس کی ولادت اور اس کی سرشت نہایت پاک و طاہر ہے۔ کتاب سے انجیل مراد ہے۔ حسن کا قول ہے کہ آپ بطنِ والدہ ہی میں تھے کہ آپ کو توریت کا الہام فرمادیا گیا تھا اور پالنے میں تھے جب آپ کو نبوت عطا کردی گئی اور اس حالت میں آپ کا کلام فرمانا آپ کا معجزہ ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کے معنی میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ نبوت اور کتاب ملنے کی خبر تھی جو عنقریب آپ کو ملنے والی تھی۔

تین بچوں کا گہوارے میں کلام کرنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پنگھوڑے میں سوائے تین بچوں کے اور کسی

نے کلام نہیں کیا حضرت عیسیٰ بن مریم اور صاحب جریج اور جریج ایک عبادت گزار آدمی تھا اس نے ایک عبادت خانہ بنایا ہوا تھا جس میں وہ نماز پڑھتا تھا جریج کی ماں آئی اور وہ نماز میں تھا اس کی ماں نے کہا اے جریج! (جریج نے اپنے دل میں) کہا اے میرے پروردگار ایک طرف میری ماں ہے اور ایک طرف میری نماز ہے پھر وہ نماز کی طرف متوجہ رہا اور اس کی ماں واپس چلی گئی پھر اگلے دن آئی تو وہ نماز پڑھ رہا تھا تو وہ کہنے لگی اے جریج! (جریج نے اپنے دل میں) کہا اے میرے پروردگار ایک طرف میری ماں ہے اور دوسری طرف میں نماز میں ہوں پھر وہ اپنی نماز کی طرف متوجہ رہا پھر اس کی ماں نے کہا اے اللہ جب تک جریج فاحشہ عورتوں کا چہرہ نہ دیکھ لے اس وقت تک اسے موت نہ دینا بنی اسرائیل (کے لوگ) جریج اور اس کی عبادت کا بڑا تذکرہ کرتے تھے بنی اسرائیل کی ایک عورت بڑی خوبصورت تھی وہ کہنے لگی کہ اگر تم چاہتے ہو تو میں جریج کو فتنے میں مبتلا کر دوں وہ عورت جریج کی طرف گئی لیکن جریج نے اس عورت کی طرف توجہ نہ کی ایک چرواہا جریج کے عبادت خانے میں رہتا تھا اس عورت نے اس چرواہے کو اپنی طرف بلایا۔

اس چرواہے نے اس عورت سے اپنی خواہش پوری کی جس سے وہ عورت حاملہ ہوگئی تو جب اس عورت کے ہاں ایک لڑکے کی پیدائش ہوئی تو اس نے کہا یہ جریج کا لڑکا ہے (یہ سن کر) لوگ آئے اور انہوں نے جریج کو اس کے عبادت خانہ سے نکالا اور اس کے عبادت خانہ کو گرا دیا اور لوگوں نے جریج کو مارنا شروع کر دیا جریج نے کہا تم لوگ یہ سب کچھ کس وجہ سے کر رہے ہو لوگوں نے جریج سے کہا تو نے اس عورت سے بدکاری کی ہے اور تجھ سے لڑکا پیدا ہوا ہے جریج نے کہا وہ بچہ کہاں ہے تو لوگ اس بچے کو لے کر آئے جریج نے کہا مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھ لوں جریج نے نماز پڑھی پھر وہ نماز سے فارغ ہو کر اس بچے کے پاس آیا اور اس بچے کے پیٹ میں انگلی رکھ کر کہا اے لڑکے تیرا باپ کون ہے اس لڑکے نے کہا فلاں چرواہا۔ پھر لوگ جریج کی طرف متوجہ ہوئے اس کو بوسہ دینے لگے اور اسے چھونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم آپ کے لئے سونے کا عبادت خانہ بنا دیتے ہیں جریج نے کہا نہیں بلکہ تم اسے اسی طرح مٹی کا بنا دو پھر لوگوں نے اسی طرح بنا دیا۔

اور تیسرا وہ بچہ کہ جس نے پنگھوڑے میں بات کی اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک بچہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا تو ایک آدمی ایک عمدہ سواری پر بہترین لباس پہنے ہوئے وہاں سے گزرا تو اس بچے کی ماں نے کہا اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا بنا دے پھر وہ بچہ دودھ چھوڑ کر اس سوار کی طرف مڑا اور اسے دیکھتا رہا پھر وہ بچہ کہنے لگا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنانا پھر وہ بچہ پستان کی طرف متوجہ ہوا اور دودھ پینے لگا راوی کہتے ہیں گویا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکایت بیان کر رہے ہیں اس کے دودھ پینے کو اپنی شہادت کی انگلی اپنے منہ میں ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی کو چوسنا شروع کر دیا۔ راوی کہتے ہیں پھر وہ ایک لونڈی کے پاس سے گزرے جسے لوگ مارتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے اور چوری کی ہے اور وہ کہتی ہے حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ میرے لئے اللہ ہی کافی ہے اور بہتر کارساز ہے تو اس بچے کی ماں نے کہا اے اللہ میرے بیٹے کو اس عورت کی طرح نہ بنانا تو اس بچے نے دودھ پینا چھوڑ کر اس باندی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا اے اللہ مجھے اس جیسا بنا دے پس اس موقع پر

ماں اور بیٹے کے درمیان ایک مکالمہ ہوا ماں نے کہا اے سر منڈے ایک خوبصورت شکل والا آدمی گزرا تو میں نے کہا اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا بنا دے تو نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنا اور لوگ اس باندی کے پاس سے گزرے تو لوگ اسے مارتے ہوئے کہہ رہے تھے تو نے زنا کیا ہے اور چوری کی ہے تو میں نے کہا اے اللہ میرے بیٹے کو اس جیسا نہ بنانا تو نے کہا اے اللہ مجھے اس عورت جیسا بنا دے بچے نے کہا بے شک وہ آدمی ظالم تھا تو میں نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا نہ بنا اور یہ عورت جسے لوگ کہہ رہے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا اور تو نے چوری کی ہے حالانکہ اس نے چوری نہیں کی تھی میں نے کہا اے اللہ مجھے اس جیسا بنا دے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2008)

وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝
اور مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی، جب تک میں زندہ رہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لوگوں کیلئے باعث برکت ہونے کا بیان

"وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْت" أَيْ : نَفَّاعًا لِلنَّاسِ إخْبَار بِمَا كُتِبَ لَهُ "وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاة" أَمَرَنِي بِهِمَا،مَا دُمْتُ حَيًّا،

اور مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں ہوں یعنی میں جہاں کہیں بھی ہوں لوگوں کیلئے باعث برکت ہوں اس میں خبر ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے مقدر ہو چکا ہے۔ اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی، یعنی ان دونوں کا حکم دیا ہے۔ جب تک میں زندہ رہوں۔

نبی مکرم علیہ السلام کے وجود مسعود کے باعث برکت ہونے کا بیان

عمرو بن ابی عمرو (مطلب بن حنطب کے آزاد کردہ غلام) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک کو کہتے ہوئے سنا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے کیلئے خیبر گیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے لوٹنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احد (پہاڑ) دکھائی دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اے اللہ میں اس کے دونوں سنگستانوں کے درمیانی مقام کو حرم بناتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے صاع اور مد (غلہ اور چھوہارے ناپنے کے دو پیمانے تھے) میں برکت عنایت کر۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 160)

وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝
اور اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا والدہ سے حسن سلوک کی تعریف کا بیان

"وَبَرًّا بِوَالِدَتِي" مَنْصُوب بِجَعَلَنِي مُقَدَّر "وَلَمْ يَجْعَلنِي جَبَّارًا" مُتَعَاظِمًا "شَقِيًّا" عَاصِيًا لِرَبِّهِ

اور اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا۔ یہاں پر جعلنی مقدر ہونے کی وجہ سے "وَبَرًّا" منصوب ہے۔ اور مجھے سرکش، بد بخت نہیں بنایا۔ یعنی اپنے رب کا نافرمان نہیں بنایا۔

صرف والدہ کے ساتھ حسن سلوک کے ذکر سے بھی واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بغیر باپ کے ایک اعجازی شان کی حامل ہے، ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ لسلام بھی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح (ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا) کہتے، یہ نہ کہتے کہ میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا ہوں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ماں باپ کا خدمت گزار اور اطاعت شعار نہیں ہوتا، اس کی فطرت میں سرکشی اور قسمت میں بدبختی لکھی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ساری گفتگو ماضی کے صیغوں میں کی ہے حالاں کہ ان تمام باتوں کا تعلق مستقبل سے تھا، کیونکہ ابھی تو وہ شیر خوار بچے ہی تھے۔ یہ اس لئے کہ یہ اللہ کی تقدیر کے اٹل فیصلے تھے کہ گوابھی یہ معرض ظہور میں نہیں آئے تھے لیکن ان کا وقوع اس طرح یقینی تھا جس طرح کے گزرے ہوئے واقعات شک وشبہ سے بالا ہوتے ہیں۔

وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۝
اور مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن، اور میری وفات کے دن، اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم میلاد پر سلام ہونے کا بیان

"وَالسَّلَام" مِنْ اللّٰه "عَلَیَّ یَوْم وُلِدْت وَیَوْم أَمُوت وَیَوْم أُبْعَث حَیًّا" یُقَال فِیهِ مَا تَقَدَّمَ فِی السَّیِّد یَحْیَی

اور اللہ کی طرف سے مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن، اور میری وفات کے دن، اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا۔ اس میں اسی طرح کہا گیا ہے جس طرح اس سے پہلے حضرت سیّدنا یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں گزرا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تین مواقع پر اللہ کی طرف سے خاص سلام کا بیان

ان اوصاف جمیلہ اور خصائل حمیدہ کے بدلے تینوں حالتوں میں آپ کو اللہ کی طرف سے امن وامان اور سلامتی ملی۔ یعنی پیدائش والے دن موت والے دن اور حشر والے دن۔ یہی تینوں جگہیں گھبراہٹ کی اور انجان ہوتی ہیں۔ انسان ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی ایک نئی دنیا دیکھتا ہے جو اس کی آج تک کی دنیا سے عظیم الشان اور بالکل مختلف ہوتی ہے موت والے دن اس مخلوق سے واسطہ پڑتا ہے جس سے حیات میں کبھی بھی واسطہ نہیں پڑا انہیں کبھی نہ دیکھا۔ محشر والے دن بھی علی ہذا القیاس اپنے تئیں ایک بہت بڑے مجمع میں جو بالکل نئی چیز ہے دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ پس ان تینوں وقتوں میں اللہ کی طرف سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو سلامتی ملی۔ ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام لوگ قیامت کے دن کچھ نہ کچھ گناہ لے کر جائیں گے سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے۔

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ آپ نے گناہ بھی کبھی نہیں کیا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام سے فرمانے لگے آپ میرے لئے استغفار کیجئے آپ مجھ سے بہتر ہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جواب دیا آپ مجھ سے بہتر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں نے آپ ہی اپنے اوپر سلام کیا اور آپ پر خود اللہ نے سلام کہا۔ اب ان دونوں نے ہی اللہ کی فضیلت ظاہر کی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝
یہ ہے عیسیٰ بن مریم کا بیٹا سچی بات جس میں شک کرتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ بن مریم کے قول حق ہونے کا بیان

"ذَٰلِكَ عِيسَى ابْن مَرْيَم قَوْل الْحَقّ" بِالرَّفْعِ خَبَر مُبْتَدَأ مُقَدَّر أَيْ : قَوْل ابْن مَرْيَم وَبِالنَّصْبِ بِتَقْدِيرِ قُلْت وَالْمَعْنَى الْقَوْل الْحَقّ "الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ" مِنْ الْمِرْيَة أَيْ : يَشُكُّونَ وَهُمْ النَّصَارَى : قَالُوا إنَّ عِيسَى ابْن اللَّه كَذَبُوا

یہ ہے عیسیٰ بن مریم کا بیٹا سچی بات، یہاں پر لفظ قول اگر مرفوع ہو تو مبتداء مقدر کی خبر ہوگا یعنی قول ابن مریم مبتداء کی خبر ہوگی اور اگر یہ منصوب ہو تو قلت فعل مقدر کے سبب ہوگا۔ جس کا معنی سچی بات ہے۔ جس میں شک کرتے ہیں۔ یمترون یہ مریۃ سے مشتق ہے۔ یعنی وہ شکوٰۃ کرتے ہیں اور وہ نصاریٰ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ جو بالکل انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ کلام فرمایا تو لوگوں کو حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی براءت وطہارت کا یقین ہوگیا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اتنا فرما کر خاموش ہوگئے اور اس کے بعد کلام نہ کیا جب تک کہ اس عمر کو پہنچے جس میں بچے بولنے لگتے ہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ مریم، بیروت)

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝
کبھی اللہ کے لائق نہ تھا کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائے، وہ پاک ہے، جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اس سے
صرف یہ کہتا ہے کہ "ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اولاد سے پاک ہونے کا بیان

"مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذ مِنْ وَلَد سُبْحَانه" تَنْزِيهًا لَهُ عَنْ ذَلِكَ "إذَا قَضَى أَمْرًا" أَيْ : أَرَادَ أَنْ يُحْدِثهُ "فَإِنَّمَا يَقُول لَهُ كُنْ فَيَكُون" بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيرِ هُوَ وَبِالنَّصْبِ بِتَقْدِيرِ أَنْ وَمِنْ ذَلِكَ خَلْق عِيسَى مِنْ غَيْر أَب

کبھی اللہ کے لائق نہ تھا کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائے ، وہ پاک ہے، یعنی وہ اولاد سے پاک ہے۔ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہ کہتا ہے کہ "ہوجا" تو وہ ہوجاتا ہے۔ یہاں فیکون یہ رفعی حالت میں ہوگا جب ھو مقدر ہو اور منصوب ہوگا جب اَن مقدرہ ہو۔ اور اسی سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو باپ کے بغیر پیدا کیا۔

توحید اور رسالت کی شہادت کے سبب عذاب سے نجات کا بیان

حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اس بات کی گواہی دے (یعنی زبان سے قرار کرے اور دل سے سچ جانے) کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور کوئی اس کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام (بھی) اللہ کے بندے اور رسول اور اللہ کی لونڈی (مریم) کے بیٹے اور اس کا کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی جانب ڈالا تھا اور اللہ کی بھیجی ہوئی روح ہیں اور یہ کہ جنت و دوزخ حق ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل کرے گا خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 25)

اس حدیث کا حاصل یہی ہے کہ ابدی نجات کا دارومدار ایمان وعقائد کی اصلاح پر ہے اس میں کسی قسم کی کوتاہی قابل معافی نہیں سکتی، ہاں اعمال کی کمزوریاں رحمت الٰہی سے معاف ہوسکتی ہیں۔ ایمان کی بنیاد چونکہ توحید کو ماننا اور اس کی شہادت دینا ہے اس لئے سب سے پہلے اسے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت و ربوبیت پر صدق دل سے اعتقاد اور یقین رکھا جائے پھر اس کے بعد رسالت کا درجہ ہے تو ضروری ہے کہ رسول کی رسالت پر ایمان لایا جائے اسی طرح تمام رسولوں کی رسالت پر ایمان رکھنا بھی نجات کے لئے ضروری ہے۔

یہاں صرف حضرت عیسیٰ کا ذکر علامت کے طور پر بھی ہے اور ایک خاص وجہ سے بھی دراصل ان کے بارے میں ایک گروہ (یعنی عیسائیوں) کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ ابن اللہ ہیں۔ اس باطل عقیدہ کی تردید کے لئے ان کا ذکر کیا گیا اور وضاحت کردی گئی کہ عیسیٰ نہ تو اللہ کے بیٹے ہیں اور نہ اللہ ان کے اندر حلول کئے ہوئے ہے بلکہ وہ اللہ بندے اور اس کے رسول ہیں جسے اس نے اپنی ایک باندی مریم کے پیٹ سے پیدا کیا اسی لئے ان کو "کلمۃ اللہ" کہا جاتا ہے کہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے صرف اللہ کے حکم "کلمہ کن" سے ہوئی۔ "روح اللہ" ان کو اس لئے نہیں کہا گیا کہ ان کے اندر اللہ کا کوئی جزو یا اللہ کی روح شامل ہے بلکہ "روح اللہ" آپ کا لقب اس لئے قرار دیا گیا کہ آپ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے اور مٹی کی چڑیاں بنا کر اور ان میں جان ڈال کر اڑا دیا کرتے تھے۔ عقیدہ توحید ورسالت کے بعد تصور آخرت کا عقیدہ بھی بنیادی ہے یعنی اس بات پر ایمان ویقین رکھنا کہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا برحق ہے اور جنت دروزخ واقعی چیزیں ہیں، یہ وہ عقائد ہیں جن کا ماننا، صدق دل سے ان پر ایمان رکھنا اور خلوص نیت سے ان کو تسلیم کرنا ابدی نجات کا ضامن ہے۔ ان عقائد کو مانتے ہوئے اگر اعمال کی کوتاہیاں بھی ہوں تو اس صورت میں بھی اس حدیث نے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ لیکن جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے یہ بات طے ہے کہ جو عملی کوتاہیاں اور بداعمالیاں رحمت الٰہی سے معاف نہیں ہوں گی ان پر سزا ضرور ملے گی مگر سزا پوری ہونے کے بعد اس کو بھی جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

لہٰذا اس حدیث کو اس مفہوم میں لینا چاہیے کہ اگر ان عقائد کے ماننے کے بعد کسی نے اعمال بھی اچھے کیئے، شریعت کی پیروی کرتے ہوئے تمام احکام بجالایا اور خلاف شرع کوئی کام نہیں کیا تو بغیر کسی عذاب وسزا کے اسے جنت میں داخل کیا جائے گا اور اگر کسی نے ان عقائد کو ماننے کے بعد اعمال اچھے نہ کیئے شریعت کی پابندی نہیں کی، اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی فرمانبرداری نہیں کی تو وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا مگر آخر کار اسے جنت میں داخل کردیا جائے گا۔

وَ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ○
اور بیشک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کیا کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا ہے

"وَإِنَّ اللَّه رَبِّي وَرَبّكُمْ فَاعْبُدُوهُ" بِفَتْحِ أَنَّ بِتَقْدِيرِ اُذْكُرْ وَبِكَسْرِهَا بِتَقْدِيرِ قُلْ بِدَلِيلِ "مَا قُلْت لَهُمْ إلَّا مَا أَمَرْتنِي بِهِ أَنْ اُعْبُدُوا اللَّه رَبِّي وَرَبّكُمْ" "هَذَا" الْمَذْكُور "صِرَاط" طَرِيق "مُسْتَقِيم" مُؤَدٍّ إلَى الْجَنَّة

اور بیشک اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے سو تم اسی کی عبادت کیا کرو، یہاں پر اگر اَن مفتوحہ ہو تو اذکر مقدرہ ہوگا اور اگر اِن کسرہ والا ہو تو قل مقدر ہوگا۔ جس کی دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول ہے۔ ''مَا قُلْت لَهُمْ إلَّا مَا أَمَرْتنِي بِهِ أَنْ اُعْبُدُوا اللَّه رَبِّي وَرَبّكُمْ'' یہی سیدھا راستہ ہے۔ یعنی یہی ذکر کردہ راستہ ہے جو جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ نے صاف وصریح طور پر اور تاکیدی کلمات کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی رب ہے میرا بھی اور تمہارا بھی۔ پس تم سب لوگ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت و بندگی کرو۔ سو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی اور اس کی عبادت و بندگی کا یہ راستہ جو کہ توحید کا راستہ ہے یہی نجات وسلامتی کا واحد راستہ ہے۔ ورنہ ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِہِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡہَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ○
پھر ان گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا تو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا، ایک بڑے دن کی
حاضری کی وجہ سے بڑی ہلاکت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نصاریٰ کے اختلاف کا بیان

"فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَاب مِنْ بَيْنهمْ" أَيْ النَّصَارَى فِي عِيسَى أَهُوَ ابْن اللَّه أَوْ إلَه مَعَهُ أَوْ ثَالِث ثَلَاثَة "فَوَيْل" فَشِدَّة عَذَاب "لِلَّذِينَ كَفَرُوا" بِمَا ذُكِرَ وَغَيْره "مِنْ مَشْهَد يَوْم عَظِيم" أَيْ: حُضُور يَوْم الْقِيَامَة وَأَهْوَاله

پھر ان گروہوں نے اپنے درمیان اختلاف کیا یعنی نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا کہ وہ ابن

اللہ ہیں یا اللہ کے ساتھ ایک معبود ہیں یا تین میں تیسرا ہیں۔ تو ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا، یعنی مذکورہ باتیں وغیرہ کہی ہیں ایک بڑے دن یعنی قیامت کے دن کی حاضری کی وجہ سے بڑی ہلاکت ہے۔ اور وہ قیامت کا دن بڑا ہولناک ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق عیسائی فرقوں کے اختلاف کا بیان

کہتے ہیں کہ بنو اسرائیل کا مجمع جمع ہوا ہے اور اپنے میں سے انہوں نے چار ہزار آدمی چھانٹے ہر قوم نے اپنا اپنا ایک عالم پیش کیا۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد کا ہے۔ یہ لوگ آپس میں متنازع ہوئے ایک تو کہنے لگا یہ خود اللہ تھا جب تک اس نے چاہا زمین پر رہا جسے چاہا جلایا جسے چاہا مارا پھر آسمان پر چلا گیا اس گروہ کو یعقوبیہ کہتے ہیں لیکن اور تینوں نے اسے جھٹلایا اور کہا تو نے جھوٹ کہا اب دو نے تیسرے سے کہا اچھا تو کہہ تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے کہا وہ اللہ کے بیٹے تھے اس جماعت کا نام نسطوریہ پڑا۔ دو جورہ گئے انہوں نے کہا تو نے بھی غلط کہا ہے۔ پھر ان دو میں سے ایک نے کہا تم کہو اس نے کہا میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ تین میں سے ایک ہیں ایک تو اللہ جو معبود ہے۔ دوسرے یہی جو معبود ہیں تیسرے ان کی والدہ جو معبود ہیں۔ یہ اسرائیلیہ گروہ ہوا اور یہی نصرانیوں کے بادشاہ تھے ان پر اللہ کی لعنتیں۔ چوتھے نے کہا تم سب جھوٹے ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں اور رسول تھے اللہ ہی کا کلمہ تھے اور اس کے پاس کی بھیجی ہوئی روح۔ یہ لوگ مسلمان کہلائے اور یہی سچے تھے ان میں سے جس کے تابع جو تھے وہ اسی کے قول پر ہو گئے اور آپس میں خوب اچھلے۔ چونکہ سچے اسلام والے ہر زمانے میں تعداد میں کم ہوتے ہیں ان پر یہ ملعون چھا گئے انہیں دبا لیا انہیں مارنا پیٹنا اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ اکثر مورخین کا بیان ہے کہ قسطنطین بادشاہ نے تین بار عیسائیوں کو جمع کیا آخری مرتبہ کے اجتماع میں ان کے دو ہزار ایک سو ستر علماء جمع ہوئے تھے لیکن یہ سب آپس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مختلف آراء رکھتے تھے۔ سو کچھ کہتے تو ستر اور ہی کچھ کہتے، پچاس کچھ اور ہی کہہ رہے تھے، ساٹھ کا عقیدہ کچھ اور ہی تھا ہر ایک کا خیال دوسرے سے ٹکرا رہا تھا۔ سب سے بڑی جماعت تین سو آٹھ کی تھی۔ بادشاہ نے اس طرف، کثرت دیکھ کر کثرت کا ساتھ دیا۔ مصلحت ملکی اسی میں تھی کہ اس کثیر گروہ کی طرفداری کی جائے لہٰذا اس کی پالیسی نے اسے اسی طرف متوجہ کر دیا۔ اور اس نے باقی کے سب لوگوں کو نکلوا دیا اور ان کے لئے امانت کبریٰ کی رسم ایجاد کی جو در اصل سب سے زیادہ بدترین خیانت ہے۔

اب مسائل شرعیہ کی کتابیں ان علماء سے لکھوائیں اور بہت سی رسومات ملکی اور ضروریات شہری کو شرعی صورت میں داخل کر لیا۔ بہت سی نئی نئی باتیں ایجاد کیں اور اصلی دین مسیحی کی صورت کو مسخ کر کے ایک مجموعہ مرتب کرایا اور اسے لوگوں میں رائج کر دیا اور اس وقت سے دین مسیحی یہی سمجھا جانے لگا۔ جب اس پر ان سب کو رضامند کر لیا تو اب چاروں طرف کلیسا، گرجے اور عبادت خانے بنوانے اور وہاں ان علماء کو بٹھانے اور ان کے ذریعے سے اس اپنی نومولود مسیحیت کو پھیلانے کی کوشش میں لگ گیا۔ شام میں، جزیرہ میں، روم میں تقریبا بارہ ہزار ایسے مکانات اس کے زمانے میں تعمیر کرائے گئے اس کی ماں ہیلانہ نے جس جگہ سولی گڑھی ہوئی تھی وہاں ایک قبہ بنوا دیا اور اس کی با قاعدہ پرستش شروع ہو گئی۔ اور سب نے یقین کر لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر چڑھ گئے حالانکہ ان کا یہ قول غلط ہے اللہ نے اپنے اس معزز بندے کو اپنی جانب آسمان پر چڑھا لیا ہے۔ یہ عیسائی مذہب کم اختلاف کی ہلکی سی

مثال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ○
اس قدر سننے والے ہوں گے وہ اور کس قدر دیکھنے والے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے، لیکن ظالم لوگ آج کھلی گمراہی میں ہیں۔

کفار کا دنیا میں اندھے و بہرے ہونے کا بیان

"أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ" بِهِمْ صِيغَتَا تَعَجُّب بِمَعْنَى مَا أَسْمَعهمْ وَمَا أَبْصَرهمْ "يَوْم يَأْتُونَنَا" فِي الْآخِرَة "لَكِنْ الظَّالِمُونَ" مِنْ إقَامَة الظَّاهِر مَقَام الْمُضْمَر "الْيَوْم" أَيْ : فِي الدُّنْيَا "فِي ضَلَال مُبِين" أَيْ بَيِّن بِهِ صُمُّوا عَنْ سَمَاع الْحَقّ وَعَمُوا عَنْ إبْصَاره أَيْ : اعْجَبْ مِنْهُمْ يَا مُخَاطَب فِي سَمْعهمْ وَإِبْصَارهمْ فِي الْآخِرَة بَعْد أَنْ كَانُوا فِي الدُّنْيَا صُمًّا عُمْيًا

اس قدر سننے والے ہوں گے وہ اور کس قدر دیکھنے والے، یہاں پر اسمع بھم اور ابصر یہ دونوں فعل تعجب کے صیغے ہیں جن کا معنی مااسمعھم اور ما ابصرھم ہے۔ جس دن وہ آخرت میں ہمارے پاس آئیں گے، لیکن ظالم لوگ آج کھلی گمراہی میں ہیں۔ یہاں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ پر لایا گیا ہے۔ یوم مراد دنیا یعنی وہ آج دنیا میں کھلی گمراہی میں ہیں۔ مبین سے مراد یہ ہے کہ وہ حق بات کو سننے سے بہرے ہیں اور حق کو دیکھنے کیلئے اندھے ہیں۔ اے مخاطب ان کا سننا اور دیکھنا کتنا عجیب ہے۔ یعنی آخرت میں کتنا تیز ہوگا جبکہ یہی لوگ دنیا میں اندھے بہرے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں جو شخص بھی داخل ہوگا دوزخ میں اس کا ٹھکانہ اس کو دکھلا دیا جائے گا اگر وہ برائی کرتا، تا کہ وہ زیادہ شکر کرے اور جو شخص بھی دوزخ میں داخل کیا جائے گا اس کو جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھلا دیا جائے گا اگر وہ نیکی کرتا تا کہ اس کو حسرت ہو۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1513)

وَاَنۡذِرۡهُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِیَ الۡاَمۡرُ ۘ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ○
اور آپ انہیں حسرت کے دن سے ڈرایئے جب بات کا فیصلہ کر دیا جائے گا، مگر وہ غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان لاتے ہی نہیں۔

کفار کا قیامت کے دن حسرت کرنے کا بیان

"وَأَنْذِرْهُمْ" خَوِّفْ يَا مُحَمَّد كُفَّار مَكَّة "يَوْم الْحَسْرَة" هُوَ يَوْم الْقِيَامَة يَتَحَسَّر فِيهِ الْمُسِيء عَلَى تَرْك الْإِحْسَان فِي الدُّنْيَا "إذْ قُضِيَ الْأَمْر" لَهُمْ فِيهِ بِالْعَذَابِ "وَهُمْ" فِي الدُّنْيَا "فِي غَفْلَة" عَنْهُ "وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" بِهِ،

یا محمد ﷺ آپ انہیں یعنی کفار مکہ کو حسرت و ندامت کے دن سے ڈرایئے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ جب بدکار لوگ دنیا میں ترک نیکی کے سبب حسرت کریں گے۔ جب ہر بات کا یعنی ان کیلئے عذاب کا فیصلہ کر دیا جائے گا، مگر وہ دنیا میں غفلت کی حالت

میں پڑے ہیں اور وہ اس دن پر ایمان لاتے ہی نہیں۔

سورہ مریم آیت ۳۹ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنتیوں سے کہا جائے گا کہ دیکھو کہ تم اسے پہچانتے ہو؟ سب کہیں گے ہاں! یہ موت ہے اس کو سب نے اپنی اپنی موت کے وقت دیکھا تھا اس کے بعد دوزخیوں سے کہا جائے گا دیکھو! کیا تم اسے پہنچانتے ہو، سب کہیں گے ہاں یہ موت ہے اس کو سب نے اپنی اپنی موت کے وقت دیکھا تھا اس کے بعد پھر اس کو ذبح کر دیا جائے گا اور جنتیوں سے کہا جائے گا کہ بے فکر ہو کر جنت میں رہو تم کو اب کبھی موت نہ آئے گی اور اسی طرح دوزخ والوں سے کہا جائے گا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت فرمایا(وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ ،مریم:39) یعنی اے رسول! آپ ان لوگوں کو حسرت کے دن سے ڈرایئے جس دن پچھتائیں گے جب کہ فیصلہ ہو جائے گا اور یہ لوگ پھر بھی غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لاتے ہیں۔(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1925)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ وَاَنۡذِرۡهُمۡ يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ، اور انہیں حسرت کے دن سے ڈرا جس دن سارے معاملہ کا فیصلہ ہوگا)۔ اور فرمایا موت کو سیاہ وسفید رنگ کے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور جنت ودوزخ کے درمیان کی دیوار پر کھڑا کر کے کہا جائے گا کہ اے دوزخ والو! وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے پھر کہا جائے اے دوزخ والو! وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے کہ اسے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں! پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کے لئے ہمیشہ کی زندگی نہ لکھ دی ہوتی تو وہ خوشی کے مارے مرجاتے۔ اسی طرح اگر دوخ والوں کے لئے بھی اس میں ہمیشہ رہنا نہ لکھ دیا ہوتا تو وہ غم کی شدت کی وجہ سے مرجاتے۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1101)

اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ۝
وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا۝
بے شک ہم، ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے اور ان کے بھی جو اس پر ہیں اور وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔
اور آپ کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ بڑے صاحب صدق نبی تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کا بیان

"إِنَّا نَحْنُ" تَأْكِيد "نَرِث الْأَرْض وَمَنْ عَلَيْهَا" مِنْ الْعُقَلَاء وَغَيْرهمْ بِإِهْلَاكِهِمْ "وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ" فِيهِ لِلْجَزَاءِ "وَاذْكُرْ" لَهُمْ "فِي الْكِتَاب إبْرَاهِيم" أَيْ : خَبَره "إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا" مُبَالِغًا فِي الصِّدْق "نَبِيًّا" وَيُبْدَل مِنْ خَبَره،

یہاں پرنحن تاکید کیلئے آیا ہے۔بے شک ہم، ہم ہی زمین کے وارث ہوں گے یعنی جو کچھ اس میں اہل عقل وغیر عقل وغیرہ سے ہے ان کو ہلاک کردیں گے۔اوران کے بھی جواس پر ہیں اور وہ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔یعنی اس میں ان کیلئے جزاء ہے۔اورآپ کتاب (قرآن مجید) میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، یعنی ان کو خبر دیں بیشک وہ بڑے صاحب صدق نبی تھے۔یہاں پر لفظ صدیق یہ صدق سے مبالغہ ہے اور لفظ نبیا یہ اس کی خبر سے بدل ہے۔

صدیق کے مفہوم کا بیان

لفظ صدیق بکسر صاد قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے اس کے معنے اور تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔بعض نے فرمایا کہ جس شخص نے عمر میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو وہ صدیق ہے اور بعض نے فرمایا کہ جو شخص اعتقاد اور قول وعمل ہر چیز میں صادق ہو یعنی جو دل میں اعتقاد ہو ٹھیک وہی زبان پر وہ او۔اس کا ہر فعل اور ہر حرکت وسکون اسی اعتقاد اور قول کے تابع ہو۔روح المعانی اور مظہری وغیرہ میں اسی آخری معنے کو اختیار کیا ہے اور پھر صدیقیت کے درجات متفاوت ہیں۔اصل صدیق تو نبی ورسول ہی ہوسکتا ہے اور ہر نبی ورسول کے لئے صدیق ہونا وصف لازم ہے مگر اس کا عکس نہیں کہ جو صدیق ہو اس کا نبی ہونا ضروری ہو بلکہ غیر نبی بھی جو اپنے نبی ورسول کے اتباع میں صدق کا یہ مقام حاصل کرلے وہ بھی صدیق کہلائے گا۔حضرت مریم کو خود قرآن کریم نے امہ صدیقہ کا خطاب دیا ہے حالانکہ جمہور امت کے نزدیک وہ نبی نہیں، اور کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْـًٔا۝
جب انہوں نے اپنے باپ (یعنی چچا آزر سے جس نے آپ کے والد تارخ کے انتقال کے بعد آپ کو پالا تھا) سے کہا: اے میرے
باپ! تم ان (بتوں) کی پرستش کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ تم سے کوئی (تکلیف دہ) چیز دور کرسکتے ہیں۔

نفع ونقصان کے مالک نہ ہونے والے بتوں کی پرستش سے منع کرنے کا بیان

"إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ" آزَر "يَا أَبَتِ" التَّاء عِوَض عَنْ يَاء الْإِضَافَة وَلَا يُجْمَع بَيْنهمَا وَكَانَ يَعْبُد الْأَصْنَام "لِمَ تَعْبُد مَا لَا يَسْمَع وَلَا يُبْصِر وَلَا يُغْنِي عَنْك" لَا يَكْفِيك "شَيْئًا" مِنْ نَفْع أَوْ ضُرّ

جب انہوں نے اپنے باپ (یعنی چچا آزر سے جس نے آپ کے والد تارخ کے انتقال کے بعد آپ کو پالا تھا) سے کہا: اے میرے باپ! یہاں پر تاء یہ یاء اضافیہ کے بدلے میں آئی ہے۔اور کیونکہ ان دونوں یعنی عوض اور معوض منہ کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔اور وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔تم ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں اور نہ تم سے کوئی تکلیف دہ چیز دور کرسکتے ہیں۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۝
اے میرے باپ! بے شک میں، یقیناً میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لیے میرے پیچھے چل،

میں تجھے سیدھے راستے پر لے جاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دینے کا بیان

"یَا أَبَتِ إِنِّی قَدْ جَاءَنِی مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا" طَرِيقًا "سَوِيًّا" مُسْتَقِيمًا

اے میرے باپ! بے شک میں، یقیناً میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا، اس لیے میرے پیچھے چل، میں تجھے سیدھے راستے پر لے جاؤں گا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو توحید و معاد وغیرہ کا صحیح علم دیا اور حقائق شریعت سے آگاہ کیا ہے۔ اگر تم میری پیروی کرو گے تو سیدھی راہ پر لے چلوں گا جو رضائے حق تک پہنچانے والی ہے۔ اس کے سوا سب راستے ٹیڑھے ترچھے ہیں جن پر چل کر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا۔

يَآ أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۝

اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر، بے شک شیطان ہمیشہ سے رحمان کا نافرمان ہے۔

شیطان کی عبادت سے ممانعت کا بیان

"يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ" بِطَاعَتِكَ إِيَّاهُ فِي عِبَادَةِ الْأَصْنَامِ "إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا" كَثِيرَ الْعِصْيَانِ

اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کر، یعنی بت پرستی میں اس کی اطاعت کرنے والا نہ ہو۔ بے شک شیطان ہمیشہ سے رحمان کا نافرمان ہے۔ یعنی سخت نافرمان ہے۔

بتوں کو پوجنا شیطان کے اغواء سے ہوتا ہے اور شیطان اس حرکت کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بتوں کی پرستش گویا شیطان کی پرستش ہوئی اور نافرمان کی پرستش رحمان کی انتہائی نافرمانی ہے۔ شاید لفظ "عصیٰ" میں ادھر بھی توجہ دلائی ہو کہ شیطان کی پہلی نافرمانی کا اظہار اس وقت ہوا تھا جب تمہارے باپ آدم کے سامنے سربسجود ہونے کا حکم دے دیا گیا۔ لہٰذا اولاد آدم کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ رحمٰن کو چھوڑ کر اپنے اس قدیم ازلی دشمن کو معبود بنا لیں۔

يَآ أَبَتِ إِنِّيٓ أَخَافُ أَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا۝

اے میرے باپ! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تجھ پر رحمان کی طرف سے کوئی عذاب آ پڑے، پھر تو شیطان کا ساتھی بن جائے۔

شیطان کی دوستی سے بچنے کا بیان

"يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ" إِنْ لَمْ تَتُبْ "فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا" نَاصِرًا وَقَرِينًا فِي النَّارِ

اے میرے باپ! بے شک میں ڈرتا ہوں کہ اگر آپ نے توبہ نہ کی تو تجھ پر رحمان کی طرف سے کوئی عذاب آ پڑے، پھر تو شیطان کا ساتھی بن جائے۔ یعنی دوزخ میں اس کا ساتھی ہو۔

یعنی رحمان کی رحمت عظیمہ تو چاہتی ہے کہ تمام بندوں پر شفقت و مہربانی ہو، لیکن تیری بداعمالیوں کی شامت سے ڈر ہے کہ ایسے حلیم و مہربان خدا کو غصہ نہ آ جائے اور تجھ پر کوئی سخت آفت نازل نہ کر دے جس میں پھنس کر تو ہمیشہ کے لیے شیطان کا ساتھی بن جائے یعنی کفر و شرک کی مزاولت سے آئندہ ایمان و توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو اور اولیاء الشیطان کے گروہ میں شامل کر کے دائمی عذاب میں دھکیل دیا جائے۔ عموماً مفسرین نے یہی معنی لیے ہیں۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَ اهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ○
(آزر نے) کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے روگرداں ہو؟ اگر واقعی تم باز نہ آئے تو میں تمہیں ضرور سنگ سار
کردوں گا اور ایک طویل عرصہ کے لئے تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتوں کی مخالفت پر سزا سنانے کا بیان

"قَالَ أَرَاغِب أَنْتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيم" فَتَعِيبهَا "لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ" عَنْ التَّعَرُّض لَهَا "لَأَرْجُمَنك" بِالْحِجَارَةِ أَوْ بِالْكَلَامِ الْقَبِيح فَاحْذَرْنِي "وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا" دَهْرًا طَوِيلًا

(آزر نے) کہا: اے ابراہیم! کیا تم میرے معبودوں سے روگرداں ہو؟ اگر واقعی تم اس مخالفت سے باز نہ آئے تو میں تمہیں ضرور پتھروں یا قبیح کلام سے سنگ سار کردوں گا اور ایک طویل عرصہ کے لئے تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ یعنی طویل زمانہ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس طرح سمجھانے پر ان کے چچا نے جو جہالت کا جواب دیا وہ بیان ہو رہا ہے کہ اس نے کہا ابراہیم تو میرے معبودوں سے بیزار ہے، ان کی عبادت سے تجھے انکار ہے اچھا سن رکھ اگر تو اپنی اس حرکت سے باز نہ آیا، انہیں برا کہتا رہا، ان کی عیب جوئی اور انہیں گالیاں دینے سے نہ رکا تو میں تجھے سنگسار کر دونگا۔ مجھے تو تکلیف نہ دے نہ مجھ سے کچھ کہہ۔ یہی بہتر ہے کہ تو سلامتی کے ساتھ مجھ سے الگ ہو جائے ورنہ میں تجھے سزا دوں گا۔ مجھ سے تو تو اب ہمیشہ کے لئے گیا گزرا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ○
کہا تجھ پر سلام ہو، میں اپنے رب سے تیرے لیے ضرور بخشش کی دعا کروں گا، بے شک وہ ہمیشہ سے مجھ پر بہت مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے چچا آزر کیلئے دعا مانگنے کا بیان

"قَالَ سَلَام عَلَيْك" مِنِّي أَيْ لَا أُصِيبك بِمَكْرُوهٍ "سَأَسْتَغْفِرُ لَك رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا" مِنْ حَفِيَ أَيْ بَارًّا فَيُجِيب دُعَائِي وَقَدْ أَوْفَى بِوَعْدِهِ الْمَذْكُور فِي الشُّعَرَاء "وَاغْفِرْ لِأَبِي" وَهَذَا قَبْل أَنْ يَتَبَيَّن لَهُ

أَنَّهُ عَدُوّ اللّٰه كَمَا ذَكَرَهُ فِي بَرَاءة

کہا تجھ پر میری طرف سے سلام ہو، کیونکہ میں آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا۔ میں اپنے رب سے تیرے لیے ضرور بخشش کی دعا کروں گا، لفظ حفیا یہ حفی سے مشتق ہے اس کا معنی احسان کرنے والا ہے۔ پس وہ میری دعا کو قبول کرنے والا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وعدہ کو پورا کیا جس کا ذکر سورہ شعراء میں ہے۔ "وَاغْفِرْ لِأَبِي" یہ اس سے پہلے تھا کہ جب آپ پر واضح ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔ جس طرح سورہ برأت میں ذکر ہوا ہے۔ بے شک وہ ہمیشہ سے مجھ پر بہت مہربان ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اچھا خوش رہو میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی کیونکہ آپ میرے والد ہیں بلکہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو نیک توفیق دے اور آپ کے گناہ بخشے۔ مومنوں کا یہی شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جاہلوں سے لڑتے نہیں جیسے کہ قرآن میں ہے (وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ، الفرقان:63) جاہلوں سے جب ان کا خطاب ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ سلام۔ اور آیت میں ہے لغو باتوں سے وہ منہ پھیر لیتے ہیں۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝
اور میں تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو کنارہ کش ہوتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہوتا ہوں،
امید ہے میں اپنے رب کی عبادت کے باعث محروم نہ رہوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا بیان

"وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ" تَعْبُدُونَ "مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَأَدْعُو" أَعْبُد "رَبِّي عَسَى أَلَّا" أَنْ لَا "أَكُون بِدُعَاءِ رَبِّي" بِعِبَادَتِهِ "شَقِيًّا" كَمَا شَقِيتُمْ بِعِبَادَةِ الْأَصْنَام

اور میں تم سب سے اور ان بتوں سے جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو کنارہ کش ہوتا ہوں اور اپنے رب کی عبادت میں یکسو ہو کر مصروف ہوتا ہوں، امید ہے میں اپنے رب کی عبادت کے باعث محروم کرم نہ رہوں گا۔ جس طرح تم بتوں کی عبادت کر کے بد بخت ہوئے ہو۔

پھر فرماتے ہیں کہ میں تم سب سے اور تمہارے ان تمام معبودوں سے الگ ہوں، میں صرف اللہ واحد کا عابد ہوں، اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتا میں فقط اسی سے دعائیں اور التجائیں کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں اپنی دعاؤں میں محروم نہ رہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝
پھر جب ان سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے کنارہ کر گیا، ہم نے اسے اسحاق اور یعقوب عطا کیے،
اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کیلئے عطائے اسحاق و یعقوب کا بیان

"فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ " بِأَنْ ذَهَبَ إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَة "وَهَبْنَا لَهُ" ابْنَيْنِ يَأْنَس بِهِمَا "إِسْحَاق وَيَعْقُوب وَكُلًّا" مِنْهُمَا، جَعَلْنَا نَبِيًّا،

پھر جب ان سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے کنارہ کر گیا یعنی آپ مقدس زمین کی طرف چلے گئے۔ہم نے اسے دو بیٹے حضرت اسحاق اور یعقوب عطا کیے، اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا کیا۔

ہجرت کے بعد اللہ کا ابراہیم علیہ السلام کو اولاد عطا کرنا

جب آپ نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر کو اور گھر والوں کو خیر باد کہتے ہوئے ہجرت اختیار کی تو اللہ نے ان کا نعم البدل اولاد کی شکل میں انہیں عطا فرمایا۔ جو بہر حال چھوڑے ہوئے رشتہ داروں سے بہتر تھے تا کہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور انس وسکون حاصل کریں، اولاد بھی ایسی جو سب نبی تھے۔ سیّدنا اسحاق بھی نبی پھر ان کے بیٹے یعقوب بھی نبی پھر انہی کی اولاد سے یعنی بنی اسرائیل میں سینکڑوں نبی پیدا ہوئے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف اتنی دراز ہوئی کہ آپ نے اپنے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ اللہ کے لئے ہجرت کرنے اور اپنے گھر بار کو چھوڑنے کی یہ جزا ملی کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹے اور پوتے عطا فرمائے۔ اسماعیل علیہ السلام کا اس جگہ ذکر نہ فرمانا اس وجہ سے ہے کہ اول تو وہ اوروں سے اول عطا ہو چکے تھے، بعد والوں کے ذکر سے قبل والے کا ذکر خود ہی مفہوم ہو جاتا ہے، دوسرے ان کا ذکر مستقل طور پر آئندہ قریب آنے والا ہے۔ تیسرے ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے جیسا عرب کا استجلاب قلب ہوا اسحٰق و یعقوب علیہما السلام کے ذکر سے اہل کتاب کا استجلاب قلب مناسب ہے، اور اسی نکتہ کی وجہ سے اس کے متصل موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے، پھر اس کے بعد اسماعیل علیہ السلام کا آئے گا۔ (تفسیر خزائن وغیرہ، سورہ مریم، لاہور)

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝
اور ہم نے ان کو اپنی رحمت بخشی اور ہم نے ان کے لئے تعریف وستائش کی زبان بلند کر دی۔

حضرت ابراہیم، اسحاق و یعقوب علیہم السلام پر اللہ کی رحمت کا بیان

"وَوَهَبْنَا لَهُمْ" لِلثَّلَاثَةِ "مِنْ رَحْمَتنَا" الْمَال وَالْوَلَد "وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَان صِدْق عَلِيًّا " رَفِيعًا هُوَ الثَّنَاء الْحَسَن فِي جَمِيع أَهْل الْأَدْيَان

اور ہم نے ان تینوں کو اپنی خاص رحمت یعنی مال واولاد بخشی اور ہم نے ان کے لئے ہر آسمانی مذہب کے ماننے والوں میں تعریف وستائش کی زبان بلند کر دی۔

تمام مذاہب وملل ان کی تعظیم وتوصیف کرتے ہیں اور انہیں سے اپنے اپنے مذہب کا رشتہ جوڑتے ہیں اور انہیں ذکر خیر سے یاد کرتے ہیں۔ جیسا کہ امت محمدیہ ﷺ بھی ہمیشہ اپنی نمازوں میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل پر درود پڑھتے ہیں تو ساتھ ہی سیّدنا ابراہیم اور ان کی آل پر بھی درود پڑھتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا (وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ،الشعراء:84) کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا۝
اور کتاب میں موسیٰ (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ برگزیدہ ہو چکے تھے اور صاحب رسالت نبی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اخلاص کا بیان

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا" بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا مِنْ أَخْلَصَ فِي عِبَادَتِه وَخَلَّصَهُ اللَّه مِنَ الدَّنَس

اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے، بیشک وہ برگزیدہ ہو چکے تھے۔ لفظ مخلص لام کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا یعنی جس نے اپنے آپ کو عبادت میں مخلص کر لیا۔ اور اللہ نے انہیں ہر قسم کی پریشانی سے نجات دے دی۔ اور آپ صاحب رسالت نبی تھے۔

نبی اور رسول کی تعریف

نبی وہ انسان ہے جس کو اللہ نے اس کی طرف کی گئی وحی کی تبلیغ کیلئے بھیجا ہو۔ رسول کی بھی یہی تعریف ہے۔ اور ان میں کوئی فرق نہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ رسول وہ انسان ہے جس کے پاس شریعت ہو اور اس پر کتاب نازل کی گئی ہو یا اس کیلئے پہلی شریعت کا کچھ حصہ منسوخ کیا گیا ہو۔ (مسائرہ مع المسامرہ ص ۲۰۷، دائرہ معارف الاسلامیہ تہران)

رسول اور نبی میں فرق

علامہ تفتازانی نبی اور رسول کی مذکورہ دونوں تعریفیں لکھنے کے بعد لکھتے ہیں۔ رسول، نبی سے خاص ہے رسول وہ جس کی اپنی شریعت ہو اور اس کے پاس کتاب ہو، اس پر یہ اعتراض ہے کہ حدیث میں رسولوں کی تعداد کتابوں سے زیادہ بیان کی گئی ہے۔ اس لئے رسول کی تعریف میں یہ تاویل کی گئی ہے کہ اس کے پاس کتاب ہو یا سابقہ شریعت میں سے کچھ احکام اس کیلئے مخصوص کیے گئے ہوں جیسے حضرت یوشع علیہ السلام۔ (شرح المقاصد ج ۵، ص ۶، ایران)

انبیاء کرام، رسولان عظام، کتابوں اور صحائف کی تعداد

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ، رسول کتنے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں میں نے

کہا بہت اچھے ہیں یارسول اللہ ﷺ پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: آدم۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی ہے پھر ان کو اپنے سامنے بنایا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں آدم، شیث اور خنوخ، اور یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا۔ اور نوح اور چار نبی عرب ہیں، ھود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی، اے ابوذر! میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اللہ نے کتابیں کتنی نازل کی ہیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے، چار کتابیں، شیث پر پچاس صحیفے نازل کیے گئے، خنوخ پر دس صحیفے نازل کیے گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کیے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کیے گئے ہیں اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔ (حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۱۶۷، بیروت)

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝
اور ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے ندادی اور راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لئے ہم نے انہیں قربت سے نوازا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر ہم کلام ہونے کا بیان

"وَنَادَيْنَاهُ" بِقَوْلِ "يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ" "مِنْ جَانِبِ الطُّور" اسم جَبَل "الْأَيْمَن" أَيْ الَّذِي يَلِي يَمِين مُوسَى حِين أَقْبَلَ مِنْ مَدْيَنَ "وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا" مُنَاجِيًا بِأَنْ أَسْمَعَهُ اللَّه تَعَالَى كَلَامه

اور ہم نے انہیں کوہ طور کی داہنی جانب سے ندادی کہ اے موسیٰ بے شک میں اللہ ہوں۔ طور یہ پہاڑ کا نام ہے۔ اور دائیں جانب سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب جو مدین کی طرف سے تھی۔ اور راز و نیاز کی باتیں کرنے کے لئے ہم نے انہیں قربت خاص سے نوازا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا کلام سنایا یعنی آپ کلیم اللہ ہوئے۔

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا طور الایمن جا پہنچنے کا بیان

جب سیّدنا موسیٰ علیہ السلام سیّدنا شعیب علیہ السلام کے ہاں سے فارغ ہو کر مدین سے مصر کی طرف جا رہے تھے تو یہ آواز ان کی دائیں طرف سے ہوئی کیونکہ وہ طور جو بیت المقدس کے پاس ہے مدین سے مصر آنے والوں کی دائیں طرف پڑتا ہے اور وہی طور مراد ہے، سویس کا طور مراد نہیں کیونکہ وہ بائیں طرف پڑتا ہے۔

قربنہ نجیّا ۔ کے کئی مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے اسے راز کی بات کہنے کے لئے اپنے پاس بلا لیا، دوسرا یہ کہ ہم نے راز کی بات کہہ کر اسے اپنا مقرب بنا لیا اور تیسرا یہ کہ ہم نے سیّدنا موسیٰ کو آسمانوں پر اٹھا لیا اور انہوں نے قلم چلنے کی آواز سنی جو لوح محفوظ پر چلتی ہے۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت سے یہی مطلب منقول ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝
اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کی نبوت کیلئے دعا کرنے کا بیان

"وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا" نِعْمَتِنَا "أَخَاهُ هَارُون" بَدَل أَوْ عَطْف بَيَان "نَبِيًّا" حَال هِيَ الْمَقْصُودَة بِالْهِبَةِ إِجَابَة لِسُؤَالِهِ أَنْ يُرْسِل أَخَاهُ مَعَهُ وَكَانَ أَسَنّ مِنْهُ

اور ہم نے اسے اپنی رحمت یعنی نعمت سے ان کا بھائی ہارون نبی بنا کر عطا کیا۔ لفظ ہارون یہ اخاہ سے بدل ہے یا پھر عطف بیان ہے۔ اور نبیا حال ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے آپ کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنا دیا حالانکہ ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔

جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ یا ربّ میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت ہارون علیہ السلام کو آپ کی دعا سے نبی کیا اور حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝
اور آپ کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر کریں، بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے اور صاحب رسالت نبی تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صادق الوعد ہونے کا بیان

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَاب إِسْمَاعِيل إِنَّهُ كَانَ صَادِق الْوَعْد" لَمْ يَعِد شَيْئًا إِلَّا وَفَّى بِهِ وَانْتَظَرَ مَنْ وَعَدَهُ ثَلَاثَة أَيَّام أَوْ حَوْلًا حَتَّى رَجَعَ إِلَيْهِ فِي مَكَانه "وَكَانَ رَسُولًا" إِلَى جُرْهُم

اور آپ اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر کریں، بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے۔ یعنی آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے تھے جب ایک شخص نے آپ سے تین دن یا ایک سال کا وعدہ کیا تو آپ اتنی مدت میں وہاں انتظار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ شخص اسی جگہ واپس آ گیا اور صاحب رسالت نبی تھے۔ آپ کو قبیلہ جرہم کی طرف نبی بنا مبعوث کیا گیا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صدق وعدہ میں امتیاز اس بناء پر ہے کہ انہوں نے جس چیز کا وعدہ اللہ سے یا کسی بندہ سے کیا اس کو بڑی مضبوطی اور اہتمام سے پورا کیا، انہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے آپ کو ذبح کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور اس پر صبر کریں گے اس میں پورے اترے۔ ایک شخص سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا وہ وقت پر نہ آیا تو اس کے انتظار میں تین دن اور بعض روایات میں ایک سال اس کا انتظار کرتے رہے۔ اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ترمذی میں بروایت عبداللہ بن ابی الحمساء ایسا ہی واقعہ وعدہ کر کے تین دن تک اسی جگہ انتظار کرنے کا منقول ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مریم، بیروت)

ایفائے وعدہ کی اہمیت کا بیان

ایفائے وعدہ انبیاء وصلحاء کا وصف خاص اور تمام شریف انسانوں کی عادت ہے اس کے خلاف کرنا فساق فجار رذیل لوگوں کی

خصلت ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے العدۃ دین، وعدہ ایک قرض ہے یعنی جس طرح قرض کی ادائیگی انسان پر لازم ہے اسی طرح وعدہ پورا کرنے کا اہتمام بھی لازم ہے۔ دوسری ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں وای المومن واجب یعنی وعدہ مومن کا واجب ہے۔ حضرات فقہاء نے باتفاق یہ فرمایا ہے کہ وعدہ کا قرض ہونا اور ایفاء وعدہ کا واجب ہونا اس معنی میں ہے کہ بلاعذر شرعی اس کو پورا نہ کرنا گناہ ہے لیکن وہ ایسا قرض نہیں جس کی چارہ جوئی عدالت سے کی جا سکے اور زبردستی وصول کیا جا سکے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ دیانۃً واجب ہے قضاء واجب نہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مریم، بیروت)

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا٥
اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، اور وہ اپنے رب کے حضور مقام مرضیہ پر تھے۔

مقام رضا کا بیان

"وَكَانَ يَأْمُر أَهْله " أَيْ قَوْمه "بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاة وَكَانَ عِنْد رَبّه مَرْضِيًّا" أَصْله مَرْضُوّ وَقُلِبَتْ الْوَاوَانِ يَاءَيْنِ وَالضَّمَّة كَسْرَة .

اور وہ اپنے گھر والوں یعنی اپنی قوم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے، اور وہ اپنے رب کے حضور مقام مرضیہ پر فائز تھے یعنی ان کا رب ان سے راضی تھا۔ مرضیا یہ اصل میں مرضوو تھا یہاں دونوں واؤں کو دو یاؤں سے تبدیل کیا گیا ہے۔ اور ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کیا گیا ہے۔

مرضیا۔ اسم مفعول واحد مذکر منصوب۔ پسند کیا ہوا۔ پسندیدہ۔

نفس کی سات اقسام کا بیان

نفس کی سات اقسام ہیں جنکے نام درج ذیل ہیں: 1۔ نفس امارہ 2۔ نفس لوامہ 3۔ نفس ملھمہ 4۔ نفس مطمئنہ 5۔ نفس راضیہ 6۔ نفس مرضیہ 7۔ نفس کاملہ

نفس امارہ پہلا نفس ہے یہ سب سے زیادہ گناہوں کی طرف مائل کرنے والا اور دنیاوی رغبتوں کی جانب کھینچ لے جانے والا ہے۔ ریاضت اور مجاہدہ سے اس کی برائی کے غلبہ کو کم کر کے جب انسان نفس امارہ کے دائرہ سے نکل آتا ہے تو لوامہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے۔ جو باطنی طور پر ہدایت کا باعث بنتا ہے جب نفس لوامہ کا حامل انسان کسی گناہ یا زیادتی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو اس کا نفس اسے فوری طور پر سخت ملامت کرنے لگتا ہے اسی وجہ سے اسے لوامہ یعنی سخت ملامت کرنے والا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس نفس کی قسم کھائی ہے۔

وَلَا اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ،

اور میں نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔ القیامۃ، 2:75 تیسرا نفس نفس ملھمہ ہے۔ جب بندہ ملھمہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے تو اس

کے داخلی نور کے فیض سے دل اور طبعیت میں نیکی اور تقویٰ کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے چوتھا نفس مطمئنہ ہے جو بری خصلتوں سے بالکل پاک اور صاف ہو جاتا ہے اور حالت سکون واطمینان میں آ جاتا ہے۔ یہ نفس بارگاہ الوہیت میں اسقدر محبوب ہے کہ حکم ہوتا ہے:

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُO ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ.

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ الفجر، 89:27، 28 یہ نفس مطمئنہ اولیاء اللہ کا نفس ہے یہی ولایت صغریٰ کا مقام ہے۔ اس کے بعد نفس راضیہ، مرضیہ اور کاملہ یہ سب ہی نفس مطمئنہ کی اعلیٰ حالتیں اور صفتیں ہیں اس مقام پر بندہ ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہتا ہے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً O

اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو۔ الفجر، 89:28

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّاo وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّاo
اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے، بیشک وہ بڑے صاحب صدق نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں بلند مقام پر اٹھالیا تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے تذکرہ کا بیان

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتَاب إِدْرِيس" هُوَ جَدّ أَبِي نُوح، إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا، "وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا" هُوَ حَيّ فِي السَّمَاء الرَّابِعَة أَوْ السَّادِسَة أَوْ السَّابِعَة أَوْ فِي الْجَنَّة أُدْخِلَهَا بَعْد أَنْ أُذِيقَ الْمَوْت وَأُحْيِيَ وَلَمْ يَخْرُج مِنْهَا،

اور اس کتاب میں ادریس علیہ السلام کا ذکر کیجئے، وہ نوح علیہ السلام کے والد کے دادا تھے۔ بیشک وہ بڑے صاحب صدق نبی تھے۔ اور ہم نے انہیں بلند مقام پر اٹھالیا تھا۔ یعنی آپ چوتھے آسمان یا چھٹے یا ساتویں آسمان پر یا جنت میں زندہ ہیں ان کو ذائقہ موت کے بعد جنت میں داخل کر دیا گیا اور انہیں زندہ کر دیا گیا اور آپ جنت سے نکلے نہیں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ کا بیان

حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں (روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم) اور یہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پہلے نبی و رسول ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے۔ (زمخشری)

اور ادریس علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن کو علم نجوم اور حساب بطور معجزہ عطا کیا گیا (بحر محیط) اور سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا ایجاد کیا ان سے پہلے لوگ عموماً جانوروں کی کھال بجائے لباس استعمال کرتے تھے اور

سب سے پہلے ناپ تول کے طریقے بھی آپ نے ہی ایجاد فرمائے اور اسلحہ کی ایجاد بھی آپ سے شروع ہوئی۔ آپ نے اسلحہ تیار کر کے بنو قابیل سے جہاد کیا۔ (بحر محیط، قرطبی، مظہری، روح المعانی، سورہ مریم، بیروت)

سورہ مریم آیت ۵۷ کی تفسیر بہ روایت کا بیان

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے قول (وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا، اور اٹھالیا ہم نے اس کو ایک اونچے مکان پر۔ کے بارے میں روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میں جب مجھے اوپر لے جایا گیا تو میں نے ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ حدیث نقل کرتے ہیں، سعید بن ابی عروبہ ابو ہمام اور کئی حضرات یہ حدیث قتادہ سے وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج کے متعلق طویل حدیث نقل کرتے ہیں، میرا خیال ہے کہ یہ حدیث اسی سے اختصار کے طور بیان کی گئی ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم، حدیث نمبر 1102)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَ مِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ وَّ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ
وَ اِسۡرَآءِيۡلَ وَ مِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ۩ السجدة
یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے زمرہ انبیاء میں سے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے ہیں اور ان میں سے ہیں
جنہیں ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ کشتی میں اٹھالیا تھا، اور ابراہیم (علیہ السلام) کی اور اسرائیل کی اولاد سے ہیں
اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں ہم نے ہدایت بخشی اور برگزیدہ بنایا، جب ان پر رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے
وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔

انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرہ کا بیان

"أُولَئِكَ" مُبْتَدَأ "الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّه عَلَيْهِمْ" صِفَة لَهُ "مِنْ النَّبِيِّينَ" بَيَان لَهُ وَهُوَ فِي مَعْنَى الصِّفَة وَمَا بَعْده إلَى جُمْلَة الشَّرْط صِفَة لِلنَّبِيِّينَ فَقَوْله "مِنْ ذُرِّيَّة آدَم" أَيْ إدْرِيس "وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوح" فِي السَّفِينَة أَيْ إبْرَاهِيم ابْن ابْنه سَام "وَمِنْ ذُرِّيَّة إبْرَاهِيم" أَيْ إسْمَاعِيل وَإِسْحَاق وَيَعْقُوب "و" مِنْ ذُرِّيَّة "إسْرَائِيل" هُوَ يَعْقُوب أَيْ مُوسَى وَهَارُون وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى "وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا" أَيْ مِنْ جُمْلَتهمْ وَخَبَر أُولَئِكَ "إذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَات الرَّحْمَن خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا" جَمْع سَاجِد وَبَاكٍ أَيْ فَكُونُوا مِثْلهمْ وَأَصْل بَكِيّ بُكُوي قُلِبَتْ الْوَاو يَاء وَالضَّمَّة كَسْرَة

یہاں پر اولئک مبتداء ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یہ اولئک کی صفت ہے اور من النبین یہ اولئک کا بیان ہے۔ اور صفت کے معنی میں ہے اور اس کے بعد جملہ شرطیہ تک یہ النبین کی صفت ہے۔ پس اس کا قول یعنی حضرت ادریس علیہ

السلام زمرہ انبیاء میں سے آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے ہیں۔اوران مومنوں میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں طوفان سے بچا کر اٹھا لیا تھا، یعنی ابراہیم علیہ السلام سام بن نوح کے نسب سے ہیں۔اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے اسماعیل، اسحاق، یعقوب علیہم السلام ہیں اور اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے موسیٰ علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، زکریا علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں اوران منتخب لوگوں میں سے ہیں جنہیں ہم نے ہدایت بخشی اور برگزیدہ بنایا، یعنی ان سب کو بھلائی کیلئے چن لیا۔جب ان پر رحمان کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے وہ سجدہ کرتے ہوئے، سجدا یہ ساجد کی جمع ہے اور بکیا یہ باک کی جمع ہے اورزار وقطار روتے ہوئے گر پڑتے ہیں۔پس تم ان کی طرح ہو جاؤ۔ بکی یہ اصل میں بکوی تھا یہاں واؤ کو یاء سے اور ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کیا گیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

اولئک۔یہ اشارہ ہے ان تمام انبیاء کی جانب جن کا ذکر حضرت زکریا سے لے کر۔حضرت ادریس علیہم السلام تک اوپر اس سورت میں آچکا ہے۔

سجدا و بکیا۔دونوں خروا کی ضمیر فاعل کے حال ہیں۔اور بدیں وجہ منصوب ہیں۔سجدا جمع ہے ساجد کی۔اور بکی جمع ہے باکی کی۔ (رونے والا۔غم واندوہ سے آنسو بہانے والا) اصل میں بروزن فعول جیسے ساجد سے سجود۔راکع سے رکوع اور قاعد سے قعود، بکی بھی بکُویتھا۔واؤ اور یاء کے اجتماع کے سبب واؤ کو یاء سے بدلا۔یاء کو یا میں مدغم کیا۔اور یا کی مناسبت سے کاف کو کسرہ کی حرکت دی۔ بکی ہو گیا۔

اذا تتلی علیھم سجدا و بکیا جب ان کے سامنے خدائے رحمان کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر پڑتے تھے۔

اولئك ۔**اسم اشارہ من النبیین** میں من بیانیہ ہے۔کیونکہ جملہ انبیاء علیہم السلام منعم علیہم تھے۔اس لئے من تبعیضیہ نہیں ہوسکتا۔جیسا کہ اور جگہ قرآن مجید میں آیا ہے **وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصلحت منھم مغفرۃ و اجرا عظیما**، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔(یعنی ان سب سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے) اسی طرح من النبیین سے مراد سارے نبی ہیں۔

من ذریۃ ادم میں **من تبعیضیہ** ہے یعنی ذریۃ آدم میں سے بعض۔ان بعض میں سے صرف حضرت ادریس علیہ السلام یہاں مذکور ہوئے ہیں۔حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح کے جد امجد تھے۔اوران سے بہت قبل ہوئے ہیں۔

ممن حملنا مع نوح ۔ اس میں بھی من تبعیض کے لئے ہے اوران بعض میں سے حضرت اسماعیل حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام یہاں مذکور ہوئے ہیں۔واسرائیل۔اس کا عطف ابراہیم پر ہے۔ای ومن ذریۃ اسرائیل اور اس ذریۃ اسرائیل (یعقوب) میں سے حضرت موسیٰ۔حضرت ہارون۔حضرت زکریا۔حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہم السلام (کیونکہ حضرت

مریم آل یعقوب میں سے تھیں) مذکور ہوئے ہیں۔

ومـمـن هـديـنـا و اجتبينا میں بھی من برائے تبعیض ہے (ای مـن جـمـلـة من هدينا والى الحق واخترناهم للنبوة والكرامة) اس کا عطف ذریۃ اوپر ہے یعنی اور تمام وہ جن کو ہم صراط حق پر گامزن کیا اور جن کو ہم نے نبوت کے لئے منتخب کیا۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام جو اولئک کے مشار الیهم ہیں۔

اولئک مبتداء ہے اور الذین، اجتبینا خبر ہے۔ اس صورت میں اذا تتلی علیہم۔ بکیا تک جملہ مستانفہ ہے۔ بعض کے نزدیک پہلا کلام اسرائیل پر ختم ہے۔ اس صورت میں ومـمـن هـديـنـا و اجتبينا خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے۔ اور جملہ اذا تتلی علیهم۔ بکیا تک اس مبتدا محذوف کی صفت ہے۔ کلام یوں ہے ومـمـن هـديـنـا و اجتبينا قوم اذا تتلى عليهم ايت الرحمن خروا سجدا وبكيا۔

انبیائے کرام کے تذکرہ کا بیان

جماعت انبیاء یعنی جن کا ذکر اس سورت میں ہے یا پہلے گزرا ہے یا بعد میں آئے گا یہ لوگ اللہ کے انعام یافتہ ہیں۔ پس یہاں شخصیت سے جنس کی طرف استطراد ہے۔ یہ ہیں اولاد آدم سے یعنی حضرت ادریس صلوات اللہ وسلامہ علیہ اور اولاد سے ان کی جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کرادئے گئے تھے اس سے مراد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ ہیں۔ اور ذریت ابراہیم علیہ السلام سے مراد حضرت اسحاق، حضرت یعقوب حضرت اسماعیل ہیں اور ذریت اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ، حضرت ہارونؑ، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ ہیں علیہم السلام۔ یہی قول ہے حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اسی لئے ان کے نسب جداگانہ بیان فرمائے گئے کہ گو اولاد آدم میں سب ہیں مگر ان میں بعض وہ بھی ہیں جو ان بزرگوں کی نسل سے نہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھی تھے کیونکہ حضرت ادریس تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا تھے۔ میں کہتا ہوں بظاہر یہی ٹھیک ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اوپر کے نسب میں اللہ کے پیغمبر حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ ہاں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت ادریس بنی اسرائیلی نبی ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ معراج والی حدیث میں حضرت ادریس کا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا روایت ہے کہ مرحبا ہو بنی صالح اور بھائی صالح کو مرحبا ہو۔ تو بھائی صالح کہا نہ کہ صالح ولد جیسے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت آدم علیہما السلام نے کہا تھا۔ روایت ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے کے ہیں۔ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ لا الہ الا اللہ کے قائل اور معتقدین بن جاؤ پھر جو چاہو کرو لیکن انہوں نے اس کا انکار کیا اللہ عزوجل نے ان سب کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے اس آیت کو جنس انبیاء کے لئے قرار دیا ہے اس کی دلیل سورہ انعام کی وہ آیتیں ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام،

وغیرہ کا ذکر ہے اور تعریف کرنے کے بعد فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی تو ابھی ان کی ہدایت کی اقتدا کرو اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نبیوں میں سے بعض کے واقعات ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے واقعات تم تک پہنچے ہی نہیں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ کیا سورہ ص میں سجدہ ہے آپ نے فرمایا ہاں پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اقتدا کا حکم کیا گیا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام بھی مقتدا نبیوں میں سے ہیں۔ فرمان ہے کہ ان پیغمبروں کے سامنے جب کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کی جاتی تھیں تو اس کے دلائل و براہین پر خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان مانتے ہوئے روتے گڑگڑاتے سجدے میں گر پڑتے تھے اسی لئے اس آیت پر سجدہ کرنے کا حکم علماء کا متفق علیہ مسئلہ ہے تاکہ ان پیغمبروں کی اتباع اور اقتدا ہو جائے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی تلاوت کی اور جب اس آیت پر پہنچے تو سجدہ کیا پھر فرمایا سجدہ تو کیا لیکن وہ رونا کہاں سے لائیں؟ (ابن ابی حاتم رازی، سورہ مریم، بیروت)

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا۝
پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ان کی جگہ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور خواہشات کے پیچھے لگ گئے
تو وہ عنقریب گمراہی کو ملیں گے۔

یہود و نصاریٰ کے نالائق ہونے کا بیان

"فَخَلَفَ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ خَلۡف أَضَاعُوا الصَّلَاة" بِتَرۡكِهَا كَالۡيَهُودِ وَالنَّصَارَى "وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَات" مِنَ الۡمَعَاصِي "فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا" هُوَ وَادٍ فِي جَهَنَّم أَيۡ يَقَعُونَ فِيهِ،

پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ان کی جگہ آئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا جس طرح یہود و نصاریٰ ہیں اور نافرمانیاں کرتے ہوئے خواہشات کے پیچھے لگ گئے تو وہ عنقریب گمراہی کو ملیں گے۔ غی وہ جہنم کی وادی ہے جس میں وہ واقع ہوں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

خلف ماضی واحد مذکر غائب خلافۃ سے باب نصر۔ جس کے معنی جانشین ہونے کے ہیں یا پیچھے آنے کے۔ خلف وہ جانشین ہوا۔ وہ پیچھے آیا۔ خلف۔ ناخلف۔ برے جانشین۔ اضاعوا ماضی جمع مذکر غائب (باب افعال) انہوں نے ضائع کر دیا۔ انہوں نے کھو دیا۔

الشہوات۔ شھو سے مشتق ہے الشھوۃ کے معنی ہیں نفس کا اس چیز کی طرف کھنچے چلے جانا جسے وہ چاہتا ہے۔ خواہشات دنیوی دو قسم پر ہیں صادقہ اور کاذبہ۔ سچی خواہش وہ ہے جس کے حصول کے بغیر بدن کا نظام مختل ہو جاتا ہے جیسے بھوک کے وقت کھانے کی اشتہاء۔ اور جھوٹی خواہش وہ ہے جس کے عدم حصول سے بدن میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ پھر شہوۃ کا لفظ کبھی اس چیز پر بولا جاتا

ہے جس کی طرف طبیعت کا میلان ہو اور کبھی خود اس قوت شہویہ پر۔

آیت کریمہ زین للناس حب الشھوات،لوگوں کے لئے ان کی خواہش کی چیزیں (مرغوبات) خوشنما کردی گئی ہیں۔اس میں شھوات سے مراد ہر دو قسم کی خواہشات ہیں۔اور واتبعوا الشھوات (آیۃ ہذا) اور وہ خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ اس میں جھوٹی خواہشات مراد ہیں۔یعنی ان چیزوں کی خواہش جن سے استغناء ہو سکتا ہے۔

سوف یلقون۔سوف مستقبل قریب کے لئے ہے۔یلقون مضارع جمع مذکر غائب۔وہ پائیں گے۔وہ (اس سے) دوچار ہوں گے۔غیا۔غوی سے مشتق ہے الغی اس جہالت کو کہتے ہیں جو غلط اعتقاد پر مبنی ہو۔جیسے کہ ماضل صاحبکم وماغوی،تمہارے رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ راستہ بھولے ہیں اور بھٹکے ہیں۔اور کبھی عقیدہ کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔جیسے وعصی ادم ربہ فغوی،اور آدم نے اپنے پروردگار کے خلاف کیا اور جہالت کا ارتکاب کیا۔

آیۃ ہذا میں غی سے مراد عذاب ہے کیونکہ گمراہی عذاب کا سبب بنتی ہے۔یعنی کسی شے کو اس کے سبب کے نام سے موسوم کر دینا۔جیسا کہ اور جگہ قرآن مجید میں ہے: ومن یفعل ذلك یلق اثاما، اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ سزا سے دوچار ہوگا (یعنی اس کا گناہ سزا کا سبب ہوگا) فسوف یلقون غیا۔سو وہ عنقریب گمراہی کی سزا سے دوچار ہوں گے۔

قرب قیامت ناخلف لوگوں اور جہنم کی وادی غی کا بیان

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بدترین لوگ قریب بہ قیامت آئیں گے جب کہ اس امت کے صالح لوگ باقی نہ رہے ہوں گے اس وقت یہ لوگ جانوروں کی طرح کودتے پھاندتے پھریں گے۔عطا بن ابورباح رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ آخری زمانے میں ہوں گے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ اس امت کے لوگ ہوں گے جو چوپایوں اور گدھوں کی مانند راستوں میں اچھل کود کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو آسمان میں ہے بالکل نہ ڈریں گے اور نہ لوگوں سے شرمائیں گے۔

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ناخلف لوگ ساٹھ سال کے بعد ہوں گے جو نمازوں کو ضائع کردیں گے اور شہوت رانیوں میں لگ جائیں گے اور قیامت کے دن خمیازہ بھگتیں گے۔پھر ان کے بعد وہ نالائق لوگ آئیں گے جو قرآن کی تلاوت تو کریں گے لیکن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا۔یاد رکھو قاری تین قسم کے ہوتے ہیں مومن منافق اور فاجر۔ راوی حدیث حضرت ولید سے جب ان کے شاگرد نے اس کی تفصیل پوچھی تو آپ نے فرمایا ایماندار تو اس کی تصدیق کریں گے۔ نفاق والے اس پر عقیدہ نہ رکھیں گے اور فاجر اس سے اپنی شکم پری کرے گا۔ابن ابی حاتم کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اصحاب صفہ کے لیے جب کچھ خیرات بھجواتیں تو کہہ دیتیں کہ بربری مرد وعورت کو نہ دینا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہی وہ ناخلف ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔

محمد بن کعب قرظی کا فرمان ہے کہ مراد اس سے مغرب کے بادشاہ ہیں جو بدترین بادشاہ ہیں۔حضرت کعب بن احبار رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں منافقوں کے وصف قرآن کریم میں پاتا ہوں۔ یہ نشے پینے والے، نمازیں چھوڑنے والے، شطرنج چوسر وغیرہ کھیلنے والے، عشا کی نمازوں کے وقت سو جانے والے، کھانے پینے میں مبالغہ اور تکلف کر کے پیٹو بن کر کھانے والے، جماعتوں کو چھوڑنے والے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مسجدیں ان لوگوں سے خالی نظر آتی ہیں اور بیٹھکیں بارونق بنی ہوئی ہیں۔ ابوشہب عطاردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کر دے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشوں سے باز رہیں جن کے دل خواہشوں کے پھیر میں رہتے ہیں، میں ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیتا ہوں جب کوئی بندہ شہوت میں اندھا ہو جاتا ہے تو سب سے ہلکی سزا میں اسے یہ دیتا ہوں کہ اپنی اطاعت سے اسے محروم کر دیتا ہوں۔

مسند احمد میں ہے مجھے اپنی امت میں دو چیزوں کا بہت ہی خوف ہے ایک تو یہ کہ لوگ جھوٹ کے اور بناؤ کے اور شہوت کے پیچھے پڑ جائیں گے اور نمازوں کو چھوڑ بیٹھیں گے، دوسرے یہ کہ منافق لوگ دنیا دکھاوے کو قرآن کے عامل بن کر سچے مومنوں سے لڑیں جھگڑیں گے۔ غیا کے معنی خسران اور نقصان اور برائی کے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غی جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو بہت گہری ہے اور نہایت سخت عذابوں والی۔ اس میں خون پیپ بھرا ہوا ہے۔

لقمان بن عامر فرماتے ہیں میں حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے التماس کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی حدیث مجھے سنائیں۔ آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر دس اوقیہ کے وزن کا کوئی پتھر جہنم کے کنارے سے جہنم میں پھنکا جائے تو وہ پچاس سال تک تو جہنم کی تہ میں نہیں پہنچ سکتا۔ پھر وہ غی اور اثام میں پہنچے گا۔ غی اور اثام جہنم کے نیچے کے دو کنویں ہیں جہاں دوزخیوں کا لہو پیپ جمع ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم، سورہ مریم، بیروت)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا ۝
سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کرتا رہا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے
اور ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

توبہ و اعمال صالح والوں کیلئے جنت ہونے کا بیان

"اِلَّا" لٰكِنْ "مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ" يَنْقُصُونَ "شَيْئًا" مِنْ ثَوَابِهِمْ

سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کر لی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کرتا رہا تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یعنی ان کے ثواب میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہلت عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ رات کا تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) اور فرماتا ہے کہ کیا

کوئی مغفرت مانگنے والا ہے؟ کیا کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ کیا کوئی سوال کرنے والا ہے؟ کیا کوئی دعا کرنے والا ہے؟ یہاں تک کہ فجر ہو جاتی ہے۔ (صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 1771)

جَنّٰتِ عَدْنِ نِ الَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّهٗ کَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِیًّا ○
ایسے سدابہار باغات میں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غیب میں وعدہ کیا ہے، بیشک اس کا وعدہ پہنچنے ہی والا ہے۔

اہل جنت کیلئے سدابہار باغات ہونے کا بیان

"جَنَّات عَدْن" إقَامَة بَدَل مِنْ الْجَنَّة "الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمَن عِبَاده بِالْغَيْبِ" أَيْ غَائِبِينَ عَنْهَا "إنَّهُ كَانَ وَعْده" أَيْ مَوْعُوده "مَأْتِيًّا" بِمَعْنَى آتِيًا وَأَصْله مَأْتُوي أَوْ مَوْعُوده هُنَا الْجَنَّة يَأْتِيه أَهْله

ایسے سدابہار باغات میں رہیں گے۔ یہاں جنات عدن یہ جنت سے بدل ہے۔ جن کا خدائے رحمان نے اپنے بندوں سے غیب میں وعدہ کیا ہے، یعنی وہ جنت ان سے غائب ہے۔ بیشک اس کا وعدہ پہنچنے ہی والا ہے۔ یہاں پر مأتیا یہ اُتیا کے معنی میں ہے جو اصل میں ماٗتوی تھا۔ یا پھر اس جنت کے حقدار اس میں داخل ہوں گے۔

جن جنتوں میں گناہوں سے توبہ کرنے والے داخل ہوں گے یہ جنتیں ہمیشہ والی ہوں گی جن کا غائبانہ وعدہ ان سے ان کا رب کر چکا ہے ان جنتوں کو انہوں نے دیکھا نہیں لیکن تاہم دیکھنے سے بھی زیادہ انہیں ان پر یقین وایمان ہے بات بھی یہی ہے کہ اللہ کے وعدے اٹل ہوتے ہیں وہ حقائق ہیں جو سامنے آکر ہی رہیں گے۔ نہ اللہ وعدہ خلافی کرے نہ وعدے کو بدلے یہ لوگ وہاں ضرور پہنچائے جائیں گے اور اسے ضرور پائیں گے۔ ماتیا کے معنی اتیا کے بھی آتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ جہاں ہم جائیں وہ ہمارے پاس آہی گیا۔ جیسے کہتے ہیں مجھ پر پچاس سال آئے یا میں پچاس سال کو پہنچا۔ مطلب دونوں جملوں کا ایک ہی ہوتا ہے۔ ناممکن ہے کہ ان جنتوں میں کوئی لغو اور ناپسندیدہ کلام ان کے کانوں میں پڑے۔ صرف مبارک سلامت کی دھوم ہوگی۔ چاروں طرف سے اور خصوصا فرشتوں کی پاک زبانی یہی مبارک صدائیں کان میں گونجتی رہیں گی۔

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ○
وہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے مگر سلام، ان کے لئے ان کا رزق اس میں صبح وشام ہوگا۔

جنت میں اہل جنت کے سلام کا بیان

"لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا" مِنْ الْكَلَام "إلَّا" لَكِنْ يَسْمَعُونَ "سَلَامًا" مِنْ الْمَلَائِكَة عَلَيْهِمْ أَوْ مِنْ بَعْضهمْ عَلَى بَعْض "وَلَهُمْ رِزْقهمْ فِيهَا بُكْرَة وَعَشِيًّا" أَيْ عَلَى قَدْرهمَا فِي الدُّنْيَا وَلَيْسَ فِي الْجَنَّة نَهَار وَلَا لَيْل بَلْ ضَوْء وَنُور أَبَدًا

وہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے مگر ہر طرف سے سلام سنائی دے گا، یعنی فرشتوں یا ایک دوسرے کا سلام ان کو سنائی

دے گا۔ان کے لئے ان کا رزق اس میں صبح وشام میسر ہوگا۔یعنی دنیا کے حساب کے مطابق جنت میں دن رات نہیں ہوں گے بلکہ وہاں ہمیشہ نور رہوگا۔

امام احمد نے اس کی تفسیر میں کہا کہ جنت میں رات اور دن نہیں ہوں گے، صرف اجالا ہی اجالا اور روشنی ہی روشنی ہوگی۔ حدیث میں ہے۔ جنت میں داخل ہونے والے پہلے گروہ کی شکلیں چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گی، وہاں انہیں تھوک آئے گا نہ رینٹ اور بول وبراز۔ان کے برتن اور کنگھیاں سونے کی ہوں گی، ان کا بخور، خوشبودار (لکڑی) ہوگی۔ان کا پسینہ کستوری ہوگا۔ ہر جنتی کی دو بیویاں ہوں گی، ان کی پنڈلیوں کا گودا ان کے گوشت کے پیچھے نظر آئے گا، ان کے حسن جمال کی وجہ سے۔ان میں باہم بغض اور اختلاف نہیں ہوگا، ان کے دل، ایک دل کی طرح ہوں گے، صبح شام اللہ کی تسبیح کریں گے۔ (صحیح بخاری)

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝
یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو متقی ہوگا۔

اہل تقویٰ کیلئے جنت کی وراثت کا بیان

"تِلْكَ الْجَنَّة الَّتِي نُورِثُ" نُعْطِي وَنُنْزِل "مِنْ عِبَادنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا" بِطَاعَتِهِ ،

یہ وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے یعنی ان کو عطا کریں گے جو اطاعت کر کے متقی ہوگا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جنت والوں سے فرمائے گا اے جنت والو! جنتی عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں اور نیک بختی اور بھلائی تیرے ہی قبصہ مین ہے پھر اللہ فرمائے گا کیا تم راضی ہوگئے ہو جنتی عرض کریں گے اے پروردگار ہم کیوں راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے جو نعمتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں وہ نعمتیں تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائیں پھر اللہ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان نعمتوں سے بھی بڑھ کر اور نعمت عطا نہ کروں جنتی عرض کریں گے اے پروردگار ان سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی پھر اللہ فرمائے گا میں تم سے اپنی رضا اور خوشی کا اعلان کرتا ہوں اب اس کے بعد سے میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2639)

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝
اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر نہیں اتر سکتے، جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور
جو کچھ اس کے درمیان ہے۔اسی کا ہے، اور آپ کا رب کبھی بھی بھولنے والا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو کبھی بھی بھلانے والا نہیں ہے

وَنَزَلَ لَمَّا تَأَخَّرَ الْوَحْي أَيَّامًا وَقَالَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجِبْرِيل : مَا يَمْنَعك أَنْ تَزُورنَا أَكْثَر مِمَّا تَزُورنَا؟ "وَمَا نَتَنَزَّل إلَّا بِأَمْرِ رَبّك لَهُ مَا بَيْن أَيْدِينَا " أَيْ أَمَامنَا مِنْ أُمُور الْآخِرَة "وَمَا خَلْفنَا" مِنْ

أُمُور الدُّنْيَا "وَمَا بَيْن ذَلِكَ" أَيْ : مَا يَكُون فِي هَذَا الْوَقْت إِلَى قِيَام السَّاعَة أَيْ لَهُ عِلْم ذَلِكَ جَمِيعه "وَمَا كَانَ رَبّك نَسِيًّا" بِمَعْنَى نَاسِيًا أَيْ : تَارِكًا لَكَ بِتَأْخِيرِ الْوَحْي عَنْك،

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کچھ دنوں کیلئے وحی مؤخر ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے جبرائیل امین سے کہا کہ تمہیں کس چیز نے منع کیا کہ تم ہماری زیارت کرو اس سے بھی زیادہ جتنی زیارت تم کیا کرتے ہو۔

اور جبرائیل میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو کہ ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر زمین پر نہیں اتر سکتے، جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے یعنی ہمارے سامنے آخرت کے معاملات اور پیچھے دنیا کے امور ہوتے ہیں۔ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے سب اسی کا ہے، یعنی جو کچھ اس وقت سے قیامت کے دن تک ہے اس سب کا علم اسی کو ہے۔ اور آپ کا رب آپ کو کبھی بھی بھولنے والا نہیں ہے۔ یعنی تاخیر وحی کے سبب چھوڑنے والا نہیں ہے۔

سورہ مریم آیت ۶۴ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا اے جبرائیل تمہیں ہمارے پاس زیادہ مرتبہ آنے سے کیا چیز روکتی ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی ۔وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ) ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب تھا۔ (بخاری 4454، ابن کثیر 3۔(130)

اور مجاہد کہتے ہیں کہ فرشتے (جبرائیل) نے رسول اللہ کے پاس آنے سے دیر کر دی پھر آیا تو اس نے کہا شاید کہ میں دیر سے آیا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں تم دیر سے آئے ہو اس نے کہا میں کیوں نہ ایسا کروں حالانکہ آپ کے ساتھی مسواک نہیں کرتے، اپنے ناخن نہیں کاٹتے اور جوڑ صاف نہیں کرتے اور کہا۔ ہم تمہارے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ (نیسابوری 253، زاد المسیر 6۔249)

سورہ مریم آیت ۶۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ ہمارے پاس اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی، وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ، اور ہم تیرے رب کے حکم کے سوا نہیں اترتے اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے اور تیرا رب بھولنے والا نہیں) یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1103)

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا۠
جو آسمانوں کا اور زمین کا اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے، سو اس کی عبادت کر اور اس کی عبادت پر
خوب صابر رہ۔ کیا تو اس کا کوئی ہم نام جانتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا زمین وآسمان کا مالک کا بیان

هُوَ "رَبّ" مَالِك "السَّمٰوَات وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ " أَيْ : اِصْبِرْ عَلَيْهَا "هَلْ تَعْلَم لَهُ سَمِيًّا" مُسَمًّى بِذٰلِكَ ؟ لَا

جوآسمانوں کااورزمین کا مالک ہےاوران دونوں کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے،سواس کی عبادت کراوراس کی عبادت پر خوب صابر رہ۔کیا تواس کا کوئی ہم نام جانتا ہے؟یعنی جس کا ویسا نام ہوایسا ہرگز نہیں ہے۔

لفظ سمی کے مشہور معنے ہم نام کے ہیں اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ مشرکین اور بت پرستوں نے اگر چہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے انسانوں،فرشتوں پتھروں اور بتوں کوشریک کرڈالا تھااوران سب کواِلٰہ یعنی معبود کہتے تھے مگرکسی نے لفظ اللہ معبود باطل کا نام کبھی نہیں رکھا۔یہ ایک تکوینی اور تقدیری امر تھا کہ دنیا میں اللہ کے نام سے کوئی بت اور کوئی الٰہ باطل موسوم نہیں ہوااس لئے اس معنے کے اعتبار سے بھی مضمون آیت کا واضح ہے کہ دنیا میں اللہ کا کائی ہم نام نہیں۔اوراکثر مفسرین مجاہد،ابن جبیر،قتادہ،ابن عباس سے اس جگہ اس لفظ کے معنی مثل اور شبیہ کے منقول ہیں اس کا مطلب واضح ہے کہ صفات کمال میں اللہ تعالیٰ کا کائی مثیل و عدیل یا نظیر نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا۝ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ
اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا۝
اورانسان کہتا ہے کیا جب میں مرگیا تو کیا واقعی عنقریب مجھے زندہ کر کے نکالا جائے گا؟اور کیا انسان یادنہیں کرتا کہ
بے شک ہم نے ہی اسے اس سے پہلے پیدا کیا،جب کہ وہ کوئی چیز نہ تھا۔

آخرت کی زندگی کے برحق ہونے کا بیان

"وَيَقُول الْإِنْسَان" الْمُنْكِر لِلْبَعْثِ أُبَيّ ابْن خَلَف أَوْ الْوَلِيد بْن الْمُغِيرَة النَّازِل فِيهِ الْآيَة "أَئِذَا" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَة الثَّانِيَة وَتَسْهِيلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهَا بِوَجْهَيْهَا وَبَيْن الْأُخْرَى "مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَج حَيًّا" مِنْ الْقَبْر كَمَا يَقُول مُحَمَّد فَالِاسْتِفْهَام بِمَعْنَى النَّفْي أَيْ : لَا أَحْيَا بَعْد الْمَوْت وَمَا زَائِدَة لِلتَّأْكِيدِ وَكَذَا اللَّام وَرَدَّ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى :"أَوَلَا يَذْكُر الْإِنْسَان" أَصْله يَتَذَكَّر أُبْدِلَتْ التَّاء ذَالًا وَأُدْغِمَتْ فِي الذَّال وَفِي قِرَاءَة تَرْكهَا وَسُكُون الذَّال وَضَمّ الْكَاف "أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْل وَلَمْ يَكُ شَيْئًا" فَيَسْتَدِلّ بِالِابْتِدَاءِ عَلَى الْإِعَادَة،

اورانسان یعنی جومنکر بعث ابی بن خلف یا ولید بن مغیرہ جن کے بارے میں اس آیت میں حکم نازل ہوا ہے وہ کہتا ہے کیا جب میں مرگیا۔یہاں پرہمزہ ثانی کی تحقیق وتسہیل کے ساتھ اوران دونوں کے درمیان الف داخل کیا گیا ہے۔تو کیا واقعی عنقریب مجھے

زندہ کر کے نکالا جائے گا؟ یعنی قبر سے نکالا جائے گا جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ یہاں استفہام انکاری ہے۔ یعنی میں مرنے کے بعد زندہ نہ ہوں گا۔ یہاں ما زائدہ برائے تاکید ہے اسی طرح لا بھی زائدہ ہے۔ جس کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں رد ہے۔ اور کیا انسان یاد نہیں کرتا۔ یذکر اصل میں یتذکر تھا تو تاء کو ذال سے بدل کیا گیا ہے اور ذال کا ذال میں ادغام کیا گیا ہے۔ ایک قرأت میں اس ترک اور ذال کے سکون اور ضم کاف کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بے شک ہم نے ہی اسے اس سے پہلے پیدا کیا، جب کہ وہ کوئی چیز نہ تھا۔ یعنی ابتدائی خلق سے اس کے اعادہ سے استدلال کیا گیا ہے۔

سورہ مریم آیت ۶۵ کے شان نزول کا بیان

علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت ابی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی اس نے ایک بوسیدہ ہڈی پکڑ کر اسے اپنے ہاتھ سے توڑتے ہوئے کہا حضرت محمد ﷺ تمہارے بارے میں گمان کرتا ہے کہ تم مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔ (تفسیر زاد المسیر 6۔251)

دوبارہ زندہ ہونے کے برحق ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔

اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا برابری کرنے والا ہے اور عبداللہ ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے "اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔

(صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 19)

جو لوگ یہ فرماتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مرتبہ پیدا ہو کر مر جانے والوں اور اس دنیا سے اپنا وجود ختم کر دینے والوں کو دوبارہ حیات ملے اور نئی دنیا (آخرت) کے لئے ان کا وجود پھر عمل میں آئے یا اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے "بیٹا" ثابت کرتے ہیں اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسے عیسائیوں کا کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا یہودیوں کا کہنا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کی اولاد ہیں، درحقیقت فکر وعقیدہ کی بے راہ روی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا اور اس کی ذات پر بہتان باندھنا ہے۔ جھوٹ کی نسبت تو اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتابوں اور اپنے سچے پیغمبروں کے ذریعہ قیامت کی واضح خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ہر ذی روح کو مرنا ہے اور پھر آخرت میں دوبارہ زندہ ہو کر ایک نئی حیات پانا ہے جو ابدی ہوگی، اب اگر کوئی آدمی قیامت کا انکار کرتا ہے یا حیات بعد الموت کو ناممکن سمجھتا ہے تو دراصل وہ ظاہر کرتا ہے

کہ (نعوذ باللہ) اللہ جھوٹا ہے جس نے ان غلط باتوں کی ہمیں خبر دی ہے اسی طرح یہ تصور قائم کرنا اور کہنا کہ جو شخص ایک مرتبہ پیدا ہو کر ختم ہو چکا ہے وہ دوبارہ وجود نہیں پا سکتا، درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی صفت قادریت و خالقیت کا انکار کرنا ہے۔ ان نادانوں کی عقل میں یہ موٹی بات نہیں آتی کہ جو خالق کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود کا لباس پہنا سکتا ہے وہ اسی چیز کو جبکہ وہ ٹوٹ پھوٹ کر اپنا قلب کھو چکی ہو، دوبارہ قالب اور وجود عطا کیوں نہیں کر سکتا، محدود قدرت رکھنے والا انسان بھی کسی چیز کی تخلیق میں اگر کوئی دقت اور مشکل محسوس کرتا ہے تو پہلی مرتبہ کی تخلیق میں محسوس کرتا ہے جب کہ اسی چیز کو دوبارہ بنانا اس کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہوتا، پھر لامحدود طاقت قدرت رکھنے والے خلاق عالم کو اپنی کسی تخلیق کو دوبارہ وجود دینے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی ہے۔ واضح ہو کہ "پہلی مرتبہ" اور "دوسری مرتبہ" کی یہ تفصیل انسان کے اعتبار سے اور محض سمجھانے کے لئے ہے اس کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہرگز نہیں ہے وہ تو قادر مطلق ہے، کسی چیز کو پیدا کرنا نہ اس کے لئے پہلی مرتبہ مشکل ہے اور نہ دوسری مرتبہ۔ اللہ کے بارے میں بدگوئی کے ذریعہ اس کی ذات پر بہتان باندھنا اس اعتبار سے ہے کہ جب اس نے واضح طور پر بتایا ہے کہ وہ تنہا، بے نیاز اور بے کفو ہے اور یہ کہ نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے تو پھر کسی کو اس کا بیٹا بنانا اس کو کسی کا باپ بتانا اس کی ذات پر بہتان تراشی نہیں تو اور کیا ہے؟، یہ انسان کی ذہنی پستی اور فکر و خیال کی گراوٹ کی بات ہے کہ وہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کرے جس سے اس کی ذات پاک ہے، بے نیاز ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝
پس آپ کے رب کی قسم ہم ان کو اور شیطانوں کو ضرور جمع کریں گے پھر ہم ان کو جہنم کے گرد ضرور حاضر کر دیں گے
اس طرح کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے۔

جہنمی کو اس کے شیطان کے ساتھ زنجیر میں جکڑنے کا بیان

"فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ" أَيْ الْمُنْكِرِينَ لِلْبَعْثِ "وَالشَّيَاطِين" أَيْ نَجْمَع كُلًّا مِنْهُمْ وَشَيْطَانه فِي سِلْسِلَة "ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْل جَهَنَّم" مِنْ خَارِجهَا "جِثِيًّا" عَلَى الرُّكَب جَمْع جَاثٍ وَأَصْله جُثُوو أَوْ جُثُوي مِنْ جَثَا يَجْثُو أَوْ يَجْثِي لُغَتَانِ

پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان منکرین بعث کو اور شیطانوں کو قیامت کے دن ضرور جمع کریں گے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے شیطان کے ساتھ ایک ہی زنجیر میں جکڑ کر جمع کریں گے۔ پھر ہم ان سب کو جہنم کے گرد ضرور حاضر کر دیں گے اس طرح کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے۔ لفظ جثیا یہ جاث کی جمع اور اس کی اصل جثوو یا جثوی جو جثا یجثو یا یجثی دونوں لغات ہیں۔

جثیی، جاث کی جمع ہے جثا یجثو سے۔ جاثِ گھٹنوں کے بل گرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ حال ہے یعنی ہم دوبارہ انہیں

کو انہیں اور ان شیاطین کو بھی زندہ کریں گے جنہوں نے ان کو گمراہ کیا تھا یا جن کی وہ عبادت کرتے تھے پھر ان سب کو اس حال میں جہنم کے گرد جمع کر دیں گے کہ یہ محشر کی ہولناکیوں اور حساب کے خوف سے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوں گے، میرے لئے پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان نہیں ہے (یعنی مشکل اگر ہے تو پہلی مرتبہ پیدا کرنا نہ کہ دوسری مرتبہ) اور اس کا مجھے برا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے میری اولاد ہے، حالانکہ میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا اور نہ خود جنا گیا ہوں میرا کوئی ہمسر نہیں ہے۔ (صحیح بخاری، تفسیر سورہ اخلاص)

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝
پھر ہم ہر گروہ سے ایسے شخص کو ضرور چن کر نکال لیں گے جو ان میں سے رحمان پر سب سے زیادہ نافرمان و سرکش ہوگا۔
پھر ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں جھونکے جانے کے زیادہ سزاوار ہیں۔

سرکش و نافرمان لوگوں کیلئے دوزخ ہونے کا بیان

"ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ" فِرْقَةٍ مِنْهُمْ "أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا" جَرَاءَةً، "ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلٰى بِهَا" أَحَقُّ بِجَهَنَّمَ الْأَشَدُّ وَغَيْرُهُ مِنْهُمْ "صِلِيًّا" دُخُولًا وَاحْتِرَاقًا فَنَبْدَأُ بِهِمْ وَأَصْلُهُ صُلُوِيٌّ مِنْ صَلِيَ بِكَسْرِ اللَّامِ وَفَتْحِهَا،

پھر ہم ہر گروہ سے ایسے شخص کو ضرور چن کر نکال لیں گے جو ان میں سے خدائے رحمان پر سب سے زیادہ نافرمان و سرکش ہوگا۔ پھر ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں۔ یعنی ان کے دوزخ وغیرہ کے حقدار ہونے کو ہم جانتے ہیں۔ جو دوزخ میں جھونکے جانے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ یعنی جہنم میں دخول اور جلنے کے اعتبار سے ہم جانتے ہیں پس انہیں پھینک دیا جائے گا۔ صلیا اصل میں صلوی جو صلی سے ہے لام کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لننزعن ۔ مضارع جمع متکلم بلام تاکید نون ثقیلہ۔ نزع مصدر (باب ضرب) ہم ضرور کھینچ لیں گے۔ ہم ضرور الگ کر دیں گے۔ نزع الشیء کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی قرارگاہ سے کھینچ لینا۔ دل سے عداوت اور نفرت کو کھینچ لینے کے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً ونزعنا ما فی صدورهم من غل، اور جو کینے ان کے دلوں میں ہوں گے ہم ان سب کو نکال ڈالیں گے۔ اور چھین لینے کے معنی میں مثلاً وتنزع الملك ممن تشاء، اور تو چھین لیتا ہے بادشاہی جس سے تو چاہے۔

شیعۃ ۔ فرقہ ۔ گروہ ۔ الشیاع کے معنی منتشر ہونا اور تقویت دینے کے ہیں۔ الشیعۃ ۔ وہ لوگ جن سے انسان قوت حاصل کرتا ہے اور وہ اس کے اردگرد پھیلے رہتے ہیں۔ اس کی جمع شیع و اشیاع ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ہے وجعل اهلها شیعا، وہاں کے باشندوں کو گروہ در گروہ کر رکھا تھا۔ اور ولقد اهلکنا اشیاعکم، اور ہم تمہارے ہم مذہبوں کو ہلاک کر چکے ہیں۔

عتیا۔ عسا یعسوا (باب نصر) کا مصدر ہے۔ عُتی بھی مصدر ہے عات کی جمع بھی ہے جیسے جاث کی جمع جثی۔ مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ ہوگا: پھر ہم (چن چن کر) الگ کرلیں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو خدائے رحمٰن سے سرکشی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ عتیا۔ اشد کی تمیز ہے اس لئے منصوب ہے اشد افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ زیادہ سخت شدید تر۔ عات کی جمع کی صورت میں یہ حال ہے۔

گمراہ فرقوں کیلئے جہنم کی وعید کا بیان

لفظ شیعہ اصل لغت میں کسی خاص شخص یا خاص عقیدہ کے متبعین کو کہا جاتا ہے اس لئے بمعنی فرقہ بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور مراد آیت کی یہ ہے کہ کفار کے مختلف فرقوں میں جو سب سے زیادہ سرکش ہوگا اس کو ان سب میں ممتاز کر کے مقدم کیا جاوے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جہنم میں اس ترتیب سے داخل کیا جائے گا کہ جس کا جرم سب سے زیادہ ہوگا وہ سب سے پہلے اس کے بعد دوسرے اور تیسرے درجے کے مجرمین داخل جہنم کئے جاویں گے۔ (تفسیر مظہری، سورہ مریم، لاہور)

ان شیطانوں میں سے بھی ان کے سرغنوں اور لیڈروں کو الگ نکال لیں گے اور انہیں سب سے پہلے جہنم رسید کریں گے اور زیادہ سزا دیں گے۔ کیونکہ انہوں نے خود گمراہ ہونے کے علاوہ دوسروں کو بھی گمراہ کیا تھا۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝
اور تم میں سے جو بھی ہے اس پر وارد ہونے والا ہے۔ یہ ہمیشہ سے تیرے رب کے ذمے قطعی بات ہے، جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔

اہل جہنم کیلئے دوزخ کے فیصلے کا بیان

"وَاِنْ" اَیْ مَا "مِنْكُمْ" اَحَد "اِلَّا وَارِدُهَا" اَیْ دَاخِل جَهَنَّم "كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا" حَتَمَهُ وَقَضَى بِهِ لَا يَتْرُكهُ،

اور تم میں سے جو بھی ہے اس پر وارد ہونے والا ہے۔ یعنی جہنم میں داخل ہونے والا ہے۔ یہ ہمیشہ سے تیرے رب کے ذمے قطعی بات ہے، جس کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ وہ اس فیصلہ کو چھوڑے گا نہیں۔

سورہ مریم آیت ۷۱ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

سدی کہتے ہیں کہ میں نے مرہ ہمدانی سے اس آیت کی تفسیر پوچھی (وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، اور ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کا اس پر گذر نہ ہو اور یہ تیرے رب پر لازم مقرر کیا ہوا ہے)۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ دوزخ سے گذریں گے اور اپنے اعمال کے مطابق اس سے دور ہوں گے۔ چنانچہ پہلا گروہ بجلی کی چمک کی طرح گذر جائے گا۔ دوسرا گروہ ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی رفتار سے پھر اونٹ کے سوار کی طرح پھر انسان کی دوڑ کی مانند اور آخر میں چلنے والے کی طرح دوزخ سے گذریں گے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ شعبہ

اس حدیث کو سدی سے روایت کرتے ہوئے مرفوع نہیں کرتے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1104)

محبت وبغض میں معیار رکھنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے۔تو جبرائیل کو فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اسے محبت کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ آسمان والوں میں اس کا اعلان کرتا ہے اور پھر اس کی محبت زمین والوں کے دلوں میں اتار دی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے، وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، بےشک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے عنقریب ان کے لئے محبت پیدا کرے گا۔اور اگر اللہ تعالیٰ کسی سے بغض رکھتا ہے تو جبرائیل علیہ سے کہہ دیتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں اور وہ آسمانوں والوں میں اعلان کر دیتا ہے۔ پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس سے بغض پیدا کر دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار بھی اپنے والد سے وہ ابوصالح سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1106)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد طیالسی میں یہ بھی روایت ہے کہ اس کے مخاطب کفار ہیں۔عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ظالم لوگ ہیں اسی طرح ہم اس آیت کو پڑھتے تھے۔ یہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نیک بد سب وارد ہوں گے۔ دیکھو فرعون اور اس کی قوم کے لئے اور گناہگاروں کے لئے بھی ورود کا لفظ دخول کے معنی میں خود قرآن کریم کی دو آیتوں میں وارد ہے۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ مریم، بیروت)

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا٥
پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو ڈر گئے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

مشرکین کو گھٹنوں کے بل دوزخ میں چھوڑ دینے کا بیان

"ثُمَّ نُنَجِّی" مُشَدَّدًا وَمُخَفَّفًا "الَّذِینَ اتَّقَوْا" الشِّرْك وَالْكُفْر مِنْهَا "وَنَذَر الظَّالِمِینَ" بِالشِّرْكِ وَالْكُفْر "فِیهَا جِثِیًّا" عَلَى الرُّكَب،

پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو شرک وکفر کرنے سے ڈر گئے۔ یہاں ننجی یہ تشدید وتخفیف دونوں طرح آیا ہے۔اور ظالموں یعنی شرک وکفر کرنے والوں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے۔

کفار کیلئے دائمی عذاب ہونے کا بیان

عبدالرحمٰن کہتے ہیں مسلمان تو پل صراط سے گزر جائیں گے اور مشرک جہنم میں جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن بہت سے مرد عورت اس پر سے پھسل جائیں گے۔ پل صراط پر جانے کے بعد پرہیزگار تو پار ہوجائیں گے، ہاں کافر گنہگار اپنے

اپنے اعمال کے مطابق نجات پائیں گے۔ جیسے عمل ہوں گے اتنی دیر وہاں لگ جائے گی۔ پھر نجات یافتہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی سفارش کریں گے۔ ملائکہ شفاعت کریں گے اور انبیاء بھی۔ پھر بہت سے لوگ تو جہنم میں سے اس حالت میں سے نکلیں گے کہ آگ انہیں کھا چکی ہوگی مگر چہرے کی سجدہ کی جگہ بچی ہوئی ہوگی۔

پھر اپنے اپنے باقی ایمان کے حساب سے دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ جن کے دلوں میں بقدر دینار کے ایمان ہوگا وہ اول نکلیں گے، پھر اس سے کم والے، یہاں تک کہ رائی کے دانے کے برابر ایمان والے، پھر اس سے کم والے، پھر اس سے بھی کم والے، پھر وہ جس نے اپنی پوری عمر میں لا الہ الا اللہ کہہ دیا ہو گو کچھ بھی نیکی نہ کی ہو پھر تو جہنم میں وہی رہ جائیں گے جن پر ہمیشہ اور دوام لکھا جا چکا ہے۔ یہ تمام خلاصہ ہے ان احادیث کا جو صحت کے ساتھ آ چکی ہیں۔ پس پل صراط پر جانے کے بعد نیک لوگ پار ہو جائیں گے اور بدلوگ کٹ کٹ کر جہنم میں گر پڑیں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مریم، بیروت)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِيًّا ۝
اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے کہ
دونوں گروہوں میں سے کون مقام میں بہتر اور مجلس کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔

کفار کا اپنی مجلس و مکان کو اہل ایمان سے بہتر کہنے کا بیان

"وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ " أَيْ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ "آيَاتنَا" مِنْ الْقُرْآن "بَيِّنَات" وَاضِحَات حَال "قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيّ الْفَرِيقَيْنِ" نَحْنُ وَأَنْتُمْ "خَيْر مَقَامًا " مَنْزِلًا وَمَسْكَنًا بِالْفَتْحِ مِنْ قَامَ وَبِالضَّمِّ مِنْ أَقَامَ "وَأَحْسَن نَدِيًّا " بِمَعْنَى النَّادِي وَهُوَ مُجْتَمَع الْقَوْم يَتَحَدَّثُونَ فِيهِ يَعْنُونَ نَحْنُ فَنَكُون خَيْرًا مِنْكُمْ

اور جب ان پر یعنی اہل ایمان اور کفار پر ہماری واضح آیات یعنی قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے کہتے ہیں جو ایمان لائے کہ دونوں گروہوں میں سے کون مقام میں بہتر اور مجلس کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔ یہاں پر لفظ مقاما جب یہ میم کے فتح کے ساتھ ہو تو معنی قام ہے اور جب میم کے ضمہ کے ساتھ ہو تو معنی اقام ہے۔ اور ندیا بہ معنی نادی ہے یعنی وہ قوم کو جمع کرتا ہے جہاں قوم جمع ہو کر مشورہ کرتی ہے۔ تو کہنے لگے کہ ہم تم سے بہتر ہیں۔

کفار مکہ قرآن کی آیتیں سن کر جن میں ان کا برا انجام بتایا گیا ہے ہنستے اور بطور استہزا و تفاخر غریب مسلمانوں سے کہتے کہ تمہارے زعم کے مطابق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا وہ ہماری اور تمہاری موجودہ حالت اور دنیوی پوزیشن پر منطبق نہیں ہوتا۔ کیا آج ہمارے مکانات اور ساز و سامان تم سے بہتر نہیں اور ہماری مجلس (یا سوسائٹی) تمہاری سوسائٹی سے معزز نہیں۔ یقیناً ہم جو تمہارے نزدیک باطل پر ہیں تم اہل حق سے زیادہ خوشحال اور جتھے والے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ تم جنت میں جاؤ گے

اور ہم دوزخ میں؟

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْيًا ۝
اور ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے جو ساز و سامان میں اور دیکھنے میں کہیں اچھے تھے۔

کتنی کافر قوموں کی کفر کے سبب ہلاکت کا بیان

"وَكَمْ" أَيْ كَثِيرًا "أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْن" أَيْ أُمَّة مِنْ الْأُمَم الْمَاضِيَة "هُمْ أَحْسَن أَثَاثًا" مَالًا وَمَتَاعًا "وَرِئْيًا" مَنْظَرًا مِنْ الرُّؤْيَة فَكَمَا أَهْلَكْنَاهُمْ لِكُفْرِهِمْ نُهْلِك هَؤُلَاءِ

اور ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے۔ یعنی سابقہ قوموں میں کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے۔ جو ساز و سامان میں اور دیکھنے میں کہیں اچھے تھے۔ یعنی ظاہری حالت میں ان کفار سے کہیں زیادہ جاہ و جلال والے تھے۔ انہیں ہم نے کفر کے سبب ہلاک کر دیا اسی طرح ہم ان کافروں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔

یہ ان کی بات کا جواب دیا کہ پہلے ایسی بہت قومیں گزر چکی ہیں جو دنیا کے ساز و سامان اور شان و نمود میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ لیکن جب انہوں نے انبیاء کے مقابلہ میں سرکشی کی اور تکبر و تفاخر کو اپنا شعار بنا لیا، خدا تعالیٰ نے ان کی جڑ کاٹ دی اور دنیا کے نقشہ میں ان کا نشان بھی باقی نہ رہا۔ پس آدمی کو چاہیے کہ دنیا کی فانی ٹیپ ٹاپ اور عارضی بہار سے دھوکہ نہ کھائے۔ عموماً متکبر دولت مند ہی حق کو ٹھکرا کر نہنگ ہلاکت کا لقمہ بنا کرتے ہیں۔ مال اولاد یا دنیاوی خوشحالی مقبولیت اور حسن انجام کی دلیل نہیں۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ
اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۝
فرما دیجئے: جو شخص گمراہی میں مبتلا ہو تو رحمان اسے عمر و عیش میں خوب مہلت دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس چیز کو
دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ عذاب اور خواہ قیامت، تب وہ اس شخص کو جان لیں گے جو رہائش گاہ کے
اعتبار سے برا ہے اور لشکر کے اعتبار سے کمزور تر ہے۔

اہل ایمان کے بہتر و افضل ہونے کا بیان

"قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَة" شَرْط جَوَابه "فَلْيَمْدُدْ" بِمَعْنَى الْخَبَر أَيْ يَمُدّ "لَهُ الرَّحْمَن مَدًّا" فِي الدُّنْيَا يَسْتَدْرِجهُ "حَتَّى إذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إمَّا الْعَذَاب" كَالْقَتْلِ وَالْأَسْر "وَإِمَّا السَّاعَة" الْمُشْتَمِلَة عَلَى جَهَنَّم فَيَدْخُلُونَهَا "فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرّ مَكَانًا وَأَضْعَف جُنْدًا" أَعْوَانًا أَهُمْ أَمْ الْمُؤْمِنُونَ وَجُنْدهمْ الشَّيَاطِين وَجُنْد الْمُؤْمِنِينَ عَلَيْهِمْ الْمَلَائِكَة

فرما دیجئے: جو شخص گمراہی میں مبتلا ہو۔ یہ جملہ جواب شرط ہے۔ اور فلیمدد بہ معنی خبر ہے۔ تو خدائے رحمان بھی اسے عمر و عیش یعنی دنیا میں خوب مہلت دیتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے جس طرح قتل وقید ہے۔ خواہ عذاب اور خواہ قیامت، یعنی وہ جہنم پر مشتمل ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔ تب وہ اس شخص کو جان لیں گے جو رہائش گاہ کے اعتبار سے بھی برا ہے۔ یعنی وہ برے ہیں یا ہم اور لشکر کے اعتبار سے بھی کمزور تر ہے۔ یعنی ان کا لشکر شیطان یا اہل ایمان کی فوج جو فرشتے ہیں۔

مشرکین کے نظریہ کی مباہلہ کے انداز سے تردید کا بیان

ان کافروں کو جو تمہیں ناحق پر اور اپنے آپ کو حق پر سمجھ رہے ہیں اور اپنی خوش حالی اور فارغ البالی پر اطیمنان کئے بیٹھے ہوئے ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ گمراہوں کی رسی دراز ہوتی ہے انہیں اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے جب تک کہ قیامت نہ آ جائے یا ان کی موت نہ آ جائے۔ اس وقت انہیں پورا پتہ چل جائے گا کہ فی الواقع برا شخص کون تھا اور کس کے ساتھی کمزور تھے دنیا تو ڈھلتی چڑھتی چھاؤں ہے نہ خود اس کا اعتبار نہ اس کے سامان اسباب کا۔ یہ تو اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہیں گے۔ گویا اس آیت میں مشرکوں سے مباہلہ ہے جیسے یہودیوں سے سورہ جمعہ میں مباہلہ کی آیت ہے کہ آؤ ہمارے مقابلہ میں موت کی تمنا کرو۔ اسی طرح سورہ آل عمران میں مباہلے کا ذکر ہے کہ جب تم اپنے خلاف دلیلیں سن کر بھی عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کے مدعی ہو تو آؤ بال بچوں سمیت میدان میں جا کر جھوٹے پر اللہ کی لعنت پڑنے کی دعا کریں۔ پس نہ تو مشرکین مقابلے پر آئے نہ یہود کی ہمت پڑتی نہ نصرانی مرد میدان بنے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مریم، بیروت)

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا ۝
اور اللہ ان لوگوں کو جنھوں نے ہدایت پائی، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں
ثواب کے اعتبار سے بہتر اور انجام کے لحاظ سے کہیں اچھی ہیں۔

نیکیوں کے باقی رہ جانے کا بیان

"وَيَزِيد اللّٰه الَّذِينَ اهْتَدَوْا" بِالْإِيمَانِ "هُدًى" بِمَا يَنْزِل عَلَيْهِمْ مِنْ الْآيَات "وَالْبَاقِيَات الصَّالِحَات" هِيَ الطَّاعَة تَبْقَى لِصَاحِبِهَا "خَيْر عِنْد رَبّك ثَوَابًا وَخَيْر مَرَدًّا" أَيْ مَا يُرَدّ إلَيْهِ وَيَرْجِع بِخِلَافِ أَعْمَال الْكُفَّار وَالْخَيْرِيَّة هُنَا فِي مُقَابَلَة قَوْلهمْ أَيّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْر مَقَامًا

اور اللہ ان لوگوں کو جنھوں نے ہدایت یعنی ایمان پایا، ہدایت میں زیادہ کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے بہتر اور انجام کے لحاظ سے کہیں اچھی ہیں۔ کیونکہ وہ عبادت جو کرنے والے کیلئے باقی رہتی ہے۔ جو مومن کی طرف لوٹتی ہیں۔ جبکہ کفار کے اعمال نہیں۔ یہاں پر ان کے قول کے مقابلے میں خیریت ہے۔ یعنی دونوں گروہوں میں سے

اچھے مقام والا گروہ کونسا ہے۔

درخت کے پتوں کی طرح گناہوں کے جھڑ جانے کا بیان

عبدالرزاق میں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک درخت تلے بیٹھے ہوئے تھے اس کی شاخ پکڑ کر ہلائی تو سوکھے پتے جھڑنے لگے آپ نے فرمایا دیکھو اسی طرح انسان کے گناہ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر سبحان اللہ والحمد للہ کہنے سے جھڑتے ہیں اے ابودرداء ان کا ورد رکھ اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے کہ تو انہیں نہ کہہ سکے یہی باقیات صالحات ہیں یہی جنت کے خزانے ہیں اس کو سن کر حضرت ابودارداء کا یہ حال تھا کہ اس حدیث کو بیان فرما کر فرماتے کہ واللہ میں تو ان کلمات کو پڑھتا ہی رہوں گا کبھی ان سے زبان نہ روکوں گا گو لوگ مجھے مجنون کہنے لگیں۔ (مصنف عبدالرزاق)

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۝
کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا: مجھے مال و اولاد ضرور دیئے جائیں گے۔

قیامت کے دن قرض ادا کرنے والے کافر کا بیان

"أَفَرَأَيْت الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا" الْعَاصِ بْن وَائِل "وَقَالَ" لِخَبَّابِ بْنِ الْأَرَتّ الْقَائِل لَهُ تُبْعَث بَعْد الْمَوْت وَالْمُطَالِب لَهُ بِمَالٍ . "لَأُوتَيَنَّ" عَلَى تَقْدِير الْبَعْث "مَالًا وَوَلَدًا" فَأَقْضِيك،

کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا جو عاص بن وائل تھا۔ اور اس نے حضرت خباب بن ارت سے کہا کہ تم موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے تو اس وقت میں تمہیں مطلوبہ مال دے دوں گا۔ اور کہنے لگا: مجھے قیامت کے روز بھی اسی طرح مال و اولاد ضرور دیئے جائیں گے۔ لہٰذا میں تمہارا مال ادا کروں گا۔

سورہ مریم آیت ۷۷ کے سبب نزول کا بیان

حضرت خباب بن ارت کہتے ہیں کہ میں عاص بن وائل سے اپنا حق لینے کے لئے گیا تو وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں اس وقت تک تمہارا حق نہیں دوں گا جب تک تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کرو گے۔ میں نے کہا میں بھی ایسا نہیں کروں گا۔ یہاں تک کہ تم مر کر دوبارہ زندہ کر دیئے جاؤ۔ اس نے کہا کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگا وہاں میرا مال اور اولاد ہو گی لہٰذا میں وہیں تمہارا حق ادا کر دوں گا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا، کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی۔ ہناد بھی ابومعاویہ سے اور وہ اعمش سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1107)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں لوہار تھا اور میرا کچھ قرض عاص بن وائل کے ذمے تھا میں اس سے تقاضا

کرنے کو گیا تو اس نے کہا میں تو تیرا قرض اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک کہ تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے نہ نکل جائے میں نے کہا میں تو یہ کفر اس وقت تک بھی نہیں کر سکتا کہ تو مر کر دوبارہ زندہ ہو۔ اس کافر نے کہا بس تو پھر یہی رہی جب میں مرنے کے بعد زندہ ہوں گا تو ضرور مجھے میرا مال اور میری اولاد بھی ملے گی وہیں تیرا قرض بھی ادا کر دوں گا تو آ جانا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (بخاری ومسلم)

اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَ نَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝
وہ غیب پر مطلع ہے یا اس نے رحمان سے عہد لے رکھا ہے۔ ہرگز نہیں! اب ہم وہ سب کچھ لکھتے رہیں گے
جو وہ کہتا ہے اور اس کے لئے عذاب خوب بڑھاتے چلے جائیں گے۔

کفر میں سرکشی کے سبب عذاب میں اضافہ ہونے کا بیان

"أَطَّلَعَ الْغَيْبَ" أَيْ أَعَلِمَهُ وَأَنْ يُؤْتَى مَا قَالَهُ وَاسْتُغْنِيَ بِهَمْزَةِ الِاسْتِفْهَام عَنْ هَمْزَة الْوَصْل فَحُذِفَتْ "أَمْ اتَّخَذَ عِنْد الرَّحْمَن عَهْدًا" بِأَنْ يُؤْتَى مَا قَالَهُ، "كَلَّا" أَيْ لَا يُؤْتَى ذَلِكَ "سَنَكْتُبُ" نَأْمُر بِكَتْبِ "مَا يَقُول وَنَمُدّ لَهُ مِنْ الْعَذَاب مَدًّا" نَزِيدهُ بِذَلِكَ عَذَابًا فَوْق عَذَاب كُفْره،

وہ غیب پر مطلع ہے یعنی غیب کا علم رکھتا ہے کہ اسی وہی دیا جائے گا جس طرح اس نے کہا ہے۔ یہاں ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصلی کی ضرورت نہیں رہی۔ لہٰذا اس کو حذف کر دیا گیا۔ یا اس نے خدائے رحمان سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔ کہ اس کو کہا ہوا مال دیا جائے گا۔

ایسا ہرگز نہیں کہ اسے مال دیا جائے اب ہم وہ سب کچھ لکھتے رہیں گے یعنی لکھنے کا حکم دے رکھا ہے۔ جو وہ کہتا ہے اور اس کے لئے عذاب پر عذاب خوب بڑھاتے چلے جائیں گے۔ یعنی اس کے کفر کے سبب عذاب پر عذاب کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔

ایک روایت میں ہے کہ میں نے مکے میں اس کی تلوار بنائی تھی اس کی اجرت میری ادھار تھی۔ فرماتا ہے کہ کیا اسے غیب کی خبر مل گئی؟ یا اس نے اللہ رحمان سے کوئی قول قرار لے لیا؟ اور روایت میں ہے کہ اس پر میرے بہت سے درہم بطور قرض کے چڑھ گئے اس لئے مجھے جو جواب دیا میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اس پر یہ آیتیں آتری اور روایت میں ہے کہ کئی ایک مسلمانوں کا قرض اس کے ذمے تھا ان کے تقاضوں پر اس نے کہا کہ کیا تمہارے دین میں یہ نہیں کہ جنت میں سونا چاندی ریشم پھل پھول وغیرہ ہوں گے؟ ہم نے کہا ہاں ہے تو کہا بس تو یہ چیزیں مجھے ضرور ملیں گی میں وہیں تم سب کو دے دوں گا۔

وَّ نَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَ يَاْتِيْنَا فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝
اور ہم اس کے وارث ہوں گے ان چیزوں میں جو یہ کہہ رہا ہے اور یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا۔ اور انہوں نے اللہ کے سوا
اور معبود بنا لیے، تاکہ وہ ان کے لیے باعث عزت ہوں۔

کفار کا بتوں کو سفارش کیلئے معبود بنا لینے کا بیان

"وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ" "مِنَ الْمَالِ وَالْوَلَد" "وَيَأْتِينَا" يَوْم الْقِيَامَة "فَرْدًا" لَا مَال لَهُ وَلَا وَلَد، "وَاتَّخَذُوا" أَيْ كُفَّار مَكَّة "مِنْ دُون اللَّه" أَيْ: الْأَوْثَان "آلِهَة" يَعْبُدُونَهُمْ "لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا" شُفَعَاء عِنْد اللَّه بِأَنْ لَا يُعَذَّبُوا

اور ہم اس کے مال واولاد کے وارث ہوں گے ان چیزوں میں جو یہ کہہ رہا ہے اور یہ اکیلا قیامت کے دن ہمارے پاس آئے گا۔ جبکہ اس کا مال واولاد اس کے پاس نہ ہوگی۔

اور انہوں نے یعنی کفار مکہ نے اللہ کے سوابت معبود بنا لیے، تا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کے لیے باعث عزت یعنی سفارش کریں تا کہ انہیں عذاب ہو۔

کافروں کا خیال ہے کہ ان کے اللہ کے سوا اور معبود ان کے حامی مددگار رہوں گے۔ غلط خیال ہے بلکہ محال ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس اور بالکل برعکس ہے ان کی پوری محتاجی کے دن یعنی قیامت میں یہ صاف منکر ہو جائیں گے اور اپنے عابدوں کے دشمن بن کر کھڑے ہوں گے۔ جیسے فرمایا ان سے بڑھ کر بدراہ اور گم کردہ راہ کون ہے جو اللہ کو چھوڑ کر انہیں پکار رہا ہے جو قیامت تک جواب نہ دے سکیں ان کی دعا سے بالکل غافل ہوں اور روز محشر ان کے دشمن بن جائیں اور ان کی عبادت کا بالکل انکار کر جائیں۔ کلا کی دوسری قرأت کل بھی ہے خود یہ کفار بھی اس دن اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ کا انکار کر جائیں گے۔ یہ سب عابد و معبود جہنمی ہوں گے، ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ وہ اس پر یہ اس پر لعنت وپھٹکار کرے گا، ہر ایک دوسرے پر ڈالے گا، ایک دوسرے کو برا کہے گا، سخت تر جھگڑے پڑیں گے، سارے تعلقات کٹ جائیں گے، ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے۔ مدد تو کہاں مروت تک نہ ہوگی۔ معبود عابدوں کے لئے اور عابد معبودوں کے لئے بلائے بیدرماں حسرت بے پایاں ہو جائیں گے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ان کافروں کو ہر وقت شیاطین نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے۔

مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں، آرزوئیں بڑھاتے ہیں، طغیان اور سرکشی میں آگے کرتے رہتے ہیں جیسے فرمان ہے کہ ذکر رحمان سے منہ موڑنے والے شیطان کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ تو جلدی نہ کر ان کے لئے کوئی بددعا نہ کر ہم نے خود عمداً انہیں ڈھیل دے رکھی ہے انہیں بڑھتا رہنے دے آخر وقت مقررہ پر دبوچ لئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے انہیں تو کچھ یونہی سی ڈھیل ہے جس میں ہی اپنے گناہوں میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں آخر سخت عذابوں کی طرف بےبسی کے ساتھ جا پڑیں گے تم فائدہ حاصل کر لو لیکن یاد رکھو کہ تمہارا اصلی ٹھکانا دوزخ ہی ہے۔ ہم ان کے سال کے مہینے دن اور وقت شمار کر رہے ہیں ان کے سانس بھی ہمارے گنے ہوئے ہیں مقررہ وقت پورا ہوتے ہی عذابوں میں پھنس جائیں گے۔

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝

ہرگز ایسا نہ ہوگا، عنقریب وہ ان کی عبادت کا انکار کردیں گے اور ان کے خلاف مدمقابل ہوں گے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر بھیجا ہے وہ انہیں ہروقت اکساتے رہتے ہیں۔

معبودان باطلہ کا عذاب الٰہی سے نہ بچا سکنے کا بیان

"كَلَّا" أَيْ لَا مَانِعَ مِنْ عَذَابِهِمْ "سَيَكْفُرُونَ" أَيْ الْآلِهَة "بِعِبَادَتِهِمْ" أَيْ يَنْفُونَهَا كَمَا فِي آيَة أُخْرَى "مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ" "وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا" أَعْوَانًا وَأَعْدَاء، "أَلَمْ تَرَى أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِين" أَيْ سَلَّطْنَاهُمْ "عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ" تُهَيِّجهُمْ إِلَى الْمَعَاصِي

ہرگز ایسا نہ ہوگا، یعنی ان کو کوئی عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔ عنقریب وہ ان کی یعنی معبودان باطلہ کی عبادت کا انکار کردیں گے یا اس کی انکار کریں گے۔ جس طرح دوسری آیت میں آیا ہے۔ کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور ان کے خلاف مدمقابل ہوں گے۔ یعنی ان کے دشمن ہوں گے۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر بھیجا ہے یعنی ان کافروں پر مسلط کردیا ہے۔ وہ انہیں ہروقت معصیت کی جانب اکساتے رہتے ہیں۔

یعنی یہ خودتراشیدہ بت اور معبود باطل جن کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ یہ ان کے مددگار ثابت ہوں گے محشر میں اس کے برعکس یہ ان کے دشمن ہوجاویں گے اللہ تعالیٰ ان کو نطق وزبان عطا فرماویں گے اور یہ بولیں گے کہ یا اللہ ان کو عذاب وسزا دیجئے کہ انہوں نے تجھ کو چھوڑ کر ہمیں معبود بنالیا تھا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مریم، بیروت)

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ۝

پس آپ ان پر جلدی نہ کریں، ہم تو خود ہی ان کے لئے دن شمار کرتے رہتے ہیں۔ جس دن ہم پرہیزگاروں کو جمع کر کے رحمان کے حضور سواریوں پر لے جائیں گے۔

عذاب کیلئے کفار کے دن رات اور سانسوں کے شمار ہوچکنے کا بیان

"فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ" بِطَلَبِ الْعَذَاب "إِنَّمَا نَعُدّ لَهُمْ" الْأَيَّام وَاللَّيَالِي أَوْ الْأَنْفَاس "عَدًّا" إِلَى وَقْت عَذَابهمْ

اذْكُرْ "يَوْم نَحْشُر الْمُتَّقِينَ" اُذْكُرْ يَوْم نَحْشُر الْمُتَّقِينَ بِإِيمَانِهِمْ "إِلَى الرَّحْمَن وَفْدًا" جَمْع وَافِد

29

بِمَعْنَی : رَاکِب،

پس آپ ان پر عذاب کے لئے جلدی نہ کریں ہم تو خود ہی ان کے انجام کے لئے دنوں اور راتوں یا سانسوں کو وقت عذاب کیلئے شمار کرتے رہتے ہیں۔

آپ یاد کریں جس دن ہم پرہیزگاروں کو ان کے ایمانوں کے ساتھ جمع کر کے خدائے رحمان کے حضور معزز مہمانوں کی طرح سواریوں پر لے جائیں گے۔ یہاں وفدا جو وافد کی جمع ہے جس کا راکب ہے۔

اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا،

مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے عذاب کے بارے میں جلدی نہ کریں وہ تو عنقریب ہونے ہی والا ہے کیونکہ ہم نے ان کو گنے چنے ایام اور جو مدت دنیا میں رہنے کی دی ہے وہ بہت جلدی پوری ہونے والی ہے اس کے بعد عذاب ہی عذاب ہے نَعُدُّ لَهُمْ، یعنی ہم ان کیلئے شمار کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کوئی چیز آزاد نہیں ان کی عمر کے دن رات گنے ہوئے ہیں، ان کے سانس، ان کی نقل و حرکت کا ایک ایک قدم، ان کی لذات ان کی زندگی کا ایک ایک لحظہ ہم گن رہے ہیں، یہ گنتی پوری ہوتے ہی ان پر عذاب ٹوٹ پڑے گا۔ مامون رشید نے ایک مرتبہ سورہ مریم پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے تو حاضرین مجلس جو علماء فقہاء تھے ان میں سے ابن سماک کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے متعلق کچھ کہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ جب ہماری سانس گنے ہوئے ہیں ان پر زیادتی نہیں ہوسکتی تو یہ کس قدر جلد ختم ہو جائیں گے اسی کو بعض شعراء نے کہا ہے۔

حیاتك انفاس تعد فکلما مضی نفس منك انتقصت به جزء اً

یعنی تیری زندگی کے سانس گنے ہوئی ہیں، جب ایک سانس گزرتا ہے تو تیری زندگی کا ایک جز کم ہو جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ انسان دن رات میں چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مریم، بیروت)

حشر میں اہل ایمان کو جمع کرنے کا بیان

جو لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان لائے، پیغمبروں کی تصدیق کی، اللہ کی فرمانبرداری کی، گناہوں سے بچے رہے، پروردگار کا ڈر دل میں رکھا وہ اللہ کے ہاں بطور معزز مہمانوں کے جمع ہوں گے نورانی سانڈنیوں کی سواری پر آئیں گے اور خدائی مہمان خانے میں بہ عزت داخل کئے جائیں گے۔ ان کے برخلاف اللہ سے خوف نہ کھانے والے، گنہگار، رسولوں کے دشمن، دھکے کھا کھا کر اوندھے منہ گھسیٹتے ہوئے پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے جبراً قہراً جہنم کے پاس جمع کئے جائیں گے۔ اب بتلاؤ کہ کون مرتبے والا اور کون اچھے ساتھیوں والا ہے؟

مومن اپنی قبر سے منہ اٹھا کر دیکھے گا کہ اس کے سامنے ایک حسین خوبصورت شخص پاکیزہ پوشاک پہنے خوشبو سے مہکتا چمکتا دمکتا چہرہ لئے کھڑا ہے پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا آپ نے پہچانا نہیں میں تو آپ کے نیک اعمال کا مجسمہ ہوں آپ کے عمل نورانی حسین اور مہکتے ہوئے تھے آیئے اب آپ کو میں اپنے کندھوں پر چڑھا کر بہ عزت و اکرام محشر میں لے چلوں گا کیونکہ دنیا کی زندگی

میں میں آپ پر سوار رہا ہوں۔ پس مومن اللہ کے پاس سواری پر سوار جائے گا۔ ان کی سواری کے لئے نورانی اونٹ بھی مہیا ہوں گے۔ یہ سب ہنسی خوشی آبرو عزت کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وفد کا یہ دستور ہی نہیں کہ وہ پیدل آئے۔ یہ متقی حضرات ایسی نورانی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے کہ مخلوق کی نگاہوں میں ان سے بہتر کوئی سواری کبھی نہیں آئی۔ ان کے پالان سونے کے ہوں گے۔ یہ جنت کے دروازوں تک ان ہی سواریوں پر جائیں گے۔ ان کی نکیلیں زبرجد کی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم کی روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میں نے اس آیت کی تلاوت کی اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفد تو سواری پر سوار آیا کرتا ہے آپ نے فرمایا قسم اس اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ پارسا لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور اسی وقت سفید رنگ نورانی پردار اونٹنیاں اپنی سواری کے لئے موجود پائیں گے جن پر سونے کے پالان ہوں گے جن کے پیروں سے نور بلند ہو رہا ہوگا جو ایک ایک قدم اتنی دور رکھیں گے جہاں تک نگاہ کام کرے یہ ان پر سوار ہو کر ایک جنتی درخت کے پاس پہنچیں گے جہاں سے دو نہریں جاری دیکھیں گے ایک کا پانی پئیں گے جس سے ان کے دلوں کے میل دور ہو جائیں گے دوسری میں غسل کریں گے جس سے ان کے جسم نورانی ہو جائیں گے اور بال جم جائیں گے اسکے بعد نہ کبھی ان کے بال الجھیں نہ جسم میلے ہوں ان کے چہرے چمک اٹھیں گے اور یہ جنت کے دروازے پر پہنچیں گے۔ سرخ یاقوت کا حلقہ سونے کے دروازے پر ہوگا جسے یہ کھٹکھٹائیں گے نہایت سریلی آواز اس سے نکلے گی اور حوروں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے خاوند آگئے خازن جنت آئیں گے اور دروازے کھولیں گے جنتی ان کے نورانی جسموں اور شگفتہ چہروں کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا چاہیں گے لیکن وہ فوراً کہہ اٹھے گا کہ میں تو آپ کا تابع ہوں آپ کا حکم بردار ہوں اب ان کے ساتھ یہ چلیں گے۔ ان کی حوریں تاب نہ لاسکیں گی اور خیموں سے نکل کر ان سے چمٹ جائیں گی اور کہیں گی کہ آپ ہمارے سرتاج ہیں ہمارے محبوب ہیں میں ہمیشہ آپ کی والی ہوں جو موت سے دور ہوں میں نعمتوں والی ہوں کہ کبھی میری نعمتیں ختم نہ ہوں گی میں خوش رہنے والی ہوں کہ کبھی نہ روٹھوں گی میں یہیں رہنے والی ہوں کہ کبھی آپ سے دور نہ ہوؤں گی۔ یہ اندر داخل ہوں گے دیکھیں گے کہ سو سو گز بلند بالا خانے ہیں لولو اور موتیوں پر زرد سرخ سبز رنگ کی دیواریں سونے کی ہیں۔

ہر دیوار ایک دوسرے کی ہم شکل ہے ہر مکان میں ستر تخت ہیں ہر تخت پر ستر حوریں ہیں ہر حور پر ستر جوڑے ہیں تاہم ان کی کمر جھلک رہی ہے ان کے جماع کی مقدار دنیا کی پوری ایک رات کے برابر ہوگی۔ صاف شفاف پانی کی، خالص دودھ کی جو جانوروں کے تھن سے نہیں نکلا، بہترین خوش ذائقہ بیضرر شراب طہور کی جسے کسی انسان نے نہیں نچوڑا، عمدہ خالص شہد کی جو مکھیوں کے پیٹ سے نہیں نکلا، نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ پھلدار درخت میووں سے لدے ہوئے جھوم رہے ہوں گے۔ چاہے کھڑے کھڑے میوے توڑ لیں چاہے بیٹھے بیٹھے چاہے لیٹے لیٹے۔ سبز و سفید پرنج اڑ رہے ہیں جس کے گوشت کھانے کو جی چاہا وہ خود بخود حاضر ہو گیا جہاں کا گوشت کھانا چاہا کھا لیا اور پھر وہ قدرت الٰہی سے زندہ چلا گیا۔ چاروں طرف سے فرشتے آرہے ہیں اور سلام کہہ رہے ہیں اور بشارتیں سنا رہے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو یہی وہ جنت ہے جس کی تم خوشخبریاں دیے جاتے رہے اور آج اس کے مالک بنا دئے گئے۔

وہ یہ ہے بدلہ ہے تمہارے نیک اعمال کا جو تم دنیا میں کرتے رہے۔ان کی حوروں میں سے اگر کسی کا ایک بال بھی زمین پر ظاہر کر دیا جائے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مریم، بیروت)

وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۝
اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے ہانک کر لے جائیں گے۔وہ سفارش کے مالک نہ ہوں گے
مگر جس نے رحمان کے ہاں کوئی عہد لے لیا۔

مجرمین کو کفر کے سبب پیاسہ جہنم میں ڈال دینے کا بیان

"وَنَسُوق الْمُجْرِمِينَ" بِكُفْرِهِمْ "إِلَى جَهَنَّم وِرْدًا" جَمْع وَارِد بِمَعْنَى مَاشٍ عَطْشَان، "لَا يَمْلِكُونَ" أَيْ النَّاس "الشَّفَاعَة إِلَّا مَنْ اتَّخَذَ عِنْد الرَّحْمَن عَهْدًا" أَيْ شَهَادَة أَنْ لَا إِلَه إِلَّا اللَّه وَلَا حَوْل وَلَا قُوَّة إِلَّا بِاَللَّهِ،

اور مجرموں کو ان کے کفر کے سبب جہنم کی طرف پیاسے ہانک کر لے جائیں گے۔وردا یہ وارد کی جمع ہے جس کا معنی چلنا یعنی پیاسہ چلنا ہے۔

وہ سفارش کے مالک نہ ہوں گے مگر جس نے رحمان کے ہاں کوئی عہد لے لیا۔یعنی صرف وہ جس نے ''لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاَللَّهِ'' کا عہد لے رکھا ہے۔

زنجیروں کے جکڑے مجرمین کو جہنم میں ڈالنے کا بیان

گنہگار لوگ اوندھے منہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے جانوروں کی طرح دھکے دے کر جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے اس وقت پیاس کے مارے ان کی حالت بری ہو رہی ہوگی۔کوئی ان کی شفاعت کرنے والا ان کے حق میں ایک بھلا لفظ نکالنے والا نہ ہوگا مومن تو ایک دوسروں کی شفاعت کریں گے لیکن یہ بدنصیب اس سے محروم ہیں یہ خود کہیں گے کہ (فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ، الشعراء:100) ہمارا کوئی سفارشی نہیں نہ سچا دوست ہے۔ہاں جنہوں نے اللہ سے عہد لے لیا ہے یہ استثنا منقطع ہے۔مراد اس عہد سے اللہ کی توحید کو گواہی اور اس پر استقامت ہے یعنی صرف اللہ کی عبادت، دوسروں کی پوجا سے بیزاری اور لاتعلقی، صرف اسی سے مدد کی امید، تمام آرزوں کے پورا ہونے کی اسی سے آس۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان موحدین نے اللہ کا وعدہ حاصل کر لیا ہے۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس سے میرا عہد ہے وہ کھڑا ہو جائے۔لوگوں نے کہا حضرت ہمیں بھی وہ بتا دیجئے آپ نے فرمایا یوں کہو (اللّٰهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة فانى اعهد اليك فى هذه الحيوة الدنيا انك ان تكلنى الى عمل يقبنى من الشر ويباعدنى من الخير وانيلا اثق الا برحمتك فاجعل لى عندك عهدا توديه لى يوم القيامة انك لا تخلف الميعاد) اور روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے خائفا

مستجیرا مسغفرا راھبا راغبا لیک .(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مریم، بیروت)

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا٥ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا٥

اور انہوں نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنالی ہے۔ بلاشبہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات کو آئے ہو۔

یہود و نصاریٰ کے انتہائی برے نظریے کا بیان

"وَقَالُوا" أَيْ الْيَهُود وَالنَّصَارَى ،اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ الْمَلَائِكَة بَنَات اللّٰه ، "لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا" أَيْ مُنْكَرًا عَظِيمًا

اور انہوں نے یعنی یہود و نصاریٰ نے کہا رحمان نے کوئی اولاد بنالی ہے۔ یعنی ان کا نظریہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں بلاشبہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات کو آئے ہو۔ یعنی بہت بڑی ناپسندیدہ بات کہہ آئے ہو۔

بہت آدمیوں نے تو غیر اللہ کو معبود ہی ٹھہرایا تھا، لیکن ایک جماعت وہ ہے جس نے خدا تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کی۔ مثلاً نصاریٰ نے مسیح علیہ السلام کو۔ بعض یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور بعض مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ العیاذ باللہ۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا٥

آسمان قریب ہیں کہ اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں۔

اللہ تعالیٰ کی توہین پر زمین و آسمانوں کے پھٹ کر بہ طور سزا گرنے کا بیان

"تَكَاد" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "السَّمَوَات يَتَفَطَّرْنَ " بِالتَّاءِ وَتَشْدِيد الطَّاء بِالِانْشِقَاقِ وَفِي قِرَاءَة بِالنُّونِ "مِنْهُ وَتَنْشَقّ الْأَرْض وَتَخِرّ الْجِبَال هَدًّا" أَيْ تَنْطَبِق عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْل "أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا"

لفظ تکاد یہ تاء اور یاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ آسمان قریب ہیں کہ اس سے پھٹ پڑیں۔ یتفطرن یہ تاء اور طاء کی تشدید کے ساتھ آیا ہے جس کا معنی پھٹنا ہے۔ اور ایک قرأت میں نون کے ساتھ آیا ہے۔ اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر پڑیں۔ یعنی ان کے اوپر گر جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے رحمان کیلئے اولاد مانی ہے۔

شرک کا بڑا گناہ ہونے کا بیان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے باپ کے بغیر اپنے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے بطن سے پیدا کیا ہے۔ اس لئے یہاں ان لوگوں کی نادانی بیان ہو رہی ہے جو آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ جس سے ذات الٰہی پاک ہے۔ ان کے قول کو بیان فرمایا۔ پھر فرمایا یہ بڑی بھاری بات ہے ادا اور ادا تینوں لغت ہیں لیکن مشہور ادا ہے۔ ان کی یہ بات اتنی بری ہے کہ آسمان کپکپا کر ٹوٹ پڑے اور زمین جھٹکے لے لے کر پھٹ جائے۔ اس لئے کہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت جانتی

ہے، ان میں رب کی توحید سمائی ہوئی ہے انہیں معلوم ہے کہ ان بدکار بے سمجھ انسانوں نے اللہ کی ذات پر تہمت باندھی ہے نہ اس کی جنس کا کوئی نہ اس کی ماں نہ اولاد نہ اس کے شریک نہ اس جیسا کوئی۔ تمام مخلوق اس کی وحدانیت کی شاہد ہے کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کی توحید پر دلالت کرنے والا ہے۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والوں کے شرک سے ساری مخلوق کانپ اُٹھتی ہے۔ قریب ہوتا ہے کہ انتظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ شرک کے ساتھ کوئی نیکی کارآمد نہیں ہوتی۔ کیا عجب کہ اس کے برعکس توحید کے ساتھ کے گناہ کل کے کل اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔ جیسے کہ حدیث میں ہے اپنے مرنے والوں کو لا الہ اللہ کی تلقین کرو۔ موت کے وقت جس نے اسے کہہ لیا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس نے زندگی میں کہہ لیا؟ فرمایا اس کے لئے اور زیادہ واجب ہوگئی۔ قسم اللہ کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ زمین وآسمان اور ان کی اور ان کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی تمام چیزیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الہ الا اللہ کی شہادت دوسرے پلڑے میں رکھی جائے تو وہ ان سب سے وزن میں بڑھ جائے

اسی کی مزید دلیل وہ حدیث ہے جس میں توحید کے ایک چھوٹے سے پرچے کا گناہوں کے بڑے بڑے دفتروں سے وزنی ہو جانا آیا ہے واللہ اعلم۔ پس ان کا یہ مقولہ اتنا بد ہے جسے سن کر آسمان بوجہ اللہ کی عظمت کے کانپ اٹھے اور زمین بوجہ غضب کے پھٹ جائے اور پہاڑ پاش پاش ہو جائیں۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا آج کوئی ایسا شخص بھی تجھ پر چڑھا جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو؟ وہ خوشی سے جواب دیتا ہے کہ ہاں۔ پس پہاڑ بھی باطل اور جھوٹ بات کو اور بھلی بات کو سنتے ہیں اور کلام نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب زمین کو اور اس کے درختوں کو پیدا کیا تو ہر درخت ابن آدم کو پھل پھول اور نفع دیتا تھا مگر جب زمین پر رہنے والے لوگوں نے اللہ کے لئے اولاد کا لفظ بولا تو زمین ہل گئی اور درختوں میں کانٹے پڑ گئے۔ کعب کہتے ہیں ملائکہ غضبناک ہو گئے اور جہنم زور شور سے بھڑک اٹھی۔ (جامع البیان، سورہ مریم، بیروت)

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝
اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝
حالانکہ رحمان کے لائق نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں۔
وہ اللہ کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی اولاد نہ ہونے کا بیان

"وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذ وَلَدًا" أَيْ مَا يَلِيق بِهِ ذَلِكَ "إِنْ" أَيْ مَا "كُلّ مَنْ فِي السَّمَوَات

وَالْأَرْض إِلَّا آتِي الرَّحْمَن عَبْدًا" ذَلِيلًا خَاضِعًا يَوْم الْقِيَامَة مِنْهُمْ عُزَيْر وَعِيسَى

حالانکہ رحمان کے لائق نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔یعنی جو اس کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔یہاں پر ان ،ماء کے معنی میں ہے آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی آباد ہیں وہ اللہ کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں۔جن میں حضرت عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام بھی ہیں۔

مسند احمد میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ لوگوں کی ایذاء دہندہ باتوں پر اللہ سے زیادہ صابر کوئی نہیں۔لوگ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اس کی اولادیں مقرر کرتے ہیں اور وہ انہیں عافیت دے رہا ہے، روزیاں پہنچا رہا ہے، برائیاں ان سے ٹالتا رہتا ہے۔پس ان کی اس بات سے کہ اللہ کی اولاد ہے زمین وآسمان اور پہاڑ تک تنگ ہیں اللہ کی عظمت وشان کے لائق نہیں کہ اس کے ہاں اولاد ہو۔اس کے لڑکے لڑکیاں ہوں اس لئے کہ تمام مخلوق اس کی غلامی میں ہے اس کی جوڑ کا یا اس جیسا کوئی اور نہیں زمین وآسمان میں جو ہیں سب اس کے زیر فرمان اور حاضر باش غلام ہیں وہ سب کا آقا سب کا پالنہار سب کا خبر لینے والا ہے۔سب کی گنتی اس کے پاس ہے سب کو اس کے علم نے گھیر رکھا ہے سب اس کی قدرت کے احاطے میں ہیں۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّاo وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًاo
بلاشبہ یقیناً اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور انہیں خوب اچھی طرح گن کر شمار کر رکھا ہے۔اور ان میں سے
ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔

قیامت کے دن سب کفار کو حاضر کیا جانے کا بیان

"لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا" فَلَا يَخْفَى عَلَيْهِ مَبْلَغ جَمِيعهمْ وَلَا وَاحِدٌ مِنْهُمْ "وَكُلّهمْ آتِيه يَوْم الْقِيَامَة فَرْدًا" بِلَا مَال وَلَا نَصِير لَهُ،

بلاشبہ یقیناً اس نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے۔اور انہیں خوب اچھی طرح گن کر شمار کر رکھا ہے۔یعنی اس سے ان کی کوئی مجموعی تعداد خفیہ نہیں اور نہ ہی کوئی افرادی حیثیت پوشیدہ ہے۔اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس اکیلا آنے والا ہے۔یعنی بغیر مال کے آنے والا ہے لہٰذا اس کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

سب اس کے علم میں محصور ومحاط ہیں اور ہر ایک کے انفاس، ایام، آثار اور تمام احوال اور جملہ امور اس کے شمار میں ہیں اس پر کچھ مخفی نہیں سب اس کی تدبیر وقدرت کے تحت میں ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّاo
بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے عنقریب ان کے لیے رحمان محبت پیدا کردے گا۔

ایمان اور عمل صالح والوں کیلئے قیامت کے دن باہمی محبت کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَن وُدًّا " فِيمَا بَيْنهمْ يَتَوَادُّونَ وَيَتَحَابُّونَ وَيُحِبّهُمْ اللَّه تَعَالَى

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے عنقریب ان کے لیے رحمان محبت پیدا کردے گا۔یعنی وہ آپس میں محبت کرنے والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت فرمائے گا۔

نیک لوگوں سے زمین وآسمان کی مخلوق محبت کرتی ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے۔تو جبرائیل کو فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اسے محبت کرو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہ آسمان والوں میں اس کا اعلان کرتا ہے اور پھر اس کی محبت زمین والوں کے دلوں میں اتار دی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے (وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا، مریم:96) (بے شک جو ایمان لائے اور نیک کام کئے عنقریب ان کے لئے محبت پیدا کرے گا۔مریم، آیت) اور اگر اللہ تعالیٰ کسی سے بغض رکھتا ہے تو جبرائیل علیہ سے کہہ دیتا ہے کہ میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں اور وہ آسمانوں والوں میں اعلان کر دیتا ہے۔ پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس سے بغض پیدا کر دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار بھی اپنے والد سے وہ ابوصالح سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی مانند نقل کرتے ہیں۔(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1106)

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَ تُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ٥
پس بیشک ہم نے اس کو آپ کی زبان میں ہی آسان کردیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری سنا سکیں
اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈر سنا سکیں۔

فہم وادراک کیلئے قرآن مجید کے عربی زبان میں ہونے کا بیان

"فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ" أَيْ الْقُرْآن "بِلِسَانِك" الْعَرَبِيّ "لِتُبَشِّر بِهِ الْمُتَّقِينَ" الْفَائِزِينَ بِالْإِيمَانِ "وَتُنْذِر" تُخَوِّف "بِهِ قَوْمًا لُدًّا" جَمْع أَلَدّ أَيْ جَدِل بِالْبَاطِلِ وَهُمْ كُفَّار مَكَّة

بیشک ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان یعنی عربی میں ہی آسان کردیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو خوشخبری سنا سکیں یعنی جو ایمان کے ساتھ کامیاب ہیں۔اور اس کے ذریعہ جھگڑالو قوم کو ڈر سنا سکیں۔یہاں لفظ لدا یہ الد کی جمع ہے جس کا معنی باطل جھگڑا ہے۔اور وہ کفار مکہ ہیں۔

قرآن حکیم جھگڑالو اور ضدی لوگوں کے لیے انذار اور متقی و پرہیزگار لوگوں کے لیے عظیم الشان بشارت ہے۔پس جو حق اور

اہل حق کے خلاف ضد وعناد اور اپنے جھگڑالو پن اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں ان کے لیے تو یہ انذار اور تنبیہ ہے۔ سو ان کو اس کلام حق وصدق ترجمان کے ذریعے ڈراتے اور خبردار کرتے رہو تا کہ یہ راہ حق وصواب کی طرف لوٹ کر اپنے اس برے انجام سے بچ سکیں جس کی راہ پر یہ گامزن ہیں۔ اس اِنذار سے خود انہی کا بھلا مقصود ہے۔ پس اس کی تعلیماتِ مقدسہ کو اپنانے میں خود انہی لوگوں کا بھلا اور فائدہ ہے۔ اور اس سے اِعراض وروگردانی میں خود انہی کا خسارہ ونقصان۔ اور ایسا ہولناک خسارہ ونقصان کہ ان کیلئے دارین کی ہلاکت وتباہی کا پیش خیمہ ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ کتاب حکیم ان متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے دارین کی سعادت وسرخروئی سے سرفرازی کی عظیم الشان خوشخبری ہے جو صدق دل سے اس پر ایمان لا کر ان کی تعلیماتِ مقدسہ کو حرزِ جان بناتے ہیں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝
اور ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو محسوس کرتا ہے،
یا ان کی کوئی بھنک سنتا ہے؟

کافر اقوام کی سابقہ کافر اقوام کی طرح ہلاکت کا بیان

"وَكَمْ" أَيْ كَثِيرًا "أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِنْ قَرْن" أَيْ أُمَّة مِنَ الْأُمَم الْمَاضِيَة بِتَكْذِيبِهِمُ الرُّسُل "هَلْ تُحِسّ" تَجِد "مِنْهُمْ مِنْ أَحَد أَوْ تَسْمَع لَهُمْ رِكْزًا" صَوْتًا خَفِيًّا ؟ لَا فَكَمَا أَهْلَكْنَا أُولَئِكَ نُهْلِك هَؤُلَاءِ

اور ہم نے ان سے پہلے کتنے یعنی کثیر زمانے کے لوگوں کو ہلاک کر دیا، یعنی سابقہ قوموں میں سے کثیر اقوام کو ہلاک کیا ہے۔ کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو محسوس کرتے ہے، یا ان کی کوئی بھنک سنتے ہے؟ یعنی کوئی آہستہ سے آواز بھی سنتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ لہٰذا جس طرح ہم نے ان کا ہلاک کر دیا ہے بالکل اسی طرح ان کافروں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔

کتنی ہی بدبخت قومیں اپنے جرائم کی پاداش میں ہلاک کی جا چکیں۔ جن کا نام ونشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ آج ان کے پاؤں کی آہٹ یا ان کی لن ترانیوں کی ذرا سی بھنک بھی سنائی نہیں دیتی۔ پس جو لوگ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر مقابلہ ہو کر آیات اللہ کا انکار واستہزاء کر رہے ہیں، وہ بے فکر نہ ہوں۔ ممکن ہے ان کو بھی کوئی ایسا ہی تباہ کن عذاب آ گھیرے جو چشم زدن میں تہس نہس کر ڈالے۔

کفار کی ہلاکت کے بعد بدر کے کنوئیں میں ڈال دینے کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے، قریش کی ایک جماعت اپنی مجلسوں میں بیٹھی ہوتی تھی کہ ان میں سے کسی نے کہا کہ کیا تم اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ تم

سے کوئی ہے جو فلاں قبیلہ کے ذبح کئے ہوئے اونٹ کے مقام پر جائے اور اس کا گوبر خون اور بچہ دان لے آئے پھر انتظار کرے کہ جب یہ شخص سجدہ میں جائے تو اسے اس کے دونوں شانوں کے درمیان میں رکھ دے، چنانچہ ان کا بڑا بد بخت عقبہ اٹھا اور جا کر لے آیا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے، تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان میں رکھ دیا، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رہ گئے، تو وہ ہنسنے لگے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک دوسرے پر مارے ہنسی کے گرنے لگا، اتنے میں ایک جانے والا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اس وقت آپ بچی تھیں، وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے، یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم سے ہٹا دیا اور قریش کے سامنے انہیں برا بھلا کہتی ہوئی آئیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کر چکے تو فرمایا کہ اے اللہ! قریش کو ہلاک فرما ہر ایک کے نام لینا شروع کئے کہ اے اللہ! عمرو بن ہشام کو، عتبہ بن ربیعہ کو اور شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو اور امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو ہلاک فرما، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے ان لوگوں کو بدر کے دن زمین میں گرا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں ڈال دیئے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ اس کنویں والوں پر لعنت کی گئی ہے۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 501)

سورہ مریم کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ مریم کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُورَة طٰهٰ

یہ قرآن مجید کی سورت طہ ہے

سورت طہٰ کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُورَۃ طٰہٰ (مَکِّیَّۃٌ اِلَّا آیَتَیْ 120 و 121 فَمَدَنِیَّتَانِ وَآیَاتُھَا 135 اَوْ اَرْبَعُوْنَ اَوْ اثْنَتَانِ نَزَلَتْ بَعْدَ مَرْیَمَ)

سورہ طہٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ایک سو پینتیس آیات ہیں جبکہ ۱۲۱، ۱۲۰ مدنی ہیں۔ اور آٹھ رکوع ہیں۔ اس سورت کا دوسرا نام سورہ کلیم بھی ہے اور ایک ہزار چھ سو اکتالیس کلمات اور پانچ ہزار دو سو بیالیس حروف ہیں۔

سورہ طہٰ کے شان نزول کا بیان

طٰہٰ، اس لفظ کی تفسیر میں علماء تفسیر کے اقوال بہت ہیں۔ حضرت ابن عباس سے اس کے معنی یا رجل اور ابن عمر سے یا حبیبی منقول ہیں، بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طٰہٰ اور یٰسین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ہیں۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ایک پاؤں زمین پر ٹکاتے اور دوسرا اٹھا لیتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری یعنی طہٰ یعنی زمین پر دونوں پاؤں ٹکا دیا کر۔ ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تجھے مشقت و تکلیف میں ڈال دیں۔ کہتے ہیں کہ جب قرآن پر عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے صحابہ نے شروع کر دیا تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ لوگ تو اچھی خاصی مشکل میں پڑ گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ پاک قرآن تمہیں مشقت میں ڈالنے کو نہیں اترا بلکہ یہ نیکوں کے لئے عبرت ہے یہ الہامی علم ہے جسے یہ ملا اسے بہت بڑی دولت مل گئی۔

چنانچہ بخاری مسلم میں ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھلائی کا ہو جاتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرفوع صحیح حدیث لائے ہیں کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے فرمانے کے لئے اپنی کرسی پر اجلاس فرمائے گا تو علماء سے فرمائے گا کہ میں نے اپنا علم اور اپنی حکمت تمہیں اسی لئے عطا فرمائی تھی کہ تمہارے تمام گناہوں کو بخش دوں اور کچھ پرواہ نہ کروں کہ تم نے کیا کیا ہے؟ پہلے لوگ اللہ کی عبادت کے وقت اپنے آپ کو رسیوں میں لٹکا لیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے یہ مشقت اپنے اس کلام پاک کے ذریعے آسان کر دی۔

سورہ طٰہٰ کی فضیلت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے سورت طٰہٰ اور سورت یٰس پڑھی جب فرشتوں نے قرآن (یعنی ان دونوں سورتوں کا پڑھنا) سنا تو کہنے لگے کہ خوش بختی ہو اس امت کے لئے جس پر یہ قرآن (یعنی دونوں سورتیں) اتاری جائیں گی خوش بختی ہو ان دلوں کے لئے جو انہیں قبول کریں گے (یعنی ان کو یاد کریں گے اور ان کی محافظت کریں گے) اور خوش بختی ہو ان زبانوں کے لئے جو انہیں پڑھیں گی۔

(سنن دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 659)

اللہ تعالیٰ نے ان سورتوں کو پڑھا کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان سورتوں کو فرشتوں کے سامنے ظاہر کیا اور ان کے سامنے ان سورتوں کی تلاوت کا ثواب بھی بیان کیا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو یہ سورتیں سکھائیں اور سمجھائیں نیز مذکورہ سورتوں کے معانی ومطالب ان کو الہام کئے۔ علامہ ابن حجر کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ باقی تمام فرشتوں کے سامنے ان سورتوں اور ان کی فضیلت وعظمت جانیں۔ فلما سمعت الملائکہ القرآن میں قرآن سے مراد قرات ہے یعنی ان فرشتوں نے ان سورتوں کا پڑھنا سنایا کہ قرآن سے مراد بھی سورت طہ اور سورت یٰس ہیں کیونکہ جس طرح کلام اللہ کے پورے مجموعہ کا نام قرآن ہے اسی طرح اس کے کسی جزء وحصہ کو بھی قرآن ہی کہا جاتا ہے لہٰذا قرآن جز اور کل دونوں کا نام ہے۔

طٰـہٰ ○

"طٰه" اللّٰه أَعْلَم بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ

لفظ طہ کی مراد کو اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔

مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ○ اِلَّا تَذۡكِرَةً لِّمَنۡ يَّخۡشٰى ○
ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ مگر اس شخص کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے اللہ کی طرف سے عطا کردہ شفقت کا بیان

"مَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآن" يَا مُحَمَّد "لِتَشْقَى" لِتَتْعَب بِمَا فَعَلْت بَعْد نُزُوله مِنْ طُول قِيَامك بِصَلَاةِ اللَّيْل أَيْ خَفِّفْ عَنْ نَفْسك "إِلَّا" لَكِنْ أَنْزَلْنَاهُ "تَذْكِرَة" بِهِ "لِمَنْ يَخْشَى" يَخَاف اللّٰه

یا محمد ﷺ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔ یعنی وہ تعب ہے جو آپ نے نزول قرآن کے بعد نماز تہجد میں طویل قیام فرمایا ہے۔ لہٰذا اپنے لئے کچھ آسانی اختیار کرلیں۔ مگر اسے اس شخص کے لئے نصیحت بنا کر اتارا ہے جو ڈرتا ہے۔ یعنی جو اللہ کا خوف رکھتا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لتشقی ۔لام تعلیل کے لئے ہے تشقی مضارع واحد مذکر حاضر شقاوۃ مصدر۔(باب سمع) شقاوت۔سعادت کی ضد ہے۔اس کے معنی ہیں تکلیف میں پڑنا۔جیسے فلا یضل ولا یشقی ،نہ وہ بھٹکے گا۔اور نہ وہ تکلیف میں پڑے گا۔یا کمبختی جیسے ربنا غلبت علینا شقوتنا،اے ہمارے رب ہم پر ہماری کم بختی نے زور کیا۔

لتشـــقـــی ۔کہ تو مشقت میں پڑے۔کہ تو تکلیف وتعب اٹھائے۔اس تکلیف اور تعب کی دو صورتیں ہیں۔ایک تو آپ کا کافروں کے ردو انکار پر حزن وملال۔دوم۔راتوں کو آپ کا قرات قرآن میں طویل قیام یہاں تک کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے پہلی صورت میں آیت کا مطلب ہوگا:۔کہ کفار کے راہ حق کو تسلیم نہ کرنے پر اس قدر کبیدہ خاطر نہ ہوں کہ زندگی دوبھر ہو جائے آپ کا کام تذکیر وتبلیغ ہے اور جگہ ارشاد ربانی ہے۔فلعلک باخع نفسک علی اثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفا ،شاید آپ ان کے اعراض کے پیچھے غم سے اپنی جان دے دیں گے۔

دوسری صورت میں یہ کہ۔اپنے آپ پر اتنی سختی کی ضرورت نہیں بلکہ آسانی سے جتنا پڑھ سکیں اتنا کافی ہے۔جیسے ارشاد ہے فاقرء وا ما تیسر من القران ،آپ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکیں پڑھ لیا کرو۔

سورہ طٰہٰ آیت ۱،۲ کے شان نزول کا بیان

مقاتل کہتے ہیں کہ ابوجہل اور نضر بن حارث نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ تو ہمارے دین کو چھوڑ کر مشقت میں پڑ گیا اور انہوں نے یہ اس وجہ سے کہا کہ انہوں نے کو لمبی عبادت اور محنت کرتے ہوئے دیکھا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ضحاک کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ پر قرآن نازل ہوا تو آپ اپنے صحابہ کو لے کر نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو کفار قریش نے کہا اللہ نے یہ قرآن محمد پر صرف اس لیے اتارا ہے کہ یہ مشقت میں پڑ جائیں اس موقع پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (طٰہٰ ۔ (مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ،اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے تم پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔

(نیسابوری 255،سیوطی 181،طبری 16۔103)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جب شروع میں وحی نازل ہوئی تو اس وقت آپ جب نماز پڑھتے تو پاؤں کے بل کھڑے ہوتے تو اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ربیع بن انس سے روایت ہے کہ صحابہ کرام فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اپنے دو قدموں پر باری باری آرام لیتے تا کہ ہر پیر پر کھڑے ہوسکیں یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ لوگوں نے کہا یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے مشقت میں پڑ گیا تو اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں (مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى)۔(زادالمسیر 5۔269)

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں بہت جہد فرماتے تھے اور تمام شب قیام میں گزارتے یہاں تک کہ قدم مبارک ورم کر آتے۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر بحکم الٰہی عرض کیا کہ اپنے نفسِ پاک کو کچھ راحت دیجئے

اس کا بھی حق ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے کفر اور ان کے ایمان سے محروم رہنے پر بہت زیادہ متاسف ومتحسر رہتے تھے اور خاطرِ مبارک پر اس سبب سے رنج وملال رہا کرتا تھا اس آیت میں فرمایا گیا کہ آپ رنج وملال کی کوفت نہ اٹھائیں قرآن پاک آپ کی مشقت کے لئے نازل نہیں کیا گیا ہے۔

تَنۡزِيۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَالسَّمٰوٰتِ الۡعُلٰى ؕ
اس کی طرف سے اتارا ہوا ہے جس نے زمین کو اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا۔

زمین وآسمان کے خالق کی طرف سے قرآن مجید کے نازل ہونے کا بیان

"تَنْزِيلًا" بَدَل مِنَ اللَّفْظ بِفِعْلِهِ النَّاصِب لَهُ "مِمَّنْ خَلَقَ الْأَرْض وَالسَّمَوَات الْعُلَى" جَمْع عُلْيَا كَكُبْرَى وَكُبَر

اس کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔ لفظ تنزیلا یہ فعل ناصب کے سبب منصوب اور انزلناہ کے یہ عوض آیا ہے۔ جس نے زمین کو اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا۔ لفظ علی یہ علیا کی جمع اور جس طرح کبریٰ یہ کبر کی جمع ہے۔

اس کتاب حکیم کی عظمتِ شان کا ایک منفرد اور امتیازی پہلو ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں "نازل" یا "منزّل" وغیرہ جیسے کسی اسمِ مشتق کی بجائے "تنزیل" کا صیغہ استعمال فرمایا گیا ہے۔ جو کہ مصدر ہے۔ سو یہ کتاب حکیم سراسر نازل شدہ اور خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ سبحانہ وتعالیٰ۔ سو اس سے ایک طرف تو یہ اہم حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس نے اس کلام حکیم کو صدق دل سے اپنا لیا اور اپنی زندگی کی زمام پوری طرح اس کے حوالے کر دی وہ کتنا اونچا اور کس قدر خوش نصیب انسان ہے جبکہ دوسری طرف اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو اس سے منہ موڑے گا وہ کتنا بدنصیب اور کس قدر محروم انسان ہے۔

اس میں کسی بھی مخلوق کا کوئی حصہ یا عمل دخل نہیں۔ یہ قرآن حکیم کی عظمتِ شان کا ایک خاص پہلو ہے کہ یہ آسمانوں اور زمین کی اس عظیم الشان کائنات کے خالق و مالک کا اتارا ہوا کلام ہے۔ سو جب اس کلام حکیم کو اتارنے والی ذات اقدس و اعلیٰ اس قدر عظمتوں والی ہے تو اس کا نازل فرمودہ یہ کلام مجید بھی بے مثال اور نہایت عظیم الشان کلام ہے۔

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا وَمَا تَحۡتَ الثَّرٰى ۝
وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے
اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے۔

زمین وآسمان کی ساری مخلوق کے خالق ہونے کا بیان

هُوَ "الرَّحْمَن عَلَى الْعَرْش" وَهُوَ فِي اللُّغَة سَرِير الْمُلْك "اسْتَوَى" اسْتِوَاء يَلِيق بِهِ، "لَهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا" مِنَ الْمَخْلُوقَات "وَمَا تَحْت الثَّرَى" هُوَ التُّرَاب النَّدِيّ

وَالْمُرَاد الْأَرَضُونَ السَّبْع لِأَنَّهَا تَحْته،

وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ اور وہ لغت میں بادشاہ کے تخت کو کہتے ہیں۔ اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان مخلوقات ہیں اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے۔ وہ تر مٹی ہے۔ مراد اس سے ساتوں زمینیں ہیں۔ کیونکہ وہی تحت ثریٰ ہے۔

زمین و آسمان کے درمیان بھی اللہ کی بے شمار مخلوق موجود ہے۔ مثلاً ہوا، بادل، اڑنے والے پرندے اور ہوائی جہاز، ایتھر، آسمان سے زمین کی طرف اترنے والے فرشتے اور زمین سے آسمان کی طرف پرواز کرنے والے فرشتے، بدروحیں، فضا میں بروقت گردش کرنے والے سیارے، ٹوٹنے والے ستارے یہ چیزیں تو وہ ہیں جن کا ہمیں کسی نہ کسی طرح علم ہے۔ اور جو انسان کے علم میں نہیں آئیں ان کی تعداد اور ان کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ کی مخلوق کہاں کہاں ہے؟ ثریٰ کے لغوی معنی صرف گیلی مٹی ہے جو زمین کی تہوں میں ہے۔ اور یہ لفظ عموماً ثریا (کہکشاں) کے مقابلہ میں آتا ہے۔ ثریا سے مراد انتہائی بلندی اور ثریٰ سے مراد انتہائی پستی یا گہرائی لی جاتی ہے۔ گویا چار چیزیں یہاں مذکور ہوئی۔ ایک آسمان اور ان میں رہنے والی مخلوق، دوسرے زمین اور اس پر رہنے والی مخلوق تیسرے آسمانوں اور زمین کے درمیان کی مخلوق اور چوتھے زمین کا اندرونی حصہ اور وہاں کی موجود مخلوق۔ ہر طرح کی مخلوق کا خالق و مالک اللہ ہی ہے اور وہ سب اسی کے قبضہ قدرت و اختیار میں ہیں۔

وَ اِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی ○ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ○
اور اگر تو اونچی آواز سے بات کرے تو وہ تو پوشیدہ اور اس سے بھی پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔
اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب سے اچھے نام اسی کے ہیں۔

خفیہ و پوشیدہ آواز میں دعائیں مانگنے کا بیان

"وَإِنْ تَجْهَر بِالْقَوْلِ" فِي ذِكْر أَوْ دُعَاء فَاَللَّه غَنِيّ عَنْ الْجَهْر بِهِ "فَإِنَّهُ يَعْلَم السِّرّ وَأَخْفَى" مِنْهُ: أَيْ مَا حَدَّثْت بِهِ النَّفْس وَمَا خَطَرَ وَلَمْ تُحَدِّث بِهِ فَلَا تُجْهِد نَفْسك بِالْجَهْرِ،

"اللَّه لَا إِلَه إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاء الْحُسْنَى" التِّسْعَة وَالتِّسْعُونَ الْوَارِد بِهَا الْحَدِيث وَالْحُسْنَى مُؤَنَّث الْأَحْسَن

اور اگر آپ اونچی آواز سے بات یعنی ذکر یا دعا کریں۔ وہ تو پوشیدہ اور اس سے بھی پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ لہٰذا وہ جہر سے بے نیاز ہے۔ اور وہ ہر پوشیدہ بات جو دل میں خیال بھی گزرے تو اس کو بھی جانتا ہے۔ پس اونچی آواز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب سے اچھے نام اسی کے ہیں۔ اور وہ ۹۹ نام ہیں جو حدیث میں بیان ہوئے ہیں اور لفظ حسنیٰ یہ احسن کی مؤنث ہے۔

سر یعنی بھید وہ ہے جس کو آدمی رکھتا اور چھپاتا ہے اور اس سے زیادہ پوشیدہ وہ ہے جس کو انسان کرنے والا ہے مگر ابھی جانتا بھی نہیں نہ اس سے اس کا ارادہ متعلق ہوا، نہ اس تک خیال پہنچا۔ ایک قول یہ ہے کہ بھید سے مراد وہ ہے جس کو انسانوں سے چھپاتا ہے اور اس سے زیادہ چھپی ہوئی چیز وسوسہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ بھید بندہ کا وہ ہے جسے بندہ خود جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اس سے زیادہ پوشیدہ ربانی اسرار ہیں جن کو اللہ جانتا ہے بندہ نہیں جانتا۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ آدمی کو قبائحِ افعال سے پرہیز کرنا چاہیئے وہ ظاہرہ ہوں یا باطنہ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا نہیں اور اس میں نیک اعمال پر ترغیب بھی ہے کہ طاعت ظاہر ہو یا باطن اللہ سے چھپی نہیں وہ جزا عطا فرمائے گا۔ تفسیرِ بیضاوی میں قول سے ذکرِ الٰہی اور دعا مراد لی ہے اور فرمایا ہے کہ اس آیت میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے کہ ذکر و دعا میں جہر اللہ تعالیٰ کو سنانے کے لئے نہیں ہے بلکہ ذکر کو نفس میں راسخ کرنے اور نفس کو غیر کے ساتھ مشغولی سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے ہے۔

اسمائے حسنیٰ کو یاد کرنے کی فضیلت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ ابتدا ہی میں بغیر عذاب کے جنت میں داخل ہوگا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 808)

اس حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں تو اس سے حصر اور تحدید مراد نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بس اتنے ہی نام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت نام ہیں چنانچہ آگے صفحات میں ننانوے اسماء مبارک کے بعد کچھ اور نام بھی ذکر کئے جائیں گے انشاء اللہ بلکہ یہاں ننانوے کا عدد ذکر کرنے سے مراد اور مقصود یہ ہے کہ حدیث میں اسماء باری تعالیٰ کی جو خاصیت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص انہیں یاد کرے وہ جنت میں داخل ہوگا، وہ انہیں ننانوے ناموں کے ساتھ مخصوص ہے۔ لفظ احصاھا کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں بخاری وغیرہ نے اس کے معنی وہی لکھے ہیں جو ترجمہ سے ظاہر ہیں۔ یعنی ان ناموں کو یاد کیا اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں احصاھا کی بجائے حفظھا ہی منقول ہے بعض علماء لکھتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں ان کو پڑھا یا ایمان لایا۔ یا ان کے معانی جانے اور ان کے معانی پر عمل کیا۔ ھو وتر یحب الوتر ۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق اعمال واذکار کو پسند کرتا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال میں اس عمل کو پسند کرتا ہے جس کی بنیاد اخلاص پر ہو جو محض اللہ تعالیٰ ہی کے لئے اختیار کیا گیا ہو۔

وَهَلْ اَتٰـكَ حَدِيْثُ مُوْسٰىۘ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ
نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًىۘ
اور کیا آپ کے پاس موسیٰ (علیہ السلام کی خبر آچکی ہے۔ جب موسیٰ (علیہ السلام) نے ایک آگ دیکھی

تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہاں ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس میں سے
کوئی چنگاری تمہارے لئے لے آؤں یا میں اس آگ پر رہنمائی پالوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے کیلئے جانے کا بیان

"وَهَلْ" قَدْ "أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى"، "إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ" لِامْرَأَتِهِ "امْكُثُوا" هُنَا وَذَلِكَ فِي مَسِيرِهِ مِنْ مَدْيَنَ طَالِبًا مِصْرَ "إِنِّي آنَسْتُ" أَبْصَرْتُ "نَارًا لَعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ" بِشُعْلَةٍ فِي رَأْسِ فَتِيلَةٍ أَوْ عُودٍ وَقَالَ لَعَلَّ لِعَدَمِ الْجَزْمِ بِوَفَاءِ الْوَعْدِ. "أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى" أَيْ هَادِيًا يَدُلُّنِي عَلَى الطَّرِيقِ وَكَانَ أَخْطَأَهَا لِظُلْمَةِ اللَّيْلِ.

اور کیا یعنی یقیناً آپ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی خبر آ چکی ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے واپس مصر آتے ہوئے ایک آگ دیکھی تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہاں ٹھہرے رہو میں نے ایک آگ دیکھی ہے (یا میں نے ایک آگ میں انس و محبت کا شعلہ پایا ہے) شاید میں اس میں سے کوئی چنگاری تمہارے لئے بھی لے آؤں یا میں اس آگ پر سے وہ رہنمائی پالوں۔ یہاں پر لعل کا لفظ عدم عہد کے اعتماد کی وجہ سے بولا گیا ہے۔ جس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ یعنی ایسے راستے کی رہنمائی ہو جائے جو رات کی تاریکی کے سبب بھول گئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین سے مصر کی طرف سفر کا بیان

اور موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ جو یہاں مذکور ہے اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ جب وہ مدین پہنچ کر حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان پر اس معاہدہ کے ساتھ مقیم ہو گئے کہ آٹھ یا دس سال تک ان کی خدمت کریں گے اور انہوں نے تفسیر بحر محیط وغیرہ کی روایت کے مطابق دس سال پورے کر لئے تو شعیب علیہ السلام سے رخصت چاہی کہ میں اب اپنی والدہ اور بہن سے ملنے کے لئے مصر جاتا ہوں اور جس خطرہ کی وجہ سے مصر چھوڑا تھا کہ فرعونی سپاہی ان کی گرفتاری اور قتل کے درپے تھے عرصہ دراز گزر جانے کے بعد اب وہ خطرہ بھی باقی نہ رہا تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو مع اہلیہ یعنی اپنی صاحبزادی کے کچھ مال اور سامان دے کر رخصت فرما دیا راستہ میں ملک شام کے بادشاہوں سے خطرہ تھا اس لئے عام راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ موسم سردی کا تھا اور اہلیہ محترمہ حاملہ قریب الولادت تھیں کہ صبح شام میں ولادت کا احتمال تھا۔ غیر معروف راستہ اور جنگل میں راستہ سے ہٹ کر طور پہاڑ کی مغربی اور داہنی سمت میں جا نکلے، رات اندھیری سردی برفانی تھی اسی حال میں اہلیہ کو دردِ زہ شروع ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے سردی سے حفاظت کے لئے آگ جلانا چاہا۔ اس زمانے میں دیا سلائی (ماچس) کے بجائے چقماق پتھر استعمال کیا جاتا تھا جس کو مارنے سے آگ پیدا ہو جاتی تھی اس کو استعمال کیا مگر اس سے آگ نہ نکلی۔ اسی حیرانی و پریشانی کے عالم میں کوہ طور پر آگ نظر آئی جو در حقیقت نور تھا تو گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے وہاں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے آگ لاؤں اور ممکن ہے کہ آگ کے پاس کوئی راستہ

جاننے والامل جائے تو راستہ بھی معلوم کرلوں۔ گھر والوں میں اہلیہ محترمہ کا ہونا تو متعین ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خادم بھی ساتھ تھا۔ وہ بھی اس خطاب میں داخل ہے بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگ رفیق سفر بھی ساتھ تھے مگر راستہ بھولنے میں یہ ان سے جدا ہو گئے تھے۔ (تفسیر بحر محیط، سورہ طٰہٰ، بیروت)

فَلَمَّآ اَتٰـهَا نُوْدِيَ يٰـمُوْسٰى ○ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ○
تو جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے آواز دی گئی اے موسیٰ! بیشک میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم اپنے جوتے اتار دو،
بیشک تم طوٰی کی مقدس وادی میں ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وادی مبارکہ میں نعلین اتارنے کا بیان

"فَلَمَّا أَتَاهَا " وَهِيَ شَجَرَة عَوْسَج، نُودِيَ يَا مُوسَى، "إِنِّي" بِكَسْرِ الْهَمْزَة بِتَأْوِيلِ نُودِيَ بِقِيلَ وَبِفَتْحِهَا بِتَقْدِيرِ الْبَاء "أَنَا" تَأْكِيد لِيَاءِ الْمُتَكَلِّم "رَبّك فَاخْلَعْ نَعْلَيْك إِنَّك بِالْوَادِي الْمُقَدَّس " الْمُطَهَّر أَوْ الْمُبَارَك "طُوًى" بَدَل أَوْ عَطْف بَيَان بِالتَّنْوِينِ وَتَرْكه مَصْرُوف بِاعْتِبَارِ الْمَكَان وَغَيْر مَصْرُوف لِلتَّأْنِيثِ بِاعْتِبَارِ الْبُقْعَة مَعَ الْعِلْمِيَّة،

تو جب وہ اس یعنی جھڑ بیری کے درخت کے پاس آئے۔ تو اسے آواز دی گئی اے موسیٰ! بیشک میں ہی تمہارا رب ہوں، یہاں پر انی کا ہمزہ کسرہ کے ساتھ جب نودی کی تاویل قیل سے کی جائے اور باء کے مقدر ہونے کی صورت میں فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور یہاں أنا یہ بائے متکلم کی تاکید کیلئے آیا ہے۔ لہٰذا تم اپنے جوتے اتار دو، بیشک تم طوٰی کی مقدس وادی میں ہو۔ یعنی وہ وادی مطہر ومبارک ہے۔ اور طوی یہ بدل یا عطف بیان تنوین کے ساتھ ہے۔ اور جب مکان کے معنی میں ہو تو منصرف اور جب تانیث مع علمیت ہو غیر منصرف ہوگا۔

آگ کی حرکت کرنے کے عجیب منظر کا بیان

جو آگ دور سے دیکھی جب اس کے پاس پہنچے۔ مسند احمد وغیرہ میں وہب بن منبہ کی روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس آگ کی طرف چلے اور اس کے قریب پہنچے تو ایک عجیب حیرت انگیز منظر دیکھا کہ ایک بڑی آگ ہے جو ایک ہرے بھرے درخت کے اوپر شعلے مار رہی ہے مگر حیرت یہ ہے کہ اس درخت کی کوئی شاخ یا پتہ جلتا نہیں بلکہ آگ نے درخت کے حسن اور تر و تازگی اور رونق میں اور زیادتی کر دی ہے۔ یہ حیرت انگیز منظر کچھ دیر تک اس انتظار میں دیکھتے رہے کہ شاید کوئی چنگاری آگ کی زمین پر گرے تو یہ اٹھالیں۔ جب دیر تک ایسا نہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے گھاس وغیرہ کے کچھ تنکے جمع کر کے اس آگ کے قریب کیا کہ ان میں آگ لگ جائے گی تو ان کا کام ہو جائے گا مگر جب گھانس پھونس آگ کے قریب کئے تو آگ پیچھے ہٹ گئی، اور بعض روایات میں ہے کہ آگ ان کی طرف بڑھی یہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے، بہر حال آگ حاصل کرنے کا مطلب پورا نہ ہوا۔ یہ عجیب و

غریب آگ سے حیرت کے عالم میں تھے کہ ایک غیبی آواز آئی۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

آگ سے رب ہونے کی آواز کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز اس طرح سنی کہ ہر جانب سے یکساں آرہی تھی اس کی کوئی جہت متعین نہیں تھی اور سننا بھی ایک عجیب انداز سے ہوا کہ صرف کانوں سے نہیں بلکہ تمام اعضاء بدن سے سنا گیا جو ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آواز کا حاصل یہ تھا کہ جس چیز کو آپ آگ سمجھ رہے ہیں۔

وہ آگ نہیں اللہ تعالیٰ کی ایک تجلّی ہے اور اس میں فرمایا کہ میں ہی آپ کا رب ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس آواز کے متعلق یہ یقین کس طرح ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی آواز ہے؟ اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے قلب کو اس پر مطمئن کر دیا کہ وہ یقین کرلیں کہ یہ آواز حق تعالیٰ ہی کی ہے دوسرے اس آگ کے حیرت انگیز حالات کہ درخت کو جلانے کے بجائے اس کی تازگی اور حسن بڑھا رہی ہے اور آواز بھی عام لوگوں کی آواز کی طرح نہیں کہ ایک سمت سے آئے بلکہ ہر طرف سے یہ آواز یکساں سنی گئی، دوسرے صرف کانوں نے نہیں بلکہ ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء جو سننے کیلئے وضع نہیں ہوئے سب اس کی سماعت میں شریک تھے اس سے بھی سمجھا گیا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝
اور میں نے تمہیں چن لیا ہے پس تم پوری توجہ سے سنو جو تمہیں وحی کی جارہی ہے۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا
کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آنے کا بیان

"وَأَنَا اخْتَرْتُك" مِنْ قَوْمك "فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى" إلَيْك مِنِّي "إنَّنِي أَنَا اللَّه لَا إلَه إلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمْ الصَّلَاة لِذِكْرِي" لِذِكْرِي فِيهَا،

اور میں نے تمہیں تمہاری قوم سے چن لیا ہے پس تم پوری توجہ سے سنو جو تمہیں میری جانب سے وحی کی جارہی ہے۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کی خاطر نماز قائم کیا کرو۔ جس میں میری یاد ہو۔

سورہ طٰہٰ آیت ۱۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے مدینہ لوٹ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں چلتے ہوئے نیند آگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کونے میں اونٹ بٹھائے اور سو گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال رضی اللہ عنہ آج رات ہمارے لئے ہوشیار رہنا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور اپنے

کجاوے سے ٹیک لگا کر مشرق کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے۔ پھر ان کی آنکھوں میں نیند غالب آگئی اور پھر ان میں سے کوئی بھی نہ جاگ سکا اور سب سے پہلے جاگنے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال یہ کیا ہوا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان میری روح کو بھی اسی (نیند) نے پکڑ لیا تھا جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح کو پکڑا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو اونٹوں کو لے کر چلو پھر تھوڑا آگے جا کر اونٹ دوبارہ بٹھائے اور وضو کر کے اسی طرح نماز پڑھی جیسے اس (نماز) کے وقت میں ٹھہر ٹھہر کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (20۔طٰہٰ:14) اور نماز قائم رکھ میری یادگاری کو۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1108)

اللہ کے کلام کو سننے کے آداب کا بیان

حضرت وہب بن منبہ سے منقول ہے کہ قرآن سننے کے ادب میں سے یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کو فضول حرکت سے روکے کہ کسی دوسرے شغل میں کوئی عضو بھی نہ لگے اور نظر نیچی رکھے اور کلام سمجھنے کی طرف دھیان لگائے اور جو شخص اس ادب کے ساتھ کوئی کلام سنتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے سمجھنے کی بھی توفیق دے دیتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

قرآن مجید کیا ہے؟ یہ وہ سب سے مقدس اور سب سے عظیم کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کاروان انسانیت کے سب سے آخری اور سب سے عظیم راہنما رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جو ظلم وجہل کی تاریکیوں میں منارہ نور، کفر وشرک کے تابوت کی آخری کیل اور پوری انسانی برادری کے لئے اللہ کی طرف سے اتارا ہوا سب سے آخری اور سب سے جامع قانون ہے۔ اور جسے حبل متین کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کی عظمت وبزرگی اور اس کی فضیلت ورفعت کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ وہ خداوند عالم، مالک ارض وسماء اور خلق لوح وقلم کا کلام ہے تمام عیوب اور تمام نقائص سے بری اور پاک ہے فصاحت وبلاغت کا وہ آخری نقطہ عروج کہ بڑے بڑے عرب فصیح وبلیغ اس کے سامنے طفل مکتب علوم ومعارف اور فکر ودانش کا وہ کوہ ہمالہ کہ دنیا کے بڑے بڑے مفکر، فلسفی، دانشور اور ارباب فکر ونظر اس سے سر ٹکرائیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اور پڑھنے پڑھانے کا ثواب محتاج بیان نہیں تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ کوئی ذکر، تلاوت کلام مجید سے زیادہ ثواب نہیں رکھتا، خصوصا نماز میں اس کی قرات کا ثواب اور اس کی فضیلت اتنی ہے کہ وہ دائرہ تحریر سے باہر ہے، قرآن کریم کی تلاوت کے وقت اس کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں اور نماز میں اس کی قرات کے وقت اس کے ہر حرف کے عوض پچیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ قرآن کا پڑھنا بندہ کو اللہ کا قرب بخشتا ہے، قلب کو عرفان الٰہی اور ذکر اللہ کے نور سے روشن کرتا ہے اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سبب مقام قرب کا بیان

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے اس کو اس جیسی دس نیکیون کے برابر ثواب ملتا ہے اور اس سے بھی زیادہ دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اس کو اس سے صدق واخلاص

کے مطابق سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب دیتا ہوں جو شخص کوئی برائی کرتا ہے تو اس کو اسی برائی کے برابر سزا ملتی ہے یا میں اسے بھی معاف کر دیتا ہوں۔ جو شخص اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے ایک بالشت (یعنی بقدر قلیل) میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف آتا ہوں (یعنی میں اس کی توجہ و التفات سے کہیں زیادہ اس پر اپنی رحمت کے دروازے کھولتا ہوں) جو شخص میری طرف ایک گز آتا ہے میں اس کی جانب دونوں ہاتھوں کے پھیلانے کے برابر بڑھتا ہوں۔

جو شخص میری طرف اپنی چال سے آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں اور جو شخص زمین کے برابر بھی گناہ لے کر مجھ سے ملے گا بشرطیکہ اس نے میرے ساتھ شریک نہ کیا ہو یعنی شرک میں مبتلا نہ ہو تو اگر میں چاہوں گا تو اس کو زمین کے برابر ہی مغفرت عطا کروں گا۔ (مسلم، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 786)

اللہ تعالیٰ کتنا رحیم و کریم ہے اس کی رحمت کتنی وسیع ہے اپنے بندوں پر وہ کتنا مہربان ہے اس کی شان عفو کس قدر بے پایاں ہے اور اس کا فضل کس قدر بے کراں ہے اس کا ایک ہلکا سا اندازہ اس حدیث سے ہو جاتا ہے۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اگر بندہ اللہ کی طرف تھوڑی سی بھی توجہ اور رجوع کرتا ہے تو اس کی طرف بارگاہ الٰہی سے اس کی توجہ کہیں زیادہ توجہ، التفات اور رحمت اس کی طرف منعطف ہوتی ہے۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۝
بیشک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تا کہ ہر جان کو اس کا بدلہ دیا جائے جس کے لئے وہ کوشاں ہے۔

قرب قیامت کی علامات کو ظاہر کرنے کا بیان

"إِنَّ السَّاعَة آتِيَة أَكَاد أُخْفِيهَا " عَنْ النَّاس وَيَظْهَر لَهُمْ قُرْبهَا بِعَلَامَاتِهَا "لِتُجْزَى" فِيهَا "كُلّ نَفْس بِمَا تَسْعَى" بِهِ مِنْ خَيْر أَوْ شَرّ

بیشک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے، میں اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں۔ ہاں البتہ میں ان پر قرب قیامت کی علامات کو ظاہر کر دوں گا۔ تا کہ ہر جان کو اس عمل کا بدلہ دیا جائے جس کے لئے وہ کوشاں ہے۔ یعنی جو بھی اچھے برے اعمال ہیں۔

وقت کی رفتار کا تیز ہونا علامت قیامت ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ زمانہ قریب نہ ہو جائے گا سال مہینہ کے برابر، مہینہ ہفتہ کے برابر ہو جائے گا اور ایک گھنٹہ اتنا مختصر ہو جائے گا جیسے آگ کا شعلہ سلگ جاتا ہے (یعنی جھٹ سے جل کر بجھ جاتا ہے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 13)

مطلب یہ ہے کہ آخر زمانہ میں دنوں اور ساعتوں میں برکت کم ہو جائے گی، وقت اس قدر جلد اور تیزی کے ساتھ گزرتا معلوم ہوگا کہ اس کا فائدہ مند اور کار آمد ہونا معدوم ہو جائے گا یا یہ مراد ہے کہ اس زمانہ میں لوگ تفکرات اور پریشانیوں میں گھرے رہنے

اور اپنے دل ودماغ پر بڑے بڑے فتنوں کے نازل ہونے مصائب وآفات اور طرح طرح کی مشغولیوں کا شدید تر دباؤ رکھنے کی وجہ سے وقت کے گذرنے کا ادراک واحساس تک نہیں کرپائیں گے اور انہیں یہ جاننا مشکل ہوجائے گا کہ کب دن گذر گیا اور کب رات ختم ہوگئی خطابی نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ اور وقت کی جس تیز رفتاری کا ذکر فرمایا ہے اس کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی کے زمانہ میں ہوگا۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ فَتَرْدٰى ○
پس تجھے اس سے وہ شخص کہیں روک نہ دے جو اس پر یقین نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، پس تو ہلاک ہوجائے گا۔

قیامت کے آنے پر یقین رکھنے کا بیان

"فَلَا يَصُدَّنَّكَ" يَصْرِفَنَّكَ "عَنْهَا" أَيْ عَنِ الْإِيمَانِ بِهَا "مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ" فِي إِنْكَارِهَا "فَتَرْدَى" أَيْ فَتَهْلِكَ إِنْ صَدَدْت عَنْهَا

پس تجھے اس سے وہ شخص کہیں روک نہ دے جو اس پر یقین یعنی ایمان نہیں رکھتا اور اس کے انکار میں اپنی خواہش کے پیچھے لگا ہوا ہے، پس تو ہلاک ہوجائے گا۔ یعنی اگر آپ اس پر یقین نہ لائے تو ہلاک ہوجائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرکے تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے کہ آپ کافروں اور بے ایمانوں کے کہنے سے قیامت کے معاملے میں غفلت برتنے لگیں اور وہ آپ کی ہلاکت کا سبب بن جائے، ظاہر ہے کہ کسی نبی ورسول سے جو معصوم ہے یہ غفلت نہیں ہوسکتی اس کے باوجود ایسا خطاب کرنا دراصل ان کی امت اور عام مخلوق کو سنانا ہے کہ جب اللہ کے پیغمبروں کو بھی ایسی تاکید کی جاتی ہے تو ہمیں اس کا کتنا اہتمام کرنا چاہیے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ○ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا
عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ○
اور اے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں
اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے کئی اور فائدے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے عصا سے متعلق پوچھنے کا بیان

"وَمَا تِلْكَ" كَائِنَةَ الِاسْتِفْهَامِ لِلتَّقْرِيرِ لِيُرَتِّبَ عَلَيْهِ الْمُعْجِزَةَ فِيهَا، بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى، "قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ" أَعْتَمِدُ "عَلَيْهَا" عِنْدَ الْوُثُوبِ وَالْمَشْيِ "وَأَهُشُّ" أَخْبِطُ وَرَقَ الشَّجَرِ "بِهَا" لِيَسْقُطَ "عَلَى غَنَمِي" فَتَأْكُلُهُ "وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ" جَمْعُ مَأْرُبَةٍ مُثَلَّثُ الرَّاءِ أَيْ حَوَائِجُ "أُخْرَى" كَحَمْلِ الزَّادِ

وَالسِّقَاءِ وَطَرْدِ الْهَوَامِّ زَادَ فِي الْجَوَابِ بَيَانَ حَاجَاتِهِ بِهَا،

اوراے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ یہاں استفہام تقریری ہے تا کہ اس پر معجزے کو مرتب کیا جائے۔ انہوں نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگا تا ہوں یعنی جست لگاتے وقت اور چلتے وقت سہارا لیتا ہوں۔ اور میں اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں تا کہ وہ کھائیں۔ اور اس میں میرے لئے کئی اور فائدے بھی ہیں۔ لفظ مآرب یہ مأربۃ کی جمع ہے۔ مأرب کی راء پر تینوں اعراب جائز ہیں یعنی ضروریات۔ اور کئی دوسرے فوائد بھی ہیں۔ جس طرح کھانا پینا اس پر لٹکا لینا ہے۔ اور اس سے موذی جانوروں کو دفع کرنا ہے۔ یہاں جواب میں بیان ضرورت کا اضافہ کیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے فوائد کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک بہت بڑے اور صاف کھلے معجزے کا ذکر ہو رہا ہے جو بغیر اللہ کی قدرت کے ناممکن اور جو غیر نبی کے ہاتھ پر بھی ناممکن۔ طور پہاڑ پر دریافت ہو رہا ہے کہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ یہ سوال اس لئے تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گھبراہٹ دور ہو جائے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ سوال بطور تقریر کے ہے یعنی تیرے ہاتھ میں لکڑی ہی ہے یہ جیسی کچھ ہے تجھے معلوم ہے اب یہ جو ہو جائے گی وہ دیکھ لینا۔ اس سوال کے جواب میں کلیم اللہ عرض کرتے ہیں یہ میری اپنی لکڑی ہے جس پر میں ٹیک لگاتا ہوں یعنی چلنے میں مجھے یہ سہارا دیتی ہے اس سے میں اپنی بکریوں کا چارہ درخت سے جھاڑ لیتا ہوں۔ ایسی لکڑیوں میں ذرا مڑا ہوا لوہا لگا لیا کرتے ہیں تا کہ پتے پھل آسانی سے اتر آئیں اور لکڑی ٹوٹے بھی نہیں اور بھی بہت سے فوائد اس میں ہیں۔ ان فوائد کے بیان میں بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہی لکڑی رات کے وقت روشن چراغ بن جاتی تھی۔ دن کو جب آپ سو جاتے تو یہی لکڑی آپ کی بکریوں کی رکھوالی کرتی جہاں کہیں سایہ دار جگہ نہ ہوتی آپ اسے گاڑ دیتے یہ خیمے کی طرح آپ پر سایہ کرتی وغیرہ وغیرہ لیکن بظاہر یہ قول بنی اسرائیل کا افسانہ معلوم ہوتا ہے ورنہ پھر آج اسے بصورت سانپ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قدر کیوں گھبراتے؟ وہ تو اس لکڑی کے عجائبات دیکھتے چلے آتے تھے۔ پھر بعض کا قول ہے کہ دراصل یہ لکڑی حضرت آدم علیہ السلام کی تھی۔ کوئی کہتا ہے یہی لکڑی قیامت کے قریب دابۃ الارض کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ کہتے ہیں اس کا نام ماشا تھا۔ اللہ ہی جانے ان اقوال میں کہاں تک جان ہے؟ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ○ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ○
ارشاد ہوا: اے موسیٰ! اسے ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اسے زمین پر پھینکا تو یکدم وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔
فرمایا اسے پکڑ اور ڈر نہیں، عنقریب ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا کا بیان

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى، "فَاَلْقَاهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ" ثُعْبَانٌ عَظِيْمٌ "تَسْعٰى" تَمْشِي عَلٰى بَطْنِهَا سَرِيْعًا كَسُرْعَةِ

الثُّعْبَان الصَّغِير الْمُسَمَّى بِالْجَانّ الْمُعَبَّر بِهِ فِيهَا فِي آيَة أُخْرَى
"قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ" مِنْهَا "سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا" مَنْصُوب بِنَزْعِ الْخَافِض أَيْ إِلَى حَالَتهَا "الْأُولَى"
فَأَدْخَلَ يَده فِي فَمهَا فَعَادَتْ عَصًا فَتَبَيَّنَ أَنَّ مَوْضِع الْإِدْخَال مَوْضِع مَسْكهَا بَيْن شُعْبَتَيْهَا وَأُرِيَ ذَلِكَ السَّيِّد مُوسَى لِئَلَّا يَجْزَع إِذَا انْقَلَبَتْ حَيَّة لَدَى فِرْعَوْن،

ارشاد ہوا: اے موسیٰ! اسے ڈال دو، پھر جب موسیٰ نے اسے زمین پر پھینکا تو یکدم وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ وہ پیٹ کے بل چھوٹے سانپ کی طرح دوڑنے لگا دوسری آیت میں اس کو جان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا اسے پکڑ اور ڈر نہیں، یہاں پر سیرتہا یہ حرف جار کے حذف کے سبب منصوب ہے۔ عنقریب ہم اسے اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ لہٰذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے منہ میں ڈال دیا تو وہ پہلی صورت میں عصا بن گیا۔ جس سے یہ ظاہر ہو گیا ہاتھ داخل کرنے کی جگہ دونوں شاخوں کے درمیان ہے۔ اور یہ معجزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے دیکھا گیا تا کہ جب یہ فرعون کے سامنے سانپ بن جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری نہ ہو۔

عصائے موسیٰ کا اژدھا بن جانے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لکڑی کا لکڑی ہونا جتا کر انہیں بخوبی بیدار اور ہوشیار کر کے حکم ملا کہ اسے زمین پر ڈال دو۔ زمین پر پڑتے ہی وہ ایک زبردست اژدھے کی صورت میں پھنپھناتی ہوئی ادھر ادھر چلنے پھرنے بلکہ دوڑنے بھاگنے لگی۔ ایسا خوفناک اژدھا اس سے پہلے کسی نے دیکھا ہی نہ تھا۔ اس کی تو یہ حالت تھی کہ ایک درخت سامنے آ گیا تو یہ اسے ہضم کر گیا۔ ایک چٹان پتھر کی راستے میں آ گئی تو اس کا لقمہ بنا گیا۔ یہ حال دیکھتے ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام الٹے پاؤں بھاگے۔ آواز دی گئی کہ موسیٰ پکڑ لے لیکن ہمت نہ پڑی پھر فرمایا موسیٰ علیہ السلام ڈر نہیں پکڑ لے پھر بھی جھجک باقی رہی تیسری مرتبہ فرمایا تو ہمارے امن میں ہے اب ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا۔ کہتے ہیں فرمان الٰہی کے ساتھ ہی آپ نے لکڑی زمین پر ڈال دی پھر ادھر ادھر آپ کی نگاہ ہو گئی اب جو نظر ڈالی بجائے لکڑی کے ایک خوفناک اژدھا دکھائی دیا جو اس طرح چل پھر رہا ہے جیسے کسی کی جستجو میں ہو۔ گابھن اونٹنی جیسے بڑے بڑے پتھروں کو آسمان سے باتیں کرتے ہوئے اونچے اونچے درختوں کو ایک لقمے میں ہی پیٹ میں پہنچا رہا ہے آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی ہیں اس ہیبت ناک خونخوار اژدھے کو دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سہم گئے اور پیٹھ موڑ کر زور سے بھاگے پھر اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی یاد آ گئی تو شرما کر ٹھہر گئے وہیں آواز آئی کہ موسیٰ لوٹ کر وہیں آ جاؤ جہاں تھے آپ لوٹے لیکن نہایت خوفزدہ تھے۔ تو حکم ہوا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے اسے تھام لو کچھ بھی خوف نہ کرو ہم اسے اس کی اسی اگلی حالت میں لوٹا دیں گ۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام صوف کا کمبل اوڑھے ہوئے تھے جسے ایک کانٹے سے اٹکا رکھا تھا آپ نے اسی کمبل کو اپنے ہاتھ پر لپیٹ کر اس ہیبت ناک اژدھے کو پکڑنا چاہا فرشتے نے کہا موسیٰ علیہ السلام اگر اللہ تعالیٰ اسے کاٹنے کا حکم دے دے تو کیا تیرا یہ کمبل بچا سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا ہرگز نہیں لیکن یہ حرکت مجھ سے بہ سبب میرے ضعف کے سرزد ہو گئی میں ضعیف اور کمزور ہی پیدا کیا گیا ہوں۔ اب دلیری کے

ساتھ کمبل ہٹا کر ہاتھ بڑھا کر اس کے سر کو تھام لیا اسی وقت وہ اژدھا پھر لکڑی بن گیا جیسے پہلے تھا اس وقت جب کہ آپ اس گھاٹی پر چڑھ رہے تھے اور آپ کے ہاتھ میں یہ لکڑی تھی جس پر ٹیک لگائے ہوئے تھے اسی حال میں آپ نے پہلے دیکھا تھا اسی حالت پر اب ہاتھ میں بصورت عصا موجود تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ○
اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا لو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمک دار ہو کر نکلے گا، دوسری نشانی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضاء کا بیان

"وَاضْمُمْ يَدك " الْيُمْنَى بِمَعْنَى الْكَفّ "إلَى جَنَاحك " أَيْ جَنْبك الْأَيْسَر تَحْت الْعَضُد إلَى الْإِبط وَأَخْرِجْهَا "تَخْرُج" خِلَاف مَا كَانَتْ عَلَيْهِ مِنْ الْأُدْمَة "بَيْضَاء مِنْ غَيْر سُوء " أَيْ بَرَص تُضِيء كَشُعَاعِ الشَّمْس تَغْشَى الْبَصَر "آيَة أُخْرَى" وَهِيَ بَيْضَاء حَالَانِ مِنْ ضَمِير تَخْرُج

اور اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبا لو وہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمک دار ہو کر نکلے گا، دوسری نشانی ہے۔

الفاظ کے معانی کا بیان

اضمم ۔ضم یضم ضم سے فعل امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے تو ملا لے الضم (نصر) دو یا دو سے زیادہ چیزوں کو باہم ملا دینا۔ واضمم یدک الی جناحک اپنے بازو کو اپنے بغل سے ملا لو۔ ضم الشی الیہ۔ اپنی طرف کھینچنا۔ ضم علی الشی قبضہ کرنا۔ ضمہ الی صدرہ گلے ملنا۔ معانقہ کرنا۔

جناحک ۔مضاف مضاف الیہ۔ تیرا بازو۔ تیرا پہلو۔ واضمم يدك الى جناحك اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو سے ملالے مجاہد نے الی بمعنی تحت لیا ہے اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے ملا لو۔ جناح واحد ہے اس کی جمع اجنحۃ ہے۔ جناح پرندے کے بازو کو بھی کہتے ہیں مادہ ج ن ح سے۔ جناح جمع جنوح بمعنی گناہ ہے۔

تخرج ۔مضارع مجزوم (بوجہ جواب امر) واحد مونث غائب خروج سے وہ نکلے گی ضمیر فاعل کا مرجع یدک ہے عربی میں ید مونث ہے۔ بیضاء سفید بیاض مصدر سے صفت مشبہ واحد مونث اس کا مذکر ابیض اور جمع بیض ہے یہ ضمیر فاعل تخرج سے حال ہے من غیر سوء۔ سوء۔ برائی۔ عیب۔ برا کام۔ بغیر کسی عیب کے۔ بغیر کسی مرض کے۔ ایۃ اخری۔ دوسرا معجزہ یا توایۃ۔ بیضاء طرح ضمیر تخرج سے حال ہے اور بدیں وجہ منصوب ہے۔ یا فعل مضمر خذ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

دست نبوت کی شان کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک سے رات و دن میں آفتاب کی طرح نور ظاہر ہوتا تھا اور یہ معجزہ آپ کے اعظم معجزات میں سے ہے جب آپ دوبارہ اپنا دست مبارک بغل کے نیچے رکھ کر بازو

سے ملاتے تو وہ دستِ اقدس حالت سابقہ پر آ جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دوسرا معجزہ دیا جاتا ہے حکم ہوتا ہے کہ اپنا ہاتھ اپنی بغل میں ڈال کر پھر اسے نکال لو تو وہ چاند کی طرح چمکتا ہوا روشن بن کر نکلے گا۔ یہ نہیں کہ برص کی سفیدی ہو یا کوئی بیماری اور عیب ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چراغ کی طرح روشن نکلا جس سے آپ کا یہ یقین کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کر رہے ہیں اور بڑھ گیا۔ یہ دونوں معجزے یہیں اسی لئے ملے تھے کہ آپ اللہ کی ان زبردست نشانیوں کو دیکھ کر یقین کر لیں۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝
تا کہ ہم تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ تم فرعون کے پاس جاؤ وہ حد سے بڑھ گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کی طرف جانے کا بیان

"لِنُرِيَكَ" بِهَا إذَا فَعَلْت ذَلِكَ لِإِظْهَارِهَا "مِنْ آيَاتنَا" الْآيَة "الْكُبْرَى" أَيْ الْعُظْمَى عَلَى رِسَالَتك وَإِذَا أَرَادَ عَوْدهَا إلَى حَالَتهَا الْأُولَى ضَمَّهَا إلَى جَنَاحه كَمَا تَقَدَّمَ وَأَخْرَجَهَا

"اذْهَبْ" رَسُولًا "إلَى فِرْعَوْن" وَمَنْ مَعَهُ "إنَّهُ طَغَى" جَاوَزَ الْحَدّ فِي كُفْره إلَى ادِّعَاء الْإِلَهِيَّة

تا کہ ہم اس معجزہ کے اظہار سے تجھے اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ جو اس سے بڑی ہیں اور وہ آپ کی رسالت ہے۔ اور جب تم ہاتھ کو پہلی حالت پر لوٹانا چاہو تو ہاتھ آستین میں واپس لے جانا جس طرح پہلے اس کا خروج بیان ہو چکا ہے۔ تم فرعون کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ نافرمانی و سرکشی میں حد سے بڑھ گیا ہے۔ یعنی کفر میں بڑھ کر اس نے دعویٰ الوہیت کر دیا ہے۔

فرعون کا سرکشی میں حد سے بڑھ جانے کا بیان

وہب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قریب ہونے کا حکم دیا یہاں تک کہ آپ اس درخت کے تنے سے لگ کر کھڑے ہو گئے، دل ٹھہر گیا، خوف و خطرہ دور ہو گیا۔ دونوں ہاتھ اپنی لکڑی پر ٹکا کر سر جھکا کر گردن خم کر کے باادب ارشاد الٰہی سننے لگے تو فرمایا گیا کہ ملک مصر کے بادشاہ فرعون کی طرف ہمارا پیغام لے کر جاؤ، یہیں سے تم بھاگ کر آئے ہو۔ اس سے کہو کہ وہ ہماری عبادت کرے، کسی کو شریک نہ بنائے، بنو اسرائیل کے ساتھ سلوک و احسان کرے، انہیں تکلیف اور ایذاء نہ دے۔ فرعون بڑا باغی ہو گیا ہے، دنیا کا مفتون بن کر آخرت کو فراموش کر بیٹھا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے کو بھول گیا ہے تو میری رسالت لے کر اس کے پاس جا۔ میرے کان اور میری آنکھیں تیرے ساتھ ہیں، میں تجھے دیکھتا بھالتا اور تیری باتیں سنتا سناتا رہوں گا۔ میری مدد تیرے پاس ہو گی میں نے اپنی طرف سے تجھے حجتیں عطا فرما دی ہیں اور تجھے قوی اور مضبوط کر دیا ہے تو اکیلا ہی میرا پورا لشکر ہے۔ اپنے ایک ضعیف بندے کی طرف تجھے بھیج رہا ہوں جو میری نعمتیں پا کر پھول گیا ہے اور میری پکڑ کو بھول گیا ہے دنیا میں پھنس گیا اور غرور تکبر میں دھنس گیا ہے۔ میری ربوبیت سے بیزار، میری الوہیت سے برسرپیکار ہے۔ مجھ سے آنکھیں پھیر

لی ہیں، دیدے بدل لئے ہیں۔ میری پکڑ سے غافل ہو گیا ہے۔ میرے عذابوں سے بیخوف ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی عزت کی قسم اگر میں اسے ڈھیل دینا نہ چاہتا تو آسمان اس پر ٹوٹ پڑتے زمین اسے نگل جاتی دریا اسے ڈبو دیتے لیکن چونکہ وہ میرے مقابلے کا نہیں ہر وقت میرے بس میں ہے میں اسے ڈھیل دیے ہوئے ہوں اور اس سے بے پرواہی برت رہا ہوں۔ میں ہوں بھی ساری مخلوق سے بے پرواہ۔ حق تو یہ ہے کہ بے پرواہی صرف میری ہی صفت ہے۔ تو میری رسالت ادا کر، اسے میری عبادت کی ہدایت کر، اسے توحید و اخلاص کی دعوت دے، میری نعمتیں یاد دلا، میرے عذابوں سے دھمکا، میرے غضب سے ہوشیار کر دے۔ جب میں غصہ کر بیٹھتا ہوں تو امن نہیں ملتا۔ اسے نرمی سے سمجھا تا کہ نہ ماننے کا عذر ٹوٹ جائے۔ میری بخشش کی میرے کرم و رحم کی اسے خبر دے کہہ دے کہ اب بھی اگر میری طرف جھکے گا تو میں تمام بداعمالیوں سے قطع نظر کر لوں گا۔

میری رحمت میرے غضب سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ خبردار اس کا دنیوی ٹھاٹھ دیکھ کر رعب میں نہ آ جانا اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے اس کی زبان چل نہیں سکتی اس کے ہاتھ اٹھ نہیں سکتے اس کی آنکھ پھڑک نہیں سکتی اس کا سانس چل نہیں سکتا جب تک میری اجازت نہ ہو۔ اسے یہ سمجھا کہ میری مان لے تو میں بھی مغفرت سے پیش آؤں گا۔ چار سو سال اسے سرکشی کرتے، میرے بندوں پر ظلم ڈھاتے، میری عبادت سے لوگوں کو روکتے گزر چکے ہیں۔ تاہم نہ میں نے اس پر بارش بند کی نہ پیداوار روکی نہ بیمار ڈالا نہ بوڑھا کیا نہ مغلوب کیا۔ اگر چاہتا ظلم کے ساتھ ہی پکڑ لیتا لیکن میرا حلم بہت بڑھا ہوا ہے۔

تو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر اس سے پوری طرح جہاد کر اور میری مدد پر بھروسہ رکھ میں اگر چاہوں تو اپنے لشکروں کو بھیج کر اس کا بھیجا نکال دوں۔ لیکن اس بے بنیاد بندے کو دکھانا چاہتا ہوں کہ میری جماعت کا ایک بھی روئے زمین کی طاقتوں پر غالب آ سکتا ہے۔ مدد میرے اختیار میں ہے۔ دنیوی جاہ و جلال کی تو پرواہ نہ کرنا بلکہ آنکھ بھر کر دیکھنا بھی نہیں۔ میں اگر چاہوں تو تمہیں اتنا دے دوں کہ فرعون کی دولت اس کے پاسنگ میں بھی نہ آ سکے لیکن میں اپنے بندوں کو عموماً غریب ہی رکھتا ہوں تا کہ ان کی آخرت سنوری رہے یہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ میرے نزدیک قابل اکرام نہیں بلکہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ دونوں جہان کی نعمتیں آنے والے جہان میں جمع مل جائیں۔ میرے نزدیک بندے کا کوئی عمل اتنا وقعت والا نہیں جتنا زہد اور دنیا سے دوری۔ میں اپنے خاص بندوں کو سکینت اور خشوع خضوع کا لباس پہنا دیتا ہوں ان کے چہرے سجدوں کی چمک سے روشن ہو جاتے ہیں۔

یہی سچے اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے ہر ایک کو باادب رہنا چاہئے۔ اپنی زبان اور دل کو ان کا تابع رکھنا چاہئے۔ سن لے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والا گویا مجھے لڑائی کا اعلان دیتا ہے۔ تو کیا مجھ سے لڑنے کا ارادہ رکھنے والا کبھی سرسبز ہو سکتا ہے؟ میں نے قہر کی نظر سے اسے دیکھا اور وہ تہس نہس ہوا۔ میرے دشمن مجھ پر غالب نہیں آ سکتے، میرے مخالف میرا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ میں اپنے دوستوں کی تو دمد کرتا ہوں، انہیں دشمنوں کا شکار نہیں ہونے دیتا۔ دنیا و آخرت میں انہیں سرخرو رکھتا ہوں اور ان کی مدد کرتا ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا بچپن کا زمانہ فرعون کے گھر میں بلکہ اس کی گود میں گزارا تھا جوانی تک ملک مصر میں اسی کی

بادشاہت میں ٹھہرے رہے تھے پھر ایک قبطی بے ارادہ آپ کے ہاتھ سے مرگیا تھا جس سے آپ یہاں سے بھاگ نکلے تھے تب سے لے کر آج تک مصر کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ فرعون ایک سخت دل بدخلق اکھڑ مزاج آوارہ انسان تھا غرور اور تکبر اتنا بڑھ گیا تھا کہ کہتا تھا کہ میں اللہ کو جانتا ہی نہیں اپنی رعایا سے کہتا تھا کہ تمہارا اللہ میں ہی ہوں ملک و مال میں دولت و متاع میں لاؤ لشکر اور کفر میں کوئی روئے زمین پر اس کے مقابلے کا نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ o وَ یَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ o وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ o یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ o
عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرما دے۔ اور میرا کام میں میرے لئے آسان فرما دے۔
اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا شرح صدر کا بیان

"قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی " وَسِّعْهُ لِتَحَمُّلِ الرِّسَالَة "وَیَسِّرْ" سَهِّلْ "لِی أَمْرِی "لِأُبَلِّغهَا "وَاحْلُلْ عُقْدَة مِنْ لِسَانِی " حَدَثَتْ مِنْ احْتِرَاقه بِجَمْرَةٍ وَضَعَهَا بِفِیهِ وَهُوَ صَغِیر "یَفْقَهُوا" یَفْهَمُوا "قَوْلِی" عِنْد تَبْلِیغ الرِّسَالَة

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میرے لئے میرا سینہ کشادہ فرما دے۔ یعنی اس کو وسیع کر دے تا کہ وہ رسالت کے احکام کو اٹھائے۔ اور میرا کارِ (رسالت) میرے لئے آسان فرما دے تا کہ میں اس کو پہنچاؤں۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ یعنی اس چنگاری کی وجہ سے گرہ جو پڑ گئی تھی جو چنگاری آپ نے بچپن میں اپنے منہ رکھ لی تھی۔ کہ لوگ میری بات آسانی سے سمجھ سکیں۔ یعنی جب میں انہیں رسالت کا پیغام پہنچاؤں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب کلام الٰہی کا شرف حاصل ہوا اور منصب نبوت و رسالت عطا ہوا تو اپنی ذات اور اپنی طاقت پر بھروسہ چھوڑ کر خود حق تعالیٰ ہی کی طرف متوجہ ہو گئے کہ اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں اسی کی مدد سے پوری ہو سکتی ہیں اور ان پر جو مصائب اور شدائد آنا لازمی ہیں ان کی برداشت کا حوصلہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہو سکتا ہے اس لئے اس وقت پانچ دعائیں مانگیں، پہلی اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ، یعنی میرا سینہ کھول دے اس میں ایسی وسعت عطا فرما دے جو علوم نبوت کا متحمل ہو سکے اور دعوت ایمان لوگوں تک پہنچانے میں جو ان کی طرف سے سخت سست سننا پڑتا ہے اس کو برداشت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

کام میں آسانی کی دعا کا بیان

دوسری دعا وَیَسِّرْ لِیْۤ اَمْرِیْ (یعنی میرا کام میرے لئے آسان کر دے) یہ فہم و فراست بھی نبوت ہی کا ثمرہ تھا کہ کسی کام کا مشکل یا آسان ہونا بھی ظاہری تدبیروں کے تابع نہیں یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطیہ ہوتا ہے وہ اگر چاہتے ہیں تو کسی کے لئے مشکل سے مشکل بھاری سے بھاری کام آسان کر دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تو آسان سے آسان کام مشکل ہو جاتا ہے اسی

لیے حدیث شریف میں مسلمانوں کو اس دعا کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگا کریں اللھم الطف بنا فی تیسیر کل عسیر فان تیسیر کل عسیر علیك یسیر، یعنی یا اللہ ہم پر مہربانی فرما ہر مشکل کام کو آسان کرنے کے لئے کیونکہ ہر مشکل کام کا آسان کر دینا آپ کے قبضہ میں ہے۔

زبان کی لکنت سے بچنے کی دعا کا بیان

جو خوردسالی میں آگ کا انگارہ منہ میں رکھ لینے سے پڑ گئی ہے اور اس کا واقعہ یہ تھا کہ بچپن میں آپ ایک روز فرعون کی گود میں تھے آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اس پر اسے غصہ آیا اور اس نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا آسیہ نے کہا کہ اے بادشاہ یہ نادان بچہ ہے کیا سمجھے؟ تو چاہے تو تجربہ کر لے اس تجربہ کے لئے ایک طشت میں آگ اور ایک طشت میں یاقوت سرخ آپ کے سامنے پیش کئے گئے آپ نے یاقوت لینا چاہا مگر فرشتہ نے آپ کا ہاتھ انگارہ پر رکھ دیا اور وہ انگارہ آپ کے منہ میں دے دیا اس سے زبان مبارک جل گئی اور لکنت پیدا ہو گئی اس کے لئے آپ نے یہ دعا کی۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ۝ هٰرُوْنَ اَخِی ۝ اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ ۝
وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ ۝ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ۝
اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک وزیر بنا دے۔ میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) ہو، اس سے میری کمر ہمت مضبوط
فرما دے۔ اور اسے میرے کام میں شریک فرما دے۔ تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح کیا کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کو بہ طور وزیر طلب کرنے کا بیان

"وَاجْعَلْ لِی وَزِیرًا" مُعِینًا عَلَیْهَا "هَارُون" مَفْعُول ثَانٍ "أَخِی" عَطْف بَیَان "اُشْدُدْ بِهِ أَزْرِی" وَالْفِعْلَانِ بِصِیغَتَیِ الْأَمْر وَالْمُضَارِع الْمَجْزُوم وَهُوَ جَوَاب الطَّلَب "وَأَشْرِكْهُ فِی أَمْرِی" أَیْ الرِّسَالَة وَالْفِعْلَانِ بِصِیغَتَیِ الْأَمْر وَالْمُضَارِع الْمَجْزُوم وَهُوَ جَوَاب الطَّلَب "كَیْ نُسَبِّحك" تَسْبِیحًا،

اور میرے گھر والوں میں سے میرا ایک وزیر بنا دے، یعنی وہ میری مدد کرنے والا ہوا۔ وہ میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) ہو، لفظ ہارون یہ مفعول ثانی ہے۔ اور اخی لفظ ہارون سے عطف بیان ہے۔ اس سے میری کمر ہمت مضبوط فرما دے۔ یہاں اشدد اور اشرک یہ دونوں صیغے امر کے بھی ہو سکتے ہیں اور مضارع مجزوم کے بھی ہوتے ہیں کیونکہ فعل مضارع جب جواب امر ہو تو وہ مجزوم آتا ہے۔ (قاعدہ نحویہ) اور اسے میرے کام میں شریک فرما دے۔ تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح کیا کریں۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین یا چار سال بڑے تھے، اور تین سال پہلے ہی وفات پائی۔ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا مانگی وہ مصر میں تھے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر ان کو بھی نبی بنا دیا تو بذریعہ فرشتہ ان کو بھی مصر ہی میں اس کی اطلاع مل گئی جب موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا گیا تو ان کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ وہ

مصر سے باہر ان کا استقبال کریں اور ایسا ہی واقع ہوا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

حضرت ہارون کو وزیر اور شریک نبوت بنانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح و ذکر کیا کریں گے۔ یہاں سے یہ سوال ہوسکتا ہے کہ تسبیح و ذکر تو ایسی چیز ہے کہ ہر انسان تنہا بھی جتنا چاہے کرسکتا ہے اس کے لئے کسی ساتھی کے عمل کا کیا دخل لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر و تسبیح میں بھی ساز گار ماحول اور اللہ والے ساتھیوں کا بڑا دخل ہوتا ہے جس کے ساتھی اللہ والے نہ ہوں وہ اتنی عبادت نہیں کرسکتا جتنی وہ کرسکتا ہے جس کا ماحول اللہ والوں کا اور ساتھی ذاکر شاغل ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص ذکر اللہ میں مشغول رہنا چاہے اس کو ساز گار ماحول کی بھی تلاش کرنا چاہئے۔

وَّ نَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ○ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ○ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ○

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ○ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ○

اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کیا کریں۔ بیشک تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔ ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! تمہاری ہر مانگ تمہیں عطا کردی۔ اور بیشک ہم نے تم پر ایک اور بار احسان فرمایا تھا۔ جب ہم نے تمہاری والدہ کے دل میں وہ بات ڈال دی جو ڈالی گئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف الہام کا بیان

"وَنَذْكُرك" ذِكْرًا "إنَّك كُنْت بِنَا بَصِيرًا" عَالِمًا فَأَنْعَمْت بِالرِّسَالَةِ "قَالَ قَدْ أُوتِيت سُؤْلك يَا مُوسَى" مِنًّا عَلَيْك "إذْ" لِلتَّعْلِيلِ "أَوْحَيْنَا إلَى أُمّك" مَنَامًا أَوْ إلْهَامًا لَمَّا وَلَدَتْك وَخَافَتْ أَنْ يَقْتُلك فِرْعَوْن فِي جُمْلَة مَنْ يُولَد "مَا يُوحَى" فِي أَمْرك وَيُبْدَل مِنْهُ

اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کیا کریں۔ بیشک تو ہمیں سب حالات کے تناظر میں خوب دیکھنے والا ہے۔ پس تو نے رسالت کا انعام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے موسیٰ! تمہاری ہر مانگ تمہیں عطا کردی۔ اور بیشک ہم نے تم پر ایک اور بار اس سے پہلے بھی احسان فرمایا تھا۔ جب ہم نے تمہاری والدہ کے دل میں وہ بات ڈال دی جو ڈالی گئی تھی۔ یہاں پر اذ تعلیل کیلئے آیا ہے۔ یعنی حالت نیند میں یا الہام کے ذریعے جب تمہاری ولادت ہوئی تو انہیں اندیشہ ہوا کہ فرعون قتل کردے گا۔ کیونکہ وہ سب میلاد یوں کو قتل کردیتا تھا۔ تو ہم نے تمہارے معاملہ ان کو الہام کیا۔ یہاں پر ما یوحی یہ اَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ سے بدل ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

مننا۔ من مصدر سے ماضی جمع متکلم (باب نصر) ہم نے بڑا احسان کیا۔ ہم نے بڑی نعمت دی المنة جمع المنن احسان۔ مہربانی۔ نعمت۔ یہ دو طرح سے ہے ایک منت بالفعل جیسے لقد من اللہ علی المومنین، خدا نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ اور اسی معنی میں آیت ہذا میں یہ ہے۔ دوسرا معنی منت بالقول ہے جیسے لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی، اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر باطل نہ کریں۔

مرۃ اخری۔اور ہم نے ایک مرتبہ پہلے بھی تم پر احسان کیا تھا۔ یہاں ایک بار سے مراد شمار نہیں ہے کیونکہ قبل ازیں خداوند تعالیٰ نے صرف ایک احسان ہی نہیں فرمایا تھا بلکہ متعدد احسانات کئے جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ یہاں ایک بار سے مراد یہ ہے کہ اب ہم آپ کو مانگنے پر عطا کررہے ہیں اوراس سے قبل ہم بن مانگے ہی آپ پر احسانات کررہے ہیں۔

مرۃ اخری سے مراد یہ موخر الذکر احسانات ہیں یا مرۃ اخریسے مراد یہ نئی درخواست کا قبول کرنا ہے۔یعنی ہم نے پہلے بھی تم پر احسانات کئے ہیں اور یہ ایک بار پھرتم پر احسان کیا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنا کر تمہارے ساتھ کردیا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر انعامات کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو انعامات وعنایات حق اس وقت مبذول ہوئیں کہ شرف ہم کلامی سے نوازا گیا، نبوت و رسالت عطا ہوئی، خاص معجزات عطا ہوئے اس کے ساتھ یہاں حق تعالیٰ اپنی وہ نعمتیں بھی ان کو یاد دلاتے ہیں جو شروع پیدائش سے اس وقت تک زندگی کے ہر دور میں آپ پر مبذول ہوتی رہیں اور مسلسل آزمائشوں اور جان کے خطروں کے درمیان قدرت حق نے کن حیرت انگیز طریقوں سے ان کی حفاظت فرمائی۔ یہ نعمتیں جن کا ذکر آگے آتا ہے زمانہ وقوع کے اعتبار سے پہلی ہیں یہاں جو ان کو اُخرٰی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ نعمتیں اس کے بعد کی ہیں بلکہ اخریٰ کبھی مطلقاً دوسرے کے معنے میں بھی آتا ہے جس میں مقدم موخر کا کوئی مفہوم نہیں ہوتا یہاں بھی یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

(تفسیر روح المعانی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کے نام کا بیان

روح المعانی میں ہے کہ ان کا مشہور نام یوحانذ ہے، اور اتقان میں ان کا نام لحیانہ بنت یصمد بن لاوی لکھا ہے، اور بعض لوگوں نے ان کا نام بارخا بعض نے باذخت بتلایا ہے۔بعض تعویذ گنڈے والے ان کے نام کی عجیب خصوصیات بیان کیا کرتے ہیں صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ ہمیں اس کی کوئی بنیاد نہیں معلوم ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

انتباہ، قرآن مجید میں جہاں پر لفظ وحی غیر انبیاء کیلئے استعمال ہوا ہے اس سے مراد الہام ہے کیونکہ وحی جو انبیائے کرام طرف آتی ہے جس میں ان کی اپنی سیرت وکردار اور امت کیلئے تعلیم واحکام وغیرہ ہوتے ہیں ایسی وحی صرف انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہے۔

اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ
وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۝
یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اسے دریا میں ڈال دے، پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے، اسے ایک میرا دشمن اوراس کا دشمن
اٹھالے گا اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے ایک محبت ڈال دی اور تاکہ تیری پرورش میری آنکھوں کے سامنے کی جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تابوت میں رکھ کر دریا میں چھوڑ دینے کا بیان

"أَنْ اقْذِفِيهِ" أَلْقِيهِ "فِي التَّابُوت فَاقْذِفِيهِ" بِالتَّابُوتِ "فِي الْيَمّ" بَحْر النِّيل "فَلْيُلْقِهِ الْيَمّ بِالسَّاحِلِ" أَيْ شَاطِئِهِ وَالْأَمْر بِمَعْنَى الْخَبَر "يَأْخُذهُ عَدُوّ لِي وَعَدُوّ لَهُ" وَهُوَ فِرْعَوْن "وَأَلْقَيْت" بَعْد أَنْ أَخَذَك "عَلَيْك مَحَبَّة مِنِّي" لِتُحَبّ فِي النَّاس فَأَحَبَّك فِرْعَوْن وَكُلّ مَنْ رَآك "وَلِتُصْنَع عَلَى عَيْنِي" تُرَبَّى عَلَى رِعَايَتِي وَحِفْظِي لَك

یہ کہ تو اسے صندوق میں ڈال، پھر اسے دریائے نیل میں ڈال دے، پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے، یعنی دریا کا کنارہ یہاں پر بھی امر بہ معنی خبر آیا ہے۔ اسے ایک میرا دشمن اور اس کا دشمن اٹھالے گا اور وہ فرعون ہے۔ اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے ایک محبت ڈال دی تا کہ لوگوں میں سے جو تمہیں دیکھے وہ تم سے محبت کرنے لگے پس فرعون نے بھی محبت کی۔ اور تا کہ تمہاری پرورش میری آنکھوں کے سامنے بہ حفاظت کی جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے احوال کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام دعائیں قبول ہوئیں اور فرما دیا گیا کہ تمہاری درخواست منظور ہے۔ اس احسان کے ساتھ ہی اور احسان کا بھی ذکر کر دیا گیا کہ ہم نے تجھ پر ایک مرتبہ اور بھی بڑا احسان کیا ہے۔ پھر اس واقعہ کو مختصر طور پر یاد دلایا کہ ہم نے تیرے بچپن کے وقت تیری ماں کی طرف وحی بھیجی جس کا ذکر اب تم سے ہو رہا ہے۔ تم اس وقت دودھ پیتے بچے تھے تمہاری والدہ کو فرعون اور فرعونیوں کا کھٹکا تھا کیونکہ اس سال وہ بنو اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر رہا تھا۔ اس خوف کے مارے وہ ہر وقت کانپتی رہتی تھیں تو ہم نے وحی کی کہ ایک صندوق بنالو دودھ پلا کر بچے کو اس میں لٹا کر دریائے نیل میں اس صندوق کو چھوڑ دو چنانچہ وہ یہی کرتی رہیں ایک رسی اس میں باندھ رکھی تھی جس کا ایک سرا اپنے مکان سے باندھ لیتی تھیں ایک مرتبہ باندھ رہی تھیں جو رسی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور صندوق کو پانی کی موجیں بہالے چلیں اب تو کلیجہ تھام کر رہ گئیں اس قدر غمزدہ ہوئیں کہ صبر ناممکن تھا، شاید راز فاش کر دیتیں لیکن ہم نے دل مضبوط کر دیا صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا آل فرعون نے اسے اٹھالیا کہ جس غم سے وہ بچنا چاہتے تھے جس صدمے سے وہ محفوظ رہنا چاہتے تھے وہ ان کے سامنے آجائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا بیان

جسکی شمع حیات کو بجھانے کے لئے وہ بیگناہ معصوموں کا قتل عام کر رہے تھے وہ انہی کے تیل سے انہی کے ہاں روشن ہو اور اللہ کے ارادے بیروک پورے ہو جائیں ان کا دشمن انہی کے ہاتھوں پلے انہی کا کھائے ان کے ہاں تربیت پائے۔ خود فرعون اور اس کی اہلیہ محترمہ نے جب بچے کو دیکھا رگ رگ میں محبت سماگئی لے کر پرورش کرنے لگے۔ آنکھوں کا تارا سمجھنے لگے شاہزادوں کی طرح ناز ونعمت سے پلنے لگے شاہی دربار میں رہنے لگے۔ اللہ نے اپنی محبت تجھ پر ڈال دی گو فرعون تیرا دشمن تھا لیکن رب کی بات کون

بدلے؟ اللہ کے ارادے کو کون ٹالے فرعون پر ہی کیا منحصر ہے جو دیکھتا آپ کا دالہ وشیدا بن جاتا یہ اس لئے تھا کہ تیری پرورش میری نگاہ کے سامنے ہو شاہی خوراکیں کھا عزت و وقعت کے ساتھ رہ۔ فرعون والوں نے صندوقچہ اٹھالیا کھولا بچے کو دیکھا پالنے کا ارادہ کیا لیکن آپ کسی دایہ کا دودھ دباتے ہی نہیں بلکہ منہ میں ہی نہیں لیتے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا اب تو دن ڈوبنے کو ہے واقعات زیادہ ہیں پھر سہی چنانچہ میں نے دوسری صبح پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا سنو! فرعون کے دربار میں ایک دن اس بات کا ذکر چھڑا کہ اللہ کا وعدہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے یہ تھا کہ ان کی اولاد میں انبیاء اور بادشاہ ہوں گے چنانچہ بنو اسرائیل اس کے آج تک منتظر ہیں اور انہیں یقین ہے کہ مصر کی سلطنت پھر ان میں جائے گی۔ پہلے تو ان کا خیال تھا کہ یہ وعدہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بابت تھا لیکن ان کی وفات تک جب کہ یہ وعدہ پورا نہیں ہوا تو وہ اب عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ ان میں اپنے ایک پیغمبر کو بھیجے گا۔

جن کے ہاتھوں انہیں سلطنت بھی ملے گی اور ان کی قومی و مذہبی ترقی ہوگی یہ باتیں کر کے انہوں نے مجلس مشاورت قائم کی کہ اب کیا کیا جائے جس سے آئندہ کے اس خطرے سے محفوظ رہ سکیں۔ آخر اس جلسے میں قرارداد منظور ہوئی کہ پولیس کا ایک محکمہ قائم کیا جائے جو شہر کا گشت لگاتا رہے اور بنی اسرائیل میں جو نرینہ اولاد ہو اسے اسی وقت سرکار میں پیش کیا جائے اور ذبح کر دیا جائے۔ لیکن جب ایک مدت گزر گئی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل بالکل فنا ہو جائیں گے اور جو ذلیل خدمتیں ان سے لی جاتی ہیں جو بیگاریں ان سے وصول ہو رہی ہیں سب موقوف ہو جائیں گی اس لئے اب تجویز ہوا کہ ایک سال ان کے بچوں کو چھوڑ دیا جائے اور ایک سال ان کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں۔ اس طرح موجودہ بنی اسرائیلیوں کی تعداد بھی نہ بڑھے گی اور نہ اتنی کم ہو جائے گی کہ ہمیں اپنی خدمت گزاری کے لئے بھی نہ مل سکیں جتنے بڈھے دو سال میں مریں گے اتنے بچے ایک سال میں پیدا ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ
تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۟ قف
فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ۝
جب تیری بہن چلی جاتی تھی، پس کہتی تھی کیا میں تمھیں اس کا پتا دوں جو اس کی پرورش کرے؟ پس ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف
لوٹا دیا، تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے۔ اور تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور ہم نے
تجھے آزمایا، خوب آزمانا، پھر کئی سال تو مدین والوں میں ٹھہرا رہا، پھر تو ایک مقرر انداز ے پر آیا اے موسیٰ!

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین جانے کا بیان

"إِذْ" لِلتَّعْلِيلِ "تَمْشِي أُخْتك" مَرْيَم لِتَتَعَرَّف مِنْ خَبَرك وَقَدْ أَحْضَرُوا مَرَاضِع وَأَنْتَ لَا تَقْبَل ثَدْي وَاحِدَة مِنْهُنَّ "فَتَقُول هَلْ أَدُلّكُمْ عَلَى مَنْ يَكْفُلهُ" فَأُجِيبَتْ فَجَاءَتْ بِأُمِّهِ فَقَبِلَ ثَدْيهَا "فَرَجَعْنَاك إِلَى أُمّك كَيْ تَقَرّ عَيْنهَا" بِلِقَائِك "وَلَا تَحْزَن" حِينَئِذٍ "وَقَتَلْت نَفْسًا" "هُوَ الْقِبْطِيّ بِمِصْر فَاغْتَمَمْت لِقَتْلِهِ مِنْ جِهَة فِرْعَوْن "فَنَجَّيْنَاك مِنْ الْغَمّ وَفَتَنَّاك فُتُونًا" اخْتَبَرْنَاك بِالْإِيقَاعِ فِي غَيْر ذَلِكَ وَخَلَّصْنَاك مِنْهُ "فَلَبِثْت سِنِينَ" عَشْرًا "فِي أَهْل مَدْيَن" بَعْد مَجِيئِك إِلَيْهَا مِنْ مِصْر عِنْد شُعَيْب النَّبِيّ وَتَزَوُّجك بِابْنَتِهِ "ثُمَّ جِئْت عَلَى قَدَر" فِي عِلْمِي بِالرِّسَالَةِ وَهُوَ أَرْبَعُونَ سَنَة مِنْ عُمْرك

یہاں پر اذ تعلیل کیلئے آیا ہے۔ جب آپ کی بہن مریم چلی جاتی تھی، تا کہ تمہاری خبر گیری کرے۔ اور کئی عورتیں تمہیں دودھ پلانے کیلئے بلائی گئیں۔ لیکن تم نے ان میں سے کسی کا دودھ پینا قبول نہ کیا۔ تو تمہاری بہن کہتی تھیں کیا میں تمھیں اس کا پتا دوں جو اس کی پرورش کرے؟ تو ان کی بات قبول کی گئی۔ اور تمہاری والدہ کو لایا گیا تو تم ان کا دودھ پینا قبول کیا۔ پس ہم نے تمہیں تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا، تا کہ تمہاری ملاقات سے اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ غم نہ کرے۔ اور تو نے ایک شخص کو قتل کر دیا اور وہ قبطی مصر کا آدمی تھا۔ پس اس کے قتل کے سبب آپ فرعون کی طرف سے غمزدہ ہوئے۔ تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے آزمایا، خوب آزمانا، یعنی مختلف آزمائشوں میں ڈالا۔ پھر ان سے نجات دی۔ پھر کئی سال آپ مدین والوں میں ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد یعنی مصر سے مدین کی طرف آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آئے اور وہاں ان کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے بعد اے موسیٰ آپ ایک مقرر اندازے کے مطابق آئے۔ اور جو میرے علم میں تمہاری مدت رسالت تھی وہ چالیس سال تھی۔

بہن جو صندوق کو دیکھتی بھالتی کنارے کنارے آ رہی تھی وہ بھی موقعہ پر پہنچ گئیں کہنے لگیں کہ آپ اگر اسکی پرورش کی تمنا کرتے ہیں اور معقول اجرت بھی دیتے ہیں تو میں ایک گھرانہ بتاؤں جو اسے محبت سے پالے اور خیر خواہانہ برتاؤ کرے۔ سب نے کہا ہم تیار ہیں آپ انہیں لئے ہوئے اپنی والدہ کے پاس پہنچیں جب بچہ ان کی گود میں ڈال دیا گیا۔ آپ نے جھٹ سے منہ لگا دودھ پینا شروع کیا جس سے فرعون کے ہاں بڑی خوشیاں منائی گئیں اور بہت کچھ انعام واکرام دیا گیا۔ تنخواہ مقرر ہوگئی اپنے ہی بچے کو دودھ پلائیں اور تنخواہ اور انعام بھی اور عزت واکرام بھی پائیں دنیا بھی ملے دین بھی بڑھے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اپنے کام کرے اور نیک نیتی سے کرے اس کی مثال ام موسیٰ کی مثال ہے کہ اپنے ہی بچے کو دودھ پلائے اور اجرت بھی لے۔

پس یہ بھی ہماری کرم فرمائی ہے کہ ہم نے تجھے تیری ماں کی گود میں واپس کیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غم ورنج جاتا رہے۔ پھر تمہارے ہاتھ سے ایک فرعونی قبطی مار ڈالا گیا تو بھی ہم نے تمہیں بچالیا فرعونیوں نے تمہارے قتل کا ارادہ کر لیا تھا راز فاش ہو چکا تھا تمہیں یہاں سے نجات دی، مدین کے کنوئیں پر جا کر تم نے دم لیا۔ وہاں ہمارے ایک نیک بندے نے تمہیں بشارت سنائی کہ اب کوئی خوف نہیں ان ظالموں سے تم نے نجات پالی۔ تجھے ہم نے بطور آزمائش اور بھی بہت سے فتنوں میں ڈالا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی واقعہ کا بیان

امام نسائی قاسم بن ابی ایوب فرماتے ہیں کہ مجھے سعید بن جبیر نے خبر دی کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آئی ہے یعنی وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا میں نے دریافت کیا کہ اس میں فتون سے کیا مراد ہے؟ ابن عباس نے فرمایا کہ اس کا واقعہ بڑا طویل ہے صبح کو سویرے آ جاؤ تو بتلا دیں گے، جب اگلے دن صبح ہوئی تو میں سویرے ہی ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہو گیا تا کہ کل جو وعدہ فرمایا تھا اس کو پورا کراؤں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ سنو (ایک روز) فرعون اور اس کے ہم نشینوں میں اس بات کا ذکر آیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کی ذریت میں انبیاء اور بادشاہ پیدا فرماویں گے۔ بعض شرکاء مجلس نے کہا کہ ہاں بنی اسرائیل تو اس کے منتظر ہیں جس میں ان کو ذرا شک نہیں کہ ان کے اندر کوئی نبی و رسول پیدا ہوگا اور پہلے ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نبی یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں جب ان کی وفات ہو گئی تو کہنے لگے کہ ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا یہ اس کے مصداق نہیں (کوئی اور نبی و رسول پیدا ہوگا اور جو اس وعدہ کو پورا کرے گا)۔ فرعون نے یہ سنا تو (اس کو فکر لاحق ہو گئی کہ اگر بنی اسرائیل میں جن کو اس نے غلام بنا رکھا تھا کوئی نبی و رسول پیدا ہو گیا تو وہ ان کو مجھ سے آزاد کرائے گا) اس لئے حاضرین مجلس سے دریافت کیا کہ اس آفت سے بچنے کا کیا راستہ ہے یہ لوگ آپس میں مشورے کرتے رہے اور انجام کار سب کی رائے اس پر متفق ہو گئی کہ (بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو ذبح کر دیا جائے اس کے لئے) ایسے سپاہی مقرر کر دیئے گئے جن کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں اور وہ بنی اسرائیل کے ایک ایک گھر میں جا کر دیکھتے تھے جہاں کوئی لڑکا نظر آیا اس کو ذبح کر دیا۔

کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہنے کے بعد ان کو یہ ہوش آیا کہ ہماری سب خدمتیں اور محبت مشقت کے کام تو بنی اسرائیل ہی انجام دیتے ہیں اگر یہ سلسلہ قتل کا جاری رہا تو ان کے بوڑھے تو اپنی موت مر جائیں گے اور بچے ذبح ہوتے رہے تو آئندہ بنی اسرائیل میں کوئی مرد نہ رہے گا جو ہماری خدمتیں انجام دے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ سارے مشقت کے کام ہمیں خود ہی کرنا پڑیں گے اس لئے اب یہ رائے ہوئی کہ ایک سال میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے، دوسرے سال میں پیدا ہونے والوں کو ذبح کر دیا جائے۔ اس طرح بنی اسرائیل میں کچھ جوان بھی رہیں گے جو اپنے بوڑھوں کی جگہ لے سکیں اور ان کی تعداد اتنی زیادہ بھی نہ ہوگی جس سے فرعونی حکومت کو خطرہ ہو سکے۔ یہ بات سب کو پسند آئی اور یہی قانون نافذ کر دیا گیا (اب حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت کا ظہور اس طرح ہوا کہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک حمل اس وقت ہوا جبکہ بچوں کو زندہ چھوڑ دینے کا سال تھا، اس میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے فرعونی قانون کی رو سے ان کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا اگلے سال جو لڑکوں کے قتل کا سال تھا اس میں حضرت موسیٰ حمل میں آئے تو ان کی والدہ پر رنج و غم طاری تھا کہ اب یہ بچہ پیدا ہوگا تو قتل کر دیا جائے گا۔ ابن عباس نے قصہ کو یہاں تک پہنچا کر فرمایا کہ اے ابن جبیر فتون یعنی آزمائش کا یہ پہلا موقع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی دنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے قتل کا منصوبہ تیار تھا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ان کی والدہ کو بذریعہ وحی الہام یہ تسلی دے دی کہ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَادُّوْهُ

اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ، یعنی تم کوئی خوف وغم نہ کرو (ہم اس کی حفاظت کریں گے اور کچھ دن جدا رہنے کے بعد) ہم ان کو تمہارے پاس واپس کر دیں گے پھر ان کو اپنے رسولوں میں داخل کر لیں گے۔ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو ان کی والدہ کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا (نیل) میں ڈال دو۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اس حکم کی تعمیل کر دی۔ جب وہ تابوت کو دریا کے حوالے کر چکیں تو شیطان نے ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ تو نے کیا کام کیا اگر تیرا بچہ تیرے پاس رہ کر ذبح بھی کر دیا جاتا تو اپنے ہاتھوں سے کفن دفن کر کے کچھ تو تسلی ہوتی اب تو اس کو دریا کے جانور کھائیں گے (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی رنج وغم میں مبتلا تھیں کہ) دریا کی موجوں نے تابوت کو ایک ایسی چٹان پر ڈال دیا جہاں فرعون کی باندیاں لونڈیاں نہانے دھونے کے لئے جایا کرتی تھیں، انہوں نے یہ تابوت دیکھا تو اٹھا لیا اور کھولنے کا ارادہ کیا تو ان میں سے کسی نے کہا کہ اگر اس میں کچھ مال ہوا اور ہم نے کھول لیا تو فرعون کی بیوی کو یہ گمان ہو گا کہ ہم نے اس میں سے کچھ الگ رکھ لیا ہے ہم کچھ بھی کہیں اس کو یقین نہیں آئے گا اس لئے سب کی رائے یہ ہو گئی کہ اس تابوت کو اسی طرح بند اٹھا کر فرعون کی بیوی کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

فرعون کی بیوی نے تابوت کھولا تو اس میں ایک ایسا لڑکا دیکھا جس کو دیکھتے ہی اس کے دل میں اس سے اتنی محبت ہو گئی جو اس سے پہلے کسی بچے سے نہیں ہوئی تھی (جو درحقیقت حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا ظہور تھا (وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ) دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بوسوسہ شیطانی اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کو بھول گئیں اور حالت یہ ہو گئی وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ہر خوشی اور ہر خیال سے خالی ہو گیا (صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فکر غالب آ گئی) ادھر جب لڑکوں کے قتل پر مامور پولیس والوں کو فرعون کے گھر میں ایک لڑکا آ جانے کی خبر ملی تو وہ چھریاں لے کر فرعون کی بیوی کے پاس پہنچ گئے کہ یہ لڑکا ہمیں دو تاکہ ذبح کر دیں۔

ابن عباس نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جبیر کو مخاطب کیا کہ اے ابن جبیر فتون یعنی آزمائش کا (دوسرا) واقعہ یہ ہے۔ فرعون کی بیوی نے ان لشکری لوگوں کو جواب دیا کہ ابھی ٹھہرو کہ صرف اس ایک لڑکے سے تو بنی اسرائیل کی قوت نہیں بڑھ جائے گی میں فرعون کے پاس جاتی ہوں اور اس بچے کی جاں بخشی کراتی ہوں، اگر فرعون نے اس کو بخش دیا تو یہ بہتر ہو گا ورنہ تمہارے معاملے میں دخل نہ دوں گی یہ بچہ تمہارے حوالے ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ فرعون کے پاس گئی اور کہا کہ یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے فرعون نے کہا کہ ہاں تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہونا تو معلوم ہے مگر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کی قسم کھائی جا سکتی ہے اگر فرعون اس وقت بیوی کی طرح اپنے لئے بھی موسیٰ علیہ السلام کی قرۃ العین آنکھوں کی ٹھنڈک ہونے کا اقرار کر لیتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی ہدایت کر دیتا جیسا اس کی بیوی کو ہدایت ایمان عطا فرمائی۔

(بہر حال بیوی کے کہنے سے فرعون نے اس لڑکے کو قتل سے آزاد کر دیا) اب فرعون کی بیوی اس کو دودھ پلانے کے لیے اپنے آس پاس کی عورتوں کو بلایا۔ سب نے چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کی خدمت سر انجام دیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی

کی چھاتی نہ لگتی (وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ) اب فرعون کی بیوی کو فکر ہوگئی کہ جب کسی کا دودھ نہیں لیتے تو زندہ یہ کیسے رہیں گے اس لئے اپنی کنیزوں کے سپرد کیا کہ اس کو بازار اور لوگوں کے مجمع میں لے جائیں شاید کسی عورت کا دودھ یہ قبول کرلیں۔

اس طرف موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بے چین ہوکر اپنی بیٹی کو کہا کہ ذرا باہر جاکر تلاش کرو اور لوگوں سے دریافت کرو کہ اس تابوت اور بچہ کا کیا انجام ہوا، وہ زندہ ہے یا دریائی جانوروں کی خوراک بن چکا ہے اس وقت تک ان کو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد نہیں آیا تھا جو حالت حمل میں ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور چندروزہ مفارقت کے بعد واپسی کا کیا گیا تھا۔ حضرت موسیٰ کی بہن باہر نکلیں تو (قدرت حق کا یہ کرشمہ دیکھا کہ) فرعون کی کنیزیں اس بچے کو لئے ہوئے دودھ پلانے والی عورت کی تلاش میں ہیں، جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا کہ یہ بچہ کسی عورت کا دودھ نہیں لیتا اور یہ کنیزیں پریشان ہیں تو ان سے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ دیتی ہوں جہاں مجھے امید ہے کہ یہ ان کا دودھ بھی لیں گے اور وہ اس کو خیر خواہی ومحبت کے ساتھ پالیں گے۔ یہ سن کر ان کنیزوں نے ان کو اس شبہ میں پکڑ لیا کہ یہ عورت شاید اس بچے کی ماں یا کوئی عزیز خاص ہے جو وثوق کے ساتھ یہ کہہ رہی ہے کہ وہ گھر والے اس کے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں (اس وقت یہ بہن بھی پریشان ہوگئی)۔

ابن عباس نے اس جگہ پہنچ کر پھر ابن جبیر کو خطاب کیا کہ یہ (تیسرا) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے بات بنائی اور کہا کہ میری مراد اس گھر والوں کے ہمدرد خیر خواہ ہونے سے یہی تھی کہ فرعونی دربار تک ان کی رسائی ہوگی اس سے ان کو منافع پہنچنے کی امید ہوگی اس لئے وہ اس بچے کی محبت وہمدردی میں کسر نہ کریں گے۔ یہ سن کر کنیزوں نے ان کو چھوڑ دیا۔ یہ واپس اپنے گھر پہنچی اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو واقعہ کی خبر دی وہ ان کے ساتھ اس جگہ پہنچیں جہاں یہ کنیزیں جمع تھیں، کنیزوں کے کہنے سے انہوں نے بھی بچے کو گود میں لے لیا، موسیٰ علیہ السلام فوراً ان کی چھاتیوں سے لگ کر دودھ پینے لگے یہاں تک کہ پیٹ بھر گیا۔ یہ خوشخبری فرعون کی بیوی کو پہنچی کہ اس بچے کے لیے دودھ پلانے والی مل گئی۔ فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلوایا۔ انہوں نے آکر حالات دیکھے اور یہ محسوس کیا کہ فرعون کی بیوی میری حاجت وضرورت محسوس کررہی ہے تو ذرا خودداری سے کام لیا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ یہاں رہ کر اس بچے کو دودھ پلائیں کیونکہ مجھے اس بچے سے اتنی محبت ہے کہ میں اس کو اپنی نظروں سے غائب نہیں رکھ سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں تو اپنے گھر کو چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکتی کیونکہ میری گود میں خود ایک بچہ ہے جس کو دودھ پلاتی ہوں، میں اس کو کیسے چھوڑوں۔ ہاں اگر آپ اس پر راضی ہوں کے بچہ میرے سپرد کریں میں اپنے گھر رکھ کر اس کو دودھ پلاؤں اور یہ وعدہ کرتی ہوں کہ اس بچے کی خبر گیری اور حفاظت میں ذرا کوتاہی نہ کروں گی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اس وقت اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ بھی یاد آ گیا جس میں فرمایا کہ چندروز کی جدائی کے بعد ہم ان کو تمہارے پاس واپس دے دیں گے اس لئے وہ اور اپنی بات پر جم گئیں۔ اہلیہ فرعون نے مجبور ہوکر ان کی بات مان لی اور یہ اسی روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر اپنے گھر آ گئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا نشوونما خاص طریقے پر فرمایا۔

جب موسیٰ علیہ السلام ذرا قوی ہوگئے تو اہلیہ فرعون نے ان کی والدہ سے کہا کہ یہ بچہ مجھے لاکر دکھلا جاؤ (کہ میں اس کے دیکھنے

کے لئے بے چین ہوں) اور اہلیہ فرعون نے اپنے سب درباریوں کو حکم دیا کہ یہ بچہ آج ہمارے گھر آ رہا ہے تم میں سے کوئی ایسا نہ رہے جو اس کا اکرام نہ کرے اور کوئی ہدیہ اس کو پیش نہ کرے اور میں خود اس کی نگرانی کروں گی کہ تم لوگ اس معاملہ میں کیا کرتے ہو۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ گھر سے نکلے اسی وقت سے ان پر تحفوں اور ہدایا کی بارش ہونے لگی یہاں تک کہ اہلیہ فرعون کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے پاس سے خاص تحفے اور ہدیے الگ پیش کیے۔ اس کے بعد اہلیہ فرعون ان کو دیکھ کر بیحد مسرور ہوئی اور یہ سب تحفے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دے دیئے۔ اس کے بعد اہلیہ فرعون نے کہا کہ اب میں ان کو فرعون کے پاس لے جاتی ہوں وہ ان کو انعامات اور تحفے دیں گے جب ان کو لے کر فرعون کے پاس پہنچی تو فرعون نے ان کو اپنی گود میں لے لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑ کر زمین کی طرف جھکا دیا۔ اس وقت دربار کے لوگوں نے فرعون سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا تھا بنی اسرائیل میں ایک نبی پیدا ہوگا جو آپ کے ملک و مال کا وارث ہوگا، آپ پر غالب آئے گا اور آپ کو پچھاڑے گا، یہ وعدہ کس طرح پورا ہو رہا ہے۔

فرعون متنبہ ہوا اور اسی وقت لڑکوں کو قتل کرنے والے سپاہیوں کو بلا لیا تا کہ اس کو ذبح کر دیں ابن عباس نے یہاں پہنچ کر پھر ابن جبیر کو خطاب کیا کہ یہ (چوتھا) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ پھر موت سر پر منڈلانے لگی۔

اہلیہ فرعون نے یہ دیکھا تو کہا کہ آپ تو یہ بچہ مجھے دے چکے ہیں پھر اب یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے، فرعون نے کہا تم یہ نہیں دیکھتیں کہ یہ لڑکا اپنے عمل سے گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ مجھ کو زمین پر پچھاڑ کر مجھ پر غالب آ جائے گا۔ اہلیہ فرعون نے کہا کہ آپ ایک بات کو اپنے اور میرے معاملہ کے فیصلہ کے لئے مان لیں جس سے حق بات ظاہر ہو جاوے گی (کہ بچے نے یہ معاملہ بچپن کی بے خبری میں کیا ہے یا دیدہ دانستہ کسی شوخی سے) آپ دو انگارے آگ کے اور دو موتی منگوا لیجئے اور دونوں کو ان کے سامنے کر دیجئے اگر یہ موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور آگ کے انگاروں سے بچیں تو آپ سمجھ لیں کہ اس کے افعال عقل و شعور سے دیدہ و دانستہ ہیں اور اگر اس نے موتیوں کی بجائے انگارے ہاتھ میں اٹھائے تو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ کام کسی عقل و شعور سے نہیں کیا گیا کیونکہ کوئی عقل والا انسان آگ کو ہاتھ میں نہیں اٹھا سکتا (فرعون نے اس آزمائش کو مان لیا) دو انگارے اور دو موتی موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انگارے اٹھا لئے (بعض دوسری روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہتے تھے کہ جبرئیل امین نے ان کا ہاتھ انگاروں کی طرف پھیر دیا) فرعون نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً ان کے ہاتھ سے انگارے چھین لئے کہ ان کا ہاتھ نہ جل جائے (اب تو اہلیہ فرعون کی بات بن گئی) اس نے کہا کہ آپ نے واقعہ کی حقیقت کو دیکھ لیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر یہ موت موسیٰ علیہ السلام سے ٹلا دی کیونکہ قدرت خداوندی کو ان سے آگے کام لینا تھا۔

(حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی طرح فرعون کے شاہانہ اعزاز و اکرام اور شاہانہ خرچ پر اپنی والدہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک یہ جوان ہو گئے)۔

ان کے شاہی اکرام و اعزاز کو دیکھ کر فرعون کے لوگوں کو بنی اسرائیل پر وہ ظلم و جور اور تذلیل و توہین کرنے کی ہمت نہ رہی جو

اس سے پہلے آلِ فرعون کی طرف سے ہمیشہ بنی اسرائیل پر ہوتا رہتا تھا۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام شہر کے کسی گوشہ میں چل رہے تھے تو دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں جن میں سے ایک فرعونی ہے اور دوسرا اسرائیلی۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر امداد کے لئے پکارا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی آدمی کی جسارت پر بہت غصہ آ گیا کہ اس نے شاہی دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے اعزاز و اکرام کو جانتے ہوئے اسرائیلی کو ان کے سامنے پکڑ رکھا ہے جبکہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ ان کا تعلق اسرائیلی لوگوں سے صرف رضاعت اور دودھ پینے کی وجہ سے ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی والدہ یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم کر دیا ہو کہ یہ اپنی دودھ پلانے والی عورت ہی کے بطن سے پیدا ہوئے اور اسرائیلی ہیں۔

غرض موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں آ کر اس فرعونی کے ایک مکا رسید کیا جس کو وہ برداشت نہ کر سکا اور وہیں مر گیا مگر اتفاق سے وہاں کوئی اور آدمی موسیٰ علیہ السلام اور ان دونوں لڑنے والوں کے سوا موجود نہیں تھا، فرعونی تو قتل ہو گیا اسرائیلی اپنا آدمی تھا اس سے اس کا اندیشہ نہ تھا کہ یہ مخبری کر دے گا۔

جب یہ فرعونی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مارا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا ہے وہ کھلا دشمن گمراہ کرنے والا ہے (پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی) یعنی اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا (کہ یہ خطا قتل فرعونی کی مجھ سے سرزد ہو گئی) مجھے معاف فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا کیونکہ وہ ہی بہت معاف کرنے والا اور بہت رحمت کرنے والا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد خوف و ہراس کے عالم میں یہ خبریں دریافت کرتے رہے (کہ اس کے قتل پر آلِ فرعون کا ردعمل کیا ہوا اور دربار فرعون تک یہ معاملہ پہنچا یا نہیں) معلوم ہوا کہ معاملہ فرعون تک اس عنوان سے پہنچا کہ کسی اسرائیلی نے آلِ فرعون کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے اس لئے اسرائیلیوں سے اس کا انتقام لیا جائے۔ اس معاملے میں ان کے ساتھ کوئی ڈھیل کا معاملہ نہ کیا جائے۔ فرعون نے جواب دیا کہ اس کے قاتل کو متعین کر کے مع شہادت کے پیش کرو۔

کیونکہ بادشاہ اگرچہ تمہارا ہی ہے مگر اس کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بغیر شہادت، ثبوت کے کسی سے قصاص لے لے۔ تم اس کے قاتل کو تلاش کرو اور ثبوت مہیا کرو میں ضرور تمہارا انتقام بصورت قصاص اس سے لوں گا۔ فرعون کے لوگ یہ سن کر گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومنے لگے کہ کہیں اس کے قتل کرنے والے کا سراغ مل جائے مگر ان کو کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

اچانک یہ واقعہ پیش آیا کہ اگلے روز موسیٰ علیہ السلام گھر سے نکلے تو اسی اسرائیلی کو دیکھا کہ کسی دوسرے فرعونی شخص سے مقاتلہ کرنے میں لگا ہوا ہے اور پھر اس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو مدد کے لئے پکارا مگر موسیٰ علیہ السلام کل کے واقعہ پر ہی نادم ہو رہے تھے اور اس وقت اسی اسرائیلی کو پھر لڑتے ہوئے دیکھ کر اس پر ناراض ہوئے (کہ خطا اسی کی معلوم ہوتی ہے یہ جھگڑالو آدمی ہے روز لڑتا ہی رہتا ہے) مگر اس کے باوجود موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا کہ فرعونی شخص کو اس پر حملہ کرنے سے روکیں لیکن اسرائیلی کو بھی

بطور تنبیہ کہنے لگے تو نے کل بھی جھگڑا کیا تھا آج پھر لڑ رہا ہے، تو ہی ظالم ہے۔ اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ آج بھی اسی طرح غصے میں ہیں جیسے کل تھے تو اس کو موسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ سے یہ شبہ ہو گیا کہ یہ آج مجھے ہی قتل کر دیں گے تو فوراً بول اٹھا کہ اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر ڈالو جیسے کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

یہ باتیں ہونے کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے مگر فرعونی شخص نے آلِ فرعون کے ان لوگوں کو جو کل کے قاتل کی تلاش میں تھے جا کر یہ خبر پہنچا دی کہ خود اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا ہے کہ تم نے کل ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر دربار فرعون تک فوراً پہنچائی گئی۔ فرعون نے اپنے سپاہی موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے لئے بھیج دیئے۔ یہ سپاہی جانتے تھے کہ وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ اطمینان کے ساتھ شہر کی بڑی سڑک سے موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے۔ اس طرف ایک شخص کو موسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے جو شہر کے کسی بعید حصہ میں رہتا تھا اس کی خبر لگ گئی کہ فرعونی سپاہی موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں بغرض قتل نکل چکے ہیں اس نے کسی گلی کوچے کے چھوٹے راستہ سے آگے پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔

یہاں پہنچ کر پھر ابن عباس نے ابن جبیر کو خطاب کیا کہ اے ابن جبیر یہ (پانچواں) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت سر پر آ چکی تھی اللہ نے اس سے نجات کا سامان کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سن کر فوراً شہر سے نکل گئے اور مدین کی طرف رخ پھر گیا۔ یہ آج تک شاہی ناز و نعمت میں پلے تھے کبھی محنت و مشقت کا نام نہ آیا تھا مصر سے نکل کھڑے ہوئے مگر راستہ بھی کہیں کا نہ جانتے تھے مگر اپنے رب پر بھروسہ تھا کہ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ، یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے راستہ دکھاوے گا۔ جب شہر مدین کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر ایک کنویں پر لوگوں کا اجتماع دیکھا جو اس پر اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ اور دیکھا کہ دو عورتیں اپنی بکریوں کو سمیٹے ہوئے الگ کھڑی ہیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان عورتوں سے پوچھا کہ تم الگ کیوں کھڑی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہم ان سب لوگوں سے مزاحمت اور مقابلہ کریں اس لیے ہم اس انتظار میں ہیں کہ جب یہ سب لوگ فارغ ہو جائیں تو جو کچھ بچا ہوا پانی مل جائے گا اس سے ہم اپنا کام نکالیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے ان کی شرافت دیکھ کر خود ان کے لئے کنویں سے پانی نکالنا شروع کر دیا اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت بخشی تھی بڑی جلدی ان کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔ یہ عورتیں اپنی بکریاں لے کر اپنے گھر گئیں اور موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سایہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ، یعنی اے میرے پروردگار میں محتاج ہوں اس نعمت کا جو آپ میری طرف بھیجیں (مطلب یہ تھا کہ کھانے کا اور ٹھکانہ کا کوئی انتظام ہو جائے) یہ لڑکیاں جب روزانہ کے وقت سے پہلے بکریوں کو سیراب کر کے گھر پہنچیں تو ان کے والد کو تعجب ہوا اور فرمایا آج تو کوئی نئی بات ہے، لڑکیوں نے موسیٰ علیہ السلام کے پانی کھینچنے اور پلانے کا قصہ والد کو سنا دیا۔ والد نے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ جس شخص نے یہ احسان کیا ہے اس کو یہیں بلا لاؤ، وہ

بلالائی، والد نے موسیٰ علیہ السلام سے ان کے حالات دریافت کئے اور فرمایا لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ. یعنی اب آپ خوف وہراس اپنے دل سے نکال دیجئے، آپ ظالموں کے ہاتھ سے نجات پاچکے ہیں ہم نہ فرعون کی سلطنت میں ہیں نہ اس کا ہم پر کچھ حکم چل سکتا ہے۔

اب ان دولڑکیوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا یعنی ابا جان، ان کو آپ ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازمت کے لئے بہترین آدمی وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔ والد کو اپنی لڑکی سے یہ بات سن کر غیرت سی آئی کہ میری لڑکی کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ قوی بھی ہیں اور امین بھی۔ اس لئے اس سے سوال کیا کہ تمہیں ان کی قوت کا اندازہ کیسے ہوا اور ان کی امانت داری کس بات سے معلوم کی۔ لڑکی نے عرض کیا کہ ان کی قوت کا مشاہدہ تو ان کے کنویں سے پانی کھینچنے کے وقت ہوا کہ سب چرواہوں سے پہلے انہوں نے اپنا کام کرلیا، دوسرا کوئی ان کے برابر نہیں آسکا اور امانت کا حال اس طرح معلوم ہوا کہ جب میں ان کو بلانے کے لئے گئی اور اول نظر میں جب انہوں نے دیکھا کہ میں ایک عورت ہوں تو فوراً اپنا سر نیچا کرلیا اور اس وقت تک سر نہیں اُٹھایا جب تک کہ میں نے ان کو آپ کا پیغام نہیں پہنچا دیا۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو مگر مجھے اپنے گھر کا راستہ پیچھے سے بتلاتی رہو اور یہ بات صرف وہی مرد کرسکتا ہے جو امانت دار ہو۔ والد کو لڑکی کی اس دانشمندانہ بات سے مسرت ہوئی اور اس کی تصدیق فرمائی اور خود بھی ان کے بارے میں قوت وامانت کا یقین ہو گیا۔ اس وقت لڑکیوں کے والد نے (جو اللہ کے رسول حضرت شعیب علیہ السلام تھے) موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو یہ منظور ہے کہ میں ان دونوں میں سے ایک کا نکاح آپ سے کردوں جس کی شرط یہ ہوگی کہ آپ آٹھ سال تک ہمارے یہاں مزدوری کریں، اور اگر آپ دس سال پورے کردیں تو اپنے اختیار سے کردیں بہتر ہوگا مگر ہم یہ پابندی آپ پر عائد نہیں کرتے تاکہ آپ پر زیادہ مشقت نہ ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو منظور فرمالیا جس کی رو سے موسیٰ علیہ السلام پر صرف آٹھ سال کی خدمت بطور معاہدہ کے لازم ہوگئی باقی دو سال کا وعدہ اختیاری رہا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے وہ وعدہ بھی پورا کرا کر دس سال پورے کرادیئے۔

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نصرانی عالم مجھے ملا، اس نے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میعادوں میں سے کون سی میعاد پوری فرمائی؟ میں نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کیونکہ اس وقت تک ابن عباس کی یہ حدیث مجھے معلوم نہ تھی۔ اس کے بعد میں ابن عباس سے ملا ان سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آٹھ سال کی میعاد پورا کرنا تو موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھا اس میں کچھ کمی کرنے کا تو احتمال ہی نہیں اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کا اختیاری وعدہ بھی پورا ہی کرنا منظور تھا اس لئے دس سال کی میعاد پوری کی۔ اس کے بعد میں اس نصرانی عالم سے ملا اور اس کو یہ خبر دی تو اس نے کہا کہ تم نے جس شخص سے یہ بات دریافت کی ہے کیا وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں، میں نے کہا کہ بیشک وہ بہت بڑے عالم اور ہم سب سے افضل ہیں۔

وَاصۡطَنَعۡتُكَ لِنَفۡسِیۡ ۝ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡكَ بِاٰیٰتِیۡ وَلَا تَنِیَا فِیۡ ذِكۡرِیۡ ۝ اِذۡهَبَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۝ فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوۡ یَخۡشٰی ۝

اور میں نے تمہیں اپنے لئے چن لیا ہے۔تم اور تمہارا بھائی میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ سرکشی میں حد سے گزر چکا ہے۔سو تم دونوں اس سے نرم گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا ڈرنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسالت کیلئے منتخب کر لینے کا بیان

"وَاصۡطَنَعۡتُكَ" اخۡتَرۡتُكَ "لِنَفۡسِی" بِالرِّسَالَةِ "اذۡهَبۡ أَنۡتَ وَأَخُوكَ" إِلَى النَّاس "بِآيَاتِي" التِّسۡع "وَلَا تَنِيَا" تَفۡتُرَا "فِي ذِكۡرِي" بِتَسۡبِيحٍ وَغَيۡره "اذۡهَبَا إِلَى فِرۡعَوۡن إِنَّهُ طَغَى" بِادِّعَائِهِ الرُّبُوبِيَّة "فَقُولَا لَهُ قَوۡلًا لَيِّنًا" فِي رُجُوعه عَنۡ ذَلِكَ "لَعَلَّهُ يَتَذَكَّر" يَتَّعِظ وَالتَّرَجِّي بِالنِّسۡبَةِ إِلَيۡهِمَا لِعِلۡمِهِ تَعَالَى بِأَنَّهُ لَا يَرۡجِع "أَوۡ يَخۡشَى" اللّٰه فَيَرۡجِع

اور اب میں نے تمہیں اپنے امر رسالت کیلئے چن لیا ہے۔تم اور تمہارا بھائی ہارون میری طرف سے نو نشانیاں لے کر لوگوں کے پاس جائیں۔اور میری یاد یعنی تسبیح وغیرہ میں سستی نہ کرنا۔تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ سرکشی میں حد سے گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس نے رب ہونے کا دعویٰ کیا ہوا ہے۔لہٰذا تم دونوں اس سے نرم انداز میں گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کر لے، یہاں ترجی کی نسبت ان دونوں حضرات کی طرف اس لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں فرعون کا نہ لوٹنا تھا۔یا میرے غضب سے ڈرنے لگے۔پس وہ لوٹ آئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی کا بیان

دس سال کی میعاد خدمت پوری کرنے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کو ساتھ لے کر شعیب علیہ السلام کے وطن مدین سے رخصت ہوئے، راستہ میں سخت سردی اندھیری رات، راستہ نامعلوم، بیکسی اور بے بسی کے عالم میں اچانک کوہ طور پر آگ دیکھنے پھر وہاں جانے اور حیرت انگیز مناظر کے بعد معجزہ عصا و ید بیضاء اور اس کے ساتھ منصب نبوت و رسالت عطا ہونے کے بعد (جس کا پورا قصہ قرآن میں اوپر گزر چکا ہے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فکر ہوئی کہ میں فرعونی دربار کا ایک مفرور ملزم قرار دیا گیا ہوں مجھ سے قبطی کا قصاص لینے کا حکم وہاں سے ہو چکا ہے اب اس کے پاس دعوت رسالت لے کر جانے کا حکم ہوا ہے، نیز اپنی زبان میں لکنت کا عذر بھی سامنے آیا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض معروض پیش کی حق تعالیٰ نے ان کی فرمائش کے مطابق ان کے بھائی حضرت ہارون کو شریک رسالت بنا کر ان کے پاس وحی بھیج دی اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شہر مصر سے باہر استقبال کریں۔اس کے مطابق موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے۔ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی دونوں بھائی (حسب الحکم) فرعون کو دعوت دینے کے لئے اس کے دربار میں پہنچے کچھ وقت تک تو ان کو دربار میں حاضری کا موقع نہیں دیا گیا۔یہ دونوں

دروازے پر ٹھہرے رہے پھر بہت سے پردوں میں گزر کر حاضری کی اجازت ملی اور دونوں نے فرعون سے کہا، ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے قاصد اور پیغامبر ہیں۔ فرعون نے پوچھا تو بتلاؤ تمہارا رب کون ہے۔ موسیٰ وہارون علیہ السلام نے وہ بات کہی جس کا قرآن نے خود ذکر کر دیا (رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَه ثُمَّ هَدٰی، اس پر فرعون نے پوچھا کہ پھر تم دونوں کیا چاہتے ہو اور ساتھ ہی قبطی مقتول کا واقعہ ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجرم ٹھہرایا (اور اپنے گھر میں ان کی پرورش پانے کا احسان جتلایا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں کا وہ جواب دیا جو قرآن میں مذکور ہے (یعنی مقتول کے معاملہ میں تو اپنی خطا اور غلطی کا اعتراف کر کے ناواقفیت کا عذر ظاہر کیا اور گھر میں پرورش پر احسان جتلانے کا جواب یہ دیا کہ تم نے سارے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا ہے ان پر طرح طرح کے ظلم کر رہے ہو اسی کے نتیجہ میں یہ نیرنگ تقدیر میں تمہارے گھر میں پہنچا دیا گیا اور جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ ہو گیا اس میں تمہارا کوئی احسان نہیں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خطاب کر کے پوچھا کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ اللہ پر ایمان لے آؤ اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر دو۔ فرعون نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تمہارے پاس رسول رب ہونے کی کوئی علامت ہے تو دکھلاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا زمین پر ڈال دی تو وہ عظیم الشان اژدہا کی شکل میں منہ کھولے ہوئے فرعون کی طرف لپکی۔ فرعون خوفزدہ ہو کر اپنے تخت کے نیچے چھپ گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے پناہ مانگی کہ اس کو روک لیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو پکڑ لیا۔ پھر اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نکالا تو وہ چمکنے لگا یہ دوسرا معجزہ فرعون کے سامنے آیا پھر دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ○ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ○
دونوں نے کہا اے ہمارے رب! یقیناً ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا، یا کہ حد سے بڑھ جائے گا۔ فرمایا ڈرو نہیں،
بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، میں سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام نے فرعون کے تکبر کا اندیشہ بیان کیا

"قَالَا رَبَّنَا إِنَّنَا نَخَاف أَنْ يَفْرُط عَلَيْنَا " أَيْ يَعْجَل بِالْعُقُوبَةِ "أَوْ أَنْ يَطْغَى " عَلَيْنَا أَيْ يَتَكَبَّر "قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا" بِعَوْنِي "أَسْمَع" مَا يَقُول "وَأَرَى" مَا يَفْعَل،

دونوں نے کہا اے ہمارے رب! یقیناً ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی یعنی سزا میں جلدی کرے گا، یا کہ حد سے بڑھ جائے گا۔ یعنی تکبر کرے گا۔ فرمایا ڈرو نہیں، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے۔ میں سن رہا ہوں جو وہ کہے گا۔ اور دیکھ رہا ہوں۔ جو وہ کرے گا۔

مصر پہنچ جانے کے بعد جن دونوں بھائی فرعون کے ہاں جانے کو تیار ہوئے اور فرعون جابر اور خودسر بادشاہ کے پاس جا کر اسے دعوت دینے کا خیال کیا تو اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ ہم تعمیل ارشاد کو حاضر ہیں مگر اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ ہماری بات سننے پر آمادہ بھی ہوگا یا نہیں یا بات سن لینے پر غصہ سے بھڑک نہ اٹھے گا یا ہم پر بھی دست درازی کرے یا آپ کی شان میں مزید گستاخانہ

باتیں کہنے لگے۔ جس سے اصل مقصد ہی فوت ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ سن اور دیکھ رہا ہوں۔ وہ تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ط وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى٥
پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو: ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور انہیں اذیت نہ پہنچا، بیشک ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجنے کا بیان

"فَأْتِيَاهُ فَقُولَا إِنَّا رَسُولَا رَبِّك فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيل" إِلَى الشَّام "وَلَا تُعَذِّبهُمْ" أَيْ خَلِّ عَنْهُمْ مِنْ اسْتِعْمَالك إِيَّاهُمْ فِي. أَشْغَالك الشَّاقَّة كَالْحَفْرِ وَالْبِنَاء وَحَمْل الثَّقِيل "قَدْ جِئْنَاك بِآيَةٍ" بِحُجَّةٍ "مِنْ رَبّك" عَلَى صِدْقنَا بِالرِّسَالَةِ "وَالسَّلَام عَلَى مَنْ اتَّبَعَ الْهُدَى" أَيْ السَّلَامَة لَهُ مِنْ الْعَذَاب

پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو: ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے رسول ہیں سو تو بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے ہمارے ساتھ شام بھیج دے اور انہیں مزید اذیت نہ پہنچا، یعنی مشکل کاموں جیسے کھدائی اور کھیتوں کا کام ہے۔ اور بوجھ اٹھانے کا کام ہے۔ بیشک ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی یعنی دلیل لے کر آئے ہیں، جو ہماری رسالت کی صداقت پر دلیل ہے۔ اور اس شخص پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ یعنی اس کیلئے عذاب سے سلامتی ہو۔

فرعون کو دعوت دینے پانچ کلمات کا بیان

گویا فرعون کے سامنے دعوت کا پانچ نکاتی پروگرام ان پیغمبروں کو دیا گیا۔ ان میں سے چار تو دعوت دین کے بنیادی نکات اور ایک مطالبہ ہے۔ پہلی بات یہ تھی کہ اسے کہنے کہ ہم تمہارے پروردگار کے رسول ہیں۔ اس میں دو نکات آ گئے۔ ایک یہ کہ لوگوں کے پروردگار تم نہیں بلکہ وہ ذات ہے جو ہر چیز کا، ہمارا اور خصوصاً تمہارا بھی پروردگار ہے، دوسرا نکتہ یہ تھا کہ ہم دونوں اسی پروردگار کے بھیجے ہوئے تیرے پاس آئے ہیں خود نہیں آئے۔ گویا اس ایک جملہ میں توحید ورسالت کا ذکر آ گیا۔ تیسرا نکتہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنا چھوڑ دے اور انہیں اپنی غلامی سے آزاد کر اور انہیں ہمارے ہمراہ کر دے تاکہ وہ آزادانہ زندگی بسر کر سکیں اور یہ تیسرا نکتہ خاص اس قسم کے حالات کے مطابق تھا۔ چوتھا نکتہ یہ تھا کہ جو شخص اس راہ ہدایت یعنی اللہ کی توحید اور ہماری رسالت پر ایمان لے آئے گا اور اللہ ہی کی عبادت اور ہماری اطاعت کرے گا اس کے لئے اس دنیا میں امن اور سلامتی ہوگی اور آخر میں بھی۔ اور پانچویں یہ تھا کہ ہمیں بذریعہ وحی اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ جو شخص ہماری دعوت سے منہ پھیرے گا آخر میں اس کے لئے عذاب ہوگا۔ گویا چوتھے اور پانچویں نکتہ میں ایمان کے نہایت اہم جزء ایمان بالآخرت کی دعوت پیش کی گئی تھی۔ اور ساتھ ہی یہ بات کہہ دینا کہ ہمارا یہ

دعویٰ رسالت بے دلیل نہیں بلکہ ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی○ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی○
بیشک ہماری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ عذاب اس شخص پر ہوگا جو جھٹلائے گا اور منہ پھیر لے گا (فرعون نے) کہا:
تو اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے۔

فرعون کو دعوت توحید دینے کا بیان

"إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَاب عَلَى مَنْ كَذَّبَ " مَا جِئْنَا بِهِ "وَتَوَلَّى" أَعْرَضَ عَنْهُ فَأَتَيَاهُ وَقَالَا جَمِيع مَا ذُكِرَ "قَالَ فَمَنْ رَبّكُمَا يَا مُوسَى" اقْتَصَرَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ الْأَصْل وَلِإِدْلَالِهِ عَلَيْهِ بِالتَّرْبِيَةِ

بیشک ہماری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ عذاب ہر اس شخص پر ہوگا جو رسول کو جھٹلائے گا یعنی جو ہم پیغام حق لائے ہیں اور اس سے منہ پھیر لے گا۔ لہٰذا دونوں بھائی اس کے پاس گئے اور ذکر کردہ اس سے کہا تو فرعون نے کہا: اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کلام میں اختصار کیا کیونکہ آپ حق پر تھے۔ اور اس لئے بھی کہ اس نے تربیت کا احسان جتلا دیا۔

یعنی جو ہماری بات مان کر سیدھی راہ چلے گا اس کے لیے دونوں جہان میں سلامتی ہے۔ اور جو تکذیب یا اعراض کرے گا اس کے لیے عذاب یقینی ہے۔ خواہ صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی۔ اب تم اپنا انجام سوچ کر جو راستہ چاہو اختیار کرلو۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی○
قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی○
کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی، پھر راستہ دکھایا۔ اس نے کہا تو پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال
ہے؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے، نہ میرا رب بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

فرعون کا اقوام سابقہ کے احوال پوچھنے کا بیان

"قَالَ رَبّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلّ شَيْء " مِنْ الْخَلْق "خَلْقه" الَّذِي هُوَ عَلَيْهِ مُتَمَيِّز بِهِ عَنْ غَيْره "ثُمَّ هَدَى" الْحَيَوَان مِنْهُ إِلَى مَطْعَمه وَمَشْرَبه وَمَنْكَحِهِ وَغَيْر ذَلِكَ

"قَالَ" فِرْعَوْن "فَمَا بَال" حَال "الْقُرُون" الْأُمَم "الْأُولَى" كَقَوْمِ نُوح وَهُود وَلُوط وَصَالِح فِي عِبَادَتهمْ الْأَوْثَان

"قَالَ" مُوسَى "عِلْمهَا" أَيْ عِلْم حَالهمْ مَحْفُوظ "عِنْد رَبِّي فِي كِتَاب" هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ يُجَازِيهِمْ عَلَيْهَا يَوْم الْقِيَامَة "لَا يَضِلّ" يَغِيب "رَبِّي" عَنْ شَيْء "وَلَا يَنْسَى" رَبِّي شَيْئًا

کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل وصورت بخشی، یعنی جس کی وجہ سے وہ چیز دوسروں سے ممتاز ہے۔ پھر راستہ دکھایا۔ یعنی اس نے حیوان کو کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات وغیرہ کی سمجھ بوجھ دی۔ اس نے کہا تو پہلے زمانوں کے لوگوں کا کیا حال ہے؟ جس طرح قوم نوح، ہود، لوط اور صالح علیہ السلام کی قوم جو بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں ہے، وہی قیامت کے دن انہیں جزاء دے گا۔ نہ میرا رب کسی چیز سے بھٹکتا ہے اور نہ کسی چیز سے بھولتا ہے۔

فرعون کے سامنے دلیل تخلیق کو بتانے کا بیان

فرعون مصر وجود باری تعالیٰ کا منکر تھا۔ پیغام الٰہی کلیم اللہ کی زبانی سن کر وجود خالق کے انکار کے طور پر سوال کرنے لگا کہ تمہارا بھیجنے والا اور تمہارا رب کون ہے میں تو اسے نہیں جانتا نہ اسے مانتا ہوں۔ بلکہ میری دانست میں تو تم سب کا رب میرے سوا اور کوئی نہیں۔ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شخص کو اس کا جوڑا عطا فرمایا ہے انسان کو بصورت انسان، گدھے کو اس کی صورت پر، بکری کو ایک علیحدہ صورت پر پیدا فرمایا ہے۔ ہر ایک کو اس کی مخصوص صورت میں بنایا ہے۔ ہر ایک کی پیدائش نرالی شان سے درست کر دی ہے۔ انسانی پیدائش کا طریقہ الگ چوپائے الگ صورت میں ہیں درندے الگ وضع میں ہیں۔ ہر ایک کے جوڑے کی ہیئت ترکیبی علیحدہ ہے۔ کھانا پینا کھانے پینے کی چیزیں جوڑے سب الگ الگ اور ممتاز و مخصوص ہیں۔ ہر ایک کا انداز مقرر کر کے پھر اس کی ترکیب اسے بتلا دی ہے۔ عمل اجل رزق مقدر اور مقرر کر کے اسی پر لگا دیا ہے نظام کے ساتھ ساری مخلوق کا کارخانہ چل رہا ہے۔ کوئی اس سے اُدھر اُدھر نہیں ہوسکتا۔ خلق کا خالق تقدیروں کا مقرر کرنے والا اپنے ارادے پر مخلوق کی پیدائش کرنے والا ہی ہمارا رب ہے۔ یہ سب سن کر اس بے سمجھ نے پوچھا کہ اچھا تو پھر ان کا کیا حال ہے جو ہم سے پہلے تھے اور اللہ کی عبادت کے منکر تھے؟ اس سوال کو اس نے اہمیت کے ساتھ بیان کیا۔ لیکن اللہ کے پیغمبر علیہ السلام نے ایسا جواب دیا کہ عاجز ہو گیا۔ فرمایا ان سب کا علم میرے رب کو ہے۔ لوح محفوظ میں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں، جزا سزا کا دن مقرر ہے نہ وہ غلط کرے کہ کوئی چھوٹا بڑا اس کی پکڑ سے چھوٹ جائے نہ وہ بھولے کہ مجرم اس کی گرفت سے رہ جائیں۔ اس کا علم تمام چیزوں کو اپنے میں گھیرے ہوئے ہے۔ اسکی ذات بھول چوک سے پاک ہے، نہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر، نہ علم کے بعد بھول جانے کا اس کا وصف، وہ کمی علم کے نقصان سے وہ بھول کے نقصان سے پاک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًؕ
فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى۝
وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے بنائے اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا،
پھر ہم نے اس کے ذریعے انواع واقسام کی نباتات کے جوڑے نکال دیئے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں عجائب کا بیان

"الَّذِی جَعَلَ لَکُمْ" فِی جُمْلَة الْخَلق "الْأَرْض مَهْدًا" فِرَاشًا "وَسَلَكَ" سَهَّلَ "لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا" طُرُقًا "وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء" مَطَرًا قَالَ تَعَالَى تَتْمِيمًا لِمَا وَصَفَهُ بِهِ مُوسَى وَخِطَابًا لِأَهْلِ مَكَّة "فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا" أَصْنَافًا "مِنْ نَبَات شَتَّى" صِفَة أَزْوَاجًا أَيْ مُخْتَلِفَة الْأَلْوَان وَالطُّعُوم وَغَيْرهمَا وَشَتَّى جَمْع شَتِيت كَمَرِيضٍ وَمَرْضَى مِنْ شَتَّ الْأَمْر تَفَرَّقَ

وہی ہے جس نے تمام مخلوق میں زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا یعنی اس کو فرش بنایا۔ اور اس میں تمہارے سفر کرنے کے لئے راستے بنائے اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا، یعنی بارش نازل کی۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے کلام کو پورا کرنے کیلئے اہل مکہ سے خطاب کیا۔ پھر ہم نے اس پانی کے ذریعے زمین سے انواع و اقسام کی نباتات کے جوڑے نکال دیئے۔ یعنی مختلف جوڑے جن کے رنگ اور ذائقے مختلف ہیں۔ یہاں پر شتی یہ شتیت کی جمع ہے جس طرح مرضی، مریض کی جمع ہے اور شت الامر کا معنی تفرق ہے۔

موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سوال کے جواب میں اوصاف الٰہی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسی اللہ نے زمین کو لوگوں کے لئے فرش بنایا ہے۔ مھدا کی دوسری قرأت مھادا ہے۔ زمین کو اللہ تعالیٰ نے بطور فرش کے بنا دیا ہے کہ تم اس پر قرار کئے ہوئے ہو، اسی پر سوتے بیٹھتے رہتے سہتے ہو۔ اس نے زمین میں تمہارے چلنے پھرنے اور سفر کرنے کے لئے راہیں بنا دی ہیں تا کہ تم راستہ نہ بھولو اور منزل مقصود تک بہ آسانی پہنچ سکو۔ وہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کی وجہ سے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ کھیتیاں باغات میوے قسم قسم کے ذائقے دار کہ تم خود کھالو اور اپنے جانوروں کو چارہ بھی دو۔ تمہارا کھانا اور میوے تمہارے جانوروں کا چارا خشک اور تر سب اسی سے اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ جن کی عقلیں صحیح سالم ہیں ان کے لئے تو قدرت کی یہ تمام نشانیاں دلیل ہیں۔ اللہ کی الوہیت، اس کی وحدانیت اور اس کے وجود پر۔ اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا فرمایا ہے۔ تمہاری ابتدا اسی سے ہے۔ اس لئے کہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اسی سے ہوئی ہے۔ اسی میں تمہیں پھر لوٹنا ہے، مر کر اسی میں دفن ہونا ہے، اسی سے پھر قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے۔ ہماری پکار پر ہماری تعریفیں کرتے ہوئے اٹھو گے اور یقین کر لو گے کہ تم بہت ہی تھوڑی دیر رہے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اسی زمین پر تمہاری زندگی گزرے گی مر کر بھی اسی میں جاؤ گے پھر اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِأُولِي النُّهَىٰ ○
تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، بیشک اس میں دانش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

زمین کے پھلوں سے خود اور اپنے حیوانات کو کھلانے کا بیان

"كُلُوا" مِنْهَا "وَارْعَوْا أَنْعَامكُمْ" فِيهَا جَمْع نَعَم وَهِيَ الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم يُقَال رَعَتْ الْأَنْعَام

وَرَعْيُهَا وَالْأَمْرُ لِلْإِبَاحَةِ وَتَذْكِيرِ النِّعْمَةِ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ أَخْرَجْنَا أَيْ مُبِيحِينَ لَكُمُ الْأَكْلَ وَرَعْيَ الْأَنْعَامِ "إِنَّ فِي ذٰلِكَ" الْمَذْكُورِ هُنَا "لَآيَاتٍ" لَعِبَرًا "لِأُولِي النُّهٰى" لِأَصْحَابِ الْعُقُولِ جَمْعُ نُهْيَةٍ كَغُرْفَةٍ وَغُرَفٍ سُمِّيَ بِهِ الْعَقْلُ لِأَنَّهُ يَنْهٰى صَاحِبَهُ عَنْ ارْتِكَابِ الْقَبَائِحِ

تم اس سے کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، یہاں پر انعام یہ نعم کی جمع ہے۔ اور وہ اونٹ، گائے اور بکری ہے اور جانوروں کو چرانے والے کو چرواہا کہتے ہیں۔ اور یہاں امر اباحت کیلئے آیا ہے۔ اور نعمت کو یاد دلایا گیا ہے۔ اور یہ جملہ اخرجنا کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی تمہارے لئے ان سے کھانا مباح ہے۔ اور جانوروں کو چراگاہ میں چرانا مباح ہے۔ بیشک اس میں دانش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہاں پر اولی نہی سے مراد اصحاب عقل ہیں اور یہ نہیہ کی جمع ہے۔ اور غرف یہ غرفۃ کی جمع ہے۔ اور عقل کو عقل اس لئے کہا جاتا ہے کہ عقلمند شخص کو برے کاموں سے روکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام جاندار مخلوق کی روزی کا خواہ وہ انسان ہوں یا حیوانات ہوں ایسا مستقل اور مستحکم نظام پیدا کر دیا ہے جس سے تمام مخلوق کو روزی مہیا ہوتی رہتی ہے۔ اگر بارش کا دیوتا کوئی اور ہوتا اور نباتات کا کوئی دوسرا تو ان میں ہمیشہ کی مطابقت محال تھی۔ اور کچھ عرصہ بعد تمام مخلوق بھوک سے ہی مر جاتی۔ اللہ کا یہ نظام پیداوار اور اس پیداوار کے عوامل، یعنی سورج کی حرارت، ہواؤں کا چلنا، سمندر سے بخارات کا اٹھنا، موزوں موسم میں بارش کا نزول پھر اس سے زمین کا لہلہا اٹھنا ان سب باتوں میں ایسی ہم آہنگی ہے جس سے ہر صاحب بصیرت اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس کائنات کی مدبر و منتظم صرف ایک ہی ہستی ہو سکتی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝
اسی (مٹی) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ نکالیں گے۔

انسان کی تخلیق کا مٹی سے ہونے کا بیان

"مِنْهَا" أَيْ مِنَ الْأَرْضِ "خَلَقْنَاكُمْ" بِخَلْقِ أَبِيكُمْ آدَمَ مِنْهَا "وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ" مَقْبُورِينَ بَعْدَ الْمَوْتِ "وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ" عِنْدَ الْبَعْثِ "تَارَةً" مَرَّةً "أُخْرٰى" كَمَا أَخْرَجْنَاكُمْ عِنْدَ ابْتِدَاءِ خَلْقِكُمْ

زمین کی اسی مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا یعنی تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ بعث کے وقت نکالیں گے۔ یعنی دوبارہ اسی طرح تمہیں نکالیں گے جس طرح ابتدائی طور پر تمہاری تخلیق کی۔

سب کے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے۔ پھر جن غذاؤں سے آدمی کا بدن پرورش پاتا ہے وہ بھی مٹی سے نکلتی ہیں، مرنے کے بعد بھی عام آدمیوں کو جلد یا بدیر مٹی میں مل جانا ہے۔ اسی طرح حشر کے وقت بھی ان اجزاء کو جو مٹی میں مل گئے تھے دوبارہ جمع کر کے از سر نو پیدا کر دیا جائے گا اور جو قبروں میں مدفون تھے وہ ان سے باہر نکالے جائیں گے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنَاهُ اٰيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ○ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ○

اور بیشک ہم نے اس کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں مگر اس نے جھٹلایا اور انکار کر دیا۔ اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے ذریعہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام کوفرعون کے جھٹلانے کا بیان

"وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ" أَيْ أَبْصَرْنَا فِرْعَوْن "آيَاتنَا كُلّهَا" التِّسْع "فَكَذَّبَ" بِهَا وَزَعَمَ أَنَّهَا سِحْر "وَأَبَى" أَنْ يُوَحِّد اللّٰه تَعَالَى

"قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا" مِصْر وَيَكُون لَك الْمُلْك فِيهَا

اور بیشک ہم نے اس فرعون کو اپنی ساری نشانیاں یعنی جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو نو نشانیاں دی گئی تھیں اس کو دکھائیں مگر اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا: اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ تم اپنے جادو کے ذریعہ ہمیں ہمارے ملک یعنی مصر جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس سے نکال دو۔

فرعون کے ساحر اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ لکڑی کا سانپ بن جانا، ہاتھ کا روشن ہو جانا وغیرہ دیکھ کر فرعون نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور تو جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتا ہے۔ تو مغرور نہ ہو جا ہم بھی اس جادو میں تیرا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ دن اور جگہ مقرر ہو جائے اور مقابلہ ہو جائے۔ ہم بھی اس دن اس جگہ آ جائیں اور تو بھی ایسا نہ ہو کہ کوئی نہ آئے۔ کھلے میدان میں سب کے سامنے ہار جیت کھل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھے منظور ہے اور میرے خیال سے تو اس کے لئے تمہاری عید کا دن مناسب ہے۔ کیونکہ وہ فرصت کا دن ہوتا ہے سب آ جائیں گے اور دیکھ کر حق و باطل میں تمیز کر لیں گے۔ معجزے اور جادو کا فرق سب پر ظاہر ہو جائے گا۔ وقت دن چڑھے کا رکھنا چاہئے تاکہ جو کچھ میدان میں آئے سب دیکھ سکیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان کی زینت اور عید کا دن عاشورے کا دن تھا۔ یہ یاد رہے کہ انبیاء علیہ السلام ایسے موقعوں پر کبھی پیچھے نہیں رہتے ایسا کام کرتے ہیں جس سے حق صاف واضح ہو جائے اور ہر ایک پرکھ لے۔ اسی لئے آپ نے ان کی عید کا دن مقرر کیا اور وقت دن چڑھے کا بتایا اور صاف ہموار میدان مقرر کیا کہ جہاں سے ہر ایک دیکھ سکے اور جو باتیں ہوں وہ بھی سن سکے۔ وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے مہلت چاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکار کیا اس پر وحی اتری کہ مدت مقرر کر لو فرعون نے چالیس دن کی مہلت مانگی جو منظور کی گئی۔

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ○

تو ہم بھی ہر صورت تیرے پاس اس جیسا جادو لائیں گے، پس تو ہمارے درمیان اور اپنے درمیان وعدے کا ایک وقت طے کر دے کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو، ایسی جگہ میں جو مساوی ہو۔

32

فرعون کا حق کے مقابلے میں جادو لانے کا بیان

"فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِثْلِهِ" يُعَارِضُهُ "فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَك مَوْعِدًا" لِذَلِكَ "لَا نُخْلِفهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا" مَنْصُوب بِنَزْعِ الْخَافِض فِي "سُوًى" بِكَسْرِ أَوَّله وَضَمّه أَيْ وَسَطًا تَسْتَوِي إلَيْهِ مَسَافَة الْجَائِي مِنْ الطَّرَفَيْنِ

توہم بھی ہر صورت تیرے پاس اس جیسا جادو لائیں گے، تاکہ مقابلہ کریں۔ پس تو ہمارے درمیان اور اپنے درمیان وعدے کا ایک وقت طے کر دے کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تو، یہاں پر مکانا منصوب حرف جار کے حذف کے سبب ہے۔ ایسی جگہ میں جو مساوی ہو۔ لفظ سوی یہ اول کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ جس کا معنی برابر ہے یعنی جو جگہ دونوں اطراف سے برابر ہو۔

مَكَانًا سُوًى، فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کے لئے یہ خود تجویز کیا کہ ایسے مقام پر ہونا چاہئے جو آل فرعون اور حضرت موسیٰ و بنی اسرائیل کے لئے مسافت کے اعتبار سے برابر ہو تاکہ کسی فریق پر زیادہ دور جانے کی مشقت نہ پڑے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو قبول کر کے دن اور وقت کی تعیین اس طرح فرما دی ہے۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝
فرمایا: تمہارے وعدے کا دن یوم عید ہے اور یہ کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ پس فرعون واپس لوٹا،
پس اس نے اپنے داؤ پیچ جمع کیے، پھر آ گیا۔

فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنے کا بیان

"قَالَ" مُوسَى "مَوْعِدكُمْ يَوْم الزِّينَة" يَوْم عِيد لَهُمْ يَتَزَيَّنُونَ فِيهِ وَيَجْتَمِعُونَ "وَأَنْ يُحْشَر النَّاس" يُجْمَع أَهْل مِصْر "ضُحًى" وَقْته لِلنَّظَرِ فِيمَا يَقَع، "فَتَوَلَّى فِرْعَوْن" أَدْبَرَ "فَجَمَعَ كَيْده" أَيْ ذَوِي كَيْده مِنْ السَّحَرَة "ثُمَّ أَتَى" بِهِمْ الْمَوْعِد،

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے وعدے کا دن یوم عید (سالانہ جشن کا دن) ہے۔ کیونکہ اس دن وہ جشن مناتے اور سب اکھٹے ہوتے تھے۔ اور یہ کہ اس دن سارے لوگ یعنی اہل مصر چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ یعنی اس وقت جو کچھ ہو وہ دیکھنے کیلئے ہو۔ پس فرعون واپس لوٹا، پس اس نے اپنے لئے جادو کے داؤ پیچ جمع کیے، پھر وعدہ کردہ جگہ پر آ گیا۔

اس میلہ سے فرعونیوں کا میلہ مراد ہے جو ان کی عید تھی اور اس میں وہ زینتیں کر کر کے جمع ہوتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ دن عاشوراء یعنی دسویں محرّم کا تھا اور اس سال یہ تاریخ سنیچر کو واقع ہوئی تھی، اس روز کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لئے معیّن فرمایا کہ یہ روز ان کی غایتِ شوکت کا دن تھا اس کو مقرر کرنا اپنے کمالِ قوت کا اظہار ہے نیز اس میں یہ بھی حکمت تھی کہ حق کا ظہور اور باطل کی رسوائی کے لئے ایسا ہی وقت مناسب ہے جب کہ اطراف و جوانب کے تمام لوگ مجتمع ہوں۔

قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ○

موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے فرمایا: تم پر افسوس (خبردار!) اللہ پر جھوٹا بہتان مت باندھنا ورنہ وہ تمہیں عذاب کے ذریعے تباہ و برباد کردے گا اور واقعی وہ شخص نامراد ہوا جس نے بہتان باندھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں کو متنبہ کرنے کا بیان

"قَالَ لَهُمْ مُوسَى " وَهُمْ اثْنَانِ وَسَبْعُونَ مَعَ كُلّ وَاحِد حَبْل وَعَصًا "وَيْلَكُمْ" أَيْ أَلْزَمَكُمْ اللّٰه الْوَيْل "لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللّٰه كَذِبًا" بِإِشْرَاكِ أَحَد مَعَهُ " فَيُسْحِتَكُمْ" بِضَمِّ الْيَاء وَكَسْر الْحَاء وَبِفَتْحِهِمَا أَيْ يُهْلِكُكُمْ "بِعَذَابٍ" مِنْ عِنْده "وَقَدْ خَابَ" خَسِرَ "مَنْ افْتَرَى" كَذَبَ عَلَى اللّٰه

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں سے فرمایا: جو بہتر جادوگر تھے جن میں سے ہر ایک کے پاس رسی اور عصا تھا۔ تم پر افسوس (خبردار!) اللہ پر جھوٹا بہتان مت باندھنا یعنی اس کے ساتھ کسی شریک نہ ٹھہرانا ورنہ وہ تمہیں عذاب کے ذریعے تباہ و برباد کردے گا۔ یہاں یسحت یہ یاء کے ضمہ اور حاء کے کسرہ اور ان دونوں کے فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور واقعی وہ شخص نامراد ہوا جس نے اللہ پر بہتان باندھا۔

موسیٰ علیہ السلام نے اکابرین قوم فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بار پھر تنبیہ کی اور فرمایا: شامت کے مارو! اب بھی سمجھ جاؤ اور معجزہ کو جادو نہ بتلاؤ۔ جب تم حقیقت کو پوری طرح سمجھ چکے ہو تو دوسروں کی آنکھوں میں دھول نہ ڈالو۔ اور جو شخص حق کو سمجھ لینے کے بعد اس کا انکار کرے گا اللہ اسے اپنے عذاب سے دوچار کردے گا۔ تمہارا جھوٹا پروپیگنڈا جھوٹ ہی ثابت ہوگا اور جھوٹ کبھی تادیر چل نہیں سکتا۔

فَتَنَازَعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ○

تو وہ اپنے معاملے میں آپس میں جھگڑ پڑے اور انھوں نے پوشیدہ سرگوشی کی۔

جادوگروں کی پوشیدہ سرگوشیاں کرنے کا بیان

"فَتَنَازَعُوا أَمْرهمْ بَيْنهمْ" فِي مُوسَى وَأَخِيهِ "وَأَسَرُّوا النَّجْوَى" أَيْ الْكَلَام بَيْنهمْ فِيهِمَا

تو وہ اپنے معاملے میں یعنی حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے معاملے پر آپس میں جھگڑ پڑے اور انھوں نے پوشیدہ سرگوشی کی۔ یعنی ان کا کلام ان دونوں حضرات کے بارے میں پوشیدہ تھا۔

اکابرین قوم فرعون پر آپ کی نصیحت کا خاصا اثر ہوا اور وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ ایک فریق کہتا تھا کہ ان پیغمروں کا مقابلہ کرنا اپنی شکست کو دعوت دینا ہے۔ دوسرا کہتا تھا کہ ابھی اس مقابلہ کو ملتوی کردیا جائے جبکہ مقابلہ کے دیکھنے کے لئے لوگ جمع ہو چکے تھے۔ اس حال میں یہ اکابرین علیحدہ چلے گئے اور سر جوڑ بیٹھے تاکہ کسی ایک فیصلہ پر اتفاق رائے ہو جائے۔ اس مشورہ میں

ماہر جادوگروں کو بھی شریک کیا گیا ان میں سے بعض کہنے لگے کہ ایسے نورانی چہرے جادوگر نہیں ہو سکتے۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝
بولے بیشک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین زمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں
اور تمہارا اچھا دین لے جائیں۔

اہل مصر کی جلاوطنی کی افواہ کے ذریعے جذبات ابھارنے کا بیان

"قَالُوا" لِأَنْفُسِهِمْ "إِنْ هَذَانِ" وَهُوَ مُوَافِقٌ لِلُغَةِ مَنْ يَأْتِي فِي الْمُثَنَّى بِالْأَلِفِ فِي أَحْوَالِهِ الثَّلَاث وَلِأَبِي عَمْرو : هَذَيْنِ "لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمْ الْمُثْلَى" مُؤَنَّث أَمْثَل بِمَعْنَى أَشْرَف أَيْ بِأَشْرَافِكُمْ بِمَيْلِهِمْ إِلَيْهِمَا لِغَلَبَتِهِمَا

انہوں نے آپس میں کہا کہ بیشک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں۔ یہاں پر ھذان ہے اور یہ ان اہل لغت کے نزدیک جن کے نزدیک تینوں احوال میں تثنیہ میں الف لایا جاتا ہے جبکہ ابو عمرو کی لغت میں ھذین ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین زمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال دیں۔ اور تمہارا اچھا دین لے جائیں۔ یہاں پر مثلی یہ امثل کی مؤنث ہے اور امثل بہ معنی اشرف یعنی تمہاری شرافت ہے۔ اور ان کا ان دونوں کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے کیونکہ غلبہ کا اندیشہ ان دونوں کی جانب سے تھا۔

یہ دونوں جادوگر ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو یعنی فرعن اور آل فرعن کو تمہاری زمین مصر سے نکال دیں، مطلب یہ ہے کہ جادو کے ذریعہ تمہارے ملک پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ تمہارا طریقہ جو سب سے افضل و بہتر ہے اس کو مٹا دیں۔ مثلی، امثل کا صیغہ مونث ہے جس کے معنے افضل و اعلیٰ کے ہیں، مطلب یہ تھا کہ تمہارا مذہب و طریقہ کہ فرعون کو اپنا خدا اور صاحب اختیار و اقتدار مانتے ہو یہی سب سے افضل و بہتر طریقہ ہے یہ لوگ اس کو مٹا کر اپنا دین و مذہب پھیلانا چاہتے ہیں اور لفظ طریقہ کے ایک معنی یہ بھی آتے ہیں کہ قوم کے سرداروں اور نمائندہ لوگوں کو اس قوم کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور علی مرتضیٰ سے اس جگہ طریقہ کی یہی تفسیر منقول ہے کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تمہاری قوم کے سرداروں اور باعزت لوگوں کو ختم کر دیں اس لئے تم لوگوں کو چاہئے کہ مقابلہ کے لئے اپنی پوری تدبیر و توانائی صرف کرو اور سب جادوگر صف بستہ ہو کر یکبارگی ان کے مقابلے پر عمل کرو۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝
لہٰذا تم اپنی تدبیر پختہ کرو، پھر صف باندھ کر آ جاؤ اور یقیناً آج وہ کامیاب ہوگا جس نے غلبہ حاصل کر لیا۔

جادو کی تدبیر کو مضبوط کرتے ہوئے صف بہ صف آنے کا بیان

"فَاجْمَعُوا كَيْدَكُمْ" مِنْ السِّحْر بِهَمْزَةِ وَصْل وَفَتْح الْمِيم مِنْ جَمَعَ أَيْ لَمَّ وَبِهَمْزَةِ قَطْع وَكَسْر

الْـمِيم مِنْ أَجْمَعَ أَحْكَمَ "ثُـمَّ ائْتُوا صَفًّا" حَـال أَیْ مُصْطَفِّينَ "وَقَدْ أَفْلَحَ " فَازَ "الْيَوْم مَنْ اسْتَعْلَى" غَلَبَ

لہٰذا تم جادو کے ذریعے اپنی تدبیر پختہ کرو، یہاں پر اجمعوا کا ہمزہ وصلی ہے اور میم مفتوحہ ہے جو جمع سے مشتق ہے۔ اور جب یہ ہمزہ قطعی اور میم کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اجمع کے معنی میں ہے۔ پھر صف باندھ کر آجاؤ، یہاں پر صفا یہ مصطفین سے حال ہے۔ اور یقیناً آج کے دن وہ کامیاب ہوگا جس نے غلبہ حاصل کر لیا۔

اس علیحدہ مجلس میں ان لوگوں نے، جو جادوگروں کو اکٹھا کرنے میں پیش پیش تھے، اس بات پر زور دیا کہ اب اختلاف کرنے کا موقع نہیں رہا۔ اب تو سب کو اس مقابلہ کے انعقاد پر متفق ہونا ہی بہتر ہے۔ مقابلہ نہ کرنا یا اسے ملتوی کرنا دونوں باتیں ہمارے لئے نقصان دہ اور ہماری شکست کے مترادف ہیں۔ کچھ دوسروں نے کہا کہ اگر تم نے مقابلہ نہ کیا یا تم ہار گئے تو سمجھ لو کہ تمہاری شامت آجائے گی۔ حکومت تم سے چھن جائے گی۔ بنی اسرائیل کے تم غلام بن جاؤ گے۔ پھر جو سلوک وہ چاہیں تم سے کریں تمہیں اس ملک میں رہنے بھی دیں یا نکال باہر کریں۔ تم انہیں کے رحم و کرم پر ہو گے۔ تمہاری یہ تہذیب اور تمدن، تمہاری یہ ثقافت اور عیش و طرب کی محفلیں ایسی سب چیزوں کا جنازہ نکل جائے گا۔ لہٰذا اب صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو اور جادوگروں کی خوب حوصلہ افزائی کرو اور یہ سمجھ لو کہ آج کا دن شعبدہ بازی کے مقابلے کا دن نہیں بلکہ تمہاری ہار جیت کا دن ہے۔ جو ہار گیا سو مارا گیا اور جو جیت گیا بالآخر اسی کا بول بالا ہوگا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ○ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ
فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○
بولے: اے موسیٰ یا تو تم ڈالو اور یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہو جائیں۔ فرمایا: بلکہ تم ہی ڈال دو، پھر کیا تھا اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ (علیہ السلام) کے خیال میں یوں محسوس ہونے لگیں جیسے وہ دوڑ رہی ہیں۔

جادو کے اثر سے رسیوں کا پیٹ کے بل زمین پر دوڑنے کا بیان

"قَالُوا يَا مُوسَى" "اخْتَرْ" "إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ" "عَصَاكَ أَوَّلًا" "وَإِمَّا أَنْ نَكُون أَوَّل مَنْ أَلْقَى" "عَصَاهُ" "قَالَ بَلْ أَلْقُوا" فَأَلْقَوْا "فَإِذَا حِبَالهمْ وَعِصِيّهمْ" أَصْـله عُصُوو قُلِبَتْ الْوَاوَانِ يَاءَيْنِ وَكُسِرَتْ الْعَيْن وَالصَّاد "يُخَيَّل إلَيْهِ مِنْ سِحْرهمْ أَنَّهَا" حَيَّات "تَسْعَى" عَلَى بُطُونهَا،

جادوگر بولے: اے موسیٰ یا تو تم اپنا عصا پہلے ڈالو اور یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہو جائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تم ہی ڈال دو، پھر کیا تھا اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ علیہ السلام کے خیال میں محسوس ہونے لگیں جیسے وہ میدان میں دوڑ رہی ہیں۔ یہاں پر لفظ عصی اصل میں عصو و تھا اس کی دونوں واؤں کو دو یاؤں سے

تبدیل کر دیا گیا۔ اور عین اور صاد کو کسرہ دے دیا گیا۔ اور وہ جادو کے اثر سے اپنے پیٹ بل دوڑنے لگیں۔

جادوگروں سے مقابلہ شروع کرنے کا بیان

جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب بتاؤ تم اپنا وار پہلے کرتے ہو یا ہم پہل کریں؟ اس کے جواب میں اللہ کے پیغمبر نے فرمایا تم ہی پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکال لو تاکہ دنیا دیکھ لے کہ تم نے کیا کیا اور پھر اللہ نے تمہارے کئے کو کس طرح مٹا دیا؟ اسی وقت انہوں نے اپنی لکڑیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں کچھ ایسا معلوم ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی ہیں اور میدان میں دوڑ بھاگ رہی ہیں۔ کہنے لگے فرعون کے اقبال سے غالب ہم ہی رہیں گے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر کے انہیں خوفزدہ کر دیا اور جادو کے زبردست کرتب دکھا دیئے۔ یہ لوگ بہت زیادہ تھے۔ ان کی پھینکی ہوئی رسیوں اور لاٹھیوں سے اب سارے کا سارا میدان سانپوں سے پر ہو گیا وہ آپس میں گڈمڈ ہو کر اوپر تلے ہونے لگے۔ اس منظر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوفزدہ کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو لوگ ان کے کرتب کے قائل ہو جائیں اور اس باطل میں پھنس جائیں۔ اسی وقت جناب باری نے وحی نازل فرمائی کہ اپنے داہنے ہاتھ کی لکڑی کو میدان میں ڈال دو ہراساں نہ ہو۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی۔ اللہ کے حکم سے یہ لکڑی ایک زبردست بیمثال اژدھا بن گئی، جس کے پیر بھی تھے اور سر بھی تھا۔ کچلیاں اور دانت بھی تھے۔ اس نے سب کے دیکھتے سارے میدان کو صاف کر دیا۔ اس نے جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کر لیا۔ اب سب پر حق واضح ہو گیا، معجزے اور جادو میں تمیز ہو گئی۔ حق و باطل میں پہچان ہو گئی۔ سب نے جان لیا کہ جادوگروں کی بناوٹ میں اصلیت کچھ بھی نہ تھی۔ فی الواقع جادوگر کوئی چال چلیں لیکن اس میں غالب نہیں آ سکتے۔

ابن ابی حاتم میں حدیث ہے ترمذی میں بھی موقوفاً اور مرفوعاً روایت ہے کہ جادوگر کو جہاں پکڑو مار ڈالو، پھر آپ نے یہی جملہ تلاوت فرمایا۔ یعنی جہاں پایا جائے امن نہ دیا جائے۔ جادوگروں نے جب یہ دیکھا انہیں یقین ہو گیا کہ یہ کام انسانی طاقت سے خارج ہے وہ جادو کے فن میں ماہر تھے بہ یک نگاہ پہچان گئے کہ واقعی یہ اس اللہ کا کام ہے جسکے فرمان اٹل ہیں جو کچھ وہ چاہے اس کے حکم سے ہو جاتا ہے۔ اس کے ارادے سے مراد جدا نہیں۔ اس کا اتنا کامل یقین انہیں ہو گیا کہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے بادشاہ کی موجودگی میں وہ اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے کہ ہم رب العالمین پر یعنی ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے پروردگار پر ایمان لائے۔ سبحان اللہ صبح کے وقت کافر اور جادوگر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور اللہ کی راہ کے شہید تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد اسی ہزار تھی یا ستر ہزار یا کچھ اوپر تیس ہزار یا انیس ہزار یا پندرہ ہزار یا بارہ ہزار۔ یہ بھی روایت ہے کہ یہ ستر تھے۔ صبح جادوگر شام کو شہید۔ روایت ہے کہ جب یہ سجدے میں گرے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت دکھا دی اور انہوں نے اپنی منزلیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى○
تو موسیٰ نے اپنے دل میں ایک خوف محسوس کیا۔ ہم نے فرمایا ڈر نہیں بیشک تو ہی غالب ہے۔

معجزہ اور جادو کے درمیان فرق کا بیان

"فَأَوْجَسَ" أَحَسَّ "فِي نَفْسه خِيفَة مُوسَى " أَيْ خَافَ مِنْ جِهَة أَنَّ سِحْرهمْ مِنْ جِنْس مُعْجِزَته أَنْ يَلْتَبِس أَمْره عَلَى النَّاس فَلَا يُؤْمِنُوا بِهِ "قُلْنَا" لَهُ "لَا تَخَفْ إنَّك أَنْتَ الْأَعْلَى" عَلَيْهِمْ بِالْغَلَبَةِ

تو موسیٰ نے اپنے دل میں ایک ہلکا سا خوف محسوس کیا۔ یعنی کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کا جادو معجزہ کی جنس سے ہو جائے اور لوگوں پر یہ معاملہ مشکوک ہو جائے جس کی وجہ سے وہ ایمان ہی نہ لائیں۔ ہم نے فرمایا ڈر نہیں بیشک آپ ہی غالب ہے۔ یعنی ان پر آپ ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔

قرآن کریم میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ جادوگروں نے بہت بڑا جادو پیش کیا تھ۔ ہزاروں کی تعداد میں ان جادوگروں کی لاٹھیاں اور رسیاں لوگوں کے سامنے سانپوں کی طرح حرکت کر رہی تھیں اور ایسے سانپوں سے میدان مقابلہ بھر گیا تھا۔ ان سانپوں نے لوگوں کو دہشت زدہ کر دیا تھا اور فرعون اور اس کے خاص درباری ان جادوگروں کے کارنامے پر دل ہی دل میں خوش ہو رہے تھے اور ان کی داد دے رہے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام خود بھی دل میں ڈرنے لگے تھے کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس مقابلہ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے سیّدنا موسیٰ علیہ اسلام کو وحی کی کہ ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ بشارت بھی سنا دی کہ تم ہی کامیاب رہو گے۔

وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ۝
اور پھینک جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے، وہ نگل جائے گا جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، بے شک انھوں نے جو کچھ بنایا ہے
وہ جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتا جہاں بھی آئے۔

عصائے موسوی کا باطل جادو کو ہڑپ کر جانے کا بیان

"وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينك" وَهِيَ عَصَاهُ "تَلْقَف" تَبْتَلِع "مَا صَنَعُوا إنَّمَا صَنَعُوا كَيْد سَاحِرٍ" أَيْ جِنْسه "وَلَا يُفْلِح السَّاحِر حَيْثُ أَتَى" بِسِحْرِهِ فَأَلْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَتَلَقَّفَتْ كُلّ مَا صَنَعُوهُ

اور جو آپ دائیں ہاتھ میں عصا ہے اس کو پھینک دیں۔ وہ نگل جائے گا جو کچھ انھوں نے جادو کے ذریعے بنایا ہے، بے شک انھوں نے جو کچھ بنایا ہے وہ جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتا جہاں بھی آئے۔ وہ جادو ہی ہے۔ تو حضرت وموسی علیہ السلام نے اپنا عصا مبارک ڈال دیا تو اس نے ان تمام چیزوں کو جو انہوں نے بنائی تھیں ان کو نگل لیا۔

موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی خطاب ہوا کہ آپ کے ہاتھ میں جو چیز ہے اس کو ڈال دو، مراد اس سے موسی علیہ السلام کی عصا تھی مگر یہاں عصا کا ذکر نہیں فرمایا۔ اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ ان کے جادو کی کوئی حقیقت نہیں، اس کی پروانہ کرو اور جو کچھ بھی تمہارے ہاتھ میں ہے ڈال دو وہ ان کے سب سانپوں کو نگل جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی عصا ڈال

دی وہ ایک بڑا اژدھا بن کران سب جادو کے سانپوں کو نگل گیا۔ (روح المعانی، سورہ طہ، بیروت)

فَاُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ ہٰرُوۡنَ وَ مُوۡسٰی ۝
تو جادوگر گرادیے گئے، اس حال میں کہ سجدہ کرنے والے تھے، انھوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

جادوگروں کا حق کا مشاہدہ کر کے سجدے میں گر جانے کا بیان

"فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا" خَرُّوا سَاجِدِينَ لِلّٰهِ تَعَالَى، قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَى،

تو جادوگر گرادیے گئے، اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے والے تھے، انھوں نے کہا ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

فرعونی جادوگروں کا مسلمان ہو کر سجدہ کرنے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عصا نے اژدھا بن کر جب ان کے خیالی سانپوں کو نگل لیا تو چونکہ یہ لوگ جادو کے ماہرین تھے ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کام جادو کے ذریعہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بلاشبہ معجزہ ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہر ہوتا ہے اس لئے سجدہ میں گر گئے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ ان جادوگروں نے سجدہ سے اس وقت تک سر نہیں اٹھایا جب تک کہ ان کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ قدرت نے نہیں کرا دیا (رواہ عبد ابن حمید وابن ابی حاتم وابن المنذر عن عکرمہ۔ (روح المعانی، سورہ طہ، بیروت)

قَالَ اٰمَنۡتُمۡ لَہٗ قَبۡلَ اَنۡ اٰذَنَ لَکُمۡ ؕ اِنَّہٗ لَکَبِیۡرُکُمُ الَّذِیۡ عَلَّمَکُمُ السِّحۡرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ
وَ اَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّکُمۡ فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ ۫ وَ لَتَعۡلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبۡقٰی ۝
کہنے لگا: تم اس پر ایمان لے آئے ہو قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بیشک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے،
پس میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں الٹی سمتوں سے کاٹوں گا اور تمہیں ضرور کھجور کے تنوں میں سولی چڑھاؤں گا اور
تم ضرور جان لوگے کہ ہم میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ مدت تک باقی رہنے والا ہے۔

جادوگروں کے ایمان پر فرعون کے جل اٹھنے کا بیان

"قَالَ" فِرْعَوْن "آمَنْتُمْ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا "لَهُ قَبْل أَنْ آذَن" أَنَا "لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ" مُعَلِّمكُمْ "الَّذِي عَلَّمَكُمْ السِّحْر فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلكُمْ مِنْ خِلَاف" حَال بِمَعْنَى مُخْتَلِفَة أَيْ الْأَيْدِي الْيُمْنَى وَالْأَرْجُل الْيُسْرَى "وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوع النَّخْل" أَيْ عَلَيْهَا "وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا" يَعْنِي نَفْسه وَرَبّ مُوسَى "أَشَدّ عَذَابًا وَأَبْقَى" أَدْوَم عَلَى مُخَالَفَته

فرعون کہنے لگا: تم اس پر ایمان لے آئے ہو۔ دونوں ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ جبکہ دوسرے کو ہمزہ سے تبدیل کیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بیشک وہ موسیٰ تمہارا بھی بڑا استاد ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے، پس اب میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں الٹی سمتوں سے کاٹوں گا۔ یہاں پر خلاف حال بہ معنی مختلف ہے۔ یعنی دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کو اور تمہیں ضرور کھجور کے تنوں میں سولی چڑھاؤں گا اور تم ضرور جان لوگے کہ ہم میں سے یعنی مجھ سے اور موسیٰ علیہ السلام کے رب میں سے کون عذاب دینے میں زیادہ سخت اور زیادہ مدت تک باقی رہنے والا ہے۔

جادوگروں کے ایمان حیرت ناک واقعہ

اللہ کی شان دیکھئے چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون اب راہ راست پر آ جاتا۔ جن کو اس مقابلے کے لئے بلوایا تھا وہ عام مجمع میں ہارے۔ انھوں نے اپنی ہار مان لی اپنے کرتوت کو جادو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ معجزہ تسلیم کرلیا۔ خود ایمان لے آئے جو مقابلے کے لئے بلوائے گئے تھے۔ مجمع عام میں سب کے سامنے بے جھجک انھوں نے دین حق قبول کرلیا۔ لیکن یہ اپنی شیطانیت میں اور بڑھ گیا اور اپنی قوت وطاقت دکھانے لگا لیکن بھلا حق والے مادی طاقتوں کو سمجھتے ہی کیا ہیں؟ پہلے تو جادوگروں کے اس مسلم گروہ سے کہنے لگا کہ میری اجازت کے بغیر تم اس پر ایمان کیوں لائے؟ پھر ایسا بہتان باندھا جس کا جھوٹ ہونا بالکل واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو تمہارے استاد ہیں انہی سے تم نے جادو سیکھا ہے۔

تم سب آپس میں ایک ہی ہو مشورہ کر کے ہمیں تاراج کرنے کے لئے تم نے پہلے انہیں بھیجا پھر اس کے مقابلے میں خود آئے ہو اور اپنے اندرونی سمجھوتے کے مطابق سامنے ہار گئے ہو اور اسے جتا دیا اور پھر اس کا دین قبول کرلیا تا کہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی چکر میں پھنس جائے مگر تمہیں اپنی اس سازباز کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ میں الٹی سیدھی طرف سے تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹ کر کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اسی بادشاہ نے سب سے پہلے یہ سزا دی ہے۔ تم جو اپنے آپکو ہدایت پر اور مجھے اور میری قوم کو گمراہی پر سمجھتے ہو اس کا حال تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے اس دھمکی کا ان دلوں پر الٹا اثر ہوا۔

وہ اپنے ایمان میں کامل بن گئے اور نہایت بے پرواہی سے جواب دیا کہ اس ہدایت و یقین کے مقابلے میں جو ہمیں اب اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے ہم تیرا مذہب کسی طرح قبول کرنے کے نہیں۔ نہ تجھے ہم اپنے سچے خالق مالک کے سامنے کوئی چیز سمجھیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ جملہ قسم ہو یعنی اس اللہ کی قسم جس نے ہمیں اولاً پیدا کیا ہے ہم ان واضح دلیلوں پر تیری گمراہی کو ترجیح دے ہی نہیں سکتے خواہ تو ہمارے ساتھ کچھ ہی کرلے مستحق عبادت وہ ہے جس نے ہمیں بنایا نہ کہ تو، جو خود اسی کا بنایا ہوا ہے۔ تجھے جو کرنا ہو اس میں کمی نہ کر تو تو ہمیں اسی وقت تک سزا دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا کی حیات کی قید میں ہیں ہمیں یقین ہے کہ اس کے بعد ابدی راحت اور غیر فانی خوشی و مسرت نصیب ہوگی۔ ہم اپنے رب پر ایمان لائے ہیں ہمیں امید ہے کہ وہ ہمارے اگلے قصوروں سے درگزر فرمالے گا بالخصوص یہ قصور جو ہم سے اللہ کے سچے نبی کے مقابلے پر جادو بازی کرنے کا سرزد ہوا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں فرعون نے بنی اسرائیل کے چالیس بچے لے کر انہیں جادوگروں کے سپرد کیا تھا کہ انہیں جادو کی پوری تعلیم دو اب یہ لڑکے یہ مقولہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے ہم سے جبراً جادوگری کی خدمت لی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمایا ہمارے لئے بہ نسبت تیرے اللہ بہت بہتر ہے اور دائمی ثواب دینے والا ہے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں سے ڈر نہ تیرے انعام کی لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت واطاعت کی جائے۔ اسی کے عذاب دائمی ہیں اور سخت خطرناک ہیں اگر اس کی نافرمانی کی جائے۔ پس فرعون نے بھی ان کے ساتھ یہ کیا سب کے ہاتھ پاؤں الٹی سیدھی طرف سے کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا وہ جماعت جو سورج کے نکلنے کے وقت کافر تھی وہی جماعت سورج ڈوبنے سے پہلے مومن اور شہید تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ
مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ؕ
کہا: ہم تمہیں ہرگز ان واضح دلائل پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے پاس آچکے ہیں، اس کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے!
تو جو حکم کرنے والا ہے کرلے، تو فقط دنیاوی زندگی ہی سے متعلق فیصلہ کرسکتا ہے۔

ایمان لانے والے جادوگروں کی استقامت کا بیان

"قَالُوا لَنْ نُؤْثِرك" نَختَارك "عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَات" الدَّالَّة عَلَى صِدْق مُوسَى "وَالَّذِي فَطَرَنَا" خَلَقَنَا قَسَم أَوْ عَطْف عَلَى مَا "فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ" أَيْ اصْنَعْ مَا قُلْته "إنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاة الدُّنْيَا" النَّصْب عَلَى الِاتِّسَاع أَيْ فِيهَا وَتُجْزَى عَلَيْهِ فِي الْآخِرَة

جادوگروں نے کہا: ہم تمہیں ہرگز ان واضح دلائل پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے پاس آچکے ہیں، یعنی جن دلائل کی دلالت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر ہے۔ اس رب کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ یہاں پر واؤ برائے قسم ہے یا اس کا ما پر عطف ہے۔ تو جو حکم کرنے والا ہے کرلے، تو فقط اس چندروزہ دنیاوی زندگی ہی سے متعلق فیصلہ کرسکتا ہے۔ یہاں پر حیاۃ کا نصب اس کے وسیع ہونے کی وجہ سے ہے۔ جبکہ صحیح جزاء اس پر آخرت میں ہوگی۔

جادوگروں کی جرأت ایمانی اس سزا کے اعلان پر جادوگر فرعون سے بڑی جرأت سے کہنے لگے: تم جو چاہے سمجھو ہم نے تو وہی بات کہی ہے جس کی ہمارے ضمیر نے شہادت دی ہے۔ ہم سب کچھ سمجھ سوچ کر ایمان لائے ہیں۔ لہٰذا اب تم جو سزا دینا چاہو دے لو۔ زیادہ سے زیادہ تم یہی کچھ کرسکتے ہو کہ ہمیں جان سے مار ڈالو گے، اور اس بات کی اب ہمیں پروا نہیں رہی۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری سابقہ خطائیں معاف فرمادے اور بالخصوص اس گناہ کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اور ہم ان پیغمبروں کے مقابلہ پر اتر آئے۔ کہتے ہیں کہ جب جادوگروں نے سیّدنا موسیٰ اور سیّدنا ہارون کی شکل وصورت دیکھی تو سمجھ گئے کہ یہ جادوگر نہیں ہوسکتے یہ

مقابلہ نہ کرنا چاہئے پھر فرعون کے ڈر سے ایسا کیا۔ یہ ہے ایمان اور کفر کا فرق۔ یہی جادوگر مقابلہ سے پہلے فرعون کے سامنے جی حضور، جی حضور کہتے تھکتے نہ تھے۔ کہ فتح ہونے کی صورت میں اس سے انعام واکرام ملنے کی التجا بھی کر رہے تھے اور فرعون انہیں ایسے وعدے بھی دے رہا تھا مگر جب ایمان لے آئے تو اسی جابر بادشاہ کے سامنے اکڑ کر اس جرأت سے بات کرتے ہیں اور اگر وہ سولی چڑھا دینے کی دھمکیاں دیتا ہے تو اس کی پروا تک نہیں کرتے۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝
بے شک ہم اپنے رب پر اس لیے ایمان لائے ہیں کہ وہ ہمارے لیے ہماری خطائیں بخش دے اور جادو کے وہ کام بھی
جن پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے اور اللہ بہتر اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

جادوگروں کا ایمان کے بعد توبہ کو ترجیح دینے کا بیان

"إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا" مِنَ الْإِشْرَاكِ وَغَيْرِهِ "وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ" تَعَلُّمًا وَعَمَلًا لِمُعَارَضَةِ مُوسَى "وَاللَّهُ خَيْرٌ" مِنْك ثَوَابًا إِذَا أُطِيعَ "وَأَبْقَى" مِنْك عَذَابًا إِذَا عُصِيَ

بے شک ہم اپنے رب پر اس لیے ایمان لائے ہیں کہ وہ ہمارے لیے ہماری خطائیں یعنی شرک وغیرہ بخش دے اور جادو کے وہ کام بھی جن پر تو نے ہمیں مجبور کیا ہے یعنی جن کے سیکھنے اور عملی طور پر موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے پر تو نے ہمیں مجبور کیا۔ اور اللہ بہتر یعنی اطاعت کرنے والے کیلئے اس کے پاس بہتر ثواب اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ یعنی جب اس کی نافرمانی کی جائے تو اس کا عذاب تیری بہ نسبت ہمیشہ رہنے والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ فرعون نے جب جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لئے بلایا تھا تو جادوگروں نے فرعون سے کہا تھا کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ اس کی کوشش کی گئی اور انہیں ایسا موقع بہم پہنچا دیا گیا، انہوں نے دیکھا کہ حضرت خواب میں ہیں اور عصائے شریف پہرہ دے رہا ہے یہ دیکھ کر جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ موسیٰ جادوگر نہیں کیونکہ جادوگر جب سوتا ہے تو اس وقت اس کا جادو کام نہیں کرتا مگر فرعون نے انہیں جادو کرنے پر مجبور کیا۔ اس کی مغفرت کے وہ اللہ تعالیٰ سے طالب اور امیدوار ہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ طٰہٰ، بیروت)

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝
بیشک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم بن کر آئے گا تو بیشک اس کے لئے جہنم ہے، نہ وہ اس میں مر سکے گا اور نہ ہی زندہ رہے گا۔

موت کے ذریعے بھی جہنم سے نجات نہ ہونے کا بیان

"إِنَّهُ مَنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا" كَافِرًا كَفِرْعَوْن "فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّم لَا يَمُوت فِيهَا" فَيَسْتَرِيح "وَلَا يَحْيَا" حَيَاة تَنْفَعهُ

بیشک جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم یعنی فرعون کی طرح کافر بن کر آئے گا تو بیشک اس کے لئے جہنم ہے، اور وہ ایسا عذاب ہے کہ نہ وہ اس میں مر سکے گا تاکہ آرام پائے۔ اور نہ ہی زندہ رہے گا۔ یعنی وہاں کی زندگی اس کو کوئی نفع نہ دے گی۔

یعنی انسان کو چاہیے کہ اول آخرت کی فکر کرے۔ لوگوں کا مطیع بن کر خدا کا مجرم نہ بنے۔ اس کے مجرم کا ٹھکانہ بہت برا ہے جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ دنیا کی تکلیفیں کتنی ہی شاق ہوں موت آ کر سب کو ختم کر دیتی ہے۔ لیکن کافر کو دوزخ میں موت بھی نہیں آئے گی جو تکالیف کا خاتمہ کر دے، اور جینا بھی جینے کی طرح کا نہ ہوگا، زندگی ایسی ہوگی کہ موت کو ہزار درجہ اس پر ترجیح دے گا۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ○ جَنّٰتُ عَدْنٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ○
اور جو شخص اس کے حضور مومن بن کر آئے گا۔ اس نے نیک عمل کئے ہوں گے تو ان ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔
ہیشگی کے باغات، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا۔

ایمان و نیک اعمال والوں کیلئے جنت میں اعلیٰ درجات ہونے کا بیان

"وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَات" الْفَرَائِض وَالنَّوَافِل "فَأُولَئِكَ لَهُمْ الدَّرَجَات الْعُلَى" جَمْع عُلْيَا مُؤَنَّث أَعْلَى،

"جَنَّات عَدْن" أَيْ إِقَامَة "تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاء مَنْ تَزَكَّى" تَطَهَّرَ مِنْ الذُّنُوب،

اور جو شخص اس کے حضور مومن بن کر آئے گا مزید یہ کہ) اس نے نیک عمل یعنی فرائض و نوافل ادا کئے ہوں گے تو ان ہی لوگوں کے لئے بلند درجات ہیں۔ یہاں لفظ علی یہ علیا کی جمع ہے اور اعلیٰ کی مؤنث ہے۔ ہیشگی کے باغات قائم ہوں گے۔ جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، ان میں ہمیشہ رہنے والے اور یہ اس کی جزا ہے جو پاک ہوا۔ یعنی جو گناہوں سے پاک ہوا۔

ان میں جزاء وسزا سے متعلق قانون اور آخرت کے حال کو جن الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کے شایان شان ہو سکتا ہے۔ سوان سے اس اہم اور بنیادی حقیقت کو واضح فرما دیا گیا کہ جو اپنے رب کے حضور مجرم کی حیثیت سے حاضر ہوگا اس کے لئے بہرحال دوزخ ہے جس میں نہ وہ مریگا۔ اور نہ جئیے گا۔ اور اسکے برعکس جو اسکے حضور ایمان اور عمل صالح کی پونجی لئے حاضر ہوگا اس کیلئے وہاں پر ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں عالیشان درجے ہوں گے۔ اللہ نصیب فرمائے۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ
يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ○

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا، پس ان کے لیے سمندر میں ایک خشک راستہ بنا، نہ تو پکڑے جانے سے خوف کھائے گا اور نہ ڈرے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سمندر سے راستہ بنانے کا بیان

"وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي" بِهَمْزَةِ قَطْع مِنْ أَسْرَى وَبِهَمْزَةِ وَصْل وَكَسْر النُّون مِنْ سَرَى لُغَتَانِ أَيْ سِرْ بِهِمْ لَيْلًا مِنْ أَرْض مِصْر "فَاضْرِبْ لَهُمْ" اجْعَلْ لَهُمْ بِالضَّرْبِ بِعَصَاك "طَرِيقًا فِي الْبَحْر يَبَسًا" أَيْ يَابِسًا فَامْتَثَلَ مَا أُمِرَ بِهِ وَأَيْبَسَ اللّٰه الْأَرْض فَمَرُّوا فِيهَا "لَا تَخَاف دَرَكًا" أَيْ أَنْ يُدْرِككَ فِرْعَوْن "وَلَا تَخْشَى" غَرَقًا

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا، یہاں پر لفظ اسر جب اسریٰ سے ہو تو اس کا ہمزہ قطعی ہے اور جب سری سے ہو تو اس کا ہمزہ وصلی اور نون کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے یہ دونوں لغات ہیں۔ یعنی رات کو مصر سے ان کو لیکر چلیں پس ان کے لیے سمندر میں ایک خشک راستہ بنا، یعنی اپنا عصا سمندر پر ماریں، تو وہ جگہ خشک ہوگئی پس اللہ نے اس زمین کو خشک کر دیا لہٰذا وہ وہاں سے گزرے۔ لہٰذا فرعون کے پکڑنے کا خوف نہ ہوگا اور نہ ڈوبنے کا اندیشہ کرنا۔

بنی اسرائیل کی مصر سے روانگی کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام شروع رات میں بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے دریائے قلزم کی طرف نکلے۔ بنی اسرائیل نے اس سے پہلے شہر کے لوگوں میں یہ شہرت دے دی تھی کہ ہماری عید ہے ہم عید منانے کے لئے باہر جائیں گے اور اس بہانے سے قبطی لوگوں سے کچھ زیورات عاریۃً مانگ لئے کہ عید سے آ کر واپس کر دیں گے۔ بنی اسرائیل کی تعداد اس وقت چھ لاکھ تین ہزار اور دوسری روایت میں چھ لاکھ ستر ہزار تھی۔ لیکن اتنی بات قرآن کریم کے اشارات اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ ان کے بارہ قبیلے تھے اور ہر قبیلے کی بہت بڑی تعداد تھی۔ یہ بھی قدرت حق تعالیٰ کا ایک عظیم مشاہدہ تھا کہ جب یہ حضرات یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر آئے تو بارہ بھائی تھے، اب بارہ بھائیوں کے بارہ قبیلوں کی اتنی عظیم الشان تعداد مصر سے نکلی جو چھ لاکھ سے زائد بتلائی جاتی ہے۔ فرعون کو جب ان کے نکل جانے کی اطلاع ملی تو اپنی فوجیں جمع کیں جن میں ستر ہزار سیاہ گھوڑے تھے اور لشکر کے مقدمہ میں سات لاکھ سوار تھے۔ جب پیچھے سے اس فوجی سیلاب کو اور آگے دریائے قلزم کو بنی اسرائیل نے دیکھا تو گھبرا اٹھے اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی کہ ہم تو پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے راستہ دے گا، پھر بحکم ربانی دریا پر لاٹھی ماری اور اس میں بارہ سڑکیں خشک نکل آئیں۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے ان سے گزر گئے۔ جس وقت فرعون اور اس کا لشکر یہاں پہنچا تو لشکر فرعون یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر سہم گیا کہ ان کے لئے دریا میں کس طرح راستے بن گئے مگر فرعون نے ان کو کہا کہ یہ سب کرشمہ میری ہیبت کا ہے جس سے دریا کی روانگی رک کر راستے بن گئے ہیں یہ کہہ کر فوراً آگے بڑھ کر اپنا گھوڑا دریا کے ان راستوں میں ڈال دیا اور سب لشکر کو پیچھے آنے کا حکم دیا۔ جس وقت فرعون مع اپنے تمام لشکر کے ان دریائی راستوں کے اندر سما چکے

اسی وقت حق تعالیٰ نے دریا کو روانی کا حکم دے دیا اور دریا کے سب حصے مل گئے۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ طہ، بیروت)

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ○ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ○
پس فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تو انہیں سمندر سے اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے انہیں ڈھانپا۔
اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے پر نہ ڈالا۔

فرعون کے لشکر کا بنی اسرائیل کا تعاقب کرنے کا بیان

"فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْن بِجُنُودِهِ" وَهُوَ مَعَهُمْ "فَغَشِيَهُمْ مِنْ الْيَمّ" أَيْ الْبَحْر "مَا غَشِيَهُمْ" فَأَغْرَقَهُمْ "وَأَضَلَّ فِرْعَوْن قَوْمه" بِدُعَائِهِمْ إلَى عِبَادَته "وَمَا هَدَى" بَلْ أَوْقَعَهُمْ فِي الْهَلَاك خِلَاف قَوْله "وَمَا أَهْدِيكُمْ إلَّا سَبِيل الرَّشَاد"

پس فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور خود فرعون بھی لشکر کے ساتھ تھا۔ تو انہیں سمندر سے اس چیز نے ڈھانپ لیا جس نے انہیں ڈھانپا۔ پس اس نے انہیں غرق کروا دیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا یعنی ان کو اپنی پوجا کی جانب بلایا اور سیدھے راستے پر نہ ڈالا۔ بلکہ ان کو ہلاکت میں ڈالا۔ یہ اس قول کے خلاف ہے۔ "وَمَا أَهْدِيكُمْ إلَّا سَبِيل الرَّشَاد" اپنی قوم کے سامنے فرعون کا دعویٰ تو یہ تھا کہ میں تمہیں سیدھی راہ دکھاتا ہوں۔ مگر وہ سیدھی نہ تھی بلکہ گمراہی کی تھی اور ظاہری طور پر بھی وہ قوم کے آگے چلا تو انہیں سمندر میں لا ڈبویا اور قیامت کو بھی اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا تو انہیں جہنم میں جا داخل کرے گا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ
وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ○
اے بنی اسرائیل! بیشک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات بخشی اور ہم نے تم سے طور کی داہنی جانب وعدہ کیا
اور ہم نے تم پر من وسلوٰی اتارا۔

بنی اسرائیل کو دشمن و غرق سے نجات دینے کا بیان

"يَا بَنِي إسْرَائِيل قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ عَدُوّكُمْ" فِرْعَوْن بِإِغْرَاقِهِ "وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِب الطُّور الْأَيْمَن" فَنُؤْتِي مُوسَى التَّوْرَاة لِلْعَمَلِ بِهَا "وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمْ الْمَنّ وَالسَّلْوَى" هُمَا الترنجبين وَالطَّيْر السُّمَانَى بِتَخْفِيفِ الْمِيم وَالْقَصْر وَالْمُنَادَى مَنْ وُجِدَ مِنْ الْيَهُود زَمَن النَّبِيّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخُوطِبُوا بِمَا أَنْعَمَ اللّٰه بِهِ عَلَى أَجْدَادهمْ زَمَن النَّبِيّ مُوسَى تَوْطِئَة لِقَوْلِهِ تَعَالَى لَهُمْ :

اے بنی اسرائیل! بیشک ہم نے تمہیں تمہارے دشمن یعنی فرعون کے غرق سے نجات بخشی اور ہم نے تم سے کوہ طور کی داہنی جانب آنے کا وعدہ کیا تا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو تورات دیں تا کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اور وہاں ہم نے تم پر من وسلویٰ اتارا۔ اور یہ من وسلویٰ ترنجبین اور بٹیر ہیں۔ لفظ سانی کی میم تخفیف اور قصر کے ساتھ بھی آئی ہے۔ اور یہاں پر نبی کریم ﷺ کے زمانے کے یہود کو مخاطب بنایا گیا ہے کیونکہ اللہ نے انہی کے باپ دادوں پر انعام کیا تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ اور اللہ تعالیٰ یہ فرمان یعنی آئندہ آیت انہی کے بارے میں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو بڑے بڑے احسان کئے تھے انہیں یاددلا رہا ہے ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ انہیں ان کے دشمن سے نجات دی۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے دشمنوں کو ان کے دیکھتے ہوئے دریا میں ڈبو دیا۔ ایک بھی ان میں سے باقی نہ بچا جیسے فرمان ہے (واغرقنا ال فرعون وانتم تنظرون) یعنی ہم نے تمہارے دیکھتے ہوئے فرعونیوں کو ڈبو دیا۔

اسی طرح ایک احسان ان پر یہ کیا کہ من وسلویٰ کھانے کو دیا اس کا پورا بیان سورۃ بقرۃ وغیرہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے من ایک میٹھی چیز تھی جو ان کے لئے آسمان سے اترتی تھی اور سلویٰ ایک قسم کے پرندے تھے جو بہ حکم خداوندی ان کے سامنے آجاتے تھے یہ بقدر ایک دن کی خوراک کے انہیں لے لیتے تھے۔ ہماری یہ دی ہوئی روزی کھاؤ اس میں حد سے نہ گزر جاؤ حرام چیز یا حرام ذریعہ سے اسے نہ طلب کرو۔ ورنہ میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب اترے یقین مانو کہ وہ بد بخت ہو گیا۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ
وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ○
کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور ان میں حد سے نہ بڑھو، ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا
اور جس پر میرا غضب اترا تو یقیناً وہ ہلاک ہو گیا۔

انعام کردہ نعمتوں کی ناشکری کی ممانعت کا بیان

"كُلُوا مِنْ طَيِّبَات مَا رَزَقْنَاكُمْ" أَيْ الْمُنْعَم بِهِ عَلَيْكُمْ "وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ" بِأَنْ تَكْفُرُوا النِّعْمَة بِهِ "فَيَحِلّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي" بِكَسْرِ الْحَاء : أَيْ يَجِب وَبِضَمِّهَا أَيْ يَنْزِل "وَمَنْ يَحْلِل عَلَيْهِ غَضَبِي" بِكَسْرِ اللَّام وَضَمّهَا "فَقَدْ هَوَى" سَقَطَ فِي النَّار،

کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دی ہیں یعنی جو تم پر انعام کیا۔ اور ان میں حد سے نہ بڑھو، یعنی ان نعمتوں کا کی ناشکری نہ کرو۔ ورنہ تم پر میرا غضب اترے گا۔ یہاں پر یحل یہ حاء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے جس کا معنی یجب اور ینزل ہے۔ اور جس پر میرا غضب اترا تو یقیناً وہ ہلاک ہو گیا۔ یہاں پر یحلل لام کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی وہ جہنم میں گر گیا۔

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو نصیحت ہے کہ دیکھو ہم نے تم پر کیسے کیسے احسان وانعام کیے، چاہیے کہ ان کا حق ادا کرو کیا یہ تھوڑی بات ہے کہ ایسے سخت جابر وقاہر دشمن کے ہاتھوں سے تم کو نجات دی اور اس کو کیسے عبرتناک طریقہ سے تمہاری آنکھوں کے سامنے ہلاک کیا۔ پھر بتوسط حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تم سے وعدہ ٹھہرا کہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے کوہ "طور" کا جو مبارک و میمون حصہ داہنے ہاتھ پڑتا ہے وہاں آؤ تم کو "تورات" عطا کی جائے گی۔ "تیہ" کے لق ودق میدان میں تمہارے کھانے کے لیے من وسلویٰ اتارا گیا (جس کا ذکر سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے) ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال طیب لذیذ اور ستھری چیزیں عنایت فرمائیں ہیں انہیں شوق سے استعمال کرو۔ لیکن اس معاملہ میں حد سے نہ گزرو مثلاً ناشکری یا فضول خرچی کرنے لگو۔ یا اس فانی تنعم پر اترانے لگو۔ یا اس میں سے حقوق واجبہ ادا نہ کرو۔ یا اللہ کی دی ہوئی دولت معاصی میں خرچ کرنے لگو۔ یا جہاں اور جس وقت جوڑ کر رکھنے کی ممانعت ہے وہاں جوڑنے کے پیچھے پڑ جاؤ، غرض خدا کی نعمتوں کو طغیان وعصیان کا آلہ نہ بناؤ۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی٥
اور بے شک میں یقیناً اس کو بہت بخشنے والا ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے، پھر سیدھے راستے پر چلے۔

سچی توبہ کرنے والے کیلئے بخشش کا بیان

"وَاِنِّی لَغَفَّار لِمَنْ تَابَ" مِنَ الشِّرْك "وَآمَنَ" وَحَّدَ اللّٰه "وَعَمِلَ صَالِحًا" يَصْدُق بِالْفَرْضِ وَالنَّفْل "ثُمَّ اهْتَدَى" بِاسْتِمْرَارِهِ عَلَى مَا ذُكِرَ إِلَى مَوْته،

اور بے شک میں یقیناً اس کو بہت بخشنے والا ہوں جو شرک سے توبہ کرے اور ایمان لائے یعنی اللہ کی توحید کا عقیدہ رکھے اور نیک عمل کرے، یعنی فرائض ونوافل ادا کرے۔ پھر سیدھے راستے پر چلے۔ یعنی ذکر کردہ راستے وعمل صالح پر تاحیات کاربند رہے۔ اس سے ایسے لوگوں کیلئے راہ نجات اور طریق توبہ واصلاح کی تعیین وتصریح فرما دی گئی ہے کہ ایسے لوگ اگر اپنی غلطی سے رجوع کر کے راہ حق کو اپنائیں اپنے ایمان اور عمل صالح کی تجدید کریں۔ اور آئندہ کیلئے راہِ حق پر گامزن رہنے کا عہد کریں۔ اور خداوند قدوس سے ہدایت مذید کے طالب بنیں۔ تو ان کیلئے مغفرت وبخشش کا وعدہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کیلئے بڑا ہی بخشنے والا ہے، اللہ ہمیشہ اپنا ہی بنائے رکھے۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ یٰمُوْسٰی٥ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓی اَثَرِیْ وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی٥
اور اے موسیٰ! تم نے اپنی قوم سے جلدی کیوں کی، (موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کیا: وہ لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہیں
اور میں نے تیرے حضور پہنچنے میں جلدی کی ہے اے میرے رب! تا کہ تو راضی ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تورات کیلئے جلد آجانے کا بیان

"وَمَا أَعْجَلَك عَنْ قَوْمك" لِمَجِيء مِيعَاد أَخْذ التَّوْرَاة "قَالَ هُمْ أُولَاءِ" أَيْ بِالْقُرْبِ مِنِّي يَأْتُونَ

"عَلَى أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَى" عَنِّي : أَيْ زِيَادَةً فِي رِضَاكَ وَقَبْلَ الْجَوَابِ أَتَى بِالِاعْتِذَارِ حَسَبَ ظَنِّهِ وَتَخَلَّفَ الْمَظْنُونُ لِمَا

اور اے موسیٰ اتم نے اپنی قوم سے پہلے یعنی مدت تورات کے آنے سے پہلے آنے میں جلدی کیوں کی، تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: وہ لوگ بھی میرے پیچھے آ رہے ہیں اور میں نے غلبہ شوق و محبت میں تیرے حضور پہنچنے میں جلدی کی ہے اے میرے رب! تا کہ تو راضی ہو جائے۔ آپ نے جواب سے پہلے اپنے گمان کے مطابق عذر بیان کر دیا کہ کہیں گمان کہیں خلاف واقعہ نہ ہو۔

جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو ہارون علیہ السلام کی نگرانی میں چھوڑ کر کوہ طور پر حاضری کے لئے گئے (جیسا کہ سورہ اعراف کے رکوع میں مذکور ہے) تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کس بات نے تمہیں اپنی قوم کی طرف سے اس درجہ مطمئن کر دیا کہ فوراً انہیں چھوڑ کر چلے آئے۔

قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ○
ارشاد ہوا! بیشک ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے اور انہیں سامری نے گمراہ کر ڈالا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جدائی کے بعد قوم کی گائے پرستی کا بیان

"قَالَ" تَعَالَى "فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ" أَيْ بَعْدَ فِرَاقِكَ لَهُمْ "وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ" فَعَبَدُوا الْعِجْلَ

ارشاد ہوا! بیشک ہم نے تمہارے آنے کے بعد یعنی تمہاری جدائی کے بعد تمہاری قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے اور انہیں سامری نے گمراہ کر ڈالا ہے۔ پس انہوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا ہے۔

بنی اسرائیل میں سامری کے کردار کا بیان

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ آل فرعون کا قبطی آدمی تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے پڑوس میں رہتا تھا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور جب بنی اسرائیل کو لے کر موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے تو یہ بھی ساتھ ہو لیا۔ بعض نے کہا کہ یہ بنی اسرائیل ہی کے ایک قبیلہ سامرہ کا رئیس تھا اور قبیلہ سامرہ ملک شام میں معروف ہے۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ یہ فارسی شخص کرمان کا رہنے والا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ ایک ایسی قوم کا آدمی تھا جو گائے کی پرستش کرنے والی تھی یہ کسی طرح مصر پہنچ گیا اور بظاہر دین بنی اسرائیل میں داخل ہو گیا مگر اس کے دل میں نفاق تھا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ طہ، بیروت)

حاشیہ قرطبی میں ہے کہ یہ شخص ہندوستان کا ہندو تھا جو گائے کی عبادت کرتے ہیں۔ انتہی۔ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا پھر اپنے کفر کی طرف لوٹ گیا یا پہلے ہی سے منافقانہ طور پر ایمان کا اظہار کیا۔ مشہور یہ ہے کہ سامری کا نام موسیٰ ابن ظفر تھا۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سامری پیدا ہوا تو فرعون کی طرف سے تمام اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا حکم جاری تھا اس کی

والدہ کو خوف ہوا کہ فرعونی سپاہی اس کو قتل کر دیں گے تو بچہ کو اپنے سامنے قتل ہوتا دیکھنے کی مصیبت سے یہ بہتر سمجھا کہ اس کو جنگل کے ایک غار میں رکھ کر اوپر سے بند کر دیا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو اس کی حفاظت اور غذا دینے پر مامور کر دیا وہ اپنی ایک انگلی پر شہد ایک پر مکھن ایک پر دودھ لاتے اور اس بچہ کو چٹا دیتے تھے یہاں تک کہ یہ غار ہی میں پل کر بڑا ہو گیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ کفر میں مبتلا ہوا اور بنی اسرائیل کو مبتلا کیا پھر قہر الٰہی میں گرفتا ہوا۔ (تفسیر روح المعانی، سورہ طہٰ، بیروت)

مجاز کی طرف نسبت کرنے کا بیان

اس آیت میں اِضلال یعنی گمراہ کرنے کی نسبت سامری کی طرف فرمائی گئی کیونکہ وہ اس کا سبب و باعث ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی چیز کو سبب کی طرف نسبت کرنا جائز ہے اسی طرح کہہ سکتے ہیں کہ ماں باپ نے پرورش کی، دینی پیشواؤں نے ہدایت کی، اولیاء نے حاجت روائی فرمائی، بزرگوں نے بلا دفع کی۔ مفسرین نے فرمایا ہے کہ امور ظاہر میں منشاء وسبب کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں اگرچہ حقیقت میں ان کا موجد اللہ تعالیٰ ہے اور قرآن کریم میں ایسی نسبتیں بکثرت وارد ہیں۔ (تفسیر خازن۔ سورہ طہٰ)

فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ؕ
اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ۝
پس موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم کی طرف سخت غضبناک، رنجیدہ ہو کر پلٹ گئے۔ فرمایا: اے میری قوم! کیا تمہارے ربّ
نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں فرمایا تھا، کیا تم پر وعدہ میں طویل مدت گزر گئی تھی، کیا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب
کی طرف سے غضب واجب ہو جائے؟ پس تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قوم کی طرف غضبناک ہو کر آنے کا بیان

"فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمه غَضْبَان" مِنْ جِهَتهمْ "أَسِفًا" شَدِيد الْحُزْن "قَالَ يَا قَوْم أَلَمْ يَعِدكُمْ رَبّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا" أَيْ صِدْقًا أَنَّهُ يُعْطِيكُمْ التَّوْرَاة "أَفَطَالَ عَلَيْكُمْ الْعَهْد" مُدَّة مُفَارَقَتِي إِيَّاكُمْ "أَمْ أَرَدْتُمْ أَنْ يَحِلّ" بِعِبَادَتِكُمْ الْعِجْل "فَأَخْلَفْتُمْ مَوْعِدِي" وَتَرَكْتُمْ الْمَجِيء بَعْدِي

پس موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف سخت غضبناک اور رنجیدہ ہو کر پلٹ گئے اور فرمایا: اے میری قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں فرمایا تھا، یعنی اس نے تمہیں سچا وعدہ نہیں دلایا کہ وہ تم کو تورات دے گا۔ کیا تم پر وعدہ کے پورے ہونے میں طویل مدت گزر گئی تھی، یعنی میرے تم الگ ہونے میں کتنی مدت گزری تھی؟ کیا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب واجب اور نازل ہو جائے؟ کیونکہ تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ پس تم نے میرے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور تم نے میرے بعد میرے پاس آنے کو چھوڑ دیا۔

موسیٰ علیہ السلام کتاب تورات لے کر جب واپس آئے تو سخت غضب ناک تھے۔ آپ نے آتے ہی اپنی قوم سے پے در پے

تین سوال کیے۔ایک یہ کہ اللہ نے جو تمہاری ہدایت کے لئے کتاب دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔تو یہ گمراہی کی راہ تم نے از خود کیوں اختیار کی؟ کیا تمہیں اللہ کی ہدایت پسند نہیں تھی؟ دوسرا سوال یہ تھا کہ اللہ نے جتنی مدت بعد کتاب دینے کا وعدہ کیا تھا، کیا اسمیں کچھ تاخیر ہوگئی تھی، یا اس وعدہ کو طویل مدت گزر چکی تھی اور تم انتظار کرتے کرتے تھک گئے تھے اور پھر یہ سمجھے کہ پتہ نہیں کہ اللہ سے کب ہدایت آتی ہے یا آتی بھی ہے یا نہیں اس بنا پر تم نے خود ہی اپنے لئے ایک راہ تجویز کر لی اور اگر یہ دونوں درست تھیں تو پھر کیا تم ایسے شر کام کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دینا چاہتے ہو؟ یہ گوسالہ پرستی کا مرض ابھی تک تمہارے دلوں سے نکلا نہیں؟

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝
وہ بولے! ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی مگر قوم کے زیورات کے بھاری بوجھ ہم پر
لاد دیئے گئے تھے تو ہم نے انہیں ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے ڈال دیئے۔

بنی اسرائیل کا سامری کی اتباع کرنے کا بیان

"قَالُوا مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَك بِمَلْكِنَا" مُثَلَّث الْمِيم أَيْ بِقُدْرَتِنَا أَوْ أَمْرنَا "وَلَكِنَّا حُمِّلْنَا" بِفَتْحِ الْحَاء مُخَفَّفًا وَبِضَمِّهَا وَكَسْر الْمِيم مُشَدَّدًا "أَوْزَارًا" أَثْقَالًا "مِنْ زِينَة الْقَوْم" أَيْ حُلِيّ قَوْم فِرْعَوْن اسْتَعَارَهَا مِنْهُمْ بَنُو إسْرَائِيل بِعِلَّةِ عُرْس فَبَقِيَتْ عِنْدهمْ "فَقَذَفْنَاهَا" طَرَحْنَاهَا فِي النَّار بِأَمْرِ السَّامِرِيّ "فَكَذَلِكَ" كَمَا أَلْقَيْنَا "أَلْقَى السَّامِرِيّ" مَا مَعَهُ مِنْ حُلِيّهمْ وَمِنْ التُّرَاب الَّذِي أَخَذَهُ مِنْ أَثَر حَافِر فَرَس جِبْرِيل عَلَى الْوَجْه الْآتِي

وہ بولے! ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کی یہاں پر ملکنا کی میم پر حرکات ثلاثہ کو پڑھنا جائز ہے یعنی ہم نے اپنی طاقت یا اختیار سے ایسا نہیں کیا مگر ہوا یہ کہ قوم کے زیورات کے بھاری بوجھ ہم پر لاد دیئے گئے تھے۔یہاں پر حملنا یہ حاء کی فتحہ کے ساتھ تخفیف کی صورت میں اور تشدید کی صورت میں ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔یعنی بنی اسرائیل نے قوم فرعون سے عید کے موقع پر جو زیورات بہ طور عاریت لیے تھے۔وہ ان کے پاس باقی رہ گئے تھے۔تو ہم نے انہیں سامری کے کہنے پر آگ میں ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے بھی ڈال دیئے۔یعنی جو اس کے پاس زیورات تھے۔اور وہ مٹی بھی جو اس نے جبرائیل کے گھوڑے کے قدموں سے لی تھی۔

بچھڑا بنانے میں سامری کے کردار کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کے سب زیورات گڑھے میں ڈلوا دیئے اور اس میں آگ جلوادی کہ سب زیورات پگھل کر یک جسم ہو جائیں پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد اس کا معاملہ طے کیا جاوے گا کہ کیا کیا جائے۔جب سب لوگ اپنے اپنے زیورات اس میں ڈال چکے تو سامری بھی مٹھی بند

کیے ہوئے پہنچا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں بھی ڈال دوں۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ سمجھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی کوئی زیور ہوگا، فرمایا کہ ڈال دو۔ اس وقت سامری نے ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں جب ڈالوں گا کہ آپ یہ دعا کریں کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ پورا ہو جائے۔ ہارون علیہ السلام کو اس کا نفاق وکفر معلوم نہیں تھا دعا کر دی۔ اب جو اس نے اپنے ہاتھ سے ڈالا تو زیور کے بجائے مٹی تھی جس کو اس نے جبرئیل امین کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے کہیں یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر اٹھالیا تھا کہ جس جگہ اس کا قدم پڑتا ہے وہیں مٹی میں نشوونما اور آثار حیات پیدا ہو جاتے ہیں جس سے اس نے سمجھا کہ اس مٹی میں آثار حیات رکھے ہوئے ہیں شیطان نے اس کو اس پر آمادہ کر دیا کہ یہ اس کے ذریعہ ایک بچھڑا زندہ کر کے دکھلا دے۔ بہرحال اس مٹی کا ذاتی اثر ہو یا حضرت ہارون علیہ السلام کی دعا کا کہ یہ سونے چاندی کا پگھلا ہوا ذخیرہ اس مٹی کے ڈالنے اور ہارون علیہ السلام کی دعا کرنے کے ساتھ ایک زندہ بچھڑا بن کر بولنے لگا جن روایات میں ہے کہ سامری ہی نے بنی اسرائیل کو زیورات اس گڑھے میں ڈالنے کا مشورہ دیا تھا ان میں یہ بھی ہے کہ اس نے زیورات کو پگھلا کر ایک بچھڑے کی مورت تیار کر لی تھی مگر اس میں کوئی زندگی نہیں تھی۔ پھر یہ جبرائیل امین کے نشان قدم کی مٹی ڈالنے کے بعد اس میں حیات پیدا ہوگئی۔ (تفسیر قرطبی، سورۂ طٰہٰ، بیروت)

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ۝
پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا، جو محض جسم تھا، اس کے لیے گائے کی آواز تھی، تو انھوں نے کہا
یہی تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود ہے، سو وہ بھول گیا۔

بنی اسرائیل کا سامری کی رہنمائی میں بچھڑا بنانے کا بیان

"فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا" صَاغَهُ مِنَ الْحُلِيّ "جَسَدًا" لَحْمًا وَدَمًا "لَهُ خُوَار" أَيْ صَوْت يُسْمَع أَيْ انْقَلَبَ كَذَلِكَ بِسَبَبِ التُّرَاب الَّذِي أَثَرُهُ الْحَيَاةُ فِيمَا يُوضَع فِيهِ وَوَضَعَهُ بَعْد صَوْغه فِي فَمه "فَقَالُوا" أَيْ السَّامِرِيّ وَأَتْبَاعه "هَذَا إِلَهكُمْ وَإِلَه مُوسَى فَنَسِيَ" مُوسَى رَبّه هُنَا وَذَهَبَ يَطْلُبهُ

پس اس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا، یعنی زیورات کا ڈھانچہ بنایا جو محض جسم یعنی گوشت اور خون تھا، اس کے لیے گائے کی آواز تھی، یہ آواز کا سنا جانا اور انقلاب کا ہونا اسی مٹی کے اثر سے تھا کیونکہ اس میں زندگی کو رکھ دیا گیا تھا۔ اور سامری نے اس مٹی کو ڈھانچے کے ڈھالنے کے بعد اس کے منہ میں ڈال دیا تھا۔ تو سامری اور اس کی اتباع کرنے والوں نے کہا یہی تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود ہے، لہٰذا موسیٰ علیہ السلام اس کو یہاں بھول گئے ہیں اور اس کو تلاش کرنے چلے گئے ہیں۔

اور اس میں ہر ایک کے زیور کی مقدار الگ الگ لکھ لی جائے اور جب کہیں مقیم ہوں گے تو اپنے اپنے حصہ کا سونا پھر سے بانٹ کر زیور بنوائے جا سکتے ہیں۔ اس خیال سے ہم نے لوگوں نے بھی اپنے اپنے زیورات پھینکے اور اسی طرح سامری نے اپنا زیور اس مجموعہ میں شامل کر دیا۔ سونے کو پگھلانے کا کام سامری کے ذمہ تھا۔ اس نے یہ شرارت کی کہ بجائے اس کے زیورات کو پگھلا کر

سونے کی اینٹیں بناتا، اس کو بچھڑے کی شکل دے دی۔ پھر کچھ ایسا کرتب دکھایا کہ اس بچھڑے سے بچھڑے کی سی آواز بھی نکلتی تھی اور کہنے لگا کہ حقیقتا تو یہی تمہارا الٰہ ہے۔ جو سونا پگھلانے پر آپ سے آپ اس شکل میں نمودار ہوگیا ہے۔ یہ لوگ مصر میں چونکہ بڑی مدت فرعونیوں کی دیکھا دیکھی بیل کی پرستش کرتے رہے تھے اور ابھی تک ان کے ذہن میں پوری طرح صاف نہیں ہوئے تھے لہٰذا جاہل عوام نے فوراً سامری کی آواز پر لبیک کہی اور بہنے لگے کہ اصل میں ہمارا اور موسیٰ کا بھی الٰہ تو یہ تھا۔ موسیٰ پتا نہیں طور پر کیا لینے گیا ہے؟ چنانچہ یہ معاملہ ہمارے اختیار سے باہر ہوگیا اور اکثریت کی دیکھا دیکھی ہمیں بھی یہی راہ اختیار کرنا پڑی۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝
کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر یا نفع پر قدرت رکھتا ہے۔

نفع ونقصان کے مالک نہ ہونے والے معبودان باطلہ کا بیان

"اَفَلَا يَرَوْنَ أَ" أَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الثَّقِيلَة وَاسْمهَا مَحْذُوف أَيْ أَنَّهُ "أَلَّا يَرْجِع" الْعِجْل "إِلَيْهِمْ قَوْلًا" أَيْ لَا يَرُدّ لَهُمْ جَوَابًا "وَلَا يَمْلِك لَهُمْ ضَرًّا" أَيْ دَفْعه "وَلَا نَفْعًا" أَيْ جَلْبه أَيْ فَكَيْفَ يُتَّخَذ إِلَهًا ؟

یہاں پر اَن ثقل سے مخفف ہے۔ اور اس کا اسم محذوف ہے یعنی انہ تھا۔ کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں دیکھتے تھے کہ وہ نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی ضرر کو دور کرنے یا نفع دینے پر قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟

یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یعنی ان بدبختوں کو اتنی بھی سمجھ نہ آئی کہ اگر اس بچھڑے کی سی آواز نکلتی بھی ہے تو وہ کیا ان کے سوال کا جواب دے سکتا ہے؟ بلکہ وہ تو سنتا بھی نہیں پھر جواب کیا دے گا؟ اور جو چیز نہ سن سکے نہ جواب دے سکے وہ کسی کا کیا بگاڑ سکتی ہے یا سنوار سکتی ہے؟ نیز وہ الٰہ کیسے ہو سکتی ہے؟

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝
اور بلاشبہ یقیناً ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! بات یہی ہے کہ اس کے ساتھ تمہاری آزمائش کی گئی ہے
اور یقیناً تمہارا رب رحمان ہی ہے، لہٰذا میرے پیچھے چلو اور میرا حکم مانو۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا قوم کو اتباع کا حکم دینے کا بیان

"وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُون مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْل أَنْ يَرْجِع مُوسَى "يَا قَوْم إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبّكُمْ الرَّحْمَن فَاتَّبِعُونِي" فِي عِبَادَته "وَأَطِيعُوا أَمْرِي" فِيهَا

اور بلاشبہ یقیناً ہارون علیہ السلام نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا یعنی موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم! بات یہی ہے کہ اس کے ساتھ تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور یقیناً تمہارا رب رحمان ہی ہے، لہٰذا تم عبادت کرنے میں میرے پیچھے چلو اور اس میں میرا حکم مانو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں ہر چند سمجھایا بجھایا کہ دیکھو فتنے میں نہ پڑو اللہ رحمان کے سوا اور کسی کے سامنے نہ جھکو۔ وہ ہر چیز کا خالق مالک ہے سب کا اندازہ مقرر کرنے والا وہی ہے وہی عرش مجید کا مالک ہے وہی جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ تم میری تابعداری اور حکم برداری کرتے رہو جو میں کہوں وہ بجالاؤ جس سے روکوں رک جاؤ۔ لیکن ان سرکشوں نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کی سن کر تو خیر ہم مان لیں گے تب تک تو ہم اس کی پرستش نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ لڑنے اور مرنے مارنے کے واسطے تیار ہو گئے۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ٥ قَالَ يٰهٰرُوْنُ
مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ٥ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ٥
وہ بولے ہم تو اسی پر جمے رہیں گے تاوقتیکہ موسیٰ (علیہ السلام) ہماری طرف پلٹ آئیں (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اے ہارون! تم
کو کس چیز نے روکے رکھا جب تم نے دیکھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں۔ تم میرے طریقے کی پیروی نہ کرو، کیا تم نے میری نافرمانی کی۔

بنی اسرائیل کا بچھڑے کی پرستش پر جم جانے کا بیان

"قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ" نَزَال "عَلَيْهِ عَاكِفِيْنَ" عَلَى عِبَادَته مُقِيمِينَ "قَالَ" مُوسَى بَعْد رُجُوعه "يَا هَارُون مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتهمْ ضَلُّوا" بِعِبَادَتِهِ "أَ" نْ "لَّا" لَا زَائِدَة "أَفَعَصَيْت أَمْرِي" بِإِقَامَتِك بَيْن مَنْ يَعْبُد غَيْر اللّٰه تَعَالَى

وہ بولے ہم تو اسی کی پوجا پر جمے رہیں گے یعنی اسی کی عبادت پر قائم رہیں گے۔ تاوقتیکہ موسیٰ (علیہ السلام) ہماری طرف پلٹ آئیں (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: اے ہارون! تم کو کس چیز نے روکے رکھا جب تم نے دیکھا کہ یہ پرستش کے ذریعے گمراہ ہو رہے ہیں۔ (مزید یہ کہ تمہیں کس نے منع کیا کہ انہیں سختی سے روکنے میں) تم میرے طریقے کی پیروی نہ کرو، کیا تم نے میری نافرمانی کی۔ یہاں پر اَن لا میں لا زائدہ ہے۔ یعنی تم نے غیر اللہ کی عبادت کر کے میری نافرمانی کی ہے۔

اس پر حضرت ہارون علیہ السلام ان سے علیحدہ ہو گئے اور ان کے ساتھ بارہ ہزار وہ لوگ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہ کی تھی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس تشریف لائے تو آپ نے ان کے شور مچانے اور باجے بجانے کی آوازیں سنیں جو بچھڑے کے گرد ناچتے تھے تب آپ نے اپنے ستر ہمراہیوں سے فرمایا یہ فتنہ کی آواز ہے جب قریب پہنچے اور حضرت ہارون کو دیکھا تو غیرتِ دینی سے جو آپ کی سرشت تھی جوش میں آکر ان کے سر کے بال داہنے ہاتھ اور داڑھی بائیں میں پکڑی اور۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ
بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ٥

کہا: اے میری ماں کے بیٹے ! آپ نہ میری داڑھی پکڑیں اور نہ میرا سر، میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ کہیں آپ یہ (نہ)
کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان فرقہ بندی کر دی ہے اور میرے قول کی نگہداشت نہیں کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کی فرقہ بندی کو دیکھنے کا بیان

"قَالَ" هَارُون "يَبْنَؤُمَّ" بِكَسْرِ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا أَرَادَ أُمِّي وَذِكْرهَا أَعْطَف لِقَلْبِهِ "لَا تَأْخُذ بِلِحْيَتِي" وَكَانَ أَخَذَهَا بِشِمَالِهِ "وَلَا بِرَأْسِي" وَكَانَ أَخَذَ شَعَره بِيَمِينِهِ غَضَبًا "إِنِّي خَشِيت" لَوْ اتَّبَعْتُك وَلَا بُدّ أَنْ يَتَّبِعَنِي جَمْع مِمَّنْ لَمْ يَعْبُدُوا الْعِجْل "أَنْ تَقُول فَرَّقْت بَيْن بَنِي إِسْرَائِيل" وَتَغْضَب عَلَيَّ "وَلَمْ تَرْقُب" تَنْتَظِر "قَوْلِي" فِيمَا رَأَيْته فِي ذَلِكَ

حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے ! یہاں پر لفظ اُم میم کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی والدہ کا ذکر کیا تا کہ موسیٰ علیہ السلام کے دل میں نرمی پیدا ہو جائے۔ آپ نہ میری داڑھی پکڑیں اور نہ میرا سر، میں سختی کرنے میں اس بات سے ڈرتا تھا کہ کہیں آپ یہ (نہ) کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان فرقہ بندی کر دی ہے اور میرے قول کی نگہداشت نہیں کی۔ یعنی میرے حکم کا انتظار نہ کیا کہ اس معاملہ میں جو تم نے دیکھا ہے۔

کوہ طور سے واپسی اور بنی اسرائیل کی حرکت پہ غصہ آنے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت غصے اور پورے غم میں لوٹے تھے۔ تختیاں زمین پر ماریں اور اپنے بھائی ہارون کی طرف غصے سے بڑھ گئے اور ان کے سر کے بال تھام کر اپنی طرف گھسیٹنے لگے۔ اس کا تفصیلی بیان سورۃ اعراف کی تفسیر میں گزر چکا ہے اور وہیں وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ سننا دیکھنے کے مطابق نہیں۔ آپ نے اپنے بھائی اور اپنے جانشین کو ملامت کرنی شروع کی کہ اس بت پرستی کے شروع ہوتے ہی تو نے مجھے خبر کیوں نہ کی؟ کیا جو کچھ میں تجھے کہہ گیا تھا تو بھی اس کا مخالف بن بیٹھا؟ میں تو صاف کہہ گیا تھا کہ میری قوم میں میری جانشینی کر اصلاح کے درپے رہ اور مفسدوں کی نہ مان۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اے میرے ماں جائے بھائی۔ یہ صرف اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ رحم اور محبت آئے ورنہ باپ الگ الگ نہ تھے باپ بھی ایک ہی تھے دونوں سگے بھائی تھے۔ آپ عذر پیش کرتے ہیں کہ جی میں تو میرے بھی آئی تھی کہ آپ کے پاس آ کر آپ کو اس کی خبر کروں لیکن پھر خیال آیا کہ انہیں تنہا چھوڑ نا مناسب نہیں کہیں آپ مجھ پر نہ بگڑ بیٹھیں کہ انہیں تنہا کیوں چھوڑ دیا اور اولا د یعقوب میں یہ جدائی کیوں ڈال دی؟ اور جو میں کہہ گیا تھا اس کی نگہبانی کیوں نہ کی؟ بات یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام میں جہاں اطاعت کا پورا مادہ تھا وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عزت بھی بہت کرتے تھے اور ان کا بہت ہی لحاظ رکھتے تھے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۝

فرمایا: اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی، سو میں نے رسول کے پاؤں کے نشان سے ایک مٹھی اٹھالی، پھر میں نے وہ ڈال دی اور میرے دل نے اسی طرح کرنا میرے لیے خوشنما بنا دیا۔

سامری کا بچھڑے کو معبود بنانے کا بیان

"قَالَ فَمَا خَطْبُكَ" شَأْنُكَ الدَّاعِي إِلَى مَا صَنَعْتَ "قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ" بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ أَيْ عَلِمْتُ مَا لَمْ يَعْلَمُوهُ "فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِنْ" تُرَاب "أَثَر" حَافِر فَرَس "الرَّسُول" جِبْرِيل "فَنَبَذْتهَا" أَلْقَيْتهَا فِي صُورَة الْعِجْل الْمُصَاغ "وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ" زَيَّنَتْ "لِي نَفْسِي" وَأُلْقِيَ فِيهَا أَنْ آخُذ قَبْضَة مِنْ تُرَاب مَا ذُكِرَ وَأُلْقِيهَا عَلَى مَا لَا رُوح لَهُ يَصِير لَهُ رُوح وَرَأَيْت قَوْمك طَلَبُوا مِنْك أَنْ تَجْعَل لَهُمْ إِلٰهًا فَحَدَّثَتْنِي نَفْسِي أَنْ يَكُون ذٰلِكَ الْعِجْل إِلٰههمْ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے سامری! بتا تیرا کیا معاملہ ہے۔ جو تو نے کر رکھا ہے۔ اس نے کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی، یہاں پر یبصر وا یاء اور تاء دونوں طرح آیا ہے۔ لہٰذا میں نے رسول یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے پاؤں کے نشان سے ایک مٹھی اٹھالی، پھر میں نے وہ بچھڑے کے قالب میں ڈال دی اور میرے دل نے اسی طرح کرنا میرے لیے خوشنما بنا دیا۔ یعنی میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ مذکورہ مٹی کو جس چیز میں ڈالوں تو اس میں زندگی آجائے۔ آپ کی قوم نے آپ سے معبود طلب کیا تو میرے دل میں آیا کہ یہ بچھڑا ہی معبود بن سکتا ہے۔ تو میں نے سمجھا کہ یہ بچھڑا ان کیلئے معبود بن سکتا ہے۔

گائے پرست سامری اور بچھڑے کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ تو نے یہ فتنہ کیوں اٹھایا؟ یہ شخص باجرو کا رہنے والا تھا اس کی قوم گائے پرست تھی۔ اس کے دل میں گائے محبت گھر کیے ہوئے تھی۔ اس نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کیا تھا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا ایک روایت میں ہے یہ کرمانی تھا۔ ایک روایت میں ہے اس کی بستی کا نام سامرا تھا اس نے جواب دیا کہ جب فرعون کی ہلاکت کے لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو میں نے ان کے گھوڑے کے ٹاپ تلے سے تھوڑی سی مٹی اٹھالی۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مشہور بات یہی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لے کر چڑھنے لگے تو سامری نے دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے ان کے گھوڑے کے سم تلے کی مٹی اٹھالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جبرائیل علیہ السلام آسمان تک لے گئے اللہ تعالیٰ نے تورات لکھی حضرت موسیٰ علیہ السلام قلم کی تحریر کی آواز سن رہے تھے لیکن جب آپ کو آپ کی قوم کی مصیبت معلوم ہوئی تو نیچے اتر آئے اور اس بچھڑے کو جلا دیا۔ لیکن اس کی اثر کی سند غریب ہے۔ اسی

خاک کی چٹکی یا مٹھی کو اس نے بنی اسرائیل کے جمع کردہ زیوروں کے جلنے کے وقت ان میں ڈال دی۔ جو بصورت بچھڑا بن گئے اور چونکہ بیچ میں خلا تھا وہاں سے ہوا گھستی تھی اور اس سے آواز نکلتی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے دل میں خیال گزرا تھا کہ میں اس کے گھوڑے کے ٹاپوں تلے کی مٹی اٹھالوں میں جو چاہوں گا وہ اس مٹی کے ڈالنے سے بن جائے گا اس کی انگلیاں اسی وقت سوکھ گئی تھی۔ جب بنی اسرائیل نے دیکھا کہ ان کے پاس فرعونیوں کے زیورات رہ گئے اور فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ اب ان کو واپس نہیں ہو سکتے تو غمزدہ ہونے لگے سامری نے کہا دیکھو اس کی وجہ سے تم پر مصیبت نازل ہوئی ہے اسے جمع کر کے آگ لگا دو جب وہ جمع ہو گئے اور آگ سے پگھل گئے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ خاک اس پر ڈال دے اور اسے بچھڑے کی شکل میں بنالے چنانچہ یہی ہوا۔ اور اس نے کہہ دیا کہ تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب یہی ہے۔ یہی وہ جواب دے رہا ہے کہ میں نے اسے ڈال دیا اور میرے دل نے یہی ترکیب مجھے اچھی طرح سمجھا دی ہے۔ کلیم اللہ نے فرمایا تو نے نہ لینے کی چیز کو ہاتھ لگایا تیری سزا دنیا میں یہی ہے کہ اب نہ تو تو کسی کو ہاتھ لگا سکے نہ کوئی اور تجھے ہاتھ لگا سکے۔ باقی سزا تیری قیامت کو ہوگی جس سے چھٹکارا محال ہے ان کے بقایا اب تک یہی کہتے ہیں کہ نہ چھونا اب تو اپنے اللہ کا حشر بھی دیکھ لے جس کی عبادت پر اوندھا پڑا ہوا تھا کہ ہم اسے جلا کر راکھ کر دیتے ہیں چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے خون اور گوشت والا بچھڑا جلے۔ پھر اس کی راکھ کو تیز ہوا میں دریا میں ذرہ ذرہ کر کے اڑا دیا۔ روایت ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کی عورتوں کے زیور جہاں تک اس کے بس میں تھے لئے ان کا بچھڑا بنایا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جلا دیا اور دریا میں اس کی خاک بہادی جس نے بھی اس کا پانی پیا اس کا چہرہ زرد پڑ گیا اس سے سارے گوسالہ پرست معلوم ہو گئے اب انہوں نے توبہ کی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہماری توبہ کیسے قبول ہوگی؟ حکم ہوا کہ ایک دوسروں کو قتل کرو۔ اس کا پورا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا معبود یہ نہیں۔ مستحق عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہے باقی تمام جہان اس کا محتاج ہے اور اس کے ماتحت ہے وہ ہر چیز کا عالم ہے، اسکے علم نے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے، ہر چیز کی گنتی اسے معلوم ہے۔ ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہر پتے کا اور ہر دانے کا اسے علم ہے بلکہ اس کے پاس کی کتاب میں وہ لکھا ہوا موجود ہے زمین کے تمام جانداروں کو روزیاں وہی پہنچاتا ہے، سب کی جگہ اسے معلوم ہے سب کچھ کھلی اور واضح کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ علم الٰہی محیط کل اور سب کو حاوی ہے، اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طہٰ، بیروت)

قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ
وَ انْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝
فرمایا: پس تو چلا جا چنانچہ تیرے لئے زندگی میں یہ ہے کہ تو کہتا رہے: نہ چھونا، اور بیشک تیرے لئے ایک اور وعدہ (عذاب)
بھی ہے جس کی ہرگز خلاف ورزی نہ ہوگی، اور تو اپنے اس (من گھڑت) معبود کی طرف دیکھ جس (کی پوجا) پر تو جم کر بیٹھا رہا،
ہم اسے ضرور جلا ڈالیں گے پھر ہم اس کو ضرور دریا میں اچھی طرح بکھیر دیں گے۔

سامری کیلئے دنیا وآخرت میں عذاب ہونے کا بیان

"قَالَ" لَهُ مُوسَى "فَاذْهَبْ" مِنْ بَيْنِنَا "فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ" أَيْ مُدَّةَ حَيَاتِكَ "أَنْ تَقُولَ" لِمَنْ رَأَيْتَهُ "لَا مِسَاسَ" أَيْ لَا تَقْرَبْنِي فَكَانَ يَهِيمُ فِي الْبَرِّيَّةِ وَإِذَا مَسَّ أَحَدًا أَوْ مَسَّهُ أَحَدٌ حُمَّا جَمِيعًا "وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا" لِعَذَابِكَ "لَنْ تُخْلِفَهُ" بِكَسْرِ اللَّامِ: أَيْ لَنْ تَغِيبَ عَنْهُ وَبِفَتْحِهَا أَيْ بَلْ تُبْعَثُ إِلَيْهِ "وَانْظُرْ إِلَى إِلٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ" أَصْلُهُ ظَلِلْتَ بِلَامَيْنِ أُولَاهُمَا مَكْسُورَةٌ حُذِفَتْ تَخْفِيفًا أَيْ دُمْتَ "عَلَيْهِ عَاكِفًا" أَيْ مُقِيمًا تَعْبُدُهُ "لَنُحَرِّقَنَّهُ" بِالنَّارِ "ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا" نُذْرِيَنَّهُ فِي هَوَاءِ الْبَحْرِ وَفَعَلَ مُوسَى بَعْدَ ذَبْحِهِ مَا ذَكَرَهُ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: پس تو یہاں سے نکل کر چلا جا چنانچہ تیرے لئے ساری زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو ہر کسی کو یہی کہتا رہے کہ مجھے نہ چھونا، مجھے نہ چھونا، پس جب کسی نے تجھے مس کر لیا یا تو نے کسی کو مس کر لیا تو ان سب کو بخار ہو جائے گا اور بیشک تیرے لئے ایک اور وعدہ عذاب بھی ہے جس کی ہرگز خلاف ورزی نہ ہوگی، یہاں پر تخلفہ لام کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔یعنی تو ہرگز اس سے چھپ نہیں سکے گا۔اور لام کے فتحہ کے ساتھ یعنی تجھے اس کی طرف اٹھایا جائے گا۔اور تو اپنے اس من گھڑت معبود کی طرف دیکھ۔لفظ ظلت اصل میں ظللت دو لاموں کے ساتھ تھا ان میں سے پہلا مکسورہ تھا جس کو تخفیف کے پیش نظر حذف کر دیا گیا ہے اور اس کا معنی دمت ہے۔جس کی پوجا پر تو جم کر بیٹھا رہا، یعنی اس کی عبادت پر قائم رہا۔ہم اسے ضرور آگ میں جلا ڈالیں گے پھر ہم اس کی راکھ کو ضرور دریا میں اچھی طرح بکھیر دیں گے۔یعنی اس کو ہم سمندر کی فضاء میں اڑا دیں گے۔تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ذبح کرنے کے بعد ویسا ہی کیا جیسے انہوں نے بیان کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کے لئے دنیا کی زندگی میں یہ سزا تجویز کی کہ سب لوگ اس سے مقاطعہ کریں کوئی اس کے پاس نہ جاوے اور اس کو بھی یہ حکم دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگائے اور زندگی بھر اسی طرح وحشی جانوروں کی طرح سب سے الگ رہے۔ یہ سزا ہو سکتا ہے کہ ایک قانون کی صورت میں ہو جس کی پابندی اس پر اور دوسرے سب بنی اسرائیل پر منجانب موسیٰ علیہ السلام لازم کر دی گئی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ قانونی حیثیت کی سزا سے آگے خود اس کی ذات میں بقدرت خداوندی کوئی ایسی بات پیدا کر دی گئی ہو کہ نہ وہ دوسروں کو چھو سکے نہ کوئی دوسرا اس کو چھو سکے۔

جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے اس میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ اگر یہ کسی کو ہاتھ لگا دے یا کوئی اس کو ہاتھ لگا دے تو دونوں کو بخار چڑھ جاتا تھا، کذا فی المعالم۔اس ڈر کے مارے وہ سب سے الگ بھاگا پھرتا تھا اور جب کسی کو قریب آتا دیکھتا تو دور سے پکارتا تھا لا مساس یعنی کوئی مجھے نہ چھوئے۔ (تفسیر معالم تنزیل، سورہ طہ، بیروت)

إِنَّمَآ إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ٥
تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے

اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان

"إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا" تَمْيِيزٌ مُحَوَّلٌ عَنِ الْفَاعِلِ أَيْ وَسِعَ عِلْمُهُ كُلَّ شَيْءٍ

تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے۔ یہاں پر علما تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہو کر آئی ہے۔ یعنی اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

سامری کو اپنے کیے کی ایک نقد اور فوری سزا یہ ملی کہ وہ اپنے معاشرے میں اچھوت بن کر رہ گیا، وہ جب کسی کو دیکھتا تو وہ فوراً اس سے کہتا لَا مِسَاسَ یعنی مجھے چھونا نہیں۔ روایات کے مطابق وہ جب کسی کو ہاتھ لگاتا یا کوئی اس کو ہاتھ لگاتا تو اس سے ان دونوں کو فوراً بخار ہو جاتا۔ اس لئے وہ دوسرے کسی کو دیکھتے ہی اس سے کہتا کہ خبردار مجھے ہاتھ نہیں لگانا، دوسری طرف اس کے اس مصنوعی بچھڑے کو جس کو اس نے معبود بنا دیا تھا اس کو حضرت موسیٰ نے سب کے سامنے اور اعلانیہ طور پر جلا کر راکھ بنا دیا۔ اور اسکی راکھ کو سمندر میں بکھیر کر ختم کر دیا۔ اور اس کے بعد حضرت موسیٰ نے معبود برحق کی تعریف کیلئے فرمایا کہ معبود برحق تم سب لوگوں کا وہ اللہ ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں، جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے اور یہ شان جب اس وحدہ لاشریک کے سواء اور کسی کی نہ ہے نہ ہو سکتی ہے، تو اس کا تقاضا ہے کہ معبود برحق بھی وہی وحدہ لاشریک ہو۔ اور ہر قسم کی عبادت و بندگی اسی کا اور صرف اسی وحدہ لاشریک کا حق ہو۔ اس میں اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝
اسی طرح ہم تجھ سے کچھ وہ خبریں بیان کرتے ہیں جو گزر چکیں اور یقیناً ہم نے تجھے اپنے پاس سے ایک نصیحت عطا کی ہے۔

سابقہ امم کے قصص کو بتانے کا بیان

"كَذٰلِكَ" أَيْ كَمَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ يَا مُحَمَّد هٰذِهِ الْقِصَّة "نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاء" أَخْبَار "مَا قَدْ سَبَقَ" مِنَ الْأُمَم "وَقَدْ آتَيْنَاك" أَعْطَيْنَاك "مِنْ لَدُنَّا" مِنْ عِنْدنَا "ذِكْرًا" قُرْآنًا

یا محمد ﷺ اسی طرح ہم تجھ سے کچھ وہ خبریں بیان کرتے ہیں جس طرح یہ قصہ ہے۔ ایسے قصص ہیں جو گزشتہ امم کے ہیں اور یقیناً ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت عطا کی ہے۔ یعنی ہماری طرف سے وہ نصیحت قرآن ہے۔

نصیحت کیلئے سابقہ اقوام کے قصص کی خبر کا بیان

فرمان ہے کے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اصلی رنگ میں آپ کے سامنے بیان ہوا ایسے ہی اور بھی حالات گزشتہ آپ کے سامنے ہم ہو بہو بیان فرما رہے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو قرآن عظیم دے رکھا ہے جس کے پاس باطل پھٹک نہیں سکتا کیونکہ آپ حکمت وحمد والے ہیں کسی نبی کو کوئی کتاب اس سے زیادہ کمال والی اور اس سے زیادہ جامع اور اس سے

بابرکت نہیں ملی۔ ہر طرح سب سے اعلیٰ کتاب یہی کلام اللہ شریف ہے جس میں گذشتہ کی خبریں آئندہ کے امور اور ہر کام کے طریقے مذکور ہیں۔ اسے نہ ماننے والا، اس سے منہ پھیرنے والا، اس کے احکام سے بھاگنے والا، اس کے سوا کسی اور میں ہدایت کو تلاش کرنے والا گمراہ ہے اور جہنم کی طرف جانے والا ہے۔ قیامت کو وہ اپنا بوجھ آپ اٹھائے گا اور اس میں دب جائے گا اس کے ساتھ جو بھی کفر کرے وہ جہنمی ہے کتابی ہو یا غیر کتابی عجمی ہو یا عربی اس کا منکر جہنمی ہے۔ جیسے فرمان ہے کہ میں تمہیں بھی ہوشیار کرنے والا ہوں اور جسے بھی یہ پہنچے پس اس کا متبع ہدایت والا اور اس کا مخالف ضلالت وشقاوت والا جو یہاں برباد ہوا وہ وہاں دوزخی بنا۔ اس عذاب سے اسے نہ تو کبھی چھٹکارا حاصل ہو نہ بچ سکے برا بوجھ ہے جو اس پر اس دن ہو گا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًاۙ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِؕ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًاۙ۝
جو شخص اس سے روگردانی کرے گا تو بیشک وہ قیامت کے دن سخت بوجھ اٹھائے گا۔ وہ اس عذاب میں ہمیشہ پڑے
رہیں گے، اور ان کے لئے قیامت کے دن بہت ہی برا بوجھ ہوگا۔

مجرم قیامت کے دن گناہوں کا بدترین بوجھ اٹھائیں گے

"مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ" فَلَمْ يُؤْمِن بِهِ "فَإِنَّهُ يَحْمِل يَوْم الْقِيَامَة وِزْرًا" حِمْلًا ثَقِيلًا مِنْ الْإِثْم "خَالِدِينَ فِيهِ" أَيْ فِي عَذَاب الْوِزْر "وَسَاءَ لَهُمْ يَوْم الْقِيَامَة حِمْلًا" تَمْيِيز مُفَسِّر لِلضَّمِيرِ فِي سَاءَ وَالْمَخْصُوص بِالذَّمِّ مَحْذُوف تَقْدِيره وِزْرهمْ وَاللَّام لِلْبَيَانِ وَيُبْدَل مِنْ يَوْم الْقِيَامَة

جو شخص اس سے روگردانی کرے گا یعنی اس پر ایمان نہ لائے۔ تو بیشک وہ قیامت کے دن سخت بوجھ اٹھائے گا۔ یعنی گناہوں کو بوجھ اٹھائے گا۔ وہ اس عذاب میں ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور ان کے لئے قیامت کے دن بہت ہی برا بوجھ ہوگا۔ یہاں پر حملا یہ تمیز ہے اور ساء کی ضمیر کی تفسیر ہے جس کا مخصوص بہ ذم محذوف مقدر وزرھم ہے۔ اور لھم میں لام بیانیہ ہے اور، ينفخ في الصور يوم قیامت سے بدل ہے۔

وزر بمعنی گناہ کا بوجھ یا پاپ کے گٹھری۔ اب جو شخص عمر بھر نہ قرآن کے نزدیک آئے، نہ اس کی کوئی ہدایت ماننے کو تیار ہو تو لامحالہ اس کی زندگی شتر بے مہار کی طرح ہوگی جو اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں پر مشتمل ہوگی۔ لہٰذا اسے اپنے اعمال کا ناقابل برداشت بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ اس دنیا میں تو ایسے بوجھ کا تصور ہی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہاں اس بوجھ کو مادی شکل دے دی جائے گی اور وہ اس بوجھ تلے پس رہا ہوگا۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًاۚ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۝
جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں کو اس دن اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے۔

آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے تم دس دن کے سوانہیں ٹھہرے۔

حشر میں پہنچ کر دنیا کی زندگی دس جتنی لگنے کا بیان

"يَوْمَ يُنْفَخ فِي الصُّور" الْقَرْن النَّفْخَة الثَّانِيَة "وَنَحْشُر الْمُجْرِمِينَ" الْكَافِرِينَ "يَوْمَئِذٍ زُرْقًا" عُيُونهمْ مَعَ سَوَاد وُجُوههمْ

"يَتَخَافَتُونَ بَيْنهمْ" يَتَسَارُّونَ "إنْ" مَا "لَبِثْتُمْ" فِي الدُّنْيَا "إلَّا عَشْرًا" مِنْ اللَّيَالِي بِأَيَّامِهَا

جس دن صور میں پھونکا جائے گا یعنی جب دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور ہم مجرموں یعنی کافروں کو اس دن اس حال میں اکٹھا کریں گے کہ نیلی آنکھوں والے ہوں گے۔ یعنی ان کی آنکھیں سیاہ چہروں کے ساتھ ہوں گی۔ آپس میں چپکے چپکے کہہ رہے ہوں گے تم دنیا میں دس دن اور ان کی راتوں کے سوانہیں ٹھہرے۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ ایک گاؤں والے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ صور کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایک سینگ ہے جس میں پھونک ماری جائے گی، مراد یہ ہے کہ سینگ کی طرح کی کوئی چیز ہے جس میں فرشتہ کی پھونک مارنے کا پوری دنیا پر یہ اثر ہوگا کہ سب مردے زندہ ہو کر کھڑے ہو جاویں گے حقیقت اس صور کی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝
ہم خوب جانتے ہیں وہ جو کچھ کہہ رہے ہوں گے جبکہ ان میں سے ایک عقل وعمل میں بہتر شخص کہے گا کہ تم تو
ایک دن کے سوا ٹھہرے ہی نہیں ہو۔

آخرت میں دنیا کی قلیل مدت معلوم ہونے کا بیان

"نَحْنُ أَعْلَم بِمَا يَقُولُونَ" فِي ذَلِكَ: أَيْ لَيْسَ كَمَا قَالُوا "إذْ يَقُول أَمْثَلهمْ" أَعْدَلهمْ "طَرِيقَة" فِيهِ "إنْ لَبِثْتُمْ إلَّا يَوْمًا" يَسْتَقِلُّونَ لُبْثهمْ فِي الدُّنْيَا جِدًّا لِمَا يُعَايِنُونَهُ فِي الْآخِرَة مِنْ أَهْوَالهَا

ہم خوب جانتے ہیں وہ جو کچھ اس کے بارے میں کہہ رہے ہوں گے جبکہ ان میں سے ایک عقل وعمل میں بہتر شخص کہے گا کہ تم تو ایک دن کے سوا دنیا میں ٹھہرے ہی نہیں ہو۔ یعنی جب وہ آخرت کی ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے تو کہیں گے دنیا میں بہت ہی تھوڑی مدت ٹھہرے ہیں۔

یہاں ٹھہرنے سے مراد دنیا کی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور برزخ کی زندگی بھی۔ انسان کی عادت ہے کہ اسے خوشی کے لمحات قلیل بھی نظر آتے ہیں اور قریب بھی۔ بیسیوں برس پہلے کے واقعات اسے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے کل کی بات ہے اور قیامت کے دہشت ناک احوال دیکھ کر یہ تصور اور بھی بڑھ جائے گا کہ گویا اس زندگی کی مدت مختصر قرار دے گا اور جو سب سے زیادہ سمجھدار ہوگا وہ پہلے

کی تردید کرتے ہوئے اس زندگی کو صرف ایک دن کی زندگی بتلائے گا۔

وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا۝ فَیَذَرُهَا
قَاعًا صَفْصَفًا۝ لَّا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا۝
اورآپ سے یہ لوگ پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں، سوفرمادیجئے: میرارب انہیں ریزہ ریزہ کرکے اڑادے گا۔
پھراسے ہموار اور بے آب وگیاہ زمین بنادے گا۔جس میں آپ نہ کوئی پستی دیکھیں گے نہ کوئی بلندی۔

قیامت کے دن پہاڑوں کی حالت کا بیان

"وَیَسْأَلُونَكَ عَنْ الْجِبَال" كَيْفَ تَكُون يَوْم الْقِيَامَة "فَقُلْ" لَهُمْ "يَنْسِفهَا رَبِّي نَسْفًا" بِأَنْ يُفَتِّتهَا كَالرَّمْلِ السَّائِل ثُمَّ يُطِيرهَا بِالرِّيَاحِ "فَيَذَرهَا قَاعًا" مُنْبَسِطًا "صَفْصَفًا" مُسْتَوِيًا "لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا" انْخِفَاضًا "وَلَا أَمْتًا" ارْتِفَاعًا

اورآپ سے یہ لوگ پہاڑوں کی نسبت سوال کرتے ہیں، کہ وہ قیامت کے دن کس طرح ہوں گے۔پس فرمادیجئے: میرارب انہیں ریزہ ریزہ کرکے اڑادے گا۔یعنی جس طرح بہنے والی ریت ہوتی ہے۔اس کے بعدوہ ہوا میں اڑ جائیں گے۔پھراسے ہموار اور بے آب وگیاہ زمین بنادے گا۔جس میں آپ نہ کوئی پستی دیکھیں گے نہ کوئی بلندی دیکھیں گے۔

سورہ طٰہٰ آیت ۱۰۵ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قبیلہ ثقیف کے ایک آدمی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(تفسیر زادمیسر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

نفخہ صور اول سے اگر انسان اور دوسری جاندار چیزیں مر بھی جائیں گی تو پہاڑوں جیسی سخت چیز پر اس نفخہ کا کیا اثر ہوگا؟ یہ سوال دراصل ایسے جاہلوں کی طرف سے ہی ہوسکتا ہے۔جنہوں نے اللہ کی اس پیدا کردہ کائنات اور اس کے نظام میں کبھی غور ہی نہیں کیا، آج کے انسان کے لئے یہ ایک بالکل مہمل سوال ہے۔اگر سیاروں کی گردش اور ان کی کشش ثقل میں معمولی سی بھی گڑبڑ ہو جائے تو پہاڑوں کا کیا ذکر ہے۔سارے ستارے ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہوسکتے ہیں۔قیامت کو یہی کیفیت ہوگی اور اس وقت پہاڑوں کی دھول اڑ رہی ہوگی۔

یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۝
اس دن لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلتے جائیں گے اس میں کوئی کجی نہیں ہوگی، اور رحمان کے جلال سے
سب آوازیں پست ہو جائیں گی پس تم ہلکی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے۔

قیامت کے آوازوں کے پست ہو جانے کا بیان

"یَوْمَئِذٍ" اَیْ یَوْمَ اِذْ نُسِفَتِ الْجِبَالُ "یَتَّبِعُوْنَ" اَیْ النَّاسُ بَعْدَ الْقِیَامِ مِنَ الْقُبُوْرِ "الدَّاعِیَ" اِلَی الْمَحْشَرِ بِصَوْتِهٖ وَهُوَ اِسْرَافِیْلُ یَقُوْلُ : هَلُمُّوْا اِلٰی عَرْضِ الرَّحْمٰنِ "لَا عِوَجَ لَهٗ" اَیْ لِاتِّبَاعِهِمْ : اَیْ لَا یَقْدِرُوْنَ اَنْ لَا یَتَّبِعُوْا "وَخَشَعَتْ" سَكَنَتْ "الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا" صَوْتَ وَطْءِ الْاَقْدَامِ فِیْ نَقْلِهَا اِلَی الْمَحْشَرِ كَصَوْتِ اَخْفَافِ الْاِبِلِ فِیْ مَشْیِهَا،

اس دن یعنی جس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ لوگ پکارنے والے کے پیچھے چلتے جائیں گے۔ یعنی قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد اس کے پیچھے چلنے میں کوئی کجی نہیں ہوگی، اور وہ محشر میں حضرت اسرافیل کی آواز ہوگی۔ کہ رحمٰن کی بارگاہ میں جلدی حاضر ہو جاؤ۔ اس دن وہ عدم اتباع کی قدرت نہ رکھتے ہوں گے۔ اور خدائے رحمان کے جلال سے سب آوازیں پست ہو جائیں گی پس تم ہلکی سی آہٹ کے سوا کچھ نہ سنو گے۔ یعنی آہستہ آواز محشر میں چلتے وقت پاؤں سے آئے گی جس طرح اونٹ کے چلنے کی آواز آتی ہے۔ اس کے سوا کوئی آواز نہ ہوگی۔

جدھر فرشتہ آواز دے گا یا جہاں بلائے جائیں گے سیدھے تیر کی طرح ادھر دوڑے جائیں گے۔ نہ بلانے والے کی بات ٹیڑھی ہوگی اور نہ دوڑنے والوں میں کچھ ٹیڑھا ترچھا پن رہے گا۔ کاش یہ لوگ دنیا میں اللہ کے داعی کی آواز پر اسی طرح سیدھے جھپٹتے تو وہاں کام آتا۔ پر یہاں اپنی بدبختی اور کجروی سے ہمیشہ ٹیڑھی چال چلتے رہے۔ محشر کی طرف چلنے کی کھسکھساہٹ کے سوا اس وقت رحمان کے خوف وہیبت کے مارے کسی کی آواز نہ سنائی دے گی، اگر کوئی کچھ کہے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں۔

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ۝
اس دن سفارش سودمند نہ ہوگی سوائے اس شخص کے جسے رحمان نے اذن دے دی ہے اور جس کی بات سے وہ راضی ہو گیا ہے
(جیسا کہ انبیاء ومرسلین، اولیاء، متقین، معصوم بچوں اور دیگر کئی بندوں کا شفاعت کرنا ثابت ہے)

قیامت کے دن اللہ کی اجازت کے بغیر سفارش کے کام نہ آنے کا بیان

"یَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ" لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اَحَدًا "اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ" اَنْ یَشْفَعَ لَهٗ "وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا" بِاَنْ یَقُوْلَ : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اس دن سفارش سودمند نہ ہوگی سوائے اس شخص کی سفارش کے جسے رحمان نے اذن واجازت دے دی ہے اور جس کی بات سے وہ راضی ہو گیا ہے۔ یعنی جس کا قول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ ہوا۔ (جیسا کہ انبیاء ومرسلین، اولیاء، متقین، معصوم بچوں اور دیگر کئی بندوں کا شفاعت کرنا ثابت ہے)

نوعیت شفاعت اور روز قیامت کا بیان

قیامت کے دن کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دوسرے کے لئے شفاعت کرے ہاں جسے اللہ اجازت دے۔ نہ آسمان کے فرشتے بے اجازت کسی کی سفارش کرسکیں نہ اور کوئی بزرگ بندہ۔ سب کو خود خوف لگا ہوگا بے اجازت کسی کی سفارش نہ ہوگی۔ فرشتے اور روح صف بستہ کھڑے ہوں گے، بے اجازت الٰہی کوئی لب نہ کھول سکے گا۔ خود سید الناس اکرم الناس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عرش تلے اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے اللہ کی خوب حمد وثنا کریں گے دیر تک سجدے میں پڑے رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اٹھاؤ کہو تمہاری بات سنی جائے گی، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی پھر حد مقرر ہوگی آپ ان کی شفاعت کرکے جنت میں لے جائیں گے پھر لوٹیں گے پھر یہی ہوگا چار مرتبہ یہی ہوگا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی سائر الانبیاء۔ اور حدیث میں ہے کہ حکم ہوگا کہ جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں مثقال ایمان ہو۔ پس بہت سے لوگوں کو نکال لائیں گے پھر فرمائے گا جس کے دل میں آدھا مثقال ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں بقدر ایک ذرّے کے ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں اس سے بھی کم ایمان ہو اسے بھی جہنم سے آزاد کرو، الخ۔

(تفسیر ابن کثیر، طٰہٰ، بیروت)

يَعْلَمُ مَابَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ وَلَايُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۝ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ
لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۝
وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ اور سب چہرے اس زندہ رہنے
والے، قائم رکھنے والے کے لیے جھک جائیں گے اور یقیناً ناکام ہوا جس نے بڑے ظلم کا بوجھ اٹھایا۔

قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں سب چہروں کے جھک جانے کا بیان

"يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ" مِنْ أُمُور الْآخِرَة "وَمَا خَلْفهمْ" مِنْ أُمُور الدُّنْيَا "وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا" لَا يَعْلَمُونَ ذَلِكَ،

"وَعَنَتْ الْوُجُوه" خَضَعَتْ "لِلْحَيِّ الْقَيُّوم" أَيْ اللّٰه "وَقَدْ خَابَ" خَسِرَ "مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا" أَيْ شِرْكًا،

وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے امور آخرت ہیں اور جو ان کے پیچھے امور دنیا ہیں اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ یعنی وہ اس کو نہیں جانتے۔ اور سب چہرے اس زندہ رہنے والے، قائم رکھنے والے یعنی اللہ کے لیے جھک جائیں گے اور یقیناً ناکام ہوا جس نے بڑے ظلم یعنی شرک کا بوجھ اٹھایا۔

[illegible] تمام مخلوق کا اپنے علم سے احاطہ کرنے والا ہے مخلوق اس کے علم کا احاطہ کر نہیں سکتی۔ جیسے فرمان ہے اس کے علم میں سے

صرف وہی معلوم کر سکتے ہیں جو وہ چاہے۔ تمام مخلوق کے چہرے عاجزی پستی ذلت ونرمی کے ساتھ اس کے سامنے پست ہیں اس لئے کہ وہ موت وفوت سے پاک ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہنے والا ہے وہ نہ سوئے نہ اونگھے۔ خود اپنے آپ قائم رہنے والا اور ہر چیز کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا ہے سب کی دیکھ بھال حفاظت اور سنبھال وہی کرتا ہے، وہ تمام کمالات رکھتا ہے اور ساری مخلوق اس کی محتاج ہے بغیر رب کی مرضی کے نہ پیدا ہو سکے نہ باقی رہ سکے۔ جس نے یہاں ظلم کئے ہوں گے وہ وہاں برباد ہوگا۔ کیونکہ ہر حق دار کو اللہ تعالیٰ اس دن اس کا حق دلوائے گا یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کو سینگ والی بکری سے بدلہ دلوایا جائے گا۔

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم کسی ظالم کے ظلم کو میں اپنے سامنے سے نہ گزرنے دوں گا۔ صحیح حدیث میں ہے لوگو ظلم سے بچو۔ ظلم قیامت کے دن اندھیرے بن کر آئے گا اور سب سے بڑھ کر نقصان یافتہ وہ ہے جو اللہ سے شرک کرتا ہوا مرا وہ تباہ وبرباد ہوا، اس لئے کہ شرک ظلم عظیم ہے۔ ظالموں کا بدلہ بیان فرما کر متقیوں کا ثواب بیان ہو رہا ہے کہ نہ ان کی برائیاں بڑھائی جائیں نہ ان کی نیکیاں گھٹائی جائیں۔ گناہ کی زیادتی اور نیکی کی کمی سے وہ بے کھٹکے ہیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝
اور جو شخص نیک عمل کرتا ہے اور وہ صاحب ایمان بھی ہے تو اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔

نیک عمل اور صاحب ایمان کا بیان

"وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَات" الطَّاعَات "وَهُوَ مُؤْمِن فَلَا يَخَاف ظُلْمًا" بِزِيَادَةٍ فِي سَيِّئَاته "وَلَا هَضْمًا" بِنَقْصٍ مِنْ حَسَنَاته

اور جو شخص نیک عمل یعنی فرمانبرداری کرتا ہے اور وہ صاحب ایمان بھی ہے تو اسے نہ کسی ظلم کا خوف ہوگا اور نہ نقصان کا۔ یعنی گناہوں کی سزا میں زیادتی کا خوف نہ ہوگا اور نہ نیکیوں کے اجر میں کمی کا خوف ہوگا۔

یعنی اعمال کی جزا کے لئے دو شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ ایک ایمان بالغیب کے تمام اجزاء پر ایمان لانا، دوسرے ایسے اعمال صالحہ جو شریعت کی پابندیوں کو ملحوظ رکھ کر بجالائے گئے ہوں۔ مثلاً ان میں ریاکاری نہ ہو، سنت کے مطابق ہوں اور بعد میں احسان جتلا کر یا شرک کر کے ان اعمال کو برباد نہ کر دیا گیا ہو۔ ایسے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا اور پورا پورا ملے گا، ان میں ہرگز کسی طرح کی نہیں کی جائے گی۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّ صَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۝
اور اسی طرح ہم نے اس کو عربی زبان میں قرآن اتارا ہے اور ہم نے اس میں ڈرانے کی باتیں بار بار بیان کی ہیں
تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا ان میں یاد پیدا کر دے۔

قرآن مجید کے نصیحت ہونے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" مَعْطُوف عَلٰى كَذٰلِكَ نَقُصّ : أَيْ مِثْل إِنْزَال مَا ذُكِرَ "أَنْزَلْنَاهُ" أَيْ الْقُرْآن "قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَصَرَّفْنَا" كَرَّرْنَا "فِيهِ مِنْ" الْوَعِيد لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ" يَتَّقُونَ الشِّرْك "أَوْ يُحْدِث" يُحْدِث الْقُرْآن "لَهُمْ ذِكْرًا" بِهَلَاكِ مَنْ تَقَدَّمَهُمْ مِنْ الْأُمَم فَيَعْتَبِرُونَ

یہاں پر کذلک کا کذلک نقص پر عطف ہے۔اور اسی طرح ہم نے اس آخری وحی کو عربی زبان میں بشکلِ قرآن اتارا ہے اور ہم نے اس میں عذاب سے ڈرانے کی باتیں بار بار مختلف طریقوں سے بیان کی ہیں تا کہ وہ پرہیزگار بن جائیں یعنی شرک سے بچ جائیں یا یہ قرآن ان کے لئے یاد پیدا کردے۔یعنی سابقہ امم کی ہلاکت سے وہ عبرت حاصل کرلیں۔

قرآن نہ پڑھنے والوں سے پوچھا جانے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزا واحباب واپس آتے ہیں تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مومن کہتا ہے، میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جس کو اللہ نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔

چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت ودوزخ) کو دیکھتا ہے۔اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے کہ اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مومن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم الفاظ صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 123)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۝
پس اللہ بلند شان والا ہے وہی بادشاہ حقیقی ہے، اور آپ قرآن میں جلدی نہ کیا کریں قبل اس کے کہ اس کی وحی آپ پر پوری
اتر جائے، اور آپ عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم میں اور بڑھا دے۔

علم میں اضافہ کرنے کی دعا مانگنے کا بیان

"فَتَعَالَى اللَّه الْمَلِك الْحَقّ" عَمَّا يَقُول الْمُشْرِكُونَ "وَلَا تَعْجَل بِالْقُرْآنِ" أَيْ بِقِرَاءَتِهِ "مِنْ قَبْل أَنْ يُقْضَى إلَيْك وَحْيه" أَيْ يَفْرُغ جِبْرِيل مِنْ إبْلَاغه "وَقُلْ رَبّ زِدْنِي عِلْمًا" أَيْ بِالْقُرْآنِ فَكُلَّمَا أُنْزِلَ

عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ زَادَ بِهِ عِلْمِه

پس اللہ اس بلند شان والا ہے جو اس کے بارے میں مشرکین کہتے ہیں۔ وہی بادشاہ حقیقی ہے، اور آپ قرآن کے پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں قبل اس کے کہ اس کی وحی آپ پر پوری اتر جائے، یعنی اس کے پہنچانے میں جبرائیل امین فارغ ہو جائیں۔ اور آپ رب کے حضور یہ عرض کیا کریں کہ اے میرے رب! مجھے علم یعنی قرآن میں اور بڑھا دے۔ پس جب بھی کوئی چیز نازل کی جاتی تو اس کے سبب علم میں اضافہ ہوتا۔

سورہ طٰہٰ، آیت ۱۱۴ کے شان نزول کا بیان

جب حضرت جبریل قرآن کریم لے کر نازل ہوتے تھے تو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ساتھ پڑھتے تھے اور جلدی کرتے تھے تاکہ خوب یاد ہو جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی فرمایا گیا کہ آپ مشقت نہ اٹھائیں اور سورہ قیامہ میں اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لے کر آپ کی اور زیادہ تسلی فرمادی۔ (تفسیر خازن، سورہ طٰہٰ، بیروت)

قرآن مجید کو سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت کا بیان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 621)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن سیکھے جیسا کہ سیکھنے کا حق ہے اور پھر دوسروں کو سکھائے تو وہ سب سے بہتر ہے کیونکہ جس طرح قرآن اور اس کے علوم دنیا کی تمام کتابوں اور علوم سے افضل اور اعلیٰ وارفع ہیں اسی طرح قرآنی علوم کو جاننے والا بھی دنیا کے افراد میں سب سے ممتاز اور کسی بھی علم کے جاننے والے سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ سیکھے کا حق، سے مراد یہ ہے کہ قرآنی علوم میں غور و فکر کرے اور اس کے احکام و معنی اور اس کے حقائق و دقائق کو پوری توجہ اور ذہنی و قلبی بیداری کے ساتھ سیکھے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۝

اور درحقیقت ہم نے اس سے پہلے آدم (علیہ السلام) کو تاکیدی حکم فرمایا تھا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں بالکل ارادہ نہیں پایا۔

حضرت آدم علیہ السلام کے عہد کا بیان

"وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَى آدَم" وَصَّيْنَاهُ أَنْ لَا يَأْكُل مِنْ الشَّجَرَة "مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْل أَكْله مِنْهَا "فَنَسِيَ" تَرَكَ عَهْدنَا "وَلَمْ نَجِد لَهُ عَزْمًا" حَزْمًا وَصَبْرًا عَمَّا نَهَيْنَاهُ عَنْهُ

اور درحقیقت ہم نے اس سے بہت پہلے آدم علیہ السلام کو تاکیدی حکم فرمایا تھا کہ وہ اس درخت سے نہ کھائیں پس وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں بالکل نافرمانی کا کوئی ارادہ نہیں پایا۔ یعنی جس چیز سے منع کرنے کا حکم ان کو دیا تھا اس پر صبر کرنے والا اور پختہ نہیں پایا۔ (یہ محض ایک بھول تھی)

حضرت عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انسان کو انسان اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے جو حکم سب سے پہلے فرمایا گیا یہ اسے بھول گیا۔ مجاہد اور حسن فرماتے ہیں اس حکم کو حضرت آدم علیہ السلام نے چھوڑ دیا۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی شرافت و بزرگی کا بیان ہو رہا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ
اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝
اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا: تم آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا۔ پھر ہم
نے فرمایا: اے آدم! بیشک یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، سو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس کا سجدہ کرنے سے انکار کا بیان

"وَ" اذْكُر "اِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَم فَسَجَدُوا اِلَّا اِبْلِيس " وَهُوَ اَبُو الْجِنّ كَانَ يَصْحَب الْمَلَائِكَة وَيَعْبُد اللّٰه مَعَهُمْ "اَبٰى" عَنْ السُّجُود لِآدَم "قَالَ اَنَا خَيْر مِنْهُ"

"فَقُلْنَا يَا آدَم اِنَّ هٰذَا عَدُوّ لَكَ وَلِزَوْجِك " حَوَّاء بِالْمَدّ "فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنْ الْجَنَّة فَتَشْقٰى" تَتْعَب بِالْحَرْثِ وَالزَّرْع وَالْحَصْد وَالطَّحْن وَالْخَبْز وَغَيْر ذٰلِكَ وَاقْتَصَرَ عَلٰى شَقَائِهِ لِاَنَّ الرَّجُل يَسْعٰى عَلٰى زَوْجَته

اور وہ وقت یاد کریں جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا: تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، جو ابوالجن تھا اور فرشتوں کا مصاحب اور ان کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا تھا۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ میں ان سے بہتر ہوں۔ پھر ہم نے فرمایا: اے آدم! بیشک یہ شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی حواء کا دشمن ہے، یہاں پر حواء یہ مد کے ساتھ آیا ہے۔ سو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلوا نہ دے پھر تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ یعنی ہل جوتنے، زراعت کرنے، بیج بونے، فصل کاٹنے، آٹا بنانے اور روٹیاں پکانے وغیرہ کی مشقت میں نہ پڑ جاؤ۔ یہاں پر حضرت آدم علیہ السلام کی مشقت کا ذکر کیا ہے جبکہ حضرت حواء کا ذکر نہیں کیا کیونکہ نان ونفقہ یعنی کسب شوہر پر ہوتا ہے۔

حضرت آدم وحواء کو شیطان کا لغزش دلوانے کا بیان

ان تمام سورتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا پھر ان کی بزرگی کے اظہار کے لئے فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کے حکم کا اور ابلیس کی مخفی عداوت کے اظہار کا بیان ہوا ہے، اس نے تکبر کیا اور حکم الٰہی کا انکار کر دیا۔ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو سمجھا دیا گیا کہ دیکھ یہ تیرا اور تیری بیوی حضرت حوا علیہا السلام کا دشمن ہے اس کے بہکاوے میں نہ آنا ورنہ محروم ہو کر جنت سے نکال دیئے جاؤ گے اور سخت مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ روزی کی تلاش کی محنت سر پڑ جائے گی۔ یہاں تو بے محنت و مشقت روزی پہنچ رہی

ہے۔ یہاں تو نا ممکن ہے کہ بھوکے رہو نا ممکن ہے کہ ننگے رہو اس اندرونی اور بیرونی تکلیف سے بچے ہوئے ہو۔ پھر یہاں نہ پیاس کی گرمی اندرونی طور سے ستائے، نہ دھوپ کی تیزی کی گرمی بیرونی طور پر پریشان کرے اگر شیطان کے بہکاوے میں آگئے تو یہ راحتیں چھین لی جائیں گی اور ان کے مقابل کی تکلیفیں سامنے آ جائیں گی۔ لیکن شیطان نے اپنے جال میں انہیں پھانس لیا اور مکاری سے انہیں اپنی باتوں میں لے لیا قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلا دیا۔ پہلے ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے فرما دیا تھا کہ جنت کے تمام میوے کھانا لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ مگر شیطان نے انہیں اس قدر پھسلایا کہ آخر کار یہ اس درخت میں سے کھا بیٹھے۔ اس نے دھوکہ کرتے ہوئے ان سے کہا کہ جو اس درخت کو کھالیتا ہے وہ ہمیشہ یہیں رہتا ہے۔ صادق ومصدوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے سوار سو سال تک چلا جائے گا لیکن تا ہم وہ ختم نہ ہوگا اس کا نام شجرۃ الخلد ہے۔ (مسند احمد وابوداؤد طیالسی، بیروت)

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ○
بیشک تمہارے لئے اس میں یہ ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی اور نہ برہنہ ہوگے۔ اور یہ کہ تمہیں
نہ یہاں پیاس لگے گی اور نہ دھوپ ستائے گی۔

جُنت میں راحت والی زندگی کا بیان

"إنَّ لَكَ أَ" نْ "لَا" "وَأَنَّكَ" بِفَتْحِ الْهَمْزَة وَكَسْرِهَا عَطْف عَلَى اسْم إنَّ وَجُمْلَتهَا "لَا تَظْمَأ فِيهَا" تَعْطَش "وَلَا تَضْحَى" لَا يَحْصُل لَك حَرّ شَمْس الضُّحَى لِانْتِفَاءِ الشَّمْس فِي الْجَنَّة

بیشک تمہارے لئے، یہاں وانک ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے اور جب اس کا عطف اِن کے اسم پر ہو تو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ آئے گا۔ اور باقی جملہ اس کی خبر ہوگا۔ اس جنت میں یہ راحت ہے کہ تمہیں نہ بھوک لگے گی اور نہ برہنہ ہوگے۔ اور یہ کہ تمہیں نہ یہاں پیاس لگے گی اور نہ دھوپ ستائے گی۔ کیونکہ جنت میں سورج کی دھوپ نہ ہوگی۔

جنت میں انسان کی ضروریات کا سامان بھی موجود تھا اور ان کے علاوہ عیش وعشرت کے لئے وافر نعمتیں بھی موجود تھیں اور سیّدنا آدم علیہ السلام کو بتلایا یہ گیا تھا کہ اگر تم شیطان کے فریب میں آگئے تو نہ صرف یہ کہ تم سے جنت کی نعمتیں چھین لی جائیں گی بلکہ تمہیں اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے کے لئے جدوجہد بھی کرنا پڑے گی اور ان کے لئے مشقت بھی اٹھانا ہوگی۔ مثلاً دھوپ اور بارش سے بچاؤ کے لئے مکان بنانا ہوگا اور کھانے پینے کے لئے کوئی ذریعہ معاش اختیار کرنا ہوگا اور پہننے کے لئے لباس کی ضرورت بھی پیش آئے گی اور تمہاری زندگی کا بیشتر حصہ انہیں باتوں کے حصول میں صرف ہو جائے گا۔ جنت کی دوسری نعمتیں تو کم ہی کسی کو میسر آئیں گی۔ لہٰذا اللہ کے حکم کو دھیان کے ساتھ یاد رکھنا اور شیطان کے فریب میں نہ آ جانا۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○
پس شیطان نے انہیں خیال ولا دیا وہ کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی بسر کرنے کا درخت بتا دوں
اور بادشاہت بھی جسے نہ زوال آئے گا نہ فنا ہوگی۔

شیطان کا جنت کی دائمی زندگی کی تبلیغ کر کے وسوسہ ڈالنے کا بیان

"فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَان قَالَ يَا آدَم هَلْ أَدُلّك عَلَى شَجَرَة الْخُلْد " أَيْ الَّتِي يُخَلَّد مَنْ يَأْكُل مِنْهَا "وَمُلْك لَا يَبْلَى" لَا يَفْنَى وَهُوَ لَازِم الْخُلْد

پس شیطان نے انہیں ایک خیال ولا دیا وہ کہنے لگا: اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی بسر کرنے کا درخت بتا دوں اور ایسی ملکوتی بادشاہت کا راز بھی جسے نہ زوال آئے گا نہ فنا ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ خلد میں رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جنت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے گا۔ اس باب میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بھی روایات منقول ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 424)

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○
پس ان دونوں نے اس درخت سے پھل کھا لیا پس ان پر ان کے مقام ہائے ستر ظاہر ہو گئے اور دونوں اپنے پر جنت کے
پتے چپکانے لگے اور آدم (علیہ السلام) سے اپنے رب کے حکم میں فروگذاشت ہوئی۔ پس وہ مراد نہ پا سکے۔

حضرت آدم علیہ السلام کا درخت سے پھل کھا لینے کا بیان

"فَأَكَلَا" أَيْ آدَم وَحَوَّاء "مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتهمَا " أَيْ ظَهَرَ لِكُلٍّ مِنْهُمَا قُبُله وَقُبُل الْآخَر وَدُبُره وَسُمِّيَ كُلّ مِنْهُمَا سَوْأَة لِأَنَّ انْكِشَافه يَسُوء صَاحِبه "وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ " أَخَذَا يُلْزِقَانِ "عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَق الْجَنَّة" لِيَسْتَتِرَا بِهِ "وَعَصَى آدَم رَبّه فَغَوَى" بِالْأَكْلِ مِنْ الشَّجَرَة

پس ان دونوں نے یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء رضی اللہ عنہا نے (اس مقامِ قربِ الٰہی کی لازوال زندگی کے شوق میں) اس درخت سے پھل کھا لیا پس ان پر ان کے مقام ہائے ستر ظاہر ہو گئے یعنی دونوں کی شرمگاہوں سے لباس اتر گیا اور وہ منکشف ہو گئیں۔ یہاں پر لفظ سوء سے ستر کو تعبیر کیا گیا کیونکہ ستر کا انکشاف کوئی بھی صاحب برا سمجھتا ہے اور دونوں اپنے بدن پر جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے تا کہ ستر کیا جا سکے۔ اور آدم علیہ السلام سے اپنے رب کے حکم کو سمجھنے میں فروگذاشت ہوئی۔ یعنی درخت کا پھل کھا بیٹھے۔ سو وہ (جنت میں دائمی زندگی کی) مراد نہ پا سکے۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو گندمی رنگ کا لمبے

قدو قامت والا زیادہ بالوں والا بنایا تھا کھجور کے درخت جتنا قد تھا ممنوع درخت کو کھاتے ہی لباس چھن گیا۔ اپنے ستر کو دیکھتے ہی مارے شرم کے ادھر ادھر چھپنے لگے، ایک درخت میں بال الجھ گئے، جلدی سے چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے جب اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ آدم کیا مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کلام رحمان سن کر ادب سے عرض کیا کہ اے اللہ مارے شرمندگی کے سر چھپانا چاہتا ہوں۔ اچھا اب یہ تو فرما دے کہ توبہ اور رجوع کے بعد بھی جنت میں پہنچ سکتا ہوں؟ جواب ملا کہ ہاں۔ یہی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے۔ آدم نے اپنے رب سے چند کلمات لے لئے جس کی بنا پر اللہ نے اسے پھر سے اپنی مہربانی میں لے لیا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوا علیہ السلام سے لباس چھن گیا تو اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں انجیر کے پتوں سے اپنا آپ چھپانے لگے۔ اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے راہ راست سے ہٹ گئے۔ لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے پھر ان کی رہنمائی کی۔ توبہ قبول فرمائی اور اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیا۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام میں گفتگو ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرمانے لگے آپ نے اپنے گناہ کی وجہ سے تمام انسانوں کو جنت سے نکلوا دیا اور انہیں مشقت میں ڈال دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام جواب دیا اے موسیٰ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت سے اور اپنے کلام سے ممتاز فرمایا آپ مجھے اس بات پر الزام دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے پہلے مقدر اور مقرر کر لیا تھا۔

پس حضرت آدم علیہ السلام نے اس گفتگو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کر دیا۔ اور روایت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا اور آپ میں آپ کی روح اس نے پھونکی تھی۔ اور آپ کے سامنے اپنے فرشتوں کو سجدہ کرایا تھا اور آپ کو اپنی جنت میں بسایا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے اس جواب میں یہ بھی روایت ہے کہ اللہ نے آپ کو وہ تختیاں دیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور سرگوشی کرتے ہوئے آپ کو قریب کر لیا بتلاؤ اللہ نے تورات کب لکھی تھی؟ جواب دیا آپ سے چالیس سال پہلے پوچھا کیا اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے رب حکم کے بارے میں بھول کی اور راہ بھول گیا کہا ہاں۔ فرمایا پھر تم مجھے اس امر کا الزام کیوں دیتے ہو؟ جو میری تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے بھی چالیس سال پہلے لکھ دیا تھا۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ طٰہٰ، بیروت)

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ○ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًاۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ
فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ○
پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا اور ان پر توجہ فرمائی اور منزل مقصود کی راہ دکھا دی۔ ارشاد ہوا: تم یہاں سے سب کے سب
اتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے، پھر جب میری جانب سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آ جائے۔
پس جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔

انسانوں کی باہمی عداوت کا بیان

"ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ" قَرَّبَهٗ "فَتَابَ عَلَيْهِ" قَبِلَ تَوْبَتَه "وَهَدٰى" أَيْ هَدَاهُ إِلَى الْمُدَاوَمَةِ عَلَى التَّوْبَةِ "قَالَ اهْبِطَا" أَيْ آدَمُ وَحَوَّاءُ بِمَا اشْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا "مِنْهَا" مِنَ الْجَنَّةِ "جَمِيعًا بَعْضُكُمْ" بَعْضُ الذُّرِّيَّةِ "لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" مِنْ ظُلْمِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا "فَإِمَّا" فِيهِ إِدْغَامُ نُونِ إِنِ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الْمَزِيدَةِ "يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ" الْقُرْآنَ "فَلَا يَضِلُّ" فِي الدُّنْيَا "وَلَا يَشْقٰى" فِي الْآخِرَةِ

پھران کے رب نے انہیں اپنی قربت ونبوت کے لئے چن لیا اوران پرتوبہ سے قبل (عفوورحمت کی خاص) توجہ فرمائی اور منزل مقصود کی راہ دکھادی۔ یعنی توبہ پردوام بخشا۔ ارشاد ہوا: تم یعنی آدم وحواء علیہما السلام اوران دونوں کی اولاد یہاں سے یعنی جنت سے سب کے سب اتر جاؤ، تم میں سے بعض اولاد بعض کے دشمن ہوں گے، یعنی وہ ایک دوسرے پرظلم کریں گے۔ یہاں پرفاما میں نون کاادغام ان شرطیہ میں ہوا ہے اور ما زائدہ ہے۔ پھر جب میری جانب سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آجائے۔ پس جو شخص میری ہدایت یعنی قرآن کی پیروی کرے گا تو وہ نہ دنیا میں گمراہ ہوگا اور نہ آخرت میں بدنصیب ہوگا۔

دنیا میں مکلف ہونے کے احکام کا بیان

حضرت آدم علیہ السلام وحوا علیہ السلام اور ابلیس لعین سے اسی وقت فرمادیا گیا کہ تم سب جنت سے نکل جاؤ سورۃ بقرۃ میں اس کی پوری تفسیر گزر چکی ہے۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو یعنی اولاد آدم اور اولاد ابلیس۔ تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں گی میری بتائی ہوئی راہ کی پیروی کرنے والے نہ تو دنیا میں رسوا ہوں گے نہ آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ ہاں حکموں کے مخالف میرے رسول کی راہ کے تارک۔ دوسری راہوں پہ چلنے والے دنیا میں بھی تنگ رہیں گے اطمینان اور کشادہ دلی میسر نہ ہوگی اپنی گمراہی کی وجہ سے تنگی میں ہی رہیں گے گو بظاہر کھانے پینے پہننے اوڑھنے رہنے سہنے کی فراخی ہو لیکن دل میں یقین وہدایت نہ ہونے کہ وجہ سے ہمیشہ شک شبے اور تنگی اور قلت میں مبتلا رہیں گے۔ بدنصیب، رحمت الٰہی سے محروم، خیر سے خالی، کیونکہ اللہ پر ایمان نہیں، اس کے وعدوں کا یقین نہیں، مرنے کے بعد کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ کے ساتھ بدگمان، گئی ہوئی چیز کو آنے والی نہیں سمجھتے۔ خبیث روزیاں ہیں، گندے عمل ہیں، قبر تنگ وتاریک ہے وہاں اس طرح دبوچا جائے گا کہ دائیں پسلیاں بائیں میں اور بائیں طرف کی دائیں طرف میں گھس جائیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن کی قبر ہرا بھرا سرسبز باغیچہ ہے ستر ہاتھ کی کشادہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چاند اس میں ہے خوب نور اور روشنی پھیل رہی ہے جیسے چودھویں رات کا چاند چڑھا ہوا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ طٰہٰ، بیروت)

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝
اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

قرآن سے اعراض کرنے والے کا قیامت کے دن نابینا ہونے کا بیان

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِی" اَلْقُرْآن فَلَمْ يُؤْمِن بِهِ "فَاِنَّ لَهٗ مَعِيشَةً ضَنْكًا" بِالتَّنْوِينِ مَصْدَرٌ بِمَعْنَى ضِيقَةٍ وَفُسِّرَتْ فِي حَدِيثٍ بِعَذَابِ الْكَافِرِ فِي قَبْرِهٖ "وَنَحْشُرُهٗ" أَيِ الْمُعْرِضَ عَنِ الْقُرْآنِ "يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمٰى" اَعْمَى الْبَصَرِ

اور جس نے میری نصیحت یعنی قرآن سے منہ پھیرا۔ پس وہ اس پر ایمان نہ لایا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے یہاں پر لفظ ضنکا تنوین کے ساتھ مصدر بہ معنی ضیقۃ ہے جس کی تفسیر قبر میں کافر کے عذاب والی حدیث سے کی گئی ہے۔ اور ہم اسے یعنی قرآن سے اعراض کرنے والے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

سورہ طٰہٰ آیت ۱۲۴ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت اسود بن عبدالعزی مخزومی کے حق میں نازل ہوئی اور قبر کی زندگانی سے مراد قبر کا اس سختی سے دبانا ہے جس سے ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف آ جاتی ہیں اور آخرت میں تنگ زندگانی جہنم کے عذاب میں جہاں زقوم (تھوہڑ) اور کھولتا پانی اور جہنمیوں کے خون اور ان کے پیپ کھانے پینے کو دی جائے گی اور دین میں تنگ زندگانی یہ ہے کہ نیکی کی راہیں تنگ ہو جائیں اور آدمی کسب حرام میں مبتلا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بندے کو تھوڑا ملے یا بہت اگر خوف خدا نہیں تو اس میں کچھ بھلائی نہیں اور یہ تنگ زندگانی ہے۔ (تفسیر کبیر وخازن ومدارک، سورہ طٰہٰ، بیروت)

دنیا میں یا قبر میں یا آخرت میں یا دین میں یا ان سب میں دنیا کی تنگ زندگانی یہ ہے کہ ہدایت کا اِتباع نہ کرنے سے عمل بد اور حرام میں مبتلا ہو یا قناعت سے محروم ہو کر گرفتار حرص ہو جائے اور کثرت مال واسباب سے بھی اس کو فراخِ خاطر اور سکونِ قلب میسر نہ ہو، دل ہر چیز کی طلب میں آوارہ ہو اور حرص کے غموں سے کہ یہ نہیں وہ نہیں حال تاریک اور وقت خراب رہے اور مومن متوکّل کی طرح اس کو سکون وفراغ حاصل ہی نہ ہو جس کو حیاتِ طیبہ کہتے ہیں اور قبر کی تنگ زندگانی یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ کافر پر ننانوے اژدہے اس کی قبر میں مسلط کئے جاتے ہیں۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ
اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝
وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ میں بینا تھا ارشاد ہوگا: ایسا ہی تیرے پاس ہماری نشانیاں
آئیں پس تو نے انہیں بھلا دیا اور آج اسی طرح تو بھلا دیا جائے گا۔

قیامت کے دن بھلا دیئے جانے کا بیان

"قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا" فِي الدُّنْيَا وَعِنْدَ الْبَعْثِ "قَالَ" الْاَمْرُ "كَذٰلِكَ اَتَتْكَ

آیٰتُنَا فَنَسِیْتَھَا" تَرَکْتَھَا وَلَمْ تُؤْمِنْ بِھَا "وَکَذٰلِکَ" مِثْلَ نِسْیَانِکَ آیَاتِنَا "اَلْیَوْمَ تُنْسٰی" تُتْرَکُ فِی النَّارِ

وہ کہے گا: اے میرے رب! تو نے مجھے آج حشر میں اندھا کیوں اٹھایا ہے حالانکہ میں دنیا میں اور بعث کے وقت بینا تھا ارشاد ہوگا: ایسا ہی ہوا کہ دنیا میں تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں پس تو نے انہیں بھلا دیا یعنی ان کو چھوڑ دیا اور تو ان پر ایمان نہ لایا اور آج اسی طرح تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ یعنی آج تجھے آگ میں چھوڑ دیا جائے گا۔

یعنی اس کا اعتراض یہ تھا کہ دنیا میں تو میں بینا تھا اور ہر چیز کو دیکھ سکتا تھا۔ آج مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا جا رہا ہے۔ اس کو جواب یہ دیا جائے گا کہ تو دنیا میں میری آیات دیکھنے سے اندھا بنا رہا تھا۔ آنکھیں عطا کرنے کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ تو اپنے مطلب کی چیزیں دیکھے۔ بلکہ اصل مطلب یہ تھا کہ تو اللہ کی آیات کو دیکھے۔ اس لحاظ سے تو دنیا میں اندھا ہی بنا رہا۔ تیرے اس فعل کا نتیجہ ہی مثل شکل میں تیرے سامنے آیا ہے۔ تو اب تعجب کیوں کرتا ہے۔ واضح رہے کہ یہ ابتدائے حشر کا ذکر ہے۔ بعد میں اس کی آنکھیں کھول دی جائیں گی تو وہ دوزخ اور احوال محشر کا ٹھیک ٹھیک معائنہ کر سکے گا۔

اللہ تعالیٰ یہ جواب دے گا کہ ہم اسی طرح لوگوں کو اس سے ملتا جلتا ہی مثل صورت میں بدلہ دیا کرتے ہیں۔ تو نے ہماری آیات سن کر ان سنی کر دی تھیں اور ہمیں بھول ہی گیا تھا۔ آج ہم بھی تمہیں بھلائے دیتے ہیں اور تو ہماری رحمت سے دور ہی رہے گا۔ یہ سزا تو وہ ہے جو تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق اس میدان محشر میں دی جا رہی ہے اور جو عذاب تمہیں ابھی مزید دیا جانے والا ہے۔ وہ اس سے سخت تر بھی ہوگا اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی، جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝
اور اسی طرح جو شخص بھی حد سے بڑھ جائے اور اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان نہ لائے، ہم اسے اسی طرح سزا دیں
گے اور آخرت کا عذاب تو شدید اور باقی رہنے والا ہے۔

آخرت کے عذاب کے دائمی ہونے کا بیان

"وَکَذٰلِکَ" وَمِثْلَ جَزَائِنَا مَنْ اَعْرَضَ عَنِ الْقُرْآنِ "نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ" اَشْرَکَ "وَلَمْ یُؤْمِنْ بِآیَاتِ رَبِّہٖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَۃِ اَشَدُّ" مِنْ عَذَابِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ "وَاَبْقٰی" اَدْوَمُ

اور اسی طرح یعنی جیسے قرآن سے اعراض کرنے والے کی جزاء ہے ایسے ہی جو شخص بھی حد سے بڑھ جائے اور اپنے پروردگار کی آیات پر ایمان نہ لائے، ہم اسے اسی طرح دنیا اور قبر کا عذاب دیں گے اور آخرت کا عذاب تو شدید اور باقی رہنے والا ہے۔

جو حدود الٰہی کی پرواہ نہ کریں، اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں، انہیں ہم اسی طرح دنیا آخرت کے عذاب میں مبتلا کرتے ہیں خصوصاً آخرت کا عذاب تو بہت ہی بھاری ہے اور وہاں کوئی نہ ہوگا جو بچا سکے۔ دنیا کے عذاب نہ تو سختی میں اس کے مقابلے کے ہیں نہ مدت میں دائمی اور نہایت المناک ہیں۔ ملاعنہ کرنے والوں کو سمجھاتے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تھا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذابوں کے مقابلے میں بہت ہی ہلکی اور ناچیز ہے۔

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى۝

پھر کیا اس بات نے ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ ہلاک کر دیے، جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں، بے شک اس میں عقلوں والوں کے لیے یقیناً کئی نشانیاں ہیں۔

سابقہ امم کی ہلاکتوں سے کفار کو نصیحت حاصل کر لینی چاہیے

"اَفَلَمْ يَهْدِ" يَتَبَيَّنْ "لَهُمْ" لِكُفَّارِ مَكَّةَ "كَمْ" خَبَرِيَّةٌ مَفْعُول "اَهْلَكْنَا" اَيْ كَثِيْرًا اِهْلَاكُنَا "قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ" اَيِ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ بِتَكْذِيْبِ الرُّسُلِ "يَمْشُوْنَ" حَال مِنْ ضَمِيْرِ لَهُمْ "فِيْ مَسَاكِنِهِمْ" فِيْ سَفَرِهِمْ اِلَى الشَّامِ وَغَيْرِهَا فَيَعْتَبِرُوْا وَمَا ذُكِرَ مِنْ اَخْذِ اِهْلَاكٍ مِنْ فِعْلِهِ الْخَالِيْ عَنْ حَرْفٍ مَصْدَرِيٍّ لِرِعَايَةِ الْمَعْنَى لَا مَانِعَ مِنْهُ "اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ" لَعِبَرًا "لِّاُولِي النُّهٰى" لِذَوِي الْعُقُوْلِ

پھر کیا اس بات نے ان کی یعنی اہل مکہ کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے زمانوں کے لوگ یعنی سابقہ امتوں کو رسولان گرامی کی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کر دیے، یہاں پر کم خبریہ ہے اور اھلکنا کا مفعول ہے۔ جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں، یہاں پر یمشون یہ لہم کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی ان کا ٹھہراؤ جوان کے سفر شام وغیرہ کی جانب ہوا۔ اس میں وہ ان نشانات سے عبرت حاصل کریں۔ یہاں پر حرف مصدری سے خالی ہونے کے باوجود اہلاک کا معنی لینا یہ رعایت معنی کی وجہ سے منع نہیں ہے۔ بے شک اس میں عقلوں والوں کے لیے یقیناً کئی نشانیاں ہیں۔ یعنی جو عقل رکھتے ہیں۔

ویران بستیوں کے باعث عبرت ہونے کا بیان

جو لوگ تجھے نہیں مان رہے اور تیری شریعت کا انکار کر رہے ہیں کیا وہ اس بات سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان سے پہلے جنہوں نے یہ ڈھنگ نکالے تھے ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا؟ آج ان کی ایک آنکھ جھپکتی ہوئی اور ایک سانس چلتا ہوا اور ایک زبان بولتی ہوئی باقی نہیں بچی، ان کے بلند و بالا پختہ اور خوبصورت کشادہ اور زینت دار محل ویران کھنڈر پڑے ہوئے ہیں جہاں سے ان کی آمد و رفت رہتی ہے اگر یہ عقلمند ہوتے تو یہ سامان عبرت ان کے لئے بہت کچھ تھا۔ کیا یہ زمین میں چل پھر کر قدرت کی ان نشانیوں پر دل سے غور فکر نہیں کرتے؟ کیا کانوں سے ان کے دردناک فسانے سن کر عبرت حاصل نہیں کرتے؟ کیا ان اجڑی ہوئی بستیاں دیکھ کر بھی آنکھیں نہیں کھولتے؟ یہ آنکھوں کے ہی اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى۝

اور اگر آپ کے رب کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور وقت مقررہ نہ ہوتا تو لازم ہو جاتا۔

عذاب کیلئے معجل و موخر ہونے کا فیصلہ ہو چکنے کا بیان

"وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ" بِتَاْخِيْرِ الْعَذَابِ عَنْهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ "لَكَانَ" الْاِهْلَاكُ "لِزَامًا" لَازِمًا

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا "وَأَجَل مُسَمًّى" مَضْرُوب لَهُمْ مَعْطُوف عَلَى الضَّمِير الْمُسْتَتِر فِي كَانَ وَقَامَ الْفَصْل بِخَبَرِهَا مَكَان التَّأْكِيد

اوراگر آپ کے رب کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی یعنی جو عذاب کو آخرت کی طرف مؤخر کرنا ہے اور ان کے عذاب کے لئے قیامت کا وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب کا ابھی اتر نا یعنی دنیا میں لازم ہو جاتا۔ یہاں پر مسمی یہ مضروب لہ کے معنی میں ہے اور اجل مسمی کا عطف کان کے اندر پوشیدہ ضمیر پر ہے اور کان کی خبر کا فصل مقام تاکید کے قائم مقام ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں تدریج و امہال کا قانون کام کرتا ہے۔ ان پر عذاب الٰہی کے نزول میں بھی وہی قانون کارفرما ہے۔ اور اس قاعدہ میں بہت سی مصلحتیں مضمر ہوتی ہیں۔ یعنی جس طرح جو کام کے سرانجام پانے کے لئے ایک مقررہ مدت درکار ہوتی ہے۔ اسی طرح عذاب الٰہی کا بھی وقت مقرر ہے۔ جس کی چند شرائط ہیں۔ اور اگر یہ قانون جاری و ساری نہ ہوتا تو ان کے اعمال واقعی اس قابل ہیں کہ انہیں فوری طور پر تباہ و برباد کر دیا جاتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ
وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ○
پس آپ ان کی باتوں پر صبر فرمایا کریں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کریں طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب
سے قبل، اور رات کی ابتدائی ساعتوں میں بھی تسبیح کیا کریں اور دن کے کناروں پر بھی، تا کہ آپ راضی ہو جائیں۔

نمازوں کے اوقات میں تسبیح کرنے کا بیان

"فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ" مَنْسُوخ بِآيَةِ الْقِتَال "وَسَبِّحْ" صَلِّ "بِحَمْدِ رَبّك" حَال : أَيْ مُلْتَبِسًا بِهِ "قَبْل طُلُوع الشَّمْس" صَلَاة الصُّبْح "وَقَبْل غُرُوبهَا" صَلَاة الْعَصْر "وَمِنْ آنَاء اللَّيْل" سَاعَاته "فَسَبِّحْ" صَلِّ الْمَغْرِب وَالْعِشَاء "وَأَطْرَاف النَّهَار" عَطْف عَلَى مَحَلّ مِنْ آنَاء الْمَنْصُوب : أَيْ صَلِّ الظُّهْر لِأَنَّ وَقْتهَا يَدْخُل بِزَوَالِ الشَّمْس فَهُوَ طَرَف النِّصْف الْأَوَّل وَطَرَف النِّصْف الثَّانِي "لَعَلَّك تَرْضَى" بِمَا تُعْطَى مِنْ الثَّوَاب،

پس آپ ان کی دل آزار باتوں پر صبر فرمایا کریں یہ حکم آیت جہاد سے منسوخ ہے۔ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کریں طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر میں اور اس کے غروب سے قبل نماز عصر میں، اور رات کی ابتدائی ساعتوں میں یعنی مغرب اور عشاء میں بھی تسبیح کیا کریں اور دن کے کناروں پر بھی یعنی نماز ظہر میں جب دن کا نصف اول ختم یعنی جب زوال شمس داخل ہوتو اس وقت تک نصف اول ہے۔ اور بقیہ نصف ثانی شروع ہوتا ہے۔ تا کہ آپ راضی ہو جائیں۔

اہل علم کے نزدیک تسبیح سے مراد نماز ہے اور وہ اسے پانچ نمازوں سے مراد لیتے ہیں۔ طلوع شمس سے قبل فجر، غروب

سے قبل، عصر رات کی گھڑیوں سے مغرب وعشاء اور اطراف النہار سے ظہر کی نماز مراد ہے کیونکہ ظہر کا وقت، یہ نماز اول کا طرف آخر اور نہار آخر کا طرف اول ہے۔ اور بعض کے نزدیک ان اوقات میں ایسے ہی اللہ کی تسبیح وتوحید ہے، جس میں نماز، تلاوت، ذکر اذکار، دعا مناجات اور نوافل سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان مشرکین کی تکذیب سے پریشان نہ ہوں۔ اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا، ان کی گرفت فرمالے گا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝
اور اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ اٹھا جو ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی زینت کے طور پر برتنے
کے لیے دی ہیں، تاکہ ہم انہیں اس میں آزمائیں اور تیرے رب کا دیا ہوا سب سے اچھا اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

دنیا کی زینت وسجاوٹ کو خیر باد کہہ دینے کا بیان

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا" أَصْنَافًا "مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" زِينَتهَا وَبَهْجَتهَا "لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ" بِأَنْ يَطْغَوْا "وَرِزْق رَبّك" فِي الْجَنَّة "خَيْر" مِمَّا أُوتُوهُ فِي الدُّنْيَا "وَأَبْقَى" أَدْوَم

اور آپ اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ اٹھائیں جو ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی زینت کے طور پر برتنے کے لیے دی ہیں، تاکہ ہم انہیں اس میں آزمائیں کہ وہ اس میں سرکشی کرتے ہیں؟ اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق یعنی جنت سب سے اچھی ہے جو ان کو یہاں دنیا میں دیا گیا ہے۔ اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

اپنے سے کم مال وجاہ والے کو دیکھنے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی کسی دوسرے ایسے آدمی کو دیکھ کر جو اس سے مال اور صورت میں بڑھ کر ہو۔

تو اسے چاہئے کہ وہ اسے بھی دیکھے کہ جو اس سے مال وصورت میں کم تر ہو جسے اس پر فضیلت دی گئی ہے اختیار کرنے کے نتیجہ میں انسان میں اللہ کا شکر ادا کرنے کی رغبت پیدا ہوگی۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2927)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس آدمی کی طرف دیکھو کہ جو تم سے کم تر درجہ میں ہے۔ اور اس آدمی کی طرف نہ دیکھو کہ جو درجہ میں تم سے بلند ہو۔ تم اللہ کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھنے لگ جاؤ۔ (صحیح مسلم)

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْـَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ۝
اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم فرمائیں اور اس پر ثابت قدم رہیں، ہم آپ سے رزق طلب نہیں کرتے،
ہم آپ کو رزق دیتے ہیں، اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہی ہے۔

نماز وصبر کا حکم دینے کا بیان

"وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ" اصْبِرْ "عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ" نُكَلِّفُك "رِزْقًا" لِنَفْسِك وَلَا لِغَيْرِك "نَحْنُ نَرْزُقُك وَالْعَاقِبَة" الْجَنَّة "لِلتَّقْوَى" لِأَهْلِهَا

اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم فرمائیں اور اس پر ثابت قدم رہیں، یعنی آپ سے سوال نہ کریں۔ ہم آپ سے اپنے لئے اور نہ کسی غیر کیلئے رزق طلب کرتے بلکہ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں، اور بہتر انجام یعنی جنت اہل تقویٰ کیلئے ہے۔

سات کی عمر سے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دینا

خود نمازوں پر پابند رہنے کے علاوہ آپ کو اپنے گھر والوں کو بھی ان کی پابندی کا حکم دینا چاہئے۔ پھر اس بات پر سختی سے عمل درآمد کرانا چاہئے۔ اس سے آپ کے مشن کو مزید تقویت پہنچے گی۔ اگرچہ اس آیت میں خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاہم حکم عام ہے۔ اسی لئے آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ بچہ جب سات برس کا ہو جائے تو اسے نماز ادا کرنے کو کہو اور اگر دس سال کا ہونے پر بھی اسے نماز کی عادت نہ پڑے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ۔ (ابوداؤد، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الصلوٰۃ۔ الفصل الثانی)

عبادت کی برکت عابد کی محتاجی کے دور ہو جانے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم تو میری عبادت کے لئے اپنے آپ کو فارغ کر لے تو میں تیرے سینے کو غناء واستغنا سے بھر دوں گا۔ اور تیری محتاجی کو دور کر دوں گا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرا سینہ فکر اور شغل سے بھر دوں گا اور محتاجی دور نہ کروں گا (یعنی جتنا مال بڑھتا جائے گا حرص بھی اتنی ہی بڑھتی چلی جائے گی۔ اس لئے ہمیشہ محتاج ہی رہے گا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنے سارے فکروں کو ایک فکر یعنی آخرت کی فکر بنا دے تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا کے فکروں کی خود کفالت کر لیتا ہے اور جس کے فکر دنیا کے مختلف کاموں میں لگے رہے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں کہ وہ ان فکروں کے کسی جنگل میں ہلاک ہو جائے۔ (ترمذی اور ابن ماجہ)

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ○
اور انہوں نے کہا یہ ہمارے پاس اپنے رب سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا اور کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آئی
جو پہلی کتابوں میں ہے؟

کفار کا من پسند معجزہ طلب کرنے کا بیان

"وَقَالُوا" الْمُشْرِكُونَ "لَوْلَا" هَلَّا "يَأْتِينَا" مُحَمَّد "بِآيَةٍ مِنْ رَبّه" مِمَّا يَقْتَرِحُونَهُ "أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء "بَيِّنَة" بَيَان "مَا فِي الصُّحُف الْأُولَى" الْمُشْتَمِل عَلَيْهِ الْقُرْآن مِنْ أَنْبَاء الْأُمَم الْمَاضِيَة

وَاِهْلَاكِهِمْ بِتَكْذِيبِ الرُّسُل

اور انہوں نے یعنی مشرکین نے کہا کہ حضرت محمد ﷺ ہمارے پاس اپنے رب سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے اور کیا ان کے پاس وہ واضح دلیل نہیں آئی جو پہلی کتابوں میں ہے؟ یہاں پر تا تھم یہ تاء اور یاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔ صحف اولی سے مراد جس پر قرآن مشتمل ہے اور وہ سابقہ قوموں کے واقعات اور ان کا رسولان گرامی کی تکذیب کرنا اور ان کی ہلاکتوں کا بیان ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر نبی کو ایسے معجزے ملے کہ انہیں دیکھ کر لوگ ان کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ لیکن مجھے جیتا جاگتا زندہ اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ دیا گیا ہے یعنی اللہ کی یہ کتاب قرآن مجید جو بذریعہ وحی مجھ پر اتری ہے۔ پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن تمام نبیوں کے تابعداروں سے میرے تابعدار زیادہ ہوں گے۔ یہ یاد رہے کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ بیان ہوا ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ آپ کے معجزے اور تھے ہی نہیں علاوہ اس پاک معجز قرآن کے آپ کے ہاتھوں اس قدر معجزات سرزد ہوئے ہیں جو گنتی میں نہیں آسکتے۔ لیکن ان تمام بیشمار معجزوں سے بڑھ چڑھ کر آپ کا سب سے اعلیٰ معجزہ قرآن کریم ہے۔

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا
رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ○
اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے اے ہمارے رب! تو نے
ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوتے۔

کفار کے پاس قیامت کے دن کوئی بہانہ نہ ہونے کا بیان

"هوَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْله " قَبْل مُحَمَّد الرَّسُول "لَقَالُوا" يَوْم الْقِيَامَة "رَبَّنَا لَوْلَا " هَلَّا "أَرْسَلْت إلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِع آيَاتك" الْمُرْسَل بِهَا "مِنْ قَبْل أَنْ نَذِلّ" فِي الْقِيَامَة "وَنَخْزَى" فِي جَهَنَّم،

اور اگر ہم انہیں حضرت محمد ﷺ کی آمد سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے۔ تو وہ قیامت کے دن ضرور کہتے اے ہمارے رب! تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوتے۔ یعنی ہمارے قیامت میں ذلیل ہونے سے پہلے رسول بھیجا گیا ہوتا۔ جبکہ ہم انہیں جہنم میں رسوا کر دیں گے۔

اگر اس محترم ختم المرسلین آخری پیغمبر علیہ السلام کو بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان نہ ماننے والوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو ان کا یہ عذر باقی رہ جاتا کہ اگر ہمارے پیغمبر آتے کوئی وحی الٰہی نازل ہوتی تو ہم ضرور اس پر ایمان لاتے اور اس کی تابعداری اور فرماں برداری میں لگ جاتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔ اس لئے ہم نے ان کا یہ عذر بھی کاٹ دیا۔ رسول بھیج دیا، کتاب نازل فرمادی، انہیں ایمان نصیب نہ ہوا، عذابوں کے مستحق بن گئے اور عذر بھی دور ہو گئے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ایک کیا ہزاروں

آیتیں اور نشانات دیکھ کر بھی انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ ہاں جب عذابوں کو اپنے آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس وقت ایمان لائیں گے لیکن وہ محض بے سود ہے جیسے فرمایا ہم نے یہ پاک اور بہتر کتاب نازل فرمادی ہے جو بابرکت ہے تم اسے مان لو اور اس کی فرماں برداری کرو تو تم پر رحم کیا جائے گا۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝
فرمادیجئے! ہر کوئی منتظر ہے، سو تم انتظار کرتے رہو، پس تم جلد ہی جان لو گے کہ کون لوگ راہِ راست والے ہیں اور کون ہدایت یافتہ ہیں۔

قیامت کے دن ہدایت وغیر ہدایت والوں کیلئے فیصلہ ہونے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "كُلٌّ" مِنَّا وَمِنْكُمْ "مُتَرَبِّص" مُنْتَظِر مَا يَئُول إِلَيْهِ الْأَمْر "فَتَرَبَّصُوا فَسَتَعْلَمُونَ" فِي الْقِيَامَة "مَنْ أَصْحَاب الصِّرَاط" الطَّرِيق "السَّوِيّ" الْمُسْتَقِيم "وَمَنْ اهْتَدَى" مِنْ الضَّلَالَة أَنَحْنُ أَمْ أَنْتُمْ

آپ ﷺ ان سے فرمادیجئے! تم میں سے اور ہم میں سے ہر کوئی منتظر ہے، کہ انجام کیا ہوتا ہے لہٰذا تم انتظار کرتے رہو، پس تم کو جلد ہی قیامت میں پتہ چل جائے گا کہ کون لوگ راہِ راست والے ہیں اور کون گمراہی سے ہدایت یافتہ ہیں۔ کیا ہم ہدایت یافتہ ہیں یا تم ہدایت پر ہو۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

متربص۔ اسم فاعل واحد مذکر تربص (تفعل) مصدر منتظر۔ راہ دیکھنے والا۔ مراد نتائج اعمال کا انتظار کرنے والا۔ فتربصوا۔ فعل امر جمع مذکر حاضر۔ تم انتظار کرو۔ فستعلمون۔ س مستقبل قریب کے لئے تعلمون جمع مذکر حاضر۔ پس تم عنقریب ہی جان لو گے یعنی موت کے وقت یا حشر میں۔ الصراط السوی۔ موصوف وصفت۔ راہ مستقیم۔ السوی اسے کہتے ہیں کہ جو کیفیت اور مقدار دونوں کے لحاظ سے افراط وتفریط سے محفوظ ہو۔ اصحاب الصراط السوی۔ اصحاب مضاف الصراط السوی موصوف وصفت مل کر مضاف الیہ۔ سیدھے راستہ پر چلنے والے لوگ۔ اھتدی۔ ماضی واحد مذکر غائب۔ اس نے ہدایت اختیار کی۔ اھتداء (افتعال) سے مصدر ہے۔

سورہ طٰہٰ آیت ۱۳۵ کے شان نزول کا بیان

مشرکین نے کہا تھا کہ ہم زمانے کے حوادث اور انقلاب کا انتظار کرتے ہیں کہ کب مسلمانوں پر آئیں اور ان کا قصہ تمام ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ تم مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا انتظار کر رہے ہو اور مسلمان تمہارے عقوبت وعذاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ (تفسیر خازن، سورہ طٰہٰ، بیروت)

ظہور علامات کے وقت انتظار قیامت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے اور

جب زکوۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جانے لگے اور جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور جب ماں کی نافرمانی کی جانے لگے اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے اور جب مسجد میں شور وغل مچایا جانے لگے اور جب قوم وجماعت کی سرداری، اس قوم وجماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں اور جب قوم وجماعت کے سربراہ اس قوم وجماعت کے کمینہ اور رذیل شخص ہونے لگیں اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانی لگیں اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو سرخ یعنی تیز و تند و شدید ترین طوفانی آندھی کا زلزلہ کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ و تبدیل ہو جانے کا اور پتھروں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو، جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 15)

سورہ طٰہٰ کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے انہی کے تصدق سے سورہ طٰہٰ کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت الانبیاء ہے

سورت الانبیاء کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَاء (مَکِّیَّۃ وَہِیَ مِائَۃ وَاثْنَتَا عَشْرَۃَ آیَۃً نَزَلَتْ بَعْدَ سُوْرَۃِ اِبْرَاہِیم)

سورت انبیاء مکّیہ ہے اس میں سات رکوع اور ایک سو بارہ آیات اور ایک ہزار ایک سو چھیاسی کلمات اور چار ہزار آٹھ سو نوے حروف ہیں۔ یہ سورت سورہ ابراہیم کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُہُمْ وَہُمْ فِیْ غَفْلَۃٍ مُّعْرِضُوْنَ○مَا یَاْتِیْہِمْ مِّنْ ذِکْرٍ مِّنْ رَّبِّہِمْ
مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْہُ وَہُمْ یَلْعَبُوْنَ○
لوگوں کے لیے ان کا حساب بہت قریب آ گیا اور وہ بڑی غفلت میں اعراض کرنے والے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی
طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی جو نئی ہو مگر وہ اسے مشکل سے سنتے ہیں اور وہ کھیل رہے ہوتے ہیں۔

لوگوں کیلئے یوم قیامت کے قریب آ جانے کا بیان

"اِقْتَرَبَ" قَرُبَ "لِلنَّاس" أَہْل مَکَّۃ مُنْکِرِی الْبَعْث "حِسَابُہُم" یَوْم الْقِیَامَۃ "وَہُمْ فِی غَفْلَۃ" عَنْہُ "مُعْرِضُونَ" عَنْ التَّأَہُّب لَہُ بِالْإِیمَانِ،

"مَا یَأْتِیہِمْ مِنْ ذِکْر مِنْ رَبّہمْ مُحْدَث" شَیْئًا فَشَیْئًا أَیْ لَفْظ قُرْآن "إِلَّا اسْتَمَعُوہُ وَہُمْ یَلْعَبُونَ" یَسْتَہْزِئُونَ،

لوگوں یعنی اہل مکہ منکرین بعث کے لیے ان کا حساب یعنی قیامت کا دن بہت قریب آ گیا اور وہ بڑی غفلت میں اعراض کرنے والے ہیں۔ یعنی ایمان سے پیچھے رہ جانے والے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی جو نئی ہو یعنی درجہ بہ درجہ الفاظ قرآنی مگر وہ اسے مشکل سے سنتے ہیں اور وہ کھیل رہے ہوتے ہیں۔ یعنی مذاق کر رہے ہوتے ہیں۔

سورہ الانبیاء آیت ا کے شان نزول کا بیان

یہ آیت منکرین بعث کے حق میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کو نہیں مانتے تھے اور روز قیامت کو گزرے ہوئے زمانے کے اعتبار سے قریب فرمایا گیا کیونکہ جتنے دن گزرتے جاتے ہیں آنے والا دن قریب ہوتا جاتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ "بلاشبہ قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا یعنی حقیقی عالم اس دنیا سے اٹھ جائیں گے یا یہ کہ علماء کی قدر و منزلت اٹھ جائے گی جہالت کی زیادتی ہو جائے گی یعنی ہر طرف جاہل و ناداں ہی نظر آنے لگیں گے جو اگرچہ علم و دانش کا دعوی کریں گے مگر حقیقت میں علم و دانش سے کوسوں دور ہوں گے زنا کثرت سے ہونے لگے گا کیونکہ لوگوں میں شرم و حیا اور غیرت کم ہو جائے گی شرب بہت پی جائے گی اور پھر شراب خوری کی زیادتی، آبادیوں اور لوگوں میں فتنہ و فساد پھیلنے کا باعث ہوگی مردوں کی تعداد کم ہو جائے گی جن کے دم سے عالم کا نظام استوار و مستحکم ہوتا ہے عورتوں کی تعداد بڑھ جائے گی کہ جن کے ذریعہ ضروری اور اہم امور سرانجام تو کیا پاتے البتہ ان کی وجہ سے تفکرات اور پریشانیوں اور مال و دولت حاصل کرنے کا غم ضرور برداشت کرنا پڑتا ہے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کی خبر گیری کرنے والا ایک مرد ہوگا اس سے یہ مراد نہیں کہ ایک ایک مرد کی پچاس بیویاں ہوگی بلکہ یہ مراد ہے کہ ایک ایک مرد پر پچاس پچاس عورتوں کی کفالت و خبر گیری کا بوجھ ہوگا جن میں مائیں، خالائیں، دادیاں، بہنیں، پھوپھیاں، وغیرہ ہوں گی۔ "اور ایک روایت میں ہے علم اٹھالیا جائے گا اور جہل کی زیادتی ہوگی، کے بجائے یوں ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہالت پھیل جائے گی۔

(مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 2)

قیامت کے حساب میں پوچھے جانے والے سوالات کا بیان

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن کسی شخص کے قدم اللہ رب العزت کے پاس سے اس وقت تک نہیں ہٹ سکیں گے۔

جب تک اس سے پانچ چیزوں کے متعلق نہیں پوچھ لیا جائے گا، اس نے عمر کس چیز میں صرف کی، جوانی کہاں خرچ کی، مال کہاں سے کمایا، مال کہاں خرچ کیا، جو کچھ سیکھا اس پر کتنا عمل کیا۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 312)

قرآن جو وقتاً فوقتاً حسب حالات و ضروریات نیا نیا اتر تا رہتا ہے، وہ اگرچہ انہی کی نصیحت کے لئے اترتا ہے، لیکن وہ اسے اس طرح سنتے ہیں جیسے وہ اس سے استہزاء مذاق اور کھیل کر رہے ہوں یعنی اس میں تدبر و غور و فکر نہیں کرتے۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ
اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝
ان کے دل غافل ہو چکے ہیں، اور ظالم لوگ آہستہ آہستہ سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ تو محض تمہارے ہی جیسا
ایک بشر ہے، کیا پھر تم جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو۔

کفار کا نبی کریم ﷺ کو اپنی مثل بشر سمجھنے کا بیان

"لَاهِيَةً" غَافِلَةً "قُلُوْبُهُمْ" عَنْ مَعْنَاهُ "وَاَسَرُّوا النَّجْوَى" الْكَلَامَ "الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا" بَدَلٌ مِنْ وَاو "هَلْ

هٰذَا" اَیْ مُحَمَّد "اِلَّا بَشَر مِثْلُکُمْ" فَمَا یَاْتِی بِهٖ سِحْر "اَفَتَاْتُونَ السِّحْر" تَتَّبِعُوْنَهٗ "وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ" تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ سِحْر

ان کے دل غافل ہو چکے ہیں، اور یہ ظالم لوگ آپ کے خلاف آہستہ آہستہ سرگوشیوں والا کلام کرتے ہیں یہاں پر الذین ظلموا یہ اسروا کی واؤ سے بدل ہے۔ کہ یہ یعنی حضرت محمد ﷺ محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہیں، کیا پھر بھی تم اس کے جادو کے پاس جاتے ہو حالانکہ تم دیکھ رہے ہو۔ کہ وہ جادو ہے۔

یہ کفر کا ایک اصول تھا کہ جب یہ بات لوگوں کے ذہن نشین کر دی جائے گی کہ وہ تم جیسے بشر ہیں تو پھر کوئی ان پر ایمان نہ لائے گا، حضور کے زمانہ کے کفار نے یہ بات کہی اور اس کو چھپایا لیکن آج کل کے بعض بیباک یہ کلمہ اعلان کے ساتھ کہتے ہیں اور نہیں شرماتے، کفار یہ مقولہ کہتے وقت جانتے تھے کہ ان کی بات کسی کے دل میں جمے گی نہیں کیونکہ لوگ رات دن معجزات دیکھتے ہیں وہ کس طرح باور کر سکیں گے کہ حضور ہماری طرح بشر ہیں اس لئے انہوں نے معجزات کو جادو بتا دیا اور کہا۔

خفیہ تلاوت سن کر حقانیت قرآن کو جاننے کا بیان

قریش مکہ قرآن کی دعوت کے شدید مخالف تھے لیکن اس کے انداز بیان، فصاحت و بلاغت اور جادو کی سی تاثیر کے وہ خود بھی معترف تھے اور قرآن کو اسی لحاظ سے جادو کہتے تھے اور اس جادو کو روکنے کا طریقہ ابتداء انہوں نے یہ اختیار کر لیا تھا کہ سب قریشی سرداروں نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ جہاں تک ہو سکے قرآن کے سننے اور پڑھنے پر پابندی لگا دی جائے۔ سننے پر پابندی تو انہوں نے اپنے آپ پر لگائی تھی مگر یہ قریشی سردار خود بھی اس پابندی کو نباہ نہ سکے اور خود بھی چوری چھپے قرآن سن لیتے تھے کیونکہ ان کے دل اور ان کے کام قرآن کی لذت سے محظوظ ہونا چاہتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ تین سردار رات کے وقت کعبہ کے گرد کھڑے ہو کر آپ کا قرآن سن رہے تھے۔ بعد میں یہ راز فاش ہو گیا تو ان میں سے ایک سردار نے ابو جہل سے پوچھا کہ "جو قرآن تم نے سنا ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے اس سوال کا صحیح جواب دینے کے بجائے رخ کو دوسرا طرف موڑ دیا اور کہا کہ "ہم اور بنی عبد مناف سب باتوں میں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے، اب ہم ان کے نبی کو تسلیم کر کے ان کی اس برتری کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں۔ (سیرت ابن ہشام: ص ۱۰۸)

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○
فرمایا کہ میرا رب آسمان اور زمین میں کہی جانے والی بات کو جانتا ہے اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

زمین و آسمان میں ہونے والی ہر بات کو جاننے کا بیان

"قَالَ" لَهُمْ "رَبِّیْ یَعْلَم الْقَوْل" کَائِنًا "فِی السَّمَاء وَالْاَرْض وَهُوَ السَّمِیع" لِمَا اَسَرُّوْهُ "الْعَلِیم" بِهٖ

نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میرا رب آسمان اور زمین میں کہی جانے والی یعنی ہونے والی ہر بات کو جانتا ہے اور وہ

خوب سننے والا ہے جوانہوں نے سرگوشی کی ہے۔اس کو خوب جاننے والا ہے۔

اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی خواہ کتنے ہی پردہ اور راز میں رکھی گئی ہو،ان کا راز بھی اس میں ظاہر فرمادیا،اس کے بعد قرآن کریم سے انہیں سخت پریشانی وحیرانی لاحق تھی کہ اس کا کس طرح انکار کریں، وہ ایسا بیّن معجزہ ہے جس نے تمام ملک کے مایہ ناز ماہروں کو عاجز ومتحیر کر دیا ہے اور وہ اس کی دو چار آیتوں کی مثل کلام بنا کر نہیں لا سکے،اس پریشانی میں انہوں نے قرآن کریم کی نسبت مختلف قسم کی باتیں کہیں جن کا بیان اگلی آیت میں ہے۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝
بلکہ انہوں نے کہا یہ خوابوں کی پریشان باتیں ہیں، بلکہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ شاعر ہے،
پس یہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے بھیجے گئے تھے۔

کفار کا قرآن کو خوابوں کی باتیں کہنے کا بیان

"بَلْ" لِلانْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ إلَى آخَرَ فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَة "قَالُوا" فِيمَا أَتَى بِهِ مِنْ الْقُرْآن هُوَ "أَضْغَاث أَحْلَام" أَخْلَاط رَآهَا فِي النَّوْم "بَلْ افْتَرَاهُ" اخْتَلَقَهُ "بَلْ هُوَ شَاعِر" فَمَا أَتَى بِهِ شِعْر "فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ" كَالنَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْيَد

لفظ بل یہ ایک غرض سے دوسری غرض کی جانب منتقل کرنے کیلئے تینوں مقامات میں آتا ہے۔بلکہ انہوں نے کہا یہ قرآن خوابوں کی پریشان باتیں ہیں،یعنی جن کو نیند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے۔بلکہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ شاعر ہے، پس یہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے رسول بھیجے گئے تھے۔جس طرح وہ ناقہ،عصا اور ید بیضا لائے ہیں۔

یہ کہہ کر خیال ہوا کہ لوگ کہیں گے کہ اگر یہ کلام حضرت کا بنایا ہوا ہے اور تم انہیں اپنے مثل بشر بھی کہتے ہو تو تم ایسا کلام کیوں نہیں بنا سکتے، یہ خیال کر کے اس بات کو بھی چھوڑا اور کہنے لگے۔اور یہ کلام شعر ہے اسی طرح کی باتیں بناتے رہے کسی ایک بات پر قائم نہ رہ سکے اور اہل باطل کذابوں کا یہی حال ہوتا ہے،اب انہوں نے سمجھا کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی چلنے والی نہیں ہے تو کہنے لگے۔

اضغاث احلام کے مفہوم کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا میرا سر کاٹ ڈالا گیا ہے، جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خواب سن کر ہنس دیئے اور فرمایا کہ جب تم میں سے کسی شخص کے خواب میں اس کے ساتھ شیطان تماشہ کرے تو وہ اس خواب کو لوگوں کے سامنے بیان نہ کرے۔(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 548)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی سے فرمایا کہ تمہارا یہ خواب اضغاث احلام میں سے ہے اور اس قسم سے ہے، جس میں انسان کے ساتھ شیطان تماشہ کرتا ہے تا کہ اس کو پریشان ورنجور کرے ایسے خواب کو چھپانا چاہئے نہ کہ لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ خواب اضغاث احلام میں سے ہے اور شیطانی اثرات کا عکاس ہے ورنہ اہل تعبیر کے نزدیک اس خواب کی تعبیر زوال نعمت، قوم برادری سے مفارقت اور اس جیسی دوسری چیزوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ○
ان سے پہلے کوئی بستی، جسے ہم نے ہلاک کیا، ایمان نہیں لائی تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے؟

سابقہ عذاب یافتہ قوموں کے ایمان نہ لانے کا بیان

"مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ" أَيْ أَهْلِهَا "أَهْلَكْنَاهَا" بِتَكْذِيبِهَا مَا أَتَاهَا مِنَ الْآيَاتِ "أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ" لَا

ان سے پہلے کوئی بستی یعنی اس میں رہنے والے جن کو ہم نے ہلاک کیا، کیونکہ انہوں نے ہماری عطا کردہ آیات کی تکذیب کی وہ ایمان نہیں لائی تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے؟ ہرگز نہیں۔

یعنی ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، یہ نہیں ہوا کہ ان کی حسب خواہش معجزہ دکھلانے پر ایمان لے آئی ہوں، بلکہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ایمان نہیں لائیں، جس کے نتیجے میں ہلاکت ان کا مقدر بنی تو کیا اگر اہل مکہ کو ان کی خواہش کے مطابق کوئی نشانی دکھلا دی جائے، تو وہ ایمان لے آئیں گے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ یہ بھی تکذیب وعناد کے راستے پر ہی بدستور گامزن رہیں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○
اور ہم نے تجھ سے پہلے نہیں بھیجے مگر کچھ مرد، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، پس ذکر والوں سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے ہو

نہ جاننے کی صورت میں علماء سے پوچھنے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَك إِلَّا رِجَالًا نُوحِي" وَفِي قِرَاءَة بِالْيَاءِ وَفَتْح الْحَاء "إِلَيْهِمْ" الْمَلَائِكَة "فَاسْأَلُوا أَهْل الذِّكْر" الْعُلَمَاء بِالتَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيل "إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" ذَلِكَ فَإِنَّهُمْ يَعْلَمُونَهُ وَأَنْتُمْ إِلَى تَصْدِيقهمْ أَقْرَب مِنْ تَصْدِيق الْمُؤْمِنِينَ بِمُحَمَّدٍ

اور ہم نے آپ سے پہلے نہیں بھیجے مگر کچھ مرد، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، ایک قرأت میں نوحی یاء اور حاء کی فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ یعنی نہ کہ فرشتوں کی طرف۔ پس ذکر والوں یعنی تورات وانجیل کے علماء سے پوچھ لو، اگر تم نہیں جانتے ہو۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں اور تم نبی کریم ﷺ کی تصدیق میں اہل ایمان کی تصدیق سے بھی زیادہ قریب ہو۔

اہل ذکر سے علماء مراد ہونے کا بیان

اہل الذکر سے مراد اس جگہ علماء تورات وانجیل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں پچھلے انبیاء کا حال معلوم نہیں کہ وہ انسان تھے یا فرشتے تو علماء تورات وانجیل سے معلوم کرلو کیونکہ وہ سب جانتے ہیں کہ سب انبیاء سابقین انسان ہی کی نوع سے تھے اس لئے اگر یہاں اہل الذکر سے مطلق اہل کتاب یہود ونصاری ہی مراد ہوں تو بعید نہیں کیونکہ اس معاملے کے سبھی شاہد ہیں۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جاہل آدمی جس کو احکام شریعت معلوم نہ ہوں اس پر عالم کی تقلید واجب ہے کہ عالم سے دریافت کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔

تقلید کے شرعی معنی کا بیان

حاشیہ حسامی متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفحہ 86 پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور یہ عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے: **التقليد اتباع الرجل غيره فيما سمعه يقول او في فعله علىٰ زعم انه محق بلا نظر في الدليل ۔**

تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس میں جو اس کو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے۔ بغیر دلیل میں نظر کئے ہوئے۔ نیز امام غزالی **کتاب المستصفٰی** جلد دوم صفحہ 387 میں فرماتے ہیں۔

التقليد هو قبول قول بلا حجته ۔ مسلم الثبوت میں ہے۔ **التقليد العمل بقول الغير من غير حجته ۔**

وہ ہی جو اوپر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا ہر قول وفعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہٰذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام وآئمہ دین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد۔ اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کلام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہوجائے کہ ان کا فتویٰ غلط تھا، کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہوگا۔ یہ فرق ضرور یاد رہے۔ تقلید دو طرح کی ہے۔

تقلید شرعی اور غیر شرعی کا بیان

تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے، زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے۔

اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے۔ جیسے طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ، یا مرزا غالب کی یا نحوی وصرفی لوگ سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی طرح ہر پیشہ ور اپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف واعمال میں اپنے مشائخ کے قول وفعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام وحلال میں تقلید نہیں۔ ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بوڑھی عورتیں اپنے باپ داداؤں کی ایجاد کی ہوئی شادی غمی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے۔ اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

وو َلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَه عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُه فُرُطًا ۔ (کہف، ۲۸)

اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا۔

واِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِه عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (لقمان، ۱۵)

اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں۔ تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا، پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے تو میں بتا دوں گا جو تم کرتے تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۔ (المائدہ، ۱۰۴)

اور جب ان سے کہا جائے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہمیں وہ بہت ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانیں نہ راہ پر ہوں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۔ (البقرہ، ۱۷۰)

اور جب ان سے کہا جائے اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ داداؤں کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسے کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام جائز ہو یا ناجائز۔ رہی شرعی تقلید اور ائمہ دین

کی اطاعت اس سے ان آیات کا کوئی تعلق نہیں ان آیتوں سے تقلید ائمہ کو شرک یا حرام کہنا محض ۔بے دینی ہے۔اور اس قسم کی تقلید کو امت مسلمہ کے ائمہ کرام وفقہاء کرام پر چسپاں کرنا خارجیوں کا کام ہے۔

اور یہ خارجی باتفاق امت مسلمہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے لیکر اب تک تمام امت اسی بات پر متفق ہے کہ گروہ خوارج نہ صرف اسلام سے خارج بلکہ قرآن وحدیث کا سازشی دشمن ہے۔

تقلید شرعی اور غیر شرعی میں فرق نہ کرنا جہالت ہے اور اس قسم کے فرق کو نہ سمجھنے والے فرقہ پرست عناصر ہیں۔جو شیطانی کردار میں شیطان کے خوب دست وبازو بنتے ہیں۔اس قسم کے لوگوں کو شکوک وشبہات کی بہتات ہوتی ہے حتیٰ کہ عقیدہ توحید میں بھی یہ مشکوک ہوتے ہیں۔عقیدہ توحید کا کثرت کے ساتھ ذکر کرنے کے باوجود ان کا عقیدہ توحید توہمات کی نذر ہو جاتا ہے۔معمولی معمولی خیالات کو شرک سمجھ بیٹھتے ہیں اسی طرح قبروں پر جانا شرک سمجھتے ہیں اور خود مرنے کے بعد قبروں ہی طرف جاتے ہیں ساری زندگی جس کی مخالفت کرتے ہیں مرکر اسی جگہ سے پناہ طلب کرتے ہیں۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ۝
اور ہم نے ان کو ایسے جسم والا نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔

انبیائے کرام کیلئے بشری تقاضوں کا بیان

"وَمَا جَعَلْنَاهُمْ " أَيْ الرُّسُل "جَسَدًا" بِمَعْنَى أَجْسَادًا "لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَام " بَلْ يَأْكُلُونَهُ "وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ" فِي الدُّنْيَا

اور ہم نے ان انبیائے کرام کو ایسے جسم والا نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ وہ کھانا کھاتے ہیں اور نہ ہی وہ دنیا میں بہ حیاتِ ظاہری ہمیشہ رہنے والے تھے۔

اب کفار مکہ کے ایک بنیادی اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے۔اعتراض یہ تھا کہ یہ نبی ہم ہی جیسا ایک بشر ہے۔سب بشری کمزوریاں اور بشری تقاضے اس میں بھی موجود ہیں جو ہم میں ہیں۔وہ ہماری طرح ہی کھانے پینے اور چلنے پھرنے کا محتاج ہے اور ہماری طرح نکاح شادیاں بھی کرتا ہے۔مزید یہ کہ اسے نہ تو کوئی دنیوی جاہ چشم میسر ہے اور نہ ہی کوئی فرشتہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ ان سب باتوں کا انہیں جواب یہ دیا گیا کہ تم لوگ جو اہل کتاب سے پوچھ پوچھ کر اس نبی سے کئی طرح کے سوال اور کئی طرح کے اعتراض کرتے ہو تو ایک سوال یہ بھی پوچھ لو کہ آیا موسیٰ علیہ السلام بشر تھے یا نہیں؟ ان کے جواب سے تمہیں تسلی ہو جائے گی کہ موسیٰ علیہ السلام خود بھی اور ان کے علاوہ دوسرے تمام انبیاء بھی سب کے سب بشر ہی تھے۔

دنیاوی کھانے، پینے سے بے نیاز، زندگی کا بیان

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ نہی عن الوصال قالوا انک تواصل قال انی لست کھیئتکم انی اطعم واسقی ۔(صحیح مسلم، ج۱، ص۳۵۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وصال (بغیر افطار کے روزے پر روزہ رکھنا) سے منع فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ آپ تو وصال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں، مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

دنیا میں ہر انسان بلکہ ہر ذی روح کی زندگی کھانے پینے کی محتاج ہے لیکن حیات مصطفےٰ ﷺ کا کیا اونچا مقام ہے کہ دنیا کی تمام غذائیں آپ کی محتاج ہیں جبکہ آپ ان کے محتاج نہیں۔ دیکھیے ہماری زندگی اشیاء خورد ونوش کی محتاج اور ان کی زندگی کی محتاج خود اشیاء خورد ونوش ہیں۔

ہوا سے بے نیاز، زندگی کا بیان

ہر انسان کی زندگی کے لوازمات میں سے اگر آپ دیکھیں تو آپ کہیں گے کہ دنیا کا کوئی انسان بلکہ کوئی ذی روح چیز ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی جبکہ نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی ہوا کی بھی محتاج نہیں ہے۔ جدید سائنسی تحقیق کے مطابق زمین سے آسمان کی طرف صرف دو سو میل کے فاصلے تک ہوا ہے اس کے بعد ہوا نہیں ہے۔ جب آپ ﷺ نے شب معراج کو سیر فرمائی تو آپ نے وہ تمام مقامات دیکھے جہاں کسی قسم کی آکسیجن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی مبارک زندگی ہوا سے بھی بے نیاز ہے۔

دل سے بے پرواہ زندگی کا بیان

امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

فا قبل الی یمشیان حتی اخذ کل واحد منهما بعضدی لاآجد لاخذهما مسا فقال احدهما لصاحبه اضجعه فاضجعانی بلا قصر ولا هصر ،فقال احدهما لصاحبه افلق صدره فهوی احدهما الی صدری ففلقها فیما اری بلادم ولا وجع .(مجمع الزوائد، ج ۸، ص ۲۲۳، بیروت)

آپ ﷺ نے فرمایا: دو شخص میرے پاس آئے، ان میں سے ہر ایک نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ مجھے ان کے پکڑنے سے کوئی درد نہیں ہوا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا ان کو لٹاؤ، انہوں نے مجھے جھکائے بغیر لٹا دیا۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا ان کا سینہ چاک کرو، پھر ان میں سے ایک نے میرا سینہ چاک کیا۔ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میرا خون نکلا اور نہ ہی مجھے کوئی درد ہوا۔

اس روایت اور اسی مضمون کی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا قلب مبارک سینہ چاک کر کے نکالا، اور اس کے باوجود آپ ﷺ کی حیات باقی رہی کیونکہ وہ ان تمام چیزوں کی محتاج نہیں۔

زمان ومکاں سے بے پرواہ زندگی کا بیان

ہر چیز اپنے وجود میں اور ہر ذی روح چیز اپنی حیات میں زمان ومکاں، ہوا، کھانے پینے کی محتاج ہوتی ہے لیکن رسول اللہ ﷺ شب معراج وہاں پر تشریف لے گئے جہاں نہ کوئی زماں تھا اور نہ ہی مکاں تھا یعنی آپ ﷺ جب لامکاں پر جلوہ فرما ہوئے تو تب

بھی آپ ﷺ تو باحیات تھے حالانکہ وہاں بشری حیات کے بنیادی لوازمات بالکل ناپید تھے۔ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ بشری زندگی جن تمام بنیادی لوازمات کی محتاج ہوتی ہے۔آپ ﷺ ان کے محتاج نہیں ہیں۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ○
پس ہم نے ان سے وعدہ سچا کر دیا تو ہم نے انہیں نجات دی اور اسے بھی جسے ہم چاہتے تھے
اور ہم نے حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والوں کیلئے ہلاکت کا بیان

"ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْد " بِإِنْجَائِهِمْ "فَأَنْجَیْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاء " الْمُصَدِّقِینَ لَهُمْ "وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِینَ " الْمُكَذِّبِینَ لَهُمْ

پس ہم نے ان سے ان کی نجات کا وعدہ سچا کر دیا تو ہم نے انہیں نجات دی اور اسے بھی جسے ہم چاہتے تھے یعنی وہ ان کی تصدیق کرنے والے ہیں۔اور ہم نے حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا۔یعنی ان کی تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔

البتہ یہ بات ہر نبی سے پیش آتی رہی کہ اس کی دعوت پر کچھ لوگوں نے لبیک کہی اور زیادہ قرآن کے مخالف بن گئے۔ پھر ہم نے اپنے انبیاء اور مومنوں سے فتح ونصرت کے جو وعدے کئے تھے وہ سب پورے کر دیئے اور ایسے لوگوں کو ہم نے بروقت اپنے عذاب سے بچا بھی لیا تھا۔لیکن جن لوگوں نے سرکشی کی راہ اختیار کی تھی۔ان سب کو ہلاک کر ڈالا تھا۔یہ بات بھی تم اے قریش مکہ! ان اہل کتاب سے پوچھ سکتے ہو۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ○وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ
كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ○
بیشک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہاری نصیحت ہے، کیا تم عقل نہیں رکھتے۔
اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو تباہ و برباد کر ڈالا جو ظالم تھیں اور ان کے بعد ہم نے اور قوموں کو پیدا فرما دیا۔

سابقہ اقوام کی ہلاکتوں سے عبرت حاصل کرنے کا بیان

"لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَیْكُمْ " یَا مَعْشَر قُرَیْش "كِتَابًا فِیهِ ذِكْرُكُمْ "لِأَنَّهُ بِلُغَتِكُمْ "أَفَلَا تَعْقِلُونَ " فَتُؤْمِنُونَ بِهِ،"وَكَمْ قَصَمْنَا" أَهْلَكْنَا "مِنْ قَرْیَة" أَیْ أَهْلهَا "كَانَتْ ظَالِمَة" كَافِرَة،وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِینَ،

اے قریش کے گروہ! بیشک ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں تمہاری نصیحت کا سامان ہے، کیونکہ وہ تمہاری زبان میں ہے کیا تم عقل نہیں رکھتے۔تا کہ تم اس پر ایمان لاتے۔اور ہم نے کتنی ہی بستیوں یعنی ان میں رہنے والوں کو تباہ و

برباد کر ڈالا جو ظالم یعنی کافرہ تھیں اور ان کے بعد ہم نے اور قوموں کو پیدا فرما دیا۔

قرآن مجید کی قدر نہ کرنے والوں کیلئے عذاب کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی کلام اللہ کے ذریعہ کتنے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ کتنے لوگوں کو پست کرتا ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ، حدیث نمبر 627)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے بایں طور کہ دنیا میں تو اسے عزت و وقار کی زندگی عطا فرماتا ہے اور عقبیٰ میں ان لوگوں کے ساتھ رکھتا ہے جن پر اس نے اپنا انعام کیا ہے اس طرح جو شخص نہ قرآن پڑھتا ہے اور نہ اس پر عمل کرتا ہے اس کا درجہ پست کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس کی قدر و منزلت پر رغبت دلانے کے لئے فرماتا ہے کہ ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف اتاری ہے جس میں تمہاری بزرگی ہے، تمہارا دین، تمہاری شریعت اور تمہاری باتیں ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ تم اس اہم نعمت کی قدر نہیں کرتے؟ اور اس اتنی بڑی شرافت والی کتاب سے غفلت برت رہے ہو؟ جیسے اور آیت میں ہے (وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْــَٔلُوْنَ، الزخرف:44) تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے یہ نصیحت ہے اور تم اس کے بارے میں ابھی ابھی سوال کئے جاؤ گے۔ پھر فرماتا ہے ہم نے بہت سی بستیوں کے ظالموں کو پیس کر رکھ دیا ہے۔ اور آیت میں ہے ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی بستیاں ہلاک کر دیں۔ اور آیت میں ہے کتنی ایک بستیاں ہیں جو پہلے بہت عروج پر اور انتہائی رونق پر تھیں لیکن پھر وہاں کے لوگوں کے ظلم کی بنا پر ہم نے ان کا چورا کر دیا، بھس اڑا دیا، آبادی ویرانی سے اور رونق سنسان سناٹے میں بدل گئی۔ ان کے ہلاکت کے بعد اور لوگوں کو ان کا جانشین بنا دیا ایک قوم کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری یونہی آتی رہیں۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا
اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ۝
پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کیا تو وہ وہاں سے تیزی کے ساتھ بھاگنے لگے۔ تم جلدی مت بھاگو اور اسی جگہ
واپس لوٹ جاؤ جس میں تمہیں آسائشیں دی گئی تھیں۔ اور اپنی رہائش گاہوں کی طرف شاید تم سے باز پرس کی جائے۔

عذاب دیکھ کر بھاگنے والی قوم کا بیان

"فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا" شَعَرَ أَهْلُ الْقَرْيَةِ بِالْإِهْلَاكِ "إِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ" يَهْرُبُونَ مُسْرِعِينَ، فَقَالَتْ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ اسْتِهْزَاءً "لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَى مَا أُتْرِفْتُمْ" نُعِّمْتُمْ "فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ" شَيْئًا مِنْ دُنْيَاكُمْ عَلَى الْعَادَةِ.

پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کی آمد کو محسوس کیا یعنی جب انہوں نے ہلاکت کو محسوس کیا تو وہ وہاں سے تیزی کے ساتھ

بھاگنے لگے۔ تو ان سے فرشتوں نے بہ طور مذاق کہا کہ تم جلدی مت بھاگو اور اسی جگہ واپس لوٹ جاؤ جس میں تمہیں آسائشیں دی گئی تھیں۔ اور اپنی پر تعیش رہائش گاہوں کی طرف پلٹ جاؤ شاید تم سے باز پرس کی جائے۔ یعنی دنیا کے رواج کے مطابق تم کچھ پوچھ لیا جائے۔

سورہ الانبیاء آیت ۱۲ کے شان نزول کا بیان

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ سرزمین یمن میں ایک بستی ہے جس کا نام حصور ہے وہاں کے رہنے والے عرب تھے انہوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی اور ان کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلّط کیا، اس نے انہیں قتل کیا اور گرفتار کیا اور اس کا یہ عمل جاری رہا تو یہ لوگ بستی چھوڑ کر بھاگے تو ملائکہ نے ان سے بطریق طنز کہا۔ جو اگلی آیت میں ہے۔ (خازن، سورت الانبیاء، بیروت)

جب ان لوگوں نے عذابوں کو آتا دیکھ لیا یقین ہوگیا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق اللہ کے عذاب آگئے۔ تو اس وقت گھبرا کر راہ فرار ڈھونڈ نے لگے۔ لگے ادھر ادھر دوڑ دھوپ کرنے۔ اب بھاگو دوڑ نہیں بلکہ اپنے محلات میں اور عیش و عشرت کے سامانوں میں پھر آ جاؤ تا کہ تم سے سوال جواب تو ہو جائے کہ تم نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا بھی کیا یا نہیں؟ یہ فرمان بطور ڈانٹ ڈپٹ کے اور انہیں ذلیل و حقیر کرنے کے ہوگا۔ اس وقت یہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے صاف کہیں گے کہ بیشک ہم ظالم تھے لیکن اس وقت کا اقرار بالکل بے نفع ہے۔ پھر تو یہ اقراری ہی رہیں گے یہاں تک کہ ان کا ناس ہو جائے اور ان کی آواز دبا دی جائے اور یہ مسل دیئے جائیں۔ ان کا چلنا پھرنا آنا جانا بولنا چالنا سب ایک قلم بند ہو جائے۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ○ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خَامِدِيْنَ○
وہ کہنے لگے: ہائے شومِ قسمت! بیشک ہم ظالم تھے۔ سو ہمیشہ ان کی یہی فریاد رہی یہاں تک کہ ہم نے
ان کو کٹی ہوئی کھیتی بجھی ہوئی آگ کی طرح بنا دیا۔

کفر کی وجہ سے ظالم ہونے کے اقرار کا بیان

"قَالُوا يَا" لِلتَّنْبِيهِ "وَيْلَنَا" هَلَاكنَا "إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ" بِالْكُفْرِ "فَمَا زَالَتْ تِلْكَ" الْكَلِمَات "دَعْوَاهُمْ" يَدْعُونَ بِهَا وَيُرَدِّدُونَهَا "حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا" كَالزَّرْعِ الْمَحْصُود بِالْمَنَاجِلِ بِأَنْ قُتِلُوا بِالسَّيْفِ "خَامِدِينَ" مَيِّتِينَ كَخُمُودِ النَّار إذَا طَفِئَتْ،

یہاں پر یاء انتباہ کیلئے آیا ہے۔ وہ کہنے لگے: ہائے شومِ قسمت! بیشک ہم کفر کی وجہ سے ظالم تھے۔ لہٰذا ہمیشہ ان کی یہی فریاد رہی ہے۔ یعنی انہی کلمات کو دہراتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی بجھی ہوئی آگ کے ڈھیر کی طرح بنا دیا۔ یعنی بجھی ہوئی آگ کی طرح مردہ کر دیا ہے۔ جس طرح آگ بجھ جاتی ہے۔ جب اس کو گل کر دیا جائے۔

اللہ کے نافرمان اور سرکش لوگوں کی ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ ڈنڈے کے بغیر سیدھے نہیں ہوتے۔ ان پر جب عذاب

الہی آجاتا ہے اور موت اپنے سامنے کھڑی دیکھتے ہیں۔ تو اس وقت اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرنے لگتے ہیں اور ایمان بھی لانے پر فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر جس طرح عذاب الہی یک دم نہیں آن پڑتا اور اس کے آنے کے لئے تدریج و امسال کا قانون مقرر ہے اس طرح اس کے لئے ایک قانون یہ ہے کہ جب آجائے تو پھر واقع ہو کے رہتا ہے پھر ٹل نہیں سکتا اور اس قوم کا صفحۂ ہستی سے نام و نشان تک مٹا دیا جاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ○ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا
لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○
اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا۔ اگر ہم کوئی کھیل تماشا
اختیار کرنا چاہتے تو اسے اپنی ہی طرف سے اختیار کر لیتے اگر ہم کرنے والے ہوتے۔

زمین وآسمان کی مخلوق کے بیکار نہ ہونے کا بیان

"وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاء وَالْأَرْض وَمَا بَيْنهمَا لَاعِبِينَ" عَابِثِينَ بَلْ دَالِّينَ عَلَى قُدْرَتنَا وَنَافِعِينَ عِبَادنَا "لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذ لَهْوًا" مَا يُلْهَى بِهِ مِنْ زَوْجَة أَوْ وَلَد "لَاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا" مِنْ عِنْدنَا مِنْ الْحُور الْعِين وَالْمَلَائِكَة "إنْ كُنَّا فَاعِلِينَ" ذَلِكَ لَكِنَّا لَمْ نَفْعَلهُ فَلَمْ نُرِدْهُ،

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر بے کار نہیں بنایا۔ بلکہ ہماری قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور ہمارے بندوں کیلئے مفید ہیں۔ اگر ہم کوئی کھیل تماشا اختیار کرنا چاہتے یعنی محض کھیل مقصود ہوتا جس طرح بیوی، بچہ ہوتا ہے۔ تو اسے اپنی ہی طرف سے اختیار کر لیتے یعنی اپنی طرف سے حور عین اور فرشتوں کو اختیار کر لیتے۔ اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی اس کا کوئی ارادہ ہے۔

دنیا دار اور اللہ کی یاد سے غافل انسان ہمیشہ یہی سمجھتے رہے ہیں کہ یہ دنیا بس ایک کھیل تماشا ہے۔ ہم یہاں عیش و عشرت کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے یہاں ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ جتنی عیش و عشرت اپنے لئے مہیا کر سکتا ہے اور جس طرح کر سکتا ہے، کر لے۔ گویا دنیا دار لوگوں کا منتہائے مقصود ہی یہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے بھی دنیا کو متعدد مقامات پر کھیل تماشا قرار دیا ہے مگر یہ بات صرف اس پہلو سے کہ یہ چندروزہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایک کھیل تماشا کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ تھوڑی مدت بعد فنا ہو جانے والی ہے اور آخرت کی زندگی دائمی اور پائیدار ہے لہٰذا تمہیں اپنی تمام تر توجہ دنیا پر مرکوز کرنے کے بجائے آخرت پر مرکوز کرنا چاہئے۔ یہاں اس مقام پر صرف دنیا کی زندگی پر نہیں بلکہ کائنات کے پورے نظام کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کچھ کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا۔ جس میں اس دنیا کی زندگی بھی شامل ہے جو زمین و آسمان ہی کے سہارے قائم ہے۔ اور انسان کی تمام ضروریات زمین، ہوا، سورج اور بادلوں وغیرہ سے وابستہ ہیں۔ ضمن میں اشرف المخلوقات یعنی انسان کو پیدا کیا تو صرف اس

لئے نہیں کہ وہ اسے کھیل تماشا سمجھتے ہوئے جیسے چاہے یہاں زندگی گزار کر یہیں سے رخصت ہو جائے اور اس سے کچھ مواخذہ نہ ہو۔ خالق کائنات بس یہی تماشا دیکھتا رہے کہ اس دنیا میں لوگ کیسے ایک دوسرے پر ظلم کر رہے ہیں اور وہ بس دیکھ کر اسے محض تفریح طبع کا ہی سامان سمجھتا رہے۔ جیسا کہ رومی اکھاڑے میں ہوتا تھا کہ انسانوں کا درندوں سے مقابلہ کرایا جاتا تھا اور درندے جس انداز سے انسانوں کو پھاڑ کھاتے تھے۔ بادشاہ اور اس کے درباری یہ منظر دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ اور یہ ان کی تفریح طبع کا سامان تھا۔ ایسی بات ہرگز نہیں۔ اگر اللہ کو محض تفریح طبع ہی منظور ہوتی تو اس کے کئی اور بھی طریقے ہو سکتے تھے جن میں ظلم و جور کا نام و نشان تک نہ ہوتا نہ ہی انسان جیسی کوئی ذی شعور اور صاحب ارادہ و اختیار کوئی مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ٥
بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا دماغ کچل دیتا ہے، پس اچانک وہ مٹنے والا ہوتا ہے اور
تمھارے لیے اس کی وجہ سے بربادی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

حق کا باطل کو کچل ڈالنے کا بیان

"بَلْ نَقْذِف" نَرْمِی "بِالْحَقّ" الْإِيمَان "عَلَى الْبَاطِل" الْكُفْر "فَيَدْمَغهُ" يُذْهِبهُ "فَإِذَا هُوَ زَاهِق" ذَاهِب وَدَمَغَهُ فِي الْأَصْل: أَصَابَ دِمَاغه بِالضَّرْبِ وَهُوَ مَقْتَل "وَلَكُمْ" يَا كُفَّار مَكَّة "الْوَيْل" الْعَذَاب الشَّدِيد "مِمَّا تَصِفُونَ" اللّٰه بِهِ مِنْ الزَّوْجَة أَوْ الْوَلَد،

بلکہ ہم حق یعنی ایمان کو باطل یعنی کفر پر پھینک مارتے ہیں۔ تو وہ اس کا دماغ کچل دیتا ہے، پس اچانک وہ مٹنے والا ہوتا ہے اور اے کفار مکہ تمھارے لیے اس کی وجہ سے بربادی ہے۔ زاھق کا معنی ذاھب ہے اور دمغہ کا اصل معنی یہ ہے کہ دماغ پر ضرب لگانا ہے۔ تاکہ وہ ہلاک ہو جائے۔ جو تم بیان کرتے ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بیوی بچے سے متصف کرتے ہو حالانکہ وہ پاک ہے۔

غزوہ بدر میں حق کا باطل کو کچل دینے کا بیان

حضرت قتادہ کہتے ہیں حضرت انس بن مالک نے حضرت ابوطلحہ کے حوالہ سے ہمارے سامنے یہ بیان کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن (مکہ کے) کفار قریش کے چوبیس (مقتولین) سرداروں کے بارے میں حکم دیا (کہ ان کو ٹھکانے لگا دیا جائے) چنانچہ ان کی نعشوں کو بدر کے ایک کنویں میں ڈال دیا گیا جو ناپاک تھا اور ناپاک کرنے والا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جنگ میں) کسی قوم (یعنی دشمنوں) پر غلبہ اور فتح پا لیتے تھے تو اس میدان جنگ میں تین راتیں قیام فرماتے تھے چنانچہ (اسی عادت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ جیت لینے کے بعد بدر کے میدان میں بھی تین راتیں قیام فرما رہے اور جب تین دن گذر گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کا حکم دیا، چنانچہ کجاوہ باندھ دیا گیا اور وہاں سے روانہ ہوئے اور آپ کے صحابہ بھی آپ کے پیچھے ہو لئے (جب اس کنوئے پر پہنچے جس میں

سرداران قریش کی نعشیں ڈالی گئی تھی تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہو گئے اور ان سرداروں کو ان کا اور ان کے باپوں کا نام لے کر پکارنا شروع کیا کہ اے فلاں ابن فلاں اور اے فلاں ابن فلاں (اور پھر گویا ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) (اب) تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ بلاشبہ ہمیں تو وہ چیز حاصل ہوگئی جس کا ہم سے ہمارے رب نے قطعی وعدہ کیا تھا (یعنی تمہارے مقابلہ پر ہماری فتح اور باطل طاقتوں پر ہمارے غلبہ کا) اور کیا تم نے بھی وہ چیز پالی جس کا تم سے تمہارے پروردگار نے قطعی وعدہ کیا تھا یعنی تمہارے عذاب کا (مطلب یہ کہ ہم کو تو اللہ کے وعدے کے مطابق فتح وکامیابی حاصل ہوگئی کیا تم کو بھی عذاب ملا جس سے تمہارے پروردگار نے تمہیں ڈرایا تھا؟ گویا آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال ازراہ توبیخ تھا) حضرت عمر نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ایسے جسموں کو مخاطب کر رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں!؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، ان (جسموں سے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو زیادہ سننے والے نہیں ہو" اور ایک روایت میں یوں ہے کہ۔تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن (فرق صرف اتنا ہے کہ تم جواب دینے پر قادر ہو اور) یہ جواب نہیں دے سکتے۔" (بخاری ومسلم) بخاری نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت قتادہ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے ان (سرداران قریش) کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کے وقت) زندہ کر دیا تھا تاکہ وہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن لیں" اللہ تعالیٰ کے سامنے) ان کو سرزنش ہو اور وہ ذلت وخواری، عذاب اور افسوس وپشیمانی کو محسوس کریں۔(مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 1071)

غزوہ بدر میں باطل یعنی شیطان کی رسوائی کا بیان

حضرت طلحہ بن عبیداللہ بن کریز کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں شیطان کو اتنا زیادہ ذلیل وراندہ اور اتنا زیادہ حقیر پر غیظ دیکھا گیا ہو جتنا کہ وہ عرفہ کے دن ہوتا ہے (یعنی یوں تو شیطان ہمیشہ ہی آدمیوں کو نیکیاں کرتا ہوا دیکھ کر پر غیظ وحقیر ہوتا ہے مگر عرفہ کے دن سب دنوں سے زیادہ پر غیظ ہوتا ہے۔

اور ذلیل وخوار بھی) اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ (اس دن ہر خاص وعام پر) اللہ کی نازل ہوتی ہوئی رحمت اور اس کی طرف سے بڑے بڑے گناہوں کی معافی دیکھتا ہے۔ہاں بدر کے دن بھی شیطان کو ایسا ہی دیکھا گیا تھا (یعنی غزوہ بدر کے دن جب مسلمانوں کو عزت اور اسلام کو شوکت حاصل ہوئی تو اس دن بھی شیطان عرفہ ہی کے دن کی طرح یا اس سے بھی زیادہ ذلیل وخوار اور پر غیظ تھا) چنانچہ (بدر کے دن) شیطان نے دیکھا تھا کہ حضرت جبرائیل (مشرکین سے لڑنے کے لئے) فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے تھے۔اس روایت کو امام مالک نے بطریق ارسال نقل کیا ہے، نیز شرح السنہ میں یہ روایت مصابیح کے الفاظ کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔(مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1144)

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝

اور اسی کا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو اس کے پاس ہیں وہ نہ اس کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔

اللہ کی عبادت سے تکبر نہ کرنے والوں کا بیان

"وَلَهٗ" تَعَالٰى "مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" مُلْكًا "وَمَنْ عِنْدَهٗ" أَيِ الْمَلَائِكَةُ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهٗ "لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ" لَا يَعْيَوْنَ،

اور اسی کا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں بادشاہت ہے اور جو اس کے پاس فرشتے ہیں۔ یہاں من عندہ مبتداء ہے اور لایستکبرون اس کی خبر ہے۔ وہ نہ اس کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں اور نہ تھکتے ہیں۔ یعنی سستی نہیں کرتے۔

یعنی فرشتے اللہ کی ایسی مخلوق ہے۔ جو ہر آن اللہ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں اور وہ اللہ کی بندگی کو ناگوار سمجھ کر نہیں کرتے بلکہ نہایت خوشدلی سے بجالاتے ہیں۔ قرآن نے یہاں یستحسرون کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور استحسار ایسی تھکاوٹ یا اکتاہٹ کو کہتے ہیں جو کسی ناگوار کام کے کرنے سے لاحق ہوتی ہے۔ اور ان کی یہ تسبیح بالکل ایسے ہی بلا وقفہ ہوتی ہے جیسے انسان مسلسل سانس لیتا ہے اور اس میں کبھی وقفہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا انسان کی تخلیق سے مقصود محض اپنی عبادت ہی ہوتی تو فرشتے یہ کام بطریق احسن بجالا رہے تھے۔ لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ یہاں حق وباطل کا معرکہ بپا ہو اور وہ انسان کو پیدا کرنے اور اسے عقل اور قوت ارادہ واختیار رہنے سے ہی ہوسکتا تھا اور انسانوں کی آزمائش اسی طرح ہوسکتی تھی۔

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝
وہ رات اور دن تسبیح کرتے ہیں، وقفہ نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے زمین میں سے ایسے معبود بنالئے ہیں جو زندہ کرکے اٹھاسکتے ہیں۔

شب وروز کی تسبیح کا بیان

"يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ" عَنْهُ فَهُوَ مِنْهُمْ كَالنَّفَسِ مِنَّا لَا يَشْغَلُنَا عَنْهُ شَاغِلٌ، "أَمْ" بِمَعْنٰى بَلْ لِلِانْتِقَالِ وَالْهَمْزَةُ لِلْإِنْكَارِ "اتَّخَذُوا آلِهَةً" كَائِنَةً "مِنَ الْأَرْضِ" كَحَجَرٍ وَذَهَبٍ وَفِضَّةٍ "هُمْ" أَيِ الْآلِهَةُ "يُنْشِرُوْنَ" أَيْ يُحْيُوْنَ الْمَوْتٰى؟ لَا وَلَا يَكُوْنُ إِلٰهًا إِلَّا مَنْ يُحْيِي الْمَوْتٰى،

وہ رات اور دن تسبیح کرتے ہیں، وقفہ نہیں کرتے۔ پس وہ تسبیح کرنے میں ہمارے سانس کی طرح ہیں۔ اور ہمارے سانس سے ہمیں کوئی چیز نہیں روکتی۔ یہاں پر ام بہ معنی بل ہے جو انتقال کیلئے آتا ہے۔ اور یہاں ہمزہ انکاری ہے۔ کیا ان کافروں نے زمین کی چیزوں جیسے پتھر، سونا، اور چاندی میں سے ایسے معبود بنالئے ہیں جو مُردوں کو زندہ کرکے اٹھاسکتے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ معبود وہی ہوتا ہے جو مردوں کو زندہ کرسکتا ہو۔

ہمہ وقت فرشتوں کی تسبیح کے جاری رہنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا فرشتوں کو تسبیح کرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں، اگر ہے تو پھر دوسرے کاموں کے ساتھ ہر وقت کی تسبیح کیسے جاری رہتی ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے

میرے بھتیجے کیا تمہارا کوئی کام اور مشغلہ تمہیں سانس لینے سے روکتا ہے اور کام کرنے میں مخل و مانع ہوتا ہے حقیقت یہی ہے کہ تسبیح فرشتوں کے لئے ایسی ہے جیسے ہمارا سانس یا آنکھ جھپکنا کہ یہ دونوں چیزیں ہر وقت ہر حال میں جاری رہتی ہیں اور کسی کام میں مانع اور مخل نہیں ہوتیں۔ (تفسیر قرطبی، سورت الانبیاء، بیروت)

زندہ نہ کرسکنے والوں کا معبود نہ ہونے کا بیان

یَنْشُرُوْنَ کا مطلب ہے کسی بے جان چیز میں روح پھونک کر اسے زندہ کرنا، جلا دینا، اس لحاظ سے اس جملہ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو ترجمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آیا ان کے معبودوں میں یہ طاقت ہے کہ جب وہ عذاب الٰہی سے ہلاک ہوجائیں تو ان کے معبود انہیں دوبارہ زندہ کر دکھائیں۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ کیا ان میں یہ طاقت ہے کہ وہ کسی بھی مادہ اور بے جان چیز میں روح پھونک کر اسے زندہ بنا دیں۔ اور اگر وہ یہ کام نہیں کرسکتے تو پھر وہ الٰہ کیسے بن سکتے ہیں؟

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝
لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝
اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہوجاتے، پس اللہ جو عرش کا مالک ہے ان سے پاک ہے جو یہ بیان
کرتے ہیں۔ اس سے اس کی باز پرس نہیں کی جاسکتی وہ جو کچھ بھی کرتا ہے، اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔

متعدد معبودان کے سبب فساد نظام کا بیان

"لَوْ كَانَ فِيهِمَا" أَيْ السَّمَاوَات وَالْأَرْض "آلِهَة إِلَّا اللّٰه" أَيْ غَيْره "لَفَسَدَتَا" أَيْ خَرَجَتَا عَنْ نِظَامهمَا الْمُشَاهَد لِوُجُودِ التَّمَانُع بَيْنهمْ عَلَى وَفْق الْعَادَة عِنْد تَعَدُّد الْحَاكِم مِنْ التَّمَانُع فِي الشَّيْء وَعَدَم الِاتِّفَاق عَلَيْهِ "فَسُبْحَان" تَنْزِيه "اللّٰه رَبّ" خَالِق "الْعَرْش" الْكُرْسِيّ "عَمَّا يَصِفُونَ" الْكُفَّار اللّٰه بِهِ مِنْ الشَّرِيك لَهُ وَغَيْره "لَا يُسْأَل عَمَّا يَفْعَل وَهُمْ يُسْأَلُونَ" عَنْ أَفْعَالهمْ

اگر ان دونوں زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے۔ تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے، یعنی اپنے نظام سے نکل جاتے۔ کیونکہ جب چند حکام کسی چیز میں جمع ہوجائیں تو کسی نہ کسی چیز میں اختلاف ہوجاتا یعنی ان کے عدم اتفاق کے سبب یہ تباہ ہوجاتے۔ پس اللہ جو عرش یعنی کرسی کا مالک ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ کفار شریک وغیرہ ٹھہراتے ہیں۔ اس سے اس کی باز پرس نہیں کی جاسکتی وہ جو کچھ بھی کرتا ہے، اور ان سے ہر کام کی باز پرس کی جائے گی۔

متعدد معبود ہونے کے محال ہونے کی دلیل کا بیان

کیونکہ اگر خدا سے وہ خدا مراد لئے جائیں جن کی خدائی کے بت پرست معتقد ہیں تو فسادِ عالم کا لزوم ظاہر ہے کیونکہ وہ جمادات ہیں، تدبیرِ عالم پر اصلاً قدرت نہیں رکھتے اور اگر تعمیم کی جائے تو بھی لزومِ فساد یقینی ہے کیونکہ اگر دو خدا فرض کئے جائیں تو دو

حال سے خالی نہیں یا وہ دونوں متفق ہوں گے یا مختلف، اگر شے واحد پر متفق ہوئے تو لازم آئے گا کہ ایک چیز دونوں کی مقدور ہو اور دونوں کی قدرت سے واقع ہو یہ محال ہے۔

اور اگر مختلف ہوئے تو ایک شے کے متعلق دونوں کے ارادے یا معاً واقع ہوں گے اور ایک ہی وقت میں وہ موجود و معدوم دونوں ہو جائے گی یا دونوں کے ارادے واقع نہ ہوں اور شے نہ موجود ہو نہ معدوم یا ایک کا ارادہ واقع ہو دوسرے کا واقع نہ ہو یہ تمام صورتیں محال ہیں تو ثابت ہوا کہ فساد ہر تقدیر پر لازم ہے۔ توحید کی یہ نہایت قوی برہان ہے اور اس کی تقریریں بہت بسط کے ساتھ ائمہ کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ یہاں اختصاراً اسی قدر پر اکتفا کیا گیا۔ (تفسیر کبیر، سورت الانبیاء، بیروت)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِـهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ
مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝
کیا ان (کافروں) نے اسے چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟ فرما دیجئے: اپنی دلیل لاؤ، یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو میرے ساتھ ہیں
اور ان کا ذکر ہے جو مجھ سے پہلے تھے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے اس لئے وہ اس سے رُوگردانی کئے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان

"أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونه آلِهَة" تَعَالَى أَيْ سِوَاهُ فِيهِ اسْتِفْهَام تَوْبِيخ "قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ" عَلَى ذَلِكَ وَلَا سَبِيل إلَيْهِ "هَذَا ذِكْر مَنْ مَعِيَ" أُمَّتِي وَهُوَ الْقُرْآن "وَذِكْر مَنْ قَبْلِي" مِنْ الْأُمَم وَهُوَ التَّوْرَاة وَالْإِنْجِيل وَغَيْرهمَا مِنْ كُتُب اللّٰه لَيْسَ فِي وَاحِد مِنْهَا أَنَّ مَعَ اللّٰه إلَهًا مِمَّا قَالُوا تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ "بَلْ أَكْثَرهمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقّ" تَوْحِيد اللّٰه "فَهُمْ مُعْرِضُونَ" عَنْ النَّظَر الْمُوصِل إلَيْهِ

کیا ان کافروں نے اسے چھوڑ کر اور معبود بنا لئے ہیں؟ یہ استفہام بہ طور توبیخ ہے۔ فرما دیجئے: تم اس پر اپنی دلیل لاؤ، یہ ان لوگوں یعنی میری امت کا ذکر یعنی قرآن ہے جو میرے ساتھ ہیں اور ان کا بھی ذکر ہے جو مجھ سے پہلے تھے یعنی پہلی امتوں کی جو تورات وانجیل وغیرہ اللہ کی کتابیں ہیں۔ ان میں سے کسی ایک میں بھی یہ نہیں آیا ہے کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں۔ جس طرح ان لوگوں نے کہا ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق یعنی اللہ کی توحید کو نہیں جانتے اس لئے وہ اس سے رُوگردانی کئے ہوئے ہیں۔ یعنی حق کی طرف پہنچنے والی دلیل سے اعراض کر رہے ہیں۔

باطل معبودوں کی پوجا کیلئے کوئی دلیل نہ ہونے کا بیان

پہلے توحید پر دلیل عقلی قائم کی گئی تھی۔ اب مشرکین سے ان کے دعوے پر دلیل صحیح کا مطالبہ ہے یعنی خدا کے سوا جو معبود تم نے تجویز کیے ہیں ان کا اثبات کس دلیل عقلی یا نقلی سے ہوا۔ اگر موجود ہو تو پیش کرو۔ ظاہر ہے ان کے پاس بجز اوہام وظنون اور باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے کیا رکھا تھا۔ شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی مل سکتی ہے، نہ نقلی جسے پیش کر سکتے۔

پہلے وہ دلائل عقلی تھے جو اثبات توحید اور شرک کے ابطال پر پیش کیے گئے تھے۔ اب نقلی دلیل کا ذکر کیا کہ ان سے پوچھو کہ ان معبودوں کے جواز پر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہے؟ اگر ہے تو لاؤ دکھاؤ۔ یہ قرآن بھی موجود ہے۔ جو میرے دور کے لوگوں اور میرے بعد آنے والوں کے لئے الہامی کتاب ہے اور تورات وانجیل بھی موجود ہے جو مجھ سے پہلے کے لوگوں کے لئے راہ ہدایت تھے۔ ان میں سے کسی میں بھی یہ بات لکھی ہوئی دکھلا دو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۝
اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں
پس تم میری عبادت کیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کی وحی آنے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي" وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْيَاءِ وَفَتْحِ الْحَاءِ "إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِي" أَيْ وَحِّدُونِي

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ ایک قرأت میں نوحی یاء اور حاء کی فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کیا کرو۔ یعنی میری توحید کا اقرار کرو۔

عقیدہ توحید پر تمام انبیائے کرام اور اہل ایمان کے اجماع کا بیان

تمام انبیاء ومرسلین کا اجماع عقیدہ توحید پر رہا ہے کسی پیغمبر نے کبھی ایک حرف اس کے خلاف نہیں کہا۔ ہمیشہ یہ ہی تلقین کرتے آئے کہ ایک خدا کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو جس طرح عقلی اور فطری دلائل سے توحید کا ثبوت ملتا ہے اور شرک کا رد ہوتا ہے۔ ایسے ہی نقلی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کا اجماع دعوائے توحید کی حقیقت پر قطعی دلیل ہے۔

مشرکوں سے ایسی دلیل کے مطالبہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ وضاحت فرما دی کہ میں نے تو جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتا رہا کہ میرے سوا کوئی الہ نہیں۔ پھر ان منزل من اللہ کتابوں میں کوئی ایسی بات نکل بھی کیسے سکتی ہے جس میں شرک کے لئے جواز کی سند موجود ہو؟ اور اتفاق کی بات ہے کہ سابقہ الہامی کتب میں اگرچہ بہت سی تحریف ہو چکی ہے پھر بھی وہ توحید ہی کے دلائل مہیا کرتی ہیں ان میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس سے شرک کی تائید ہو سکے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۝
یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمان نے اولاد بنا رکھا ہے وہ پاک ہے، بلکہ وہ معزز بندے ہیں۔ وہ کسی بات میں اس سے
سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے امر کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں

"وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا " مِنَ الْمَلَائِكَة "سُبْحَانه بَلْ" هُمْ "عِبَاد مُكْرَمُونَ" عِنْده وَالْعُبُودِيَّة تُنَافِي الْوِلَادَة "لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ" لَا يَأْتُونَ بِقَوْلِهِمْ إلَّا بَعْد قَوْله "وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ" أَيْ بَعْده

یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمان نے فرشتوں کو اپنی اولاد بنا رکھا ہے وہ پاک ہے، بلکہ (جن فرشتوں کو یہ اس کی اولاد سمجھتے ہیں) وہ اللہ کے معزز بندے ہیں۔ کیونکہ عبودیت یہ ولادت کے منافی ہے۔ وہ کسی بات کے کرنے میں اس سے سبقت نہیں کرتے یعنی اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں کرتے، اور وہ اسی کے امر کی تعمیل کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا وہ خود بہ خود کوئی بات نہیں کہتے۔

اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک سے پاک ہے

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو (اس دنیا میں) پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ (آخرت میں) مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔ اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا برابری کرنے والا ہے اور عبداللہ ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔ (صحیح البخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 19)

فرشتے حق تعالیٰ کی اولاد تو کیا ہوتے وہ تو ایسے خائف اور مؤدب رہتے ہیں کہ نہ قول میں اللہ تعالیٰ سے سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں اس کے خلاف کبھی کچھ کرتے ہیں۔ قول میں سبقت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب تک حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی ارشاد نہ ہو خود کوئی کلام کرنے میں مسابقت کی ہمت نہیں کرتے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑوں کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب مجلس میں کوئی بات آئے تو جو اس مجلس کا بڑا ہے اس کے کلام کا انتظار کیا جائے پہلے ہی کسی اور کا بول پڑنا خلاف ادب ہے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَ هُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝
وہ ان چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں اور وہ سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے،
جس سے وہ خوش ہو گیا ہو اور وہ اس کی ہیبت وجلال سے خائف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہیبت وجلال میں رہنے والوں کا بیان

"يَعْلَم مَا بَيْن أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفهمْ " مَا عَمِلُوا وَمَا هُمْ عَامِلُونَ "وَلَا يَشْفَعُونَ إلَّا لِمَنْ ارْتَضَى " تَعَالَى أَنْ يَشْفَع لَهُ "وَهُمْ مِنْ خَشْيَته" تَعَالَى "مُشْفِقُونَ" خَائِفُونَ

وہ اللہ ان چیزوں کو جانتا ہے جو ان کے سامنے ہیں اور جو ان کے پیچھے ہیں یعنی جو عمل وہ کر چکے ہیں یا آئندہ کریں گے۔ اور وہ اس کے حضور سفارش بھی نہیں کرتے مگر اس کے لئے کرتے ہیں۔ جس سے وہ خوش ہو گیا ہو اور وہ اس کی ہیبت وجلال سے خائف رہتے ہیں۔

حق تعالیٰ کا علم ان کے تمام ظاہری و باطنی احوال کو محیط ہے۔ ان کی کوئی حرکت اور کوئی قول و فعل اس سے پوشیدہ نہیں، چنانچہ وہ مقرب بندے اسی حقیقت کو سمجھ کر ہمہ وقت اپنے احوال کا مراقبہ کرتے رہتے ہیں کہ کوئی حالت اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اس کی مرضی معلوم کیے بدون کسی کی سفارش بھی نہیں کرتے چونکہ مومنین موحدین سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اس لیے ان کے حق میں دنیا و آخرت میں استغفار کرنا ان کا وظیفہ ہے۔ پھر ان کو خدا کیسے کہا جا سکتا ہے۔ جب خدا نہیں تو خدا کے بیٹے یا بیٹیاں بھی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ صحیح اولاد جنس والدین سے ہونی چاہیے۔

وَ مَنْ یَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِیْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ۠
اور ان میں سے جو یہ کہے کہ بے شک میں اس کے سوا معبود ہوں تو یہی ہے جسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔
ایسے ہی ہم ظالموں کو جزا دیتے ہیں۔

اللہ کے سوا کی عبادت کی طرف بلانے والے شیطان کا بیان

"وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَه مِنْ دُونه" أَيْ اللّه أَيْ غَيْره وَهُوَ إِبْلِيس دَعَا إِلَى عِبَادَة نَفْسه وَأَمَرَ بِطَاعَتِهَا "فَذَلِكَ نَجْزِيه جَهَنَّم كَذَلِكَ" كَمَا نَجْزِيه "نَجْزِي الظَّالِمِينَ" الْمُشْرِكِينَ،

اور ان میں سے جو یہ کہے کہ بے شک میں اس کے سوا یعنی اللہ کے سوا معبود ہوں تو وہ ابلیس ہے جو اپنے نفس کی عبادت اور اپنے حکم کی اطاعت کی طرف بلاتا ہے۔ تو یہی ہے جسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔ ایسے ہی ہم ظالموں یعنی مشرکین کو جزا دیتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابلیس اپنا تخت حکومت پانی (یعنی سمندر) پر رکھتا ہے۔ پھر وہاں سے اپنی فوجوں کو روانہ کرتا ہے تاکہ لوگوں کو فتنہ اور گمراہی میں مبتلا کریں۔ اس کی فوجوں میں ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہ ہے جو سب سے بڑا فتنہ انداز ہو۔ ان میں سے ایک واپس آ کر کہتا ہے۔ میں نے فلاں فلاں فتنے پیدا کئے ہیں۔ ابلیس اس کے جواب میں کہتا ہے: تو نے کچھ نہیں کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر ان میں سے ایک آتا ہے اور کہتا ہے! میں نے (ایک بندہ کو گمراہ کرنا شروع کیا اور) اس وقت تک اس آدمی کا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی نہ ڈال دی۔ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس (یہ سن کر) اس کو اپنے قریب بٹھا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ تو نے اچھا کام کیا (حدیث کے ایک راوی) اعمش فرماتے ہیں میرا خیال ہے جابر رضی اللہ عنہ نے بجائے (فیدنیہ کے) فیلتزمہ (پس ابلیس اس کو گلے لگا لیتا ہے) کے الفاظ نقل کئے تھے۔" (صحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 67)

جدائی ڈلوانے سے مراد لڑائی جھگڑے کے ذریعہ مرد کی زبان سے ناسمجھی میں ایسے الفاظ ادا کر دینا ہے جس سے اس کی بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے۔ طلاق بائن میں عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے، اس سے شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنی جہالت کے سبب اس عورت کو اپنے نکاح میں داخل سمجھتے ہوئے اس سے صحبت کرتا رہے جو دراصل حرام کاری ہوتی ہے اور اس طرح کے لوگوں کی حرام کاری کے نتیجہ میں ناجائز اولاد پیدا ہوتی رہے، جس سے روئے زمین پر ناجائز اولاد کی تعداد بڑھتی رہے اور وہ ناجائز پیدا ہونے والے لوگ دنیا میں فسق و فجور اور گناہ و معصیت زیادہ سے زیادہ پھیلاتے رہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ
وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
اور کیا جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہیں دیکھا کہ بے شک سارے آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے تو ہم نے انہیں
پھاڑ کر الگ کیا اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی، تو کیا یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

زمین و آسمان میں عجائب قدرت کا بیان

"أَوَلَمْ" بِوَاوٍ وَتَرْكِهَا "يَرَ" يَعْلَم "الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَوَات وَالْأَرْض كَانَتَا رَتْقًا" سَدًّا بِمَعْنَى مَسْدُودَة "فَفَتَقْنَاهُمَا" جَعَلْنَا السَّمَاء سَبْعًا وَالْأَرْض سَبْعًا أَوْ فَتَقَ السَّمَاء أَنْ كَانَتْ لَا تُمْطِر فَأَمْطَرَتْ وَفَتَقَ الْأَرْض أَنْ كَانَتْ لَا تُنْبِت فَأَنْبَتَتْ "وَجَعَلْنَا مِنْ الْمَاء" النَّازِل مِنْ السَّمَاء وَالنَّابِع مِنْ الْأَرْض "كُلّ شَيْء حَيّ" مِنْ نَبَات وَغَيْره أَيْ فَالْمَاء سَبَب لِحَيَاتِهِ "أَفَلَا يُؤْمِنُونَ" بِتَوْحِيدِي،

اور کیا جن لوگوں نے کفر کیا یہ نہیں دیکھا۔ یہاں پر لفظ اولم یہ واؤ اور ترک واؤ دونوں طرح آیا ہے کہ بے شک سارے آسمان اور زمین آپس میں ملے ہوئے تھے۔ یہاں پر رتقا یہ سدا بہ معنی مسدود ہے۔ تو ہم نے انہیں پھاڑ کر الگ کیا یعنی ہم نے سات آسمان اور سات زمینیں بنائی ہیں۔ یا پھر فتق آسمان کا معنی یہ ہے کہ آسمان سے بارش نہ ہوتی تھی تو پھٹ جانے کے بعد بارش ہونے لگی۔ اور فتق ارض کا معنی یہ ہے زمین سے کچھ اگتا نہ تھا لہٰذا اب اس سے نباتات اگتے ہیں۔ اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی، یعنی اس کو آسمان سے نازل کیا اور زمین سے چشمے جاری کیے۔ یعنی پانی کو ہر جاندار چیز کیلئے سبب حیات بنایا ہے۔ جس طرح نباتات وغیرہ ہیں۔ تو کیا یہ لوگ میری توحید پر ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ اس کی قدرت پوری ہے اور اس کا غلبہ زبردست ہے۔ فرماتا ہے کہ جو کافر اللہ کے سوا اوروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں کیا انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے اور سب چیز کا نگہبان بھی وہی ہے پھر اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت تم کیوں کرتے ہو؟ ابتداء میں زمین و آسمان ملے جلے ایک دوسرے سے پیوست تہ بہ تہ تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں الگ الگ کیا زمینیں پیدا کیں اور سات ہی آسمان بنائے۔ زمین اور پہلے آسمان کے درمیان جوف اور خلا رکھا۔

آسمان سے پانی برسایا اور زمین سے پیداوار اگائی۔ ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی۔ کیا یہ تمام چیزیں جن میں سے ہر ایک صانع کی خود مختاری، قدرت اور وحدت پر دلالت کرتی ہے اپنے سامنے موجود پاتے ہوئے بھی یہ لوگ اللہ کی عظمت کے قائل ہو کر شرک کو نہیں چھوڑتے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن تھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ پہلے رات تھی یا دن؟ تو آپ نے فرمایا کہ پہلے زمین وآسمان ملے جلے تہ بہ تہ تھے تو ظاہر ہے کہ ان میں اندھیرا ہوگا اور اندھیرے کا نام ہی رات ہے تو ثابت ہوا کہ رات پہلے تھی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا تم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کرو اور جو وہ جواب دیں مجھ سے بھی کہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا زمین وآسمان سب ایک ساتھ تھے، نہ بارش برستی تھی، نہ پیداوار اگتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ذی روح مخلوق پیدا کی تو آسمان کو پھاڑ کر اس سے پانی برسایا اور زمین کو چیر کر اس میں پیداوار اگائی۔ جب سائل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ جواب بیان کیا تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے آج مجھے اور بھی یقین ہو گیا کہ قرآن کے علم میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت ہی بڑھے ہوئے ہیں۔ میرے جی میں کبھی خیال آتا تھا کہ ایسا تو نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جرات بڑھ گئی ہو؟ لیکن آج وہ وسوسہ دل سے جاتا رہا۔ آسمان کو پھاڑ کر سات آسمان بنائے۔ زمین کے مجموعے کو چیر کر سات زمینیں بنائیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝
اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے کہ وہ انہیں ہلا نہ دے اور ہم نے ان میں کشادہ راستے بنا دیے، تا کہ وہ راہ پائیں۔

زمین میں پہاڑوں کو گاڑ دینے کا بیان

"وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْض رَوَاسِيَ " جِبَالًا ثَوَابِت "أَنْ" لَا "تَمِيد" تَتَحَرَّك "بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا " الرَّوَاسِيَ "فِجَاجًا" مَسَالِك "سُبُلًا" بَدَل طُرُقًا نَافِذَة وَاسِعَة "لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ" إِلَى مَقَاصِدهمْ فِي الْأَسْفَار

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے کہ وہ انہیں ہلا نہ دے یعنی اس میں پہاڑوں کو گاڑ دیا تا کہ وہ حرکت میں نہ آئے۔ اور ہم نے ان میں کشادہ راستے بنا دیے، یہاں پر سبلا یہ فجاجا سے بدل ہے۔ یعنی وسیع راستے بنائے ہیں۔ تا کہ وہ راہ پائیں۔ یعنی اپنے سفروں کے مقاصد کو حاصل کر لیں۔

یعنی پہاڑ پیدا کیے۔ پھر ان میں وادیاں اور ندی نالے بن گئے۔ انہیں ندی نالوں سے نشیب و فراز کو معلوم کر کے انسان کو ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک پہنچنے کے لئے راستوں کی نشاندہی ہوتی گئی۔ پھر اس زمین میں اور کئی طرح کی علامات پیدا کر دیں۔ کہیں گھاٹیاں ہیں، کہیں چھوٹے پہاڑ، کہیں درے، کہیں بڑے بڑے پہاڑ اور ندی نالے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی ساخت بھی

ایسی بنا دی ہے کہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ تک پہنچنے کی راہ بن جاتی ہے یا بنائی جاسکتی ہے۔اس جملہ کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک تو واضح ہے کہ زمین میں چلنے پھرنے کے لئے راہ پالیں۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ان نشانیوں میں غور وفکر کرکے اللہ کی معرفت اور حقیقت حال معلوم کرسکیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ٥
اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔

آسمان کو محفوظ چھت بنانے کا بیان

"وَجَعَلْنَا السَّمَاء سَقْفًا" لِلْأَرْضِ كَالسَّقْفِ لِلْبَيْتِ "مَحْفُوظًا". عَنْ الْوُقُوع "وَهُمْ عَنْ آيَاتهَا" مِنْ الشَّمْس وَالْقَمَر وَالنُّجُوم "مُعْرِضُونَ" لَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهَا فَيَعْلَمُونَ أَنَّ خَالِقهَا لَا شَرِيك لَهُ

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا یعنی جس طرح مکان کیلئے چھت ہوتی ہے۔اور وہ اس کی نشانیوں سے منہ پھیرنے والے ہیں۔یعنی سورج، چاند، ستاروں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ان میں غور وفکر نہیں کرتے تا کہ وہ سمجھ جاتے کہ ان کا خالق وہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

زمین وآسمان کے آپس ملنے کے بعد جدا ہو جانے کا بیان

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں یہ بھی ہے کہ یہ ملے ہوئے تھے یعنی پہلے ساتوں آسمان ایک ساتھ تھے اور اسی طرح ساتوں زمینیں بھی ملی ہوئی تھیں پھر جدا جدا کر دی گئیں۔حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ہے کہ یہ دونوں پہلے ایک ہی تھے پھر الگ الگ کر دیئے گئے۔زمین وآسمان کے درمیان خلا رکھ دی گئی پانی کو تمام جانداروں کی اصل بنا دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب میں آپ کو دیکھتا ہوں میرا جی خوش ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں آپ ہمیں تمام چیزوں کی اصلیت سے خبردار کر دیں۔آپ نے فرمایا ابو ہریرہ تمام چیزیں پانی سے پیدا کی گئی ہیں۔

اور روایت میں ہے کہ پھر میں نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا لوگوں کو سلام کیا کرو اور کھانا کھلایا کرو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور رات کو جب لوگ سوتے ہوئے ہوں تو تم تہجد کی نماز پڑھا کرو تا کہ سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔زمین کو جناب باری عزوجل نے پہاڑوں کی میخوں سے مضبوط کر دیا تا کہ وہ ہل جل کر لوگوں کو پریشان نہ کرے مخلوق کو زلزلے میں نہ ڈالے۔زمین کی تین چوتھائیاں تو پانی میں ہیں اور صرف چوتھائی حصہ سورج اور ہوا کے لئے کھلا ہوا ہے۔تا کہ آسمان کو اور اس کے عجائبات کو بچشم خود ملاحظہ کر سکیں۔پھر زمین میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے راہیں بنا دیں کہ لوگ باآسانی اپنے سفر طے کرسکیں اور دور دراز ملکوں

میں بھی پہنچ سکیں۔

شان الٰہی دیکھئے اس حصے اور اس کے ٹکڑے کے درمیان بلند پہاڑی حائل ہے یہاں سے وہاں پہنچنا بظاہر سخت دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الٰہی خود اس پہاڑ میں راستہ بنا دیتی ہے کہ یہاں کے لوگ وہاں اور وہاں کے یہاں پہنچ جائیں اور اپنے کام کاج پورے کرلیں۔ آسمان کو زمین پر مثل قبے کے بنا دیا جیسے فرمان ہے کہ ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم وسعت اور کشادگی والے ہیں فرماتا ہے قسم آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ ارشاد ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے سروں پر آسمان کو کس کیفیت کا بنایا ہے اور کس طرح زینت دے رکھی ہے اور لطف یہ ہے کہ اتنے بڑے آسمان میں کوئی سوارخ تک نہیں۔ بنا کہتے ہیں قبے یا خیمے کے کھڑا کرنے کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اسلام کی بنائیں پانچ ہیں جیسے پانچ ستون پر کوئی قبہ یا خیمہ کھڑا ہوا ہو۔ پھر آسمان جو مثل چھت کے ہے۔ یہ ہے بھی محفوظ بلند پہرے چوکی والا کہ کہیں سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ بلند و بالا اونچا اور صاف ہے جیسے حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ آسمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا رکی ہوئی موج ہے۔

فرمان ہے آسمان وزمین کی بہت سی نشانیاں ہیں جو لوگوں کی نگاہوں تلے ہیں لیکن پھر بھی وہ ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ کوئی غور وفکر ہی نہیں کرتے کبھی نہیں سوچتے کہ کتنا پھیلا ہوا کتنا بلند کس قدر عظیم الشان یہ آسمان ہمارے سروں پر بغیر ستون کے اللہ تعالیٰ نے قائم کر رکھا ہے۔ پھر اس میں کس خوبصورتی سے ستاروں کا جڑاؤ ہو رہا ہے۔ ان میں بھی کوئی ٹھیرا ہوا ہے کوئی چلتا پھرتا ہے۔ پھر سورج کی چال مقرر ہے۔ اس کی موجودگی دن ہے اس کا نظر نہ آنا رات ہے۔ پورے آسمان کا چکر صرف ایک دن رات میں سورج پورا کرلیتا ہے۔ اس کی چال کو اس کی تیزی کو بجز اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ یوں قیاس آرائیاں اور اندازے کرنا اور بات ہے۔

بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ایک نے اپنی تیس سال کی مدت عبادت پوری کرلی مگر جس طرح اور عابدوں پر تیس سال کی عبادت کے بعد ابر کا سایہ ہو جایا کرتا تھا اس پر نہ ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے یہ حال بیان کیا۔ اس نے کہا بیٹے تم نے اپنی اس عبادت کے زمانے میں کوئی گناہ کرلیا ہوگا؟ اس نے کہا اماں ایک بھی نہیں۔ کہا پھر تم نے کسی گناہ کا پورا قصد کیا ہوگا جواب دیا کہ ایسا بھی مطلقاً نہیں ہوا۔ ماں نے کہا بہت ممکن ہے کہ تم نے آسمان کی طرف نظر کی ہو اور غور وتدبر کے بغیر ہی ہٹالی ہو۔ عابد نے جواب دیا ایسا تو برابر ہوتا رہا فرمایا بس یہی سبب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِىْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝
اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے، سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

سورج و چاند ہر ایک آسمان کے دائرے میں تیر رہے ہیں

"وَهُوَ الَّذِى خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَار وَالشَّمْس وَالْقَمَر كُلّ " تَنْوِينه عِوَض عَنْ الْمُضَاف إلَيْهِ مِنْ

الشَّمْس وَالْقَمَر وَتَابِعه وَهُوَ النُّجُوم "فِي فَلَك" مُسْتَدِير كَالطَّاحُونَةِ فِي السَّمَاء "يَسْبَحُونَ" يَسِيرُونَ بِسُرْعَةٍ كَالسَّابِحِ فِي الْمَاء وَلِلتَّشْبِيهِ بِهِ أَتَى بِضَمِيرِ جَمْع مَنْ يَعْقِل

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند پیدا کیے، یہاں پر لفظ کل کی تنوین مضاف الیہ کے بدلے میں آئی ہے جو شمس وقمر سے ہے اور نجوم اسی کے تابع ہیں۔سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔یعنی چکی کی طرح آسمانی مدار میں تیر رہے ہیں۔وہ اس طرح تیزی سے چلنے والا ہے جس تیرنے والا پانی میں چلتا ہے۔اور تشبیہ اس لئے لائی گئی ہے کیونکہ یسبحون کی واؤ کو ضمیر جمع سے لاکر ذوالعقول کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

پھر اپنی قدرت کاملہ کی بعض نشانیاں بیان فرماتا ہے کہ رات اور اس کے اندھیرے کو دیکھو، دن اور اس کی روشنی پر نظر ڈالو، پھر ایک کے بعد دوسرے کا بڑھنا دیکھو، سورج چاند کو دیکھو۔سورج کا نور ایک مخصوص نور ہے اور اس کا آسمان اس کا زمانہ اس کی حرکت اس کی چال علیحدہ ہے۔چاند کا نور الگ ہے، فلک الگ ہے، چال الگ ہے، انداز اور ہے۔

ہر ایک اپنے اپنے فلک میں گویا تیرتا پھرتا ہے اور حکم الٰہی کی بجا آوری میں مشغول ہے۔جیسے فرمان ہے وہی صبح کا روشن کرنے والا ہے وہی رات کو پرسکون بنانے والا ہے۔وہی سورج چاند کا انداز مقرر کرنے والا ہے۔وہی ذی عزت غلبے والا اور ذی علم والا ہے۔(تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۝
اور ہم نے آپ سے پہلے کسی اِنسان کو بقائے دوام نہیں بخشی، تو کیا اگر آپ اِنتقال فرما جائیں تو یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟

دنیا میں دائمی حیات کے نہ ہونے کا بیان

وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْكُفَّار إِنَّ مُحَمَّدًا سَيَمُوتُ : "وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلك الْخُلْد" الْبَقَاء فِي الدُّنْيَا "أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ" فِيهَا؟ لَا فَالْجُمْلَة الْأَخِيرَة مَحَلّ الِاسْتِفْهَام الْإِنْكَارِيّ

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے کہا کہ اگر حضرت محمد ﷺ کا وصال ہو جائے۔اور ہم نے آپ سے پہلے کسی اِنسان کو دنیا کی ظاہری زندگی میں بقائے دوام نہیں بخشی، تو کیا اگر آپ یہاں سے اِنتقال فرما جائیں تو یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ یعنی انہوں نے بھی نہیں رہنا۔یہاں پر آخری جملہ استفہام انکاری کے محل میں واقع ہے۔

سورت الانبیاء آیت ۳۴ کے شان نزول کا بیان

اہل مکہ اور دیگر مشرکین رسول اللہ کے دنیا سے رخصت ہونے کا انتظار کرتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ بس جی ان کی یہ باتیں تھوڑے ہی دن کی ہیں چند دن میں ختم ہو جائیں گی چند دن کی ان کی زندگی ہے آج دنیا سے گئے کل دوسرا دن کون ان کو پوچھے گا اور ان کی باتیں کہاں تک چلیں گی لیکن وہ یہ نہ سمجھتے تھے کہ خود ہمیں ہی دنیا میں کتنے دن رہنا ہے اللہ نے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ

قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ)

ابن جریج سے روایت ہے کہ نبی کو آپ کی وفات کی خبر دی گئی تو آپ نے اللہ کے حضور عرض کیا اے میرے رب پھر میری امت کے لیے کون رہے گا تو اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ) (سیوطی 183، زادالمسیر 5۔351، قرطبی 11۔287)

نبی کریم ﷺ کا خود عالم برزخ کو اختیار کر لینے کا بیان

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مرض وفات کے آیام میں ایک دن، یا جیسا کہ ایک روایت میں وضاحت بھی ہے، وفات سے پانچ راتیں پہلے) منبر پر تشریف فرما ہوئے اور (ہمیں خطاب کرتے ہوئے) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک بندہ کو دونوں چیزوں کے درمیان اختیار دے دیا ہے کہ چاہے تو وہ اس دنیا کی بہار کا انتخاب کر لے جو اللہ دینا چاہے (یا جو خود لینا چاہے) اور چاہے اس چیز کا انتخاب کر لے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (یعنی آخرت کی نعمتیں) پس اس بندہ نے اللہ کے ہاں کی نعمتوں (اور آخرت کے اجر و ثواب) کا انتخاب کر لیا ہے (کیونکہ اصل اور ابدی نعمتیں تو وہی ہیں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) ایک دم رو پڑے اور عرض کیا: (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہماری جانوں کا نذرانہ کچھ کارگر ہو سکے تو) ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان ہوں، ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں۔ ہم لوگوں (یعنی وہاں موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سخت حیرت ہوئی (کہ آخر اس موقع پر جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کا باعث کیا چیز بنی ہے!؟ چنانچہ کچھ لوگوں نے تو (آپس میں ایک دوسرے سے) یہ بھی کہا کہ ذرا ان بڑے میاں کو تو دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی بندے کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو دونوں چیزوں کا اختیار دے دیا ہے کہ چاہے دنیا کی بہار کا انتخاب کرے اور چاہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور یہ بڑے میاں کہہ رہے ہیں کہ (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہو جائیں!؟ (لیکن مراد خود اپنی ذات مبارک تھی) بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ دانا تھے (انہوں نے شروع ہی میں اس رمز کو پہچان لیا کہ جس بندہ کو اختیار دیئے جا رہا ہے وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔"

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 556)

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فہم و ادراک کا کمال تھا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنتے ہی تاڑ لیا کہ ذات رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کا وقت قریب آ گیا ہے اور ہمارے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند ہی دنوں کے مہمان ہیں انہوں نے یہ حقیقت یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید علالت قرینہ سے پہنچانی تھی یا انہوں نے اس گہرائی میں جا کر ارشاد گرامی کے رمز کو تلاش کیا کہ دنیا کی عزت اور پر بہار نعمتوں سے منہ موڑ لینا اور آخرت کی ابدی حقیقتوں کو برضاء و رغبت اختیار کر لینا وہ وصف ہے جو صرف اللہ کے نیک ترین اور مقرب ترین بندوں کے مقام تسلیم و رضا اور قرب کو ظاہر کرتا ہے، ادھر وہ جانتے

ہی تھے کہ اس دنیا کی نعمتیں، مقام سید الانبیاء علیہم السلام کے شایان شان نہیں ہیں، لہٰذا ان کا ذہن اس حقیقت کی طرف منتقل ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "ایک بندہ" کے ذریعہ دراصل اپنی ذات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ دنیاوی حیات وبقاء کو چھوڑ کر موت اور بقاء حق کو اختیار کر لینے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی میں آزمائش کیلئے مبتلا کرتے ہیں، اور تم ہماری ہی طرف پلٹائے جاؤ گے۔

دنیا میں ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" فِي الدُّنْيَا "وَنَبْلُوكُمْ" نَخْتَبِرُكُمْ "بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ" كَفَقْرٍ وَغِنًى وَسَقَمٍ وَصِحَّةٍ "فِتْنَةً" مَفْعُولٌ لَهُ أَيْ لِنَنْظُرَ أَتَصْبِرُونَ وَتَشْكُرُونَ أَمْ لَا "وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ" فَنُجَازِيكُمْ

اس دنیا میں ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی میں آزمائش کے لئے مبتلا کرتے ہیں، جس طرح فقر و دولت اور بیماری و صحت ہے۔ یہاں پر لفظ فتنہ یہ مفعول لہ ہے یعنی تا کہ ہم آزمائیں کہ کیا وہ صبر و شکر کرتے ہیں یا نہیں۔ اور تم ہماری ہی طرف پلٹائے جاؤ گے۔ لہٰذا ہم تمہیں جزاء دیں گے۔

نفوس ارضیہ کیلئے ذائقہ موت کا بیان

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔ یہاں مراد ہر نفس سے نفوس ارضیہ یعنی زمینی جاندار ہیں۔ ان سب کو موت آنا لازمی ہے نفوس ملائکہ اس میں داخل نہیں، اس میں اختلاف ہے کہ قیامت کے روز فرشتوں کو بھی موت آئے گی یا نہیں؟ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک لحظہ کے لئے تو سب پر موت طاری ہو جاوے گی خواہ انسان اور نفوس ارضیہ ہوں یا فرشتے اور نفوس سماویہ، بعض حضرات نے فرمایا کہ فرشتے اور جنت کے حور و غلمان موت سے مستثنیٰ ہیں۔ اور موت کی حقیقت جمہور علماء کے نزدیک روح کا جسد عنصری سے نکل جانا ہے اور روح خود ایک جسم نورانی لطیف ذی حیات متحرک کا نام ہے جو انسان کے پورے بدن میں ایسا سمایا ہوا رہتا ہے جیسے عرق گلاب اس کے پھول میں ابن قیم نے روح کی حقیقت بیان کر کے اس کو سو دلائل سے ثابت کیا ہے۔ لفظ ذائقہ سے اشارہ اس طرف پایا جاتا ہے کہ ہر نفس موت کی خاص تکلیف محسوس کرے گا کیونکہ مزہ چکھنے کا محاورہ ایسے ہی مواقع میں استعمال ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ روح کا جیسا اتصال بدن کے ساتھ ہے اس کے نکلنے کے وقت تکلیف اور الم کا احساس امر طبعی ہے، رہا بعض اہل اللہ کا یہ معاملہ کہ ان کو موت سے لذت و راحت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی تنگیوں سے نجات ہوئی اور محبوب اکبر سے ملاقات کا وقت آ گیا، تو یہ ایک دوسری طرح کی لذت ہے جو مفارقت بدن کی طبعی تکلیف کے منافی نہیں کیونکہ جب کوئی بڑی راحت اور بڑا فائدہ سامنے ہوتا ہے تو اس کے لئے چھوٹی تکلیف برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے اس معنی کے لحاظ سے بعض اہل اللہ نے دنیا کے غم و رنج اور مصیبتوں کو بھی محبوب قرار دیا ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورت الانبیاء، بیروت)

ہر تکلیف وراحت میں آزمائش ہونے کا بیان

ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں۔ شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے جیسے بیماری، رنج وغم، فقر وفاقہ اور خیر سے اس کے بالمقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت وعافیت، خوشی وراحت، غناء واسباب عیش وغیرہ۔ یہ دونوں طرح کی چیزیں اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لئے آتی ہیں کہ شر یعنی خلاف طبع امور پر صبر کر کے اس کا حق ادا کرنا اور خیر یعنی مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کر کے اس کا حق ادا کرنا ہے آزمائش یہ ہے کہ کون اس پر ثابت قدم رہتا ہے کون نہیں رہتا اور بزرگوں نے فرمایا کہ حقوق شکر پر ثابت قدم رہنا بہ نسبت حقوق صبر کے مشکل ہے۔ انسان کو تکلیف پر صبر کرنا اتنا بھاری نہیں ہوتا جتنا عیش وعشرت اور آرام وراحت میں اس کے حق شکر ادا کرنے پر ثابت قدمی مشکل ہوتی ہے اسی بناء پر حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: ہم تکلیفوں میں مبتلا کئے گئے اس پر تو ہم نے صبر کر لیا لیکن جب راحت وعیش میں مبتلا کئے گئے تو اس پر صبر نہ کر سکے یعنی اس کے حقوق ادا کرنے پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ (تفسیر روح المعانی، سورت الانبیاء، بیروت)

موت کو کثرت سے یاد کرنے کا بیان

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلی پر تشریف لائے تو کچھ لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لذتوں کو ختم کرنے والی چیز کو یاد کرتے تو تمہیں اس بات کی فرصت نہ ملتی جو میں دیکھ رہا ہوں لہٰذا لذتوں کو قطع کرنے والی موت کو زیادہ یاد کرو کوئی قبر ایسی نہیں جو روزانہ اس طرح نہ پکارتی ہو کہ غربت کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں میں مٹی کا گھر ہوں اور میں کیڑوں کا گھر ہوں پھر جب اس میں کوئی مومن بندہ دفن کیا جاتا ہے تو وہ اسے کہہ کر خوش آمدید کہتی ہے پھر کہتی ہے کہ میری پیٹھ پر جو لوگ چلتے ہیں تو مجھے ان سب میں محبوب تھا اب تجھے میرے سپرد کر دیا گیا ہے تو اب تو میرے حسن سلوک دیکھے گا پھر وہ اس کے لئے حد نگاہ تک کشادہ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور جب گنہگار یا کافر آدمی دفن کیا جاتا ہے قبر اسے خوش آمدید نہیں کہتی بلکہ خوش آمدید نہیں کہتی۔ پھر کہتی ہے کہ میری پیٹھ پر چلنے والوں میں تم سب سے زیادہ مبغوض شخص تھے آج جب تمہیں میرے سپرد کیا گیا ہے تو تم میری بدسلوکی بھی دیکھو گے پھر وہ اسے اس زور سے بھینچتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں گھس جاتی ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں ایک دوسری میں داخل کر کے دکھائیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد اس پر ستر اژدھے مقرر کر دیئے جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک زمین پر ایک مرتبہ پھونک مار دے تو اس پر کبھی کوئی چیز نہ اگے پھر وہ اسے کاٹتے ہیں اور نوچتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اسے حساب وکتاب کے لئے اٹھایا جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے یہ حدیث غریب ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 358)

ہر انسان کی موت کا قریب ہونے کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ تو ابن آدم (انسان) ہے اور یہ اس کی موت ہے یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کی طرف رکھا (یعنی پہلے تو ایک جگہ اشارہ کر کے بتایا کہ یہ انسان ہے اور پھر اس جگہ سے ذرا پیچھے کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ اس کی موت ہے) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو پھیلایا (اور دور اشارہ کر کے) فرمایا کہ اس جگہ انسان کی آرزو ہے (یعنی انسان کی موت اس کے بہت قریب ہے جب کہ اس کی آرزو اس سے بہت دور ہے۔ (ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1202)

یہ ابن آدم ہے "میں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کو ایک ظاہری اشارہ کے ذریعہ تصوراتی وجود کی طرف متوجہ کیا اور یہی اسلوب "یہ اس کی موت ہے" بھی اختیار فرمایا گیا۔ اس بات کو وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے کی جانب زمین کے گوشہ پر یا ہوا میں اپنے ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کر کے بتایا کہ اس جگہ کو یہ تصور کرو کہ یہاں انسان ہے، پھر اپنے ہاتھ کو پیچھے ہٹایا اور جس جگہ پہلے اشارہ فرمایا تھا اس کے بالکل قریب عقب میں ہاتھ کو رکھ کر بتایا کہ اس جگہ کو وہ مقام تصور کرو جہاں انسان کی موت ہے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو بالشت اور انگلیوں کی کافی کشادگی کے ساتھ پھیلایا۔ یا بسط کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو اس جگہ سے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اشارہ فرمایا تھا، بہت آگے تک دراز کیا اور وہاں اشارہ کر کے بتایا کہ اس جگہ کو وہ مقام تصور کرو جہاں گویا انسان کی آرزو ہے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اسلوب بیان اور اشارہ کے ذریعہ گویا لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور متنبہ فرمایا کہ انسان کی موت اس کے بہت قریب کھڑی ہے جب کہ اس کی وہ آرزوئیں اور امیدیں کہ جن کے پیچھے وہ مارا مارا پھرتا ہے اس سے بہت دور واقع ہیں۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ
وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝
اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے محض تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں کیا یہی ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں
کا ذکر کرتا ہے؟ اور وہ خود رحمان کے ذکر سے انکاری ہیں۔

کفار و مشرکین کا نبی کریم ﷺ کی دعوت پر مذاق کرنے کا بیان

"وَإِذَا رَءَاكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ" مَا "يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا" أَيْ مَهْزُوءًا بِهِ يَقُولُونَ "أَهَذَا الَّذِي يَذْكُر آلِهَتَكُمْ" أَيْ يَعِيبهَا "وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَن" لَهُمْ "هُمْ" تَأْكِيد "كَافِرُونَ" بِهِ إِذْ قَالُوا مَا نَعْرِفهُ

اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے محض تمسخر ہی کرنے لگتے ہیں اور بہ طور مذاق کہتے ہیں کیا یہی ہے وہ شخص جو

تمہارے معبودوں کا ردّ وانکار اور عیوب کے ساتھ ذکر کرتا ہے؟ اور وہ خود خدائے رحمان کے ذکر سے انکاری ہیں۔ یہاں پر ضمیر ھم یہ تاکید کیلئے آئی ہے۔ جب انہوں نے کہا کہ ہم نہیں پہنچانتے۔

سورت الانبیاء آیت ۳۶ کے سبب نزول کا بیان

سدی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ابوجہل اور ابوسفیان کے پاس سے گزرے جبکہ وہ دونوں آپس میں باتیں کررہے جب ابوجہل نے آپ کو دیکھا تو ہنس پڑا اور ابوسفیان سے کہا یہ عبدمناف کا نبی ہے اس بات پر ابوسفیان غصے میں آگیا اور کہنے لگا کہ کیا تو اس کو عجیب سمجھتا ہے کہ بنوعبدمناف میں سے کوئی نبی ہو؟ نبی کریم ﷺ نے سنا تو ابوجہل کی طرف متوجہ ہوئے اس سے مقابلہ کیا اور ڈرایا دھمکایا کہ تو اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گا تاوقتیکہ تجھ پر بھی وہی عذاب آجائے جو عہد تبدیل کرنے والے پر آیا تھا اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (زادالمسیر 5۔350)

یعنی مشرکین مکہ کے نزدیک ان کے اپنے معبودوں کی شان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بہت ارفع واعلیٰ تھی۔ لہٰذا وہ آپ کو دیکھ کر ازراہ مذاق واستہزاءیوں کہتے کہ دیکھو یہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کی باتیں کرتا ہے (یعنی ان کے مقابلہ میں اس کی اوقات ہی کیا ہے؟) حالانکہ آپ ان کے معبودوں کو نہ گالی دیتے تھے اور نہ برا بھلا کہتے تھے۔ اور کہتے تھے تو صرف یہ کہتے تھے کہ تمہارے یہ معبود تمہارا نہ کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ سنوار سکتے ہیں۔ اور اسے ہی وہ اپنے لئے سب سے بڑی گالی سمجھتے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کے نزدیک آپ کے اس نظریہ سے ان کے معبودوں کی، ان کی اپنی اور ان کے آباؤ واجداد کی سب کی توہین ہوجاتی تھی۔ اب وہ سنجیدگی سے معاملہ کو سمجھنے کی کوشش تو کرتے نہیں تھے۔ مگر ضد اور تعصب میں آکر آپ کا مذاق اڑانے لگتے تھے۔ اور اس کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جب اس ہستی کا ذکر ہوتا جو فی الواقعہ ہر ایک کے نفع ونقصان کی مالک ہے تو انہیں یہ تکلیف شروع ہوجاتی کہ اللہ اکیلے کا کیوں ذکر کرتا ہے اور ہمارے معبودوں کو کیوں ساتھ شامل نہیں کرتا، حالانکہ اللہ کو وہ خود بھی اپنے معبودوں سے بڑا معبود سمجھتے تھے اور جب موت سامنے کھڑی نظر آتی تو اسے ہی پکارتے تھے۔ لہٰذا اللہ اکیلے کو پکارنے میں بھی تکلیف ہوتی تھی۔ اور رحمٰن کے لفظ سے تو انہیں ویسے بھی چڑ تھی۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِىْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ○ وَيَقُوْلُوْنَ
مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○
انسان جلد بازی میں سے پیدا کیا گیا ہے، میں تمہیں جلد ہی اپنی نشانیاں دکھاؤں گا پس تم جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔
اور وہ کہتے ہیں: یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔

جلدی عذاب کا مطالبہ کرنے والے کفار کا بیان

وَنَزَلَ فِي اسْتِعْجَالِهِمُ الْعَذَاب "خُلِقَ الْإِنْسَان مِنْ عَجَل" أَيْ أَنَّهُ لِكَثْرَةِ عَجَله فِي أَحْوَاله كَأَنَّهُ خُلِقَ

مِنْهُ "سَاُورِيكُمْ آيَاتِي" مَوَاعِيدِى بِالْعَذَابِ "فَلا تَسْتَعْجِلُونَ" فِيهِ فَأَرَاهُمُ الْقَتْلَ بِبَدْرٍ "وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ" بِالْقِيَامَةِ "إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ" فِيهِ

یہ آیت جلدی عذاب کا مطالبہ کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔انسان فطرتاً جلد بازی میں سے پیدا کیا گیا ہے، یعنی کثیر حالات میں وہ جلد بازی کرتا ہے۔ میں تمہیں جلد ہی اپنی نشانیاں یعنی عذاب کی سزائیں دکھاؤں گا پس تم جلدی کا مطالبہ نہ کرو۔اس میں وہی وعدہ ہے جو انہیں قتل بدر میں دیکھایا گیا۔اور وہ کہتے ہیں: یہ وعدہ قیامت کب پورا ہوگا اگر تم اس میں سچے ہو۔

انسان کے جلد باز ہونے کا بیان

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی پیدائش کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا شروع کیا شام کے قریب جب ان میں روح پھونکی گئی سر آنکھ اور زبان میں جب روح آ گئی تو کہنے لگے الہٰی مغرب سے پہلے ہی میری پیدائش مکمل ہو جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام دنوں میں بہتر وافضل دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اسی میں جنت میں داخل ہوئے اسی میں وہاں سے اتارے گئے اسی میں قیامت قائم ہوگی اسی دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت جو بندہ نماز میں ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو کچھ طلب کرے اللہ اسے عطا فرماتا ہے آپ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کر کے بتلایا کہ وہ ساعت بہت تھوڑی سی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہے کہ وہ ساعت کون سی ہے وہ جمعہ کے دن کی آخری ساعت ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔پہلی آیت میں کافروں کی بدبختی کا ذکر کر کے اس کے بعد ہی انسانی عجلت کا ذکر اس حکمت سے ہے کہ گویا کافروں کی سرکشی سنتے ہی مسلمان کا انتقامی جذبہ بھڑک اٹھتا ہے اور وہ جلد بدلہ لینا چاہتا ہے اس لئے کہ انسانی جبلت میں جلد بازی ہے۔لیکن عادت الہٰی یہ ہے کہ وہ ظالموں کو ڈھیل دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔اسی لئے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی نشانیاں دکھانے والا ہوں کہ عاصیوں پر کس طرح سختی ہوتی ہے۔ میرے نبی کو مذاق میں اڑنے والوں کی کس طرح کھال ادھڑتی ہے تم ابھی دیکھ لوگے۔جلدی نہ مچاؤ دیر ہے اندھیر نہیں مہلت ہے بھول نہیں۔(تفسیر خازن،سورت الانبیاء، بیروت)

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ٥
کاش! وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، اس وقت کو جان لیں جب وہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو روک سکیں گے
اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

کفار اپنے آپ سے عذاب کو دور نہ کر سکیں گے

"لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِين لَا يَكُفُّونَ" يَدْفَعُونَ "عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّار وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ

يُنْصَرُوْنَ" يُمْنَعُوْنَ مِنْهَا فِي الْقِيَامَة وَجَوَاب لَوْ مَا قَالُوا ذٰلِكَ،

کاش! وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، اس وقت کو جان لیں جب وہ نہ اپنے چہروں سے آگ کو روک سکیں گے یعنی آگ کو اپنے آپ سے دور نہ کرسکیں گے۔ اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ یعنی وہ قیامت کے دن عذاب سے بچائے نہ جائیں گے۔ یہاں پر لو کا جواب ما قالوا ذلک ہے۔

قیامت کے آنے کو یہ لوگ چونکہ محال جانتے تھے اس لئے جرات سے کہتے تھے کہ بتاؤ تو سہی تمہارے یہ ڈراوے کب پورے ہوں گے؟ انہیں جواب دیا جاتا ہے کہ تم اگر سمجھ دار ہوتے اور اس دن کی ہولنا کیوں سے آگاہ ہوتے تو جلدی نہ مچاتے اس وقت عذاب الٰہی اوپر تلے سے اوڑھنا بچھونا بنے ہوئے ہوں گے، طاقت نہ ہوگی کہ آگے پیچھے سے اللہ کا عذاب ہٹا سکو۔ گندھک کا لباس ہوگا جس میں آگ لگی ہوئی ہوگی اور کھڑے جل رہے ہوں گے، ہر طرف سے جہنم گھیرے ہوئے ہوگی۔ کوئی نہ ہوگا جو مدد کو اٹھے جہنم اچانک دبوچ لے گی اس وقت حیران وششدر رہ جاؤ گے مبہوت اور بیہوش ہو جاؤ گے، کوئی حیلہ نہ ملے گا کہ اسے دفعہ کرو، اس سے بچ جاؤ اور نہ ایک ساعت کی ڈھیل اور مہلت ملے گی۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ٥
بلکہ انہیں اچانک آ پہنچے گی تو انہیں بدحواس کر دے گی سو وہ نہ تو اسے لوٹا دینے کی طاقت رکھتے ہوں گے
اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔

قیامت کے دن کفار کے پریشان ہو جانے کا بیان

"بَلْ تَأْتِيهِمْ" الْقِيَامَة "بَغْتَة فَتَبْهَتهُمْ" تُحَيِّرهُمْ "فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ" يُمْهَلُونَ لِتَوْبَةٍ أَوْ مَعْذِرَةٍ،

بلکہ قیامت انہیں اچانک آ پہنچے گی تو انہیں بدحواس کر دے گی یعنی وہ پریشان ہو جائیں گے۔ سو وہ نہ تو اسے لوٹا دینے کی طاقت رکھتے ہوں گے اور نہ ہی انہیں توبہ یا معافی کیلئے مہلت دی جائے گی۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" آرام وسکون سے کیسے بیٹھا رہوں جب کہ صور پھونکنے والا حضرت اسرافیل علیہ السلام) صور کو منہ میں دبائے ہوئے ہیں، اپنا کان اور پیشانی جھکائے ہوئے (بالکل تیاری کی حالت میں) ہیں اور انتظار کر رہے ہے کہ کب صور پھونکنے کا حکم ملے، صحابہ نے عرض کیا کہ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جب بھی کوئی آفت ومصیبت آئے تو بس حق تعالیٰ ہی کی طرف لو لگاؤ اسی کی بارگاہ میں التجا کرو اور اس کے فضل وکرم پر بھروسہ واعتماد رکھو، نیز، یہ پڑھا کرو حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہتر کارساز ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 99)

حسبنا اللہ ونعم الوکیل "پڑھنا ایک ایسا عمل ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑی سے بڑی آفت ومصیبت اور سخت سے سخت مشکل کو دفع کر کے عافیت وسلامتی عطا فرما دیتا ہے، چنانچہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی آگ میں ڈالا جانا تھا تو آپ کی زبان پر یہی بابرکت کلمہ تھا، اسی طرح ایک غزوہ (جہاد) کے موقع پر جب کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا کہ دشمنوں نے آپ لوگوں کے مقابلہ کے لئے بڑا لاؤ لشکر جمع کر لیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے ڈرنا چاہئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی پڑھا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ،

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○
اور بیشک آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ مذاق کیا گیا سو ان لوگوں میں سے انہیں جو تمسخر کرتے تھے
اسی نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔

کفار کا دین حق سے مذاق کرنے کا بیان

"وَلَقَدْ اُسْتُهْزِءَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِك" فِيهِ تَسْلِيَة لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَحَاقَ" نَزَلَ "بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ" وَهُوَ الْعَذَاب فَكَذَا يَحِيق بِمَنْ اسْتَهْزَأَ بِك

اور بیشک آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ مذاق کیا گیا اس میں نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی ہے، لہٰذا ان لوگوں میں سے انہیں جو تمسخر کرتے تھے۔اسی عذاب نے گھیر لیا ہے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔اور وہ عذاب ہے لہٰذا اس نے بھی انہیں مذاق کی طرح گھیرے میں لے رکھا ہے۔

انبیاء کی تکذیب کافروں کا شیوہ ہے

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہیں جو ستایا جا رہا ہے، مذاق میں اڑایا جاتا ہے اور جھوٹا کہا جاتا ہے اس پر پریشان نہ ہونا، کافروں کی یہ پرانی عادت ہے۔اگلے نبیوں کے ساتھ بھی انہوں یہی کیا جس کی وجہ سے آخرش عذابوں میں پھنس گئے۔جیسے فرمان ہے آیت (وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ، الانعام:34)، تجھ سے پہلے کے انبیاء بھی جھٹلائے گئے اور انہوں نے اپنے جھٹلائے جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی۔اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ○
فرما دیجئے: شب وروز رحمان سے تمہاری حفاظت ونگہبانی کون کر سکتا ہے، بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے گریزاں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی عذاب سے بچانے والا ہے

"قُلْ" لَهُمْ "مَنْ يَكْلَؤُكُمْ" يَحْفَظُكُمْ "بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ" مِنْ عَذَابِهِ إِنْ نَزَلَ بِكُمْ أَيْ: لَا أَحَدَ يَفْعَلُ ذَلِكَ وَالْمُخَاطَبُونَ لَا يَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ لِإِنْكَارِهِمْ لَهُ "بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ" أَيْ الْقُرْآنِ "مُعْرِضُونَ" لَا يَتَفَكَّرُونَ فِيهِ،

آپ ان کیلئے فرما دیجئے: شب و روز خدائے رحمان کے عذاب سے تمہاری حفاظت و نگہبانی کون کر سکتا ہے، یعنی اگر وہ نازل ہو جائے۔ تو کوئی ایک بھی اس سے بچ نہ سکے گا۔ یہاں پر وہ لوگ مخاطب ہیں جو اللہ کے عذاب سے انکار کرنے کی وجہ سے خوف زدہ نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنے اسی رب کے ذکر سے گریزاں ہے۔ یعنی اعراض کرنے والے ہیں۔ کیونکہ وہ اس میں غور و فکر نہیں کرتے۔

پھر اپنی نعمت بیان فرماتا ہے کہ وہ تم سب کی حفاظت دن رات اپنی ان آنکھوں سے کر رہا ہے جو نہ کبھی تھکیں نہ سوئیں۔ من الرحمان کا معنی رحمان کے بدلے یعنی رحمان کے سوا ہیں عربی شعروں میں بھی من بدل کے معنی میں ہے۔ اسی ایک احسان پر کیا موقوف ہے یہ کفار تو اللہ کے ہر ایک احسان کی ناشکری کرتے ہیں بلکہ اس کی نعمتوں کے منکر اور ان سے منہ پھیرنے والے ہیں؟ یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتے ان کا گمان یہ محض غلط ہے، بلکہ ان کے معبودان باطل خود اپنی حفاظت کے بھی مالک نہیں۔ بلکہ وہ ہم سے بچ بھی نہیں سکتے۔ ہماری جانب سے کوئی خبر ان کے ہاتھوں میں نہیں۔ ایک معنی اس جملے کے یہ بھی ہیں کہ نہ تو وہ کسی کو بچا سکیں نہ خود بچ سکیں۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝
کیا ہمارے سوا ان کے کچھ اور معبود ہیں جو انہیں بچا سکیں، وہ تو خود اپنی ہی مدد پر قدرت نہیں رکھتے
اور نہ ہماری طرف سے انہیں کوئی تائید و رفاقت میسر ہوگی۔

کفار کے باطل معبودوں میں قدرت نہ ہونے کا بیان

"أَمْ" فِيهَا مَعْنَى الْهَمْزَةِ لِلْإِنْكَارِ "لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ" مِمَّا يَسُوءُهُمْ "مِنْ دُونِنَا" أَيْ أَلَهُمْ مَنْ يَمْنَعُهُمْ مِنْهُ غَيْرُنَا؟ لَا "لَا يَسْتَطِيعُونَ" أَيْ الْآلِهَةُ "نَصْرَ أَنْفُسِهِمْ" فَلَا يَنْصُرُونَهُمْ "وَلَا هُمْ" أَيْ الْكُفَّارُ "مِنَّا" مِنْ عَذَابِنَا "يُصْحَبُونَ" يُجَارُونَ يُقَالُ صَحِبَكَ اللَّهُ: أَيْ حَفِظَكَ وَأَجَارَكَ

یہاں پر اَم میں ہمزہ انکار کے معنی میں ہے۔ کیا ہمارے سوا ان کے کچھ اور معبود ہیں جو انہیں عذاب سے بچا سکیں، یعنی ہمارے علاوہ جو ان کو عذاب سے بچا سکیں؟ وہ تو خود اپنی ہی مدد پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے یعنی ہمارے عذاب سے انہیں یعنی کفار کو کوئی تائید و رفاقت میسر ہوگی۔ یعنی وہ کفار ہمارے عذاب سے بچائے نہ جائیں گے اور صحبك اللہ کہا جاتا ہے کہ

اللہ تیری حفاظت کرے۔

یعنی کیا اپنے فرضی معبودوں کی نسبت خیال ہے کہ وہ ان کی حفاظت کرتے ہیں؟ اور موقع آنے پر خدا تعالیٰ کے غضب سے بچا لیں گے؟ سو وہ مسکین ان کی مدد اور حفاظت تو درکنار خود اپنے وجود کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے، اگر ان کو کوئی توڑنے پھوڑنے لگے یا کچھ چیز ان کے پاس سے چھین کر لے جائے تو اتنی قدرت نہیں کہ مدافعانہ تحفظ کے لیے خود ہاتھ پاؤں ہلا سکیں یا اپنے بچاؤ کی خاطر ہماری امداد و رفاقت حاصل کر لیں۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ
اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝
بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو بہرہ مند فرمایا تھا یہاں تک کہ ان کی عمریں بھی دراز ہوتی گئیں، تو کیا وہ نہیں دیکھتے کہ
ہم علاقوں کو تمام اَطراف سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں، تو کیا وہ غلبہ پانے والے ہیں۔

اسلامی فتوحات کے ذریعے کفار کا دائرہ حیات تنگ ہو جانے کا بیان

"بَلْ مَتَّعْنَا هٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ" بِمَا أَنْعَمْنَا عَلَيْهِمْ "حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ" فَاغْتَرُّوا بِذٰلِكَ "أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ" نَقْصِدُ أَرْضَهُمْ "نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا" بِالْفَتْحِ عَلَى النَّبِيِّ "أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ" لَا بَلْ النَّبِيّ وَأَصْحَابه

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو فراخی عیش سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی عمریں بھی دراز ہوتی گئیں، پس وہ اسی وجہ سے دھوکے میں پڑ گئے۔ تو کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم اب نبی کریم ﷺ کی فتوحات کے سبب علاقوں کو تمام اَطراف سے گھٹاتے چلے جا رہے ہیں، تو کیا وہ اب غلبہ پانے والے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو غلبہ حاصل ہوگا۔

اسلامی فتوحات کے ذریعے اسلام کے غلبہ کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا اب فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے لہٰذا جب تم کو جہاد کے لئے بلایا جائے تو تم سب فوراً چلے جاؤ۔ کیونکہ نفیر عام کے موقع پر جہاد میں جانا فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی ہر ایک پر ضروری ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 937)

ہجرت نہیں ہے: کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے تو مکہ سے بلکہ ہر دار الکفر سے مدینہ کو ہجرت کرنی فرض عین تھی کیونکہ مدینہ میں دین کے نام لیواؤں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ ہر اعتبار سے بہت کمزور وضعیف تھے لہٰذا ہجرت کو فرض قرار دیا گیا تا کہ ہر مسلمان ... پہنچ کر وہاں کے مسلمانوں کی مدد و اعانت کریں اور اس طرح مشرکوں اور اللہ کے باغیوں کی طاقت زائل و

مفلوج ہو پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے ذریعہ مسلمانوں کو عام غلبہ عطا فرمایا اوران کی شوکت بڑھائی تو وہ علت یعنی مدینہ کے مسلمانوں کا کمزور اور قلیل المقدار ہونا " زائل ہوگی اور اس وقت سے ہجرت کی فرضیت ختم ہوگی لیکن کچھ صورتوں میں ہجرت کا استحباب باقی ہے جیسے جہاد کے لئے اپنے وطن سے نکلنا حصول علم کی خاطر کسی دوسری جگہ چلے جانا اور دارالکفر ودارالفتنہ سے یا کسی ملک وشہر سے نکل بھاگنا جہاں بھلائیاں متروک ہوچکی ہوں اور برائیاں مروج ہوگئی ہوں۔لیکن جہاد اور نیت باقی ہے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے دشمنوں اوراللہ کے باغیوں کا دعویٰ سرنگوں کرنے کے لئے جہاد کی نیت رکھنے اوراخلاص عمل پیدا کرنے کا حکم باقی ہے حاصل یہ کہ ہجرت یعنی اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ چلے جانا مسلمان پر فرض تھا پھر یہ حکم ختم ہوگیا لیکن جہاد کے سبب سے یا نیت صالحہ کی بنا پر کفار کے یا اور جاہل کفار کے یا اور جاہل وبدعت اور فتنوں کے گڑھ سے نکل بھاگنے یا طلب علم کے لئے اپنا وطن چھوڑ دینا باقی رہا اوراس کا حکم منسوخ نہیں ہوا۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ۝
فرمادیجئے: میں تو تمہیں صرف وحی کے ذریعہ ہی ڈراتا ہوں،اور بہرے پکار کو نہیں سنا کرتے جب بھی انہیں ڈرایا جائے۔

کفار کا گونگوں بہروں کی طرح ہونے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ" مِنْ اللّٰه لَا مِنْ قِبَل نَفْسِي "وَلَا يَسْمَع الصُّمّ الدُّعَاء إِذَا" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة بَيْنهَا وَبَيْن الْيَاء "مَا يُنْذَرُونَ" هُمْ لِتَرْكِهِمْ الْعَمَل بِمَا سَمِعُوهُ مِنْ الْإِنْذَار كَالصُّمِّ

فرمادیجئے: میں تو تمہیں صرف اللہ کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہی ڈراتا ہوں،جبکہ اپنی طرف سے نہیں۔اور بہرے پکار کو نہیں سنا کرتے۔جب بھی انہیں ڈرایا جائے۔یہاں پر اذا یہ ہمزتین کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ بھی آیا ہے۔جو اس کے درمیان اور یاء کے درمیان ہے۔یعنی انہوں نے ڈر کو سن کر اسی طرح عمل کو چھوڑ دیا ہے جس طرح کوئی بہرہ آدمی چھوڑ دیتا ہے۔

اس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کیلئے تسکین وتسلیہ کا سامان ہے کہ یہ منکر اور مکذب لوگ اگر آپ کی بات کہ نہیں سنتے مانتے اور آپ کی دعوت پر کان نہیں دھرتے تو اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔بلکہ قصور خود ان کا اپنا ہے کہ یہ عقل اور دل کے اندھے ہیں اور اندھوں کو جب کسی خطرے سے آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ داعی حق کی آواز کو نہیں سنا کرتے۔یہاں تک کہ وہ اسی کھڈ میں گر کر رہتے ہیں جس سے ان کو خبردار کیا جاتا ہے والعیاذ باللہ۔اور دوسری طرف اس میں ان منکرین ومکذبین کیلئے تنبیہ وتحذیر بھی ہے کہ یہ لوگ اپنی اس روش سے باز آجائیں۔قبل اس سے کہ اس کا موقع ان کے ہاتھ سے نکل جائے،اوران کو ہمیشہ کیلئے ہلاکت وتباہی کے کھڈے میں گرنا پڑے کہ انکار وتکذیب حق کا نتیجہ وانجام بہر حال یہی ہے۔اللہ ہمیشہ اور ہر حال میں اپنا ہی بنائے رکھے،آمین۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ○

اور یقیناً اگر انہیں تیرے رب کے عذاب کی ایک لپٹ چھو جائے تو ضرور ہی کہیں گے ہائے ہماری بربادی! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔

عذاب کی ہلکی لپیٹ میں کفار کو دین حق کی سمجھ آجانے کا بیان

"وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَة" وَقْعَة خَفِيفَة "مِنْ عَذَاب رَبّك لَيَقُولُنَّ يَا" لِلتَّنْبِيهِ "وَيْلنَا" هَلَاكنَا "إنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ" بِالْإِشْرَاكِ وَتَكْذِيب مُحَمَّد

اور یقیناً اگر انہیں تیرے رب کے عذاب کی ایک لپٹ چھو جائے یعنی ہلکی سے لپٹ ہو تو ضرور ہی کہیں گے ہائے ہماری بربادی! یہاں پر حرف ندا یا انتباہ کیلئے آیا ہے۔ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے۔ یعنی ہم نے شرک کر کے اور نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کر کے ظلم کیا ہے۔

یعنی یہ لوگ جو بہرے بنے ہوئے ہیں، صرف اس وقت تک ہے کہ ذرا زور سے کھٹکھٹائے نہ جائیں۔ اگر عذاب الٰہی کی ذرا سی بھنک کان میں پڑ گئی یا خدا کے قہر و انتقام کی ادنیٰ بھاپ بھی ان کو چھو گئی تو آنکھ کان سب کھل جائیں گے اس وقت بدحواس ہو کر چلائیں گے کہ بیشک ہم بڑے بھاری مجرم تھے جو ایسی کم بختی آئی۔

وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ○

اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کے ترازو رکھ دیں گے سو کسی جان پر کوئی ظلم نہ کیا جائے گا،

اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا۔ ہم اسے حاضر کر دیں گے، اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔

قیامت کے دن عدل و انصاف کے ترازو کا بیان

"وَنَضَع الْمَوَازِين الْقِسْط" ذَوَات الْعَدْل "لِيَوْمِ الْقِيَامَة" أَيْ فِيهِ "فَلَا تُظْلَم نَفْس شَيْئًا" مِنْ نَقْص حَسَنَة أَوْ زِيَادَة سَيِّئَة "وَإِنْ كَانَ" الْعَمَل "مِثْقَال" زِنَة "حَبَّة مِنْ خَرْدَل أَتَيْنَا بِهَا" بِمَوْزُونِهَا "وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ" مُحْصِينَ كُلّ شَيْء،

اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کے ترازو رکھ دیں گے۔ لہٰذا قیامت کے دن کسی جان پر نیکی کی کمی یا گناہ کی زیادتی کے سبب کوئی ظلم نہ کیا جائے گا، اور اگر کسی کا عمل رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی حاضر کر دیں گے، اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔ یعنی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

سورت الانبیاء آیت ۴۷ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا اور عرض کیا کہ میرے غلام مجھ سے جھوٹ بولتے خیانت کرتے اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ لہٰذا میں انہیں گالیاں دیتا اور مارتا ہوں، مجھے بتائیے کہ میرا اور ان کا کیا حال ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی خیانت نافرمانی اور جھوٹ بولنے کا تمہاری سزا سے تقابل کیا جائے گا۔ اگر سزا ان کے جرموں کے مطابق ہوئی تو تم اور وہ برابر ہو گئے نہ ان کا تم پر حق رہا اور نہ تمہارا ان پر اگر تمہاری سزا کم ہوئی تو یہ تمہاری فضیلت کا باعث ہوگا اور اگر تمہاری سزا ان کے جرموں سے بڑھ گئی تو تم سے بدلہ لیا جائے گا۔ پھر وہ شخص روتا چلاتا ہوا وہاں سے چلا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علیہ نے فرمایا کہ تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ ، اور قیامت کے دن ہم انصاف کے ترازو قائم کریں گے پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل ہوگا تو اسے بھی ہم لے آئیں گے اور ہم ہی حساب لینے کے لئے کافی ہیں)۔ اس نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ان کے اور اپنے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھتا کہ انہیں آزاد کروں میں آپ کو گواہ بنا کر آزاد کرتا ہوں۔ یہ حدیث غریب ہے، ہم اس حدیث کو صرف عبدالرحمٰن بن غزوان کی روایت سے جانتے ہیں۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1109)

میزان اور اس کے حساب کا بیان

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آ کر بیٹھ گیا اور عرض کرنے لگا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نافرمانی کرتے ہیں، چنانچہ میں (ازراہ تادیب وتنبیہ) ان کو برا بھلا کہتا ہوں اور ان کو مارتا ہوں تو ان کی وجہ سے قیامت کے دن (اللہ تعالیٰ کے ہاں) میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا (یعنی کیا مجھے ان کو برا بھلا کہنے ڈانٹنے ڈپٹنے اور مارنے پیٹنے کا حساب دینا ہوگا اور ان چیزوں کی وجہ سے میرا مواخذہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا) اور ہر شخص کے ایک ایک عمل اور ایک ایک چیز کی پوچھ گچھ ہوگی) تو غلاموں نے تمہارے مال میں جو خیانت کی ہوگی، تمہاری جو نافرمانی کی ہوگی اور تمہارے ساتھ جو جھوٹ بولا ہوگا، ان سب کا حساب ہوگا، اسی طرح تم نے ان کو جو کچھ سزا دی ہوگی اس کا بھی حساب ہوگا پس اگر تمہاری دی ہوئی سزا (رائج ضابطہ اخلاق وقانون اور عام عادت معمول کے مطابق) ان کے جرائم کے بقدر ثابت ہوئی تو تمہارا برابر سرابر رہے گا کہ نہ تمہیں کوئی ثواب ملے گا اور نہ تم پر کوئی عذاب ہوگا کیونکہ اس صورت میں کہا جائے گا کہ تم نے ان کے ساتھ حالات کے مطابق اور مباح معاملہ کیا ہے جس پر تم کسی مواخذہ وعذاب کے مستوجب نہیں ہوگے) اور تم نے ان کو سزا دی ہوگی وہ اگر ان کے جرائم سے کم ثابت ہوگی تو وہ تمہارا زائد حق ہوگا (یعنی تمہارا ان کو ان کے جرائم سے کم سزا دینا ان پر تمہارے لئے ایک ایسے حق کو واجب کردے کہ اگر تم چاہو گے تو اس کے عوض تمہیں انعام دیا جائے گا ورنہ نہیں) اور تمہاری دی ہوئی سزا ان کے جرائم سے زیادہ

ہوگی تو پھر ان کے لئے تم سے اس زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرے گا کہ تم نے چونکہ اپنے ان غلاموں کو ان کے جرائم سے زیادہ سزا دی تھی جس کا تمہیں کوئی حق نہیں تھا لہٰذا اب تم اپنے ان غلاموں کو اس زیادتی کا بدلہ دو) وہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) الگ جا بیٹھا اور رونے چلانے لگا پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کو مؤکد اور ثابت کرنے کے لئے) فرمایا کہ کیا تم (قرآن کریم میں) اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں پڑھتے ہو کہ: **ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ فلا تظلم نفس شیأ و ان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بھا و کفی بنا حاسبین** ۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "اور قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کی میزان کھڑی کریں گے (جس کے ذریعہ سب کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن کیا جائے گا) پس کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا (یعنی جس کا بھی حق ہوگا وہ اس کو یقیناً دلوایا جائے گا اور اگر (کسی کا) عمل رائی کے دانہ کے برابر ہوگا تو (اس سے صرف نظر نہیں کی جائے گا بلکہ) ہم اس کو (بھی وہاں) حاضر کریں گے اور ہم حساب لینے و لے کافی ہیں (یعنی ہمارے وزن اور حساب کے بعد حساب کتاب کی اور کسی مرافعہ کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ہم سے بڑھ کر عدل وانصاف کرنے والا اور کوئی نہیں ہے اور اس وقت ہمارا فیصلہ بالکل آخری فیصلہ ہوگا جس پر کسی کو شک وشبہ کرنے کی ہم گنجائش ہی نہیں چھوڑیں گے)" اس شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے اور ان غلاموں کے حق میں ان کی جدائی سے بہتر اور کوئی بات نہیں جانتا (یعنی اس صورت میں میرا خیال ہے کہ قیامت کے دن کے محاسبہ ومواخذہ سے بچنے اور وہاں کی جواب دہی سے محفوظ رہنے کی خاطر میرے اور میرے ان غلاموں دونوں کے حق میں سب سے بہتر بات یہی ہے کہ وہ مجھ سے الگ ہو جائیں بایں طور کہ میں ان کو آزادی دے دوں) لہٰذا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ سب غلام آزاد ہیں۔"

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 134)

میرے پاس غلام ہیں" کے بارے میں احتمال ہے کہ اس شخص کے پاس غلام اور باندی، دونوں ہوں گے پس یہاں صرف" غلام کا ذکر تغلیبا ہے۔ ط کان کفافا (تو تمہارا معاملہ برابر رہے گا اصل میں " کفاف "اس چیز کو کہتے ہیں جو ضرورت وحاجت کے بقدر ہو، پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے ان غلاموں کو ان کے جرائم کے برابر سزا دی ہوگی تو تمہارا اور ان غلاموں کا معاملہ برابر سرابر رہے گا کہ قیامت کے دن نہ تو ان غلاموں پر تمہارا کوئی حق واجب ہوگا اور نہ تمارے اوپر ان غلاموں کا کوئی حق آئے گا۔ کان فضلا لک (تو وہ تمہارا زائد حق ہوگا) فضل اصل میں اس چیز کو کہتے ہیں جو واجب حق سے زیادہ ہو! پس اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا ان غلاموں کو ان جرائم سے کم سزا دینا قیامت کے دن تمہارے حق میں ایک ایسی خوبی بن جائے گا کہ اگر تم چاہو گے تو تمہیں اس کا اجر وانعام ملے گا لیکن واضح رہے کہ "اجر وانعام سے مراد حسن ثواب، قربت ونزدیکی اور درجہ ومرتبہ کی بلندی ہے نہ کہ نفس فعل کی جزاء کیونکہ بعض خوبی یا یوں کہہ لیجئے کہ بعض سچا عمل اجر وثواب کے حسن واضافہ اور درجہ ومرتبہ کی بلندی کے اعتبار سے تو مفید ہوتا ہے مگر نفس فعل کے اعتبار سے کسی الگ اجر وثواب کو واجب نہیں کرتا کہ عمل اختیار کرنے والا خواہ طالب ہو یا نہ ہو "اس کو بہر صورت اجر وثواب ملے، پس اس شخص کا اپنے غلاموں کو ان کے جرائم سے کم سزا دینا بھی اسی درجہ کی خوبی ہوگی کہ اگر وہ چاہے گا تو

اس کی اس خوبی کو اس کے اجر وثواب میں حسن واضافہ اور اس کے مرتبہ ودرجہ کی بلندی کا سبب بنادیا جائے گا اور اگر وہ نہیں چاہے گا تو پھر اس کے نامہ اعمال میں اس خوبی کا کوئی الگ ثواب نہیں لکھا جائے گا۔ اس حدیث کے ذریعہ مالک وغلام اور آقا وخادم کے باہمی تعلق اور ان کے درمیان معاملات کی نزاکت کا اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اپنے غلام اپنے خادم اور اپنے نوکروں کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتے ہیں، ان کو چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی خطاؤں پر جس طرح بڑی بڑی سزائیں دیتے ہیں اور ان کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کو سخت جسمانی اور روحانی اذیت وتکلیف پہنچاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے حق میں کانٹے بوتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ وہ دن یقیناً آنے والا ہے جب احکم الحاکمین کی بارگاہ میں انہیں اپنے غلاموں اپنے نوکر چاکر اور اپنے خادموں کے تعلق سے اپنے ایک ایک فعل وعمل، ایک ایک برتاؤ اور ایک ایک زیادتی کی جواب دہی کرنی پڑے گی اور سخت حساب ومواخذہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ رہی ان صحابی کی بات جنہوں نے یہ حدیث سن کر، قرآن کی آیت سن کر اپنے حق میں یہی بہتر جانا کہ وہ اتنا بڑا دنیاوی نقصان برداشت کر کے اپنے غلاموں کو آزاد کردیں، تو ان کا تقویٰ، ان کا کمال احتیاط اور خوف اللہ سے ان کے دل کا معمور ہونا پوری طرح ظاہر ہوتا ہے اور یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ کمال عبدیت یہی ہے کہ انسان اس چیز کے سائے سے بھی اجتناب کرے جو کسی بھی درجہ میں مولیٰ کی ناراضگی اور آخرت کے نقصان کا خدشہ وواہمہ رکھتی ہو۔

قیامت کے دن والے میزان کا بیان

لفظ مَوَازِیْنَ میزان کی جمع ہے جو ترازو کے معنے میں آتا ہے اس جگہ میزان کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے بعض حضرات مفسرین نے یہ قرار دیا ہے کہ وزن اعمال کے لئے بہت سی میزانیں استعمال کی جائیں گی خواہ ہر شخص کے لئے الگ الگ میزان ہو یا خاص خاص اعمال کے لئے الگ الگ میزانیں ہوں مگر جمہوری علماء اس پر متفق ہیں کہ میزان ایک ہی ہوگی اس کو بصیغہ جمع اس لئے تعبیر کردیا ہے کہ وہ بہت سی موازین کا کام دے گی کیونکہ ساری مخلوقات آدم علیہ السلام سے قیامت تک جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے ان سب کے اعمال کو یہی ترازو تولے گی۔ اور قسط کے معنی عدل وانصاف کے ہیں معنے یہ ہیں کہ یہ میزان عدل وانصاف کے ساتھ وزن کرے گی ذرا کمی بیشی نہ ہوگی۔ مستدرک حاکم میں بروایت حضرت سلمان روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جو میزان وزن اعمال کے لئے رکھی جائے گی اتنی بڑی اور وسیع ہوگی کہ اس میں آسمان وزمین کو تولنا چاہیں تو وہ بھی اس میں سماجائیں۔

حافظ ابوالقاسم لالکائی نے اپنی سنن میں حضرت انس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میزان پر ایک فرشتہ مقرر ہوگا اور ہر انسان کو اس میزان کے سامنے لایا جائے گا۔ اگر اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگیا تو فرشتہ منادی کرے گا جس کو تمام اہل محشر سنیں گے کہ فلاں شخص کامیاب ہوگیا اب کبھی اس کو محرومی نہیں ہوگی، اور اگر نیکیوں کا پلہ ہلکا رہا تو یہ فرشتہ منادی کرے گا کہ فلاں شخص شقی اور محروم ہوگیا اب کبھی کامیاب بامراد نہیں ہوگا، اور حافظ مذکور نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ یہ فرشتہ جو میزان پر مقرر ہوگا حضرت جبریل امین ہیں۔ (تفسیر قرطبی، سورت الانبیاء، بیروت)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ۝

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون کوخوب فرق کردینے والی چیز اور روشنی اور نصیحت عطا کی ان متقی لوگوں کے لیے۔

تورات کا حق و باطل میں فرق کردینے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُون الْفُرْقَان" أَيْ التَّوْرَاة الْفَارِقَة بَيْن الْحَقّ وَالْبَاطِل وَالْحَلَال وَالْحَرَام "وَضِيَاء" بِهَا "وَذِكْرًا" عِظَة بِهَا،

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون کوخوب فرق کردینے والی چیز یعنی تورات جو حق و باطل اور حلال وحرام کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔اور روشنی اور نصیحت عطا کی ان متقی لوگوں کے لیے ہے جو اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

تورات کے تین اوصاف کا بیان

یہ تینوں صفتیں تورات کی ہیں کہ فرقان یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی ہے اور قلوب کے لئے ضیاء ونور ہے اور لوگوں کے لئے ذکر وتذکیر اور ذریعہ ہدایت ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ فرقان سے مراد اللہ تعالیٰ کی مدد ہے جو ہر موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہی کہ فرعون کے گھر میں پرورش ہوئی اور پھر اس سے مقابلے کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ذلیل کیا پھر لشکر فرعون کے تعاقب کے وقت دریا میں راستے پیدا ہو کر اس سے نجات ملی اور لشکر فرعون غرق کیا گیا اسی طرح بعد کے ہر موقع پر اس مدد خداوندی کا مشاہدہ ہوتا رہا اور ضیاء وذکر دونوں تورات کی صفتیں ہیں، قرطبی نے اسی کو ترجیح دی ہے کیونکہ الفرقان کے بعد واؤ کے ذریعہ فاصلہ کرنے سے اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ فرقان تورات کے علاوہ کوئی چیز ہے۔

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۝

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۝

جو لوگ اپنے رب سے نادیدہ ڈرتے ہیں اور جو قیامت سے خائف رہتے ہیں۔ یہ برکت والا ذکر ہے

جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، کیا تم اس سے انکار کرنے والے ہو۔

بن دیکھے خوف الٰہی رکھنے والے لوگوں کا بیان

"الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبّهمْ بِالْغَيْبِ" عَنْ النَّاس أَيْ فِي الْخَلَاء عَنْهُمْ "وَهُمْ مِنْ السَّاعَة" أَيْ أَهْوَالهَا "مُشْفِقُونَ" خَائِفُونَ "وَهَذَا" أَيْ الْقُرْآن "ذِكْر مُبَارَك أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ" الِاسْتِفْهَام فِيهِ لِلتَّوْبِيخِ،

جو لوگ اپنے رب سے نادیدہ یعنی تنہائی میں ڈرتے ہیں اور جو قیامت یعنی اس کی دہشت سے خائف رہتے ہیں۔ یہ قرآن

برکت والا ذکر ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے، کیا تم اِس سے انکار کرنے والے ہو۔ یہ استفہام بہ طور توبیخ ہے۔

ان متقیوں کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اپنے اللہ سے غائبانہ ڈرتے ہیں رہتے ہیں۔ جیسے جنتیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا آیت (مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ، ق:33) جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور جھکنے والا دل رکھتے ہیں۔ اور آیت میں ہے جو لوگ اپنے رب کا غائبانہ ڈر رکھتے ہیں۔ ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے۔ ان متقیوں کا دوسرا وصف یہ ہے کہ قیامت کا کھٹکا رکھتے ہیں۔ اس کی ہولناکیوں سے لرزاں وترساں رہتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ اس قرآن عظیم کو بھی ہم نے ہی نازل فرمایا ہے جس کے آس پاس بھی باطل نہیں آسکتا۔ جو حکمتوں اور تعریفوں والے اللہ کی طرف سے اترا ہے۔ افسوس کیا اس قدر وضاحت وحقانیت صداقت ونورانیت والا قرآن بھی اس قابل ہے کہ تم اس کے منکر بنے رہو؟۔

اگرچہ یہ کتاب سب لوگوں کے لئے نازل کی گئی تھی۔ مگر اس سے فائدہ اور نصیحت تو صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں اور اس کی ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور آخرت کے دن اللہ کے حضور پیش ہونے اور اپنے اعمال کی باز پرس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور انہیں بروقت یہی فکر دامن گیر رہتی ہے اور باز پرس کی فکر نہیں۔ اس دنیا میں انتہائی محتاط زندگی گزارنے پر آمادہ کرتی رہتی ہے۔

خوف الٰہی کی وجہ سے رونے کا بیان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو (خوف اللہ سے) اس قدر روتے کہ ان کی ڈاڑھی (آنسوؤں) سے تر ہو جاتی، ان سے کہا گیا کہ آپ جب جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس جگہ کھڑے ہو کر روتے ہیں انہوں نے کہا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے لہٰذا جس نے اس منزل سے نجات پائی اس کو اس کے بعد آسانی ہے اور جس نے اس منزل سے نجات نہیں پائی اس کو اس کے بعد سخت دشواری ہے "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت نہیں دیکھا۔" (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 129)

یعنی قبر پر کھڑے ہو کر انسان عیش وعشرت کو بھول جاتا ہے اور دنیا کی بے ثباتی پر اس کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خوف اللہ سے اپنے قلب کو لرزاں پاتا ہے اور آخرت سے لگاؤ محسوس کرتا ہے نیز قبر عیش وعشرت سے متنفر کرتی ہے اور محنت ومشقت اور یاد الٰہی میں مصروف رکھتی ہے۔ اسی کو فرمایا گیا ہے سب سے زیادہ سخت جگہ قبر ہے۔

قرآن مجید کی برکت کا بیان

اور یہ قرآن جسے ہم نے اے قریشیو! تمہاری طرف نازل کیا ہے یہ تورات سے بھی زیادہ بابرکت ہے۔ جس میں سابقہ تمام آسمانی کتب کی خوبیاں بھی موجود ہیں اور ان سب کا خلاصہ بھی اس میں آ گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں انسان کی ہدایت سے متعلق ہر چیز کو پوری تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ گویا یہ قرآن فرقان بھی ہے، ضیاء اور نور بھی ہے، ذکر اور تذکرہ بھی ہے اور قیامت تک

کے لوگوں کے لئے رحمت اور باعث رحمت بھی ہے۔ پھر بھی اگر تم ایسی بابرکت کتاب کا انکار کرتے ہو تو تمہاری بدبختی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ كُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ
مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ۝
اور بیشک ہم نے پہلے سے ہی ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے فہم وہدایت دے رکھی تھی اور ہم ان کو خوب جاننے والے تھے۔
جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے فرمایا: یہ کیسی مورتیاں ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بچپن میں صاحب فراست ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيم رُشْده مِنْ قَبْل" أَيْ هَدَاهُ قَبْل بُلُوغه "وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ" بِأَنَّهُ أَهْل لِذَلِكَ "إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمه مَا هَذِهِ التَّمَاثِيل" الْأَصْنَام "الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ" أَيْ عَلَى عِبَادَتهَا مُقِيمُونَ

اور بیشک ہم نے پہلے سے ہی ابراہیم علیہ السلام کو ان کے مرتبہ کے مطابق بلوغت سے پہلے فہم وہدایت دے رکھی تھی اور ہم ان کی استعداد واہلیت کو خوب جاننے والے تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ (چچا) اور اپنی قوم سے فرمایا: یہ بت کیسی مورتیاں ہیں جن کی پرستش پر تم جمے بیٹھے ہو۔ یعنی ان کی عبادت پر قائم رہنے والے ہیں۔

رُشد سے مراد ایسی ہوش مندی ہے۔ جس سے انسان اپنے فائدہ ونقصان، نیک وبد اور خیر وشر میں امتیاز کرنے اور فائدہ کی بات کو قبول کرنے اور نقصان کی بات کو رد کرنے کے قابل ہو جائے۔ خواہ یہ نفع ونقصان دنیوی ہو یا اخروی ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام سے بہت مدت پہلے ہم نے حضرت ابراہیم کو ہوش مندی اور عقل سلیم عطا کی تھی۔ وہ فرمانے کے رسم و رواج کے پیروکار نہیں تھے۔ بلکہ ہر بات کے نفع ونقصان کو خود سوچنے کے عادی تھے۔ اور ہم ان کے حالات سے خوب واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ فی الواقعہ رسالت الٰہی کے مستحق ہیں۔ لہٰذا ہم نے انہیں نبوت عطا فرمائی۔ اگرچہ یہ ہوش مندی بھی ہم نے ہی انہیں عطا کی تھی۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
وہ بولے: ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پرستش کرتے پایا تھا، (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: بیشک تم
اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں تھے۔

بتوں کی پرستش میں صریح گمراہی کا بیان

"قَالُوا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ" فَاقْتَدَيْنَا بِهِمْ "قَالَ" لَهُمْ "لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ" بِعِبَادَتِهَا "فِي ضَلَال مُبِين" بَيِّن

وہ بولے: ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پرستش کرتے پایا تھا، لہٰذا ہم انہی کی اقتداء کریں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بیشک تم اور تمہارے باپ دادا سب صریح گمراہی میں تھے۔ کیونکہ وہ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم سے بت پرستی سے منع کرنے کا بیان

ہم نے اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدایت بخشی تھی اور ہم جانتے تھے کہ وہ اس کے لائق ہے بچپنے میں ہی آپ نے اپنی قوم کی غیر اللہ پرستی کو ناپسند فرمایا۔ اور نہایت جرات سے اس کا سخت انکار کیا اور قوم سے برملا کہا کہ ان بتوں کے اردگرد مجمع لگا کر کیا بیٹھے ہو؟ حضرت اصبغ بن بنانہ راہ سے گزر رہے تھے جو دیکھا کہ شطرنج باز لوگ بازی کھیل رہے ہیں۔ آپ نے یہی تلاوت فرما کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے ہاتھ میں جلتا ہوا انگارا لے لے یہ اس شطرنج کے مہروں کے لینے سے اچھا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس کھلی دلیل کا جواب ان کے پاس کیا تھا جو دیتے؟ کہنے لگے کہ یہ تو پرانی روش ہے، باپ دادوں سے چلی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا واہ یہ بھی کوئی دلیل ہوئی؟

ہمارا اعتراض جو تم پر ہے وہی تمہارے اگلوں پر ہے ایک گمراہی میں تمہارے بڑے مبتلا ہوں اور تم بھی اس میں مبتلا ہو جاؤ تو وہ بھلائی بننے سے رہی؟ میں کہتا ہوں تم اور تمہارے باپ دادا سبھی راہ حق سے برگشتہ ہو گئے ہو اور کھلی گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہو۔ اب تو ان کے کان کھڑے ہوئے کیونکہ انہوں نے اپنے عقل مندوں کی توہین دیکھی، اپنے باپ دادوں کی نسبت نہ سننے والے کلمات سنے۔ اپنے معبودوں کی حقارت ہوتی ہوئی دیکھی تو گھبرا گئے اور کہنے لگے ابراہیم کیا واقعی تم ٹھیک کہہ رہے ہو یا مذاق کر رہے ؟ ہم نے تو ایسی بات کبھی نہیں سنی۔ آپ کو تبلیغ کا موقعہ ملا اور صاف اعلان کیا کہ رب تو صرف خالق آسمان و زمین ہی ہے۔ تمام چیزوں کا خالق مالک وہی ہے، تمہارے یہ معبود کسی ادنیٰ سی چیز کے بھی خالق ہیں نہ مالک۔ پھر معبود مسجود کیسے ہو گئے؟ میری گواہی ہے کہ خالق و مالک اللہ ہی لائق عبادت ہے نہ اسکے سوا کوئی رب نہ معبود ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورت الانبیاء، بیروت)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ وَ اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝
وہ بولے: کیا تم ہی حق لائے ہو یا تم تماشا گروں میں سے ہو۔ (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا: بلکہ تمہارا رب آسمانوں
اور زمین کا رب ہے جس نے ان کو پیدا فرمایا اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم کے سامنے حق کو بتانے کا بیان

"قَالُوا أَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ" فِي قَوْلك هَذَا "أَمْ أَنْتَ مِنْ اللَّاعِبِينَ" فِيهِ "قَالَ بَلْ رَبّكُمْ" الْمُسْتَحِقّ لِلْعِبَادَةِ "رَبّ" مَالِك "السَّمَاوَات وَالْأَرْض الَّذِي فَطَرَهُنَّ" خَلَقَهُنَّ عَلَى غَيْر مِثَال سَبَقَ "وَأَنَا عَلَى ذَلِكُمْ" الَّذِي قُلْته "مِنْ الشَّاهِدِينَ" بِهِ

وہ بولے! کیا اس بات میں تم ہی حق لائے ہو یا تم تماشا گروں میں سے ہو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: بلکہ تمہارا رب یعنی جو عبادت کا حقدار ہے آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان کو بغیر کسی سابقہ مثال کے پیدا فرمایا ہے اور میں اس کہی ہوئی بات پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

مذہب کسی کھیل یا تماشے کا نام نہیں ہے

چونکہ انہیں اپنے طریقہ کا گمراہی پر ہونا بہت ہی بعید معلوم ہوتا تھا اور اس کا انکار کرنا وہ بہت بڑی بات جانتے تھے اس لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہا کہ کیا آپ یہ بات واقعی طور پر ہمیں بتا رہے ہیں یا بطریق کھیل کے فرماتے ہیں، اس کے جواب میں آپ نے حضرت مَلِکِ علّام کی ربوبیت کا اثبات فرما کر ظاہر فرما دیا کہ آپ کھیل کے طریقے پر کلام فرمانے والے نہیں ہیں بلکہ حق کا اظہار فرماتے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ یہ دل لگی کی بات نہیں بلکہ میں فی الواقعہ یہی کچھ سمجھتا ہوں کہ یہ پتھر کے بت جو اپنے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں وہ تمہارے نفع و نقصان کے مالک کیسے بن سکتے ہیں۔ اور میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک صرف اپنے اس پروردگار کو سمجھتا ہوں جس نے ہم سب کو بھی اور زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور ان پر پورے اختیار کے ساتھ حکمرانی کر رہا ہے اور میں یہ بات محض وہم و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ پورے وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ٥
اور اللہ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور ایک تدبیر عمل میں لاؤں گا اس کے بعد کہ جب تم پیٹھ پھیر کر پلٹ جاؤ گے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا بیان

واقعہ یہ ہے کہ اس قوم کا سالانہ ایک میلہ لگتا تھا جنگل میں جاتے تھے اور شام تک وہاں لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے، واپسی کے وقت بت خانہ میں آتے تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اس کے بعد اپنے مکانوں کو واپس جاتے تھے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ایک جماعت سے بتوں کے متعلق مناظرہ کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ کل کو ہماری عید ہے آپ وہاں چلیں دیکھیں کہ ہمارے دین اور طریقے میں کیا بہار ہے اور کیسے لطف آتے ہیں، جب وہ میلے کا دن آیا اور آپ سے میلے میں چلنے کو کہا گیا تو آپ عذر کر کے رہ گئے، وہ لوگ روانہ ہو گئے جب ان کے باقی ماندہ اور کمزور لوگ جو آہستہ آہستہ جا رہے تھے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا، اس کو بعض لوگوں نے سنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بت خانہ کی طرف لوٹے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تلاش و تحقیق کرنے والے دوسرے لوگ ہوں جن کو ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو کا علم نہیں تھا اور مفسرین میں سے مجاہد اور قتادہ کا قول یہ ہے کہ یہ کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برادری کے سامنے نہیں کیا بلکہ اپنے دل میں کہا یا برادری کے جانے کے بعد ایک دو ضعیف آدمی جو رہ گئے تھے ان سے کہا پھر جب بت شکنی کا واقعہ پیش آیا اور برادری کو ایسا کرنے والے کی تلاش ہوئی تو ان لوگوں نے مخبری کر دی۔ (تفسیر قرطبی، سورت الانبیاء، بیروت)

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

پھر ابراہیم (علیہ السلام) نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا سوائے بڑے (بت) کے تاکہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔

وہ کہنے لگے: ہمارے معبودوں کا یہ حال کس نے کیا ہے؟ بیشک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا

"فَجَعَلَهُمْ" بَعْدَ ذَهَابِهِمْ إِلَى مُجْتَمَعِهِمْ فِي يَوْمِ عِيدٍ لَهُمْ "جُذَاذًا" بِضَمِّ الْجِيمِ وَكَسْرِهَا : فُتَاتًا بِفَأْسٍ "إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ" عَلَّقَ الْفَأْسَ فِي عُنُقِهِ "لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ" أَيْ إِلَى الْكَبِيرِ "يَرْجِعُونَ" فَيَرَوْنَ مَا فَعَلَ بِغَيْرِهِ، "قَالُوا" بَعْدَ رُجُوعِهِمْ وَرُؤْيَتِهِمْ مَا فَعَلَ "مَنْ فَعَلَ هَذَا بِآلِهَتِنَا إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ" فِيهِ،

پھر یعنی ان کے مجمع عام میں عید کے دن جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ یہاں پر لفظ جذاذا یہ جیم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ کلہاڑی سے ٹکڑے کر دیا۔ سوائے بڑے بُت کے کیونکہ اس کے گلے میں کلہاڑ الٹکا دیا۔ تاکہ وہ لوگ اس کی طرف رجوع کریں۔ پس انہوں نے دیکھا جو اس بڑے بت کے سوا دوسرے بتوں کے ساتھ ہوا تھا۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو وہ کہنے لگے: ہمارے معبودوں کا یہ حال کس نے کیا ہے؟ بیشک وہ ضرور ظالموں میں سے ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کی بت شکنی کا بیان

اوپر ذکر گزرا کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکا۔ اور جذبہ توحید میں آ کر آپ نے قسم کھالی کہ میں تمہارے ان بتوں کا ضرور کچھ نہ کچھ علاج کرونگا۔ اسے بھی قوم کے بعض افراد نے سن لیا۔ ان کی عید کا دن جو مقرر تھا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم اپنی رسوم عید ادا کرنے کے لئے باہر جاؤ گے میں تمہارے بتوں کو ٹھیک کر دوں گا۔ عید کے ایک آدھ دن پیشتر آپ کے والد نے آپ سے کہا کہ پیارے بیٹے تم ہمارے ساتھ ہماری عید میں چلو تاکہ تمہیں ہمارے دین کی اچھائی اور رونق معلوم ہو جائے۔ چنانچہ یہ آپ کو لے چلا۔ کچھ دور جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم گر پڑے اور فرمانے لگے ابا میں بیمار ہو گیا۔ باپ آپ کو چھوڑ کر مراسم کفر بجالانے کے لئے بڑھ گئے اور جو لوگ راستے سے گزرتے آپ سے پوچھتے کیا بات ہے راستے پر کیسے بیٹھے ہو؟ جواب دیتے کہ میں بیمار ہوں۔ جب عام لوگ نکل گئے اور بڈھے بڑے لوگ رہ گئے تو آپ نے فرمایا تم سب کے چلے جانے کے بعد آج میں تمہارے معبودوں کی مرمت کر دوں گا۔ آپ نے جو فرمایا کہ میں بیمار ہوں تو واقعی آپ اس دن کے اگلے دن قدرے علیل بھی تھے۔ جب کہ وہ لوگ چلے گئے تو میدان خالی پاکر آپ نے اپنا ارادہ پورا کیا اور بڑے بت کو چھوڑ کر تمام بتوں کا چورا کر دیا۔ جیسے اور آیتوں میں اس کا تفصیلی بیان موجود ہے کہ اپنے ہاتھ سے ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اس بڑے بت کے باقی رکھنے میں حکمت و مصلحت یہ تھی کہ اولاً ان لوگوں کے ذہن میں خیال آئے کہ شاید اس بڑے

بت نے ان چھوٹے بتوں کو غارت کر دیا ہوگا؟ کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہوگی کہ مجھ بڑے کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے خدائی کے لائق کیسے ہو گئے۔ چنانچہ اس خیال کی پختگی ان کے ذہنوں میں قائم کرنے کے لئے آپ نے کلہاڑا بھی اس کی گردن پر رکھ دیا تھا۔ جیسے روایت ہے۔ جب یہ مشرکین اپنے میلے سے واپس آئے تو دیکھا کہ ان کے سارے معبود منہ کے بل اوندھے گرے ہوئے ہیں۔ اور اپنی حالت سے وہ بتا رہے ہیں کہ وہ محض بیجان بے نفع و نقصان ذلیل و حقیر چیز ہیں۔ اور گویا اپنی اس حالت سے اپنے پجاریوں کی بیوقوفی پر مہر لگا رہے تھے۔ لیکن ان بیوقوفوں پر الٹا اثر ہوا کہنے لگے یہ کون ظالم شخص تھا جس نے ہمارے معبودوں کی ایسی اہانت کی؟ اس وقت جن لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کلام سنا تھا، انہیں خیال آ گیا اور کہنے لگے وہ نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے اسے ہم نے اپنے معبودوں کی مذمت کرتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کو پڑھتے اور فرماتے جو نبی آیا جوان۔ جو عالم بنا جوان۔ شان الٰہی دیکھئے جو مقصد حضرت خلیل اللہ علیہ صلوات اللہ کا تھا وہ اب پورا ہو رہا ہے۔ قوم کے یہ لوگ مشورہ کرتے ہیں کہ آؤ سب کو جمع کرو اور اسے بلاؤ اور پھر اس کو سزا دو۔ حضرت خلیل اللہ یہی چاہتے تھے کہ کوئی ایسا مجمع ہو اور میں اس میں ان کی غلطیاں ان پر واضح کروں اور ان میں توحید کی تبلیغ کروں۔ اور انہیں بتلاؤں کہ یہ کیسے ظالم و جاہل ہیں؟ کہ ان کی عبادتیں کرتے ہیں جو نفع نقصان کے مالک نہیں بلکہ اپنی جان کا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ چنانچہ مجمع ہوا۔ سب چھوٹے بڑے آ گئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ملزم کی حیثیت سے موجود ہوئے اور آپ سے سوال ہوا کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ لغو حرکت تم نے کی ہے؟ اس پر آپ نے انہیں قائل معقول کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ کام تو ان کے اس بڑے بت نے کیا ہے۔ اور اس کی طرف اشارہ کیا جسے آپ نے توڑا نہ تھا پھر فرمایا کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اپنے ان معبودوں سے ہی کیوں دریافت نہیں کرتے کہ تمہارے ٹکڑے اڑانے والا کون ہے؟ اس سے مقصود خلیل اللہ علیہ السلام کا یہ تھا کہ یہ لوگ خود بخود ہی سمجھ لیں کہ یہ پتھر کیا بولیں گے؟ اور جب وہ اتنے عاجز ہیں تو یہ لائق عبادت کیسے ٹھیر سکتے ہیں؟ چنانچہ یہ مقصد بھی آپ کا بفضل الٰہی پورا ہوا اور یہ دوسری ضرب بھی کاری لگی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تین مواقع پر بہ طور توریہ کلام کرنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا بلکہ تین مواقع پر بہ طور توریہ کلام کیا اور ان میں سے بھی وہ توریہ اللہ کے لئے بولے تھے۔ ان میں ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ میں آج علیل سا ہوں۔ دوسرا یہ کہنا تھا کہ " بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے " اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے جو تیسرا جھوٹ نکلا تھا وہ ان کا یہ کہنا تھا کہ " یہ میری بہن ہے " اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی سارہ (ہجرت کر کے ملک شام کی طرف جا رہے تھے کہ ان کا گزر ایک بڑے ظالم و جابر حاکم کے شہر سے ہوا چنانچہ اس حاکم کو بتایا گیا کہ یہاں (اس شہر میں) ایک شخص آیا ہوا ہے جس کے ساتھ ایک حسین و جمیل عورت ہے، اس حاکم نے یہ سنتے ہی ایک گماشتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلانے کے لئے بھیجا اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے

پاس پہنچے تو اس نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے اور تمہاری کیا لگتی ہے؟
حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر انہوں نے سارہ کے پاس واپس آ کر ان کو اس جابر حاکم کے برے ارادے سے نجات پانے کی تدبیر بتائی اور کہا کہ اگر اس ظالم کو معلوم ہو گیا کہ تم میری بیوی ہو تو تمہیں زبردستی مجھ سے چھین لے گا پس اگر وہ تمہارے اور میرے تعلق کے بارے میں پوچھے تو اس کو بتانا کہ تم میری بہن ہو اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں کہ تم دین کے رشتہ سے میری بہن ہو لہٰذا خود کو میری بہن بتاتے وقت دینی اخوت کی نیت کر لینا اور یہ نیت اس لئے بھی صحیح ہوگی کہ اس سرزمین پر سوائے میرے اور تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔ لہٰذا اس ظالم نے ایک گماشتہ بھیج کر حضرت سارہ کو طلب کیا اور ادھر تو حضرت سارہ اس کے پاس لے جائی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی قیام گاہ پر) نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے سارہ جب اس ظالم کے پاس پہنچیں تو وہ اس کا حسن و جمال دیکھ کر از خود رفتہ ہو گیا اور یا تو ان سے پوچھے اور تحقیق کئے بغیر کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا رشتہ رکھتی ہیں، یا پوچھنے اور سارہ کے یہ کہنے کے باوجود یکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی بہن ہیں اس نے ان پر ہاتھ ڈالنا اور ان کی عفت و عصمت کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے سارہ کی مدد کی اور وہ ظالم پکڑا گیا۔ ایک روایت میں یا تو فاخذ کی بجائے یا اس لفظ کے ساتھ مزید غط کا لفظ بھی نقل کیا گیا ہے بہر حال وہ عتاب الٰہی کی گرفت میں آنے کے بعد زمین پر پیر مارنے لگا یعنی جس طرح کوئی آسیب زدہ یا مرگی میں مبتلا شخص زمین پر زور زور سے پاؤں پٹختا ہے اسی طرح وہ بھی اپنے پیر پٹخنے لگا پھر اس نے سارہ سے کہا کہ میں اپنے ارادہ بد سے باز آیا تم اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا یعنی تمہارے ساتھ کوئی تعرض نہیں کروں گا۔

چنانچہ حضرت سارہ نے دعا کی اور اس ظالم کی خلاصی ہو گئی لیکن اس نے دوبارہ دست درازی کرنی چاہی اور پھر پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت عتاب الٰہی میں پکڑا گیا اس نے پھر حضرت سارہ سے کہا کہ اللہ سے دعا کرو کہ وہ مجھے اس مصیبت سے نجات دے اور میں اب صدق دل کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا حضرت سارہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس ظالم کی گلوخلاصی ہو گئی۔ اس کے بعد اس ظالم اپنے دربانوں میں کسی کو بلایا اور کہا کہ تو میرے پاس انسان کو نہیں لایا ہے (کہ جس پر قابو پا سکتا) بلکہ تو کسی جن کو میرے پاس لے آیا ہے کہ اس پر قابو پانے کے بجائے خود الٹا مصیبت میں پھنس جاتا ہوں یہ تو تو نے میرے لئے موت کا سامان فراہم کر دیا ہے پھر اس نے سارہ کی خدمت کے لئے ہاجرہ نامی ایک لونڈی دی اور ان کو واپس بھیج دیا سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس واپس پہنچیں تو وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھے کیونکہ اس وقت تک ان کو اس ظالم کے پنجہ سے سارہ کی رہائی کی خبر نہیں ہوئی تھی، وہ بدستور نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور سارہ کی باعفت و عافیت واپسی کی دعائیں مانگ رہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو دیکھا تو نماز ہی میں اپنے ہی میں اپنے ہاتھ کے اشارے سے پوچھا کا حال ہے اور تم پر کیا بیتی؟ حضرت سارہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کی بدنیتی کو اس کے سینے میں ہی لوٹا دیا (یعنی اس نے مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے لئے جس بدنیتی کا اظہار کیا وہ الٹے اس کے گلے پڑ گئی،

مجھے تو وہ کوئی نقصان پہنچا نہیں سکا خود عذاب الٰہی میں ضرور پھنس گیا تھا اور اس نے خدمت کے لئے ہاجرہ کو میرے ساتھ کر دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ اے آسمان کے پانی کے بیٹو! وہی ہاجرہ تم سب کی ماں ہیں۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 269)

توریہ کی تعریف کا بیان

علامہ سعد الدین تفتازانی لکھتے ہیں۔ توریہ ایہام کو کہتے ہیں اسکی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کا اطلاق دو معانی پر ہو۔ ۱۔ قریبی معنی ۲۔ بعیدی معنی۔ اگر کلام کرنے والا کسی قرینہ پوشیدہ کی بناء پر بعیدی مراد لے جبکہ سننے والا قریبی معنی سمجھے۔

تعریض کی تعریف کا بیان

کلام کو ایک ایسی جانب پھیرنا جو مقصود پر دلالت کرے یعنی جب اشارہ ایک جانب کیا جائے اور مراد دوسری جانب ہو تو یہ تعریض ہے۔ (مختصر المعانی، ص ۱۳۵، مکتبہ اکرمیہ پشاور)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور توریہ کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں گئے اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس ملک میں ایک شخص آیا ہے اس کے ساتھ ایک عورت ہے جو تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت ہے۔ بادشاہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلوایا اور پوچھا؟ یہ عورت کون ہے آپ نے فرمایا: یہ میری (اسلامی) بہن ہے۔ (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۴۷۴، قدیمی کتب خانہ کراچی)

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○
لوگ بولے: ہم نے ایک نوجوان کا سنا ہے جوان کا ذکر کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ وہ بولے:
اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تا کہ وہ دیکھ لیں۔

بت شکنی پر قوم ابراہیم کے مشاہدے کا بیان

"قَالُوا" أَيْ بَعْضُهِمْ لِبَعْضٍ "سَمِعْنَا فَتًى يَذْكُرُهُمْ" أَيْ يَعِيبهُمْ، يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ، "قَالُوا فَأْتُوا بِهِ عَلَى أَعْيُنِ النَّاسِ" أَيْ ظَاهِرًا "لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ" عَلَيْهِ أَنَّهُ الْفَاعِل،

کچھ لوگ بولے: ہم نے ایک نوجوان کا سنا ہے جوان کا ذکر عیوب سے کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ وہ بولے: اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ۔ تا کہ وہ اسے دیکھ لیں۔ یعنی اس پر گواہی دیں کہ وہ ایسا کرنے والا ہے۔

یعنی اس کو بلا کر برملا مجمع عام میں بیان لیا جائے۔ تا کہ معاملہ کو سب لوگ دیکھ کر خود اس کی باتیں سن کر گواہ رہیں کہ جو سزا اس کو قوم کی طرف سے دی جائے گی بیشک وہ اس کا مستحق تھا۔ یہ تو ان کی غرض تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصود بھی یہ ہی ہوگا کہ

مجمع عام میں ان کو موقع ملے کہ مشرکین کو عاجز و مبہوت کریں اور علیٰ رؤس الاشہاد غلبہ حق کا اظہار ہو۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ۝

وہ کہنے لگے: کیا تم نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حال کیا ہے اے ابراہیم، آپ نے فرمایا: بلکہ یہ ان کے اس بڑے نے کیا ہوگا تو ان سے ہی پوچھو۔ اگر وہ بول سکتے ہیں۔

کچھ نہ کر سکنے والے بتوں کا معبود ہونا کیسے ہوگا

"قَالُوا" لَهُ بَعْد إتْيَانه "ءَأَنْتَ" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة أَلِفًا وَتَسْهِيلهَا وَإِدْخَال أَلِف بَيْن الْمُسَهَّلَة وَالْأُخْرَى وَتَرْكه

"قَالَ" سَاكِتًا عَنْ فِعْله "بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرهمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ" عَنْ فَاعِله "إنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ" فِيهِ تَقْدِيم جَوَاب الشَّرْط وَفِيمَا قَبْله تَعْرِيض لَهُمْ بِأَنَّ الصَّنَم الْمَعْلُوم عَجْزه عَنْ الْفِعْل لَا يَكُون إلَهًا

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو وہ کہنے لگے: کیا تم نے ہی ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حال کیا ہے۔ یہاں أأنت یہ ہمزوں کی تحقیق کے ساتھ اور ہمزہ ثانی کا الف سے بدلا گیا ہے۔ اور اس کی تسہیل کے ساتھ بھی اور ہمزہ تسہیل والے درمیان دخول الف کے ساتھ اور اسی طرح دوسرے اور اس کے ترک کے ساتھ بھی۔ اے ابراہیم، آپ نے فرمایا: بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے بت نے کیا ہوگا۔ آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور خاموش ہو گئے۔ تو ان بتوں سے ہی پوچھو اگر وہ بول سکتے ہیں۔ یہاں پر شرط مقدم کا جواب ہے۔ جس میں ان سے پہلے تعریض ہوئی تھی کہ کیونکہ بت جب اس طرح کا کام کرنے سے عاجز ہیں تو وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟

بت شکنی کو بڑے بت کی منسوب کرنے کی بحث کا بیان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول بطور فرض کے تھا یعنی تم یہ کیوں نہیں فرض کر لیتے کہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہوگا اور بطور فرض کے کوئی خلاف واقعہ بات کہنا جھوٹ میں داخل نہیں جیسے خود قرآن میں ہے اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ یعنی اگر اللہ رحمٰن کے کوئی لڑکا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں داخل ہوتا۔ لیکن بے غبار اور بے تاویل وہ توجیہ ہے جس کو بحر محیط، قرطبی، روح المعانی وغیرہ میں اختیار کیا ہے کہ یہ اسناد مجازی ہے جو کام ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے کیا تھا اس کو بڑے بت کی طرف بطور اسناد مجازی کے منسوب کر دیا کیونکہ اس کام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آمادہ کرنے والا یہی بت تھا اور اس کی تخصیص شاید اس وجہ سے ہو کہ ان کی برادری اس بت کی تعظیم سب سے زیادہ کرتی تھی اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے کوئی چور کی سزا میں اس کا ہاتھ کاٹ دے اور پھر کہے کہ یہ میں نے نہیں کاٹا بلکہ تیرے عمل اور تیری کجروی نے ہاتھ کاٹا ہے کیونکہ ہاتھ کاٹنے کا سبب اس کا عمل ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عملی طور پر بھی بتوں کے توڑنے کو بڑے بت کی طرف منسوب کیا تھا جیسا کہ روایات میں ہے کہ جس تبر یا کلہاڑے سے ان کے بت توڑے تھے یہ کلہاڑا بڑے بت کے مونڈھے پر یا اس کے ہاتھ میں رکھ دیا تھا کہ دیکھنے والے کو یہ خیال پیدا ہو کہ اس نے ہی یہ کام کیا ہے اور قولاً بھی اس کی طرف منسوب فرمایا تو یہ ایک اسناد مجازی ہے جیسے عربی کا مشہور مقولہ انبت الربیع البقلۃ اس کی معروف مثال ہے (یعنی موسم ربیع کی بارش نے کھیتی اگائی ہے) کہ اگرچہ اگانے والا درحقیقت حق تعالیٰ ہے مگر اس کے ایک ظاہری سبب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اور اس کو کوئی جھوٹ نہیں کہہ سکتا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑے بت کی طرف اس فعل کو عملاً اور قولاً منسوب کر دینا جھوٹ ہرگز نہیں۔ البتہ بہت سی مصالح دینیہ کے لئے یہ توریہ اختیار فرمایا ان میں ایک مصلحت تو یہی تھی کہ دیکھنے والوں کو اس طرف توجہ ہو جائے کہ شاید اس بڑے بت کو اس پر غصہ آ گیا ہو کہ میرے ساتھ عبادت میں ان چھوٹے بتوں کو کیوں شریک کیا جاتا ہے۔ اگر یہ خیال ان کے دلوں میں پیدا ہو تو توحید حق کا راستہ کھل جاتا ہے کہ جب ایک بڑا بت اپنے ساتھ چھوٹے بتوں کی شرکت گوارا نہیں کرتا تو رب العالمین ان پتھروں کی شرکت اپنے ساتھ کیسے گوارا کرے۔

دوسرے یہ کہ ان کو یہ خیال اس وقت پیدا ہونا قرین عقل ہے کہ جن کو ہم خدا اور مختار کل کہتے ہیں اگر یہ ایسے ہی ہوتے تو کوئی ان کے توڑنے پر کیسے قادر ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اگر اس فعل کو وہ بڑے بت کی طرف منسوب کر دیں تو جو بت یہ کام کر سکے کہ دوسرے بتوں کو توڑ دے اس میں گویائی کی طاقت بھی ہونی چاہئے اس لئے فرمایا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ، خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول مذکور کو بلا تاویل کے اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ کہا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس فعل کو بڑے بت کی طرف منسوب فرمایا اور یہ اسناد مجازی کے طور پر فرمایا تو اس میں کوئی جھوٹ اور خلاف واقعہ کا شبہ نہیں رہتا صرف ایک قسم کا توریہ ہے۔ (تفسیر روح المعانی، سورت الانبیاء، بیروت)

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ
لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ۝
پھر وہ اپنی ہی طرف پلٹ گئے تو کہنے لگے: بیشک تم خود ہی ظالم ہو۔ پھر وہ اپنے سروں پر الٹے کر دیے گئے،
بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں۔

بتوں کی پرستش کر کے ظلم کرنے والوں کا بیان

"فَرَجَعُوا إِلَى أَنْفُسهمْ" بِالتَّفَكُّرِ "فَقَالُوا" لِأَنْفُسِهِمْ "إِنَّكُمْ أَنْتُمْ الظَّالِمُونَ" بِعِبَادَتِكُمْ مَنْ لَا يَنْطِق "ثُمَّ نُكِسُوا" مِنْ اللَّه "عَلَى رُءُوسهمْ" أَيْ رُدُّوا إِلَى كُفْرهمْ وَقَالُوا وَاَللَّه "لَقَدْ عَلِمْت مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ" أَيْ فَكَيْفَ تَأْمُرنَا بِسُؤَالِهِمْ

پھر وہ اپنی ہی سوچوں کے ساتھ اپنی طرف پلٹ گئے تو اپنے آپ سے کہنے لگے: بیشک تم خود ہی ان مجبور و بے بس نہ بو سکنے والے بتوں کی پوجا کر کے ظالم ہو گئے ہو۔ پھر وہ اپنے سروں پر الٹے کر دیے گئے، یعنی اپنے کفر کی جانب لوٹ گئے۔ اور انہوں نے اللہ کی قسم! بلاشبہ یقیناً تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ تو یہ ہمارے سوال کا جواب کیسے دیں گے۔

اپنی حماقت سے پریشان کفار کا بیان

یہاں سے اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کی باتیں سن کر انہیں خیال تو پیدا ہو گیا۔ اپنے آپ کو اپنی بیوقوفی پر ملامت کرنے لگے۔ سخت ندامت اٹھائی اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی، اپنے معبودوں کے پاس کسی کو حفاظت کیلئے نہ چھوڑا اور چل دیئے پھر غور و فکر کر کے بات بنائی کہ آپ جو کچھ ہم سے کہتے ہیں کہ ان سے ہم پوچھ لیں کہ تمہیں کس نے توڑا ہے تو کیا آپ کو علم نہیں کہ یہ بت بیزبان ہیں؟ عاجزی حیرت اور انتہائی لاجوابی کی حالت میں انہیں اس بات کا اقرار کرنا پڑا۔

اب حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو خاصا موقعہ مل گیا اور آپ فوراً فرمانے لگے کہ بیزبان بے نفع وضرر چیز کی عبادت کیسی؟ تم کیوں اس قدر بے سمجھ رہے ہو؟ تف ہے تم پر اور تمہارے ان جھوٹے خداؤں پر آہ کس قدر ظلم و جہل ہے کہ ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے اور اللہ واحد کو چھوڑ دیا جائے؟ یہی تھی وہ دلیلیں جن کا ذکر پہلے ہوا تھا کہ ہم نے ابراہیم کو دلیلیں سکھا دیں جن سے قوم حقیقت تک پہنچ جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

اُلٹی سوچ میں پڑ جانے والے کفار کا بیان

بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہوں نے خجالت کے مارے سر جھکا لیے۔ لیکن موقع و محل اور اسلوب بیان اس معنی کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ صحیح مطلب، جو سلسلہ کلام اور انداز کلام پر نظر کرنے سے صاف سمجھ میں آ جاتا ہے، یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب سنتے ہی پہلے تو انہوں نے اپنے دلوں میں سوچا کہ واقعی ظالم تو تم خود ہو، کیسے بے جس اور بے اختیار معبودوں کو خدا بنائے بیٹھے ہو جو اپنی زبان سے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان پر کیا بیتی اور کون انہیں مار کر رکھ گیا، آخر یہ ہماری کیا مدد کریں گے جب کہ خود اپنے آپ کو بھی نہیں بچا سکتے۔ لیکن اس کے بعد فوراً ہی ان پر ضد اور جہال سوار ہو گئی اور، جیسا کہ ضد کا خاصہ ہے، اس کے سوار ہوتے ہی ان کی عقل اوندھ گئی۔ دماغ سیدھا سوچتے سوچتے یکا یک الٹا سوچنے لگا۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا يَضُرُّكُمْ۞
اُفٍّ لَّكُمْ وَ لِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۞
کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں کچھ نفع دیتی ہے اور نہ تمھیں نقصان پہنچاتی ہے؟
تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

بے بس و مجبور بتوں کا حقدار عبادت نہ ہونے کا بیان

"قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰه" أَیْ بَدَلَه "مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا" مِنْ رِزْق وَغَیْرِه "وَلَا یَضُرُّكُمْ" شَیْئًا إِذَا لَمْ تَعْبُدُوهُ،

"أُفٍّ" بِكَسْرِ الْفَاءِ وَفَتْحِهَا بِمَعْنَى مَصْدَر أَیْ نَتْنًا وَقُبْحًا "لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰه" أَیْ غَیْرِه "أَفَلَا تَعْقِلُونَ" أَنَّ هَذِهِ الْأَصْنَام لَا تَسْتَحِقّ الْعِبَادَة وَلَا تَصْلُح لَهَا وَإِنَّمَا یَسْتَحِقّهَا اللّٰه تَعَالَى

کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا یعنی اس کے بدلے میں اس چیز کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں کچھ نفع یعنی رزق وغیرہ دیتی ہے۔اور نہ تمھیں نقصان پہنچاتی ہے؟ یعنی جب تم اس کی عبادت نہ کرو۔تف ہے۔یہاں پر لفظ اُف فاء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی مصدری معنی میں آیا ہے۔یعنی نتنا اور قبحا بہ معنی افسوس ہے۔تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے کہ یہ بت عبادت کے حقدار نہیں ہیں۔اور نہ ہی اس کی صلاحیت رکھتے ہیں کیونکہ عبادت کا حقدار ہونا صرف اللہ کی ذات کیلئے ہے۔

یعنی پھر تم کو ڈوب مرجانا چاہیے کہ جو مورتی ایک لفظ نہ بول سکے، کسی آڑے وقت کام نہ آسکے، ذرہ برابر نفع و نقصان اس کے اختیار میں نہ ہو، اسے خدائی کا درجہ دے رکھا ہے، کیا اتنی موٹی بات بھی تم نہیں سمجھ سکتے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۝ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۝
وہ بولے: اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کرنے والے ہو۔ہم نے فرمایا: اے آگ!
تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دینے کا بیان

"قَالُوا حَرِّقُوهُ" أَیْ إِبْرَاهِیم "وَانْصُرُوا آلِهَتكُمْ" أَیْ بِتَحْرِیقِهِ "إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِینَ" نُصْرَتهَا فَجَمَعُوا لَهُ الْحَطَب الْكَثِیر وَأَضْرَمُوا النَّار فِی جَمِیعه وَأَوْثَقُوا إِبْرَاهِیم وَجَعَلُوهُ فِی مَنْجَنِیق وَرَمَوْهُ فِی النَّار "قُلْنَا یَا نَار كُونِی بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِیم" فَلَمْ تُحْرِقْ مِنْهُ غَیْر وَثَاقه وَذَهَبَتْ حَرَارَتهَا وَبَقِیَتْ إِضَاءَتهَا وَبِقَوْلِهِ وَسَلَامًا سَلِمَ مِنَ الْمَوْت بِبَرْدِهَا،

وہ بولے: اس کو یعنی ابراہیم کو جلا دو اور اپنے تباہ حال معبودوں کی مدد کرو۔اگر تم کچھ کرنے والے ہو۔یعنی اگر تم ان کی کچھ مدد کرسکو۔تو انہوں نے کثیر لکڑیوں کو جمع کیا۔اور ان سب کو آگ لگائی۔اور ابراہیم علیہ السلام کو رسیوں سے باندھ دیا اور انہوں نے ایک منجنیق بنائی اور ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈال دیا۔ہم نے فرمایا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سراپا سلامتی ہو جا۔پس آگ نے ان رسیوں کے سوا کسی چیز کو نہیں جلایا اور آگ کی حرارت چلی گئی۔اور اس کی روشنی باقی رہ گئی۔اور اس آیت میں سلاما یعنی موت سے سلامتی ہے جو سردی کے ساتھ آنی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قید میں ڈال دینے کا بیان

نمرود اور اس کی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا ڈالنے پر متفق ہوگئی اور انہوں نے آپ کو ایک مکان میں قید کر دیا اور قریہ کوثی میں ایک عمارت بنائی اور ایک مہینہ تک بکوششِ تمام قسم قسم کی لکڑیاں جمع کیں اور ایک عظیم آگ جلائی جس کی تپش سے ہوا میں پرواز کرنے والے پرندے جل جاتے تھے اور ایک منجنیق (گوپھن) کھڑی کی اور آپ کو باندھ کر اس میں رکھ کر آگ میں پھینکا، اس وقت آپ کی زبان مبارک پر تھا حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ ، جبریلِ امین نے آپ سے عرض کیا کہ کیا کچھ کام ہے؟ آپ نے فرمایا تم سے نہیں، جبرئیل نے عرض کیا تو اپنے رب سے سوال کیجئے! فرمایا سوال کرنے سے اس کا میرے حال کو جاننا میرے لئے کفایت کرتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورت الانبیاء، لاہور)

آگ کے گلستان بن جانے کا عجیب واقعہ

یہ قاعدہ ہے کہ جب انسان دلیل سے لاجواب ہو جاتا ہے تو یا نیکی اسے گھسیٹ لیتی ہے یا بدی غالب آ جاتی ہے۔ یہاں ان لوگوں کی بدبختی نے گھیر لیا اور دلیل سے عاجز آ کر قائل معقول ہو کر لگے اپنے دباؤ کا مظاہرہ کرنے آپس میں مشورہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال کر اس کی جان لے لو تا کہ ہمارے ان معبودوں کی عزت رہے۔ اس بات پر سب نے اتفاق کر لیا اور لکڑیاں جمع کرنی شروع کر دیں یہاں تک کہ بیمار عورتیں بھی نذر مانتی تھیں تو یہی کہ اگر انہیں شفا ہو جائے تو ابراہیم علیہ السلام کے جلانے کو لکڑیاں لائیں گی۔ زمین میں ایک بہت بڑا اور بہت گہرا گڑھا کھود الکڑیوں سے پر کیا اور انبار کھڑا کر کے اس میں آگ لگائی روئے زمین پر کبھی اتنی بڑی آگ دیکھی نہیں گئی۔ جب اُگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے اس کے پاس جانا محال ہو گیا اب گھبرائے کہ خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالیں کیسے؟ آخر ایک کردی فارسی اعرابی کے مشورے سے جس کا نام ہیزن تھا ایک منجنیق تیار کرائی گئی کہ اس میں بیٹھا کر جھولا کر پھنک دو۔

روایت ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت زمین میں دھنسا دیا اور قیامت تک وہ اندر اترتا جاتا ہے۔ جب آپکو آگ میں ڈالا گیا آپ نے فرمایا حسبی الله ونعم الوكيل ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے پاس بھی جب یہ خبر پہنچی کہ تمام عرب لشکر جرار لے کر آپ کے مقابلے کے لئے آ رہے ہیں تو آپ نے بھی یہی پڑھا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تو آسمانوں میں اکیلا معبود ہے اور توحید کے ساتھ تیرا عابد زمین پر صرف میں ہی ہوں۔

روایت ہے کہ جب کافر آپ کو باندھنے لگے تو آپ نے فرمایا الٰہی تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تیری ذات پاک ہے تمام حمد وثنا تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ سارے ملک کا تو اکیلا ہی مالک ہے کوئی بھی تیرا شریک وساجھی نہیں۔ حضرت شعیب جبائی فرماتے ہیں کہ اس وقت آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی۔

بعض سلف سے منقول ہے کہ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے سامنے آسمان وزمین کے درمیان ظاہر ہوئے اور فرمایا کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ نے جواب دیا تم سے تو کوئی حاجت نہیں البتہ اللہ تعالیٰ سے حاجت ہے۔ ابن عباس رضی

اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارش کا داروغہ فرشتہ کان لگائے ہوئے تیار تھا کہ کب اللہ کا حکم ہو اور میں اس آگ پر بارش برسا کر اسے ٹھنڈی کردوں لیکن براہ راست حکم الٰہی آگ کو ہی پہنچا کہ میرے خلیل پر سلامتی اور ٹھنڈک بن جا۔ فرماتے ہیں کہ اس حکم کے ساتھ ہی روئے زمین کی آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

دنیا بھر میں آگ کے فائدہ ہونے کے دن کا بیان

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن دنیا بھر میں آگ سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جوتیاں تو آگ نے جلا دیں لیکن آپ کے ایک رونگٹے کو بھی آگ نہ لگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر آگ کو صرف ٹھنڈا ہونے کا ہی حکم ہوتا تو پھر ٹھنڈک بھی آپ کو ضرر پہنچاتی اس لئے ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ ٹھنڈک کے ساتھ ہی سلامتی بن جا۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بہت بڑا گڑھا بہت ہی گہرا کھودا تھا اور اسے آگ سے پر کیا تھا ہر طرف آگ کے شعلے نکل رہے تھے اس میں خلیل اللہ کو ڈال دیا لیکن آگ نے آپ کو چھوا تک نہیں یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ مذکور ہے کہ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے ساتھ تھے آپ کے منہ پر سے پسینہ پونچھ رہے تھے بس اس کے سوا آپ کو آگ نے کوئی تکلیف نہیں دی۔

سدی فرماتے ہیں سایہ یا فرشتہ اس وقت آپ کے ساتھ تھا۔ روایت ہے کہ آپ اس میں چالیس یا پچاس دن رہے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زمانے میں جو راحت وسرور حاصل تھا ویسا اس سے نکلنے کے بعد حاصل نہیں ہوا کیا اچھا ہوتا کہ میری ساری زندگی اسی میں گزرتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے سب سے اچھا کلمہ جو کہا ہے وہ یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام آگ سے زندہ صحیح سالم نکلے اس وقت آپ کو پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے دیکھ کر آپ کے والد نے کہا ابراہیم تیرا رب بہت ہی بزرگ اور بڑا ہے۔

مقام نبوت کے دشمن گرگٹ کی بدبختی کا بیان

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن جو جانور نکلا وہ آپ کی آگ کو بجھانے کی کوشش کرتا رہا سوائے گرگٹ کے۔ حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرگٹ کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے اور فاسق کہا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک نیزہ دیکھ کر ایک عورت نے سوال کیا کہ یہ کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ آپ نے فرمایا گرگٹوں کو مار ڈالنے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اس وقت تمام جانور اس آگ کو بجھا رہے تھے سوائے گرگٹ کے۔ یہ پھونک رہا تھا پس آپ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم فرمایا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ان کا مکر ہم نے ان پر الٹ دیا۔ کافروں نے اللہ کے نبی علیہ السلام کو نیچا کرنا چاہا اللہ نے انہیں نیچا دکھایا۔

حضرت عطیہ عوفی کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آگ میں جلائے جانے کا تماشا دیکھنے کے لئے ان کافروں کا بادشاہ بھی آیا تھا۔ ادھر خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا جاتا ہے ادھر آگ میں سے ایک چنگاری اڑتی ہے اور اس کافر بادشاہ کے انگوٹھے پر آپڑتی ہے اور وہیں کھڑے کھڑے سب کے سامنے اس طرح اسے جلا دیتی ہے جیسے روئی جل جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، الانبیاء)

عقل کے ناقص ہونے کا بیان

عقل پرستوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آگ ٹھنڈک اور سلامتی کیسے ہوسکتی ہے۔ جبکہ خدا پرستوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب اللہ نے آگ کو حکم دیا تھا تو وہ ٹھنڈک اور سلامتی کیسے نہ ہوتی۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے اور اس کائنات میں اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے، کسی بھی چیز کا وجود اس کا ذاتی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اور دائمی نہیں بلکہ اِلٰی اَجَلٍ مُسَمًّی ہے یعنی فانی ہے۔ اسی طرح سے ہر چیز کی خصوصیت اللہ کی عطا کردہ ہے اور اس کے حکم کے تابع ہے۔ وہ جب چاہے کسی چیز کی خاصیت معطل کرسکتا ہے یا سلب کرسکتا ہے۔ دو مریض ہیں۔ دونوں کی تشخیص یکساں ہے اور دونوں کو یکساں دوا دی جارہی ہے۔ ایک صحت یاب ہوجاتا ہے۔ دوسرے کا انتقال ہوجاتا ہے۔ کیوں؟ جواب میں عقل پرست ہوسکتا یہ ہوا ہو، ہوسکتا ہے وہ ہوا ہو، کرتے ہیں لیکن ان کے پاس اس سوال کا کوئی معقول اور ٹھوس جواب نہیں ہے۔ سوائے رَجْمًا بِالْغَیْبِ کے۔ جبکہ ہمارے پاس اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ مرنے والے مریض کے لئے دوا کی تاثیر کو اللہ نے سلب کرلیا تھا۔ یہ ایمان اور عقیدہ رکھنے والوں کو قرآن میں مذکور معجزوں کو سمجھنے میں اور ماننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ○ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ○
اور انہوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ بری چال کا ارادہ کیا تھا مگر ہم نے انہیں بری طرح ناکام کردیا۔ اور ہم ابراہیم (علیہ
السلام) کو اور لوط (علیہ السلام) کو بچا کر اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔

دشمنانِ انبیاء کرام کے نامراد ہونے کا بیان

"وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا" وَهُوَ التَّحْرِيق "فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ" فِي مُرَادهمْ "وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا" ابْن أَخِيهِ هَارَان مِنَ الْعِرَاق "إِلَى الْأَرْض الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ" بِكَثْرَةِ الْأَنْهَار وَالْأَشْجَار وَهِيَ الشَّام نَزَلَ إِبْرَاهِيم بِفِلَسْطِينَ وَلُوط بِالْمُؤْتَفِكَةِ وَبَيْنهمَا يَوْم،

اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جلانے کی بری چال کا ارادہ کیا تھا مگر ہم نے انہیں مراد میں بری طرح ناکام کردیا۔ اور ہم ابراہیم علیہ السلام کو اور لوط علیہ السلام کو جو آپ کے بھتیجے یعنی آپ کے بھائی ہاران کے بیٹے عراق سے تھے، بچا کر اس سرزمینِ شام کی طرف لے گئے۔ جس میں ہم نے جہان والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ یعنی وہاں نہروں کی اور درختوں کی کثرت تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین میں تھے اور حضرت لوط علیہ السلام مقام مؤتفکہ جو ان دونوں کے درمیان تھا وہاں تشریف لے

گئے۔

یعنی مشرک تو اپنے معبودوں کی گستاخی کا اس صورت میں بدلہ لینے چاہتے تھے کہ ابراہیم کو اذیت دہ موت سے دوچار کر کے صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیں۔لیکن آپ کا آگ کے درمیان رہ کر کئی دنوں کے بعد زندہ سلامت نکل آنا ساری قوم کے لئے ایک نیا چیلنج بن گیا اور انہیں معلوم ہو گیا کہ ابراہیم کو نقصان پہنچانا ان کے بس سے باہر ہے۔اور یہ بات ان کے لئے اور بھی زیادہ دل شکنی کا باعث بن گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شام کی جانب ہجرت کا بیان

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس نے اپنے خلیل کو کافروں کی آگ سے بچا کر شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمام میٹھا پانی شام کے صحرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ کو عراق کی سرزمین سے اللہ نے نجات دی اور شام کے ملک میں پہنچایا۔شام ہی نبیوں کا ہجرت کدہ رہا۔زمین میں سے جو گھٹتا ہے وہ شام میں بڑھتا ہے اور شام کی کمی فلسطین میں زیادتی ہوتی ہے۔شام ہی محشر کی سرزمین ہے۔

یہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے،یہیں دجال قتل کیا جائے گا۔حضرت کعب فرماتے ہیں کہ آپ حران کی طرف گئے تھے۔یہاں آ کر آپ کو معلوم ہوا کہ یہاں کے بادشاہ کی لڑکی اپنی قوم کے دین سے بیزار ہے اور اس سے نفرت رکھتی ہے بلکہ ان کے اوپر طعنہ زنی کرتی ہے تو آپ نے ان سے اس قرار پر نکاح کر لیا کہ وہ آپ کے ساتھ ہجرت کر کے یہاں سے نکل چلے انہی کا نام حضرت سارہ ہے رضی اللہ عنہا۔یہ روایت غریب ہے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت سارہ آپ کے چچا کی صاحبزادی تھیں،اور آپ کے ساتھ ہجرت کر کے چلی آئی تھیں۔(تفسیر ابن کثیر،سورت الانبیاء،بیروت)

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝
اور ہم نے انہیں اسحاق (علیہ السلام) بخشا اور یعقوب (علیہ السلام ان کی دعا سے) اضافی بخشا،اور ہم نے ان سب کو صالح بنایا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے انبیائے کرام کی بعثت کا بیان

"وَوَهَبْنَا لَهُ" أَيْ لِإِبْرَاهِيم وَكَانَ سَأَلَ وَلَدًا كَمَا ذُكِرَ فِي الصَّافَّات "إِسْحَاق وَيَعْقُوب نَافِلَة" أَيْ زِيَادَة عَلَى الْمَسْئُول أَوْ هُوَ وَلَد الْوَلَد "وَكُلًّا" أَيْ هُوَ وَوَلَدَاهُ "جَعَلْنَا صَالِحِينَ" أَنْبِيَاء

اور ہم نے انہیں فرزند اسحاق علیہ السلام بخشا اور پوتا یعقوب علیہ السلام ان کی دعا سے اضافی بخشا،یعنی وہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے یعقوب علیہ السلام عطا ہوئے۔اور ہم نے ان سب کو صالح بنایا تھا۔یعنی ان کی اولاد میں انبیائے کرام کی بعثت فرمائی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ہجرت مکے شریف میں ختم ہوئی مکے ہی کی نسبت جناب باری فرماتا ہے کہ یہ اللہ کا پہلا گھر ہے جو برکت وہدایت والا ہے،جس میں علاوہ اور بہت سی نشانیوں کے مقام ابراہیم بھی ہے۔اس میں آجانے والا امن

وسلامتی میں آ جاتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ہم نے اسے اسحاق دیا اور یعقوب کا عطیہ بھی کیا۔ یعنی لڑکا اور پوتا جیسے فرمان ہے آیت (فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ 71)۔ 11ھود: 71) چونکہ خلیل اللہ علیہ السلام کے سوال میں ایک لڑکے ہی کی طلب تھی دعا کی تھی کہ آیت (رب هب لی من الصالحین) اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور لڑکے کے ہاں بھی لڑکا دیا جو سوال سے زائد تھا اور سب کو نیکو کار بنایا۔ ان سب کو دنیا کا مقتدا اور پیشوا بنا دیا کہ بحکم الٰہی خلق اللہ کو راہ حق کی دعوت دیتے رہے۔ ان کی طرف ہم نے نیک کاموں کی وحی فرمائی۔ اس عام بات پر عطف ڈال کر پھر خاص باتیں یعنی نماز اور زکوٰۃ کا بیان فرمایا۔ اور ارشاد ہوا کہ وہ علاوہ ان نیک کاموں کے حکم کے خود بھی ان نیکیوں پر عامل تھے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ
وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝
اور ہم نے انہیں ایسے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے ساتھ رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیاں کرنے
اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی اور وہ صرف ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

اولاد ابراہیم کو پیشوا بنانے کا بیان

"وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّة" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَإِبْدَال الثَّانِيَة يَاء يُقْتَدَى بِهِمْ فِي الْخَيْر "يَهْدُونَ" النَّاس "بِأَمْرِنَا" إلَى دِيننَا "وَأَوْحَيْنَا إلَيْهِمْ فِعْل الْخَيْرَات وَإِقَامَة الصَّلَاة وَإِيتَاء الزَّكَاة" أَيْ أَنْ تُفْعَل وَتُقَام وَتُؤْتَى مِنْهُمْ وَمِنْ أَتْبَاعهمْ وَحُذِفَ هَاء إقَامَة تَخْفِيف، وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ؛

اور ہم نے انہیں ایسے پیشوا بنایا۔ لفظ ائمہ دو ہمزوں کے ساتھ جبکہ ہمزہ ثانی کا یاء ابدال ہوا ہے۔ بھلائی میں ان کی اقتداء کی جائے۔ جو ہمارے حکم یعنی دین کے ساتھ لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیاں کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی بھیجی کہ ان تینوں اچھے اعمال کو بجالائیں اور ان کی اتباع والے بھی کریں۔ اور تخفیف کے پیش نظر اقامۃ کی حاء کو حذف بھی کیا گیا ہے۔ اور وہ صرف ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

حضرت ابراہیم نے بڑھاپے کی عمر اولاد کے لئے دعا کی تو اللہ نے حضرت اسحاق عطا فرمایا پھر حضرت ابراہیم نے بیٹے حضرت اسحاق کے ہاں حضرت یعقوب پیدا ہوئے اور تینوں ہی نبی تھے اور یہ تو واضح ہے کہ نبی اپنے دور کا صالح ترین فرد ہوتا ہے اور ان سب انبیاء کی شریعتوں میں نماز اور زکوٰۃ ایسے ہی فرض تھی جیسے شریعت محمدیہ میں فرض کی گئی ہے البتہ جزئیات کا اختلاف ہوتا ہی رہا ہے۔

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَؕ
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۝

اور لوط، ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور اسے اس بستی سے نجات دی جو گندے کام کیا کرتی تھی۔

یقیناً وہ برے لوگ تھے جو نافرمان تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے برے اعمال کا بیان

"وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا" فَصْلًا بَيْنَ الْخُصُوم "وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَة الَّتِي كَانَتْ تَعْمَل" أَيْ أَهْلهَا الْأَعْمَال "الْخَبَائِث" مِنَ اللِّوَاط وَالرَّمْي بِالْبُنْدُقِ وَاللَّعِب بِالطُّيُورِ وَغَيْر ذَلِكَ "إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْم سَوْء" مَصْدَر سَاءَهُ نَقِيض سَرَّهُ

اور لوط، ہم نے اسے حکم یعنی دو جھگڑا کرنے والوں کے درمیان حکم اور علم عطا فرمایا اور اسے اس بستی سے نجات دی جو گندے کام کیا کرتی تھی۔ یعنی وہ لواطت، راستے سے گزرنے والے مسافروں کو ڈھیلے مارنا اور پرندوں کی لڑائیاں کرانا وغیرہ تھے۔ یقیناً وہ برے لوگ تھے جو نافرمان تھے۔ یہاں پر سَوء یہ ساء کا مصدر ہے اور اس کی نقیض سرہ ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ولوطا اتینه ۔اس میں جملہ کی دو صورتیں ہیں۔(1) یہ کہ یہ جملہ سابقہ جملہ وھبنا لہ پر عطف ہے۔ای وھبنا له اسحق و (اتینا) لوطا اتینه ۔الخ لوطا منصوب بوجہ فعل مضمر ہے۔

(2) یہ جملہ مستانفہ ہے اور اس سے قبل اذکر محذوف ہے اور لوطا اس کا مفعول ہے۔حکما۔حکمت۔یا حکم یحکم کا مصدر ہے بمعنی فیصلہ کرنا۔اور یہ دونوں صفات نبوت کو مستلزم ہیں۔کانت تعمل الخبئث جو رذیل کام کیا کرتی تھی۔یعنی جس بستی کے باشندے رذیل کام کیا کرتے تھے۔

سوء ۔ساء یسوء کا مصدر ہے۔برا ہونا۔قوم سوء۔مضاف مضاف الیہ ہیں۔ای اصحاب عمل سی ء۔اعمال بد کی حامل قوم۔ قوم منصوب بوجہ خبر کانوا ہے۔فاسقین ۔ای خارجین عن طاعة الله۔نافرمان قوم۔

حضرت لوط علیہ السلام کیلئے امن ہونے کا بیان

حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے۔لوط بن ہاران بن آزر علیہ السلام۔آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور آپ کی تابعداری میں آپ ہی کے ساتھ ہجرت کی تھی۔جیسے کلام اللہ شریف میں ہے آیت (فَاٰمَنَ لَهُ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ 26)۔29العنکبوت:26) حضرت لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، پس اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت و علم عطا فرمایا اور وحی نازل فرمائی اور نبیوں کے پاک زمرے میں داخل کیا۔ اور سدوم اور اس کے آس پاس کی بستیوں کی طرف آپ کو بھیجا۔انہوں نے نہ مانا مخالفت پر کمر بستگی کر لی۔جس کے باعث عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور فنا کر دیئے گئے، جن کی بربادی کے واقعات اللہ تعالیٰ کی کتاب عزیز میں کئی جگہ بیان ہوئے ہیں یہاں فرمایا

کہ ہم نے انہیں بدترین کام کرنے والے فاسقوں کی بستی سے نجات دے دی اور چونکہ وہ اعلیٰ نیکوکار تھے ہم نے انہیں اپنی رحمت میں داخل کرلیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَ اَدۡخَلۡنٰهُ فِیۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝ وَ نُوۡحًا اِذۡ نَادٰی مِنۡ قَبۡلُ
فَاسۡتَجَبۡنَا لَهٗ فَنَجَّیۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ۝
اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اپنے حریم رحمت میں داخل فرمالیا۔ بیشک وہ صالحین میں سے تھے۔ اور نوح (علیہ السلام)
جب انہوں نے ان سے پہلے پکارا تھا سو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی پس ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو
بڑے شدید غم واندوہ سے نجات بخشی۔

اللہ کے صالحین بندوں کیلئے دنیاوی عذاب سے بھی نجات کا بیان

"وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتنَا " بِأَنْ أَنْجَيْنَاهُ مِنْ قَوْمه، إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِين، "وَ" اُذْكُرْ "نُوحًا" وَمَا بَعْده بَدَل مِنْهُ "إِذْ نَادَى" دَعَا عَلَى قَوْمه بِقَوْلِهِ "رَبّ لَا تَذَر" إلَخ "مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْل إبْرَاهِيم وَلُوط "فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ" الَّذِينَ فِي سَفِينَته "مِنْ الْكَرْب الْعَظِيم" أَيْ الْغَرَق وَتَكْذِيب قَوْمه لَهُ

اور ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنے حریم رحمت میں داخل فرما کر ان کی قوم سے نجات دی۔ بیشک وہ صالحین میں سے تھے۔ اور نوح علیہ السلام کو بھی یاد کریں۔ یہاں پر لفظ نوح کہ اس کا مابعد اس سے بدل ہے۔ جب انہوں نے حضرت ابراہیم ولوط علیہما السلام سے پہلے ہمیں اپنی قوم کیلئے پکارا تھا یعنی ان کا یہ قول "رَبّ لَا تَذَر " إلَخ "" لہٰذا ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی پس ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو یعنی وہ لوگ جو ان کی کشتی میں تھے۔ بڑے شدید غم واندوہ یعنی غرق ہونے سے نجات بخشی۔ اور آپ کو قوم کی تکذیب سے نجات دی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا بیان

نوح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم نے ستایا تکلیفیں دیں تو آپ نے اللہ کو پکارا کہ باری تعالیٰ میں عاجز آ گیا ہوں تو میری مدد فرما۔ زمین پر ان کافروں میں کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکائیں گے۔ اور ان کی اولادیں بھی ایسی ہی فاجر کافر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو اور مومنوں کو نجات دی اور آپ کے اہل کو بھی سوائے ان کے جن کے نام برباد ہونے والوں میں آ گئے تھے۔ آپ پر ایمان لانے والوں کی بہت ہی کم مقدار تھی۔ قوم کی سختی، ایذاء دہی، اور تکلیف سے اللہ عالم نے اپنے نبی کو بچالیا۔ ساڑھے نوسو سال تک آپ ان میں رہے اور انہیں دین اسلام کی طرف بلاتے رہے مگر سوائے چند لوگوں کے اور سب اپنے شرک وکفر سے باز نہ آئے بلکہ آپ کو سخت ایذائیں دیں اور ایک دوسرے کو اذیت دینے کے لیے بھڑکاتے رہے۔ ہم نے ان کی مدد فرمائی اور عزت آبرو کے ساتھ کفار کی ایذاء رسانیوں سے چھٹکارا دیا اور ان برے لوگوں

کوٹھکانے لگادیا۔اور نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق روئے زمین پر ایک بھی کافر نہ بچا سب ڈبودئے گئے۔

وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝
اور ہم نے ان لوگوں کے خلاف اس کی مدد کی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، بے شک وہ برے لوگ تھے۔
تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا

اہل ایمان کے حق میں اللہ کی مدد کا بیان

"وَنَصَرْنَاهُ" مَنَعْنَاهُ "مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا" الدَّالَّة عَلٰی رِسَالَتِه أَنْ لَا یَصِلُوْا اِلَیْهِ بِسُوْءٍ "اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنَاهُمْ اَجْمَعِیْنَ"

اور ہم نے ان لوگوں کے خلاف اس کی مدد کی جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، جو آپ کی رسالت پر دلالت کرتی ہیں۔تاکہ آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔بے شک وہ برے لوگ تھے تو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا مرکز تبلیغ عراق کا دریائے دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ تھا۔آپ پہلے نبی ہیں جنہوں نے شرک کے خلاف جہاد کیا۔آپ کی بعثت سے پہلے آپ کی قوم بت پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی اور تاریخ انسانیت میں یہ پہلی قوم تھی جس نے بت پوجنا شروع کئے تھے۔آپ کی قوم انتہائی ضدی اور ہٹ دھرم واقع ہوئی تھی۔آپ نے ان کے خلاف ساڑھے نوسو سال جہاد کیا۔ مگر معدودے چند آدمیوں کے سوا کوئی آپ پر ایمان نہ لایا۔بلکہ آپ کی اور آپ کے گنتی کے چند پیروکاروں کی زندگی اجیران بنا رکھی تھی۔آپ کے اتنے طویل کے لئے صبر و برداشت کی داد دینا پڑتی ہے۔ایک دفعہ آپ نے نہایت مغموم لہجہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی: (رَبِّ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ) یعنی اے میرے پروردگار میں ان لوگوں سے دب گیا ہوں سو اب تو ہی ان سے میرا بدلہ لے۔اور ایک دفعہ ان کی ضد، ہٹ دھرمی سے نہایت مایوس ہو کر بڑی دعا کی: پروردگار! زمین پر کافروں کا کوئی بھی گھرانہ باقی نہ رہنے دے۔کیونکہ جو اولاد یہ جنیں گے وہ بھی فاجر اور کافر ہی ہوگی۔جس سے ایمان لانے کی کوئی توقع نہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نوح کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔اس وقت روئے زمین پر صرف یہی علاقہ انسانوں سے آباد تھا۔اللہ تعالیٰ نے ایسا طوفان بھیجا جس میں تمام کافر ڈوب کر مر گئے اور حضرت نوح اور ان کے متبعین کو اللہ تعالیٰ نے کشتی پر سوار کر کے بچا لیا۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۝
اور داؤد اور سلیمان جب وہ دونوں کھیتی میں فیصلہ کرنے لگے جب ایک قوم کی بکریاں اس میں رات کے وقت بغیر چرواہے
کے گھس گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔

حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا بکریوں سے متعلق فیصلہ کا بیان

"وَ" اذْكُرْ "دَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ" أَیْ قِصَّتَهُمَا وَیُبْدَلُ مِنْهُمَا "اِذْ یَحْكُمَانِ فِی الْحَرْثِ" هُوَ زَرْعٌ أَوْ كَرْمٌ

"اِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ" أَيْ رَعَتْهُ لَيْلًا بِلَا رَاعٍ بِأَنْ انْفَلَتَتْ "وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ" فِيهِ اسْتِعْمَالُ ضَمِيْرِ الْجَمْعِ لِاثْنَيْنِ قَالَ دَاوُد : لِصَاحِبِ الْحَرْثِ رِقَابُ الْغَنَمِ وَقَالَ سُلَيْمَان : يَنْتَفِعُ بِدَرِّهَا وَنَسْلِهَا وَصُوفِهَا إِلَى أَنْ يَعُوْدَ الْحَرْثُ كَمَا كَانَ بِإِصْلَاحِ صَاحِبِهَا فَيَرُدُّهَا إِلَيْهِ

اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا قصہ بھی یاد کریں۔ یہاں پر "وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ" إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ سے بدل ہے۔ جب وہ دونوں کھیتی کے ایک مقدمہ میں فیصلہ کرنے لگے۔ جو غلہ یا انگور کی کھیتی تھی۔ جب ایک قوم کی بکریاں اس میں رات کے وقت بغیر چرواہے کے گھس گئی تھیں۔ یعنی بغیر چرواہے کے کھیت چر گئیں۔ اور اس کھیتی کو تباہ کر دیا تھا، اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ یہاں پر دو کیلئے جمع کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے کھیتی والے سے کہا بکریوں کا ریوڑ لے لو۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ کھیتی والا بکریوں کو لے جائے ان کے دودھ، نسل اور دودھ سے فائدہ اٹھائے حتی کہ کھیتی صحیح ہو کر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آئے۔

مختلف فیصلوں میں صحت حکم کا بیان

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس آئے ان میں سے ایک کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا مالک تھا کھیت کے مالک نے کہا۔ اس آدمی نے اپنی بکریاں میرے کھیت میں ہانک دیں اور میرے کھیت میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: جاؤ یہ ساری بکریاں تیری ہیں۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تھا۔ پھر بکریوں والا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس گیا اور ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کا کیا ہوا فیصلہ بتایا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے سوا ایک اور فیصلہ ہے حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: وہ کیا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کھیت والے کو تو معلوم ہے کہ ہر سال اسکی کتنی فصل ہوتی ہے وہ اس فصل کی قیمت بکریوں والے سے وصول کرے اور بکریوں والا بکریوں کے بال، اون اور ان کے بچوں کو بیچ کر وہ قیمت ادا کرے۔ جبکہ بکریوں کی نسل تو ہر سال چلتی رہتی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تم نے صحیح فیصلہ کیا اور فیصلہ بھی ہے۔ (جامع البیان رقم الحدیث ۱۸۶۵۶)

قرآن سنت سے مذکورہ دونوں مسائل سابقہ شریعتوں سے ذکر کیے گئے ہیں اب ہم اجتہاد کا ثبوت موجودہ شریعت یعنی شریعت مصطفویہ ﷺ سے اجتہاد کا ثبوت پیش کر رہے ہیں

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور پوچھا تم کس طرح فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے کہا میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تصریح نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے نمائندہ کو توفیق دی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب حاکم اجتہاد سے کوئی فیصلہ کرے اور وہ صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ فیصلہ کرنے میں خطاء کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ (جامع ترمذی ج ا ص ۱۵۸،۵۹، لاہور)

کھیت کو چرنے والے جانوروں سے متعلق فیصلے کا بیان

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ کھیتی انگور کی تھی جس کے خوشے لٹک رہے تھے نفشت کے معنی ہیں رات کے وقت جانوروں کے چرنے کے۔ اور دن کے وقت چرنے کو عربی میں ہمل کہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس باغ کو بکریوں نے بگاڑ دیا، حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ فیصلہ کیا کہ باغ کے نقصان کے بدلے یہ بکریاں باغ والے کو دے دی جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ سن کر عرض کی کہ اے اللہ کے نبی علیہ السلام اس کے سوا بھی فیصلے کی کوئی صورت ہے؟ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ جواب دیا کہ بکریاں باغ والے کے حوالے کر دی جائیں وہ ان سے فائدہ اٹھاتا رہے اور باغ بکری والے کو دے دیا جائے یہ اس میں انگور کی بیلوں کی خدمت کرے یہاں تک کہ بیلیں ٹھیک ٹھاک ہو جائیں انگور لگیں اور پھر اسی حالت پر آ جائیں جس پر تھے تو باغ والے کو اس کا باغ سونپ دے اور باغ والا اسے اس کی بکریاں سونپ دے۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے کہ ہم نے اس جھگڑے کا صحیح فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فیصلہ سن کر بکریوں والے اپنا سا منہ لے کر صرف کتوں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے واپس جا رہے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے انہیں دیکھ کر دریافت کیا کہ تمہارا فیصلہ کیا ہوا؟ انہوں نے خبر دی تو آپ نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو یہ فیصلہ نہ دیتا بلکہ کچھ اور فیصلہ کرتا حضرت داؤد علیہ السلام کو جب یہ بات پہنچی تو آپ نے انہیں بلوایا اور پوچھا کہ بیٹے تم کیا فیصلہ کرتے؟ آپ نے وہی اوپر والا فیصلہ سنایا۔

حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان بکریوں نے خوشے اور پتے سب کھا لئے تھے۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کے خلاف حضرت سلیمان علیہ السلام نے فیصلہ دیا کہ ان لوگوں کی بکریاں باغ والوں کو دے دی جائیں اور یہ باغ انہیں سونپا جائے جب تک باغ اپنی اصلی حالت پر آئے تب تک بکریوں کے بچے اور ان کا دودھ اور ان کا کل نفع باغ والوں کا۔ پھر ہر ایک کو ان کی چیز سونپ دی جائے۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی ایک ایسا ہی جھگڑا آیا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر دن کو بکریوں نے نقصان پہنچایا ہے تب تو کوئی معاوضہ نہیں۔ اور اگر رات کو نقصان پہنچایا ہے تو بکریوں والے ضامن ہیں۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کسی باغ میں چلی گئی اور وہاں باغ کا بڑا نقصان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ باغ والوں پر دن کے وقت باغ کی حفاظت ہے اور جو نقصان جانوروں سے رات کو ہو اس کا جرمانہ جانور والوں پر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ○

چنانچہ ہم ہی نے سلیمان (علیہ السلام) کو وہ سکھایا تھا اور ہم نے ان سب کو حکمت اور علم سے نوازا تھا اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ پابند کر دیا تھا وہ تسبیح پڑھتے تھے، اور ہم ہی کرنے والے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کا بیان

"فَفَهَّمْنَاهَا" أَيْ الْحُكُومَة "سُلَيْمَان" وَحُكْمهمَا بِاجْتِهَادٍ وَرَجَعَ دَاوُد إِلَى سُلَيْمَان وَقِيلَ بِوَحْيٍ وَالثَّانِي نَاسِخ لِلْأَوَّلِ "وَكُلًّا" مِنْهُمَا "آتَيْنَا" ءاتَيْنَاهُ "حُكْمًا" نُبُوَّة "وَعِلْمًا" بِأُمُورِ الدِّين "وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُد الْجِبَال يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْر" كَذَلِكَ سُخِّرَا لِلتَّسْبِيحِ مَعَهُ لِأَمْرِهِ بِهِ إِذَا وَجَدَ فَتْرَة لِيَنْشَط لَهُ "وَكُنَّا فَاعِلِينَ" تَسْخِير تَسْبِيحهمَا مَعَهُ وَإِنْ كَانَ عَجَبًا عِنْدكُمْ : أَيْ مُجَاوَبَته لِلسَّيِّدِ دَاوُد

چنانچہ ہم ہی نے سلیمان علیہ السلام کو وہ فیصلہ کرنے کا طریقہ سکھایا تھا یعنی ان دونوں نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا اور داؤد علیہ السلام نے سلیمان علیہ السلام کی طرف رجوع کیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ فیصلے وحی کے ساتھ تھے۔ اور دوسرا حکم پہلے کا ناسخ ہے اور ہم نے ان سب کو حکمت یعنی نبوت اور علم یعنی امور دین سے نوازا تھا اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں تک کو داؤد علیہ السلام کے حکم کے ساتھ پابند کر دیا تھا وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح پڑھتے تھے، جب وہ سستی کرتے تھے تو وہ تسبیح کا حکم دیتے اور ہم ہی یہ سب کچھ کرنے والے تھے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کے ساتھ دونوں کی تسبیح پڑھنے کو مسخر کیا۔ اگر چہ تمہارے لئے ان کا تسبیح کرنا عجیب لگے۔ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کو ان کا جواب دینا اگر چہ عجیب لگے۔

دو عورتوں کے بچوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا یہ قصہ بیان فرمایا کہ دو عورتیں تھیں اور ان دونوں کے پاس ایک ایک لڑکا تھا، (ایک دن) ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک عورت کے لڑکے کو اٹھا کر لے گیا، (اب دونوں نے آپس میں جھگڑنا شروع کیا، ایک نے کہا کہ بھیڑیا جس لڑکے کو لے گیا ہے وہ تیرا تھا اور دوسری نے کہا کہ نہیں وہ تیرا لڑکا تھا، آخر کار دونوں اپنا مقدمہ لے کر حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچیں اور حضرت داؤد علیہ السلام نے (دونوں کے بیانات سن کر) موجود لڑکا بڑی عمر کی عورت کو دلوا دیا،

پھر وہ دونوں عورتیں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئیں اور ان سے (پورا قضیہ اور حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ) بیان کیا (نیز انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اپنا فیصلہ دینے کا کہا) حضرت سلیمان علیہ السلام نے (صورت واقعہ کی نزاکت اور پیچیدگی کو سمجھ کر (اپنے خادموں سے) کہا کہ ذرا چھری اٹھا لاؤ میں اس لڑکے کو بیچ میں سے دو ٹکڑے کر کے ان دونوں

عورتوں میں بانٹ دوں گا۔ چھوٹی عمر کی عورت (نے ان کا یہ فیصلہ سنا تو تڑپ اٹھی اور کہنے لگی: اللہ آپ پر رحم کرے ایسا نہ کیجئے لڑکا بڑی عمر والی عورت ہی کو دے دیجئے، یہ اسی کا ہے (یہ دیکھ کر) حضرت سلیمان علیہ السلام نے چھوٹی عمر والی عورت کے حق میں فیصلہ کیا اور اس کو لڑکا دلوا دیا۔ (بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 283)

عورت پر تہمت سے متعلق فیصلے کا بیان

ایسا ہی ایک واقعہ ابن عساکر میں ہے کہ ایک خوبصورت عورت سے ایک رئیس نے ملنا چاہا لیکن عورت نے نہ مانا اسی طرح تین اور شخصوں نے بھی اس سے بدکاری کا ارادہ کیا لیکن وہ باز رہی۔ اس پر وہ رؤسا خار کھا گئے اور آپس میں اتفاق کر کے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں جا کر سب نے گواہی دی کہ وہ عورت اپنے کتے سے ایسا کام کرتی ہے چاروں کے متفقہ بیان پر حکم ہو گیا کہ اسے رجم کر دیا جائے۔ اسی شام کو حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر خود حاکم بنے اور چار لڑکے ان لوگوں کی طرح آپ کے پاس اس مقدمے کو لائے اور ایک عورت کی نسبت یہی کہا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا ان چاروں کو الگ الگ کر دو۔ پھر ایک کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا کہ اس کتے کا رنگ کیسا تھا؟ اس نے کہا سیاہ۔ پھر دوسرے کو تنہا بلایا اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سرخ۔ تیسرے نے کہا خاکی۔ چوتھے نے کہا سفید آپ نے اسی وقت فیصلہ دیا کہ عورت پر یہ نری تہمت ہے اور ان چاروں کو قتل کر دیا جائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بھی یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ نے اسی وقت فی الفور ان چاروں امیروں کو بلایا اور اسی طرح الگ الگ ان سے اس کتے کا رنگ کی بابت سوال کیا۔ یہ گڑبڑا گئے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا۔ آپ کو ان کا جھوٹ معلوم ہو گیا اور حکم فرمایا کہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ (تاریخ ابن عساکر، مطبوعہ بیروت)

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ○
اور ہم نے داؤد (علیہ السلام) کو تمہارے لئے زِرہ بنانے کا فن سکھایا تھا تا کہ وہ تمہاری لڑائی میں
تمہیں ضرر سے بچائے، تو کیا تم شکر گزار ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا زرہ کو بنانے کا بیان

"وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوس " وَهِيَ الدِّرْع لِأَنَّهَا تُلْبَس وَهُوَ أَوَّل مَنْ صَنَعَهَا وَكَانَ قَبْلهَا صَفَائِح "لَكُمْ" فِي جُمْلَة النَّاس "لِتُحْصِنكُمْ" بِالنُّونِ لِلَّهِ وَبِالتَّحْتَانِيَّة لِدَاوُد وبِالْفَوْقَانِيَّةِ لِلَّبُوسِ "مِنْ بَأْسكُمْ " حَرْبكُمْ مَعَ أَعْدَائِكُمْ "فَهَلْ أَنْتُمْ" يَا أَهْل مَكَّة "شَاكِرُونَ" نِعَمِي بِتَصْدِيقِ الرَّسُول : أَيْ اُشْكُرُونِي بِذَلِكَ

اور ہم نے داؤد علیہ السلام کو تمہارے لئے زِرہ بنانے کا فن سکھایا تھا اور زرہ تھی جس کو پہنا جاتا ہے اس سے پہلے لوہے کی پلیٹیں تھیں۔ اور آپ تمام لوگوں میں وہ پہلے ہیں جنہوں نے اس کو بنایا تا کہ وہ تمہاری لڑائی میں تمہیں ضرر سے بچائے، یہاں پر تحصن نون

کے ساتھ آیا ہے۔ اور یائے تحتانیہ کے ساتھ ہیں۔ اور فوقانیہ کے ساتھ لبوس ہے۔ تو کیا تم یعنی اے اہل مکہ! شکر گزار ہو۔ یعنی میری نعمتوں کا کی شکر گزاری رسول مکرم ﷺ کی تصدیق ہے۔ لہٰذا تم اس طرح شکر ادا کرو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا بیان

حضرت داؤد علیہ السلام کو وہ نورانی گلا عطا فرمایا گیا تھا اور آپ ایسی خوش آوازی اور خلوص کے ساتھ زبور پڑھتے تھے کہ پرند بھی اپنی پرواز چھوڑ کر تھم جاتے تھے اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگتے تھے اسی طرح پہاڑ بھی۔ ایک روایت میں ہے کہ رات کے وقت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تلاوت قرآن کریم کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی میٹھی رسیلی اور خلوص بھری آواز سن کر ٹھہر گئے اور دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے یہ تو آل داؤد کی آوازوں کی شیرینی دیئے گئے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا تو فرمانے لگے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری قرأت سن رہے ہیں تو میں اور بھی اچھی طرح پڑھتا۔

حضرت ابوعثمان نہدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے تو کسی بہتر سے بہتر باجے کی آواز میں بھی وہ مزہ نہیں پایا جو حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز میں تھا۔ پس اتنی خوش آوازی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی کا ایک حصہ قرار دیا۔ اب سمجھ لیجئے کہ خود داؤد علیہ السلام کی آواز کیسی ہوگی؟ (تفسیر ابن ابی حاتم، الانبیاء، بیروت)

حضرت داؤد علیہ السلام اور زرہ کی ایجاد کا بیان

حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہیں بنانی ہم نے سکھا دی تھیں۔ آپ کے زمانے سے پہلے بغیر کنڈلوں اور بغیر حلقوں کی زرہ بنتی تھیں۔ کنڈلوں دار اور حلقوں والی زرہیں آپ نے ہی بنائیں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا کہ وہ بہترین زرہ تیار کریں اور ٹھیک انداز سے ان میں حلقے بنائیں۔ یہ زرہیں میدان جنگ میں کام آتی تھیں۔ پس یہ نعمت وہ تھی جس پر لوگوں کو اللہ کی شکر گزاری کرنی چاہے۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝
اور سلیمان کے لیے ہوا۔ جو تیز چلنے والی تھی، اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت
رکھی اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے ہوا کے مسخر ہونے کا بیان

"وَ" "لِسُلَيْمَان الرِّيح عَاصِفَة" وَفِي آيَة أُخْرَى رَخَاء أَيْ شَدِيدَة الْهُبُوب وَخَفِيفَته حَسَب إرَادَته "تَجْرِي بِأَمْرِهِ إلَى الْأَرْض الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا" وَهِيَ الشَّام "وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْء عَالِمِينَ" مِنْ ذَلِكَ عَلِمَ اللّٰه تَعَالَى بِأَنَّ مَا يُعْطِيه سُلَيْمَان يَدْعُوهُ إلَى الْخُضُوع لِرَبِّهِ فَفَعَلَهُ تَعَالَى عَلَى مُقْتَضَى عِلْمه

اور سلیمان کے لیے ہوا مسخر کر دی۔ جو تیز چلنے والی تھی، اور دوسری آیت میں لفظ رخاء آیا ہے یعنی ہوا کو نرم کر دیا جو تیز اور آہستہ ہونے میں آپ کے حکم کے تابع تھی۔ آپ کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور وہ شام ہے اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو دیا گیا آپ خضوع کی طرف بلانے والے ہیں۔ لہٰذا اللہ نے جیسا تقاضہ تھا ویسا ہی کر دیا۔

ہم نے زور آور ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا جو انہیں ان کے فرمان کے مطابق برکت والی زمین یعنی ملک شام میں پہنچا دیتی تھی۔ ہمیں ہر چیز کا علم ہے۔ آپ اپنے تخت پر مع اپنے لاؤ لشکر اور سامان اسباب کے بیٹھ جاتے تھے۔ پھر جہاں جانا چاہتے ہوا آپ کو آپ کے فرمان کے مطابق گھڑی بھر میں وہاں پہنچا دیتی۔ تخت کے اوپر سے پرند پر کھولے آپ پر سایہ ڈالتے جیسے فرمان ہے آیت (فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ، ص:36) یعنی ہم نے ہوا کو ان کا تابع کر دیا کہ جہاں پہنچنا چاہتے ان کے حکم کے مطابق اسی طرف نرمی سے لے چلتی۔ صبح شام مہینہ مہینہ بھر کی راہ کو طے کر لیتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کا بیان

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ چھ ہزار کرسی لگائی جاتی۔ آپ کے قریب مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے۔ پھر آپ کے حکم سے سب پر پرند سایہ کرتے پھر حکم کرتے تو ہوا آپ کو لے چلتی۔ عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم دیتے وہ مثل بڑے تودے کے جمع ہو جاتی گویا پہاڑ ہے پھر اس کے سب سے بلند مکان پر فرش افروز ہونے کا حکم دیتے پھر پہر دار گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے فرش پر چڑھ جاتے پھر ہوا کو حکم دیتے وہ آپ کو بلندی پر لے جاتی آپ اس وقت سر نیچا کر لیتے دائیں بائیں بالکل نہ دیکھتے اس میں آپ کی تواضع اور اللہ کی شکر گزاری مقصود ہوتی تھی۔ کیونکہ آپ کو اپنی فروتنی کا علم تھا۔ پھر جہاں آپ حکم دیتے وہیں ہوا آپ کو اتار دیتی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝
اور کئی شیطان جو اس کے لیے غوطہ لگاتے تھے اور اس کے علاوہ کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے کئی چیزوں کو مسخر کرنے کا بیان

"وَ" "مِنَ الشَّيَاطِين مَنْ يَغُوصُونَ لَهُ" يَدْخُلُونَ فِي الْبَحْر فَيُخْرِجُونَ مِنْهُ الْجَوَاهِر لِسُلَيْمَان "وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُون ذَلِكَ" أَيْ سِوَى الْغَوْص مِنْ الْبِنَاء وَغَيْره "وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ" مِنْ أَنْ يُفْسِدُوا مَا عَمِلُوا لِأَنَّهُمْ كَانُوا إذَا فَرَغُوا مِنْ عَمَل قَبْل اللَّيْل أَفْسَدُوهُ إنْ لَمْ يَشْتَغِلُوا بِغَيْرِهِ

اور کئی شیطان جو ان کے لیے غوطہ لگاتے تھے یعنی وہ سمندر میں داخل ہوتے ہیں تو اس سے سلیمان علیہ السلام کیلئے جواہر نکالتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ کام بھی کرتے تھے یعنی وہ تعمیرات وغیرہ کا کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم ان کے نگہبان تھے۔ کہ وہ فساد

کرتے جو وہ کام کرتے کیونکہ جب وہ رات سے پہلے کاموں سے فارغ ہو جاتے تو اگر انہیں کسی اور کام میں مشغول نہ کیا جاتا تو وہ خراب کر دیتے تھے۔

اسی طرح سرکش جنات بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے قبضے میں کر دیئے تھے جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر وغیرہ نکال لایا کرتے تھے اور بھی بہت سے کام کاج کرتے تھے جیسے فرمان ہے آیت (وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّغَوَّاصٍ ص:37) ہم نے سرکش جنوں کو ان کا ماتحت کر دیا تھا جو معمار تھے اور غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ اور شیاطین بھی ان کے ماتحت تھے جو زنجیروں میں بندھے رہتے تھے اور ہم ہی سلیمان کے حافظ ونگہبان تھے کوئی شیطان انہیں برائی نہ پہنچا سکتا تھا بلکہ سب کے سب ان کے ماتحت فرماں بردار اور تابع تھے کوئی ان کے قریب بھی نہ پھٹک سکتا تھا کی آپ کی حکمرانی ان پر چلتی تھی جسے چاہتے قید کر لیتے جسے چاہتے آزاد کر دیتے اسی کو فرمایا کہ اور جنات تھے جو جکڑے رہا کرتے تھے۔

وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ٥
اور ایوب (علیہ السلام) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف چھو رہی ہے
اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے امتحان کا بیان

"و" اُذْكُرْ "اَيُّوب" وَيُبْدَل مِنْهُ "إِذْ نَادَى رَبّه" لَـمَّا اُبْتُلِيَ بِفَقْدِ جَمِيع مَاله وَوَلَده وَتَمْزِيق جَسَده وَهَجْر جَمِيع النَّاس لَهُ إِلَّا زَوْجَته سِنِينَ ثَلَاثًا أَوْ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِيَ عَشْرَة وَضِيق عَيْشه "أَنِّي" بِفَتْحِ الْهَمْزَة بِتَقْدِيرِ الْيَاء "مَسَّنِيَ الضُّرّ" أَيْ الشِّدَّة، وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ،

اور حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ یاد کریں۔ یہاں پر اذ نادیٰ ربہ یہ ایوب سے بدل ہے۔ جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کیونکہ جب ان کو مال اور اولاد کے فقدان سے آزمایا گیا اور ان کے جسم کو پارہ پارہ کر کے اور لوگوں سے تین سال یا سات سال یا اٹھارہ سال کی مدت دور کیا گیا ہے جبکہ آپ کی زوجہ کے سوا لوگوں نے ایسا کیا۔ اور تنگ زندگی سے ان کو آزمایا کہ مجھے تکلیف چھو رہی ہے۔ یہاں پر لفظ اَنی یہ یائے مقدرہ کے ساتھ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" حضرت ایوب علیہ السلام (جب طویل اور سخت ترین بیماری کی آزمائش وامتحان میں سرخرو ہوئے اور ان کو صحت وعافیت نصیب ہوئی تو انہوں نے غسل صحت کیا اور اسی غسل صحت کے دوران وہ) برہنہ جسم نہار ہے تھے کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کے گھر پر سونے کی ٹڈیاں برسانا شروع کیا اور وہ) سونے کی

ٹڈیاں ان کے اوپر (یعنی دائیں بائیں) گرنے لگیں، حضرت ایوب علیہ السلام ان ٹڈیوں کو سمیٹ کر اپنے کپڑوں میں رکھنے لگے (سونے کی ٹڈیاں میں ان کا یہ انہماک دیکھ کر) ان کے پروردگار نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ ایوب (علیہ السلام) جو چیز تم دیکھ رہے ہو کیا ہم نے اس سے تمہیں بے نیاز نہیں کر دیا ہے؟ حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کی! بے شک تیری عزت کی قسم تو نے مجھے اس چیز سے بے پرواہ کر دیا ہے لیکن میں تیری نعمت کی کثرت اور تیری رحمت کی فراوانی سے ہرگز بے نیاز نہیں ہوں۔"

(بخاری، مشکوٰۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 272)

برہنہ جسم نہار ہے تھے۔" کی مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے جسم پر تہبند کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہیں تھا اور تہبند باندھے ہوئے نہار ہے تھے، اس کی تائید آگے کی عبارت یحثی فی ثوبہ (سمیٹ سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے)، میں پوشیدہ جگہ پر بالکل ننگا نہار ہے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوشیدہ جگہ پر بالکل ننگے نہانا مذکور ہوا اور اس کے شرعی جواز میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اپنے پروردگار سے شرم وحیا کی خاطر پوشیدہ جگہ پر بھی نہاتے وقت ستر پوشی افضل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس مکارم واخلاق کی تکمیل کے لئے دنیا میں تشریف لائے اس کا تقاضا بھی یہی ہے۔"ان ٹڈیوں کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے کپڑے میں رکھنے لگے۔" بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام برستی ہوئی سونے کی ٹڈیوں کو ایک ہاتھ سے اٹھا اٹھا کر یا دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر انہی تہبند میں سمیٹتے جاتے تھے جو انہوں نے نہانے کے لئے باندھ رکھا تھا" کپڑے "سے مراد وہ پوشاک ہے جو انہوں نے نہانے کے بعد پہنی ہوگی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کپڑا مراد ہو جو انہوں نے اس وقت تک پہنا نہ ہو بلکہ ان کے قریب ہی رکھا ہوا ہو۔

حضرت ایوب علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا مذکورہ خطاب، ناراضگی اور عتاب کے طور پر نہیں تھا بلکہ اظہار شفقت ومحبت کے طور تھا کہ جب میں نے تمہارے گھر میں اتنا زیادہ سونا برسا دیا ہے اور تمہیں مالا مال کر دیا ہے تو کیا ضروری ہے کہ تم ان ٹڈیوں کو اٹھا اٹھا کر اپنے کپڑے میں رکھو؟ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ بے شک تو نے مجھے اس قدر مالا مال کر دیا ہے اور میرے گھر میں اتنا سونا بھر دیا ہے کہ میں ان ٹڈیوں کو جمع کرنے اور ان کو اٹھا اٹھا کر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رکھتا لیکن تیری بارگاہ میں اپنے عجز واحتیاج کے اظہار کے لئے میں تیری رحمتوں کی مزید طلب سے بے نیاز بھی نہیں ہوسکتا خواہ تو مجھے کتنا ہی مالا مال کر دے اور مجھ پر اپنی نعمتوں اور رحمتوں کی کتنی ہی بارش برسا دے، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کا ان ٹڈیوں کا اٹھانے میں انہماک ودلچسپی رکھنا، دنیا کی حرص وطمع اور مال ودولت میں اضافہ کی خواہش کی بناء پر نہ تھا بلکہ حق تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت سے مستفید ہونے اور تشکر وامتنان کی بنا پر تھا۔

ملا علی قاری نے لکھا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جائز مال ودولت میں اضافہ کی حرص اس شخص کے حق میں روا ہے جس کو اپنے نفس پر اعتماد ہو کہ اس مال ودولت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی نہیں ہوگی اور اس کو انہی مقاصد ومصارف میں خرچ کیا جائے گا جن سے حق تعالیٰ راضی وخوش ہوتا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے اہل وعیال کے فوت جانے کا بیان

یزید بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب آپ کی آزمائش شروع ہوئی اہل وعیال فوت ہو گئے مال فنا ہو گیا کوئی چیز ہاتھ تلے نہ رہی آپ اللہ کے ذکر میں اور بڑھ گئے کہنے لگے اے تمام پالنے والوں کے پالنے والے تو نے مجھ پر بڑے احسان کئے مال دیا اولاد دی اس وقت میرا دل بہت ہی مشغول تھا اب تو نے سب کچھ لے کر میرے دل کو ان فکروں سے پاک کر دیا اب میرے دل میں اور تجھ میں کوئی حائل نہ رہا اگر میرا دشمن ابلیس تیری اس مہربانی کو جان لیتا تو وہ مجھ پر بہت ہی حسد کرتا ابلیس لعین اس قول سے اور اس وقت کی اس حمد سے جل بھن کر رہ گیا۔ آپ کی دعاؤں میں یہ بھی دعا تھی اے اللہ تو نے جب مجھے تونگر اور اولاد اور اہل وعیال والا بنا رکھا تھا تو خوب جانتا ہے کہ اس وقت میں نے نہ کبھی غرور و تکبر کیا نہ کبھی کسی پر ظلم ستم کیا۔ میرے پروردگار تجھ پر روشن ہے کہ میرا نرم وگرم بستر تیار ہوتا اور میں راتوں کو تیری عبادتوں میں گزارتا اور اپنے نفس کو اس طرح ڈانٹ دیتا کہ تو اس لئے پیدا نہیں کیا گیا تیری رضامندی کی طلب میں میں اپنی راحت و آرام کو ترک کر دیا کرتا۔ (ابن ابی حاتم، سورت الانبیاء، بیروت)

بدن مبارک میں کیڑوں کے پڑ جانے کا بیان

حضرت حسن اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سات سال اور کئی ماہ آپ بیماری میں مبتلا رہے بنو اسرائیل کے کوڑے پھینکنے کی جگہ آپ کو ڈال رکھا تھا۔ بدن میں کیڑے پڑ گئے تھے پھر اللہ نے آپ پر رحم وکرم کیا تمام بلاؤں سے نجات دی اجر دیا اور تعریفیں کیں۔ وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ پورے تین سال آپ اس تکلیف میں رہے۔ سارا گوشت جھڑ گیا تھا۔ صرف ہڈیاں اور چمڑہ رہ گیا آپ دکھ میں پڑے رہتے تھے صرف ایک بیوی صاحبہ تھیں جو آپ کے پاس تھیں جب زیادہ زمانہ گزر گیا تو ایک روز عرض کرنے لگیں کہ اے نبی اللہ علیہ السلام آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ اس مصیبت کو ہم پر سے ٹال دے۔ آپ فرمانے لگے سنو ستر برس تک اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت وعافیت میں رکھا۔

اگر ستر سال تک میں اس حالت میں رہوں اور صبر کروں تو یہ بھی بہت کم ہے اس پر بیوی صاحبہ کانپ اٹھیں آپ شہر میں جاتیں، لوگوں کا کام کاج کرتیں اور جو ملتا وہ لے آتیں اور آپ کو کھلاتیں پلاتیں۔ آپ کے دو دوست اور دلی خیر خواہ دوست تھے انہیں فلسطین میں جا کر شیطان نے خبر دی کہ تمہارا دوست سخت مصیبت میں مبتلا ہے تم جاؤ ان کی خبر گیری کرو اور اپنے ہاں کی کچھ شراب اپنے ساتھ لے جاؤ وہ پلا دینا اس سے انہیں شفا ہو جائے گی چنانچہ یہ دونوں آئے حضرت ایوب علیہ السلام کی حالت دیکھتے ہی ان کے آنسو نکل آئے بلبلا کر رونے لگے آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے یاد دلایا تو آپ خوش ہوئے انہیں مرحبا کہا وہ کہنے لگے اے جناب آپ شاید کچھ چھپاتے ہوں گے اور ظاہر اس کے خلاف کرتے ہوں گے؟ آپ نے نگاہیں آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اللہ خوب جانتا ہے کہ میں کیا چھپاتا تھا اور کیا ظاہر کرتا تھا میرے رب نے مجھے اس میں مبتلا کیا ہے تا کہ وہ دیکھے کہ میں صبر کرتا ہوں یا بےصبری؟ وہ کہنے لگے اچھا ہم آپ کے واسطے دوا لائے ہیں آپ اسے پی لیجئے شفا ہو جائے گی یہ شراب ہے۔ ہم اپنے ہاں سے لائے ہیں۔ یہ سنتے ہی آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمانے لگے تمہیں شیطان خبیث لایا ہے تم سے کلام کرنا تمہارا کھانا پینا

مجھ پر حرام ہے۔ یہ دونوں آپ کے پاس سے چلے گئے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورت الانبیاء، بیروت)

مسبوط شیطان کا حالت امتحان بھی وسواس دلانے کا بیان

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ نے ایک گھر والوں کی روٹیاں پکائیں ان کا ایک بچہ سویا ہوا تھا تو انہوں نے اس بچے کے حصے کی ٹکیا انہیں دے دی یہ لے کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئیں آپ نے کہا یہ آج کہاں سے لائیں؟ انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا ابھی ابھی واپس جاؤ ممکن ہے بچہ جاگ گیا ہو اور اسی ٹکیا کی ضد کرتا ہو اور رو رو کر سارے گھر والوں کو پریشان کرتا ہو۔ آپ روٹی واپس لے کر چلیں ان کی ڈیوڑھی میں بکری بندھی ہوئی تھی اس نے زور سے آپ کو ٹکر ماری آپ کی زبان سے نکل گیا دیکھو ایوب کیسے غلط خیال والے ہیں۔ پھر اوپر گئیں تو دیکھا واقعی بچہ جاگا ہوا ہے اور ٹکیا کے لئے مچل رہا ہے اور گھر بھر کا ناک میں دم کر رکھا ہے یہ دیکھ کر بے ساختہ زبان سے نکلا کہ اللہ ایوب پر رحم کرے، اچھے موقعہ پر پہنچی۔ ٹکیا دے دی اور واپس لوٹیں راستے میں شیطان بہ صورت طبیب ملا اور کہنے لگا کہ تیرے خاوند سخت تکلیف میں ہیں مرض پر مدتیں گزر گئیں تم انہیں سمجھاؤ فلاں قبیلے کے بت کے نام پر ایک مکھی مار دیں شفاء ہو جائے گی پھر توبہ کر لیں۔

جب آپ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچیں تو ان سے یہ کہا آپ نے فرمایا شیطان خبیث کا جادو تجھ پر چل گیا۔ میں تندرست ہو گیا تو تجھے سو کوڑے لگاؤں گا۔ ایک دن آپ حسب معمول تلاش معاش میں نکلیں گھر گھر پھر آئیں کہیں کام نہ لگا مایوس ہو گئیں شام کو پلٹنے وقت حضرت ایوب علیہ السلام کی بھوک کا خیال آیا تو آپ نے اپنے بالوں کی ایک لٹ کاٹ کر ایک امیر لڑکی کے ہاتھ فروخت کر دی اس نے آپ کو بہت کچھ کھانے پینے کا اسباب دیا۔ جسے لے کر آپ آئیں حضرت ایوب علیہ السلام نے پوچھا یہ آج اتنا سارہ اور اتنا اچھا کھانا کیسے مل گیا؟ فرمایا میں نے ایک امیر گھر کا کام کر دیا تھا۔ آپ نے کھا لیا دوسرے روز بھی اتفاق سے ایسا ہی ہوا اور آپ نے اپنے بالوں کی دوسری لٹ کاٹ کر فروخت کر دی اور کھانا لے آئیں آج بھی یہی کھانا دیکھ کر آپ نے فرمایا واللہ میں ہرگز نہ کھاؤں گا جب تک تو مجھے یہ نہ بتادے کہ کیسے لائی؟ اب آپ نے اپنا دوپٹہ سر سے اتار دیا دیکھا کہ سر کے بال سب کٹ چکے ہیں اس وقت سخت گھبراہٹ اور بےچینی ہوئی اور اللہ سے دعا کی کہ مجھے ضرر پہنچا اور تو سب سے زیادہ رحیم ہے۔ حضرت نوف کہتے ہیں کہ جو شیطان حضرت ایوب علیہ السلام کے پیچھے پڑا تھا اس کا نام مسبوط تھا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی صاحبہ عموماً آپ سے عرض کیا کرتی تھیں کہ اللہ سے دعا کرو۔ لیکن آپ نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک دن بنو اسرائیل کے کچھ لوگ آپ کے پاس سے نکلے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے اس شخص کو یہ تکلیف ضرور کسی نہ کسی گناہ کی وجہ سے ہے اس وقت بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ دعا نکل گئی۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝
تو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی، پس اسے جو بھی تکلیف تھی دور کر دی اور اسے اس کے گھر والے اور ان کے ساتھ ان کی مثل
عطا کر دیے، اپنے پاس سے رحمت کے لیے اور ان لوگوں کی یاد دہانی کے لیے جو عبادت کرنے والے ہیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد کیلیے سونے چاندی کی بارش کا بیان

"فَاسْتَجَبْنَا لَهُ " نِدَاءَهُ "فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْله " أَوْلَاده الذُّكُور وَالْإِنَاث بِأَنْ أُحْيُوا لَهُ وَكُلّ مِنْ الصِّنْفَيْنِ ثَلَاث أَوْ سَبْع "وَمِثْلهمْ مَعَهُمْ" مِنْ زَوْجَته وَزِيدَ فِي شَبَابهَا وَكَانَ لَهُ أَنْدَر لِلْقَمْحِ وَأَنْدَر لِلشَّعِيرِ فَبَعَثَ اللَّه سَحَابَتَيْنِ أَفْرَغَتْ إحْدَاهُمَا عَلَى أَنْدَر الْقَمْح الذَّهَب وَأَفْرَغَتْ الْأُخْرَى عَلَى أَنْدَر الشَّعِير الْوَرِق حَتَّى فَاضَ "رَحْمَة" مَفْعُول لَهُ "مِنْ عِنْدنَا " صِفَة "وَذِكْرَى لِلْعَابِدِينَ" لِيَصْبِرُوا فَيُثَابُوا،

تو ہم نے اس کی دعا قبول کر لی، پس اسے جو بھی تکلیف تھی دور کر دی اور اسے اس کے گھر والے یعنی اولاد جن میں بچے بچیاں تھیں کہ ان کو آپ کیلئے زندہ رکھا۔ یعنی ہر جنس سے تین تین کا سات سات عطا کیے اور ان کے ساتھ ان کی مثل اور عطا کر دیے، اور آپ کی زوجہ محترمہ پر شباب کو لوٹا دیا۔ اور ان کیلئے ایک کھیت گندم کا تھا اور ایک جو کا تھا تو اللہ نے دو بادل بھیجے ایک بادل نے گندم کی کھیتی پر سونا برسا دیا اور دوسرے بادل نے جو کی کھیتی پر چاندی برسا دی۔ حتیٰ کہ اپنے پاس سے رحمت کے لیے۔ یہاں پر رحمت مفعول لہ ہے۔ اور ان لوگوں کی یاد دہانی کے لیے جو عبادت کرنے والے ہیں۔ تا کہ وہ اس پر صبر کریں تو ان کو ثواب دیا جائے۔

حضرت ایوب علیہ السلام سے تکالیف کو دور کر دینے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے دو بھائی تھے ایک دن وہ ملنے کے لئے آئے۔ لیکن جسم کی بدبو کی وجہ سے قریب نہ آ سکے دور ہی سے کھڑے ہو کر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ اگر اس شخص میں بھلائی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس مصیبت میں نہ ڈالتا اس بات نے حضرت ایوب علیہ السلام کو وہ صدمہ پہنچایا جو آج تک آپ کو کسی چیز سے نہ ہوا تھا اس وقت کہنے لگے اللہ کوئی رات مجھ پر ایسی نہیں گزری کہ کوئی بھوکا شخص میرے علم میں ہو اور میں نے پیٹ بھر لیا ہو پروردگار اگر میں اپنی اس بات میں تیرے نزدیک سچا ہوں تو میری تصدیق فرما۔ اسی وقت آسمان سے آپ کی تصدیق کی گئی تھی اور وہ دونوں سن رہے تھے۔ پھر فرمایا کہ پروردگار کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرے پاس ایک سے زائد کپڑے ہوں اور میں نے کسی ننگے کو نہ دیے ہوں اگر میں اس میں سچا ہوں تو میری تصدیق آسمان سے کر۔ اس پر بھی آپ کی تصدیق ان کے سنتے ہوئے کی گئی۔ پھر یہ دعا کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے کہ اے اللہ میں تو اب سجدے سے سر نہ اٹھاؤں گا جب تک کہ تو مجھ سے ان تمام مصیبتوں کو دور نہ کر دے جو مجھ پر نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی۔ اور اس سے پہلے کہ آپ سر اٹھائیں تمام تکلیفیں اور بیماریاں دور ہو گئیں جو آپ پر اتری تھیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ برس تک بلاؤں میں گھرے رہے پھر ان کے دو دوستوں کے آنے اور بدگمانی کرنے کا ذکر ہے جس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میری تو یہ حالت تھی کہ

راستہ چلتے دو شخصوں کو جھگڑتا دیکھتا اور ان میں سے کسی کو قسم کھاتے سن لیتا تو گھر آ کر اس کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا کہ ایسا نہ ہو کہ اس نے نام ناحق لیا ہو۔ آپ اپنی اس بیماری میں اس قدر نڈھال ہو گئے تھے کہ آپ کی بیوی صاحبہ ہاتھ تھام کر پاخانہ پیشاب کے لئے لے جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپ کو حاجت تھی آپ نے آواز دی لیکن انہیں آنے میں دیر لگی آپ کو سخت تکلیف ہوئی اسی وقت آسمان سے ندا آئی کہ اے ایوب اپنی ایڑی زمین پر مارو اسی پانی کو پی بھی لو اور اسی سے نہا بھی لو اس حدیث کا مرفوع ہونا بالکل غریب ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جنت کا حلہ نازل فرما دیا جسے پہن کر آپ یکسو ہو کر بیٹھ گئے۔ جب آپ کی بیوی آئیں اور آپ کو نہ پہچان سکیں تو آپ سے پوچھنے لگیں اے اللہ کے بندے یہاں ایک بیمار بیکس بیبس تھے تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا ہوئے؟ کہیں انہیں بھیڑیئے نہ کھا گئے ہوں یا کتے نہ لے گئے ہوں؟ تب آپ نے فرمایا نہیں نہیں وہ بیمار ایوب میں ہی ہوں۔ بیوی صاحبہ کہنے لگی اے شخص تو مجھ دکھیا عورت سے ہنسی کر رہا ہے اور مجھے بنا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں نہیں مجھے اللہ نے شفا دے دی اور یہ رنگ روپ بھی۔ آپ کا مال آپ کو واپس دیا گیا آپ کی اولاد وہی آپ کو واپس ملی اور ان کے ساتھ ہی ویسی ہی اور بھی وحی میں یہ خوشخبری بھی سنا دی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ قربانی کرو اور استغفار کرو، تیرے اپنوں نے تیرے بارے میں میری نافرمانی کر لی تھی۔

اور روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو عافیت عطا فرمائی آسمان سے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں جنہیں لے کر آپ نے اپنے کپڑے میں جمع کرنی شروع کر دیں تو آواز دی گئی کہ اے ایوب کیا تو اب تک آسودہ نہیں ہوا؟ آپ نے جواب دیا کہ اے میرے پروردگار تیری رحمت سے آسودہ کون ہو سکتا ہے؟ پھر فرماتا ہے ہم نے اسے اس کے اہل عطا فرمائے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ تو فرماتے ہیں وہی لوگ واپس کئے گئے۔ آپ کی بیوی کا نام رحمت تھا۔ یہ قول اگر آیت سے سمجھا گیا ہے تو یہ بھی دور از کار امر ہے اور اگر اہل کتاب سے لیا گیا ہے تو وہ تصدیق تکذیب کے قابل ہے چیز نہیں۔ ابن عسا کر نے ان کا نام اپنی تاریخ میں "لیا" بتایا ہے۔ یہ منشا بن یوسف بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی بیٹی ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت "لیا" حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹی حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی ہیں جو شفیعہ کی زمین میں آپ کے ساتھ تھیں۔ آپ سے فرمایا گیا کہ تیری اہل سب جنت میں ہیں تم کہو تو میں ان سب کو یہاں دنیا میں لا دوں اور کہے تو وہیں رہنے دوں اور دنیا میں ان کا عوض دوں آپ نے دوسری بات پسند فرمائی۔ پس آخرت کا اجر اور دنیا کا بدلہ دونوں آپ کو ملا۔ یہ سب کچھ ہماری رحمت کا ظہور تھا۔ اور ہمارے سچے عابدوں کے لئے نصیحت و عبرت تھی، آپ اہل بلا کے پیشوا تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ مصیبتوں میں پھنسے ہوئے لوگ اپنے لئے آپ کی ذات میں عبرت دیکھیں، بے صبری سے ناشکری نہ کرنے لگیں اور لوگ انہیں اللہ کے بڑے بندے نہ سمجھیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام صبر کا پہاڑ ثابت قدمی کا نمونہ تھے اللہ کے لکھے پر، اس کے امتحان پر انسان کو صبر و برداشت کرنی چاہیے نہ

جائیں قدرت در پردہ اپنی کیا کیا حکمتیں دکھا رہی ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورت الانبیاء، بیروت)

اس طرح کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ زمین میں پاؤں ماریئے انہوں نے پاؤں مارا ایک چشمہ ظاہر ہوا، حکم دیا گیا اس سے غسل کیجئے غسل کیا تو ظاہر بدن کی تمام بیماریاں دور ہوگئیں پھر آپ چالیس قدم چلے پھر دوبارہ زمین میں پاؤں مارنے کا حکم ہوا پھر آپ نے پاؤں مارا اس سے بھی ایک چشمہ ظاہر ہوا جس کا پانی نہایت سرد تھا، آپ نے بحکم الٰہی پیا اس سے باطن کی تمام بیماریاں دور ہوگئیں اور آپ کو اعلیٰ درجہ کی صحت حاصل ہوئی۔

حضرت ابن مسعود وابن عباس رضی اللہ عنہم اور اکثر مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اولاد کو زندہ فرما دیا اور آپ کو اتنی ہی اولاد اور عنایت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بی بی صاحبہ کو دوبارہ جوانی عنایت کی اور ان کے کثیر اولادیں ہوئیں۔ (تفسیر خازن، سورت الانبیاء، بیروت)

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ ہر ایک صبر کرنے والوں سے تھا۔

حضرت اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل کا بیان

"وَإِسْمَاعِيل وَإِدْرِيس وَذَا الْكِفْل كُلّ مِنْ الصَّابِرِينَ" عَلَى طَاعَة اللّٰه وَعَنْ مَعَاصِيه

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ ہر ایک صبر کرنے والوں سے تھا۔ یعنی اللہ کی طاعت پر صبر اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے۔

حضرت ذوالکفل کے تذکرہ کا بیان

حضرت اسماعیل وادریس علیہما السلام کا بھی ذکر گزر چکا ہے۔ ذوالکفل بہ ظاہر تو نبی ہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ نبیوں کے ذکر میں ان کا نام آیا ہے اور لوگ کہتے ہیں یہ نبی نہ تھے بلکہ ایک صالح شخص تھے اپنے زمانہ کے بادشاہ تھے بڑے ہی عادل اور بامروت، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس میں توقف کرتے ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ایک نیک بزرگ تھے جنہوں نے اپنے زمانے کے نبی سے عہد و پیمان کئے اور ان پر قائم رہے۔ قوم میں عدل وانصاف کیا کرتے تھے۔ روایت ہے کہ جب حضرت یسع علیہ السلام بہت بوڑھے ہوگئے تو ارادہ کیا کہ میں اپنی زندگی میں ہی ان کا خلیفہ مقرر کردوں اور دیکھ لوں کہ وہ کیسے عمل کرتا ہے۔ لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ تین باتیں جو شخص منظور کرے میں اسے خلافت سونپتا ہوں۔ دن بھر روزے سے رہے رات بھر قیام کرے اور کبھی بھی غصے نہ ہو۔ کوئی اور تو کھڑا نہ ہوا ایک شخص جسے لوگ بہت ہلکے درجے کا سمجھتے تھے کھڑا ہوا اور کہنے لگا میں اس شرط کو پوری کردوں گا۔ آپ نے پوچھا یعنی تو دنوں میں روزے سے رہے گا اور راتوں کو تہجد پڑھتا رہے گا اور غصہ نہ کرے گا؟ اس نے کہا ہاں۔ یسع علیہ السلام نے فرمایا اچھا اب کل سہی۔ دوسرے روز بھی آپ نے اسی طرح مجلس میں عام سوال کیا لیکن اس شخص کے سوا کوئی اور کھڑا نہ ہوا۔ چنانچہ انہی کو خلیفہ بنا دیا گیا۔

حضرت ذوالکفل کا غصہ میں نہ آنے کا بیان

اب شیطان نے چھوٹے چھوٹے شیاطین کو اس بزرگ کے بہکانے کے لئے بھیجنا شروع کیا۔مگر کسی کی کچھ نہ چلی۔ابلیس خود چلا دو پہر کو قیلولے کے لئے آپ لیٹے ہی تھے جو خبیث نے کنڈیاں پیٹنی شروع کر دیں آپ نے دریافت فرمایا کہ تو کون ہے؟اس نے کہنا شروع کیا کہ میں ایک مظلوم ہوں فریادی ہوں میری قوم مجھے ستا رہی ہے۔میرے ساتھ انہوں نے یہ کیا یہ کیا اب لمبا قصہ سنانا شروع کیا تو کسی طرح ختم ہی نہیں کرتا نیند کا سارا وقت اسی میں چلا گیا اور حضرت ذوالکفل دن رات بس صرف اسی وقت ذرا سی دیر کے لئے سوتے تھے۔آپ نے فرمایا اچھا شام کو آنا میں تمہارا انصاف کر دوں گا اب شام کو آپ جب فیصلے کرنے لگے ہر طرف اسے دیکھتے ہیں لیکن اس کا کہیں پتہ نہیں یہاں تک کہ خود جا کر ادھر ادھر بھی تلاش کیا مگر اسے نہ پایا۔دوسری صبح کو بھی وہ نہ آیا پھر جہاں آپ دو پہر کو دو گھڑی آرام کرنے کے ارادے سے لیٹے جو یہ خبیث آ گیا اور دروازہ ٹھونکنے لگا آپ نے کھول دیا اور فرمانے لگے میں نے تو تم سے شام کو آنے کو کہا تھا،منتظر رہا لیکن تم نہ آئے۔

وہ کہنے لگا حضرت کیا بتاؤں جب میں نے آپ کی طرف آنے کا ارادہ کیا تو وہ کہنے لگے تم نہ جاؤ ہم تمہارا حق ادا کر دیتے ہیں میں رک گیا پھر انہوں نے اب انکار کر دیا اور بھی کچھ لمبے چوڑے واقعات بیان کرنے شروع کر دئے اور آج کی نیند بھی کھوئی اب شام کو پھر انتظار کیا لیکن نہ اسے آنا تھا نہ آیا۔تیسرے دن آپ نے آدمی مقرر کیا کہ دیکھو کوئی دروازے پر نہ آنے پائے مارے نیند کے میری حالت غیر ہو رہی ہے آپ ابھی لیٹے ہی تھے جو وہ مردود پھر آ گیا چوکیدار نے اسے روکا یہ ایک طاق میں سے اندر گھس گیا اور اندر سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا آپ نے اٹھ کر پہرے دار سے کہا کہ دیکھو میں نے تمہیں ہدایت کر دی تھی پھر بھی آپنے دروازے کے اندر کسی کو آنے دیا اس نے کہا نہیں میری طرف سے کوئی نہیں آیا۔اب جو غور سے آپ نے دیکھا تو دروازے کو بند پایا۔اور اس شخص کو اندر موجود پایا۔آپ پہچان گئے کہ یہ شیطان ہے اس وقت شیطان نے کہا اے ولی اللہ میں تجھ سے ہارا نہ تو نے رات کا قیام ترک کیا نہ تو اس نوکر پر ایسے موقعہ پر غصے ہوا پس اللہ نے ان کا نام ذوالکفل رکھا۔اس لئے کہ جن باتوں کی انہوں نے کفالت لی تھیں انہیں پورا کر دکھایا۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورت الانبیاء،بیروت)

وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِنَا‌ ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ‏ ۝
اور انہیں ہم نے اپنی رحمت میں داخل کیا،بیشک وہ ہمارے قربِ خاص کے سزاواروں میں ہیں۔

حضرت ذوالکفل کے قیام وصیام کا بیان

"وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتنَا " مِنْ النُّبُوَّة "إِنَّهُمْ مِنْ الصَّالِحِينَ " لَهَا وَسُمِّيَ ذَا الْكِفْل لِأَنَّهُ تَكَفَّلَ بِصِيَامِ جَمِيع نَهَاره وَقِيَام جَمِيع لَيْله وَأَنْ يَقْضِيَ بَيْن النَّاس وَلَا يَغْضَب فَوَفَّى بِذَلِكَ وَقِيلَ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا

اور انہیں ہم نے اپنی رحمت یعنی نبوت میں داخل کیا،بیشک وہ ہمارے قربِ خاص کے سزاواروں میں ہیں۔حضرت ذوالکفل

کا نام ذوالکفل اس لئے رکھا گیا ہے کہ آپ تمام دن روزے سے اور تمام رات قیام کرتے تھے۔ اور آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے تھے۔ اور آپ نے لازم کرلیا تھا کہ آپ غصہ نہ کریں گے پس آپ نے یہ ذمہ داری پوری کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نبی نہ تھے۔

حضرت ذوالکفل کی عبادت و بخشش کا بیان

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی کچھ تفسیر کے ساتھ یہ قصہ روایت ہے اس میں ہے کہ بنو اسرائیل کے ایک قاضی نے بوقت مرگ کہا تھا کہ میرے بعد میرا عہدہ کون سنبھالتا ہے؟ اس نے کہا میں چنانچہ ان کا نام ذوالکفل ہوا اس میں ہے کہ شیطان جب ان کے آرام کے وقت آیا پہرے والوں نے روکا اس نے اس قدر غل مچایا کہ آپ جاگ گئے دوسرے دن بھی یہی کیا تیسرے دن بھی یہی کیا اب آپ اس کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوئے کہ میں تیرے ساتھ چل کر تیرا حق دلواتا ہوں لیکن راستے میں سے وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت اشعری نے منبر پر فرمایا کہ ذوالکفل نبی نہ تھا بنو اسرائیل کا ایک صالح شخص تھا جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا اس کے بعد انہوں نے اس قسم کی عبادتوں کا ذمہ اٹھایا۔ اس لئے انہیں ذوالکفل کہا گیا۔ ایک منقطع روایت میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے۔

مسند امام بن حنبل میں ہے اس میں کفل کا ایک واقعہ بیان ہے ذوالکفل نہیں کہا گیا۔ بہت ممکن ہے یہ کوئی اور صاحب ہوں۔ واقعہ اس حدیث میں یہ ہے کہ کفل نامی ایک شخص تھا جو کسی گناہ سے بچتا نہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک عورت کو ساٹھ دینار دے کر بدکاری کے لئے آمادہ کیا جب اپنا ارادہ پورا کرنے کے لئے تیار ہوا تو وہ عورت رونے اور کانپنے لگی۔ اس نے کہا میں نے تجھ سے کوئی زبردستی تو کی نہیں پھر رونے اور کانپنے کی وجہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں نے ایسی کوئی نافرمانی آج تک اللہ تعالیٰ کی نہیں کی۔ اس وقت میری محتاجی نے مجھے یہ برا دن دکھایا ہے۔ کفل نے کہا تو ایک گناہ پر اس قدر پریشان ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ اسی وقت اسے چھوڑ کر اس سے الگ ہو گیا اور کہنے لگا جا یہ دینار میں نے تجھے بخشے۔ قسم اللہ کی آج سے میں کسی قسم کی اللہ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ اللہ کی شان اسی رات اس کا انتقال ہوتا ہے۔ صبح لوگ دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر قدرتی حروف سے لکھا ہوا تھا کہ اللہ نے کفل کو بخش دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ
اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ○
اور ذوالنون (مچھلی کے پیٹ والے نبی علیہ السلام کو بھی یاد فرمایئے) جب وہ غضبناک ہو کر چل دیئے پس انہوں نے یہ
خیال کرلیا کہ ہم ان پر کوئی تنگی نہیں کریں گے پھر انہوں نے تاریکیوں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری
ذات پاک ہے، بیشک میں ہی زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے تذکرہ کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "ذَا النُّون" صَاحِب الْحُوت وَهُوَ يُونُس بْن مَتَّى وَيُبْدَل مِنْهُ "إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا" لِقَوْمِهِ أَيْ غَضْبَان عَلَيْهِمْ مِمَّا قَاسَى مِنْهُمْ وَلَمْ يُؤْذَن لَهُ فِي ذَلِكَ "فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِر عَلَيْهِ" أَيْ نَقْضِي عَلَيْهِ بِمَا قَضَيْنَاهُ مِنْ حَبْسه فِي بَطْن الْحُوت أَوْ نُضَيِّق عَلَيْهِ بِذَلِكَ "فَنَادَى فِي الظُّلُمَات" ظُلْمَة اللَّيْل وَظُلْمَة الْبَحْر وَظُلْمَة بَطْن الْحُوت "أَنْ" أَيْ بِأَنْ "لَا إِلَه إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانك إِنِّي كُنْت مِنْ الظَّالِمِينَ" فِي ذَهَابِي مِنْ بَيْن قَوْمِي بِلَا إِذْن .

اور ذوالنون مچھلی کے پیٹ والے نبی علیہ السلام کو بھی یاد فرمایئے، جو حضرت یونس علیہ السلام تھے۔اور یہاں پر ذالنون سے اذ ذھب مغاضبا بدل ہے۔جب وہ اپنی قوم پر غضبناک ہوکر چل دیئے پس انہوں نے یہ خیال کرلیا کہ ہم ان پر اس سفر میں کوئی تنگی نہیں کریں گے۔یعنی انہوں نے یہ خیال کیا کہ اجازت کے بغیر چلے جانے پر کوئی امتحان نہ آئے گا۔پھر انہوں نے دریا، رات اور مچھلی کے پیٹ کی تہہ در تہہ تاریکیوں میں پھنس کر پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات پاک ہے، بیشک میں ہی اپنی جان پر زیادتی کرنے والوں میں سے تھا۔کیونکہ میرا قوم کے درمیان سے بغیر اجازت چلے جانا تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہونے کا بیان

یہ واقعہ یہاں بھی مذکور ہے اور سورۃ صافات میں بھی ہے اور سورۃ نون میں بھی ہے۔یہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے۔انہیں موصل کے علاقے کی بستی نینوا کی طرف نبی بنا کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا۔آپ نے اللہ کی راہ کی دعوت دی لیکن قوم ایمان نہ لائی۔آپ وہاں سے ناراض ہوکر چل دئے اوران لوگوں سے کہنے لگے کہ تین دن میں تم پر عذاب الٰہی آجائے گا جب انہیں اس بات کی تحقیق ہوگئی اور انہوں نے جان لیا کہ انبیاء علیہم السلام جھوٹے نہیں ہوتے تو یہ سب کے سب چھوٹے بڑے مع اپنے جانوروں اور مویشیوں کے جنگل میں نکل کھڑے ہوئے بچوں کو ماؤں سے جدا کردیا اور بلک بلک کر نہایت گریہ وزاری سے جناب باری تعالیٰ میں فریاد شروع کردی۔ادھر ان کی آہ وبکاء ادھر جانوروں کی بھیا نک صدا غرض اللہ کی رحمت متوجہ ہوگئی عذاب اٹھالیا گیا۔جیسے فرمان ہے آیت (فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ 98)-10یونس:98)یعنی عذابوں کی تحقیق کے بعد کے ایمان نے کسی کو نفع نہیں دیا سوائے قوم یونس کے کہ ان کے ایمان کی وجہ سے ہم نے ان پر سے عذاب ہٹالیے اور دنیا کی رسوائی سے انہیں بچالیا اور موت تک کی مہلت دے دی۔حضرت یونس علیہ السلام یہاں سے چل کر ایک کشتی میں سوار ہوئے آگے جاکر طوفان کے آثار نمودار ہوئے۔قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے مشورہ یہ ہوا کہ کسی آدمی کو دریا میں ڈال دینا چاہیے کہ وزن کم ہوجائے۔قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کا نکلا لیکن کسی نے آپ کو دریا میں ڈالنا پسند نہ کیا۔دوبارہ قرعہ اندازی ہوئی آپ ہی کا نام نکلا تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالا اب کی مرتبہ بھی آپ ہی کا نام نکلا۔چنانچہ خود قرآن میں ہے آیت (فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ، الصافات:141)اب کہ حضرت یونس علیہ السلام خود کھڑے ہوگئے کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑے۔بحر اخضر سے

بحکم الٰہی ایک مچھلی پانی کاٹتی ہوئی آئی اور آپ کو لقمہ کر گئی۔ لیکن بحکم اللہ نے آپ کی ہڈی توڑی نہ جسم کو کچھ نقصان پہنچایا۔ آپ اس کے لئے غذا نہ تھے بلکہ اس کا پیٹ آپ کے لئے قید خانہ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کی نسبت مچھلی کی طرف کی گئی عربی میں مچھلی کو نون کہتے ہیں۔ آپ کا غضب وغصہ آپ کی قوم پر تھا۔ خیال یہ تھا کہ اللہ آپ کو تنگ نہ پکڑے گا پس یہاں نقدر کے یہی معنی حضرت ابن عباس مجاہد ضحاک وغیرہ نے کئے ہیں امام ابن جریر بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اس کی تائید آیت (وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُه فَلْيُنفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ) -65 الطلاق:7) سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ معنی کئے ہیں کہ ہم اس پر مقدر نہ کریں گے قدر اور قدر دونوں لفظ ایک معنی میں بولے جاتے ہیں اس کی سند میں عربی کے شعر کے علاوہ آیت (فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ، القمر:12) بھی پیش کی جاسکتی ہے ان اندھیریوں میں پھنس کر اب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔ سمندر کے نیچے کا اندھیرا پھر مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا پھر رات کا اندھیرا یہ اندھیرے سب جمع تھے۔ آپ نے سمندر کی تہہ کی کنکریوں کی تسبیح سنی اور خود بھی تسبیح کرنی شروع کی۔ آپ مچھلی کے پیٹ میں جا کر پہلے تو سمجھے کہ میں مرگیا پھر پیر کو ہلایا تو یقین ہوا کہ میں زندہ ہوں۔ وہیں سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے بارالٰہی میں نے تیرے لئے اس جگہ کو مسجد بنایا جسے اس سے پہلے کسی نے جائے سجود نہ بنایا ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں چالیس دن آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ابن جریر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کے قید کا ارادہ کیا تو مچھلی کو حکم دیا کہ آپ کو نگل لے لیکن اس طرح کے نہ ہڈی ٹوٹے نہ جسم پر خراش آئے جب آپ سمندر کی تہہ میں پہنچے تو وہاں تسبیح سن کر حیران رہ گئے وحی آئی کہ یہ سمندر کے جانوروں کی تسبیح ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی اللہ کی تسبیح شروع کردی اسے سن کر فرشتوں نے کہا بارالٰہا! یہ آواز تو بہت دور کی اور بہت کمزور ہے کس کی ہے؟ ہم تو نہیں پہچان سکے۔ جواب ملا کہ یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے اس نے میری نافرمانی کی میں نے اسے مچھلی کے پیٹ کے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ انہوں نے کہا پروردگار ان کے نیک اعمال تو دن رات کے ہر وقت چڑھتے ہی رہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی سفارش قبول فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ آپ کو کنارے پر اگل دے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ○
پس ہم نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ہم نے انہیں غم سے نجات بخشی، اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیا کرتے ہیں۔

اہل ایمان کی دعاؤں کے سبب نجات ہو جانے کا بیان

"فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنَاهُ مِنْ الْغَمّ" بِتِلْكَ الْكَلِمَات "وَكَذٰلِكَ" كَمَا نَجَّيْنَاهُ "نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ" مِنْ كَرْبهمْ إِذَا اسْتَغَاثُوا بِنَا دَاعِينَ

پس ہم نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ہم نے انہیں انہی کلمات کے سبب غم سے نجات بخشی، اور اسی طرح ہم مومنوں کو مشکلات میں نجات دیا کرتے ہیں۔ جب دعائیں کرتے ہوئے ہمیں پکارتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کی دعا کا بیان

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مچھلی والے یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی وہ دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں اپنے پروردگار سے مانگی تھی یہ ہے آیت (لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین) ۔ (تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بلاشک میں ظالموں میں سے تھا) جو مسلمان شخص اس دعا کے ذریعہ اللہ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا سوال پورا کرتا ہے۔ (احمد، ترمذی، مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 821)

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝
اور زکریا (علیہ السلام) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: اے میرے رب! مجھے اکیلا مت چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرہ کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "زَكَرِيَّا" وَيُبْدَل مِنْهُ "اِذْ نَادَى رَبّه" بِقَوْلِهِ "رَبّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا" أَيْ بِلَا وَلَد يَرِثنِي "وَأَنْتَ خَيْر الْوَارِثِينَ" الْبَاقِي بَعْد فَنَاء خَلْقك

اور حضرت زکریا علیہ السلام کو بھی یاد کریں۔ یہاں پر بھی اذ نادی ربہ یہ لفظ زکریا سے بدل ہے۔ جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا: اے میرے رب! مجھے اولاد کے بغیر اکیلا مت چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ یعنی مخلوق کی فناء کے بعد بھی تو باقی ہے۔

بڑھاپے کی عمر میں اولاد کی دعا کا بیان

اللہ تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے دعا کی کہ مجھے اولاد ہو جو میرے بعد نبی بنے۔ سورۃ مریم میں اور سورۃ آل عمران میں یہ واقعہ تفصیل سے ہے آپ نے یہ دعا چھپا کر کی تھی۔ مجھے تنہا نہ چھوڑ یعنی بے اولاد۔ دعا کے بعد اللہ تعالیٰ کی ثنا کی جیسے کہ اس دعا کے لائق تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ اور آپ کی بیوی صاحبہ کو جنہیں بڑھاپے تک کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اولاد کے قابل بنا دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں ان کی طول زبانیں بند کر دی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے اخلاق کی کمی پوری کر دی۔ لیکن الفاظ قرآن کے قریب پہلا معنی ہی ہے۔ یہ سب بزرگ نیکیوں کی طرف اللہ کی فرمانبرداری کی طرف بھاگ دوڑ کرنے والے تھے۔ اور لالچ اور ڈر سے اللہ سے دعائیں کرنے والے تھے اور سچے مومن رب کی باتیں ماننے والے اللہ کا خوف رکھنے والے تواضع انکساری اور عاجزی کرنے والے اللہ کے سامنے اپنی فروتنی ظاہر کرنے والے تھے۔ روایت ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی اور اس کی پوری ثنا وصفت بیان کرتے رہنے کی اور لالچ اور خوف سے دعائیں مانگنے کی اور دعاؤں میں خشوع وخضوع کرنے کی وصیت کرتا ہوں دیکھو اللہ عزوجل نے حضرت زکریا علیہ السلام کے گھرانے کی یہی فضیلت بیان فرمائی ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝

تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ہم نے انہیں یحییٰ (علیہ السلام) عطا فرمایا اوران کی خاطر ان کی زوجہ کو درست بنادیا۔
بیشک یہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں شوق ورغبت اور خوف وخشیت کے ساتھ پکارا کرتے تھے،
اور ہمارے حضور بڑے عجز ونیاز کے ساتھ گڑگڑاتے تھے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی عطا کا بیان

"فَاسْتَجَبْنَا لَهُ" نِدَاءَهُ "وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَى" وَلَدًا "وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجه" فَأَتَتْ بِالْوَلَدِ بَعْد عُقْمهَا "إِنَّهُمْ" أَيْ مَنْ ذُكِرَ مِنْ الْأَنْبِيَاء "كَانُوا يُسَارِعُونَ" يُبَادِرُونَ "فِي الْخَيْرَات" الطَّاعَات "وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا" فِي رَحْمَتنَا "وَرَهَبًا" مِنْ عَذَابنَا "وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ" مُتَوَاضِعِينَ فِي عِبَادَتهمْ

تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمالی اور ہم نے انہیں یحییٰ علیہ السلام بیٹا عطا فرمایا اوران کی خاطر ان کی زوجہ کو بھی درست یعنی قابلِ اولاد بنادیا۔یعنی انہوں نے بانجھ پن کے بعد بیٹے کو جنم دیا۔ بیشک یہ سب نیکی کے کاموں کی انجام دہی میں جلدی کرتے تھے یعنی جن انبیائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اور ہمیں شوق ورغبت اور ہمارے عذاب سے خوف وخشیت کی کیفیتوں کے ساتھ پکارا کرتے تھے، اور ہمارے حضور بڑے عجز ونیاز کے ساتھ گڑگڑاتے تھے۔یہی اپنے عبادات میں تواضع کرنے والے تھے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اس (پاکیزہ) خاتون (مریم علیہا السلام) کو بھی (یاد کریں) جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی پھر ہم نے اس میں اپنی روح
پھونک دی اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو جہان والوں کے لئے نشانی بنادیا۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے تذکرہ کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ مَرْيَم "الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجهَا" حَفِظَتْهُ مِنْ أَنْ يُنَال "فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحنَا" أَيْ جِبْرِيل حَيْثُ نَفَخَ فِي جَيْب دِرْعهَا فَحَمَلَتْ بِعِيسَى "وَجَعَلْنَاهَا وَابْنهَا آيَة لِلْعَالَمِينَ" الْإِنْس وَالْجِنّ وَالْمَلَائِكَة حَيْثُ وَلَدَتْهُ مِنْ غَيْر فَحْل

اس پاکیزہ خاتون مریم علیہا السلام کو بھی یاد کریں۔جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی۔پھر ہم نے یعنی جبرائیل نے اس میں اپنی روح پھونک دی یعنی ان کے گریبان میں پھونک ماردی جس سے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حمل میں ہوئیں۔اور ہم نے

اسے اور اس کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جہان والوں یعنی عالم انس وجن اور ملائکہ کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنادیا۔ کیونکہ ان کو بغیر مرد کے پیدا کیا۔

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہو رہا ہے۔ قرآن میں کریم میں عموما حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قصے کے ساتھ ہی ان کا قصہ بیان ہوتا رہا ہے۔ اس لئے کہ ان لوگوں میں پورا رابط ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام پورے بڑھاپے کے عالم میں آپ کی بیوی صاحبہ جوانی سے گزری ہوئی اور پوری عمر کی بے اولاد ان کے ہاں اولاد عطا فرمائی۔ اس قدرت کو دکھا کر پھر محض عورت بغیر شوہر کے اولاد کا عطا فرمانا یہ اور قدرت کا کمال ظاہر کرتا ہے۔ سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں بھی یہی ترتیب ہے مراد عصمت والی عورت سے حضرت مریم ہیں۔

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَتَقَطَّعُوْٓا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝
بیشک یہ تمہاری ملت ہے۔ ایک ہی ملت ہے اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری عبادت کیا کرو۔ اور انہوں نے آپس میں
اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، یہ سب ہماری ہی جانب لوٹ کر آنے والے ہیں۔

ملت اسلامیہ کا ایک دین پر ہونے کا بیان

"إِنَّ هٰذِهٖ" أَيْ مِلَّةَ الْإِسْلَام "أُمَّتُكُمْ" دِينُكُمْ أَيُّهَا الْمُخَاطَبُونَ أَيْ يَجِب أَنْ تَكُونُوا عَلَيْهَا "أُمَّة وَاحِدَة" حَال لَازِمَة "وَأَنَا رَبّكُمْ فَاعْبُدُونِ" وَحِّدُونِ،

"وَتَقَطَّعُوا" أَيْ بَعْض الْمُخَاطَبِينَ "أَمْرهمْ بَيْنهمْ" أَيْ تَفَرَّقُوا أَمْر دِينهمْ مُتَخَالِفِينَ فِيهِ وَهُمْ طَوَائِف الْيَهُود وَالنَّصَارَى "كُلّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ" أَيْ فَنُجَازِيهِ بِعَمَلِهِ،

بیشک یہ تمہاری ملت یعنی دین اسلام ہے سب ایک ہی ملت ہے یعنی تمہارا دین اے اہل خطاب تم جس دین پر ہو یہاں پر امۃ واحدہ یہ حال لازمہ ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت یعنی عقیدہ توحید کو مانو۔ اور ان یعنی بعض اہل خطاب نے آپس میں مخالفت کی وجہ سے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، اور وہ یہود ونصاریٰ کے گروہ ہیں۔ یہ سب ہماری ہی جانب لوٹ کر آنے والے ہیں۔ لہٰذا ہم اس کو اس کے عمل کی جزاء دیں گے۔

لفظ امت کے مفہوم کا بیان

امۃ۔ امت۔ جماعت۔ مدت۔ طریقہ۔ دین۔ ہر وہ جماعت جس میں کسی قسم کا کوئی رابطہ اشتراک موجود ہو اسے امت کہتے ہیں خواہ یہ اتحاد مذہبی وحدت کی بناء پر ہو۔ یا جغرافیائی اور عصری وحدت کی بنا پر اور خواہ اس رابطہ میں امت کے اپنے اختیار کو دخل ہو یا نہ ہو

امت کے مجازی معنی طریقہ ودین کے ہیں۔ عرب والے بولتے ہیں فلان لا امۃ لہ یعنی فلاں کا کوئی طریقہ یا دین نہیں۔

یہاں اس آیت میں مراد دین ہی ہے۔ان ھــذہ امتــکــم تحقیق یہی تمہارا دین (دین توحید) ہے یعنی تمام متذکرہ بالا انبیاء کا یہی عقیدہ توحید رہا ہے۔امۃ واحدۃ نصب بوجہ امتکم سے حال کی وجہ سے ہے۔

یہاں خطاب کس سے ہو رہا ہے اس کے متعلق دو اقوال ہیں۔ایک جماعت کا خیال ہے کہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور ھذہ سے مراد امت مسلمہ ہے۔دوسرے گروہ کی رائے ہے کہ خطاب عام ہے ساری نسل انسانی کے لئے اور طریقہ سے مراد طریق انبیاء مذکور ہے۔

یعنی خدا بھی ایک اور تمہارا اصل دین بھی ایک ہے۔تمام انبیاء اصول میں متحد ہوتے ہیں جو ایک کی تعلیم ہے وہ ہی دوسروں کی ہے۔رہا فروع کا اختلاف وہ زمان ومکان کے اختلاف کی وجہ سے عین مصلحت وحکمت ہے۔اختلاف مذموم وہ ہے جو اصول میں ہو، پس لازم ہے کہ سب مل کر خدا کی بندگی کریں اور جن اصول میں تمام انبیاء متفق رہے ہیں ان کو متحدہ طاقت سے پکڑیں۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝
پس جو کوئی نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش کا انکار نہ ہوگا، اور بیشک ہم اس کے اعمال کو لکھ رہے ہیں۔

نیک عمل کرنے والوں کے اعمال لکھے جانے کا بیان

"فَمَنْ يَعْمَل مِنْ الصَّالِحَات وَهُوَ مُؤْمِن فَلَا كُفْرَان" أَيْ لَا جُحُود "لِسَعْيِهِ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ" بِأَنْ نَأْمُر الْحَفَظَة بِكَتْبِهِ فَنُجَازِيهِ عَلَيْهِ

پس جو کوئی نیک عمل کرے اور وہ مومن بھی ہو تو اس کی کوشش کی جزاء کا انکار نہ ہوگا، اور بیشک ہم اس کے سب اعمال کو لکھ رہے ہیں۔یعنی ہم نے اس کے لکھنے کا حکم دے رکھا ہے لہٰذا اس پر ہم جزاء دیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ مومن کی نیکی کا اجر ضائع نہیں کرتا، کہ اس کی اس نیکی کے سبب اس کو دنیا میں بھلائیاں دی جاتی ہیں اور آخرت میں بھی اس کا اجر وثواب دیا جائے گا۔

اور کافر اللہ کی خوشنودی کے لئے جو اچھے کام کرتا ہے اس کو اس کے بدلہ میں اس دنیا میں کھلا پلا دیا جاتا ہے (یعنی وہ ان اچھے کاموں کی وجہ سے جس بھلائی کا مستحق ہوتا ہے وہ اس کو نعمتوں اور راحتوں کی صورت میں اس دنیا میں دے دی جاتی ہے۔) یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایسی کوئی نیکی نہیں ہوگی کہ جس کی وجہ سے اس کو وہاں اجر وثواب دیا جائے۔(مسلم،مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1085)

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ
يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝
اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر ڈالا ناممکن ہے کہ اس کے لوگ ہماری طرف پلٹ کر نہ آئیں۔یہاں تک کہ جب
یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے۔

یأجوج اور مأجوج کے خروج ورفتار کا بیان

"وَحَرَام عَلَى قَرْيَة أَهْلَكْنَاهَا" أُرِيدَ أَهْلهَا "أَنَّهُمْ لَا" زَائِدَة "يَرْجِعُونَ" أَيْ مُمْتَنِع رُجُوعهمْ إلَى الدُّنْيَا،

"حَتَّى" غَايَة لِامْتِنَاعِ رُجُوعهمْ "إذَا فُتِحَتْ" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "يَأْجُوج وَمَأْجُوج" بِالْهَمْزِ وَتَرْكه اسْمَانِ أَعْجَمِيَّانِ لِقَبِيلَتَيْنِ وَيُقَدَّر قَبْله مُضَاف أَيْ سَدّهمَا وَذَلِكَ قُرْب الْقِيَامَة "وَهُمْ مِنْ كُلّ حَدَب" مُرْتَفِع مِنْ الْأَرْض "يَنْسِلُونَ" يُسْرِعُونَ،

اور جس بستی یعنی اس کے اہل کو ہم نے ہلاک کر ڈالا ناممکن ہے کہ ان کے لوگ مرنے کے بعد ہماری طرف پلٹ کر نہ آئیں۔یہاں پر لا زائدہ ہے۔یعنی دنیا کی طرف لوٹنا یہ ممتنع ہے۔یہاں تک یہاں پر حتیٰ کہ ان کے لوٹنے کی ممانعت کی انتہاء کو بیان کرنے کیلئے آیا ہے۔کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیئے جائیں گے۔یہاں پر فتحت یہ تخفیف وتشدید دونوں طرح آیا ہے اور یاجوج مأجوج یہ ہمزہ اور ترک ہمزہ دونوں طرح آیا ہے۔اور یہ عجمی قبیلے کے نام ہیں۔اوران دونوں سے پہلے مضاف مقدر یعنی سدھما ہے۔اور یہ قرب قیامت واقع ہوں گے۔اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے اتر آئیں گے۔یعنی زمین کی بلندی سے تیزی سے دوڑ کر آئیں گے۔

قرب قیامت یاجوج ماجوج اور دیگر فتنوں کے وقوع کا بیان

حضرت نواس ابن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال (کے نکلنے) اس کی فریب کاریوں اور اس کے فتنہ میں لوگوں کے مبتلا ہونے) کا ذکر فرمایا اگر دجال نکلے اور (بالفرض) میں تمہارے درمیان موجود ہوں تو میں اس سے تمہارے سامنے جھگڑوں اور دلیل کے ذریعہ اس پر غالب آ ؤں) اور اگر دجال اس وقت نکلا جب میں نہ ہوں گا تو پھر تم میں سے ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے اس سے جھگڑنے والا ہوگا اور میرا وکیل وخلیفہ ہر مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ ہے دجال جوان ہوگا اس کے بال گھونگریالے ہوں گے اور اس کی آنکھ پھولی ہوگی گویا میں اس کو قطن کے بیٹے عبد العزیٰ سے تشبیہ دے سکتا ہوں پس تم میں سے جو شخص اس کو پائے اس کو چاہیے کہ وہ اس کے سامنے سورت کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے "اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے یہ الفاظ ہیں کہ اس کو چاہئے کہ وہ۔۔۔اس کے سامنے سورت کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے کیونکہ وہ آیتیں تمہیں دجال کے فتنہ سے مامون ومحفوظ رکھیں گی (جان لو) دجال اس راستہ سے نمودار ہوگا جو شام اور عراق کے درمیان ہے اور دائیں بائیں فساد پھیلائے گا (پس) اے اللہ کے بندو! (اس وقت جب کہ دجال نکلے) تم (اپنے دین پر) ثابت قدم رہنا" راوی کہتے ہیں کہ) ہم نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کتنے دنوں زمین پر رہے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس دن، (اور زمانہ کی طوالت کے اعتبار سے ان میں سے) ایک دن تو ایک سال کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک مہینے کے برابر ہوگا اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن تمہارے دونوں کے مطابق (یعنی ہمیشہ کے دنوں کی طرح) ہوں گے" ہم نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان دنوں میں سے جو ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا اس روز ہماری ایک دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ نماز پڑھنے کے لئے ایک دن کا حساب لگانا ہوگا۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! زمین پر کتنا زیادہ تیز چلے گا (یعنی اس کی رفتاری کی کیا کیفیت ہوگی؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس مہینہ یعنی ابر کی مانند تیز رفتار ہوگا جس کے پیچھے ہوا ہو! وہ ایک ایک قوم کے پاس پہنچے گا اور اس کو اپنی دعوت دے گا (یعنی اپنی اتباع کی طرف بلائے گا اور برائی کے راستہ پر لگائے گا) لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے یعنی اس کے فریب میں آ کر اس کی اتباع کرنے لگیں) پھر وہ (اپنے تابعداروں کو نوازنے کے لئے) ابر کو بارش برسانے کا حکم دیگا تو ابر بارش برسائے گا اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی۔ پھر جب شام کو اس قوم کے (وہ) مویشی آئیں گے جو چرنے کے لئے صبح کے وقت جنگل و بیابان گئے تھے تو ان کے کوہان بڑے بڑے ہو جائیں گے۔

اور ان کی کوکھیں (خوب کھانے پینے کی وجہ سے) تن جائیں گی پھر اس کے بعد دجال ایک اور قوم کے پاس پہنچے گا اور اس کو اپنی دعوت دے گا (یعنی اپنی خدائی کی طرف بلائے گا اور کہے گا کہ مجھے اپنا پروردگار تسلیم کرو) لیکن اس قوم کے لوگ اس کی دعوت کو رد کر دیں گے (یعنی وہ اس کی بات کو قبول نہیں کریں گے اور اس پر ایمان لانے سے انکار کر دیں گے اور وہ ان کے پاس سے چلا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اس قوم کی طرف سے پھیر دے گا) پھر اس قوم کے لوگ قحط و خشک سالی اور تباہ حالی کا شکار ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ مال و اسباب سے وبالکل خالی ہاتھ ہو جائیں گے، اس کے بعد دجال ایک ویرانہ پر سے گزرے گا اور اس کو حکم دے گا وہ اپنے خزانوں کو نکال دے چنانچہ وہ ویرانہ دجال کے حکم کے مطابق اپنے خزانوں کو اگل دے گا اور) وہ خزانے اس طرح اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے جس طرح شہد کی مکھیوں کے سردار ہوتے ہیں، پھر دجال ایک شخص کو جو جوانی سے بھرپور یعنی نہایت قوی و توانا جوان ہوگا اپنی طرف بلائے گا اور (اس بات سے غصہ ہو کر کہ وہ اس کی الوہیت سے انکار کر دے گا، یا محض اپنی طاقت وقدرت ظاہر کرنے اور اپنے غیر معمولی کارناموں کی ابتداء کے لئے) اس پر تلوار کا ایسا ہاتھ مارے گا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے جیسا کہ تیر نشانے پے پھینکا جاتا ہے (یعنی اس کے جسم کے وہ دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے اس قدر فاصلہ پر جا کر گریں گے جتنا فاصلہ تیر چلانے والے اور اس کے نشانے کے درمیان ہوتا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اس کی تلوار کا ہاتھ اس کے جسم پر اس طرح پہنچے گا جس طرح تیر اپنے نشانے پر پہنچتا ہے) اس کے بعد دجال اس نوجوان (کے جسم کے ان ٹکڑوں) کو بلائے گا، چنانچہ وہ زندہ ہو کر دجال کے طرف متوجہ ہوگا اور اس وقت اس کا چہرہ نہایت بشاش، روشن اور کھلا ہوا ہوگا غرضیکہ دجال اسی طرح کی فریب کاریوں اور گمراہ کرنے والے کاموں میں مشغول ہوگا کہ اچانک اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم علیہ السلام کو نازل فرمائے گا جو دمشق کے شرقی جانب کے سفید منارہ پر سے اتریں گے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوں گے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے (آسمان سے نازل ہوں گے وہ جس وقت اپنا سر جھکائیں گے تو پسینہ ٹپکے گا اور جب سر اٹھائیں گے تو ان کے سر سے چاندی

کے دانوں کی مانند قطرے گریں گے جو موتیوں کی طرح ہوں گے، یہ ناممکن ہوگا کہ کسی کافر تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی ہوا پہنچے اور وہ مر نہ جائیں (یعنی جو بھی کافر ان کے سانس کی ہوا پائے گا مر جائے گا) اور ان کے سانس کی ہوا ان کی حد نظر تک جائے گی پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کو باب لد پر پائیں گے اور قتل کر ڈالیں گے، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے دجال کے مکر وفریب اور فتنہ سے محفوظ رکھا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے چہروں سے گرد و غبار صاف کریں گے اور ان کو ان درجات و مراتب کی بشارت دیں گے جو وہ جنت میں پائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی حال میں ہوں گے کہ اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس یہ وحی آئے گی کہ میں نے اپنے بہت سے ایسے بندے پیدا کئے ہیں جن سے لڑنے کی قدرت وطاقت کوئی نہیں رکھتا۔ لہٰذا تم میرے بندوں کو جمع کر کے کوہ طور کی طرف لے جاؤ اور ان کی حفاظت کرو، پھر اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کو ظاہر کرے گا جو ہر بلند زمین کو پھلانگتے ہوئی اتریں گے اور دوڑیں گے، (ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی کہ جب ان سب سے پہلی جماعت بحیرہ طبریہ کو خالی دیکھ کر) کہے گی کہ اس میں کبھی پانی تھا اس کے بعد یاجوج ماجوج آگے بڑھیں گے یہاں تک کہ جبل خمر تک پہنچ جائیں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو ختم کر دیا ہے، چلو آسمان والوں کا خاتمہ کر دیں، چنانچہ وہ آسمان کی طرف اپنے تیر پھینکیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود کر کے لوٹا دے گا (تا کہ وہ اس بھرم میں رہیں کہ ہمارے تیر واقعۃً آسمان والوں کا کام تمام کر کے واپس آئے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ڈھیل دے دی جائے گی اور یہ احتمال بھی ہے کہ وہ تیر فضا میں پرندوں کو لگیں گے اور ان کے خون سے آلودہ ہو کر واپس آئیں گے، پس اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دجال کا فتنہ زمین ہی تک محدود نہیں رہیں گا بلکہ زمین کے اوپر بھی پھیل جائے گا) اس عرصہ میں اللہ کے نبی اور ان کے رفقاء یعنی حضرت عیسیٰ اور اس وقت کے مؤمن کوہ طور پر روکے رکھے جائیں گے اور (ان پر اسباب معیشت کی تنگی وقلت اس درجہ کو پہنچ جائے گی کہ) اس کے لئے بیل کا سر تمہارے آج کے سو دیناروں سے بہتر ہوگا (جب یہ حالت ہو جائے گی تو) اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی یاجوج ماجوج کی ہلاکت کے لئے دعا وزاری کریں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کی گردنوں میں نغف یعنی کیڑے پڑ جانے کی بیماری بھیجے گا۔

جس کی صورت میں ان پر اللہ کا قہر اس طرح نازل ہوگا کہ سب کے سب ایک ہی وقت موت کے گھاٹ اتر جائیں گے) اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی (اس بات سے آگاہ ہو کر) پہاڑ سے زمین پر آئیں گے اور انہیں زمین پر ایک بالشت کا ٹکڑا بھی ایسا نہیں ملے گا جو یاجوج ماجوج کی چربی اور بدبو سے خالی ہو (اس مصیبت کے دفعیہ کے لئے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے تب اللہ تعالیٰ بختی اونٹ کی گردن جیسی لمبی لمبی گردنوں والے پرندوں کو بھیجے گا جو یاجوج ماجوج کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے "اور مسلمان یاجوج ماجوج کی کمانوں، تیروں اور ترکشوں کو سات سال تک چلاتے رہیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ایک زوردار بارش بھیجے گا جس سے کوئی بھی مکان خواہ وہ مٹی کا ہو یا پتھر کا اور خواہ صوف کا ہو، نہیں بچے گا وہ بارش زمین کو دھو کر آئینہ کی مانند صاف کر دے گی پھر زمین کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے پھلوں "یعنی

اپنی پیداوار کو نکال اور اپنی برکت کو واپس لا۔

چنانچہ (زمین کی پیداوار اس قدر بابرکت اور بافراط ہوگی کہ) دس سے لے کر چالیس آدمیوں تک کی پوری جماعت ایک انار کے پھل سے سیر ہو جائے گی اور اس انار کے چھلکے سے لوگ سایہ حاصل کریں گے، نیز دودھ میں برکت دی جائے گی، (یعنی اونٹ اور بکریوں کے تھنوں میں دودھ بہت ہوگا) یہاں تک کہ دودھ دینے والی ایک اونٹنی لوگوں کی ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگی، دودھ دینے والی ایک گائے لوگوں کے ایک قبیلہ کے لئے کافی ہوگی اور دودھ دینے والی ایک بکری آدمیوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے لئے کافی ہوگی۔

بہر حال لوگ اسی طرح کی خوش حال اور امن وچین کی زندگی گزار رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک خوشبودار ہوا بھیجے گا جو ان کی بغل کے نیچے کے حصہ کو پکڑے گی (یعنی اس ہوا کی وجہ سے ان کی بغلوں میں ایک درد پیدا ہوگا) اور پھر وہ ہوا ہر مؤمن اور ہر مسلمان کی روح قبض کرلے گی اور صرف بدکار شریر لوگ دنیا میں باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح مختلط ہو جائیں گے اور ان ہی لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ اس پوری روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے علاوہ دوسری روایت کو ان الفاظ تطر حهم بالنهبل تاسبع سنين کے کہ اس کو ترمذی نے نقل کیا ہے۔ (مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 41)

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○
اور سچا وعدہ قریب ہو جائے گا تو اچانک کافر لوگوں کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ ہائے ہماری شومی قسمت! کہ
ہم اس سے غفلت میں پڑے رہے بلکہ ہم ظالم تھے۔

وعدہ قیامت کے برحق ہو کر واقع ہونے کا بیان

"وَاقْتَرَبَ الْوَعْد الْحَقّ" أَيْ يَوْم الْقِيَامَة "فَإِذَا هِيَ" أَيْ الْقِصَّة "شَاخِصَة أَبْصَار الَّذِينَ كَفَرُوا" فِي ذَلِكَ الْيَوْم لِشِدَّتِهِ يَقُولُونَ "يَا" لِلتَّنْبِيهِ "وَيْلنَا" هَلَاكنَا "قَدْ كُنَّا" فِي الدُّنْيَا "فِي غَفْلَة مِنْ هَذَا" الْيَوْم "بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ" أَنْفُسنَا بِتَكْذِيبِنَا لِلرُّسُلِ

اور قیامت کا سچا وعدہ قریب ہو جائے گا پس جب وہ آئے گی تو اچانک کافر لوگوں کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی وہ اس دن کی شدت کی وجہ سے پکار اٹھیں گے ہائے ہماری شومی قسمت! یا ء برائے انتباہ ہے۔ کہ ہم اس دن کی آمد سے پہلے دنیا میں غفلت میں پڑے رہے بلکہ ہم ظالم تھے۔ کیونکہ ہم نے رسولان گرامی کی تکذیب کی۔

قیامت کے بعض نشانیوں کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی بناء پر تم اعمال صالحہ کی طرف پیش

قدمی کرلو اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں دھواں، دجال، دابہ الارض، مغرب سے طلوع آفتاب، امر عامہ، (یعنی وہ فتنہ عام جو تمام لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے) اور فتنہ خاص (کہ جو تم میں سے کسی کے ساتھ مخصوص ہو)۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر 31)

چھ چیزوں کی بناء پر الخ کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی ان چھ نشانیوں کے ظاہر ہونے اور ان کے آ پہنچنے سے پہلے پہلے جس قدر زیادہ ہو سکے نیک کام کرلو کیونکہ ان چیزوں کے بعد یا تو نیک کام کرنا نہایت دشوار ہو جائے گا یا اگر کوئی نیک کام کیا بھی جائے گا تو اس کا اعتبار ہی نہیں ہوگا امر عامہ" سے مراد برائی اور دین سے بیزاری کا وہ ہمہ گیر فتنہ ہے جو اجتماعی طور پر تمام لوگوں کو گھیرے گا اور پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آ جائے اور فتنہ خاص" سے مراد وہ مخصوص مسائل و آفات ہیں جو انفرادی طور پر کسی بھی شخص کو اس طرح پریشان حال اور پراگندہ خاطر کر دیتے ہیں کہ وہ دین و آخرت کے معاملات کی طرف زیادہ توجہ دینے سے باز رہتا ہے جیسے اپنے یا اپنے اہل وعیال اور مال و جائیداد کے بارے میں مختلف قسم کی پریشانیاں اور مشغولیتیں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں امر عامہ سے مراد قیامت اور فتنہ خاص سے مراد موت ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ حدیث کا مقصد چونکہ لوگوں کو قیامت کی علامتوں سے ڈرانا اور چوکنا کرنا ہے اس لئے ان علامتوں کے ضمن میں خود قیامت اور قیامت صغریٰ یعنی موت کے آنے سے بھی ڈرایا گیا ہے۔

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝
لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَ كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
بیشک تم اور وہ جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے۔ دوزخ کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔
اگر یہ معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے، اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بت اور بت پرستی کرنے والوں کا جہنم میں داخل ہونے کا بیان

"اِنَّكُمْ" يَا أَهْل مَكَّة "وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُون اللّٰه" أَيْ غَيْره مِنْ الْأَوْثَان "حَصَب جَهَنَّم" وَقُودهَا "أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ" دَاخِلُونَ فِيهَا، "لَوْ كَانَ هَؤُلَاءِ" الْأَوْثَان "آلِهَة" كَمَا زَعَمْتُمْ "مَا وَرَدُوهَا" دَخَلُوهَا "وَكُلّ" مِنْ الْعَابِدِينَ وَالْمَعْبُودِينَ

بیشک تم اے اہل مکہ اور وہ بت وغیرہ جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے۔ سب دوزخ کا ایندھن ہیں، تم اس میں داخل ہونے والے ہو۔ اگر یہ بت واقعۃً معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے، جیسا تمہارا نظریہ تھا اور وہ سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی عبادت کرنے والے اور عبادت کیے گئے سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بتوں کے ساتھ نیک بندوں کو تشبیہ نہ دینے کا بیان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نضر بن حارث آیا اس وقت مسجد میں اور قریشی بھی بہت سارے تھے نضر بن حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کر رہا تھا لیکن وہ لاجواب ہو گیا آپ نے آیت

(اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ، الأنبیاء:98) تلاوت فرمائی۔ جب آپ اس مجلس سے چلے گئے تو عبداللہ بن زبعری آیا لوگوں نے اس سے کہا آج نضر بن حارث نے باتیں کیں لیکن بری طرح چت ہوئے اور حضرت یہ فرماتے ہوئے چلے گئے۔ اس نے کہا اگر میں ہوتا تو انہیں جواب دیتا کہ ہم فرشتوں کو پوجتے ہیں یہود عزیر کو نصرانی مسیح کو تو کیا یہ سب بھی جہنم میں جلیں گے؟ سب کو یہ جواب بہت پسند آیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا جس نے اپنی عبادت کرائی وہ عابدوں کے ساتھ جہنم میں ہے۔

یہ بزرگ اپنی عبادتیں نہیں کراتے تھے بلکہ یہ لوگ تو انہیں نہیں شیطان کو پوج رہے ہیں اسی نے انہیں ان کی عبادت کی راہ بتائی ہے۔ آپ کے جواب کے ساتھ ہی قرآنی جواب اس کے بعد ہی آیت (ان الذین سبقت) میں اترا تو جن نیک لوگوں کی جاہلوں نے پرستش کی تھی وہ اس سے مستثنیٰ ہو گئے۔ (سیرت ابن اسحاق، تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

توبہ کے ذریعے معافی ہو جانے کا بیان

سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن ابزی نے اس بات کا حکم دیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان دو آیتوں کے بارے میں معلوم کروں کہ ان کا کیا مطلب ہے آیت (اور اس نفس کو قتل نہ کرو جس کے قتل کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے) اور آیت (اور جو کسی مومن کو قصداً قتل کرے گا) تو میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا جب سورت فرقان والی آیت نازل ہوئی تو مشرکین مکہ نے کہا، ہم نے اللہ کے حرام کردہ نفس کو بھی قتل کیا، اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارا (پوجا) بھی کی اور ہم نے اور بھی بری باتیں کی ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مگر جو توبہ کرے اور ایمان لے آئے تو یہ آیت اس کے حق میں ہے اور سورہ نساء والی آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اسلام اور اس کی شریعت کو جان لے پھر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، میں نے یہ مجاہد سے بیان کیا تو انہوں نے کہا ہاں مگر جو شخص توبہ کرے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 1087)

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ○
وہاں ان کی چیخ و پکار ہوگی اور اس میں کچھ نہ سن سکیں گے۔ بیشک جن لوگوں کے لئے پہلے سے ہی ہماری طرف سے بھلائی
مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔

نیک ہستیوں کیلئے بھلائی مقرر ہو چکنے کا بیان

"لَهُمْ" لِلْعَابِدِينَ "فِيهَا زَفِير وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ" شَيْئًا لِشِدَّةِ غَلَيَانهَا وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْن الزِّبَعْرَى عَبْد عُزَيْر وَالْمَسِيح وَالْمَلَائِكَة فَهُمْ فِي النَّار عَلَى مُقْتَضَى مَا تَقَدَّمَ "إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا" الْمَنْزِلَة "الْحُسْنَى" وَمِنْهُمْ مَنْ ذُكِرَ

وہاں ان کی یعنی بت پرستوں کی آہوں کا شور اور چیخ وپکار ہوگی اور اس میں شدت جوش کے سبب کچھ اور نہ سن سکیں گے۔
یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ابن زبعریٰ نے کہا کہ عزیر علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کی عبادت ہوئی ہے لہٰذا سابقہ بیان کے مطابق وہ بھی جہنم میں جائیں گے۔
بیشک جن لوگوں کے لئے پہلے سے ہی ہماری طرف سے بھلائی مقرر ہو چکی ہے۔ یہ مقدس ہستیاں بھی انہی میں سے ہیں۔ وہ اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

نیک لوگوں کی بتوں سے تشبیہ دینے والوں کی تردید کا بیان

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ **انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم انتم لها واردون**) تو ابن زبعری نے کہا سورج، چاند، فرشتوں اور عزیر ان کی بھی تو عبادت کی جاتی ہے لہٰذا یہ سب کے سب بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا تو تمہاری قوم کے لوگ چلا اٹھے اور کہنے لگے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰ۔ انہوں نے عیسیٰ کی مثال بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ (سیوطی 184، ابن کثیر 3۔198، زاد المسیر 5۔(392)

حضرت یحییٰ، حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آیت ہے جس کے بارے میں لوگ مجھ سے سوال نہیں کرتے مجھے معلوم نہیں وہ اس کی تفسیر کو جانتے ہیں اس وجہ سے اس کے متعلق سوال نہیں کرتے یا اس سے وہ بالکل ناواقف ہیں اس لیے اس کے متعلق سوال نہیں کرتے یحییٰ نے پوچھا وہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو قریش کو یہ بہت برا لگا اور انہوں نے کہا کیا یہ ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے ابن زبعری آیا تو اس نے پوچھا تمہیں کیا ہوا انہوں نے جواب دیا کہ یہ محمد ﷺ ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے اس نے کہا یہ کیا کہتا ہے انہوں نے بتلایا کہ اس نے یہ کہا ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ)

اس نے کہا اسے میرے پاس بلاؤ جب نبی کریم ﷺ کو بلایا گیا تو اس نے کہا اے محمد ﷺ کیا یہ خاص طور پر ہمارے معبودوں کے لیے ہے یا ہر ایک کے لیے جس کی اللہ کی سوا عبادت کی جائے۔ آپ نے فرمایا بلکہ یہ ہر ایک کے لیے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے ابن زبعری نے کہا اس عمارت کعبہ کے رب کی قسم میں جھگڑے میں غالب آگئے کیا تو یہ نہیں کہتا فرشتے نیک بندے ہیں اور عیسیٰ نیک آدمی ہیں یہ بنو ملیح فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں نصاری کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں ابن عباس نے فرمایا کہ (یہ سن کر) اہل مکہ نے آواز بلند کی اس موقع پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی، اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ) جن لوگوں (یعنی) فرشتے عیسیٰ اور عزیز) کے لیے ہماری طرف سے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ (نیسابوری 256، مسند احمد 2921، معجم الکبیر 12740، مجمع الزوائد 7۔104)

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ○

وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے جن کی ان کے دل خواہش کریں گے۔

اہل جنت کا جنت میں خوش رہنے کا بیان

"لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا" صَوْتَهَا "وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسهمْ" مِنَ النَّعِيم

وہ اس کی آہٹ یعنی آواز بھی نہ سنیں گے اور وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے جن کی ان کے دل خواہش کریں گے۔

ان آیات میں مشرکوں اور ان کے معبودوں کے انجام کے مقابلہ میں نیک لوگوں کے احوال کا ذکر کیا گیا ہے۔ خواہ انہیں کسی نے معبود بنا رکھا تھا یا نہیں۔ ایسے لوگ جہنم سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ وہ اہل دوزخ کی کسی قسم کی چیخ و پکار یا آہٹ تک نہ سننے پائیں گے اور ان سے بہت دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے اپنی سب پسند نعمتوں کے مزے اڑائیں گے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○

سب سے بڑی ہولناکی انہیں رنجیدہ نہیں کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔ یہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا۔

قبروں سے خروج کے بعد فرشتوں سے ملاقات کا بیان

"لَا يُحْزِنهُمْ الْفَزَع الْأَكْبَر" وَهُوَ أَنْ يُؤْمَر بِالْعَبْدِ إِلَى النَّار "وَتَتَلَقَّاهُمْ" تَسْتَقْبِلهُمْ "الْمَلَائِكَة" عِنْد خُرُوجهمْ مِنْ الْقُبُور يَقُولُونَ لَهُمْ "هَذَا يَوْمكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ" فِي الدُّنْيَا

روز قیامت کی سب سے بڑی ہولناکی بھی انہیں رنجیدہ نہیں کرے گی اور اس میں ایک آدمی کو جہنم میں ڈالنے کا حکم دیا جائے گا اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے یعنی جب وہ قبروں سے نکلیں گے تو وہ ان کیلئے کہیں گے یہ تمہارا ہی دن ہے جس کا تم سے دنیا میں وعدہ کیا جاتا رہا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ فزع اکبر سے مراد صور کا نفخہ ثانیہ ہے جس سے سب مردے زندہ ہو کر حساب کے لئے کھڑے ہوں گے بعض حضرات نے نفخہ اولےٰ کو فزع اکبر قرار دیا ہے۔ ابن عربی کا قول یہ ہے کہ نفخات تین ہوں گے پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے ساری دنیا کے لوگ گھبرا اٹھیں گے اسی کو یہاں فزع اکبر کہا گیا ہے۔ دوسرا نفخہ نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مر جائیں گے اور فنا ہو جائیں گے، تیسرا نفخہ نفخہ بعث ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے اس کی شہادت میں مسند ابو یعلی اور بیہقی، عبد بن حمید، ابوالشیخ، ابن جریر طبری وغیرہ سے حضرت ابو ہریرہ کی ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ (جامع البیان، سورت الانبیاء، بیروت)

قبر میں میت سے فرشتوں کی ملاقات کا بیان

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اعزا و احباب واپس آتے ہیں تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں

اوران کو بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تم اس آدمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مومن کہتا ہے، میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو جس کو اللہ نے بدل دیا ہے اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔

چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے۔ اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے کہ اس آدمی (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مومن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم الفاظ صحیح البخاری کے ہیں، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 123)

جب انسان اس دنیا کی عارضی زندگی ختم کر کے دوسری دنیا میں پہنچتا ہے تو اس کی سب سے پہلی منزل قبر ہوتی ہے، جسے عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے، مردہ کو قبر میں اتارنے کے بعد جب اس کے عزیز واقارب واپس لوٹتے ہیں تو اس میں اللہ کی جانب سے وہ قوت سماعت دے دی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ ان لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا رہتا ہے اس کے بعد منکر نکیر قبر میں آتے ہیں اور اس سے دوسرے سوالات کے علاوہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ ان کے متعلق تمہارا اعتقاد کیا ہے، اگر مرد مومن صادق ہوتا ہے تو وہ صحیح جواب دے دیتا ہے اور اگر وہ کافر ہے تو جواب نہیں دے پاتا بعد میں نتیجہ سنا دیا جاتا ہے کہ صحیح جواب دینے والا اللہ کی رحمت اور اس کی نعمتوں کا مستحق قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس کی آخری منزل جنت کی طرف اس کی راہنمائی کر دی جاتی ہے، غلط جواب دینے والا اللہ کے غضب کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے اور اسے اس کی آخری منزل دوزخ کی راہ دکھا دی جاتی ہے۔

يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝
اس دن ہم سماوی کائنات کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ دیا جاتا ہے، جس طرح ہم نے پہلی بار
پیدا کیا تھا ہم اسی عمل تخلیق کو دہرائیں گے۔ یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے۔ ہم ضرور کرنے والے ہیں۔

قیامت کے دن سماوی کائنات کو لپیٹ لینے کا بیان

"يَوْم" مَنْصُوب بِذِكْرِ مُقَدَّرًا قَبْله "نَطْوِى السَّمَاء كَطَيِّ السِّجِلّ" اسْم مَلَك "لِلْكُتُبِ" صَحِيفَة ابْن آدَم عِنْد مَوْته وَاللَّام زَائِدَة أَوْ السِّجِلّ الصَّحِيفَة وَالْكِتَاب بِمَعْنَى الْمَكْتُوب وَاللَّام بِمَعْنَى عَلَى وَفِي قِرَاءَة لِلْكُتُبِ جَمْعًا "كَمَا بَدَأْنَا أَوَّل خَلْق" مِنْ عَدَم "نُعِيدهُ" بَعْد إعْدَامه فَالْكَاف مُتَعَلِّقَة بِنُعِيد وَضَمِيره عَائِد إلَى أَوَّل وَمَا مَصْدَرِيَّة "وَعْدًا عَلَيْنَا" مَنْصُوب بِوَعَدْنَا مُقَدَّرًا قَبْله وَهُوَ مُؤَكِّد

لِمَضْمُونِ مَا قَبْلَه "اِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ" مَا وَعَدْنَاهُ،

یہاں پر یوم سے پہلے اذکر مقدر ہونے کی وجہ سے یوم منصوب ہے۔اس دن ہم ساری سماوی کائنات کو اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے لکھے ہوئے کاغذات کو لپیٹ دیا جاتا ہے، یعنی سجل جو ایک فرشتے یا کتب، صحیفے کا نام ہے یہ فرشتہ موت کے وقت ابن آدم کے نامہ اعمال کو لپیٹ لیتا ہے۔اور یہاں للکتب میں لام زائدہ ہے۔اور سجل صحیفہ ہے اور کتاب بہ معنی مکتوب ہے اور لام بہ معنی علی ہے اور ایک قرأت میں الکتب جمع کے ساتھ آیا ہے۔جس طرح ہم نے کائنات کو پہلی بار عدم سے پیدا کیا تھا یہاں پر کاف نعید کے متعلق ہے۔اور ضمیر اول کی طرف لوٹنے والی ہے۔اور ما مصدریہ ہے۔ہم اس کے ختم ہو جانے کے بعد اسی عمل تخلیق کو دہرائیں گے۔یہ وعدہ پورا کرنا ہم نے لازم کر لیا ہے۔وعدا منصوب بوعدنا مقدر کی وجہ سے ہے جو اس سے پہلے ہے۔اور وہ ماقبل مضمون کی تاکید کیلئے آیا ہے۔ہم یہ اعادہ ضرور کرنے والے ہیں۔جس کا ہم نے وعدہ کیا ہے۔

سورت الانبیاء آیت ۱۰۴ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا تم لوگ قیامت کے روز ننگے جسم اور بے ختنہ اٹھائے جاؤ گے، پھر یہ آیت پڑھی، كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُه وَعْدًا عَلَيْنَا ،جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا دوبارہ بھی پیدا کریں گے، یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے، بے شک ہم وعدہ پورا کرنے والے ہیں)۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو سب سے پہلے کپڑے پہنائے جائیں گے وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔پھر میری امت کے بعض لوگوں کو بائیں طرف لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا یا اللہ یہ تو میرے اصحاب ہیں۔جواب دیا جائے گا کہ آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کی تھیں۔پھر میں اللہ کے نیک بندے (عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح عرض کروں گا (وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا، المائدہ:117) آپ نے جس دن سے انہیں چھوڑا تھا اسی دن سے یہ مرتد ہو گئے تھے۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1112)

پہلی مرتبہ کی تخلیق سے دوسری بار زندہ کرنے کی دلیل کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم (انسان مجھ کو جھٹلاتا ہے اور یہ بات اس کے شایان نہیں اور میرے بارے میں بدگوئی کرتا ہے حالانکہ یہ اس کے مناسب نہیں ہے، اس کا مجھ کو جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے جس طرح اللہ نے مجھ کو پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح وہ مجھ کو دوبارہ ہرگز پیدا نہیں کر سکتا حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا پہلی مرتبہ پیدا کرنے کے مقابلہ میں مشکل نہیں ہے۔اور اس کا میرے بارے میں بدگوئی کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں تنہا اور بے نیاز ہوں، نہ میں نے کسی کو جنا ہے اور نہ مجھ کو کسی نے جنا اور نہ کوئی میرا برابری کرنے والا ہے اور عبداللہ ابن عباس کی روایت میں اس طرح ہے "اور اس (انسان) کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ کا بیٹا ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو بیوی یا بیٹا بناؤں۔(صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 19)

جو لوگ یہ فرماتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک مرتبہ پیدا ہو کر مر جانے والوں اور اس دنیا سے اپنا وجود ختم کر دینے والوں کو دوبارہ حیات ملے اور نئی دنیا (آخرت) کے لئے ان کا وجود پھر عمل میں آئے یا اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے "بیٹا" ثابت کرتے ہیں اور اس کا عقیدہ رکھتے ہیں جیسے عیسائیوں کا کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، یا یہودیوں کا کہنا کہ عزیر علیہ السلام اللہ کی اولاد ہیں، درحقیقت فکر وعقیدہ کی بے راہ روی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنا اور اس کی ذات پر بہتان باندھنا ہے۔ جھوٹ کی نسبت تو اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی کتابوں اور اپنے سچے پیغمبروں کے ذریعہ قیامت کی واضح خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ہر ذی روح کو مرنا ہے اور پھر آخرت میں دوبارہ زندہ ہو کر ایک نئی حیات پانا ہے جو ابدی ہوگی، اب اگر کوئی آدمی قیامت کا انکار کرتا ہے یا حیات بعد الموت کو ناممکن سمجھتا ہے تو دراصل وہ ظاہر کرتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ جھوٹا ہے جس نے ان غلط باتوں کی ہمیں خبر دی ہے اسی طرح یہ تصور قائم کرنا اور کہنا کہ جو شخص ایک مرتبہ پیدا ہو کر ختم ہو چکا ہے وہ دوبارہ وجود نہیں پا سکتا، درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی صفت قادریت وخالقیت کا انکار کرنا ہے۔ ان نادانوں کی عقل میں یہ موٹی بات نہیں آتی کہ جو خالق کسی چیز کو عدم سے نکال کر وجود کا لباس پہنا سکتا ہے وہ اسی چیز کو جبکہ وہ ٹوٹ پھوٹ کر اپنا قلب کھو چکی ہو، دوبارہ قالب اور وجود عطا کیوں نہیں کر سکتا، محدود قدرت رکھنے والا انسان بھی کسی چیز کی تخلیق میں اگر کوئی دقت اور مشکل محسوس کرتا ہے تو پہلی مرتبہ کی تخلیق میں محسوس کرتا ہے جب کہ اسی چیز کو دوبارہ بنانا اس کے لئے زیادہ مشکل نہیں ہوتا، پھر لامحدود طاقت قدرت رکھنے والے خلاق عالم کو اپنی کسی تخلیق کو دوبارہ وجود دینے میں بھلا کیا دقت ہو سکتی ہے۔ واضح ہو کہ "پہلی مرتبہ" اور "دوسری مرتبہ" کی یہ تفصیل انسان کے اعتبار سے اور محض سمجھانے کے لئے ہے اس کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات سے ہرگز نہیں ہے وہ تو قادر مطلق ہے، کسی چیز کو پیدا کرنا نہ اس کے لئے پہلی مرتبہ مشکل ہے اور نہ دوسری مرتبہ۔ اللہ کے بارے میں بدگوئی کے ذریعہ اس کی ذات پر بہتان باندھنا اس اعتبار سے ہے کہ جب اس نے واضح طور پر بتایا ہے کہ وہ تنہا، بے نیاز اور بے کفو ہے اور یہ کہ نہ اس کو کسی نے جنا اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے تو پھر کسی کو اس کا بیٹا بنانا اس کو کسی کا باپ بتانا اس کی ذات پر بہتان تراشی نہیں تو اور کیا ہے؟، یہ انسان کی ذہنی پستی اور فکر وخیال کی گراوٹ کی بات ہے کہ وہ اپنے خالق اور اپنے پروردگار کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت کرے جس سے اس کی ذات پاک ہے، بے نیاز ہے۔

لفظ سجل کے معنے حضرت ابن عباس سے صحیفہ کے منقول ہیں علی بن طلحہ، عوفی، مجاہد، قتادہ وغیرہ نے بھی یہی معنے بیان کئے ہیں۔ ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور کتب اس جگہ بمعنے المکتوب ہے معنی یہ ہیں کہ آسمان کو اس طرح لپیٹ دیا جائے گا جس طرح کوئی صحیفہ اپنے اندر لکھی ہوئی تحریر کے ساتھ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ سجل کے متعلق دوسری روایات کہ وہ کسی شخص یا فرشتہ کا نام ہے محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ○
اور بلاشبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔

اللہ کی زمین کے بادشاہ نیک ہستیوں کے ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُور" بِمَعْنَى الْكِتَاب أَيْ كُتُب اللّٰه الْمُنَزَّلَة "مِنْ بَعْد الذِّكْر" بِمَعْنَى أُمّ الْكِتَاب الَّذِي عِنْد اللّٰه "أَنَّ الْأَرْض" أَرْض الْجَنَّة "يَرِثهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ" عَام فِي كُلّ صَالِح

اور بلا شبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے بیان یعنی ام الکتاب کے بعد یہ لکھ دیا تھا۔زبور کا معنی کتاب ہے۔یعنی اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے۔کہ زمین یعنی جنت کے وارث صرف میرے نیکوکار بندے ہوں گے۔یہ ہر نیک آدمی کیلئے عام ہے۔

زمین کی وراثت اولیاء اللہ کیلئے ہے

لفظ زبور، زبر کی جمع ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں اور زبور اس خاص کتاب کا نام بھی ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔اس جگہ زبور سے کیا مراد ہے اس میں اقوال مختلف ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی ایک روایت میں یہ ہے کہ ذکر سے مراد آیت میں تورات ہے اور زبور سے مراد وہ سب کتابیں ہیں جو تورات کے بعد نازل ہوئیں۔انجیل، زبور داؤد۔اور قرآن (اخرجہ ابن جریر) یہی تفسیر ضحاک سے بھی منقول ہے۔اور ابن زید نے فرمایا کہ ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے اور زبور سے مراد تمام کتابیں جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں۔زجاج نے اسی کو اختیار کیا ہے۔اس جگہ ارض سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک ارض جنت ہے۔حضرت ابن عباس کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس ارض سے مراد عام ارض ہے دنیا کی زمین بھی اور جنت کی زمین بھی جنت کی زمین کے تو تنہا وارث صالحین ہونا ظاہر ہے۔دنیا کی پوری زمین کے وارث ہونا بھی ایک وقت میں مومنین صالحین کے لئے ہے۔(تفسیر روح المعانی، سورت الانبیاء، بیروت)

زمین اللہ کی ہے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے، انجام کار پرہیزگاروں کا حصہ ہے۔اور فرمان ہے ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی دنیا میں اور آخرت میں مدد فرماتے ہیں اور فرمان ہے کہ تم میں سے ایمان داروں اور نیک لوگوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں غالب بنائے گا جیسے کہ ان سے اگلوں کو بنایا اور ان کے لئے ان کے دین کو قوی کر دے گا جس سے وہ خوش ہے۔اور فرمایا کہ یہ شرعیہ اور قدریہ کتابوں میں مرقوم ہے، یقیناً ہو کر ہی رہے گا۔

إِنَّ فِي هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝
بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک پیغام ہے جو عبادت کرنے والے ہیں۔

قرآن پر عمل پیرا ہونے والوں کیلئے جنت ہونے کا بیان

"إِنَّ فِي هٰذَا" الْقُرْآن "لَبَلَاغًا" كِفَايَة فِي دُخُول الْجَنَّة "لِقَوْمٍ عَابِدِينَ" عَامِلِينَ بِهِ

بلاشبہ اس قرآن میں ان لوگوں کے لیے یقیناً ایک پیغام ہے۔جو عبادت کرنے والوں کیلئے دخول جنت کیلئے کافی ہے۔یعنی جو اس قرآن پر عمل کرنے والے ہیں۔

جو اس کا اتباع کرے اور اس کے مطابق عمل کرے جنت پائے اور مراد کو پہنچے اور عبادت والوں سے مؤمنین مراد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ امت محمد یہ مراد ہے جو پانچوں نمازیں پڑھتے ہیں، رمضان کے روزے رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت سے نزدیک اور دوزخ سے دور کر دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور نماز پابندی سے پڑھ اور زکوۃ ادا کر اور اپنے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کر، اس کے بعد وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ میرے حکم پر کاربند رہے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(صحیح مسلم: جلد اول: حدیث نمبر 109)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○
اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے سراسر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا تمام جہانوں کیلئے رحمت ہونے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَاكَ" يَا مُحَمَّد "إِلَّا رَحْمَةً" أَيْ لِلرَّحْمَةِ "لِلْعَالَمِينَ" الْإِنْس وَالْجِنّ بِك

یا محمد ﷺ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں یعنی عالم انس وجن کیلئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی رحمت کے عام ہونے کا بیان

کوئی ہو جن ہو یا انس مؤمن ہو یا کافر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا رحمت ہونا عام ہے ایمان والے کے لئے بھی اور اس کے لئے بھی جو ایمان نہ لایا، مؤمن کے لئے تو آپ دنیا و آخرت دونوں میں رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا اس کے لئے آپ دنیا میں رحمت ہیں کہ آپ کی بدولت تاخیرِ عذاب ہوئی اور خَسف و مَسخ اور اِستیصال کے عذاب اٹھا دیئے گئے۔ تفسیرِ روح البیان میں اس آیت کی تفسیر میں اکابر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت مطلقہ تامّہ کاملہ عامہ شاملہ جامعہ محیطہ بہ جمیع مقیدات رحمت غیبیہ وشہادتِ علمیہ وعینیہ و وجودیہ وشُہودیہ وسابقہ ولاحقہ وغیر ذلک تمام جہانوں کے لئے، عالَمِ ارواح ہوں یا عالَمِ اجسام، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول اور جو تمام عالَموں کے لئے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہان سے افضل ہو۔ (خزائن العرفان، سورت الانبیاء، بیروت)

عالمین عالم کی جمع ہے جس میں ساری مخلوقات انسان، جن، حیوانات، نباتات، جمادات سبھی داخل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کے لئے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت یعنی قیامت آجائے گی اور جب ذکر اللہ و عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب چیزوں کے

لئے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہو گیا کیونکہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپ ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا رحمة مهداة میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں۔ (اخرجہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ) اور حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا رحمة مهداة برفع قوم و خفض اخرین، یعنی میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تا کہ (اللہ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سر بلند کر دوں اور دوسری قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں ان کو) پست کر دوں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورت الانبیاء، بیروت)

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝
فرما دیجئے کہ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود فقط ایک معبود ہے، تو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کی وحی آنے کا بیان

"قُلْ إِنَّمَا يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَه وَاحِد" أَيْ مَا يُوحَى إِلَيَّ فِي أَمْر الْإِلَه إِلَّا وَحْدَانِيّته "فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ" مُنْقَادُونَ لِمَا يُوحَى إِلَيَّ مِنْ وَحْدَانِيَّة الْإِلَه وَالِاسْتِفْهَام بِمَعْنَى الْأَمْر

فرما دیجئے کہ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود فقط ایک ہی معبود ہے، یعنی میری طرف معبود کے بارے میں وحی نہیں کی گئی مگر صرف اللہ کی توحید کیلئے۔ تو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو۔ کیا تم اس وحی کی اتباع کرتے ہو جو اس کی توحید کی میری طرف کی گئی۔ یہاں استفہام امر کے معنی میں ہے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے وحی کا معجزہ ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں سے ہر ایک نبی کو معجزات میں صرف اتنا دیا گیا جس پر انسان ایمان لا سکے اور جو معجزہ مجھ کو ملا وہ اللہ کی وحی ہے جو اس نے میری طرف بھیجی (اور جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے) اس کی بناء پر مجھے یقین ہے کہ قیامت کے دن میرے ماننے والوں کی تعداد تمام انبیاء کے ماننے والوں سے زیادہ ہوگی۔

(بخاری و مسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 310)

مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام چونکہ مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت و نبوت کا دعوی کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو کچھ ایسے معجزے عطا فرماتا ہے جس کو وہ اپنے دعوے کی دلیل و برہان کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں، چنانچہ جتنے بھی نبی اور رسول اس زمین پر آئے ان کو کسی نہ کسی نوعیت کا ایسا معجزہ دیا گیا جس کو دیکھ کر عقل سلیم رکھنے والا انسان اس نبی کی تصدیق کر سکے اور اس پر ایمان لا سکے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس نبی کو جو بھی معجزہ دیا گیا وہ اس نبی کے زمانہ اور اس کی حیات تک مخصوص اور باقی رہا، اس نبی کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے ساتھ اس کا معجزہ بھی ختم ہو گیا، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اور جادو کا زبردست چرچا تھا، بڑے بڑے جادوگر اپنے فن کا کمال دکھایا کرتے تھے اور لوگ ان کے فن کے کمال سے متاثر ہوتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضا اور عصا کا معجزہ دیا گیا ان کے دونوں معجزوں نے تمام

چھوٹے بڑے جادوگروں کا چراغ گل کر دیا اور نہ صرف عام لوگوں کو بلکہ خود ان جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عظمت کا اعتراف کرنا پڑا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب وحکمت کا بڑا زور تھا اس وقت ایسے ایسے قابل اور ماہر فن طبیب اور حکیم موجود تھے جو پیچیدہ سے پیچیدہ دکھ اور بیماری کو جڑ سے اکھیڑ دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، کوڑھی کو تندرست اور اندھے کو بینا بنا دیتے تھے، اس طرح ان کا یہ معجزہ اپنے زمانہ کے نہایت ترقی یافتہ طب وحکمت پر غالب رہا، لیکن نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ان کے بعد باقی رہا اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی۔ تمام انبیاء کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی صورت میں جو سب سے بڑا معجزہ عطا ہوا اس کو دائمی حیثیت حاصل ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت وبلاغت کا زور تھا، عرب فصحاء کا دعویٰ تھا کہ ان کی فصاحت وبلاغت کے سامنے دنیا کے تمام لوگ " گونگے " ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل کیا گیا جس کی فصاحت وبلاغت نے عرب کے بڑے سے بڑے فصیح وبلیغ کی فصاحت وبلاغت کو ماند کر دیا، اپنی زبان دانی اور معجز بیانی کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے مغلوب ہو گئے، تمام فصیح مل کر بھی قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت جیسا کلام بھی پیش نہ کر سکے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم معجزہ کو قیامت تک کے لئے باقی رکھا جو ہر زمانے اور ہر طبقہ میں سید العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کی صداقت پر پوری حقانیت اور یقین کے ساتھ گواہی پیش کرتا رہا ہے اور پیش کرتا رہے گا۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ مجھے عطا کیا جانے والا یہ عظیم معجزہ چونکہ قیامت تک باقی رہے گا اور لوگ برابر اس پر لاتے رہیں گے اس لئے قیامت کے دن اکثریت ان اہل ایمان کی ہوگی جو میری نبوت ورسالت پر عقیدہ رکھنے والے اور میرے اس معجزہ قرآن کریم کو ماننے والے ہوں گے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِيْۤ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝
پھر اگر وہ رُوگردانی کریں تو فرما دیجئے: میں نے تم سب کو یکساں طور پر باخبر کر دیا ہے، اور میں (اَزخود) نہیں جانتا کہ
وہ نزدیک ہے یا دور جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

قیامت کے قریب یا بعید ہونے کا بیان

"فَإِنْ تَوَلَّوْا" عَنْ ذَلِكَ "فَقُلْ آذَنْتُكُمْ" أَعْلَمْتُكُمْ بِالْحَرْبِ "عَلَى سَوَاء " حَال مِنْ الْفَاعِل وَالْمَفْعُول أَيْ مُسْتَوِينَ فِي عِلْمه لَا أَسْتَبِدّ بِهِ دُونكُمْ لِتَتَأَهَّبُوا "وَإِنْ" مَا "أَدْرِي أَقَرِيب أَمْ بَعِيد مَا تُوعَدُونَ" مِنْ الْعَذَاب أَوْ الْقِيَامَة الْمُشْتَمِلَة عَلَيْهِ وَإِنَّمَا يَعْلَمهُ اللَّه،مَا تُوعَدُونَ،

پھر اگر وہ اس سے رُوگردانی کریں تو فرما دیجئے: میں نے تم سب کو یکساں طور پر باخبر کر دیا ہے، یہاں پر علی سواء یہ فاعل اور مفعول دونوں سے حال ہے۔ یعنی اس کے بارے علم میں برابر ہے ایسا نہیں ہے کہ میں اکیلا واقف ہوں اور تم نہیں جانتے۔ تاکہ تم تیاری کر و اور میں اَزخود نہیں جانتا کہ وہ عذاب یا قیامت جو عذاب پر مشتمل ہے وہ نزدیک ہے یا دور ہے اور بے شک اللہ اس کو جانتا

ہے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے۔

ذاتی علم سے نفی ہونے کا بیان

بے خدا کے بتائے یعنی یہ بات عقل وقیاس سے جاننے کی نہیں ہے۔ یہاں درایت کی نفی فرمائی گئی درایت کہتے ہیں اندازے اور قیاس سے جاننے کو جیسا کہ مفردات راغب اور ردّ المحتار میں ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کے واسطے لفظ درایت استعمال نہیں کیا جاتا اور قرآن کریم کے اطلاقات اس پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا (مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ، الشوریٰ:52) لہٰذا یہاں بے تعلیم الٰہی محض اپنے عقل وقیاس سے جاننے کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی اور مطلق علم کی نفی کیسے ہوسکتی ہے جب کہ اسی رکوع کے اول میں آچکا ہے (وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ،الأنبیاء:97) یعنی قریب آیا سچا وعدہ تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وعدے کا قرب و بُعد کسی طرح معلوم نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اپنے عقل وقیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، الانبیاء، لاہور)

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ٥
بیشک وہ بلند آواز کی بات بھی جانتا ہے اور وہ بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔

اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے

"اِنَّهٗ" تَعَالٰی "يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ" وَالْفِعْلِ مِنْكُمْ وَمِنْ غَيْرِكُمْ "وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ" أَنْتُمْ وَغَيْرُكُمْ مِنَ السِّرِّ

بیشک وہ یعنی اللہ تعالیٰ بلند آواز کی بات بھی جانتا ہے جو تمہارا فعل اور دوسروں کا کام ہے۔ اور وہ کچھ بھی جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ یعنی جو راز میں تم اور دوسرے لوگ رکھتے ہیں۔

یعنی ان مخالفانہ باتوں اور سازشوں اور سرگوشیوں کی طرف جن کا آغاز سورہ میں ذکر کیا گیا تھا۔ وہاں بھی رسول مکرم ﷺ کی زبان سے ان کا یہی جواب دلوایا گیا تھا کہ جو باتیں تم بنارہے ہو وہ سب خدا سن رہا ہے اور جانتا ہے۔ یعنی اس غلط فہمی میں نہ رہو کہ یہ ہوائیں اڑ گئیں اور کبھی ان کی باز پرس نہ ہوگی۔ اپنے دلوں میں یعنی نبی کی عداوت اور مسلمانوں سے حسد جو تمہارے دلوں میں پوشیدہ ہے اللہ اس کو بھی جانتا ہے سب کا بدلہ دے گا۔

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ٥
اور میں (از خود) یہ نہیں جانتا شاید یہ تمہارے حق میں آزمائش ہو اور ایک مقرر وقت تک فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔

موت تک دنیا میں نفع رکھ دیئے جانے کا بیان

"وَاِنْ" مَا "اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ" أَيْ مَا أَعْلَمْتُكُمْ بِهِ وَلَمْ يُعْلَمْ وَقْتُه "فِتْنَةٌ" اخْتِبَار "لَّكُمْ" لِيُرَى كَيْفَ صُنْعُكُمْ "وَمَتَاعٌ" تَمَتُّع "اِلٰى حِيْنٍ" أَيْ انْقِضَاء آجَالِكُمْ وَهٰذَا وَمُقَابِل لِلْأَوَّلِ الْمُتَرَجّٰى بِلَعَلَّ وَلَيْسَ الثَّانِي

مَحَلًّا لِلتَّرَجِّی،

اور میں ازخود یہ نہیں جانتا، نہ میں ازخود اس کا وقت جانتا ہوں۔ شاید یہ تاخیرِ عذاب اور تمہیں دی گئی ڈھیل تمہارے حق میں آزمائش ہو اور اور تمہیں ایک مقرر وقت تک فائدہ پہنچانا مقصود ہو۔ یعنی موت آنے تک نفع مقصود ہو۔ اور یہ بیان اول کے مقابلے میں جو لعل ترجی کیلئے آیا ہے لہٰذا دوسرا بہ طور محل ترجی کیلئے نہ ہوا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عنقریب ایسا زمانہ آنے والا ہے جب کہ ایک مسلمان کے لئے اس کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو لے کر وہ پہاڑی پر بارش برسنے کی جگہ چلا جائے اور فتنوں سے بھاگ کر اپنا دامن بچالے۔ (بخاری، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1318)

اس حدیث کا مطلب بھی یہ تلقین کرنا ہے کہ جب ایسے فتنے رونما ہوں جن سے مسلمانوں میں باہمی افتراق وانتشار اور جنگ وجدل کی وبا پھیل جائے اور ایسا ماحول پیدا ہو جائے جس میں دین کو بچانا مشکل ہو تو اس وقت نجات کی راہ یہی ہوگی کہ گوشہ تنہائی اختیار کر لیا جائے اور جس قدر ممکن ہو سکے اپنے آپ کو دنیا والوں سے الگ تھلگ کر لے، چنانچہ فرمایا کہ ایسے میں سب سے بہتر صورت یہ ہوگی کہ ایک مسلمان بس چند بکریوں کا مالک ہو اور وہ ان بکریوں کو لے کر کہیں دور جنگل میں یا پہاڑ پر کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں کوئی چراگاہ اور پانی ملنے کا ذریعہ ہو اور وہاں ان بکریوں کو چرا کر ان کے دودھ کی صورت میں بقدر حیات غذائی ضروریات پر قناعت کر کے اپنی زندگی کے دن گزارتا رہے، تا کہ نہ دنیا والوں کے ساتھ رہے اور نہ دین کو نقصان پہنچانے والے فتنہ میں مبتلا ہو۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○
عرض کیا: اے میرے رب! حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے، اور ہمارا رب رحم فرمانے والا ہے، اسی سے مدد طلب
کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔

اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ ہونے کا بیان

"قُلْ" وَفِي قِرَاءَة قَالَ "رَبّ اُحْكُمْ" بَيْنِي وَبَيْن مُكَذِّبِي "بِالْحَقِّ" بِالْعَذَابِ لَهُمْ أَوْ النَّصر عَلَيْهِمْ فَعُذِّبُوا بِبَدْرٍ وَأُحُد وَحُنَيْن وَالْأَحْزَاب وَالْخَنْدَق وَنُصِرَ عَلَيْهِمْ "وَرَبّنَا الرَّحْمَن الْمُسْتَعَان عَلَى مَا تَصِفُونَ" مِنْ كَذِبكُمْ عَلَى اللّٰه فِي قَوْلكُمْ "اتَّخَذَ وَلَدًا" وَعَلَيَّ فِي قَوْلكُمْ : سَاحِر وَعَلَى الْقُرْآن فِي قَوْلكُمْ شِعْر

یہاں پر ایک قرأت کے مطابق قال ہے آیا ہے۔ (ہمارے حبیب ﷺ نے) عرض کیا: اے میرے رب! ہمارے درمیان اور میری تکذیب کرنے والوں کے درمیان حق یعنی عذاب کے ساتھ فیصلہ فرما دے، یعنی ان کیلئے عذاب ہو اور ہمارے لئے مدد ہو لہٰذا بدر، وحنین، احد واحزاب اور خندق میں ان کو عذاب دیا گیا اور اہل ایمان کی مدد کی گئی۔ اور ہمارا رب بے حد رحم فرمانے والا ہے،

اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم بیان کرتے ہو۔ یعنی تمہارا جھوٹ جو تمہارے قول کے مطابق اللہ پر ہے جو اتخذ اولدا کہ اللہ نے بیٹا بنایا اور مجھ پر بہتان کہ ساحر کہا ہے اور قرآن پر بہتان کہ اس کو شعر کہا ہے۔

نبی کریم ﷺ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (کچھ) فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے فرشتوں نے آپس میں کہا۔ تمہارے اس دوست یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک مثال ہے اس کو ان کے سامنے بیان کرو، دوسرے فرشتوں نے کہا، وہ سوئے ہوئے ہیں (لہٰذا بیان کرنے سے کیا فائدہ) ان میں بعض نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے، پھر اس نے کہا، ان کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس نے گھر بنایا اور لوگوں کے کھانا کھانے کے لئے دستر خوان چنا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا لہٰذا جس نے بلانے والی بات کو مان لیا وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے بلانے والے کی بات کو قبول نہ کیا وہ نہ گھر میں داخل ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا یہ سن کر فرشتوں نے آپس میں کہا، اس کو (وضاحت کے ساتھ) بیان کرو تا کہ یہ اسے سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے کہا بیان کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ وہ تو سوئے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا، بے شک آنکھیں سو رہی ہیں لیکن دل تو جاگتا ہے اور پھر کہا، گھر سے مراد تو جنت ہے اور بلانے والے سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ (صحیح البخاری، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 141)

اس آدمی سے مراد جس نے گھر بنایا اور دستر خوان چنا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اسی طرح دستر خوان اور کھانے سے مراد بہشت کی نعمتیں ہیں چونکہ یہ ظاہری طور پر مفہوم ہو رہے ہیں اس لئے ان کی وضاحت نہیں کی گئی آخر میں بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لوگوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی کافر و مومن حق و باطل اور صالح و فاسق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرق کرنے والے ہیں۔

سورت الانبیاء کی تفسیر مصباحین اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورت الانبیاء کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ و شرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے ، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، امین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

یہ قرآن مجید کی سورت الحج ہے

سورت حج کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الْحَجِّ (مَكِّيَّةٌ إِلَّا وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ الْآيَتَيْنِ أَوْ إِلَّا هٰذَانِ خَصْمَانِ السِّتَّ آيَاتٍ فَمَدَنِيَّاتٌ وَ آيَاتُهَا 78 نَزَلَتْ بَعْدَ النُّوْرِ)

سورہ حج بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما ومجاہد مکیہ ہے سوائے چھ آیتوں کے جو ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ سے شروع ہوتی ہیں اس صورت میں دس رکوع اور اٹھتر آیات اور ایک ہزار دوسو بانوے کلمات اور پانچ ہزار پچھتر حروف ہیں۔ یہ سورت نور کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت ابن عباس ہی سے دونوں روایتیں منقول ہیں۔ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سورت آیات مکیہ اور مدنیہ سے مخلوط سورت ہے۔ قرطبی نے اسی کو اصح قرار دیا ہے۔ نیز فرمایا کہ اس سورت کے عجائب میں سے یہ بات ہے کہ اس کی آیات کا نزول بعض کا رات میں، بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں، بعض کا حضر میں، بعض کا مکہ میں، بعض کا مدینہ میں، بعض کا جنگ و جہاد کے وقت اور بعض کا صلح و امن کی حالت میں ہوا ہے اور اس میں بعض آیتیں ناسخ ہیں اور بعض منسوخ، بعض محکم ہیں بعض متشابہ کیونکہ تمام اصناف تنزیل پر مشتمل ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ الحج، بیروت)

سورہ حج کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ کا بیان ہے جس میں آپ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کو مکمل کر کے لوگوں کو اس کے حج کیلئے آواز دی جس کو روئے زمین کے تمام لوگوں حتیٰ کہ جو لوگ اپنے آباء کی پشتوں میں تھے انہوں نے بھی اس آواز کو سن لیا اس کی مناسبت سے اس کا نام سورت الحج ہے۔

سورہ حج کے سجدے کی فضیلت کا بیان

حضرت عقبہ ابن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ سورت حج کو اس لئے فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! جو آدمی دونوں سجدے نہ کرے تو وہ ان دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے۔ (سنن ابوداؤد جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 994)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد قوی نہیں ہے اور مصابیح میں مثل شرح السنۃ کے فلا یقرا ھما (تو وہ دونوں سجدوں کی آیتوں کو نہ پڑھے) کے بجائے فلا یقرا ھا (تو وہ اس سورت کو نہ پڑھے) کے الفاظ ہیں۔ تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی سجدے کی ان دونوں آیتوں کو نہ پڑھے تو اسے وہ آیتیں ہی نہ پڑھنی چاہئیں تا کہ وہ ترک واجب کا گنہگار نہ ہو یعنی قرآن کریم پڑھنے والے کے حق میں سجدے کی آیت کی تلاوت کی وجہ سے ایک سجدہ مشروع ہوا ہے اور سجدہ تلاوت کرنا تلاوت کے حقوق سے ہے لہٰذا اگر کوئی آدمی سجدہ تلاوت کو ترک کرنے کے درپے ہو تو اس کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ ان آیتوں ہی کو نہ پڑھے جن کی وجہ سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ سجدہ واجب ہے اور اس کو چھوڑنے والا گنہگار ہوتا ہے اس لئے ترک سجدہ سے ترک تلاوت اولیٰ ہے۔ مشکوٰۃ کے ایک دوسرے صحیح نسخہ میں بجائے فلا یقرا ھما کے فلم یقرا ھا کے الفاظ ہیں اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے معنی یہ ہوں گے کہ جس نے وہ دونوں سجدے نہ کئے گویا اس نے انہیں پڑھا ہی نہیں یعنی جب اس نے اس آیت کے تقاضے پر عمل نہ کیا تو اس کا پڑھنا نہ پڑھنا دونوں برابر ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سورت حج کا دوسرا سجدہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک واجب نہیں ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ سجدہ نماز کا ہے کیونکہ وہاں لفظ "ارکعوا" کا مذکور ہونا اس بات کا قرینہ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے آخر میں ھذا حدیث لیس اسنادہ بالقوی کہہ کر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

سورہ حج کے شان نزول کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ، اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک قیامت کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے جس دن اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پینے کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈالے دے گی اور تجھے لوگ مدہوش نظر آئیں گے اور وہ مدہوش نہ ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب بڑا سخت ہوگا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا کیا تم لوگ جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے کہیں گے کہ دوزخ کے لئے لشکر تیار کرو۔ وہ عرض کریں گے یا اللہ وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا نوسوننانوے آدمی دوزخ میں اور ایک جنت میں جائے گا۔ مسلمان یہ سن کر رونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قربت اختیار کرو اور سیدھی راہ اختیار کرو اس لئے کہ ہر نبوت سے پہلے جاہلیت کا زمانہ تھا لہٰذا انہیں سے دوزخ کی گنتی پوری کی جائے گی۔ اگر پوری ہوگئی تو ٹھیک ورنہ منافقین سے پوری کی جائے گی پھر پچھلی امتوں کے مقابلے میں تمہاری مثال اس طرح ہے جیسے گوشت کا وہ ٹکڑا جو کسی جانور کے ہاتھ میں اندر کی طرف ہوتا ہے۔ یا پھر جیسے کسی اونٹ کے پہلو میں تل۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم اہل جنت کی چوتھائی تعداد ہو۔ اس پر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللّٰہُ اَکْبَرُ کہا۔ پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم اہل جنت کا تہائی حصہ ہوں گے۔ اس پر بھی سب نے تکبیر کہی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم

اہل جنت کا نصف حصہ ہوں گے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پھر تکبیر کہی۔ پھر راوی کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوتہائی کہا یا نہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور کئی سندوں سے حسن سے عمران بن حصین کے حوالے سے مرفوعاً منقول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1114)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ۝
اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

قیامت کے زلزلہ کے سخت ہونے کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّاس " أَيْ أَهْل مَكَّة وَغَيْرهمْ "اتَّقُوا رَبّكُمْ" أَيْ عِقَابه بِأَنْ تُطِيعُوهُ "إِنَّ زَلْزَلَة السَّاعَة" أَيْ الْحَرَكَة الشَّدِيدَة لِلْأَرْضِ الَّتِي يَكُون بَعْدهَا طُلُوع الشَّمْس مِنْ مَغْرِبهَا الَّذِي هُوَ قُرْب السَّاعَة "شَيْء عَظِيم" فِي إِزْعَاج النَّاس الَّذِي هُوَ نَوْع مِنْ الْعِقَاب،

اے لوگو یعنی اہل مکہ وغیرہ! اپنے رب سے یعنی اس کے عذاب سے ڈرتے رہو۔ تاکہ تم اس کی اطاعت کرو بیشک قیامت کا زلزلہ یعنی زمین شدید حرکت جو سورج کے مغرب کی جانب سے طلوع ہون کے بعد قرب قیامت آئے گی وہ لوگوں کو خوف زدہ کرنے میں بڑی سخت چیز ہے۔ کیونکہ وہ عذاب کی قسم میں سے ہے۔

سورہ حج آیت ا کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آگے پیچھے ہوگئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ دو آیتیں پڑھیں، يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ، جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو سمجھ گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کہنے والے ہیں لہٰذا اپنی سواریوں کو دوڑا کر (آگے آگئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ دن ہے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پکاریں گے وہ جواب دیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے آدم علیہ السلام جہنم کے لئے لشکر تیار کرو۔ وہ کہیں گے اے اللہ! وہ کونسا لشکر ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہر ہزار آدمیوں میں سے نوسوننانوے جہنمی اور ایک جنتی ہے۔ اس بات سے لوگ مایوس ہوگئے۔ یہاں تک کہ کوئی مسکرا بھی نہیں سکا۔ چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غمگین دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کرو اور بشارت دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تمہارے ساتھ دو مخلوقیں ایسی ہوں گی جو جس کسی کے ساتھ مل جائیں ان کی تعداد زیادہ کردیں گی۔ ایک یاجوج ماجوج اور دوسری جو شخص بنی آدم اور اولاد، ابلیس

سے مرگئے۔ راوی فرماتے ہیں یہ سن کر صحابہ کرام کی پریشانی ختم ہوگئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمل کرو اور بشارت دو کیوں کہ تمہاری دوسری امتوں کے مقابلے میں تعداد صرف اتنی ہے جیسے کسی اونٹ کے پہلو میں تل کسی جانور کے ہاتھ کے اندر کا گوشت۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1115)

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰـكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ٥
جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس سے غافل ہوجائے گی جسے اس نے دودھ پلایا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی
اور تو لوگوں کو نشے میں دیکھے گا، حالانکہ وہ ہرگز نشے میں نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

قیامت کے دن شدت خوف کی وجہ سے لوگوں کا نشے کی طرح مدہوش ہونے کا بیان

"يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ" بِسَبَبِهَا "كُلّ مُرْضِعَة" بِالْفِعْلِ "عَمَّا أَرْضَعَتْ" أَيْ تَنْسَاهُ "وَتَضَع كُلّ ذَات حَمْل" أَيْ حُبْلَى "وَتَرَى النَّاس سُكَارَى" مِنْ شِدَّة الْخَوْف "وَمَا هُمْ بِسُكَارَى" مِنْ الشَّرَاب "وَلَكِنَّ عَذَاب اللَّه شَدِيد" فَهُمْ يَخَافُونَهُ.

جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس سے یعنی اس کی وجہ سے غافل ہوجائے گی جسے اس نے دودھ پلایا اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی اور آپ لوگوں کو شدت خوف کی وجہ نشے میں دیکھے گا، حالانکہ وہ ہرگز شراب کے نشے میں نہیں ہوں گے اور لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ پس وہ اس سے خوف زدہ ہوں گے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

ترونھا۔ ترون۔ مضارع جمع مذکر حاضر۔ رویۃ مصدر۔ ھا ضمیر مفعول واحد مونث غائب۔ تم اس کو دیکھو گے۔ تم اس کو دیکھتے ہو۔ ھا ضمیر کا مرجع یا زلزلہ ہے یا الساعۃ ہے۔ اشارہ دونوں صورتوں میں اس دن کی ہولنا کیوں کی طرف ہے۔ تذہل۔ ذھول مصدر (باب فتح) سے مضارع واحد مونث غائب۔ الذھول ایسی مشغولیت جو غم اور بھول پیدا کردے۔ تذھل وہ بھول جائے گی۔ مرضعۃ۔ اسم فاعل واحد مونث ارضاع (افعال) مصدر۔ دودھ پلانے والی۔ مرضع دودھ پیتے بچے والی عورت اس میں تاء تانیث کی نہیں لگاتے کیونکہ یہ صفت اناث ہی کے لئے ہے۔ البتہ جب بچہ منہ میں پستان لیتا ہے اور دودھ پیتا ہے تو اس وقت اس عورت کو مرضعۃ کہتے ہیں۔

عما ارضعت۔ ای عن الذی ارضعتہ۔ یعنی ہر دودھ پلانے والی عورت اس زلزلہ کے وقت ماحول کی دہشت اور ہولنا کیوں کو دیکھ کر اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہوگی یا جس کہ دودھ پلایا کرتی ہوگی۔ تضع۔ وہ رکھ دے۔ وہ ڈال دے۔ وہ جنتی ہے۔ وہ ڈال دے گی۔ وہ گرادے گی۔ وضع مصدر (باب فتح) سے مضارع واحد مونث غائب۔ سکری۔ شراب

کے نشہ میں مست۔ سکر سے جو شراب کے نشہ کو کہتے ہیں۔ یا جمع مکسر ہے یا اسم جمع۔

دودھ پلاتی عورت کا دودھ پیتے بچے کو بھول جانا۔ حاملہ کا اپنے حمل کو گرا دینا۔ لوگوں کا مدہوش شرابیوں کی طرح حرکات کرنا۔

یہ سب تمثیلاً بیان کیا گیا ہے جس طرح اور جگہ ارشاد ہے کہ: فکیف تتقون ان کفرتم یوما یجعل الولدان شیبا) سو تم اس دن کی مصیبت سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ مراد اس دن کی شدت ہولنا کی سختی۔ دہشت کو مخاطب کے ذہن نشین کرنا ہے۔ اس میں زائد کی نفی نہیں ہے۔ ولکن عذاب اللہ شدید بلکہ اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔

قیامت کی سختی کے سبب اسقاط حمل کا بیان

جبکہ بعض مفسرین دوسری رائے کے اور اس کی تائید میں وہ احادیث پیش کرتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو حکم دے گا کہ وہ اپنی ذریت میں سے ہزار میں جہنم کے لیے نکال دے۔ یہ بات سن کر حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور لوگ مدہوش سے نظر آئیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے صرف عذاب کی شدت ہوگی یہ بات صحابہ پر بڑی گراں گزری ان کے چہرے متغیر ہو گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا (گھبراؤ نہیں) یہ یاجوج ماجوج میں سے ہوں گے اور تم میں سے صرف ایک ہوگا۔ تمہاری (تعداد) لوگوں میں اس طرح ہوگی جیسے سفید رنگ کے بیل کے پہلو میں کالے بال یا کالے رنگ کے بیل کے پہلو میں سفید بال ہوں اور مجھے امید ہے کہ اہل جنت میں تم چوتھائی یا تہائی یا نصف ہو گے جسے سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بطور مسرت کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا (صحیح بخاری تفسیر سورہ حج)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ٥
اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں کچھ جانے بغیر جھگڑتا ہے اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے چلتا ہے۔

اللہ کے بارے میں بغیر علم جھگڑا کرنے والے کا بیان

وَنَزَلَ فِي النَّضْر بْن الْحَارِث وَجَمَاعَته "وَمِنْ النَّاس مَنْ يُجَادِل فِي اللَّه بِغَيْرِ عِلْم" قَالُوا : الْمَلَائِكَة بَنَات اللَّه وَالْقُرْآن أَسَاطِير الْأَوَّلِينَ وَأَنْكَرُوا الْبَعْث وَإِحْيَاء مَنْ صَارَ تُرَابًا "وَيَتَّبِع" فِي جِدَاله "كُلّ شَيْطَان مَرِيد" أَيْ مُتَمَرِّد

یہ آیت نضر بن حارث اور اس کے گروہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں کچھ جانے بغیر جھگڑتا ہے یعنی انہوں نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن پہلے کی کہانیاں ہے۔ اور انہوں دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کیا اور جب کوئی شخص مٹی ہو جائے گا تو وہ دوبارہ کیلئے زندہ ہو سکتا ہے۔ اور ہر سرکش یعنی رد کیئے جھگڑالو شیطان کے پیچھے چلتا ہے۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا (کی شان) میں علم کے بغیر جھگڑتے اور ہر سرکش شخص کی پیروی کرتے ہیں ابو مالک سے اس

فرمان باری تعالیٰ کے بارے روایت ہے۔ کہ یہ آیت نضر بن حارث کے متعلق نازل ہوئی۔ (درمنثور، 4۔344)

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝
اس پرلکھ دیا گیا ہے کہ بے شک واقعہ یہ ہے کہ جواس سے دوستی کرے گا تو یقیناً وہ اسے گمراہ کرے گا
اوراسے بھڑکتی ہوئی آگ کا راستہ دکھائے گا۔

جہنم کی طرف بلانے والے شیطان کا بیان

"كُتِبَ عَلَيْهِ" قُضِيَ عَلَى الشَّيْطَانِ "اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ" أَيْ اِتَّبَعَهُ "فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ" يَدْعُوهُ "اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ" أَيِ النَّارِ

اس شیطان پرلکھ دیا گیا ہے کہ بے شک واقعہ یہ ہے کہ جواس سے دوستی کرے گا یعنی اس کی اتباع کرے گا تو یقیناً وہ اسے گمراہ کرے گا اوراسے بھڑکتی ہوئی آگ کا راستہ دکھائے گا۔ جو جہنم ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے اندر شیطان اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جیسے رگوں میں خون گردش کرتا رہتا ہے۔ (صحیح البخاری وصحیح مسلم، مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 64)

مطلب یہ کہ شیطان انسان کو بہکانے کی کامل قدرت رکھتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ وہ مختلف صورتوں میں اچھے انسانوں اور نیک بندوں کو نیکی و بھلائی کے راستہ پر چلنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے بلکہ انسان کی داخلی کائنات میں گھس کر اس کے ذہن وفکر اور اس کے قلب ودماغ کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ
مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ
اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ
مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَ تَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً
فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝
اے لوگو! اگر تم اٹھائے جانے کے بارے میں کسی شک میں ہو تو بے شک ہم نے تمھیں حقیر مٹی سے پیدا کیا، پھر ایک قطرے سے،
پھر کچھ جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی ایک بوٹی سے، جس کی پوری شکل بنائی ہوئی ہے اور جس کی پوری شکل نہیں بنائی ہوئی،
تاکہ ہم تمھارے لیے واضح کریں اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر ہم تمھیں ایک
بچے کی صورت میں نکالتے ہیں، پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو قبض کرلیا جاتا ہے اور تم میں سے کوئی وہ ہے

جوسب سے نکمّی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے، تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔ اور تو زمین کو مردہ پڑی ہوئی دیکھتا ہے،
پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے اور ہر خوبصورت قسم میں سے اگاتی ہے۔

انسان کی تخلیق سے بعث کے برحق ہونے پر استدلال کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّاس " أَيْ أَهْل مَكَّة "إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْب " شَكّ "مِنْ الْبَعْث فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ " أَيْ أَصْلكُمْ آدَم "مِنْ تُرَاب ثُمَّ" خَلَقْنَا ذُرِّيَّته "مِنْ نُطْفَة" مَنِيّ "ثُمَّ مِنْ عَلَقَة" وَهِيَ الدَّم الْجَامِد "ثُمَّ مِنْ مُضْغَة" وَهِيَ لَحْمَة قَدْر مَا يُمْضَغ "مُخَلَّقَة" مُصَوَّرَة تَامَّة الْخَلْق "وَغَيْر مُخَلَّقَة" أَيْ غَيْر تَامَّة الْخَلْق "لِنُبَيِّنَ لَكُمْ" كَمَال قُدْرَتنَا لِتَسْتَدِلُّوا بِهَا فِي ابْتِدَاء الْخَلْق عَلَى إعَادَته "وَنُقِرّ" مُسْتَأْنَف "فِي الْأَرْحَام مَا نَشَاء إلَى أَجَل مُسَمًّى " وَقْت خُرُوجه "ثُمَّ نُخْرِجكُمْ " مِنْ بُطُون أُمَّهَاتكُمْ "طِفْلًا" بِمَعْنَى أَطْفَالًا "ثُمَّ" نُعَمِّركُمْ "لِتَبْلُغُوا أَشُدّكُمْ " أَيْ الْكَمَال وَالْقُوَّة وَهُوَ مَا بَيْن الثَّلَاثِينَ إلَى الْأَرْبَعِينَ سَنَة "وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى " يَمُوت قَبْل بُلُوغ الْأَشُدّ "وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدّ إلَى أَرْذَل الْعُمُر " أَخَسّه مِنْ الْهَرَم وَالْخَرَف "لِكَيْلَا يَعْلَم مِنْ بَعْد عِلْم شَيْئًا " قَالَ عِكْرِمَة : مَنْ قَرَأَ الْقُرْآن لَمْ يَصِرْ بِهَذِهِ الْحَالَة "وَتَرَى الْأَرْض هَامِدَة" يَابِسَة "فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاء اهْتَزَّتْ" تَحَرَّكَتْ "وَرَبَتْ" ارْتَفَعَتْ وَزَادَتْ "وَأَنْبَتَتْ مِنْ" زَائِدَة "كُلّ زَوْج" صِنْف "بَهِيج" حَسَن،

اے لوگو! یعنی اہل مکہ! اگر تم اٹھائے جانے کے بارے میں کسی شک میں ہو تو بے شک ہم نے تمھیں حقیر مٹی سے پیدا کیا، یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے خلق کیا۔ پھر ایک قطرے سے ان کی اولاد کو پیدا کیا، پھر کچھ جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی ایک بوٹی سے جو چبانے کی مقدار کے برابر گوشت ہوتا ہے۔ جس کی پوری شکل بنائی ہوئی ہے۔ جو تخلیق میں مکمل ہے اور جس کی پوری شکل نہیں بنائی ہوئی، جو تخلیق میں پوری نہیں ہے۔ تاکہ ہم تمھارے لیے واضح کریں اس لئے کہ وہ ہماری کمال قدرت پر دلیل ہو تاکہ وہ اس ابتدائی تخلیق سے دوبارہ زندہ ہونے پر استدلال کرسکیں۔ اور ہم جسے چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت یعنی خروج کے وقت تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر ہم تمھیں تمہاری ماؤں کی پیٹ سے ایک بچے کی صورت میں نکالتے ہیں، یہاں پر طفل بہ معنی اطفال ہے پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو جو کمال قوت وطاقت والی عمر اور وہ تیس سال سے چالیس سال کے درمیان کی عمر ہے۔ اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو بلوغت سے پہلے قبض کرلیا جاتا ہے یعنی وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو سب سے نکمّی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے، یعنی بڑھاپے کی ناقص عمر ہے تاکہ وہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن کو پڑھا کہ وہ اس حالت میں نہ ہوگا۔ اور تو زمین کو مردہ یعنی خشک پڑی ہوئی دیکھتا ہے، پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں متحرک ہوتی ہے۔ تو وہ لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے اور ہر خوبصورت قسم میں

سے اگاتی ہے۔یعنی ہر جنس کے حسین نباتات اگاتی ہے۔

انسان کی تخلیق کے مراحل کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ صادق و مصدوق تھے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش ماں کے پیٹ میں پوری کی جاتی ہے چالیس دن تک (نطفہ رہتا ہے) پھر اتنے ہی دنوں تک مضغہ گوشت رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل اس کا رزق اور اس کی عمر لکھ دے اور یہ (بھی لکھ دے) کہ وہ بدبخت (جہنمی) ہے یا نیک بخت (جنتی) پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے بیشک تم میں سے ایک آدمی ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان (صرف) ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ (تقدیر) غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور (ایک آدمی) ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان (صرف) ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اتنے میں تقدیر (الٰہی) اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ اہل جنت کے کام کرنے لگتا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 468)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
یہ اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے اور کہ بے شک وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور کہ بے شک وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کا بیان

"ذَلِكَ" الْمَذْكُور مِنْ بَدْء خَلْق الْإِنْسَان إلَى آخِر إحْيَاء الْأَرْض "بِأَنَّ" بِسَبَبِ أَنَّ "اللّٰه هُوَ الْحَقّ" الثَّابِت الدَّائِم،وَأَنَّهُ عَلَى كُلّ شَيْء قَدِير۔

یہ یعنی جو انسان کی تخلیق سے زمین کی حیات تک بیان ہوا ہے اس لیے ہے کہ بے شک اللہ ہی حق ہے جو ہمیشہ ثابت قائم ہے اور اس لیے کہ بے شک وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور اس لیے کہ بے شک وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر مقام سخ سے آئے یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے اور مسجد میں داخل ہوئے کسی سے گفتگو نہ کی یہاں تک کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد کیا، آپ کو یمنی چادر اڑھائی گئی تھی، آپ کے چہرے سے چادر اٹھائی پھر آپ پر جھکے اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا پھر روئے اور فرمایا اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا، وہ موت آپ کے لئے مقدر تھی تو وہ آپ پر آچکی۔ابوسلمہ کا بیان ہے کہ مجھے ابن عباس نے خبر دی کہ ابوبکر باہر نکلے اور عمر لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ بیٹھ جاؤ انہوں نے انکار کر دیا پھر کہا کہ بیٹھ جاؤ انہوں نے پھر انکار کیا۔

چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تشہد پڑھا لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور عمر کو چھوڑ دیا کہا امابعد! تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم وصال کر گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے، نہیں مرے گا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۔شاکرین تک) واللہ اس سے پہلے لوگ گویا جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے، یہاں تک کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی لوگوں نے یہ آیت ان سے سن کر اخذ کی اور کوئی شخص سنا نہیں جاتا تھا مگر اس کی تلاوت کرتا تھا۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 1189)

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ○
اور بیشک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یقیناً اللہ ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھا دے گا جو قبروں میں ہوں گے۔

قیامت کے آنے میں کوئی شک نہ ہونے کا بیان

"وَأَنَّ السَّاعَة آتِيَة لَا رَيْب" شَكّ "فِيهَا وَأَنَّ اللَّه يَبْعَث مَنْ فِي الْقُبُور" وَنَزَلَ فِي أَبِي جَهْل

اور بیشک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یقیناً اللہ ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھا دے گا جو قبروں میں ہوں گے۔ اور یہ حکم ابوجہل کے بارے میں نازل ہوا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں (قیامت کے دن) اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ تم ننگے پاؤں ننگے بدن اور بے ختنہ ہو گے "اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور دلیل واستشہاد) یہ آیت پڑھی (كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُه وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ، الانبیاء:104) یعنی جس طرح ہم نے ان کو ابتداء پیدائش میں پیدا کیا تھا اسی طرح ان کو دوبارہ (قیامت کے دن پیدا کریں گے یعنی قبروں سے اٹھائیں گے یہ وعدہ ہم پر لازم ہے اور یقیناً ہم (نے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا) کرنے والے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن ان لوگوں میں سب سے پہلے جس شخص کو لباس پہنایا جائے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں (پھر فرمایا) اور میرے کچھ صحابہ کو پکڑ کر بائیں ہاتھ کی طرف (یعنی دوزخ کی طرف) لے جایا جا رہا ہے، میں یہ دیکھ کر بطریق حیرت واستعجاب اور ان کو نجات دلانے کے لئے کہوں گا کہ یہ میرے صحابی ہیں یہ میرے صحابی ہیں (ان کو کہاں لے جاتے ہو؟) خداوند تعالیٰ فرمائے گا۔ (بیشک یہ تمہارے صحابی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ) جب سے تم ان سے جدا ہوئے، یہ برابر دین سے برگشتہ اور پھرے رہے (اس لئے ان کو دوزخ میں بھیجا جا رہا ہے) میں (یہ سن کر) وہی کہوں گا جو بندہ صالح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم ۔ العزیز الحکیم تک یعنی جب تک میں ان کے درمیان رہا، میں ان کے احوال سے واقف رہا الخ۔"

(بخاری ومسلم، مشکوۃ شریف: جلد پنجم: حدیث نمبر 108)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ○
اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم کے اور بغیر کسی ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے جھگڑا کرتا ہے۔

کتاب منیر کے بغیر جھگڑا کرنے کا بیان

"وَمِنَ النَّاس مَنْ يُجَادِلُ فِي اللّٰه بِغَيْرِ عِلْم وَلَا هُدًى" مَعَهُ "وَلَا كِتَاب مُنِير" لَهُ نُور مَعَهُ

اور لوگوں میں سے کوئی وہ ہے جو اللہ کے بارے میں بغیر کسی علم کے اور بغیر کسی ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب یعنی اس کے ساتھ کتاب نور ہوتا، اس کے بغیر جھگڑا کرتا ہے۔

سورہ حج آیت ۸ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ابوجہل وغیرہ ایک جماعتِ کفار کے حق میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی صفات میں جھگڑا کرتے تھے اور اس کی طرف ایسے اوصاف کی نسبت کرتے تھے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ آدمی کو کوئی بات بغیر علم اور بے سند و دلیل کے کہنی نہ چاہیئے، خاص کر شانِ الٰہی میں اور جو بات علم والے کے خلاف بے علمی سے کہی جائے گی وہ باطل ہوگی پھر اس پر یہ انداز کہ اصرار کرے اور براہِ تکبّر۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حج، لاہور)

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝
اپنی گردن کو مروڑے ہوئے تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دے، اس کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم
اسے جلا دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

تکبر کے سبب گردن اکڑائے ہونے کا بیان

"ثَانِيَ عِطْفه" حَال أَيْ لَاوِيَ عُنُقه تَكَبُّرًا عَنْ الْإِيمَان وَالْعِطْف الْجَانِب عَنْ يَمِين أَوْ شِمَال "لِيُضِلَّ" بِفَتْحِ الْيَاء وَضَمّهَا "عَنْ سَبِيل اللّٰه" أَيْ دِينه "لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْي" عَذَاب فَقُتِلَ يَوْم بَدْر "وَنُذِيقهُ يَوْم الْقِيَامَة عَذَاب الْحَرِيق" أَيْ الْإِحْرَاق بِالنَّارِ وَيُقَال لَهُ :

اپنی گردن کو تکبّر سے مروڑے ہوئے۔ یہاں پر ثانی عطفہ یہ حال ہے یعنی ایمان قبول کرنے کہ بہ جائے تکبر سے گردن کا اکڑائے ہوئے ہے۔ اور لفظ عطف سے مراد دائیں یا بائیں جانب مراد ہے۔ تا کہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ یعنی اس کے دین سے سے بہکا دے، یہاں لفظ یضل یہ یاء کے فتحہ اور ضمہ دونوں طرح آیا ہے۔ اس کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے۔ لہٰذا وہ بدر میں قتل ہوا۔ اور قیامت کے دن ہم اسے جلا دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ یعنی آگ سے اس کو جلا دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا۔

حضرت حارثہ بن وہب کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے ہیں کہ میں تمہیں جنت والوں کی خبر نہ دوں صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں فرمایئے آپ ﷺ نے فرمایا ہر کمزور آدمی جسے کمزور سمجھا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری فرما دے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں دوزخ والوں کی خبر نہ دوں صحابہ کرام نے عرض کی

ضرور فرمایئے آپ نے فرمایا ہر جاہل اکھڑ مزاج تکبر کرنے والا دوزخی ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2686)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝
یہ تیرے ان اعمال کے باعث ہے جو تیرے ہاتھ آگے بھیج چکے تھے اور بیشک اللہ اپنے بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

انسان کو اس کے اعمال کے سبب سزا ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ" أَيْ قَدَّمْته عَبَّرَ عَنْهُ بِهِمَا دُون غَيْرهمَا لِأَنَّ أَكْثَر الْأَفْعَال تُزَاوَل بِهِمَا "وَأَنَّ اللّٰه لَيْسَ بِظَلَّامٍ" أَيْ بِذِي ظُلْم "لِلْعَبِيدِ" فَيُعَذِّبهُمْ بِغَيْرِ ذَنْب

یہ تیرے ان اعمال کے باعث ہے جو تیرے ہاتھ آگے بھیج چکے تھے یعنی جو تو نے اعمال کیے ہیں یہاں پر ید سے شخص کو تعبیر کیا گیا ہے جبکہ دوسرے اعضاء سے انسان کی ذات کو تعبیر نہیں کیا کیونکہ اکثر کام ہاتھوں سے سرانجام پاتے ہیں۔ اور بیشک اللہ اپنے بندوں پر بالکل ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی بغیر جرم کے ظلم کرتے ہوئے ان کو عذاب دے ایسا نہیں ہے۔

اب شخص دراصل تین جرائم کا مرتکب ہوتا ہے ایک تو اس نے جہالت، تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنا پر وحی الٰہی کا انکار کیا۔ جبکہ اس کے پاس نہ کوئی تجرباتی دلیل تھی، نہ عقلی اور نہ نقلی۔ دورے تکبر اور پندار نفس کا مظاہرہ کیا اور تیسرے اور لوگوں کو بھی راہ حق سے دور رکھنے کا سبب بنا۔ لہٰذا اس عذاب شدید سے بہتر واضح طور پر بتلا دیا جائے گا کہ یہ تمہارے اپنے ہی بھیجے ہوئے اعمال کا بدلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کو خواہ مخواہ عذاب دینے کا شوق نہیں اور نہ ہی کسی پر ظلم کرنا اللہ کے شایان شان ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚۛ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝
اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو کنارے پر اللہ کی عبادت کرتا ہے، پس اگر اسے کوئی بھلائی پہنچتی ہے وہ اس سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش پہنچتی ہے تو اپنے منہ کے بل پلٹ جاتا ہے، اس نے دنیا میں نقصان اٹھایا اور آخرت میں (بھی)، یہی تو واضح بڑا خسارہ ہے۔

دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والے کا بیان

"وَمِنْ النَّاس مَنْ يَعْبُد اللّٰه عَلَى حَرْف" أَيْ شَكّ فِي عِبَادَته شُبِّهَ بِالْحَالِ عَلَى حَرْف جَبَل فِي عَدَم ثَبَاته "فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْر" صِحَّة وَسَلَامَة فِي نَفْسه وَمَاله "اطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَة" مِحْنَة وَسَقَم فِي نَفْسه وَمَاله "انْقَلَبَ عَلَى وَجْهه" أَيْ رَجَعَ إِلَى الْكُفْر "خَسِرَ الدُّنْيَا" بِفَوَاتِ مَا أَمَّلَهُ مِنْهَا "وَالْآخِرَة" بِالْكُفْرِ "ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَان الْمُبِين" الْبَيِّن

اورلوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو بالکل دین کے کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، یعنی اس کی عبادت میں شک کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اس شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو عدم ثابت کے سبب پہاڑ کے کنارے کھڑا ہے۔ پس اگر اسے کوئی دنیاوی بھلائی یعنی صحت وسلامتی اس کے مال وجان میں پہنچتی ہے تو وہ اس (دین) سے مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اسے کوئی آزمائش یعنی اس کے مال وجان میں کوئی محنت اور مرض پہنچتی ہے تو اپنے منہ کے بل (دین سے) پلٹ کر کفر کی طرف چلا جاتا ہے، اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا یعنی جس دنیا کے ملنے کی اس کو امید تھی۔ اور کفر کی وجہ سے آخرت میں بھی نقصان اٹھایا، یہی تو واضح طور پر بڑا خسارہ ہے۔

سورہ حج آیت ۱۱ کے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص مدینے آتا اور اسلام قبول کر لیتا پھر اگر اس کی بیوی سے لڑکا پیدا ہوتا اور گھوڑی بچہ جنتی تو وہ کہتا یہ اچھا دین ہے اور اگر بیوی سے لڑکا پیدا نہ ہوتا اور گھوڑی بچی نہ جنتی تو کہتا یہ برا دین ہے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کر لیا پھر اس کی بینائی چلی گئی۔ اور مال اور اولاد بھی باقی نہ رہے اس نے اس سے دین اسلام کی بدشگونی لی اور کہا مجھے اس دین سے کوئی بھلائی نہیں ملی میری بینائی اور مال چلے گئے اور اولاد فوت ہوگئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ)

(سیوطی 185، ابن کثیر 3۔209، طبری 12۔(17)

دنیا مفاد کی خاطر دین کو اچھا کہنے والوں کا بیان

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان دیہاتیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے دیہاتوں سے مدینہ ہجرت کر کے رسول اللہ کے پاس آئے ان میں سے کوئی جب مدینہ آتا اگر یہاں تندرست رہتا اس کی گھوڑی خوبصورت بچہ جنتی، اس کی بیوی سے لڑکا پیدا ہوتا اور اس کا مال اور مویشی بڑھ جاتے تو آپ پر ایمان لے آتا اور اطمینان سے رہتا اور کہتا میں جب سے اس دین میں داخل ہوا ہوں مجھے بھلائی کے علاوہ اور کچھ نہیں پہنچا اور اگر اسے مدینہ میں کوئی تکلیف پہنچ جاتی اس کی بیوی سے لڑکی پیدا ہو جاتی اس کی گھوڑی حمل گرا دیتی اس کا مال ضائع ہو جاتا یا مال ملنے میں دیر ہو جاتی تو شیطان اس کے پاس آتا اور کہتا اللہ کی قسم جب سے تو اس دین پر آیا ہے تجھے شر کے سوا کوئی چیز نہیں پہنچی لہٰذا وہ اپنے دین سے پھر جاتا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اسلام قبول کیا تو اس کی بینائی اور مال چلے گئے اور اولاد فوت ہوگئی تو اس نے اس سے اسلام کی بدشگونی مراد لی اور نبی کے پاس آ کر کہا آپ میرے اسلام کو ختم فرما دیں آپ نے فرمایا کہ دین اسلام کو ختم نہیں کیا جا سکتا اس نے کہا مجھے اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ملی میری بینائی اور مال چلے اور اولاد فوت ہوگئی آپ نے فرمایا اے یہودی بے شک اسلام اس طرح لوگوں کو صاف کر دیتا ہے جس طرح آگ لوہے، چاندی اور سونے کو میل سے صاف کر دیتی ہے آپ کہتے ہیں کہ اس موقع پر یہ آیت نازل کی۔ (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ) (بخاری 4743، مسلم 3033)

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکے اور نہ ہی اسے نفع پہنچا سکے، یہی تو دور کی گمراہی ہے۔

نفع ونقصان کے مالک نہ ہونے والے بت کی پوجا کرنے کا بیان

"يَدْعُو" يَعْبُد "مِنْ دُون اللّٰه" مِنَ الصَّنَم "مَا لَا يَضُرّهُ" إنْ لَمْ يَعْبُدْهُ "وَمَا لَا يَنْفَعهُ" إنْ عَبَدَهُ "ذٰلِكَ" الدُّعَاء "هُوَ الضَّلَال الْبَعِيد" عَنْ الْحَقّ

وہ شخص اللہ کو چھوڑ کر اس بت کی عبادت کرتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکے یعنی اگر اس کی عبادت نہ کرے اور نہ ہی اسے نفع پہنچا سکے، یعنی اگر اس کی عبادت کرے۔ یہی تو حق سے بہت دور کی گمراہی ہے۔

یعنی خدا کی بندگی چھوڑ دی، دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے اب پکارتا ہے ان چیزوں کو جن کے اختیار میں نہ ذرہ برابر بھلائی ہے نہ برائی۔ کیا خدا نے جو چیز نہیں دی تھی وہ پتھروں سے حاصل کرے گا؟ اس سے بڑھ کر کھلی حماقت کیا ہوں گی۔

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ؕ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝

وہ اسے پوجتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے، وہ کیا ہی برا مددگار ہے اور کیا ہی برا ساتھی ہے۔

نفع سے زیادہ نقصان کا باعث بننے والے بتوں کی پوجا کا بیان

"يَدْعُو لَمَنْ" اللَّام زَائِدَة "ضَرّه" بِعِبَادَتِهِ "أَقْرَب مِنْ نَفْعه" إنْ نَفَعَ بِتَخَيُّلِهِ "لَبِئْسَ الْمَوْلَى" هُوَ أَيْ النَّاصِر "وَلَبِئْسَ الْعَشِير" الصَّاحِب هُوَ،

وہ اسے پوجتا ہے۔ یہاں لمن میں لام زائدہ ہے۔ جس کی عبادت کا نقصان اس کے نفع جو اس کے خیال میں ہے اس سے زیادہ قریب ہے، وہ کیا ہی برا مددگار ہے اور کیا ہی برا ساتھی ہے۔

یعنی بتوں سے نفع کی تو امید موہوم ہے (بت پرستوں کے زعم کے موافق) لیکن ان کو پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لیے فائدہ کا سوال تو بعد کو دیکھا جائے گا، نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔ جب قیامت میں بت پرستی کے نتائج سامنے آئیں گے تو بت پرست بھی یہ کہیں گے "لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ" یعنی جن سے بڑی امداد و رفاقت کی توقع تھی وہ بہت ہی برے رفیق اور مددگار ثابت ہوئے کہ نفع تو کیا پہنچاتے الٹا ان کے سبب سے نقصان پہنچ گیا۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں،

یقیناً اللہ جوارادہ فرماتا ہے کر دیتا ہے۔

ایمان اور عمل صالح والوں کیلئے جنت کی نہروں کا بیان

وَعَقَّبَ ذِكْر الشَّاكّ بِالْخُسْرَانِ بِذِكْرِ الْمُؤْمِنِينَ بِالثَّوَابِ فِي، "إنَّ اللَّه يُدْخِل الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات " مِنْ الْفُرُوض وَالنَّوَافِل "جَنَّات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار إنَّ اللَّه يَفْعَل مَا يُرِيد " مِنْ إكْرَام مَنْ يُطِيعهُ وَإِهَانَة مَنْ يَعْصِيه

اور شک کرنے والے نقصان اٹھانے والوں کے بعد ہی اہل ایمان کے ثواب کا تذکرہ کیا ہے۔ بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے یعنی فرائض ونوافل ادا کرتے رہے۔ جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں رواں ہیں، یقیناً اللہ جو ارادہ فرماتا ہے کر دیتا ہے۔ یعنی عزت اس کیلئے ہے جو اس کی اطاعت کرے اور توہین اس کی ہو گی جس اس کی نافرمانی کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے (ایسی ایسی چیزیں) تیار کر رکھی ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں موجود ہے (فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ، السجدہ:17) سو کسی نفس کو معلوم نہیں کہ جو نعمتیں ان کے لئے چھپا رکھی ہیں ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں بدلہ ہے اس کا جو وہ کرتے تھے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2631)

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ۝

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے رسول کی دنیا و آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا اسے چاہئے کہ چھت سے ایک رسی باندھ کر لٹک جائے پھر پھانسی دے لے پھر دیکھے کیا اس کی یہ تدبیر اس کو دور کر دیتی ہے جس پر غصہ کھا رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے مخالف کو خودکشی کر کے مر جانا چاہیے

"مَنْ كَانَ يَظُنّ أَنْ لَنْ يَنْصُرهُ اللَّه" أَيْ مُحَمَّدًا نَبِيّه "فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَة فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ" بِحَبْلٍ "إلَى السَّمَاء " أَيْ سَقْف بَيْته يَشُدّهُ فِيهِ وَفِي عُنُقه "ثُمَّ لْيَقْطَعْ" أَيْ لِيَخْتَنِقْ بِهِ بِأَنْ يَقْطَع نَفْسه مِنْ الْأَرْض كَمَا فِي الصِّحَاح "فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْده" فِي عَدَم نُصْرَة النَّبِيّ "مَا يَغِيظ" مِنْهَا الْمَعْنَى فَلْيَخْتَنِقْ غَيْظًا مِنْهَا فَلَا بُدّ مِنْهَا

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اپنے محبوب و برگزیدہ رسول حضرت محمد ﷺ کی دنیا و آخرت میں ہرگز مدد نہیں کرے گا ایسے شخص

کو چاہئے کہ آسمان کی طرف رسی یعنی گھر کی چھت سے ایک رسی باندھ کر لٹک جائے اور اس کو گردن میں ڈال لے۔ اور اس رسی کو کاٹ دے۔ پھر خود کو پھانسی دے لے۔ صحاح میں اسی طرح ہے۔ پھر دیکھے کیا اس کی یہ تدبیر اس نصرت الٰہی کو دور کر دیتی ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی مدد کو دور کر سکتی ہے۔ جس پر غصہ کھا رہا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے خودکشی کر لینی چاہئے جبکہ نبی کریم ﷺ کی مدد لازم ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

لن ینصرہ (مضارع نفی تاکید بلن ہ ضمیر مفعول واحد مذکر غائب۔ وہ اس کی ہرگز مدد نہیں کرے گا۔ **فلیمدد**۔ ف جواب شرط میں ہے لیمدد فعل امر واحد مذکر غائب۔ مد مصدر۔ باب نصر سے۔ اسے چاہئے کہ وہ تان لے۔ اسے چاہئے کہ وہ دراز کرے۔ اسے چاہئے کہ وہ کھینچ لے جائے۔ سبب۔ حبل۔ رسی۔ ذریعہ۔ طریق۔ راستہ۔ السماء۔ گھر کی چھت۔ آسمان۔ کل ماعلاک سماء ہر چیز جو تم سے اوپر ہے سماء ہے۔

لیقطع۔ فعل امر، واحد مذکر غائب۔ چاہئے کہ وہ کاٹ دے۔ القطع بمعنی الاختناق بھی ہے۔ کیونکہ رسی کے ساتھ گلا گھونٹنے سے سانس منقطع ہو جاتا ہے۔ اور آدمی مر جاتا ہے لہٰذا اس معنی لیقطع سے مراد ہوگا چاہئے کہ گلا گھونٹ لے۔ یعنی گلا گھونٹ کر مر جائے۔ اسی سے ہے **قطع فلان الحبل** یا **قطع الرجل بحبل قطعا** ۔ای اختنق بہ آدمی رسی سے گلا گھونٹ کر مر گیا۔

فلینظر۔ فعل امر واحد مذکر غائب۔ پھر چاہئے کہ وہ دیکھے۔ ھل یذھبن ۔ مضارع تاکید با نون ثقیلہ واحد مذکر غائب ھل استفہام کے لئے ہے۔ اذھاب (افعال) مصدر۔ کیا اس نے دور کر دیا ہے۔ کیدہ۔ مضاف مضاف الیہ۔ اس کی تدبیر۔

مایغیظ ۔ ما موصولہ۔ یغیظ ۔ مضارع واحد مذکر غائب۔ غیظ مصدر (باب ضرب) وہ چیز جو اسے غصہ میں ڈالتی ہے۔ جو اسے ناگوار گذرتی ہے۔ فلینظر ھل یذھبن کیدہ مایغیظ ۔ پھر چاہئے کہ وہ دیکھے آیا اس کی (اس) تدبیر نے اس چیز کو جو اسے ناگوار گذرتی تھی یا غصہ میں ڈالتی تھی دور کر دیا ہے۔

آیت کے مختلف معانی کا بیان

اس آیت کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ لن ینصرہ میں ہ ضمیر واحد مذکر غائب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور القطع بمعنی الاختناق ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا۔ کہ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہیں کرے گا نہ اس دنیا میں (جیسا کہ منکرین اسلام، اسلام کے ابتدائی مدارج میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور کمزوری کو دیکھ کر اندازہ لگا رہے تھے) اور نہ آخرت میں تو وہ یقین مانے کہ اس کا خیال محض عبث ہے آپ کی مدد ہو کر رہے گی۔ گو یہ اپنے غصہ میں مر ہی جائے۔ آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:۔

جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد نہیں کرے گا نہ دنیا میں و آخرت میں تو اسے چاہئے کہ وہ ایک رسی کے ذریعہ چھت سے لٹک جاوے۔ اور پھر اپنا گلا گھونٹ کر مر جائے اور پھر دیکھے کہ اس کی اس تدبیر نے اس چیز کو دور

کردیا ہے جو اس کے لئے باعث غیظ وغضب بن رہی تھی۔ یعنی دیکھے کہ کیا خداوند تعالیٰ کی نصرت بند ہوگئی ہے؟ انہی معنوں میں قرآن حکیم کی آیت ہے: واذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ قل موتوا بغیظکم ۔اور جب وہ الگ ہوتے ہیں تو تم پر شدت غیظ سے انگلیاں کاٹ کھاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے تم اپنے غیظ میں مرجاؤ۔

دوسری صورت: ینصرہ میں ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور لیقطع میں مفعول وحی مقدر ہے۔ ای لیقطع عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الوحی (ابن جریر) ای لیقطع الوحی ان ینزل علیہ (کشاف)۔

یعنی نصرت الٰہیہ آپ کے ساتھ بوجہ وحی ونبوت کے ہے اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہ کرے (اب یہ تو ہونے سے رہا) اسے چاہئے کہ خود رسی کے ذریعہ آسمان پر پہنچ جائے اور اس نزول وحی کے سلسلہ کو بند کردے۔ اور دیکھے کہ اس کے غیظ وغضب کی آگ ٹھنڈی ہوئی ہے کہ نہیں (چونکہ یہ نہیں ہوسکے گا) تو بس پھر اس کے لئے یہی سزاوار ہے کہ موتوا بغیظکم۔

تیسری صورت: بعض کی رائے ہے کہ ینصر بمعنی یرزق ہے۔ ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ بنوبکر سے ایک سائل ہمارے ہاں آیا اور کہا من ینصرنی نصرہ اللہ ای من یعطینی اعطاہ اللہ اس صورت میں ضمیرہ کا مرجع من کان یظن کا فاعل ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا:۔

جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کھو چکا ہے اور اس کی طرف سے فراخی رزق سے مایوس ہو چکا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ سسک سسک جان نہ دے بلکہ ابھی گلے میں رسہ ڈال کر اپنے آپ کو چھت سے لٹکا کر خودکشی کرے اور اس تنگ دستی کا قصہ ہی ختم کردے۔

چوتھی صورت: بعض کے نزدیک ضمیرہ کا مرجع الدین یا الکتاب ہے لیکن یہ قول اس قول سے مختلف نہیں ہے جس میں ضمیر کا مرجع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لیا گیا ہے کیونکہ الدین یا الکتاب کی مدد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ہی ہے۔

لیکن آیت کے سیاق وسباق کے مدنظر دوسری صورت ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ آسمان پر رسی کے ذریعہ پہنچنا اور چھت سے لٹک کر خودکشی کرنا سے ظاہری لفظی مفہوم مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد انتہائی کوشش کرنا ہے۔

مخالفین نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک ہوں

یعنی جو یہ جان رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ دنیا میں کرے گا نہ آخرت میں وہ یقین مانے کہ اس کا یہ خیال محض خیال ہے۔ آپ کی مدد ہو کر ہی رہے گی چاہے ایسا شخص اپنے غصے میں ہار ہی جائے بلکہ اسے چاہے کہ اپنے مکان کی چھت میں رسی باندھ کر اپنے گلے میں پھندا ڈال کر اپنے آپ کو ہلاک کردے۔ ناممکن ہے کہ وہ چیز یعنی اللہ کی مدد اس کے نبی کے لئے نہ آئے گو یہ جل جل کر مرجائیں مگر ان کی خیال آرائیاں غلط ثابت ہو کر رہیں گی۔

یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی سمجھ کے خلاف ہو کر ہی رہے گا۔ اللہ کی امداد آسمان سے نازل ہوگی۔ ہاں اگر اس کے بس میں ہو تو ایک رسی لٹکا کر آسمان پر چڑھ جائے اور اس اترتی ہوئی مدد آسمانی کو کاٹ دے۔ لیکن پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے اور اس میں ان کی پوری بے بسی اور نامرادی کا ثبوت ہے کہ اللہ اپنے دین کو اپنی کتاب کو اپنے نبی کو ترقی دے گا ہی چونکہ یہ لوگ اسے دیکھ نہیں سکتے

اس لئے انہیں چاہئے کہ یہ مرجائیں، اپنے آپ کو ہلاک کرڈالیں۔ جیسے فرمان ہے آیت (اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ، غافر: 51) ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد کرتے ہی ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہاں فرمایا کہ یہ پھانسی پر لٹک کر دیکھ لے کہ شان محمدی ﷺ کو کس طرح کم کرسکتا ہے؟ اپنے سینے کی آگ کو کسی طرح بجھا سکتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ○
اور اسی طرح ہم نے اسے روشن آیات کی صورت میں نازل کیا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔

قرآن کو روشن آیات کی صورت میں نازل کرنے کا بیان

"وَكَذٰلِكَ" أَيْ مِثْل إِنْزَالنَا الْآيَة السَّابِقَة "أَنْزَلْنَاهُ" أَيْ الْقُرْآن الْبَاقِي "آيَات بَيِّنَات" ظَاهِرَات حَال "وَأَنَّ اللَّه يَهْدِي مَنْ يُرِيد" هُدَاهُ مَعْطُوف عَلَى هَاء أَنْزَلْنَاهُ

اور اسی طرح یعنی سابقہ نازل کردہ آیت کی طرح ہم نے اسے یعنی بقیہ قرآن کو روشن آیات کی صورت میں نازل کیا ہے جو واضح ہیں اور یہاں پر آیات یہ انزلناہ کی ضمیر سے حال ہے۔ اور یہ کہ بے شک اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ یہاں پر ان اللہ یہدی کا عطف انزلناہ کی ضمیر پر ہے۔

یعنی اگرچہ قرآن میں ایسے بے شمار واضح دلائل موجود ہیں پھر بھی ان دلائل سے ہر شخص کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی بلکہ اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے متعلق اللہ کی مشیت ہو۔ مشیت الٰہی صرف انہیں نصیب ہوتی ہے جو خود ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ضدی، ہٹ دھرم، تکبر اور نافرمان قسم کے لوگوں کو نہ اللہ کی نسبت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ جبراً کسی کو ہدایت دے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا
اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○
بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور ستارہ پرست اور نصاریٰ اور آتش پرست اور جو مشرک ہوئے،
یقیناً اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمارہا ہے۔

تمام ادیان والوں کیلئے قیامت کے دن فیصلہ ہونے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا" هُمْ الْيَهُود "وَالصَّابِئِينَ" طَائِفَة مِنْهُمْ "وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوس وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّه يَفْصِل بَيْنهمْ يَوْم الْقِيَامَة" بِإِدْخَالِ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّة وَإِدْخَال غَيْرهمْ النَّار "إِنَّ اللَّه عَلَى كُلّ شَيْء" مِنْ عَمَلهمْ "شَهِيد" عَالِم بِهِ عِلْم مُشَاهَدَة

بیشک جولوگ ایمان لائے اور جولوگ یہودی ہوئے وہ یہود ہیں اور ستارہ پرست اور نصاریٰ (عیسائی) اور آتش پرست مجوسی اور جومشرک ہوئے، یقیناً اللہ قیامت کے دن ان سب کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ یعنی اہل ایمان کو جنت میں داخل فرمائے گا اور ان کے باقی سب کو دوزخ میں ڈال دے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرمارہا ہے۔ یعنی ان کے عمل کا کو جاننے والا ہے۔ کیونکہ اس کو مشاہدے کا علم حاصل ہے۔

تمام مذاہب وفرق کے نزاعات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے قیامت کے دن ہوگا۔ سب جدا کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچادیئے جائیں گے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون کس مقام یا کس سزا کا مستحق ہے۔ مؤمنین کو جنت عطا فرمائے گا اور کفار کو کسی قسم کے بھی ہوں جہنم میں داخل کرے گا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ
الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ، اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج
اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ۔ اور بہت سے وہ ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا
اور جسے اللہ ذلیل کر دے پھر اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

زمین وآسمان کی ساری مخلوق کا سجدہ کرنے کا بیان

"أَلَمْ تَرَ" تَعْلَم "أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُد لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَات وَمَنْ فِي الْأَرْض وَالشَّمْس وَالْقَمَر وَالنُّجُوم وَالْجِبَال وَالشَّجَر وَالدَّوَاب" أَيْ يَخْضَع لَهُ بِمَا يُرَاد مِنْهُ "وَكَثِير مِنْ النَّاس" وَهُمْ الْمُؤْمِنُونَ بِزِيَادَةِ عَلَى الْخُضُوع فِي سُجُود الصَّلَاة "وَكَثِير حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَاب" وَهُمْ الْكَافِرُونَ لِأَنَّهُمْ أَبَوْا السُّجُود الْمُتَوَقِّف عَلَى الْإِيمَان "وَمَنْ يُهِنْ اللّٰه" يُشْقِهِ "فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِم" مُسْعِد "إِنَّ اللّٰه يَفْعَل مَا يَشَاء" مِنْ الْإِهَانَة وَالْإِكْرَام

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ، اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے یعنی اس کے حکم کے تابع ہیں۔ اور بہت سے لوگ۔ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز کے سجدوں میں خشوع کو زیادہ کرتے ہیں۔ اور بہت سے وہ ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا اور وہ کفار ہیں۔ کیونکہ انہوں نے ان سجدوں کا انکار کیا جو ایمان پر موقوف ہیں۔ اور جسے اللہ ذلیل کر دے۔ یعنی جس وہ بد بخت کر دے۔ پھر اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔ یعنی وہ سعادت مند نہیں ہوسکتا۔ بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یعنی عزت واہانت جو چاہے وہ کرتا ہے۔

مخلوقات کے سجدے سے متعلق بیان

آسمانوں کے فرشتے، زمین کے حیوان، انسان، جنات، پرند، چرند، سب اس کے سامنے سر بہ سجود ہیں اور اس کی تسبیح اور حمد کررہے۔ سورج چاند ستارے بھی اس کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے ہیں۔ ان تینوں چیزوں کو الگ اس لئے بیان کیا گیا کہ بعض لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ وہ خود اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں اسے لئے فرمایا سورج چاند کو سجدے نہ کرواسے سجدے کرو جوان کا خالق ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اللہ کو علم ہے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آپ نے فرمایا یہ عرش تلے جا کر اللہ کو سجدہ کرتا ہے پھر اس سے اجازت طلب کرتا ہے وقت آرہا ہے کہ اس سے ایک دن کہہ دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا۔ سنن ابی داؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور مسند احمد میں گرہن کی حدیث میں ہے کہ سورج چاند اللہ کی مخلوق ہے وہ کسی کی موت پیدائش سے گرہن میں نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی میں سے جس کس پر تجلی ڈالتا ہے تو وہ اس کے سامنے جھک جاتا ہے۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورج چاند اور کل ستارے غروب ہو کر سجدے میں جاتے ہیں اور اللہ سے اجازت مانگ کر داہنی طرف سے لوٹ کر پھر اپنے مطلع میں پہنچتے ہیں۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدے میں ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں جب سجدے میں گیا تو وہ درخت بھی سجدے میں گیا اور میں نے سنا کہ وہ اپنے سجدے میں یہ پڑھ رہا تھا۔ دعا (اللّٰھم اکتب لی بھا عندك اجرا وضع عنی بھا وزرا واجعلھا لی عندك ذخرا و تقبلھا منی کماتقبلتھامن عبدك داود۔ یعنی اے اللہ اس سجدے کی وجہ سے میرے لئے اپنے پاس اجر و ثواب لکھ اور میرے گناہ معاف فرما اور میرے لئے اسے ذخیرہ آخرت کر اور اسے قبول فرما جسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی۔ سجدہ کیا اور یہی دعا آپ نے اپنے اس سجدے میں پڑھی جسے میں سن رہا تھا (ترمذی وغیرہ)

تمام حیوانات بھی اسے سجدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اپنے جانور کی پیٹھ کو اپنا منبر نہ بنالیا کرو بہت سی سواریاں اپنے سوار سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں اور زیادہ ذکر اللہ کرنے والی ہوتی ہیں اور اکثر انسان بھی اپنی خوشی سے عبادت الٰہی بجالاتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں ہاں وہ بھی ہیں جو اس سے محروم ہیں تکبر کرتے ہیں۔ سرکشی کرتے ہیں اللہ جسے ذلیل کرے اسے عزیز کون کرسکتا ہے؟ رب فاعل خود مختار ہے۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۝

یہ دو، جھگڑنے والے ہیں، جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

اہل حق اور اہل باطل کا دین کے بارے میں جھگڑا کرنے کا بیان

"هَذَانِ خَصْمَانِ" أَيْ الْمُؤْمِنُونَ خَصْم وَالْكُفَّار الْخَمْسَة خَصْم وَهُوَ يُطْلَق عَلَى الْوَاحِد وَالْجَمَاعَة "اخْتَصَمُوا فِي رَبّهمْ" أَيْ فِي دِينه "فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَاب مِنْ نَار" يَلْبَسُونَهَا يَعْنِي أُحِيطَتْ بِهِمْ النَّار "يُصَبّ مِنْ فَوْق رُءُوسهمْ الْحَمِيم" الْمَاء الْبَالِغ نِهَايَة الْحَرَارَة

یہ دو یعنی ایک اہل ایمان ہیں اور دوسرے کفار خمسہ ہیں۔ یہاں پر خصم کا اطلاق واحد اور جماعت دونوں پر ہے۔ جھگڑنے والے ہیں، جنھوں نے اپنے رب کے بارے یعنی اس کے دین کے بارے میں جھگڑا کیا، تو وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، ان کے لیے آگ کے کپڑے کاٹے جا چکے یعنی ان کو آگ کا لباس پہنایا جائے یعنی وہ آگ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہوگی، ان کے سروں کے اوپر سے کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ یعنی وہ پانی جو انتہائی گرمی کو پہنچنے والا ہوگا۔

سورہ حج آیت ۱۹ کے شان نزول کا بیان

بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابوذر سے روایت مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا یہ آیت کریمہ، حمزہ، عبیدہ علی بن ابی طالب، عتبہ، شیبہ، اور ولید بن عتبہ کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت علی سے منقول ہے کہ یہ آیت کریمہ ہمارے بارے میں بدر کے دن مبارزہ کرنے (مقابلہ پر کہہ کر لڑنے) والوں کے متعلق نازل ہوئی۔

آپ ہی سے ایک دوسرے طریق سے اس طرح منقول ہے کہ یہ آیت بدر میں مبارزہ کرنے والوں کے متعلق نازل ہوئی وہ یہ لوگ تھے حضرت حمزہ، علی، عبیدہ بن حارث اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، اور ولید بن عتبہ۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی انہوں نے مومنین سے کہا ہم تمہاری نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہیں ہماری کتاب، تمہاری کتاب سے قدیم ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں تو مومنین نے کہا ہم تمہاری نسبت اللہ کے زیادہ حقدار ہیں ہم محمد پر ایمان لائے ہیں اور تمہارے نبی پر بھی اور جو بھی اللہ نے کتاب نازل کی ہم اس پر ایمان لائے ہیں۔ حضرت قتادہ سے بھی اسی طرح ایک روایت منقول ہے۔ (سیوطی 186، درمنثور 4۔348، طبری 17۔(132)

حضرت قیس بن عبادہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوذر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یہ آیت ان چھ کے بارے میں نازل ہوئی حضرت حمزہ، عبیدہ اور علی بن ابی اور عتبہ بن شیبہ اور ولید بن عتبہ۔ (بخاری 4466، ابن کثیر 3۔(212

قیس بن عبادہ حضرت علی سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں اور ہمارے بدر کے دن مبارزہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی اور جنہوں نے مومنین سے کہا ہم تمہاری نسبت اللہ کے زیادہ قریب ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے زیادہ قدیم ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے کے اور مومنین نے ان سے کہا ہم اللہ کے زیادہ حق دار ہیں ہم محمد ﷺ پر تمہارے نبی ﷺ پر اور جو کتاب نازل ہوئی اس پر ایمان لائے تم ہمارے نبی ﷺ کو پہچانتے ہو پھر بھی تم نے انہیں چھوڑ دیا اور حسد کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا اور یہ ان کا جھگڑا تھا اسی کی مثل قتادہ سے منقول ہے۔ (نیسابوری 258، طبری 17۔99)

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝
جس سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی کھالیں۔ اور ان کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔

کفار کو آخرت میں لوہے کے ہتھوڑوں سے مارے جانے کا بیان

"يُصْهَرُ" يُذَاب "بِهِ مَا فِي بُطُونهمْ" "مِنْ شُحُوم وَغَيْرهَا" "وَ" تُشْوَى بِهِ "الْجُلُود" "وَلَهُمْ مَقَامِع مِنْ حَدِيد" لِضَرْبِ رُءُوسهمْ،

جس سے گل جائے گا جو کچھ ان کے پیٹوں میں چربی وغیرہ ہے اور ان کی کھالیں گرم پانی کے سبب بھون دی جائیں گی۔ اور ان کے سروں پر مارنے کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کو مختار بتلاتے ہیں اور یہ ہے بھی بہت اچھا چنانچہ اس کے بعد ہی ہے کہ کفار کے لئے آگ کے ٹکڑے الگ الگ مقرر کر دئے جائیں گے۔ یہ تانبے کی صورت ہوں گے جو بہت ہی حرارت پہنچاتا ہے پھر اوپر سے گرم ابلتے ہوئے پانی کا تریڑا ڈالا جائے گا۔ جس سے ان کے آنتیں اور چربی گھل جائے گی اور کھال بھی جھلس کر جھڑ جائے گی۔ ترمذی میں ہے کہ اس گرم آگ جیسے پانی سے ان کی آنتیں وغیرہ پیٹ سے نکل کر پیروں پر گر پڑیں گی۔ پھر جیسے تھے ویسے ہو جائیں گے پھر یہی ہوگا۔ عبداللہ بن سری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فرشتہ اس ڈوچلے کو اس کے کڑوں سے تھام کر لائے گا اس کے منہ میں ڈالنا چاہے گا یہ گھبرا کر منہ پھیر لے گا۔ تو فرشتہ اس کے ماتھے پر لوہے کا ہتھوڑا مارے گا جس سے اس کا سر پھٹ جائے گا وہیں سے اس گرم آگ پانی کو ڈالے گا جو سیدھا پیٹ میں پہنچے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان ہتھوڑوں میں جن سے دوزخیوں کی ٹھکائی ہوگی اگر ایک زمین پر لا کر رکھ دیا جائے تو تمام انسان اور جنات مل کر بھی اسے اٹھا نہیں سکتے۔ (مسند)

آپ فرماتے ہیں اگر وہ کسی بڑے پہاڑ پر مار دیا جائے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جائے جہنمی اس سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے پھر جیسے تھے ویسے ہی کر دئے جائیں گے اگر غساق کا جو جہنمیوں کی غذا ہے ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو تمام اہل دنیا بدبو کے

مارے ہلاک ہو جائیں۔ (مسند احمد، تفسیر جامع البیان، سورہ حج، بیروت)

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝
وہ جب بھی شدت تکلیف سے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں گے۔اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے
اور سخت آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔

کفار کا دوزخ سے نہ نکل سکنے کا بیان

"كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا" أَيْ النَّار "مِنْ غَمّ" يَلْحَقهُمْ بِهَا "أُعِيدُوا فِيهَا" رُدُّوا إلَيْهَا بِالْمَقَامِعِ "وَ" قِيلَ لَهُمْ "ذُوقُوا عَذَاب الْحَرِيق" أَيْ الْبَالِغ نِهَايَة الْإِحْرَاق

وہ جب بھی شدت تکلیف یعنی غم سے وہاں یعنی آگ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے جو غم ان سے لاحق ہوگا تو اس میں واپس لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ سخت آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔یعنی وہ عذاب جو جلانے کی انتہاء کو پہنچنے والا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے لگتے ہی ایک ایک عضو بدن جھڑ جائے گا اور ہائے وائے کا غل مچ جائے گا جب کبھی وہاں سے نکل جانا چاہیں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے۔حضرت سلمان فرماتے ہیں جہنم کی آگ سخت سیاہ بہت اندھیرے والی ہے اس کے شعلے بھی روشن نہیں نہ اس کے انگارے روشنی والے ہیں پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔حضرت زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جہنمی اس میں سانس بھی نہ لے سکیں گے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں واللہ انہیں چھوٹنے کی تو آس ہی نہیں رہے گی پیروں میں بوجھل بیڑیاں ہیں ہاتھوں میں مضبوط ہتھکڑیاں ہیں آگ کے شعلے انہیں اس قدر اونچا کر دیتے ہیں کہ گویا باہر نکل جائیں گے لیکن پھر فرشتوں کے ہاتھوں سے گرز کھا کر تہ میں اتر جاتے ہیں۔ان سے کہا جائے گا کہ اب جلنے کا مزہ چکھو۔جیسے فرمان ہے ان سے کہا جائے گا اس آگ کا عذاب برداشت کرو جسے آج تک جھٹلاتے رہے۔زبانی بھی اور اپنے اعمال سے بھی جھٹلاتے رہے۔(ابن ابی حاتم)

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝
بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے
نہریں جاری ہیں وہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا۔

اہل جنت کیلئے سونے اور موتیوں سے سجاوٹ کا بیان

وَقَالَ فِي الْمُؤْمِنِينَ "إِنَّ اللَّه يُدْخِل الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات جَنَّات تَجْرِي مِنْ تَحْتهَا الْأَنْهَار يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِر مِنْ ذَهَب وَلُؤْلُؤ " بِالْجَرّ أَيْ مِنْهُمَا بِأَنْ يُرَصَّع اللُّؤْلُؤ بِالذَّهَبِ وَبِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى مَحَلّ مِنْ أَسَاوِر "وَلِبَاسهمْ فِيهَا حَرِير " هُوَ الْمُحَرَّم لُبْسه عَلَى الرِّجَال فِي الدُّنْيَا

اہل ایمان کے بارے میں فرمایا کہ بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں۔ وہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا، یہاں لفظ لؤلؤ جر کے ساتھ یعنی وہ دونوں کنگن اور موتی سونے سے سجے ہوئے ہوں گے۔ اور اساور کے محل پر عطف کرتے ہوئے یہ لفظ منصوب بھی آیا ہے اور وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا۔ جس کا دنیا میں لوگوں کیلئے پہننا حرام ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے (ایسی ایسی چیزیں) تیار کر رکھی ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر ان کا خیال گزرا (اور وہ نعمتیں ان کے لئے) جمع کر رکھی ہیں ان کا ذکر چھوڑو جن کی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اطلاع دے رکھی ہے۔

(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2632)

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۝
اور انہیں پاکیزہ بات کی طرف ہدایت کی گئی اور انہیں تمام تعریفوں کے مالک کے راستے کی طرف ہدایت کی گئی۔

کلمہ طیب کی طرف بلانے کا بیان

"وَهُدُوا" فِي الدُّنْيَا "إِلَى الطَّيِّب مِنْ الْقَوْل " وَهُوَ لَا إِلَه إِلَّا اللَّه "وَهُدُوا إِلَى صِرَاط الْحَمِيد " أَيْ طَرِيق اللَّه الْمَحْمُودَة وَدِينه

اور انہیں دنیا میں پاکیزہ بات کی طرف ہدایت کی گئی اور جو اس قول سے ہے "لَا إِلَـٰه إِلَّا اللَّـه" اور انہیں تمام تعریفوں کے مالک کے راستے کی طرف ہدایت کی گئی۔ یعنی وہ اللہ کا پسندیدہ راستہ اور اس کا دین ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے کلام میں سب سے بہتر کلام چار ہیں اور وہ یہ ہیں۔ سبحان اللہ (اللہ پاک ہے) الحمدللہ (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں) لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) اللہ اکبر (اللہ بہت بڑا ہے) ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام چار ہیں (۱) سبحان اللہ (۲) الحمدللہ (۳) لا الہ الا اللہ (۴) اللہ اکبر۔ ان میں سے کسی بھی کلمہ سے شروع کرنا تمہارے لئے نقصان دہ نہیں

ہے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 824)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ
سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○
بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستے سے اور اس حرمت والی مسجد سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں
کے لیے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے برابر ہیں اور جو بھی اس میں کسی قسم کے ظلم
کے ساتھ کسی کج روی کا ارادہ کرے گا ہم اسے دردناک عذاب سے مزہ چکھائیں گے۔

اللہ کے دین سے روکنے والوں کیلئے دردناک عذاب ہونے کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّه" طَاعَته "وَ" عَنِ "الْمَسْجِد الْحَرَام الَّذِي جَعَلْنَاهُ" مَنْسَكًا وَمُتَعَبَّدًا "لِلنَّاسِ سَوَاء الْعَاكِف" الْمُقِيم "فِيهِ وَالْبَادِي" الطَّارِء "وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ" الْبَاء زَائِدَة "بِظُلْمٍ" أَيْ بِسَبَبِهِ بِأَنْ ارْتَكَبَ مَنْهِيًّا وَلَوْ شَتَمَ الْخَادِمَ "نُذِقْهُ مِنْ عَذَاب أَلِيم" مُؤْلِم : أَيْ بَعْضه وَمِنْ هَذَا يُؤْخَذ خَبَر إِنَّ : أَيْ نُذِيقهُمْ مِنْ عَذَاب أَلِيم

بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور وہ اللہ کے راستے یعنی اس کی اطاعت سے اور اس حرمت والی مسجد سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے اس طرح بنایا ہے کہ اس میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے یعنی مقیم ومسافر برابر ہیں اور جو بھی اس میں کسی قسم کے ظلم کے ساتھ کسی کج روی کا ارادہ کرے گا۔ یعنی جس نے بے دینی کا ارادہ کیا یہاں پر بالحاد میں با زائدہ ہے اور بظلم میں باسببیہ ہے۔ یعنی جس منع کردہ کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اگرچہ خادم کے ساتھ بدتمیزی کی۔ ہم اسے دردناک عذاب سے مزہ چکھائیں گے۔ یعنی تکلیف دینے والا عذاب چکھائیں گے۔ یہاں پر نذقہ کے لفظ سے ان کی خبر کا ماخذ ہوگا۔ یعنی "نُذِيقهُمْ مِنْ عَذَاب أَلِيم"

سورہ حج آیت ۲۵ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت سفیان بن حرب وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ مسجد حرام سے یا خاص کعبہ معظمہ مراد ہے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ وہ تمام لوگوں کا قبلہ ہے، وہاں کے رہنے والے اور پردیسی سب برابر ہیں، سب کے لئے اس کی تعظیم و حرمت اور اس میں ادائے مناسکِ حج یکساں ہے اور طواف و نماز کی فضیلت میں شہری اور پردیسی کے درمیان کوئی فرق نہیں اور امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہاں مسجد حرام سے مکہ مکرمہ یعنی جمیع حرم مراد ہے، اس تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ حرم شریف شہری اور پردیسی سب کے لئے یکساں ہے، اس میں رہنے اور ٹھہرنے کا سب کسی کو حق ہے بجز اس کے کہ کوئی کسی کو نکالے نہیں اسی لئے امام صاحب مکہ مکرمہ کی

اراضی کی بیع اور اس کے کرایہ کو منع فرماتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ مکرمہ حرام ہے اس کی اراضی فروخت نہ کی جائیں۔ (تفسیر احمدی، سورہ حج، لاہور)

ناحق زیادتی سے یا شرک و بت پرستی مراد ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ ہر ممنوع قول و فعل مراد ہے حتیٰ کہ خادم کو گالی دینا بھی۔ بعض نے کہا اس سے مراد ہے حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا یا ممنوعاتِ حرم کا ارتکاب کرنا مثل شکار مارنے اور درخت کاٹنے کے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا مراد یہ ہے کہ جو تجھے نہ قتل کرے تو اسے قتل کرے یا جو تجھ پر ظلم نہ کرے تو اس پر ظلم کرے۔

سورہ حج آیت ۲۵ کے دوسرے شان نزول کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن انیس کو دو آدمیوں کے ساتھ بھیجا تھا جن میں ایک مہاجر تھا دوسرا انصاری، ان لوگوں نے اپنے اپنے مفاخرِ نسب بیان کئے تو عبداللہ بن انیس کو غصہ آیا اور اس نے انصاری کو قتل کر دیا اور خود مرتد ہو کر مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝
اور جب ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے بیت اللہ کی جگہ کا تعین کر دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر
کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھنا۔

قیام وطواف والوں کیلئے بیت اللہ کی صفائی کا بیان

"وَ" اُذْكُرْ "اِذْ بَوَّاْنَا" بَيَّنَّا "لِاِبْرَاهِيم مَكَان الْبَيْت" لِيَبْنِيَهُ وَكَانَ قَدْ رُفِعَ زَمَن الطُّوفَان وَأَمَرْنَاهُ "أَنْ لَا تُشْرِك بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ" مِنْ الْأَوْثَان "لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ" الْمُقِيمِينَ بِهِ "وَالرُّكَّع السُّجُود" جَمْع رَاكِع وَسَاجِد : الْمُصَلِّينَ،

اور وہ وقت یاد کیجئے جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لئے بیت اللہ یعنی خانہ کعبہ کی تعمیر کی جگہ کا تعین کر دیا۔ کیونکہ طوفان کے زمانے میں اس کو اٹھا لیا گیا تھا۔ اور انہیں حکم فرمایا کہ میرے ساتھ کسی چیز یعنی بتوں کو شریک نہ ٹھہرانا اور میرے گھر کو تعمیر کرنے کے بعد طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھنا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے کعبہ کو تعمیر کیا تھا۔ جس کے اب نشانات بھی زمین بوس ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آندھی چلائی جس سے اوپر کی مٹی اور ریت اڑ کر دور چلی گئی اور کعبہ کی بنیادی ننگی اور ظاہر ہو گئیں۔ انہی بنیادوں پر حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ساتھ ملا کر کعبہ کی تعمیر شروع کی تھی۔ اور حضرت ابراہیم کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اس گھر کی بنیادیں خالص توحید پر

رکھو۔کوئی شخص یہاں آ کر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم بجانہ لائے۔لیکن مشرکین مکہ نے جو دین ابراہیمی کی پیروی کے مدعی تھے۔اس ہدیت کی ایسی نافرمانی کی کہ وہاں تین سوساٹھ بت لا کھڑے کئے بالآ خر فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے اس گھر کو بتوں کی نجاست سے پاک فرمایا۔

وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ؐ
اور تم لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور تمام دبلے اونٹوں پر حاضر ہو جائیں گے
جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ابی قبیس پہاڑ پر اعلان حج کا بیان

"وَاَذِّنۡ" نَادِ "فِی النَّاس بِالۡحَجّ" فَنَادَى عَلَى جَبَل أَبِي قُبَيْس : يَا أَيُّهَا النَّاس إِنَّ رَبّكُمْ بَنَى بَيْتًا وَأَوْجَبَ عَلَيْكُمْ الْحَجّ إِلَيْهِ فَأَجِيبُوا رَبّكُمْ وَالْتَفَتَ بِوَجْهِهِ يَمِينًا وَشِمَالًا وَشَرْقًا وَغَرْبًا فَأَجَابَهُ كُلّ مَنْ كُتِبَ لَهُ أَنْ يَحُجّ مِنْ أَصْلَاب الرِّجَال وَأَرْحَام الْأُمَّهَات : لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ وَجَوَاب الْأَمْر "يَأْتُوك رِجَالًا" مُشَاة جَمْع رَاجِل كَقَائِمٍ وَقِيَام "وَعَلَى كُلّ ضَامِر" رُكْبَانًا أَيْ بَعِير مَهْزُول وَهُوَ يُطْلَق عَلَى الذَّكَر وَالْأُنْثَى "يَأْتِينَ" أَيْ الضَّوَامِر حَمْلًا عَلَى الْمَعْنَى "مِنْ كُلّ فَجّ عَمِيق" طَرِيق بَعِيد

اور آپ لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو۔تو آپ نے ابی قبیس پہاڑ پر آواز دی۔اے بے شک تمہارے رب گھر بنایا ہے اور تم پر اس کا حج فرض کیا ہے لہٰذا تم اپنے رب کے حکم پر جواب دو۔آپ نے اپنے چہرے کو دائیں بائیں اور شمال وجنوب اور مشرق ومغرب کی طرف پھیرا تو ہر طرف سے جواب آیا ہے۔جن کیلئے حج لکھ دیا گیا تھا اگر چہ وہ اپنے باپوں کی پشتوں میں اور اپنی ماؤں کے رحموں میں تھے۔"لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" اور یہ حکم کا جواب ہے۔وہ تمہارے پاس پیدل یعنی چل کر یہاں رجال یہ راجل کی جمع ہے جس طرح قائم کی جمع قیام ہے۔اور تمام دبلے اونٹوں پر سوا حاضر ہو جائیں گے۔یعنی اونٹوں سوار ہو کر جو دبلے پتلے ہیں۔اور اس کا اطلاق مذکر ومؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔یاتین کو ضامر کے معنی کی رعایت کیلئے لایا گیا ہے۔جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیں۔

الفاظ کے معانی کا بیان

اذن۔فعل امر واحد مذکر حاضر۔تو پکار۔تو اعلان کر۔تاذین (تفعیل) سے۔الاذان ای الاعلام والاعلان ۔یاتوک۔مضارع مجزوم (بوجہ جواب امر) جمع مذکر غائب ک واحد مذکر حاضر۔وہ تیرے پاس آئیں گے۔(یعنی اس گھر کی طرف آئیں گے جسے تو نے تعمیر کیا ہے یعنی بیت الحرام۔رجالا۔پاؤں چلتے ہوئے۔پاؤں پیادہ۔راجل کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکاب۔رجل سے مشتق ہے جس کے معنی پاؤں کے ہیں۔اسی مناسبت سے پاؤں پیادہ کو راجل کہتے ہیں۔یاتوک

سے موضع حال میں ہے لہٰذا منصوب ہے۔

ضامر۔اسم فاعل واحد مذکر۔دبلا۔جس کی کمر پتلی ہو اور پیٹ بیٹھ گیا ہو۔ضمور سے یہاں مراد سواری کا وہ جانور (اونٹ یا گھوڑا) جو دیر تک یا دور تک سواری دینے کے سبب دبلا ہو گیا ہو۔مذکر و مونث دونوں کے لئے مستعمل ہے۔یا تین۔مضارع جمع مونث غائب۔وہ آئیں گی۔ضامر کی صفت میں ہے یعنی جو دور دراز شاہراہوں سے آرہی ہوں گی یاتین من کل فج عمیق) ۔فج ۔الفج و پہاڑوں کے درمیان کشادگی کو کہتے ہیں۔اس کے بعد وسیع راستہ کے معنی استعمال ہونے لگا۔اس کی جمع فجاج ہے۔قرآن مجید میں ہے فیھا فجاجا سبلا ،اس میں کشادہ راستے۔عمیق۔عمق سے بروزن فعیل صفت مشبہ کا صیغہ ہے العمق کے معنی نیچے کی طرف دوری یعنی گہرائی کے ہیں۔اس لئے بہت گہرے کنویں کو بئر عمیق کہتے ہیں۔راستہ کی صفت ہو تو اس کے معنی دور دراز کے لئے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر شجر و حجر کے لبیک کہنے کا بیان

اور یہ حکم ملا کہ اس گھر کے حج کی طرف تمام انسانوں کو بلا۔مذکور ہے کہ آپ نے اس وقت عرض کی کہ باری تعالیٰ میری آواز ان تک کیسے پہنچے گی؟ جواب ملا کہ آپ کے ذمہ صرف پکارنا ہے آواز پہنچانا میرے ذمہ ہے۔آپ نے مقام ابراہیم پر یا صفا پہاڑی پر ابوقیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر ندا کی کہ لوگو! تمہارے رب نے اپنا ایک گھر بنایا ہے پس تم اس کا حج کرو۔پہاڑ جھک گئے اور آپ کی آواز ساری دنیا میں گونج گئی۔یہاں تک کہ باپ کی پیٹھ میں اور ماں کے پیٹ میں جو تھے انہیں بھی سنائی دی۔ہر پتھر درخت اور ہر اس شخص نے جس کی قسمت میں حج کرنا لکھا تھا با آواز لبیک پکارا۔بہت سے سلف سے یہ منقول ہے،واللہ اعلم۔

پھر فرمایا پیدل لوگ بھی آئیں گے اور سواریوں پر سوار بھی آئیں گے۔اس سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے کہ جسے طاقت ہو اس کے لئے پیدل حج کرنا سواری پر حج کرنے سے افضل ہے اس لئے کہ پہلے پیدل والوں کا ذکر ہے پھر سواروں کا۔تو ان کی طرف توجہ زیادہ ہوئی اور ان کی ہمت کی قدردانی کی گئی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری یہ تمنا رہ گئی کہ کاش کہ میں پیدل حج کرتا۔اس لئے کہ فرمان الٰہی میں پیدل والوں کا ذکر ہے۔لیکن اکثر بزرگوں کا قول ہے کہ سواری پر افضل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کمال قدرت وقوت کے پا پیادہ حج نہیں کیا تو سواری پر حج کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اقتدا ہے پھر فرمایا دور دراز سے حج کے لئے آئیں گے خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا بھی یہی تھی کہ آیت (فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم) لوگوں کے دلوں کو اے اللہ تو ان کی طرف متوجہ کر دے۔آج دیکھ لو وہ کونسا مسلمان ہے جس کا دل کعبے کی زیارت کا مشتاق نہ ہو؟ اور جس کے دل میں طواف کی تمنائیں تڑپ نہ رہی ہوں۔(تفسیر ابن ابی حاتم رازی،سورہ حج،بیروت)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت تک آباء کی پشتوں میں رہ کر سننے والوں کا بیان

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر یہ اعلان کیا،کانوں میں انگلیاں رکھ کر داہنے اور بائیں اور شرقاً و

غرباہر طرف یہ ندادی کہ اے لوگو تمہارے رب نے اپنا بیت بنایا ہے اور تم پر اس بیت کا حج فرض کیا ہے تو تم سب اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ آواز اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا میں پہنچادی۔

اور صرف اس وقت کے زندہ انسانوں تک ہی نہیں بلکہ جو انسان آئندہ تا قیامت پیدا ہونے والے تھے بطور معجزہ ان سب تک یہ آواز پہنچادی گئی اور جس جس کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے حج کرنا لکھ دیا ہے ان میں سے ہر ایک نے اس آواز کے جواب میں لبیك اللّٰھم لبیك کہا یعنی حاضر ہونے کا اقرار کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حج کے تلبیہ کی اصل بنیاد یہی ندا ابراہیمی کا جواب ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حج، بیروت)

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ
مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ○
تاکہ وہ اپنے فوائد پائیں اور مقررہ دنوں کے اندر اللہ نے جو مویشی چوپائے ان کو بخشے ہیں ان پر اللہ کے نام کا ذکر بھی کریں،
پس تم اس میں سے خود کھاؤ اور خستہ حال محتاج کو کھلاؤ۔

حج میں دنیا وآخرت کے فوائد کا بیان

"لِيَشْهَدُوا" أَيْ يَحْضُرُوا "مَنَافِع لَهُمْ" فِي الدُّنْيَا بِالتِّجَارَةِ أَوْ فِي الْآخِرَة أَوْ فِيهِمَا أَقْوَال "وَيَذْكُرُوا اسْم اللَّه فِي أَيَّام مَعْلُومَات" أَيْ عَشْر ذِي الْحِجَّة أَوْ يَوْم عَرَفَة أَوْ يَوْم النَّحْر إلَى آخِر أَيَّام التَّشْرِيق أَقْوَال "عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَة الْأَنْعَام" الْإِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم الَّتِي تُنْحَر فِي يَوْم الْعِيد وَمَا بَعْده مِنْ الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا "فَكُلُوا مِنْهَا" إذَا كَانَتْ مُسْتَحَبَّة "وَأَطْعِمُوا الْبَائِس الْفَقِير" أَيْ الشَّدِيد الْفَقْر

تاکہ وہ اپنے فوائد بھی پائیں یعنی ان کیلئے دنیا میں تجارت کے فوائد ہیں۔ یا آخرت کے فوائد یا دونوں کے فوائد اس میں اقوال ہیں۔ اور قربانی کے مقررہ دنوں یعنی دس ذوالحج اور یوم عرفہ اور یوم نحر سے ایام تشریق تک جس میں اقوال ہیں۔ ایام معلومہ کے اندر اللہ نے جو مویشی چوپائے یعنی اونٹ گائے، اور بکری جن کو عید کے دن ذبح کرتے ہیں اور جو ان کے بعد ہدایا اور قربانی کے جانور آئیں۔ ان کو بخشے ہیں ان پر ذبح کے وقت اللہ کے نام کا ذکر بھی کریں، پس تم اس میں سے خود بھی کھاؤ اور خستہ حال یعنی شدید فقر والے محتاج کو بھی کھلاؤ۔

افضل قربانی کے بارے میں مذاہب اربعہ

جن جانوروں کی قربانی کا ذکر نص میں ملتا ہے ان میں اونٹ، گائے، بھیڑ بکری شامل ہیں، اور علماء کرام کا کہنا ہے کہ سب سے افضل قربانی اونٹ کی ہے۔ اس کے بعد گائے، اور اس کے بعد بکری کی، اور اس کے بعد اونٹ یا گائے کی قربانی میں حصہ ڈالنا، اس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے بارہ میں مندرجہ ذیل فرمان ہے: (جو کوئی اول وقت میں جائے گویا کہ اس نے اونٹ کی قربانی

کی۔

حضرت امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے، تو اس طرح بکرا و دنبہ، مینڈھے کی قربانی اونٹ یا گائے میں حصہ ڈالنے سے افضل ہے، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: مینڈھے کی قربانی افضل ہے اور اس کے بعد گائے اور اس کے بعد اونٹ کی قربانی افضل ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے ذبح کیے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم افضل کام ہی کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی خیر خواہی کرتے ہوئے اولیٰ اختیار کرتے تھے اور امت کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ گائے اور اونٹ کے سات حصے ہوتے ہیں لھذا مندرجہ ذیل حدیث کی بنا پر اس میں سات اشخاص شریک ہو سکتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات آدمیوں کی جانب سے اونٹ اور سات ہی کی جانب سے گائے ذبح کی تھی۔

اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات افراد شریک ہو جائیں۔ اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: تو گائے سات اشخاص کی جانب سے ذبح کی جاتی تھی اور ہم اس میں شریک ہوتے۔ (صحیح مسلم، کتاب الاضحیہ)

ایام معلومات سے مراد ہونے کا بیان

مقررہ دنوں سے مراد ذی الحجہ کا پہلا عشرہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کسی دن کا عمل اللہ کے نزدیک ان دنوں کے عمل سے افضل نہیں۔ لوگوں نے پوچھا جہاد بھی نہیں؟ فرمایا جہاد بھی نہیں، بجز اس مجاہد کے عمل کے جس نے اپنی جان و مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا ہو (صحیح بخاری) میں نے اس حدیث کو اس کی تمام سندوں کے ساتھ ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کسی دن کا عمل اللہ کے نزدیک ان دنوں سے بڑا اور پیارا نہیں پس تم ان دس دنوں میں لا الــــــــہ اللہ اور الحمدللہ بکثرت پڑھا کرو۔ انہی دنوں کی قسم آیت (ولیال عشر) کی آیت میں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان دنوں بازار میں آتے اور تکبیر پکارتے، بازار والے بھی آپ کے ساتھ تکبیر پڑھنے لگتے۔ ان ہی دس دنوں میں عرفہ کا دن ہے جس دن کے روزے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ گذشتہ اور آئندہ دو سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم شریف)

ان ہی دس دنوں میں قربانی کا دن یعنی بقر عید کا دن ہے جس کا نام اسلام میں حج اکبر کا دن ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے نزدیک یہ سب دنوں سے افضل ہے۔ الغرض سارے سال میں ایسی فضیلت کے دن اور نہیں جیسے کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ دس دن رمضان شریف کے آخری دس دنوں سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ نماز روزہ صدقہ وغیرہ جو رمضان کے اس آخری عشرے میں ہوتا ہے وہ سب ان دنوں میں بھی ہوتا ہے مزید برآں ان میں فریضہ حج ادا ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رمضان شریف کے آخری دن افضل ہیں کیونکہ انہیں میں لیلۃ القدر ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ تیسرے قول درمیانہ ہے کہ دن تو یہ افضل اور راتیں

رمضان المبارک کے آخری دس دنوں کی افضل ہیں۔ اس قول کے مان لینے سے مختلف دلائل میں جمع ہوجاتی ہیں واللہ اعلم۔ ایام معلومات کی تفسیر میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قربانی کا دن اور اس کے بعد کے تین دن ہیں

حضرت ابن عمر اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت ہے اور ایک روایت سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ بقرہ عید اور اس کے بعد کے دو دن۔ اور ایام معدودات سے بقرہ عید اور اس کے بعد کے تین دن۔ اس کی اسناد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اس کی اور اس سے پہلے کے قول کی تائید فرمان باری آیت (عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ، الحج:28) سے ہوتی ہے کیونکہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی کے وقت اللہ کا نام لینا ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ عرفے کا دن بقرہ عید کا دن اور اس کے بعد کا ایک دن ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے۔ حضرت اسلم سے روایت ہے کہ مراد یوم نحر اور ایام تشریق ہیں بهيمة الانعام سے مراد اونٹ گائے اور بکری ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○
پس وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا خوب طواف کریں۔

بیت اللہ کا طواف کرنے کا بیان

"ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ " أَیْ يُـزِيلُوا أَوْسَاخهمْ وَشَعَثهمْ كَطُولِ الظُّفُر "وَلْيُوفُوا" بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيد "نُذُورهمْ" مِنْ الْهَدَايَا وَالضَّحَايَا "وَلْيَطَّوَّفُوا" طَوَاف الْإِفَاضَة "بِالْبَيْتِ الْعَتِيق" أَیْ الْقَدِيم لِأَنَّهُ أَوَّل بَيْت وُضِعَ لِلنَّاسِ

پس وہ اپنا میل کچیل دور کریں یعنی میل کچیل اور بڑھے ہوئے ناخنوں کو اتار کر اور اپنی نذریں پوری کریں۔ ولیوفوا ہیں تخفیف اور تشدید دونوں طرح آیا ہے۔ اور نذور سے مراد ہدایا اور قربانیاں ہیں۔ اور اس قدیم گھر کا خوب طواف یعنی طواف اضافہ کریں۔ کیونکہ لوگوں کیلئے سب سے پہلے یہی گھر بنایا گیا ہے۔

طواف زیارت کے ابتدائی وقت میں شوافع واحناف کا اختلاف:

امام ترمذی علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے بعض اہل علم نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی اجازت دی ہے بعض اہل علم کہتے ہیں کہ نحر کے دن طواف زیارت کرنا مستحب ہے بعض علماء نے منی میں قیام کے آخر تک بھی طواف زیارت کی اجازت دی ہے۔ (جامع ترمذی، ابواب الحج)

حضرت عائشہ وحضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف زیارۃ میں قربانی کے دن رات تک

تاخیر کی۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے یا یہ کہ سب ہی کے لئے طواف زیارت میں قربانی کے دن رات تک تاخیر کو جائز قرار دیا۔ حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طواف زیارت میں رات تک تاخیر کی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ یں تو یہ صراحت کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے وقت طواف زیارۃ کیا اور اس کے بعد مکہ میں یا منیٰ میں ظہر کی نماز پڑھی۔

علامہ طیبی شافعی کہتے ہیں کہ طواف زیارۃ کا وقت امام شافعی کے نزدیک بقرعید کی آدھی رات کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے جب کہ دیگر ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ ان کا وقت بقرعید کے دن طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے اور آخری وقت کا کوئی تعین نہیں ہے جب بھی کیا جائے گا جائز ہو جائے گا لیکن امام ابوحنیفہ کے ہاں طواف زیارت کی ادائیگی ایام نحر میں واجب ہے لہٰذا اگر کوئی شخص اتنی تاخیر کرے کہ ایام نحر پورے گزر جائیں گے اور پھر وہ بعد میں طواف زیارۃ کرے تو اس پر دم یعنی بطور جزاء جانور ذبح کرنا واجب ہوگا۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا
مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝
یہی ہے، اور جو شخص اللہ سے عزت یافتہ چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اس کے رب کے ہاں اس کے لئے بہتر ہے،
اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سوائے ان کے جن کی ممانعت تمہیں پڑھ کر سنائی گئی ہے سو تم بتوں
کی پلیدی سے بچا کرو اور جھوٹی بات سے پرہیز کیا کرو۔

اللہ کی حرمات کی تعظیم کرنے والے کیلئے ثواب ہونے کا بیان

"ذٰلِكَ" خَبَر مُبْتَدَأ مُقَدَّر : أَيْ الْأَمْر أَوْ الشَّأْن ذٰلِكَ الْمَذْكُور "وَمَنْ يُعَظِّم حُرُمَات اللّٰه" هِيَ مَا لَا يَحِلّ انْتِهَاكه "فَهُوَ" أَيْ تَعْظِيمهَا "خَيْر لَهُ عِنْد رَبّه" فِي الْآخِرَة "وَأُحِلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَام" أَكْلًا بَعْد الذَّبْح "إِلَّا مَا يُتْلَى عَلَيْكُمْ" تَحْرِيمه فِي "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَة" الْآيَة فَالِاسْتِثْنَاء مُنْقَطِع وَيَجُوز أَنْ يَكُون مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيم لِمَا عَرَضَ مِنْ الْمَوْت وَنَحْوه "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْس مِنْ الْأَوْثَان" مِنْ لِلْبَيَانِ أَيْ الَّذِي هُوَ الْأَوْثَان "وَاجْتَنِبُوا قَوْل الزُّور" أَيْ الشِّرْك بِاللّٰهِ فِي تَلْبِيَتكُمْ أَوْ شَهَادَة الزُّور

یہاں پر ذلک مبتداء مقدر الامر یا الشان کی خبر ہے۔ یعنی ذکر کردہ یہی حکم ہے، اور جو شخص اللہ کی بارگاہ سے عزت یافتہ چیزوں کی تعظیم کرتا ہے۔ یعنی جن کی توہین جائز نہیں ہے۔ تو وہ اس کے رب کے ہاں اس کے لئے آخرت میں بہتر ہے، اور تمہارے لئے سب مویشی چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں یعنی ذبح کے بعد ان کا کھانا حلال ہے۔ سوائے ان کے جن کی ممانعت یعنی حرمت تمہیں

پڑھ کر سنائی گئی ہے جس طرح آیت "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ" اور یہاں استثناء منقطع ہے۔ اور استثناء متصل بھی جائز ہے۔ اور مردہ وغیرہ کی حرمت بھی ہے لہٰذا تم بتوں کی پلیدی سے بچا کرو یہاں پر مِن بیانیہ ہے اور وہ بت ہیں۔ اور جھوٹی بات سے پرہیز کیا کرو۔ یعنی تم اپنے تلبیہ میں شرک باللہ سے پرہیز کرو۔ یا جھوٹی گواہی سے پرہیز کرو۔

مشرکین کا تلبیہ میں شرکیہ کلمات کو ملانے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مشرک لوگ جب تلبیہ کہتے اور یہ کلمات ادا کرتے لبیک لاشریک لک (حاضر ہیں تیری خدمت میں، تیرا کوئی شریک نہیں) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے افسوس ہے تم پر! بس بس (یعنی بس اتنا ہی کہو اس سے زیادہ مت کہو، مگر مشرک کب ماننے والے تھے وہ پھر اس کے بعد یہ کہتے) الا شریکا ہو لک تملکہ و ما ملک (یعنی تیرا کوئی شریک نہیں ہاں وہ بت تیرا شریک ہے جو تیری ملک میں ہے، تو اس کا مالک ہے وہ شریک تیرا مالک نہیں ہے۔ مشرک لوگ تلبیہ کے یہ کلمات خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1097)

مشرک بھی حج وعمرہ اور طواف وغیرہ کیا کرتے تھے نیز وہ خانہ کعبہ کی تعظیم بھی ہمیشہ کیا کرتے تھے اور اس کا احترام ملحوظ رکھتے مگر جب لبیک کہتے تو اپنے شریک کی وجہ سے اس طرح کہتے لبیک لا شریک لک الا شریکا ہو لک تملکہ و ما ملک یعنی وہ حق تعالیٰ سے شرک کی نفی تو کرتے مگر بتوں کا استثناء کرتے اور یہ کہتے کہ وہ بت اللہ کے شریک ہیں لیکن اس کے مملوک ہیں اور اللہ ان بتوں کا مالک ہے، چنانچہ وہ جب تلبیہ کہنا شروع کرتے اور یہ کہتے لبیک لا شریک لک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ یہاں تک تو ٹھیک بس تم اتنا ہی کہو کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے، اس سے آگے نہ کہو مگر مشرکین کی عقلوں پر تو پردے پڑے ہوئے تھے وہ ہدایت کو کیسے مان لیتے اس لئے وہ آگے کے الفاظ کہنے سے باز نہیں آتے تھے، حالانکہ ان کے یہ کلمات الا شریکا ہو لک الخ درحقیقت ان کی انتہائی حماقت اور بے وقوفی ہی کو ظاہر کرتے تھے کہ بتوں کو اللہ کی ملکیت بھی بتاتے تھے اور پھر انہیں شریک بھی کہتے تھے حالانکہ اگر انہیں عقل سلیم کی ذرا بھی رہنمائی حاصل ہوتی تو وہ خود یہ سمجھ سکتے تھے کہ بھلا مملوک اپنے مالک کا شریک کیوں کر ہو سکتا ہے؟

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ
فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ○
صرف اللہ کے ہو کر رہو۔ اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراتے ہوئے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا
وہ آسمان سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دور کی جگہ میں نیچے جا پھینکے۔

دین حنیف کے سوا سب ادیان کے باطل ہونے کا بیان

"حُنَفَاءَ لِلّٰهِ" مُسْلِمِينَ عَادِلِينَ عَنْ كُلِّ دِينٍ سِوَى دِينِهِ "غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ" تَأْكِيد لِمَا قَبْله وَهُمَا حَالَانِ مِنَ الْوَاو "وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ" سَقَطَ "مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ" أَيْ تَأْخُذهُ

بِسُرْعَةٍ "أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ" أَيْ تُسْقِطُهُ "فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ" بَعِيدٍ فَهُوَ لَا يُرْجَى خَلَاصُه

صرف اللہ یعنی اللہ کے دین کے سوا ہر دین سے عدول کر کے سچے مسلمان ہوکر رہو۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہوئے، یہ ماقبل کی تاکید ہے۔اور یہ دونوں واؤ سے حال ہیں۔اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ ایسے ہے جیسے آسمان سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اس کو کسی دور کی جگہ میں نیچے جا پھینکے۔یعنی ایسے دور مقام پر جہاں سے اس کیلئے خلاصی نہ ہو۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی روایت ہے اللہ کے دین کو خلوص کے ساتھ تھام لو باطل سے ہٹ کر حق کی طرف آجاؤ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانے والوں میں نہ بنو۔پھر مشرک کی تباہی کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے کوئی آسمان سے گر پڑے پس یا تو اسے پرندہی اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی ہلاکت کے دور دراز گڑھے میں پہنچا دے گی۔چنانچہ کافر کی روح کو لے کر جب فرشتے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اس کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور وہیں سے وہ پھینک دی جاتی ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○
یہی ہے، اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے (یعنی ان جانداروں، یادگاروں، مقامات، احکام اور مناسک وغیرہ کی
تعظیم جو اللہ یا اللہ والوں کے ساتھ کسی اچھی نسبت یا تعلق کی وجہ سے جانے پہچانے جاتے ہیں) تو یہ (تعظیم) دلوں کے
تقویٰ میں سے ہے (یہ تعظیم وہی لوگ بجالاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو)

اللہ کی نشانیوں کی تعظیم دلوں کا تقویٰ ہے

"ذٰلِكَ" يُقَدَّر قَبْله الْأَمْر مُبْتَدَأ "وَمَنْ يُعَظِّم شَعَائِر اللّٰه فَإِنَّهَا" أَيْ فَإِنَّ تَعْظِيمهَا وَهِيَ الْبُدْن الَّتِي تُهْدَى لِلْحَرَمِ بِأَنْ تُسْتَحْسَن وَتُسْتَسْمَن "مِنْ تَقْوَى الْقُلُوب" مِنْهُمْ وَسُمِّيَتْ شَعَائِر لِإِشْعَارِهَا بِمَا تُعْرَف بِهِ أَنَّهَا هَدْي كَطَعْنِ حَدِيد بِسَنَامِهَا،

یہاں پر بھی ذلک سے پہلے الامر مبتداء مقدر ہے۔یہی حکم ہے، اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اور وہ قربانی کے جانور ہیں جو ہدی کے طور پر حرم میں بھیجے جاتے ہیں۔لہٰذا ان کی اچھی دیکھ بھال کر کے انہیں اچھا کھلا کر موٹا تازہ کیا جائے۔تو یہ تعظیم دلوں کے تقویٰ میں سے ہے۔(یہ تعظیم وہی لوگ بجالاتے ہیں جن کے دلوں کو تقویٰ نصیب ہو گیا ہو) ان کو شعائر اس لئے کہتے ہیں کہ ان پر کوئی ایسی علامت لگا دی جائے جس وہ پہچانے جائیں جس طرح ان کی کوہان پر نیزے کے ساتھ زخم کا نشان بہ طور علامت لگا دینا ہے۔

اللہ کے شعائر کی جن میں قربانی کے جانور بھی شامل ہیں حرمت وعزت بیان ہو رہی ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرنا اللہ کے فرمان کی توقیر کرنا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔یعنی قربانی کے جانوروں کو فربہ اور عمدہ کرنا۔سہل کا بیان ہے کہ ہم قربانی کے جانوروں کو پال کر انہیں فربہ اور عمدہ کرتے تھے تمام مسلمانوں کا یہی دستور تھا (بخاری شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ دو سیاہ رنگ کے جانوروں کے خون سے ایک عمدہ سفید رنگ جانور کا خون اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ)

قرآن کے مطابق آثار وتبرکات کی تعظیم کے حکم کا بیان

(۱) بیشک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کو راہ دکھاتا اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔ (البقرہ، ۹۷)

امام فخر الدین رازی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔کعبہ معظمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہم ہے یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہو گیا یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ ومعجزہ انبیاء ہے پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا پھر اسے حق سبحانہ نے مدتہا مدت باقی رکھا تو یہ اقسام اقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔ (مفاتیح الغیب، ج۸، ص۱۵۵، عامر یہ مصر)

(۲) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۔ (البقرہ ۲۴۸)

اوران سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زراندود صندوق تھا جس کا طول تین ہاتھ کا اور عرض دو ہاتھ کا تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویریں تھیں ان کے مساکن ومکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اور حضور کی دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی کہ حضور بحالت نماز قیام میں ہیں اور گرد آپ کے آپ کے اصحاب حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصویروں کو دیکھا یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا آپ اس میں توریت بھی رکھتے تھے اور اپنا مخصوص سامان بھی، چنانچہ اس تابوت میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور آپ کے کپڑے اور آپ کی نعلین شریفین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کی عصا اور تھوڑا سا من جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا حضرت موسی علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے تھے اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کو تسکین رہتی تھی آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں متوارث ہوتا چلا آیا جب انہیں کوئی

مشکل در پیش ہوتی وہ اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعائیں کرتے اور کامیاب ہوتے دشمنوں کے مقابلہ میں اس کی برکت سے فتح پاتے جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی اوران کی بدعملی بہت بڑھ گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عمالقہ کو مسلط کیا تو وہ ان سے تابوت چھین کر لے گئے اوراس کو نجس اور گندے مقامات میں رکھا اوراس کی بے حرمتی کی اوران گستاخیوں کی وجہ سے وہ طرح طرح کے امراض ومصائب میں مبتلا ہوئے ان کی پانچ بستیاں ہلاک ہوئیں اورانہیں یقین ہوا کہ تابوت کی اہانت ان کی بربادی کا باعث ہے توانہوں نے تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو چھوڑدیا اور فرشتے اس کو بنی اسرائل کے سامنے طالوت کے پاس لائے اوراس تابوت کا آنا بنی اسرائیل کے لئے طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا تھا بنی اسرائیل یہ دیکھ کراس کی بادشاہی کے مقر ہوئے اور بے درنگ جہاد کے لئے آمادہ ہوگئے کیونکہ تابوت پاکرانہیں اپنی فتح کا یقین ہوگیا طالوت نے بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار جوان منتخب کئے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی تھے۔ (جلالین وجمل وخازن ومدارک وغیرہ)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کا اعزاز واحترام لازم ہے ان کی برکت سے دعائیں قبول ہوتی اور حاجتیں روا ہوتی ہیں اور تبرکات کی بے حرمتی گمراہوں کا طریقہ اور بربادی کا سبب ہے فائدہ تابوت میں انبیاء کی جو تصویریں تھیں وہ کسی آدمی کی بنائی ہوئی نہ تھیں اللہ کی طرف سے آئی تھیں۔ (تفسیر خزائن العرفان، البقرہ ۲۴۸)

تابوت سکینہ اور جنگ طالوت وجالوت کا بیان

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں۔ کہ نبی علیہ السلام فرمارہے ہی کہ طالوت کی بادشاہت کی پہلی علامت برکت یہ ہے کہ کھویا ہوا تابوت سکینہ انہیں پھرمل جائے گا، جس میں وقار وعزت دلجمعی اور جلالت رافت ورحمت ہے جس میں اللہ کی نشانیاں ہیں جنہیں تم بخوبی جانتے ہو، بعض کا قول ہے کہ سکینہ ایک سونے کا طشت تھا جس میں انبیاء کے دِل دھوئے جاتے تھے جو حضرت موسیٰ کو ملا تھا اور جس میں آپ نے توراۃ کی تختیاں رکھی تھیں، کسی نے کہا ہے اس کا منہ بھی تھا جیسے انسان کا منہ ہوتا ہے اور روح بھی تھی، ہاتھ بھی تھا، دوسر تھے، دو پر تھے اور دُم بھی تھی، وہب کہتے ہیں مردہ بلی کا سر تھا جب وہ تابوت میں بولتا تو انہیں نصرت کا یقین ہوجاتا اور لڑائی فتح ہو جاتی، یہ قول بھی ہے کہ یہ ایک روح تھی اللہ کی طرف سے جب کبھی بنی اسرائیل میں کوئی اختلاف پڑتا یا کسی بات کی اطلاع نہ ہوتی تو وہ کہہ دیا کرتی تھی۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے ورثے کے باقی حصے سے مراد لکڑی اور توراۃ کی تختیاں اون اور کچھ ان کے کپڑے اور جوتی ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان وزمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا، اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کرانہیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہوگیا، یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ گائے کے اوپر لایا گیا، بعض کہتے ہیں کہ کفار نے جب یہودیوں پر غلبہ پایا تو تابوت سکینہ کو ان سے چھین لیا اور اریحا میں لے گئے اوراپنے بڑے بت کے نیچے رکھ دیا جب اللہ کو اسے واپس بنی اسرائیل تک پہنچانا تھا، تب وہ کفار صبح کو جب بت خانے میں گئے تو دیکھا بت نیچے ہے اور تابوت اوپر ہے،

انہں نے پھر بت کو اوپر کر دیا لیکن دوسری صبح دیکھا کہ پھر وہی معاملہ ہے انہوں نے پھر بت کو اوپر کر دیا، صبح جو گئے تو دیکھا بت ایک طرف ٹوٹا پھوٹا پڑا ہے، تو یقین ہو گیا کہ یہ قدرت کے کرشمے ہیں چنانچہ انہوں نے تابوت کو یہاں سے لے جا کر کسی اور چھوٹی سی بستی میں رکھ دیا، وہاں ایک وبائی بیماری پھیلی، آخر بنی اسرائیل کی ایک عورت نے جو وہاں قید تھی، اس نے کہا کہ اسے واپس بنی اسرائیل پہنچا دو تو تمہیں اس سے نجات ملے گی، ان لوگوں نے دو گائیوں پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیل کے شہر کی طرف بھیج دیا، شہر کے قریب پہنچ کر گائیں تو رسیاں تڑوا کر بھاگ گئیں اور تابوت وہیں رہا جسے بنی اسرائیل لے آئے، بعض کہتے ہیں دونو جوان اسے پہنچا گئے واللہ اعلم، (لیکن الفاظ قرآن میں یہ موجود ہیں کہ اسے فرشتے اٹھا لائیں گے (مترجم) یہ بھی کہا گیا کہ ہے کہ فلسطین کی بستیوں میں سے ایک بستی میں تھا جس کا نام ازدوہ تھا۔ پھر فرماتا ہے میری نبوت کی دلیل اور طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ بھی ہے کہ تابوت فرشتے پہنچا جائیں گے، اگر تمہیں اللہ عزوجل اور قیامت پر ایمان ہو۔ (تفسیر ابن کثیر، البقرہ، ۲۴۸)

احادیث کے مطابق آثار و تبرکات کی تعظیم کا حکم:

(۱) امام مسلم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا۔

پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بلا کر وہ سب بال انہیں عطا فرمادئے پھر بائیں جانب کے بالوں کو حکم فرمایا اور وہ ابوطلحہ کو دئے کہ انہیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (صحیح مسلم، ج ۱، ص، ۴۲۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲) امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعل مقدس ہے۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص، ۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۳) حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے ہے انھوں نے ایک اُونی جبہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ ریشمین تھی اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے ام المومنین صدیقہ کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔ (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۱۹۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۴) حضرت عثمان بن عبداللہ بن موہب سے ہے۔ میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی اس پر خضاب کا اثر تھا۔

(صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۷۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اہل سنت و جماعت کی دیگر عمومی تصانیف میں کثیر دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کی نسبت انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الرحمہ سے ہو جائے وہ چیز برکت والی ہے اور اس کی تعظیم کی جائے گی۔

منکرین آثار و تبرکات کے دھوکے وفریب کا بیان

مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں کہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔حضرت سیدہ کا وصال ہوگیا اپنے اسی جھوٹے اعتقاد کے مطابق وہ حضرت سیدہ کو مظلومہ اور شہیدہ بھی کہہ رہا تھا یہ حقیقت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تبرا ہے صرف اسی ایک موقعہ پر نہیں بلکہ میں نے بارہا ایرانی رافضیوں کے منہ سے یہ تبرا سنا ہے۔

یہ ہے بخدی حکومت کی حق پرستی کہ رافضی علانیہ مسلسل تبرا بکیں تو ان سے کوئی پرشش نہیں لیکن اگر کوئی سُنّی وارفتہ شوق ہو کر جالیوں کو بوسہ دیدے یا منبر اقدس کو بوسہ دیدے تو اسے جھڑکتے بھی ہیں دھکے بھی دیتے ہیں اور مار بھی دیتے ہیں۔میں نے حرمین طیبین جا کر یہ محسوس کیا کہ وہاں مآثر ومزارات کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوا اور کوئی چیز جرم نہیں۔داڑھی منڈاؤ، فلم دیکھو، گھروں میں ٹیلی ویژن لگاؤ، اس پر عریاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھو، گانے سنو تصویریں کھنچواؤ، تصویریں بیچو، خریدو کوئی چیز جرم نہیں۔میں نے معلمین کے آفسوں میں دیکھا کہ ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں دن رات فلمیں چلتی رہتی ہیں۔بازاروں میں علانیہ مصر کی مشہور مغنیہ ام کلثوم اور دنیا کے مشہور گانے والے گانے والیوں کے پاکستانی فلمی گانوں کے کیسٹ بکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔میں نجدی حکومت کے طرفداروں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں؟ قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے وہاں آنکھوں سے دیکھی وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔حجاج بہترین سے بہترین قرآن مجید خرید کر دونوں حرم میں رکھ دیتے ہیں جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو بعد عشاء کوڑا پھینکنے والے ٹرکوں میں دروازوں کے باہر پڑے ہوئے طرح بھرتے ہیں جیسے کوڑا بھرا جاتا ہے، قرآن مجید کی جلدوں کو بوروں میں کس کر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں اور اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیتے ہیں پھر انہیں قرآن مجید پر ٹرک میں بیٹھتے ہیں اور لے جا کر کہیں پھینک آتے ہیں۔

حجاج میں بھی ایسے ایسے گنواروں کو دیکھا کہ قرآن مجید کا تکیہ لگائے ہوئے سو رہے ہیں مگر کسی نجدی سپاہی یا مطوی کو توفیق نہیں ہوئی کہ ان گنواروں کو ٹوکتا۔حجاج بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں اور گنوار قرآن کی طرف پاؤں کر کے سو رہے ہیں۔مگر انہیں کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں۔میں نے کئی حاجیوں کو اس پر ٹوکا کچھ تو مان گئے کچھ جھگڑے پر آمادہ ہوگئے، غرض کہ نجدی حکومت میں یہ سب ناکردنیاں ہوتی ہیں مگر نجدیوں کے وظیفہ خوار اس پر چوں تک نہیں کرتے، مآثر ومزارات کے ہاتھ لگانے و بوسہ دینے پر نجدیوں کے بیجا تشدد کا خطبہ البتہ رات دن پڑھتے رہتے ہیں۔بہر حال ایرانیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں حتیٰ کہ انہیں تبرا بکنے کی بھی اجازت ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جالیوں میں دیکھنا شروع کیا کہ حظیرہ اقدس جالیوں سے کتنے فاصلے پر ہے اور اس کی ساخت کیسی ہے کہ مجھے نجدی سپاہی نے شرک شرک حرام حرام کہہ کے دھکا دیدیا حالانکہ میں نے جالیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اپنے اسلاف کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھوں کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان مقدس جالیوں کو مس کریں۔مجھے بہت ہی غصہ آیا، میں نے اس بد بخت سے کہا النظر الی داخل الشباک شرک حرام تو اس درندے نے دونوں ہاتھوں سے میرے مونڈھوں کو پوری طاقت

سے پکڑا اور اتنے زور سے دھکا دیا کہ اگر وہاں زرین کھڑے نہ ہوتے تو میں گر پڑتا۔ جی میں تو آیا کہ اس ظالم سے دو دو ہاتھ کر لوں اگر چہ جانتا تھا کہ میرا کیا حال ہوگا مگر سرکار اپنے چشمان مبارک سے دیکھ تو لیتے کہ کفار قریش کے جانشین ان کے غلاموں کے ساتھ ان کے دربار عالی جاہ میں ان کے روبرو کتنا ستم ڈھاتے ہیں اور پھر میں جھوم جھوم کر یہ عرض کرتا ہے۔

بحرم عشق تو ام می کشند غوغائیست تو نیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝
تمہارے لئے ان میں مقررہ مدت تک فوائد ہیں پھر انہیں قدیم گھر کی طرف پہنچنا ہے۔

قربانی کے جانوروں میں فوائد ہونے کا بیان

"لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ" كَرُكُوبِهَا وَالْحَمْلِ عَلَيْهَا مَا لَا يَضُرُّهَا "إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى" وَقْتَ نَحْرِهَا "ثُمَّ مَحِلُّهَا" أَيْ مَكَانَ حِلِّ نَحْرِهَا "إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ" أَيْ عِنْدَهُ وَالْمُرَادُ الْحَرَمُ جَمِيعُهُ

تمہارے لئے ان قربانی کے جانوروں میں مقررہ مدت تک فوائد ہیں جس طرح ان پر سوار ہونا اور ان پر بوجھ لادنا جوان کو نقصان نہ پہنچائے۔ پھر انہیں قدیم گھر خانہ کعبہ کی طرف ذبح کے لئے پہنچنا ہے۔ یہاں ذبح کے مقام سے مراد پورا حرم ہے۔

پھر فرماتا ہے ان جانوروں کے بالوں میں، اون میں تمہارے لئے فوائد ہیں ان پر تم سوار ہوتے ہو ان کی کھالیں تمہارے لئے کارآمد ہیں۔ یہ سب ایک مقررہ وقت تک۔ یعنی جب تک اسے راہ اللہ نامزد نہیں کیا۔ ان کا دودھ پیو ان سے نسلیں حاصل کرو جب قربانی کے لئے مقرر کر دیا پھر وہ اللہ کی چیز ہو گیا۔ بزرگ کہتے ہیں اگر ضرورت ہو تو اب بھی سواری کی اجازت ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ ایک شخص کو اپنی قربانی کا جانور ہانکتے ہوئے دیکھ کر آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اسے قربانی کی نیت کا کر چکا ہوں۔ آپ نے دوسری یا تیسری بار فرمایا افسوس بیٹھ کیوں نہیں جاتا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے جب ضرورت اور حاجت ہو تو سوار ہو جایا کرو۔ ایک شخص کی قربانی کی اونٹنی نے بچہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ اس کو دودھ پیٹ بھر کر پی لینے دے پھر اگر بچ رہے تو خیر تو اپنے کام میں لا اور قربانی والے دن اسے اور اس بچے کو دونوں کو بنام اللہ ذبح کر دے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ
فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ۝
اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک قربانی مقرر کر دی ہے تا کہ وہ ان مویشی چوپایوں پر جو اللہ نے انہیں عنایت فرمائے ہیں (ذبح
کے وقت) اللہ کا نام لیں، سو تمہارا معبود ایک معبود ہے پس تم اسی کے فرمانبردار بن جاؤ، اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں

ہرامت کیلئے منسک ہونے کا بیان

"وَلِكُلِّ أُمَّةٍ" أَيْ جَمَاعَةٍ مُؤْمِنَةٍ سَلَفَتْ قَبْلَكُمْ "جَعَلْنَا مَنْسَكًا" بِفَتْحِ السِّيْنِ مَصْدَرٌ وَبِكَسْرِهَا اسْمُ مَكَانٍ أَيْ ذَبْحًا قُرْبَانًا أَوْ مَكَانَهُ "لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ" عِنْدَ ذَبْحِهَا "فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا" انْقَادُوا "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ" الْمُطِيعِينَ الْمُتَوَاضِعِينَ

اور ہم نے ہرامت یعنی مؤمن جماعت جو گزر چکی اس کے لئے ایک قربانی مقرر کردی ہے۔یہاں پر لفظ منسک سین کے فتحہ کے ساتھ جب مصدر ہواور سین کے کسرہ کے ساتھ جب اسم مکان ہو۔یعنی قربانی کیلئے یا قربانی کی جگہ پر ذبح کرنا ہے۔تا کہ وہ ان مویشی چوپایوں پر جو اللہ نے انہیں عنایت فرمائے ہیں،ذبح کے وقت اللہ کا نام لیں،پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس تم اسی کے فرمانبردار بن جاؤ،اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنادیں۔

قربانی کے حکم میں اشتراک امم کا بیان

لفظ منسک اور نسک،عربی زبان کے اعتبار سے کئی معنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ایک معنی جانور کی قربانی کے دوسرے معنے تمام افعال حج کے اور تیسرے معنی مطلقاً عبادت کے ہیں۔قرآن کریم میں مختلف مواقع پر یہ لفظ ان تین معنے میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں تینوں معنے مراد ہو سکتے ہیں اسی لئے ائمہ تفسیر میں سے مجاہد وغیرہ نے اس جگہ منسک کو قربانی کے معنے میں لیا ہے۔اس پر معنے آیت کے یہ ہوں گے کہ قربانی کا حکم جو اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے کوئی نیا حکم نہیں۔پچھلی سب امتوں کے بھی ذمہ قربانی کی عبادت لگائی گئی تھی۔اور قتادہ نے دوسرے معنے میں لیا ہے جس پر مراد آیت کی یہ ہوگی کہ افعال حج جیسے اس امت پر عائد کئے گئے ہیں پچھلی امتوں پر بھی حج فرض کیا گیا تھا۔ابن عرفہ نے تیسرے معنے لئے ہیں اس اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہوگی کہ ہم نے اللہ کی عبادت گزاری سب پچھلی امتوں پر بھی فرض کی تھی طریقہ عبادت میں کچھ کچھ فرق سب امتوں میں رہا ہے مگر اصل عبادت سب میں مشترک رہی ہے۔لفظ خبت عربی زبان میں پست زمین کے معنی میں آتا ہے اسی لئے خبیت اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنے آپ کو حقیر سمجھے۔اسی لئے حضرت قتادہ ومجاہد نے مخبتین کا ترجمہ مواضعین سے کیا ہے۔عمرو بن اوس فرماتے ہیں کہ مخبتین وہ لوگ ہیں جو لوگوں پر ظلم نہیں کرتے اور اگر کوئی ان پر ظلم کرے تو اس سے بدلہ نہیں لیتے۔سفیان نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی قضاء وتقدیر پر راحت وکلفت فراخی اور تنگی ہر حال میں راضی رہتے ہیں۔(تفسیر قرطبی،سورہ حج،بیروت)

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ
وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ٥
وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے،ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور ان پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنے والے
اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ کے ذکر سے دلوں پر خوف طاری ہونے کا بیان

"اَلَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ " خَافَتْ "قُلُوبهمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ " مِنْ الْبَلَايَا "وَالْمُقِيمِي الصَّلَاة" فِي أَوْقَاتهَا "وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ" يَتَصَدَّقُونَ

وہ لوگ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور ان پر جو مصیبت آئے اس پر صبر کرنے والے اور نماز کو اس کے اوقات میں قائم کرنے والے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اس سے صدقہ کرتے ہیں۔

ذکر کرنے والے کی مثال زندہ کی طرح ہونے کا بیان

حضرت ابوموسی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو شخص اپنے پروردگار کو یاد نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ شخص اور مردہ شخص کی سی ہے۔ (بخاری ومسلم، مشکوٰۃ، 784)

مطلب یہ ہے کہ ذکر اللہ ذاکر کے قلب کی حیات ہے اور اس سے غفلت قلب کی موت ہے اور جس طرح کہ زندہ شخص اپنی زندگی سے بہرہ ور ہوتا ہے اسی طرح ذکر کرنے والا اپنے عمل سے بہرہ ور ہوتا ہے اور جس طرح مرنے کے بعد کے مردہ کو اپنی زندگی سے کچھ حاصل نہیں ہوتا اسی طرح ذکر اللہ سے غافل رہنے والا اپنے عمل سے بہرہ مند نہیں ہوتا۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا
وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○
اور قربانی کے بڑے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے ان میں تمہارے لئے بھلائی ہے پس تم
قطار میں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو، پھر جب وہ اپنے پہلو کے بل گر جائیں تو تم خود اس میں سے کھاؤ اور قناعت سے بیٹھے
رہنے والوں کو اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے انہیں تمہارے تابع کر دیا ہے تا کہ تم شکر بجالاؤ۔

قربانی کے جانوروں کی تعظیم کرنے کا بیان

"وَالْبُدْن" جَمْع بَدَنَة : وَهِيَ الْإِبِل "جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِر اللَّه" أَعْلَام دِينه "لَكُمْ فِيهَا خَيْر" نَفْع فِي الدُّنْيَا كَمَا تَقَدَّمَ وَأَجْر فِي الْعُقْبَى "فَاذْكُرُوا اسْم اللَّه عَلَيْهَا" عِنْد نَحْرهَا "صَوَافّ" قَائِمَة عَلَى ثَلَاث مَعْقُولَة الْيَد الْيُسْرَى "فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبهَا" سَقَطَتْ إلَى الْأَرْض بَعْد النَّحْر وَهُوَ وَقْت الْأَكْل مِنْهَا "فَكُلُوا مِنْهَا" إنْ شِئْتُمْ "وَأَطْعِمُوا الْقَانِع" الَّذِي يَقْنَع بِمَا يُعْطَى وَلَا يَسْأَل وَلَا يَتَعَرَّض "وَالْمُعْتَرّ" وَالسَّائِل أَوْ الْمُتَعَرِّض "كَذَلِكَ" أَيْ مِثْل ذَلِكَ التَّسْخِير "سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ" بِأَنْ تُنْحَر وَتُرْكَب وَإِلَّا لَمْ تُطِقْ "لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" إنْعَامِي عَلَيْكُمْ

بدن یہ بدنہ کی جمع ہے اور وہ اونٹ ہے۔اور قربانی کے بڑے جانوروں (یعنی اونٹ اور گائے وغیرہ) کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیوں میں یعنی دین کی اعلام میں سے بنا دیا ہے۔ان میں تمہارے لئے دنیا میں بھلائی ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔اور آخرت مین ثواب ہے۔پس تم انہیں قطار میں کھڑا کر کے یعنی وہ تین پاؤں پر کھڑے ہوں اور بایاں ہاتھ باندھا ہوان پر اللہ کا نام لو، پھر جب وہ اپنے پہلو کے بل زمین گر جائیں۔یعنی نحر کے وقت کے بعد تو تم خود بھی اس میں سے کھاؤ اگر تم چاہو اور قناعت سے بیٹھے رہنے والوں کو یعنی اسی پر قناعت کرے جو اس کو دیا جائے اور وہ سوال نہ کرے اور نہ بھاگ کر لینے والا ہو اور سوال کرنے والے محتاجوں کو بھی کھلاؤ۔یعنی جو سوال کرو اور دور بھاگ کر کے حاصل کرے۔اس طرح یعنی اسی طرح کی تسخیر کو ہم نے انہیں تمہارے تابع کر دیا ہے کہ تم نحر کرو اور سواری کرو۔ورنہ تمہارے بس کا معاملہ نہیں ہے۔تاکہ تم میرے انعام پر شکر بجالاؤ۔

پہلے مطلق شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم تھا۔اب تصریحا بتلا دیا کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔جن کی ذوات میں اور جن کو ادب کے ساتھ قربانی کرنے میں تمہارے لیے بہت سی دنیاوی واخروی بھلائیاں ہیں تو عام ضابطہ کے موافق چاہیے کہ اللہ کا نام پاک لے کر ان کو ذبح کرو۔بالخصوص اونٹ کے ذبح کا بہترین طریقہ نحر ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کر کے اور ایک ہاتھ داہنا یا بایاں باندھ کر سینہ پر زخم لگائیں جب سارا خون نکل چکا وہ گر پڑا تب ٹکڑے کر کے استعمال کریں اور بہت اونٹ ہوں تو قطار باندھ کر کھڑا کرلیں۔

نحر کا لغوی مفہوم کا بیان

نحر کے اصل معنی اونٹ کے حلقوم میں چھری یا نیزہ مار کر اسے ذبح کرنا۔دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے اسے ذبح کرنا کہتے ہیں۔لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ وخیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقعے پر منیٰ میں اور عیدالاضحیٰ کے موقعے پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰـكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا
لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○
ہرگز نہ اللہ کو ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے، اس طرح انہیں تمہارے تابع
کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی تکبیر کہو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی ہے، اور آپ نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔

اللہ کی بارگاہ میں تقویٰ حاضر کیے جانے کا بیان

"لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا" أَيْ لَا يُرْفَعَانِ إِلَيْهِ "وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنْكُمْ" أَيْ يُرْفَع إِلَيْهِ مِنْكُمْ الْعَمَل الصَّالِح الْخَالِص لَهُ مَعَ الْإِيمَان "كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ" أَرْشَدَكُمْ لِمَعَالِمِ دِينِهِ وَمَنَاسِك حَجّه "وَبَشِّرْ الْمُحْسِنِينَ" أَيْ الْمُوَحِّدِينَ

ہرگز نہ تو اللہ کو ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون یعنی یہ دونوں اس کی طرف نہیں جاتے مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے، یعنی وہ اللہ بارگاہ میں حاضر کیا جاتا ہے جو ایمان کے ساتھ نیک عمل ہو۔اس طرح اللہ نے انہیں تمہارے تابع کر دیا ہے۔تاکہ تم (وقت ذبح) اللہ کی تکبیر کہو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی ہے، یعنی تمہاری معالم دینیہ کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔اور آپ نیکی کرنے والوں یعنی توحید والوں کو خوشخبری سنا دیں۔

سورہ حج آیت ۳۷ کے شان نزول کا بیان

ارشاد ہوتا ہے کہ قربانیوں کے وقت اللہ کا نام بڑائی سے لیا جائے۔اسی لئے قربانیاں مقرر ہوئی ہیں کہ خالق رازق اسے مانا جائے نہ کہ قربانیوں کے گوشت وخون سے اللہ کو کوئی نفع ہوتا ہو۔

اللہ تعالیٰ ساری مخلوق سے غنی اور کل بندوں سے بے نیاز ہے۔جاہلیت کی بیوقوفیوں میں ایک یہ بھی تھی کہ قربانی کے جانور کا گوشت اپنے بتوں کے سامنے رکھ دیتے تھے اور ان پر خون کا چھینٹا دیتے تھے۔یہ بھی دستور تھا کہ بیت اللہ شریف پر قربانی کے خون چھڑکتے، مسلمان ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے کے بارے میں سوال کیا جس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تو تقویٰ کو دیکھتا ہے اسی کو قبول فرماتا ہے اور اسی پر بدلہ عنایت فرماتا ہے۔(تفسیر زاد المسیر، سورہ حج، بیروت)

اللہ تعالیٰ صورتوں کو نہیں بلکہ اعمال کو دیکھتا ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال ومتاع کو نہیں دیکھتا (یعنی اس کی نظر رحمت وعنایت میں تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ اس کے نزدیک نہ تو اچھی یا بری صورت کی کوئی حیثیت ہے اور نہ مال ومتاع کی کمی یا بیشی کی کوئی اہمیت ہے) بلکہ وہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے (یعنی اس کے ہاں تو بس اس چیز کو دیکھا جاتا ہے کہ تمہارے دل میں یقین وصدق اور اخلاص وغیرہ، یا نفاق اور ریاء وسمعہ وغیرہ، اسی طرح اس کے نزدیک اچھے اور برے اعمال کا اعتبار جس کے مطابق وہ تمہیں جزا وسزا دیتا ہے۔

(مسلم، مشکوۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1244)

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝
بے شک اللہ ان لوگوں کی طرف سے دفاع کرتا ہے جو ایمان لائے، بے شک اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا
جو بڑا خائن، بہت ناشکرا ہو۔

اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

"اِنَّ اللّٰـه يُدَافِع عَنْ الَّذِينَ آمَنُوا" غَوَائِل الْمُشْرِكِينَ "إِنَّ اللّٰـه لَا يُحِبّ كُلّ خَوَّان" فِي أَمَانَته "كَفُور" لِنِعْمَتِهِ وَهُمْ الْمُشْرِكُونَ الْمَعْنَى أَنَّهُ يُعَاقِبهُمْ

بے شک اللہ ان لوگوں کی طرف سے دفاع کرتا ہے جو ایمان لائے، یعنی جس انہیں مشرکین کی طرف سے مصائب پہنچتے ہیں بے شک اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اس کی امانت میں بڑا خائن، وہ مشرکین ہیں جو اس کی نعمت میں بہت ناشکرے ہیں۔ یعنی وہ ان کو سزا دے گا۔

خیانت کرنے والے کیلئے جنت نہ ہونے کا بیان

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار مزنی رضی اللہ عنہ کی مرض وفات میں عیادت کے لئے گئے تو حضرت معقل نے کہا میں تجھ سے ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے اگر میں جانتا کہ میری زندگی باقی ہے تو میں بیان نہ کرتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس بندہ کو اللہ نے رعیت پر ذمہ دار بنایا ہو اور جس دن وہ مرے خیانت کرنے والا ہو اپنی رعایا کے ساتھ تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 232)

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ
ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اجازت دے دی گئی ہے، اس لیے کہ یقیناً ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ
ان کی مدد کرنے پر یقیناً پوری طرح قادر ہے۔

اہل ایمان کیلئے کفار سے لڑنے کی اباحت کا بیان

"أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ" أَيْ لِلْمُؤْمِنِينَ أَنْ يُقَاتِلُوا وَهَذِهِ أَوَّل آيَة نَزَلَتْ فِي الْجِهَاد "بِأَنَّهُمْ" أَيْ بِسَبَبِ أَنَّهُمْ "ظُلِمُوا" لِظُلْمِ الْكَافِرِينَ إيَّاهُمْ، وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ،

ان لوگوں کو یعنی اہل ایمان کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اجازت دے دی گئی ہے، یہ جہاد کے حکم میں نازل ہونے والی پہلی آیت ہے کیونکہ یقیناً ان پر کفار کی طرف سے ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً پوری طرح قادر ہے۔

سورہ حج آیت ۳۹ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالا گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان لوگوں نے اپنے نبی مکرم علیہ السلام کو نکال دیا ہے یہ ہلاک ہو جائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ، جن سے کافر لڑتے ہیں انہیں بھی لڑنے کی اجازت دی گئی ہے اس لئے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جان گیا تھا کہ اب باہم قتال ہوگا۔ یہ حدیث حسن ہے۔ کئی راوی اس حدیث کو سفیان سے وہ اعمش سے وہ مسلم بطین سے وہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں اور اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت نہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1117)

سورہ حج آیت ۳۹ کے شان نزول کا بیان

کفار مکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزمرہ ہاتھ اور زبان سے شدید ایذائیں دیتے اور آزار پہنچاتے رہتے تھے اور صحابہ حضور کے پاس اس حال میں پہنچتے تھے کہ کسی کا سر پھٹا ہے کسی کا ہاتھ ٹوٹا ہے کسی کا پاؤں بندھا ہوا ہے روزمرہ اس قسم کی شکایتیں بارگاہ اقدس میں پہنچتی تھیں اور اصحاب کرام کفار کے مظالم کی حضور کے دربار میں فریادیں کرتے حضور یہ فرما دیا کرتے کہ صبر کرو مجھے ابھی جہاد کا حکم نہیں دیا گیا ہے جب حضور نے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی تب یہ آیت نازل ہوئی اور یہ وہ پہلی آیت ہے جس میں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ حج، بیروت)

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ
بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ
كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ○
وہ جنھیں ان کے گھروں سے کسی حق کے بغیر نکالا گیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر اللہ کا
لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے ہٹانا نہ ہوتا تو ضرور ڈھا دیے جاتے جھونپڑے اور گرجے اور عبادت خانے
اور مسجدیں، جن میں اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرے گا،
بے شک اللہ یقیناً بہت قوت والا، سب پر غالب ہے۔

بغیر حق کے نکالے جانے والوں کیلئے اللہ کی مدد کا بیان

هُمْ "الَّـذِيْنَ اُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ" فِـي الْإِخْرَاج مَا أُخْرِجُوا : "إِلَّا أَنْ يَقُولُوا" أَيْ بِقَوْلِهِمْ "رَبّنَا اللَّه" وَحْـده وَهَذَا الْقَوْل حَقّ فَالْإِخْرَاج بِهِ إِخْرَاج بِغَيْرِ حَقّ "وَلَوْلَا دَفْع اللَّه النَّاس بَعْضهمْ" بَدَل بَعْض مِنْ النَّاس "بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ" بِالتَّشْدِيدِ لِلتَّكْثِيرِ وَبِالتَّخْفِيف "صَوَامِع" لِلرُّهْبَانِ "وَبِيَع" كَنَائِس لِلنَّصَارَى "وَصَلَوَات" كَنَائِس لِلْيَهُودِ بِالْعبرانِيَّة "وَمَسَاجِد" لِلْمُسْلِمِينَ "يُذْكَر فِيهَا" أَيْ الْمَوَاضِع الْمَذْكُورَة "اسْم اللَّه كَثِيرًا" وَتَنْقَطِع الْعِبَادَات بِخَرَابِهَا "وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّه مَنْ يَنْصُرهُ" أَيْ يَنْصُر دِينه "إِنَّ اللَّه لَقَوِيّ" عَلَى خَلْقه "عَزِيز" مَنِيع فِي سُلْطَانه وَقُدْرَته

وہ جنھیں ان کے گھروں سے کسی حق کے بغیر نکالا گیا، صرف اس وجہ سے کہ وہ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ جو ایک ہے۔ اور ان کا یہ قول حق ہے لہٰذا اس پر ان کو نکالنا بغیر حق کے نکالنا ہوا۔ اور اگر اللہ کا لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے ہٹانا نہ ہوتا۔

یہاں پر بعضھم بعض من الناس سے بدل ہے۔تو ضرور ڈھا دیے جاتے۔ یہاں پر ہدمت تشدید کے ساتھ آیا ہے جب معنی تکثیر کیلئے ہو اور تخفیف کیلئے بھی آیا ہے۔راہبوں کے جھونپڑے اور عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں یعنی مذکورہ مقامات پر اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا جاتا ہے اور ان کی ویرانی کے سبب عبادات ختم کردی جاتیں۔اور یقیناً اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔جو اس کی یعنی اس کے دین کی مدد کرنے گا، بے شک اللہ یقیناً اپنی مخلوق پر بہت قوت والا، اپنی بادشاہت اور قدرت میں سب پر غالب ہے۔

حکم جہاد کا مقصد فساد کو ختم کر کے امن قائم کرنے کا بیان

جتنے دین و مذہب دنیا میں ایسے ہوئے ہیں کہ کسی زمانے میں ان کی اصل بنیاد اللہ کی طرف سے اور وحی کے ذریعہ سے قائم ہوئی تھی پھر وہ منسوخ ہوگئے اور ان میں تحریف ہو کر کفر و شرک میں تبدیل ہوگئے مگر اپنے اپنے وقت میں وہی حق تھے ان سب کی عبادت گاہوں کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ اپنے اپنے وقت میں ان کی عبادت گاہوں کا احترام اور حفاظت فرض تھی ان مذاہب کے عبادت خانوں کا ذکر نہیں فرمایا جن کی بنیاد کسی وقت بھی نبوت اور وحی الٰہی پر نہیں تھی جیسے آتش پرست مجوس یا بت پرست ہندو کیونکہ ان کے عبادت خانے کسی وقت بھی قابل احترام نہ تھے۔

آیت میں صَوَامِعُ، صومعہ کی جمع ہے جو نصاریٰ کے تارک الدنیا راہبوں کی مخصوص عبادت گاہ کو کہا جاتا ہے اور بِیَع بیعۃ کی جمع ہے جو نصاریٰ کے عام کنیسوں کا نام ہے اور صَلَوٰتٌ صلوت کی جمع ہے جو یہود کے عبادت خانہ کا نام ہے اور مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہوں کا نام ہے۔مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر کفار سے قتال و جہاد کے احکام نہ آتے تو کسی زمانے میں کسی مذہب و ملت کے لئے امن کی جگہ نہ ہوتی۔موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صلوت اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں صوامع اور بیع اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجدیں ڈھا دی جاتیں۔(تفسیر قرطبی، سورہ حج، بیروت)

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ
وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝
وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں اور بھلائی کا حکم کریں
اور برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

زمین پر اقتدار ملنے والوں کیلئے امر بہ معروف اور نہی عن منکر کی ذمہ داری کا بیان

"الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْض" بِنَصْرِهِمْ عَلَى عَدُوّهمْ "أَقَامُوا الصَّلَاة وَآتَوْا الزَّكَاة وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنْ الْمُنْكَر" جَوَاب الشَّرْط وَهُوَ وَجَوَابه صِلَة الْمَوْصُول وَيُقَدَّر قَبْله هُمْ مُبْتَدَأ "وَلِلَّهِ عَاقِبَة الْأُمُور" أَيْ إِلَيْهِ مَرْجِعهَا فِي الْآخِرَة

وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں یعنی ان کے دشمن کے خلاف اِن کی مدد کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی کریں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روک دیں، یہ جواب شرط ہے اور اس کا جواب صلہ وموصول اور یہاں پر الذین سے پہلے ھم ضمیر مبتداء مقدر ہے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ یعنی آخرت میں اسی طرف لوٹائے جائیں گے۔

حکمرانوں کیلئے امر بہ معروف کی پابندی کا بیان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت ہمارے بارے میں اتری ہے۔ ہم بے سبب خارج از وطن کئے گئے تھے، پھر ہمیں اللہ نے سلطنت دی، ہم نے نماز وروزہ کی پابندی کی بھلے احکام دیئے اور برائی سے روکنا جاری کیا۔ پس یہ آیت میرے اور میرے ساتھیوں کے بارے میں ہے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مراد اس سے اصحاب رسول ہیں۔ خلیفہ رسول حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبے میں اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا اس میں بادشاہوں کا بیان ہی نہیں بلکہ بادشاہ رعایا دونوں کا بیان ہے۔ بادشاہ پر تو یہ ہے کہ حقوق الٰہی تم سے برابر لے اللہ کے حق کی کوتاہی کے بارے میں تمہیں پکڑے اور ایک کا حق دوسرے سے دلوائے اور جہاں تک ممکن ہو تمہیں صراط مستقیم سمجھاتا رہے۔ تم پر اس کا یہ حق ہے کہ ظاہر وباطن خوشی خوشی اس کی اطاعت گزاری کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝
اور اگر یہ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد وثمود نے بھی جھٹلایا تھا۔

سابقہ اقوام کا اپنے زمانے کے انبیائے کرام کی تکذیب کرنے کا بیان

"وَاِنْ يُكَذِّبُوك" إلَى آخِره فِيهِ تَسْلِيَة لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلهمْ قَوْم نُوح" تَأْنِيث قَوْم بِاعْتِبَارِ الْمَعْنَى "وَعَاد" قَوْم هُود "وَثَمُود" قَوْم صَالِح

اور اگر یہ کفار آپ کو جھٹلاتے ہیں۔ اس میں نبی کریم ﷺ کیلئے تسلی ہے۔ تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد وثمود نے بھی (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا تھا۔ قوم کی تأنیث معنی کے اعتبار سے ہے۔ اور عاد سے مراد قوم ھود اور ثمود سے مراد قوم صالح ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ منکروں کا انکار آپ کیساتھ کوئی نئی چیز نہیں۔ نوح علیہ السلام سے لے کر موسیٰ علیہ السلام تک کے کل انبیاء کا انکار کفار برابر کرتے چلے آئے ہیں۔ دلائل سامنے تھے، حق سامنے تھا لیکن منکروں نے مان کر نہ مانا۔ میں نے کافروں کو مہلت دی کہ یہ سوچ سمجھ لیں اپنے انجام پر غور کر لیں۔ لیکن جب وہ اپنی نمک حرامی سے باز نہ آئے تو آخر کار میرے عذابوں میں گرفتار ہوئے، دیکھ لے کہ میری پکڑ کیسی بے پناہ ثابت ہوئی کس قدر دردناک انجام ہوا۔ سلف سے منقول ہے کہ فرعون کے حکمرانی کے دعوے اور اللہ کی پکڑ کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

کہ اللہ تعالیٰ ہر ظالم کو ڈھیل دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھٹکارا نہیں ہوتا۔

وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ
ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝
اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے۔اور مدین والوں نے۔اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا تو میں نے
ان کافروں کو مہلت دی، پھر میں نے انہیں پکڑ لیا تو میرا عذاب کیسا تھا؟

سابقہ اقوام کی ہلاکت وتباہی کا بیان

وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ "وَأَصْحَاب مَدْيَنَ" قَوْم شُعَيْب "وَكُذِّبَ مُوسَى" كَذَّبَهُ الْقِبْط لَا قَوْمه بَنُو إِسْرَائِيل : أَيْ كَذَّبَ هَؤُلَاءِ رُسُلهمْ فَلَكَ أُسْوَة بِهِمْ "فَأَمْلَيْت لِلْكَافِرِينَ" أَمْهَلْتهمْ بِتَأْخِيرِ الْعِقَاب لَهُمْ "ثُمَّ أَخَذْتهمْ" بِالْعَذَابِ "فَكَيْفَ كَانَ نَكِير" أَيْ إِنْكَارِي عَلَيْهِمْ بِتَكْذِيبِهِمْ بِإِهْلَاكِهِمْ وَالِاسْتِفْهَام لِلتَّقْرِيرِ : أَيْ هُوَ وَاقِع مَوْقِعه

اور ابراہیم کی قوم نے اور لوط کی قوم نے اور مدین والوں یعنی قوم شعیب نے بھی تکذیب کی۔اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا یعنی قبطیوں نے تکذیب کی نہ آپ کی قوم بنی اسرائیل نے یعنی انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب پس آپ کیلئے ان انبیائے کرام کا طریقہ بہ طور مثال ہے۔تو میں نے ان کافروں کو مہلت دی، یعنی ان کو عذاب دینے میں تاخیر کی۔پھر میں نے انہیں عذاب نے پکڑ لیا میرا عذاب کیسا تھا؟ یعنی ان کے انکار وتکذیب کے سبب ان کی ہلاکت ہوئی۔اور یہاں استفہام تقریری ہے۔یعنی میرا عذاب موقع کے مطابق واقع ہوا تھا۔

ان آیات میں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر تسلی دی جارہی ہے کہ کفار ومشرکین کے انکار، ضد، ہٹ دھرمی اور مخالفت کا واقعہ صرف آپ سے ہی پیش نہیں آیا بلکہ سب سابقہ انبیاء ایسے ہی حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔انہوں نے ایسے مصائب پر صبر کیا تھا۔لہٰذا آپ بھی صبر کیجئے۔اور دوسرے یہاں ایک قانون بیان کیا جارہا ہے جو یہ ہے کہ انبیاء اس وقت مبعوث کئے جاتے ہیں۔جب معاشرہ میں خاصا بگاڑ پیدا ہو چکا ہو۔لوگ اللہ وحدہ کو بھول چکے ہوں۔شرک کی وبا عام ہو۔غریبوں اور کمزوروں کو ظلم وتشدد ہورہا ہو۔حکومت اور قیادت بڑے بڑوں کے ہاتھ میں ہو۔ان حالات میں جب نبی آ کر اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔تو جن بڑے بڑے لوگوں پر اس دعوت کی زد پڑتی ہے وہ سب اس نبی اور اس کی مختصر اور کمزور سی پیروکار جماعت کے مخالف ہو جاتے ہیں۔جس پر نبی انہیں اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈراتا ہے اور جب عذاب میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ بڑے بڑے فوراً یہ کہنے لگتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لے کیوں نہیں آتے؟ گویا نبی کی تکذیب کے لئے انہیں ایک اور دلیل ہاتھ آ جاتی ہے۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ○
لہٰذا کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے اس حال میں ہلاک کیا کہ وہ ظالم تھیں، پس وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی ہیں
اور کتنے ہی بیکار چھوڑے ہوئے کنویں ہیں اور چونہ گچ محل ہیں۔

سابقہ لوگوں کی ہلاکت کی وجہ ویران محلات کا بیان

"فَكَأَيِّنْ" أَيْ كَمْ "مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا" وَفِي قِرَاءَةٍ أَهْلَكْتُهَا "وَهِيَ ظَالِمَةٌ" أَيْ أَهْلُهَا بِكُفْرِهِمْ "فَهِيَ خَاوِيَةٌ" سَاقِطَة "عَلَى عُرُوشِهَا" سُقُوفِهَا "وَ" كَمْ مِنْ "بِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ" مَتْرُوكَة بِمَوْتِ أَهْلِهَا "وَقَصْرٍ مَشِيدٍ" رَفِيع خَالٍ بِمَوْتِ أَهْلِه،

لہٰذا کتنی ہی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے اس حال میں ہلاک کیا، ایک قرأت میں اھلکتھا ہے۔ کیونکہ اس کے رہنے والوں کے کفر کی وجہ سے وہ ظالم تھیں، پس وہ اپنی چھتوں پر گری ہوئی ہیں اور کتنے ہی بیکار چھوڑے ہوئے کنویں یعنی بستی والوں کی موت کے سبب چھوڑے ہوئے تھے۔ اور چونہ گچ اونچے محل بھی اپنے رہنے والوں کی موت کے سبب خالی پڑے تھے۔

یعنی رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا انجام یہ ہوا کہ ان کی پر رونق اور پر بہار آبادیاں اور شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے۔ اس عذاب نے صرف آدمیوں کا ستیاناس نہیں کیا بلکہ ان کے تعمیر شدہ مکانات بھی زمین بوس ہو گئے۔ کنوئیں ویران ہو گئے۔ جن سے آسانی سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ کبھی یہاں انسانوں کی کثیر تعداد آباد ہوگی۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ
فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ○
پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے لیے ایسے دل ہوں جن کے ساتھ وہ سمجھیں، یا کان ہوں جن کے ساتھ
وہ سنیں۔ پس بے شک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

زمین میں پھر کر ہلاک شدہ قوموں کے آثار دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کا بیان

"أَفَلَمْ يَسِيرُوا" أَيْ كُفَّار مَكَّة "فِي الْأَرْض فَتَكُون لَهُمْ قُلُوب يَعْقِلُونَ بِهَا" مَا نَزَلَ بِالْمُكَذِّبِينَ قَبْلهمْ "أَوْ آذَان يَسْمَعُونَ بِهَا" أَخْبَارهمْ بِالْإِهْلَاكِ وَخَرَاب الدِّيَار فَيَعْتَبِرُوا "فَإِنَّهَا" أَيْ الْقِصَّة "لَا تَعْمَى الْأَبْصَار وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوب الَّتِي فِي الصُّدُور" تَأْكِيد

پھر کیا یہ لوگ یعنی کفار مکہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے لیے ایسے دل ہوں جن کے ساتھ وہ سمجھیں، جو جھوٹوں کے بارے میں اس سے پہلے حکم نازل ہوا ہے۔ یا کان ہوں جن کے ساتھ وہ ان کی ہلاکت اور گھروں کی بربادی کی خبریں سنیں۔ تاکہ وہ عبرت

حاصل کریں۔ پس بے شک قصہ یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں اور لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ یہ تاکید ہے۔

یعنی ان تباہ شدہ مقامات کے کھنڈر دیکھ کر بھی غور وفکر نہ کیا، ورنہ ان کو سچی بات کی سمجھ آجاتی اور کان کھل جاتے۔ آنکھوں سے دیکھ کر اگر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ گو اس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں پر دل کی آنکھیں اندھی ہیں۔ اور حقیقت میں زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ○
اور یہ آپ سے عذاب میں جلدی کے خواہش مند ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرے گا، اور تو ایک دن
آپ کے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی مانند ہے۔ جو تم شمار کرتے ہو۔

آخرت کا ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کی طرح ہونے کا بیان

"وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَه" بِاِنْزَالِ الْعَذَاب فَاَنْزَلَهٗ يَوْم بَدْر "وَاِنَّ يَوْمًا عِنْد رَبِّك" مِنْ اَيَّام الْاٰخِرَة بِسَبَبِ الْعَذَاب "كَاَلْفِ سَنَة مِمَّا تَعُدُّوْنَ" بِالتَّاءِ وَالْيَاء فِي الدُّنْيَا

اور یہ آپ سے عذاب میں جلدی کے خواہش مند ہیں اور اللہ عذاب نازل کرنے میں ہرگز اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہ کرے گا، پس اس نے یوم بدر اس کو نازل کر دیا۔ اور تو (عذاب کا) ایک دن آپ کے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی مانند ہے یعنی آخرت کے دنوں سے عذاب کے سبب جو تم دنیا میں شمار کرتے ہو۔ یہاں پر تعدون یاء اور تاء دونوں کے ساتھ آیا ہے۔

یعنی آپ کے رب کے پاس ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کی برابر ہوگا۔ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس دن سے مراد قیامت کا دن لیا جائے اور اس کا ایک ہزار سال کی برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس دن کے ہولناک واقعات اور ہیبت ناک حالات کی وجہ سے یہ دن اتنا دراز محسوس ہوگا جیسے ایک ہزار سال خلاصہ تفسیر مذکور میں اسی کو اشتداد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، بہت سے حضرات مفسرین نے اس کے یہی معنے قرار دیئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ واقع میں عالم آخرت کا ایک دن ہمیشہ کے لئے دنیا کے ایک ہزار سال ہی کے برابر ہو بعض روایات حدیث سے اسی معنے کی شہادت ملتی ہے۔ مسند احمد، ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فقراء مہاجرین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم کو میں قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت دیتا ہوں اور یہ کہ تم اغنیاء اور مالداروں سے آدھا دن پہلے جنت میں جاؤ گے اور اللہ کے یہاں ایک دن ایک ہزار سال کا ہوگا اس لئے فقراء اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ (رواہ الترمذی وحسنہ۔ مظہری، سورہ حج، لاہور)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○
اور کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو میں نے مہلت دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر میں نے انہیں گرفت میں لے لیا،

اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

ظالموں کی عذاب کے سبب ہلاکت کا بیان

"وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْت لَهَا وَهِيَ ظَالِمَة ثُمَّ أَخَذْتهَا" الْمُرَاد أَهْلهَا "وَإِلَيَّ الْمَصِير" الْمَرْجِع

اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جن کو میں نے مہلت دی حالانکہ وہ ظالم تھیں مراد اس میں رہنے والے ہیں۔ پھر میں نے انہیں عذاب کی گرفت میں لے لیا، اور ہر کسی کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

یعنی اگر کسی ظالم قوم پر عذاب آنے میں تاخیر ہوئی یا سرے سے اس پر عذاب آیا ہی نہیں تو بھی وہ ہماری گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتے اور اخروی زندگی میں انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا مل کے رہے گی۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○

فرمادیجئے: اے لوگو! میں تو محض تمہارے لئے ڈر سنانے والا ہوں۔

عذاب اور خوشخبری سنانے کا بیان

"قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاس" أَيْ أَهْل مَكَّة "إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِير مُبِين" بَيِّن الْإِنْذَار وَأَنَا بَشِير لِلْمُؤْمِنِينَ

فرمادیجئے: اے لوگو! یعنی اہل مکہ میں تو محض تمہارے لئے (عذاب الٰہی کا) ڈر سنانے والا ہوں۔ اور میں اہل ایمان کو خوشخبری سنانے والا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کے اوصاف بشیر ونذیر ہونے کا بیان

بے شک ہم نے آپ کو شاہد بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ عبداللہ، عبدالعزیز بن ابی سلمہ، ہلال بن ابی بلال، عطاء بن یسار، عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت جو قرآن میں ہے کہ (یٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا، الاحزاب: 45) تورات میں اس طرح ہے کہ اے نبی! ہم نے تم کو گواہی دینے اور خوشخبری دینے والا بھیجا ہے اور امیوں کی جائے پناہ بنا کر بھیجا ہے تم میرے بندے ہو اور میرے رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے وہ نہ تو سخت خو اور نہ سخت قلب ہوگا اور نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا ہوگا۔

اور نہ برائی کو برائی سے دفع کرے گا بلکہ معاف اور درگزر کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک نہ اٹھائے گا جب تک کہ دین کی کجی کو وہ سیدھا نہ کرلے گا اس طور پر کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے ذریعہ اندھی آنکھوں اور بہرے کانوں اور غلاف میں ڈھکے دلوں کو کھول دے گا۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 2047)

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے مغفرت ہے اور بزرگی والی عطا ہے۔

ایمان وعمل صالح والوں کے گناہوں کی بخشش کا بیان

"فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات لَهُمْ مَغْفِرَة" مِنْ الذُّنُوب "وَرِزْق كَرِيم" هُوَ الْجَنَّة

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے گناہوں سے مغفرت ہے اور بزرگی والی عطا یعنی جنت ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جنت والوں سے فرمائے گا اے جنت والو! جنتی عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں اور نیک بختی اور بھلائی تیرے ہی قبضہ میں ہے پھر اللہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے ہو جنتی عرض کریں گے اے پروردگار ہم کیوں راضی نہ ہوں حالانکہ تو نے جو نعمتیں ہمیں عطا فرمائی ہیں وہ نعمتیں تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائیں پھر اللہ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان نعمتوں سے بھی بڑھ کر اور نعمت عطا نہ کروں جنتی عرض کریں گے اے پروردگار ان سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی پھر اللہ فرمائے گا میں تم سے اپنی رضا اور خوشی کا اعلان کرتا ہوں اب اس کے بعد سے میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2639)

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○
اور جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشاں رہتے ہیں اس خیال سے کہ عاجز کر دیں گے وہی لوگ اہل دوزخ ہیں۔

کفار کا اللہ کے عذاب سے بچ نہ سکنے کا بیان

"وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتنَا" الْقُرْآن بِإِبْطَالِهَا "مُعَاجِزِينَ" مَنْ اتَّبَعَ النَّبِيّ أَيْ يَنْسُبُونَهُمْ إلَى الْعَجْز وَيُثَبِّطُونَهُمْ عَنْ الْإِيمَان أَوْ مُقَدِّرِينَ عَجْزنَا عَنْهُمْ وَفِي قِرَاءَة مُعَاجِزِينَ مُسَابِقِينَ لَنَا أَيْ يَظُنُّونَ أَنْ يَفُوتُونَا بِإِنْكَارِهِمْ الْبَعْث وَالْعِقَاب "أُولَئِكَ أَصْحَاب الْجَحِيم" النَّار

اور جو لوگ ہماری آیتوں یعنی قرآن کو مٹانے میں کوشاں رہتے ہیں اس خیال سے کہ ہمیں عاجز کر دیں گے۔ اور جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی اتباع کی ان کو عاجز کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ اور ان کو ایمان سے روکتے ہیں۔ یا ہمیں عاجز سمجھتے ہیں۔ اور ایک قرأت میں معاجزین بہ معنی مسابقین ہے۔ یعنی ان کا گمان ہے کہ بعث اور عذاب کا انکار کرکے ہم سے بھاگ جائیں گے۔ وہی لوگ اہل دوزخ ہیں۔

یعنی ہماری آیات کا انکار کر کے اور پھر اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اسی طرح اسلام اور اہل اسلام کو دبا لیں گے تو یہ ان کی بھول ہے البتہ ان کی ان کرتوتوں کے عوض انہیں جہنم کا عذاب ضرور ہوگا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ
فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ کوئی نبی مگر جب اس نے پڑھا تو شیطان نے اس پڑھے ہوئے کلام میں ملا دیا، سو شیطان جوڈالتا ہے اللہ انہیں زائل فرمادیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو نہایت مضبوط کردیتا ہے، اور اللہ خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔

شیطان کا کلام میں ملاوٹ کردینے کا بیان

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلك مِنْ رَسُول " هُوَ نَبِيّ أُمِرَ بِالتَّبْلِيغِ "وَلَا نَبِيّ" أَيْ لَمْ يُؤْمَر بِالتَّبْلِيغِ "إِلَّا إِذَا تَمَنَّى " قَرَأَ "أَلْقَى الشَّيْطَان فِي أُمْنِيَّته " قِرَاءَته مَا لَيْسَ مِنْ الْقُرْآن مِمَّا يَرْضَاهُ الْمُرْسَل إِلَيْهِمْ وَقَدْ قَرَأَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سُورَة النَّجْم بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَيْش بَعْد : "أَفَرَأَيْتُمْ اللَّات وَالْعُزَّى وَمَنَاة الثَّالِثَة الْأُخْرَى" بِإِلْقَاءِ الشَّيْطَان عَلَى لِسَانه مِنْ غَيْر عِلْمه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِ : تِلْكَ الْغَرَانِيق الْعُلَا وَإِنَّ شَفَاعَتهنَّ لَتُرْتَجَى فَفَرِحُوا بِذَلِكَ ثُمَّ أَخْبَرَهُ جِبْرِيل بِمَا أَلْقَاهُ الشَّيْطَان عَلَى لِسَانه مِنْ ذَلِكَ فَحَزِنَ فَسُلِّيَ بِهَذِهِ الْآيَة لِيَطْمَئِنّ "فَيَنْسَخ اللَّه" يُبْطِل "مَا يُلْقِي الشَّيْطَان ثُمَّ يُحْكِم اللَّه آيَاته" يُثَبِّتهَا "وَاَللَّه عَلِيم" بِإِلْقَاءِ الشَّيْطَان مَا ذُكِرَ "حَكِيم" فِي تَمْكِينه مِنْهُ بِفِعْلِ مَا يَشَاء ،

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول وہ نبی جس کو پیغام پہنچانے کا حکم دیا گیا ہو نہیں بھیجا اور نہ کوئی نبی یعنی جس کو پیغام پہنچانے کا حکم نہ دیا گیا ہو مگر جب اس رسول یا نبی نے لوگوں پر کلام الٰہی پڑھا تو شیطان نے لوگوں کے ذہنوں میں اس پڑھے ہوئے یعنی تلاوت شدہ کلام میں ملا دیا۔ یعنی اس کا چیز کا پڑھنا جو قرآن سے نہ ہو جس طرح رسولان گرامی خیال ہو جائے۔ اور جب نبی کریم ﷺ نے قریش کی مجلس میں سورہ نجم کی تلاوت کی تو آپ (آپ ﷺ کی آواز کے مشابہ آواز بنا کر شیطان نے پڑھا تھا) نے ""أَفَرَأَيْتُمْ اللَّاتَ وَالْعُزَّى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى "" کیونکہ شیطان کا القاء یعنی ملاوٹ ہوگئی تھی کہ جب 'تِلْكَ الْغَرَانِيق الْعُلَا وَإِنَّ شَفَاعَتهنَّ لَتُرْتَجَى' تو اس پر وہ قریش بہت خوش ہوئے۔ اس کے جبرائیل امین نے آپ کو شیطانی وسواس کے ملنے کی خبر دی۔ تو آپ غمزدہ ہوئے تو اس پر آپ ﷺ کی تسلی کیلئے یہ آیت نازل ہوئی۔ لہٰذا شیطان جو (وسوسے سننے والوں کے ذہنوں میں) ڈالتا ہے اللہ انہیں زائل فرمادیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو (اہل ایمان کے دلوں میں) نہایت مضبوط کردیتا ہے، اور اللہ شیطان کے ذکر دہ القاء کو خوب جاننے والا، یعنی اپنی جانب سے جو شیطان کو مہلت دی ہے جس قدر چاہے وہ بڑی حکمت والا ہے۔

سورہ حج آیت ۵۲ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت نجم میں سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں جنوں اور سب آدمیوں نے بھی سجدہ کیا۔ (صحیح البخاری (مشکوۃ شریف، 988)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورت نجم کی تلاوت کرتے ہوئے آیت سجدہ آیت ("فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا " 53 . النجم : 62) سجدہ کرو اللہ کا اور عبادت کرو۔ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی فرمانبرداری کی غرض سے سجدہ کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو تمام مسلمانوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سجدہ کیا، اسی طرح مشرکین نے

بھی جب بتوں یعنی لات ومنات اور عزیٰ کے نام سنے تو انہوں نے بھی سجدہ کیا، یا پھر مشرکوں کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مسجد الحرام کے اندر جب سورت نجم کی ان آیتوں۔ آیت (اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى 19 وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى 20 اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى 21) 53 . النجم : 19)"یعنی بھلا تم لوگوں نے لات وعزیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں اللہ ہو سکتے ہیں مشرکو!) کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے بیٹیاں۔ کو پڑھنے لگے تو شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ پڑھا۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى ۔ یعنی: یہ بت بلند مرغابیاں ہیں اور بیشک ان کی شفاعت امید بخش ہے۔ مشرکین یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بتوں کی تعریف کی ہے اس سے وہ بہت زیادہ خوش ہوئے چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کر ڈالا)۔

بعض مفسرین نے اس موقع پر یہ تفسیر کی ہے کہ یہ الفاظ شیطان نے ادا نہیں کئے تھے بلکہ نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سہوا نکل گئے تھے۔ یہ قول بالکل غلط اور محض ذہنی اختراع ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ شیطان ملعون نے اپنی آواز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے مشابہ بنا کر یہ الفاظ ادا کر دیئے جس سے مشرکین یہ سمجھ بیٹھے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ الفاظ ادا کر رہے ہیں۔ حدیث میں "مسلمانوں، مشرکوں، جنوں اور سب آدمیوں" سے مراد وہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود تھے۔ لفظ "اِنْسٌ" تعیم بعد تخصیص ہے۔

کلمات وحی کے مشابہ شیطان کا لوگوں میں کلمات القاء کرنے کا بیان

امام ابن ابی حاتم لکھتے ہیں کہ سورۃ نجم نازل ہوئی اور مشرکین کہہ رہے تھے کہ اگر یہ شخص ہمارے معبودوں کا اچھے لفظوں میں ذکر کرے تو ہم اسے اور اس کے ساتھیوں کو چھوڑیں مگر اس کا تو یہ حال ہے کہ یہود ونصاری اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں اس سب سے زیادہ گالیوں اور برائی سے ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اصحاب پر سخت مصائب توڑے جا رہے تھے۔ آپ کو ان کی ہدایت کی لالچ تھی جب سورۃ نجم کی تلاوت آپ نے شروع کی اور ولہ الانثی تک پڑھا تو شیطان نے بتوں کے ذکر کے وقت یہ کلمات ڈال دیئے عربی (وانهن لهن الغرانيق العلى وان شفاعتهن لهى التى ترتجى) یہ شیطان کی مقفی عبارت تھی۔ ہر مشرک کے دل میں یہ کلمے بیٹھ گئے اور ایک ایک کو یاد ہو گئے یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ کے خاتمے پر سجدہ کیا تو سارے مسلمان اور مشرکین بھی سجدے میں گر پڑے، ہاں ولید بن مغیرہ چونکہ بہت ہی بوڑھا تھا اس لئے اس نے ایک مٹھی مٹی کی بھر کر اونچی لے جا کر اس کو اپنے ماتھے سے لگا لیا۔ اب ہر ایک کو تعجب معلوم ہونے لگا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دونوں فریق سجدے میں شامل تھے۔ مسلمانوں کو تعجب تھا کہ یہ لوگ ایمان تو لائے نہیں، یقین نہیں، پھر ہمارے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے پر سجدہ انہوں کیسے کیا؟ شیطان نے جو الفاظ مشرکوں کے کانوں میں پھونکے تھے وہ مسلمانوں نے سنے ہی نہ تھے ادھر ان کے دل خوش ہو رہے تھے کیونکہ شیطان نے اس طرح آواز میں آواز ملائی کہ مشرکین اس میں کوئی تمیز ہی نہ کر سکتے تھے۔ وہ تو سب کو اسی یقین پر پکا کر چکا تھا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی

سورت کی ان دونوں آیتوں کو تلاوت فرمایا ہے۔ پس دراصل مشرکین کا سجدہ اپنے کو تھا۔ شیطان نے اس واقعہ کو اتنا پھیلا دیا کہ مہاجرین حبشہ کے کانوں میں بھی یہ بات پہنچی۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے جب سنا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور ولید بن مغیرہ سجدہ نہ کر سکا تو اس نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر اس پر سر لگالیا۔ مسلمان اب پورے امن اور اطمینان سے ہیں تو انہوں نے وہاں سے واپسی کی ٹھانی اور خوشی خوشی مکے پہنچے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے شیطان کے ان الفاظ کی قلعی کھل چکی تھی اللہ نے ان الفاظ کو ہٹا دیا تھا اور اپنا کلام محفوظ کر دیا تھا یہاں مشرکین کی آتش عداوت اور بھڑک اٹھی تھی اور انہوں نے مسلمانوں پر نئے مصائب کے بادل برسانے شروع کر دئے تھے یہ روایت بھی مرسل ہے۔ بیہقی کی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی یہ روایت ہے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ حج، بیروت)

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ سب کچھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے کلام سے اسی طرح کی روایتیں وارد کی ہیں۔ پھر خود ہی ایک سوال وارد کیا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچاؤ کا ذمہ دار محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی بات کیسے واقع ہو گئی۔ پھر بہت سے جواب دئے ہیں جن میں ایک لطیف جواب یہ بھی ہے کہ شیطان نے یہ الفاظ لوگوں کے کانوں میں ڈالے اور انہیں وہم ڈالا کہ یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہیں حقیقت میں ایسا نہ تھا یہ صرف شیطانی حرکت تھی نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تھی۔ (تفسیر بغوی، سورہ حج، بیروت)

نوٹ: اس آیت کی تفسیر و ترجمہ میں مفسرین نے بڑی طویل ابحاث لکھی ہیں۔ اور جس حدیث میں اس کا بیان آیا ہے اس کی اسناد پر جرح و تعدیل کی بعض نے اس کو ضعیف، بعض نے موضوع بتایا ہے۔ ہم ان تمام تفاسیر و احادیث کی بحث اور ان پر جرح و تعدیل کے بعد صرف اسی کو اختصار کے ساتھ اپنایا ہے۔ جس کو اوپر ذکر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ مجھے تفسیر کرنے میں غلطی و خطاء سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔ (محمد لیاقت علی رضوی حنفی)

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ
وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۙ
تا کہ وہ اس کو جو شیطان ڈالتا ہے، ان لوگوں کے لیے آزمائش بنائے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں
اور بے شک ظالم لوگ یقیناً دور کی مخالفت میں ہیں۔

شیطان کے خلل کا بہ طور آزمائش ہونے کا بیان

"لِيَجْعَل مَا يُلْقِي الشَّيْطَان فِتْنَة" مِحْنَة "لِلَّذِينَ فِي قُلُوبهمْ مَرَض" شِقَاق وَنِفَاق "وَالْقَاسِيَة قُلُوبهمْ" أَيْ الْمُشْرِكِينَ عَنْ قَبُول الْحَقّ "وَإِنَّ الظَّالِمِينَ" الْكَافِرِينَ "لَفِي شِقَاق بَعِيد" خِلَاف طَوِيل مَعَ النَّبِيّ صَلَّى

اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِینَ حَیْثُ جَرٰی عَلٰی لِسَانِہٖ ذِکْرِ آلِھَتِھِمْ بِمَا یُرْضِیھِمْ ثُمَّ اُبْطِلَ ذٰلِکَ،

تا کہ وہ اس خلل کو جو شیطان ڈالتا ہے، ان لوگوں کے لیے آزمائش یعنی مشقت بنائے۔ جن کے دلوں میں نفاق وشک کی بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں یعنی وہ مشرکین ہیں جن کے دلوں حق کو قبول کرنے کی بہ جائے سخت ہوگئے۔ اور بے شک ظالم لوگ یعنی کافر لوگ یقیناً دور کی مخالفت میں ہیں۔ کیونکہ انہوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے ساتھ اتنی طویل معیت کو اپنایا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے ان کے معبودوں کا نام آ گیا جس کی وجہ سے وہ خوش ہوگئے۔ جبکہ آپ نے بعد ان کی تردید کردی۔

چنانچہ مشرکین نے اسے اللہ کی طرف سے مان لیا حالانکہ وہ الفاظ شیطانی تھے۔ لہٰذا بیمار دل والوں سے مراد منافق ہیں اور سخت دل والوں سے مراد مشرک ہیں۔ یہ بھی قول ہے کہ مراد یہود ہیں۔ ظالم حق سے بہت دور نکل گئے ہیں۔ وہ سیدھے راستے سے گم ہوگئے ہیں اور جنہیں صحیح علم دیا گیا ہے جس سے وہ حق وباطل میں تمیز کر لیتے ہیں انہیں اس بات کے بالکل حق ہونے کا اور منجانب اللہ ہونے کا صحیح یقین ہوجائے اور وہ کامل الایمان بن جائیں اور سمجھ لیں کہ بیشک یہ اللہ کا کلام ہے جبھی تو اس قدر اس کی حفاظت دیانت اور نگہداشت ہے۔ کہ کسی جانب سے کسی طریق سے اس میں باطل کی آمیزش نہیں ہوسکتی۔ حکیم وحمید اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے پس انکے دل تصدیق سے پر ہوجاتے ہیں، جھک کر رغبت سے متوجہ ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایمان داروں کی رہبری دنیا میں حق اور ہدایت کی طرف کرتا ہے صراط مستقیم سجھا دیتا ہے اور آخرت میں عذابوں سے بچا کر بلند درجوں میں پہنچاتا ہے اور نعمتیں نصیب فرماتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فرشتے بادل میں آتے ہیں اور اس کام کا ذکر کرتے ہیں۔

جس کا فیصلہ آسمان میں کیا گیا ہے پس اسے شیاطین چھپ کر سن لیتے ہیں اور کاہنوں کے پاس آ کر بیان کر دیتے ہیں تو کاہن اپنی طرف سے اس میں سو جھوٹ ملا لیتے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 470)

وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَیُؤْمِنُوْا بِہٖ فَتُخْبِتَ لَہٗ قُلُوْبُھُمْ ؕ
وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝
اور تا کہ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے، جان لیں کہ بے شک وہی تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو وہ اس پر ایمان لے آئیں،
پس ان کے دل اس کے لیے عاجز ہوجائیں اور بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے یقیناً سیدھے راستے کی طرف
ہدایت دینے والا ہے۔

قرآن وتوحید کو سمجھنے والوں کیلئے معرفت کا بیان

"وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ " التَّوْحِید وَالْقُرْآن "اَنَّہُ" اَیْ الْقُرْآن "الْحَقّ مِنْ رَبّک فَیُؤْمِنُوا بِہٖ فَتُخْبِت" تَطْمَئِنّ "لَہٗ قُلُوبھمْ وَاِنَّ اللّٰہ لَھَادِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِلٰی صِرَاط" طَرِیق "مُسْتَقِیم" اَیْ دِین الْاِسْلَام

اور تا کہ وہ لوگ جنھیں توحید اور قرآن کا علم دیا گیا ہے، جان لیں کہ بے شک وہی قرآن تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو وہ اس پر ایمان لے آئیں، پس ان کے دل اس کے لیے مطمئن ہو جائیں اور بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے یقیناً سیدھے راستے یعنی دین اسلام کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تمہارے دلوں کو قرآن پر اتفاق ہو اس کی تلاوت کرتے رہو اور جب اختلاف ہو جائے تو اٹھ کھڑے ہو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم، 2277)

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝
اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہمیشہ اس کے بارے میں کسی شک میں رہیں گے، یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک قیامت
آ جائے، یا ان کے پاس اس دن کا عذاب آ جائے جو بانجھ (ہر خیر سے خالی) ہے۔

کفار کا قرآن میں شک کرنے کا بیان

"وَلَا يَـزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ" شَكٍّ "مِنْهُ" أَيْ الْقُـرْآن بِمَا أَلْقَاهُ الشَّيْطَان عَلَى لِسَان النَّبِيّ ثُمَّ أُبْطِلَ "حَتَّى تَأْتِيَهُمْ السَّاعَة بَغْتَة" أَيْ سَاعَة مَوْتهمْ أَوْ الْقِيَامَة فَجْأَةً "أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَاب يَوْم عَقِيم" هُوَ يَوْم بَدْر لَا خَيْر فِيهِ لِلْكُفَّارِ كَالرِّيحِ الْعَقِيم الَّتِي لَا تَأْتِي بِخَيْرٍ أَوْ هُوَ يَوْم الْقِيَامَة لَا لَيْل بَعْده

اور وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہمیشہ اس قرآن کے بارے میں کسی شک میں رہیں گے، کیونکہ جو شیطان نے نبی مکرم علیہ السلام کی زبان کی طرف القاء کیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک قیامت آ جائے، یعنی ان کی موت کی گھڑی یا قیامت یا ان کے پاس اس دن یعنی یوم بدر کا عذاب آ جائے جس میں کفار کیلئے کوئی بھلائی نہیں ہے۔ جس طرح ریح عقیم جو کوئی بھلائی نہیں لاتی یا وہ قیامت کا دن ہے جس کے بعد کوئی رات نہیں۔

کافروں کے دل سے شک وشبہ نہیں جائے گا

یعنی کافروں کو جو شک شبہ اللہ کی اس وحی یعنی قرآن میں ہے وہ ان کے دلوں سے نہیں جائے گا۔ شیطان یہ غلط گمان قیامت تک ان کے دلوں سے نہ نکلنے دے گا۔ قیامت اور اس کے عذاب ان کے پاس ناگہاں آ جائیں گے۔ اس وقت یہ محض بیشعور رہوں گے جو مہلت انہیں مل رہی ہے اس سے یہ مغرور ہو گئے۔ جس قوم کے پاس اللہ کے عذاب آئے اسی حالت میں آئے کہ وہ ان سے نڈر بلکہ بے پرواہ ہو گئے تھے اللہ کے عذابوں سے غافل وہی ہوتے ہیں جو پورے فاسق اور اعلانیہ مجرم ہوں۔ یا انہیں بیخبر دن عذاب پہنچے جو دن ان کے لئے منحوس ثابت ہوگا۔

بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے اور بعض نے کہا ہے مراد اس سے قیامت کا دن ہے یہی قول صحیح ہے گو بدر کا دن بھی ان کے لئے عذاب اللہ کا دن تھا۔ اس دن صرف اللہ کی بادشاہت ہوگی جیسے اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کا مالک

ہے۔اور آیت میں ہے اس دن رحمٰن کا ہی ملک ہوگا اور وہ دن کافروں پر نہایت ہی گراں گزرے گا۔ فیصلے خود اللہ کرے گا۔ جن کے دلوں میں اللہ پر ایمان رسول کی صداقت اور ایمان کے مطابق جن کے اعمال تھے جن کے دل اور عمل میں موافقت تھی۔ جن کی زبانیں دل کے مانند تھیں وہ جنت کی نعمتوں میں مالا مال ہوں گے۔

جو نعمتیں نہ فنا ہوں نہ گھٹیں نہ بگڑیں نہ کم ہوں۔ جن کے دلوں میں حقانیت سے کفر تھا، جو حق کو جھٹلاتے تھے، نبیوں کے خلاف کرتے تھے، اتباع حق سے تکبر کرتے تھے ان کے تکبر کے بدلے انہیں ذلیل کرنے والے عذاب ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے آیت (اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ،- غافر:60) جو لوگ میری عبادتوں سے سرکشی کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ○
تمام بادشاہی اس دن اللہ کی ہوگی، وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، پھر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے
نیک اعمال کیے، وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا بیان

"اَلْمُلْكُ یَوْمَئِذٍ " أَیْ یَوْمِ الْقِیَامَة "لِلّٰهِ" وَحْده وَمَا تَضَمَّنَهُ مِنْ الِاسْتِقْرَار نَاصِب لِلظَّرْفِ "یَحْكُم بَیْنهمْ " بَیْن الْمُؤْمِنِینَ وَالْكَافِرِینَ بِمَا بَیَّنَ بَعْده "فَالَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات فِی جَنَّات النَّعِیم" فَضْلًا مِنْ اللّٰه

تمام بادشاہی اس دن یعنی قیامت کے دن اللہ وحدہ کی ہوگی، یہاں پر جو لفظ استقرار کے معنی کو لازم ہے وہی ظرف یومئذ کا عامل ناصب ہے۔ وہ ان کے درمیان یعنی مؤمنین و کفار کے فیصلہ کرے گا، جس کو بعد میں بیان کیا ہے۔ پھر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے، وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ جو اللہ کے فضل سے ہیں۔

یعنی آج تو ہر شخص خواہ وہ ایماندار ہے یا کافر ہے یا منافق ہے یا مشرک ہے وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ وہ حق پر ہے اور جو کچھ وہ کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔ لیکن قیامت کے دن سب کو روز روشن کی طرح علم ہو جائے گا کہ آج صرف اکیلے اللہ ہی کی حکمرانی ہے۔ اور ان کے معبودوں یا دیوتاؤں کے کارساز نہ ہونے کا سارا فریب کھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ شہادات قائم کر کے یہ فیصلہ کر دے گا کہ حق پر کون تھا اور جھوٹا کون؟ یا فلاں شخص کتنا حصہ حق پر تھا اور کتنا باطل پر؟ پھر اسی فیصلہ کے مطابق لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا۔ اہل حق تو جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہوں گے اور حق کو جھٹلانے کو رسوا کن عذاب کا مزا چکھنا ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ○
اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو انہی لوگوں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

آیات کی تکذیب کرنے والوں کیلئے عذاب مہین کا بیان

"وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ" شَدِيدٌ بِسَبَبِ كُفْرِهِمْ

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو انہی لوگوں کے لئے ان کے کفر کے سبب سے ذلت آمیز عذاب ہوگا۔

اس آیت کریمہ سے اس حقیقت کی تصریح فرما دی گئی کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار، اور ان کی تکذیب کرتے ہیں، ان کیلئے بڑا ہی رسوا کن عذاب ہے۔ اور یہ اسلئے کہ انہوں نے استکبار اور اپنی بڑائی کے زعم و گھمنڈ میں حق سے منہ موڑا، اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا، اور ان کو جھٹلایا۔ اس لئے ان کو اسکے نتیجے میں، رسوا کن عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ
رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝
اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل کر دیئے گئے یا مر گئے تو اللہ انہیں ضرور رزق حسن کی روزی بخشے گا،
اور بیشک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والے کے رزق کا بیان

"وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ" أَيْ طَاعَته مِنْ مَكَّة إِلَى الْمَدِينَة "ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمْ اللَّه رِزْقًا حَسَنًا" هُوَ رِزْق الْجَنَّة "وَإِنَّ اللَّه لَهُوَ خَيْر الرَّازِقِينَ" أَفْضَل الْمُعْطِينَ

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ یعنی اس کی اطاعت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر قتل کر دیئے گئے یا فوت ہو گئے تو اللہ انہیں ضرور رزق حسن یعنی جنت کی روزی بخشے گا، اور بیشک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ یعنی عطا کرنے والوں کو وہ بہتر عطا کرنے والا ہے۔

سورہ حج آیت ۵۸ کے شان نزول کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے بعض اصحاب نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جو اصحاب شہید ہو گئے ہم جانتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں ان کے بڑے درجے ہیں اور ہم جہادوں میں حضور ﷺ کے ساتھ رہیں گے لیکن اگر ہم آپ کے ساتھ رہے اور بے شہادت کے موت آئی تو آخرت میں ہمارے لئے کیا ہے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (الحج:58)

(خازن، سورہ حج، بیروت)

اللہ کی راہ ہجرت و شہادت کے سبب فضیلت کا بیان

جو شخص اپنے گھر اور دیس کو چھوڑ کر اللہ رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو اسے اس کا اجر اللہ کے ذمے طے ہو چکا۔ ان پر اللہ کا فضل ہوگا، انہیں جنت کی روزیاں ملیں گی جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہترین

رازق ہے۔ انہیں پروردگار جنت میں پہنچائے گا۔ جہاں یہ خوش خوش ہوں گے جسے فرمان ہے کہ جو ہمارے مقربوں میں سے ہے اس کے لئے راحت اور خوشبودار پھول اور نعمتوں بھرے باغات ہیں ایسے لوگوں کو راحت ورزق اور جنت ملے گی۔ اپنی راہ کے سچے مہاجروں کو اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کو اپنی نعمتوں کے مستحق لوگوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ وہ بڑے حکم والا ہے بندوں کے گناہ معاف فرماتا ہے ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے ان کی ہجرت قبول کرتا ہے ان کے توکل کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوں مہاجر ہوں یا نہ ہوں وہ رب کے پاس زندگی اور روزی پاتے ہیں۔ جسے فرمان ہے آیت

(وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ،(آل عمران:169)

، خدا کی راہ کے شہیدوں کو مردہ نہ سمجھو وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزیاں دیے جاتے ہیں۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں ہیں جو بیان ہو چکیں۔ پس فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہے اس آیت سے اور اسی بارے کی احادیث سے بھی۔

حضرت شرجیل بن سمت فرماتے ہیں کہ روم کے ایک قلعے کے محاصرے پر ہمیں مدت گزر چکی اتفاق سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص راہ اللہ کی تیاری میں مرجائے تو اس کا اجر اور رزق برابر اللہ کی طرف سے ہمیشہ اس پر جاری رہتا ہے اور وہ اتنے میں ڈالنے والوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت (وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا، الحج:58) پڑھ لو۔ حضرت ابو قبیل اور ربیع بن سیف مغافری کہتے ہیں ہم رودس کے جہاد میں تھے ہمارے ساتھ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ دو جنازے ہمارے پاس سے گزرے جن میں ایک شہید تھا دوسرا اپنی موت مرا تھا لوگ شہید کے جنازے میں ٹوٹ پڑے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج، بیروت)

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝
یقیناً وہ انہیں ایسے مقام میں ضرور داخل کریگا جس پر وہ خوش ہوں گے اور بے شک اللہ ضرور سب کچھ جاننے والا، بے حد بردبار ہے۔

اہل جنت کو ان کی رضامندی والی جگہ میں داخل کرنے کا بیان

"لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُدْخَلًا " بِضَمِّ الْمِيم وَفَتْحهَا أَيْ إِدْخَالًا أَوْ مَوْضِعًا "يَرْضَوْنَهُ" وَهُوَ الْجَنَّة "وَإِنَّ اللَّه لَعَلِيم" بِنِيَّاتِهِمْ "حَلِيم" عَنْ عِقَابهمْ

یقیناً وہ انہیں ایسے مقام میں ضرور داخل کرے گا۔ یہاں پر لفظ مدخلا کی میم ضمہ اور فتحہ کے ساتھ بھی یعنی جب معنی ادخال یا موضعا ہو۔ جس پر وہ یعنی جنت پر خوش ہوں گے اور بے شک اللہ ضرور ان کی نیتوں کو کچھ جاننے والا، ان کی سزا سے بے حد بردبار ہے۔

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کا صاحب قبر سے خطاب کرنے کا بیان

حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت یہ شہید ہیں اور یہ دوسرے شہادت سے محروم ہیں

آپ نے فرمایا واللہ مجھے تو دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ اس کی قبر میں سے اٹھوں خواہ اس کی میں سے۔ سنو کتاب اللہ میں ہے پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ مرے ہوئے کی قبر پر ہی ٹھہرے رہے اور فرمایا تمہیں اور کیا چاہیے جنت، جگہ اور عمدہ روزی۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس وقت امیر تھے۔ یہ آخری آیت صحابہ رضی اللہ عنہ کے اس چھوٹے سے لشکر کے بارے میں اتری ہے جن سے مشرکین کے ایک لشکر نے باوجود ان کے رک جانے کی حرمت کے مہینے میں لڑائی کی اللہ نے مسلمانوں کی امداد فرمائی اور مخالفین کو نیچا دکھایا اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، حج، بیروت)

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝
یہ اور جو شخص اس کی مثل بدلہ لے جو اسے تکلیف دی گئی، پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور ہی اس کی مدد کرے گا،
یقیناً اللہ ضرور نہایت درگزر کرنے والا، بے حد بخشنے والا ہے۔

انتقام کی مقدار کا حسب مثل ہونے کا بیان

الْاَمْر "ذٰلِكَ" الَّذِي قَصَصْنَاهُ عَلَيْك "وَمَنْ عَاقَبَ" جَازَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ "بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهٖ" ظُلْمًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ : أَيْ قَاتَلَهُمْ كَمَا قَاتَلُوهُ فِي الشَّهْر الْحَرَام "ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ" مِنْهُمْ أَيْ ظُلِمَ بِإِخْرَاجِهِ مِنْ مَنْزِله "لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰه إِنَّ اللّٰه لَعَفُوّ" عَنِ الْمُؤْمِنِينَ "غَفُور" لَهُمْ عَنْ قِتَالهمْ فِي الشَّهْر الْحَرَام

یہ اور جو شخص اس کی مثل بدلہ لے جو اسے تکلیف دی گئی، یعنی انتقام میں مومنین کیلئے جائز ہوا۔ پھر اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور ہی اس کی مدد کرے گا، یعنی ان سے قتال کرنا جس طرح انہوں نے حرمت والے مہینے میں قتال کیا۔ اس کے زیادتی کی گئی یعنی ان کو اپنے گھر سے نکالا گیا۔ یقیناً اللہ مؤمنین پر نہایت درگزر کرنے والا، ان کے ماہ حرمت میں ہونے والے قتال کو بخشنے والا ہے۔

سورہ حج آیت ۶۰ کے شان نزول کا بیان

مقاتل سے روایت ہے کہ یہ آیت ایک لشکر کے بارے میں نازل ہوئی جسے نبی نے بھیجا اور ابھی محرم کی دو راتیں باقی تھیں ان کا سامنا مشرکین سے ہوا مشرکین نے آپس میں کہا کہ محمد کے ساتھیوں کے ساتھ لڑائی کرو کیونکہ یہ شہر حرام مین لڑائی کو حرام سمجھتے ہیں صحابہ نے انہیں اللہ کی قسم دی اور ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا کہ تم ہمارے ساتھ لڑائی نہ کرو ہم شہر حرام میں لڑائی کو حلال نہیں سمجھتے لیکن مشرکین نے ان کی ایک نہ مانی اور ان سے لڑائی کی اور ان پر سرکشی کی پھر مسلمانوں نے بھی ان کا مقابلہ کیا اور ان پر غالب آ گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (سیوطی، 188، قرطبی 12-90)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝
یہ اس لیے کہ بے شک اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ
سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

دن رات کے دخول کے سبب دلیل قدرت کا بیان

"ذَٰلِكَ" النَّصر "بِأَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ" أَيْ يُدْخِلُ كُلًّا مِنْهُمَا فِي الْآخَرِ بِأَنْ يَزِيدَ بِهِ وَذَٰلِكَ مِنْ أَثَرِ قُدْرَتِهِ تَعَالَى الَّتِي بِهَا النَّصْر "وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ" دُعَاءَ الْمُؤْمِنِينَ "بَصِيرٌ" بِهِمْ حَيْثُ جَعَلَ فِيهِمُ الْإِيمَانَ فَأَجَابَ دُعَاءَهُمْ

یہ مدد اس لیے کہ بے شک اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے میں داخل کرتا ہے۔ مزید کہ اضافہ کرتا ہے تا کہ یہ مدد اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہو۔ اور بے شک اللہ اہل ایمان کو دعا کو سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ کہ ان میں ایمان بنایا پس وہ ان کی پکاروں کا جواب دینے والا ہے۔

یعنی وہ اتنی بڑی قدرت والا ہے کہ رات دن کا الٹ پلٹ کر اور گھٹانا بڑھانا اسی کے ہاتھ میں ہے اسی کے تصرف سے کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ پھر کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک مظلوم قوم یا شخص کو امداد دے کر ظالموں کے پنجہ سے نکال دے بلکہ ان پر غالب و مسلط کر دے۔ پہلے مسلمان مہاجرین کا ذکر تھا اس آیت میں اشارہ فرما دیا کہ عنقریب حالات رات دن کی طرح پلٹا کھانے والے ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لے لیتا ہے اسی طرح کفر کی سرزمین کو اسلام کی آغوش میں داخل کر دے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ○
یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور بیشک وہ اس کے سوا جو کچھ پوجتے ہیں وہ باطل ہے اور یقیناً اللہ ہی بہت بلند بہت بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کا بیان

"ذَٰلِكَ" النَّصر أَيْضًا "بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ" الثَّابِت "وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ" بِالْيَاءِ وَالتَّاء يَعْبُدُونَ "مِنْ دُونِهِ" وَهُوَ الْأَصْنَام "هُوَ الْبَاطِلُ" الزَّائِل "وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ" أَيْ الْعَالِي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ بِقُدْرَتِهِ "الْكَبِيرُ" الَّذِي يَصْغُرُ كُلُّ شَيْءٍ سِوَاهُ،

یہ مدد اس لئے ہے کہ اللہ ہی حق یعنی ثابت ہے اور بیشک وہ کفار اس کے سوا جو کچھ بھی پوجتے ہیں اور وہ بت ہیں۔ وہ باطل ہے جو ختم ہونے والا ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی بہت بلند بہت بڑا ہے۔ یعنی اسی کی قدرت ہر چیز پر ہے اور ہر چیز اس کی قدرت کے سامنے عاجز ہے۔ اس لئے اس کا دین حق ہے، اس کی عبادت حق ہے اس کے وعدے حق ہیں، اس کا اپنے اولیاء کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنا حق ہے، وہ اللہ عزوجل اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنے افعال میں حق ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ○
کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان کی جانب سے پانی اتارتا ہے تو زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔
بیشک اللہ مہربان بڑا خبردار ہے۔

بارش کے سبب زمین کا نباتات کو اگانے کا بیان

"أَلَمْ تَرَ" تَعْلَم "أَنَّ اللَّه أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاء مَاء " مَطَرًا "فَتُصْبِح الْأَرْض مُخْضَرَّة " بِالنَّبَاتِ وَهَذَا مِنْ أَثَر قُدْرَته "إِنَّ اللَّه لَطِيف" بِعِبَادِهِ فِي إِخْرَاج النَّبَات بِالْمَاءِ "خَبِير" بِمَا فِي قُلُوبهمْ عِنْد تَأْخِير الْمَطَر،

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان کی جانب سے پانی یعنی بارش اتارتا ہے۔تو زمین نباتات سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ اور یہ اسی کی قدرت کے اثر سے ہے۔ بیشک اللہ نباتات کو پانی سے نکالنے میں اپنے بندوں پر بڑا مہربان، بارش کی تاخیر کے سبب جو کچھ ان کے دلوں میں ہے وہ بڑا خبردار ہے۔

حضرت لقمان رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے کہ اے بچے! اگرچہ کوئی چیز رائی کے دانے برابر ہو چاہے کسی چٹان میں ہو یا آسمان میں یا زمین میں اللہ اسے ضرور لائے گا اللہ تعالیٰ پاکیزہ اور باخبر ہے۔ایک اور آیت میں ہے زمین وآسمان کی ہر چیز کو اللہ ظاہر کردے گا۔ایک آیت میں ہے، ہر پتے کے جھڑنے کا، ہر دانے کا جو زمین کے اندھیروں میں ہو ہر تر وخشک چیز کا اللہ کو علم ہے اور وہ کھلی کتاب میں ہے۔ایک اور آیت میں کوئی ذرہ آسمان وزمیں میں اللہ سے پوشیدہ نہیں، کوئی چھوٹی بڑی چیز ایسی نہیں جو ظاہر کتاب میں نہ ہو۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۠
اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بیشک اللہ ہی بے نیاز قابلِ ستائش ہے

زمین وآسمان کا سب کچھ اللہ کیلئے ہونے کا بیان

"لَهُ مَا فِي السَّمَاوَات وَمَا فِي الْأَرْض" عَلَى جِهَة الْمِلْك "وَإِنَّ اللَّه لَهُوَ الْغَنِيّ" عَنْ عِبَاده "الْحَمِيد" لِأَوْلِيَائِهِ،

اسی کی بادشاہت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بیشک اللہ ہی اپنے بندوں سے بے نیاز، اپنے دوستوں کیلئے قابلِ ستائش ہے

چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ومالک ہے۔لہٰذا ہر چیز اپنی ہستی اور اس کی بقاء تک کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہوئی۔ جبکہ وہ خود کسی کا محتاج نہیں۔تمام کائنات کے وجود سے پہلے بھی اس کی ہستی قائم ودائم تھی اور وجود کے بعد بھی وہ اس سے بے نیاز ہے۔ لہٰذا کوئی اس کی حمد وثنا بیان کرے یا نہ کرے اس سے اسے کچھ فرق نہیں پڑا (البتہ حمد وثنا بیان کرنے والے کی اپنی ذات کو ضرور فائدہ پہنچ جاتا ہے) کیونکہ وہ اپنی ذات میں خود ہی محمود ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ
السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۠

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے تمہاری خاطر مسخر کر دیا ہے جو کچھ زمین میں ہے اور ان کشتیوں کو بھی جو سمندر میں
اس کے حکم سے چلتی ہیں اور وہ آسمان کو تھامے رکھتا ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر اس کے اذن سے۔ بے شک اللہ یقیناً
لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

زمینی چیزوں کی تسخیر کا بیان

"اَلَمْ تَرَ" تَعْلَم "اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ" مِنَ الْبَهَائِم "وَالْفُلْكَ" السُّفُن "تَجْرِي فِي الْبَحْرِ" لِلرُّكُوبِ وَالْحَمْلِ "بِاَمْرِهٖ" بِاِذْنِهٖ "وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ" مِنْ "اَنْ" اَوْ لِئَلَّا "تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" فَتَهْلِكُوا "اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" فِي التَّسْخِيرِ وَالْاِمْسَاك

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے تمہاری خاطر مسخر کر دیا ہے جو کچھ زمین حیوانات میں سے ہے اور ان کشتیوں کو بھی جو سواری اور بوجھ اٹھاتے ہوئے سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہیں۔ اور وہ آسمان کو تھامے رکھتا ہے کہ زمین پر نہ گر پڑے کہ کہیں وہ ہلاک ہو جائیں مگر اس کے اذن سے۔ بے شک اللہ تسخیر اور امساک میں یقیناً لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

یعنی زمین کی سب چیزوں کو انسان کا مسخر بنا دیا۔ مسخر بنانے کے ظاہری اور عام معنے یہ سمجھے جاتے ہیں کہ وہ اس کے حکم کے تابع چلے۔ اس معنے کے لحاظ سے یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ زمین کے پہاڑ اور دریا اور درندے پرندے اور ہزاروں چیزیں انسان کے حکم کے تابع تو نہیں چلتے مگر کسی چیز کو کسی شخص کی خدمت میں لگا دینا جو ہر وقت یہ خدمت انجام دیتی رہے یہ بھی درحقیقت اس کے لئے تسخیر ہی ہے اگر چہ وہ اس کے حکم سے نہیں بلکہ مالک حقیقی کے حکم سے یہ خدمت انجام دے رہی ہے۔ اسی لئے یہاں ترجمہ تسخیر کا کام میں لگا دینے سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ ان سب چیزوں کو انسان کا تابع حکم بھی بنا دیتے مگر اس کا نتیجہ خود انسان کے حق میں مضر پڑتا، کیونکہ انسانوں کی طبائع، خواہشات اور ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں ایک انسان دریا کو اپنا رخ دوسری طرف موڑنے کا حکم دیتا اور دوسرا اس کے خلاف تو انجام بجز فساد کے کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لئے ان سب چیزوں کو تابع حکم تو اپنا ہی رکھا مگر تسخیر کا جو اصل فائدہ تھا وہ انسان کو پہنچا دیا۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝
اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر تمہیں زندگی دے گا۔ بیشک انسان ہی بڑا ناشکر گزار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی زندگی موت دینے والا ہے

"وَهُوَ الَّذِي اَحْيَاكُمْ" بِالْاِنْشَاءِ "ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ" عِنْدَ انْتِهَاءِ آجَالِكُمْ "ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ" عِنْدَ الْبَعْث "اِنَّ الْاِنْسَانَ" اَيْ : الْمُشْرِك "لَكَفُوْر" لِنِعَمِ اللّٰهِ بِتَرْكِهٖ تَوْحِيده،

اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر عمر ختم ہو جانے پر تمہیں موت دیتا ہے پھر تمہیں بعث کے وقت دوبارہ زندگی دے گا۔

بیشک انسان یعنی مشرک ہی اللہ کی نعمتوں پر بڑا ناشکر گزار ہے۔ کیونکہ اس نے عقیدہ توحید چھوڑ رکھا ہے۔
انسان کو اللہ کا زندگی بخشا ایسا احسان ہے جسے ہر شخص احسان سمجھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا انسان کو موت دینا اس لحاظ سے احسان ہے کہ اگر آدم سے لے کر موجودہ دور تک تمام مخلوق زندہ رہتی۔ تو انسان کو زمین پر کھڑا ہونے کو بھی جگہ نہ ملتی۔ وسائل معاش اور ضروریات زندگی کا مہیا ہونا تو دور کی بات ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ساتھ ہی ساتھ پہلوں کو موت کی نیند سلا کر آنے والوں کے لئے جگہ اور ضروریات زندگی مہیا کر دیتا ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد زندہ کرنا پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دینا بھی اللہ تعالیٰ کا انسان پر احسان عظیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اس اخروی زندگی اور اس کی تفصیلات سے بذریعہ وحی مطلع کر کے انجام سے خبردار نہ کرتا تو طاقتور اور درندہ صفت انسان کمزور انسانوں کو کچا چبا ڈالتے اور انہیں کبھی جینے کا حق نہ دیتے۔ جس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں مسلسل جنگ اور بدامنی کی وجہ سے انسان کا وجود ہی صفحہ ہستی سے ختم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات کے باوجود انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ نہ کسی ایسے حقائق پر غور کرتا ہے اور نہ اللہ کے ان احسانات کے لئے اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ
اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ○
ہر امت کے لیے ہی ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے جس کے مطابق وہ عبادت کرنے والے ہیں، سو وہ تجھ سے
اس معاملے میں ہرگز جھگڑا نہ کریں اور تو اپنے رب کی طرف دعوت دے، بے شک تو یقیناً سیدھے راستے پر ہے۔

ہر امت کیلئے عبادت کے طرق کا بیان

"لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا" بِفَتْحِ السِّينِ وَكَسْرِهَا شَرِيعَةً "هُمْ نَاسِكُوهُ" عَامِلُونَ بِهِ "فَلَا يُنَازِعُنَّكَ" يُرَادُ بِهِ لَا تُنَازِعُهُمْ "فِي الْأَمْرِ" أَيْ أَمْرِ الذَّبِيحَةِ إِذْ قَالُوا: مَا قَتَلَ اللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَأْكُلُوهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ "وَادْعُ إِلَى رَبِّكَ" إِلَى دِينِهِ "إِنَّكَ لَعَلَى هُدًى" دِينٍ

ہر امت کے لیے ہی ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ لفظ منسک سین کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ جس کا معنی شریعت ہے۔ جس کے مطابق وہ عبادت کرنے والے ہیں، یعنی عمل کرنے والے ہیں۔ لہٰذا وہ آپ سے اس معاملے یعنی ذبیحہ کے معاملہ میں ہرگز جھگڑا نہ کریں کیونکہ جب انہوں نے جس کو اللہ نے مارا ہے وہ زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کو کھا لیا جائے بہ نسبت اس کے جس کو تم نے ذبح کیا۔ اور آپ اپنے رب کی طرف یعنی اس کے دین کی طرف بلائیں۔ بے شک آپ یقیناً سیدھے راستے یعنی دین پر ہیں۔

سورہ حج آیت ۶۷ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت بدیل ابن ورقاء اور بشر بن سفیان اور یزید ابن خنیس کے حق میں نازل ہوئی ان لوگوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کیا سبب ہے جس جانور کو تم خود قتل کرتے ہو اسے تو کھاتے ہو اور جس کو اللہ مارتا ہے اس کو نہیں کھاتے اس پر یہ

آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حج، لاہور)

منسک کا لفظ اگرچہ حج کے شعائر و احکام اور ادائیگی سے مختص ہو گیا ہے اور مناسک حج سے مراد اعمال اور ارکان حج ادا کرنے کے مقامات، قاعدے اور طریقے ہے اور نسک اس قربانی کو کہتے ہیں جو حج کے دوران کی جاتی ہے۔ تاہم اس لفظ کے معانی میں یہ وسعت ہے کہ اس کا اطلاق تمام عبادات کے طریق کار پر ہوتا ہے اور یہ لفظ منہاج سے اخص ہے۔ منہاج کے معنی میں تمام شرعی احکام کی ادائیگی کا طریق کار شامل ہے اور یہ طریق کار بھی اللہ ہی کی طرف سے بتلایا جاتا ہے اور منسک کا اطلاق صرف عبادات کے طریقے کار پر ہوتا ہے۔

عبادات کا طریق کار ہر نبی اور اس کی امت کے لئے مختلف رہا ہے اور اس میں وقت کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا جاتا رہا ہے۔ اور چونکہ یہ طریق کار بھی اللہ ہی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس بارے میں آپ سے بحث یا جھگڑا کرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہی طریق کار درست اور برحق ہے۔ جو آپ کو بتلایا جا رہا ہے۔

اصول دین کے متفق ہونے کا بیان

تمام انبیاء اصولِ دین میں متفق رہے ہیں۔ البتہ ہر امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بندگی کی صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف مقرر کی ہیں۔ جن کے موافق وہ امتیں خدا کی عبادت بجالاتی رہیں۔ اس امت محمدی کے لیے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا۔ بجز اللہ کے کبھی کسی دوسری چیز کی عبادت مقرر نہیں کی گئی۔

وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○
اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے: اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن
ان تمام باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔

اہل ایمان اور کفار کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ ہو جانے کا بیان

"وَإِنْ جَادَلُوكَ" فِي أَمْرِ الدِّين "فَقُلْ اللَّه أَعْلَم بِمَا تَعْمَلُونَ" فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ وَهَذَا قَبْل الْأَمْر بِالْقِتَالِ "اللَّه يَحْكُم بَيْنكُمْ" أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ وَالْكَافِرُونَ "يَوْم الْقِيَامَة فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ" بِأَنْ يَقُول كُلّ مِنْ الْفَرِيقَيْنِ خِلَاف قَوْل الْآخَر

اگر وہ آپ سے دین کے معاملہ میں جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے: اللہ بہتر جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔ پس وہ تمہیں اس کی جزاء دے گا۔ اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔ اے ایمان والو اور کافرو! اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن ان تمام باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔ کیونکہ تم میں سے ہر ایک گروہ دوسرے کے خلاف کہا کرتا تھا۔

(یعنی بیان اور اظہار حجت کے بعد بھی اگر یہ جھگڑے سے باز نہ آئیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی

تمہارے اختلافات کا فیصلہ قیامت والے دن فرمائے گا، پس اس دن واضح ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ کیونکہ وہ اس کے مطابق سب کو جزا دے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○
کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ بے شک یہ ایک کتاب میں درج ہے،
بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔

زمین وآسمان کی ہر چیز کا لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہونے کا بیان

"اَلَمْ تَعْلَمْ" اِلاسْتِفْهَام فِيهِ لِلتَّقْرِيرِ "اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَم مَا فِي السَّمٰوٰت وَالْاَرْض اِنَّ ذٰلِكَ" اَيْ مَا ذُكِرَ "فِي كِتَاب" هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ "اِنَّ ذٰلِكَ" اَيْ عِلْم مَا ذُكِرَ "عَلَى اللّٰه يَسِير" سَهْل

کیا آپ نے نہیں جانا، یہ استفہام تقریری ہے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ یعنی کو ذکر کیا گیا ہے بے شک یہ ایک کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے، بے شک یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ یعنی ایسا کرنا اللہ کیلئے آسان ہے۔

ہر چیز کا علم الٰہی میں ہونے کا بیان

رب کے کمال علم کا بیان ہو رہا ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز اس کے علم کے احاطہ میں ہے ایک ذرہ بھی اس سے باہر نہیں کائنات کے وجود سے پہلے ہی کائنات کا علم اسے تھا بلکہ اس نے لوح محفوظ میں لکھوا دیا تھا۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا مخلوق کی تقدیر لکھی۔ سنن کی حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس سے فرمایا لکھ اس نے دریافت کیا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے پس قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اسے قلم نے قلم بند کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سو سال کی راہ میں اللہ نے لوح محفوظ کو پیدا کیا اور مخلوق کی پیدائش سے پہلے جب کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تھا قلم کو لکھنے کا حکم دیا اس نے پوچھا کیا لکھوں فرمایا میرا علم جو مخلوق کے متعلق قیامت کا ہے۔ پس قلم چل پڑا اور قیامت تک کے ہونے والے امور جو علم الٰہی میں ہے اس نے لکھ لئے۔ پس اسی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت میں فرما رہا ہے کہ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمان وزمین کی ہر ایک چیز کا میں عالم ہوں۔ پس یہ اس کا کمال علم ہے کہ چیز کے وجود سے پہلے اسے معلوم ہے بلکہ لکھ بھی لیا ہے اور وہ سب یوں ہی واقع میں ہونے والا ہے۔ اللہ کو بندوں کے تمام اعمال کا علم ان کے عمل سے پہلے ہے۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کرنے سے پہلے اللہ جانتا تھا، ہر فرماں بردار اور نافرمان اس کے علم میں تھا اور اس کی کتاب میں لکھا ہوا تھا اور ہر چیز اس کے علمی احاطے کے اندر ہی اندر اور یہ امر اللہ پر مشکل بھی نہ تھا سب کتاب میں تھا اور رب پر بہت ہی آسان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ○

اور وہ اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور جس کا انہیں کچھ علم نہیں
اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

بتوں کی پوجا کرنے والوں کے پاس کوئی حجت نہ ہونے کا بیان

"وَيَعْبُدُونَ" أَيْ الْمُشْرِكُونَ "مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ" هُوَ الْأَصْنَام "سُلْطَانًا" حُجَّة "وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْم" أَنَّهَا آلِهَة "وَمَا لِلظَّالِمِينَ" بِالْإِشْرَاكِ "مِنْ نَصِير" يَمْنَع عَنْهُمْ عَذَاب اللّٰه

اور وہ یعنی مشرکین اللہ کے سوا اس چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور وہ بت ہیں۔ اور جس کا انہیں کچھ بھی علم نہیں اور ظالموں کا اشراک کی وجہ سے کوئی مددگار نہیں۔ جو ان سے اللہ کے عذاب کو روک لے۔

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ بحیرہ وہ جانور ہے کہ جس کا دودھ بتوں کے لئے وقف کر دیا جائے اور پھر لوگوں میں سے کوئی آدمی بھی اس جانور کا دودھ نہ دوھ سکے اور سائبہ وہ جانور ہے کہ جو مشرکین اپنے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیا کرتے تھے اور اس جانور پر کوئی بوجھ بھی نہیں لادتے تھے ابن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے پھر رہا ہے اور سب سے پہلے اس نے جانوروں کو سانڈھ بنایا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2692)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ
يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ
وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات کی تلاوت کی جائے تو تو ان لوگوں کے چہروں میں جنھوں نے کفر کیا، صاف انکار
پہچان لے گا، قریب ہوں گے کہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کریں۔ کہہ دے تو کیا میں تمھیں
اس سے بری چیز بتاؤں؟ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جنھوں نے کفر کیا اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

قرآن کی تلاوت پر کفار کی ناپسندیدگی کے اظہار کا بیان

"وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِمْ آيَاتنَا" مِنْ الْقُرْآن "بَيِّنَات" ظَاهِرَات حَال "تَعْرِف فِي وُجُوه الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَر" أَيْ الْإِنْكَار لَهَا: أَيْ أَثَره مِنْ الْكَرَاهَة وَالْعُبُوس "يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتنَا" أَيْ يَقَعُونَ فِيهِمْ بِالْبَطْشِ "قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذَلِكُمْ" بِأَكْرَه إِلَيْكُمْ مِنْ الْقُرْآن الْمَتْلُوّ عَلَيْكُمْ هُوَ "النَّار وَعَدَهَا اللّٰه الَّذِينَ كَفَرُوا" بِأَنَّ مَصِيرهمْ إِلَيْهَا "وَبِئْسَ الْمَصِير" هِيَ

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات یعنی قرآن کی تلاوت کی جائے۔ یہاں پر بینات یہ ظاہرات کے معنی میں حال ہے۔ آپ ان لوگوں کے چہروں میں جنھوں نے کفر کیا، صاف انکار پہچان لے گا، یعنی ان کے چہروں پر ناپسندیدگی وناگواری کے اثرات نظر آتے ہیں۔ قریب ہوں گے کہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں جو ان پر ہماری آیات کی تلاوت کریں۔ یعنی ان کو سختی سے پکڑ لیں فرمادیں تو کیا میں تمھیں اس سے بری چیز بتاؤں؟ یعنی اس قرآن سننے سے بھی تمہارے لئے وہ زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ وہ آگ ہے جس کا اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے، جنھوں نے کفر کیا کیونکہ تمہیں اس میں ڈالا جائے گا۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

الفاظ کے لغوی معانی کا بیان

تتلی۔ مضارع مجہول واحد مونث غائب۔ بمعنی جمع مونث غائب تلاوۃ مصدر (جب) وہ پڑھی جاتی ہیں۔ یا اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ بینت۔ وضاحت کے ساتھ۔ کھول کھول کر۔ صاف صاف آیت سے حال ہے۔

تعرف۔ مضارع واحد مذکر حاضر۔ تو پہچان لے گا۔ تو پہچانا گا۔ بمعنی تو دیکھے گا، تو پہچان لیتا ہے۔ معرفۃ وعرفان مصدر۔ (باب ضرب)۔ المنکر۔ ناخوشی۔ ناخوشی ونفرت کے آثار۔ اسم مفعول واحد مذکر۔ وہ قول وفعل جس کو عقل سلیم برا جانتی ہو یا شریعت نے اسے برا قرار دیا ہو۔ یعنی جب ہماری آیات ان کو وضاحت کے ساتھ کھول کھول کر سنائی جاتی ہیں تو تو ان کے چہرے پر ناپسندیدگی اور نفرت کے آثار دیکھے گا۔

یکادون۔ مضارع جمع مذکر غائب۔ کاد یکاد کود (باب سمع) کا داصل میں کود تھا۔ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ اور افعال ناقصہ کی طرح عمل کرتا ہے۔ فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے۔ کاد اگر بصورت اثبات ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آنے والا فعل واقع نہیں ہوا گو قریب الوقوع ضرور تھا۔ جیسے کاد یزیغ قلوب فریق منھم ۔ ان میں سے ایک گروہ کے دل کج ہونے کے قریب پہنچ ہی گئے تھے۔ لیکن ابھی کج نہیں ہوئے تھے۔

اور اگر بصورت نفی مذکور ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آنے والا فعل واقع ہو گیا لیکن عدم وقوع کے قریب تھا۔ جیسے فذبحوھا وما کادوا یفعلون ، پھر انہوں نے اسے ذبح کیا۔ گو وہ ذبح نہ کرنے کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ (یعنی بہانے بنا چکے تھے) کبھی یہ زائد ہوتا ہے اور صرف وصل کلام کے لئے آتا ہے۔ جیسے اذا اخرج یدہ لم یکد یرھا ۔ جب آدمی اپنا ہاتھ نکالتا ہے تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ ای لم یرھا۔

یسطون۔ مضارع جمع مذکر غائب۔ سطوۃ مصدر۔ وہ حملہ کر دیں۔ سطا یسطو، بہ وعلیہ۔ کسی پر حملہ کر کے مغلوب کرنا۔ سطو وسطوۃ مصدر۔ یکادون یسطون بالذین یتلون علیھم ایتنا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ (کافر لوگ) ان پر جو کافروں کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے ہیں جھپٹ ہی پڑیں گے (ایتنا جمع مونث سالم کا اعراب بحالت نصب وجر کسرہ کے ساتھ آتا ہے)۔

افانبئکم۔ ہمزہ استفہامیہ۔ ف زائدانبیء مضارع واحد متکلم تنبئۃ سے تفعیل مصدر، ک ضمیر مفعول واحد مذکر حاضر۔ کیا میں تم کو بتاؤں۔ کیا میں تم کو خبر دوں۔

لشر۔ برائی۔ شر۔ شر وہ چیز ہے جس سے ہر ایک کراہت کرتا ہے۔ خیر کی ضد ہے یہاں بمعنی افعل آیا ہے یعنی بدتر۔ زیادہ نقصان دہ۔ مکروہ تر۔ اسی سے شریر وشرارۃ ہے کہ ہر دو میں کراہت ونقصان کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اور اس سے شرر بمعنی چنگاری ہے۔ آگ کی چنگاری کو شرر اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے ترمی بشرر کالقصر، اس سے آگ کی (اتنی اتنی بڑی) چنگاریاں اڑتی ہیں جیسے محل۔

النار ۔النار هی النار ۔ (کہ جس کا مبتدا محذوف ہے)۔ المصیر ٹھکانہ۔ لوٹنے کی جگہ۔ قرارگاہ۔ صار یصیر (ضرب) سے اسم ظرف مکان نیز مصدر بھی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ
اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ ۝
اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے، سو اسے غور سے سنو! بے شک وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو،
ہرگز ایک مکھی پیدا نہیں کریں گے، خواہ وہ اس کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے وہ اسے
اس سے چھڑا نہ پائیں گے۔ کمزور ہے مانگنے والا اور وہ بھی جس سے مانگا گیا۔

مکھی سے واپس اپنا حق نہ لے سکنے والوں کی عبادت کے عجب کا بیان

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ" أَيْ أَهْلَ مَكَّة "ضُرِبَ مَثَل فَاسْتَمِعُوا لَهُ" وَهُوَ "إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ" تَعْبُدُونَ "مِنْ دُونِ اللَّه" أَيْ غَيْره وَهُمْ الْأَصْنَام "لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا" اِسْم جِنْس وَاحِده ذُبَابَة يَقَع عَلَى الْمُذَكَّر وَالْمُؤَنَّث "وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ" لِخَلْقِهِ "وَإِنْ يَسْلُبهُمْ الذُّبَاب شَيْئًا" مِمَّا عَلَيْهِمْ مِنْ الطِّيب وَالزَّعْفَرَان الْمُلَطَّخِينَ بِهِ "لَا يَسْتَنْقِذُوهُ" لَا يَسْتَرِدُّوهُ "مِنْهُ" لِعَجْزِهِمْ فَكَيْفَ يَعْبُدُونَ شُرَكَاء اللَّه تَعَالَى؟ وَهَذَا أَمْر مُسْتَغْرَب عَبَّرَ عَنْهُ بِضَرْبِ مَثَل "ضَعُفَ الطَّالِب" الْعَابِد "وَالْمَطْلُوب" الْمَعْبُود

اے لوگو! اے اہل مکہ! ایک مثال بیان کی گئی ہے، سو اسے غور سے سنو! اور وہ یہ ہے کہ بے شک وہ لوگ جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، جو بت وغیرہ ہیں۔ ہرگز ایک مکھی پیدا نہیں کریں گے، یہاں پر ذباب اسم جنس ہے جس کی واحد ذبابہ ہے جس کا اطلاق مذکر ومؤنث دونوں پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ اس کو بنانے کے لیے جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے۔ خواہ وہ پاکیزہ اور زعفران ہو۔ وہ اسے اس سے چھڑا نہ پائیں گے۔ کیونکہ وہ کمزور ہیں۔ لہٰذا انہوں نے ان معبودوں کو کیوں شریک بنایا ہوا ہے اور یہ معاملہ عجیب ہے اسی وجہ سے اس کو ضرب مثل سے بیان کیا گیا ہے۔ مانگنے والا یعنی عابد کمزور ہے اور وہ بھی جس سے مانگا گیا۔ یعنی جو معبود ہے وہ بھی کمزور ہے۔

ضرب مثل کا لفظ عام طور پر جو کسی خاص قصہ کی تمثیل کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں ضرب مثل سے یہ صورت مراد نہیں بلکہ

شرک و بت پرستی کی حماقت کو ایک واضح مثال سے بیان کرتا ہے کہ یہ بت جن کو تم لوگ اپنا کارساز سمجھتے ہو یہ تو ایسے بیکس بے بس ہیں کہ سب ملا کر ایک مکھی جیسی حقیر چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور پیدا کرنا تو بڑا کام ہے تم روز ان کے سامنے مٹھائی اور پھل وغیرہ کھانے کی چیزیں رکھتے ہو اور مکھیاں اس کو کھا جاتی ہیں، ان سے اتنا تو ہوتا نہیں کہ مکھیوں سے اپنی چیز ہی کو بچا لیں یہ تمہیں کسی آفت سے کیا بچائیں گے اسی لئے آخر آیت میں ان کی جہالت اور بیوقوفی کو ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ یعنی جس کا معبود ہی ایسا بے بس ہو اس کا عابد اس سے بھی زیادہ کمزور ہوگا۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○
ان نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنا چاہئے تھی۔ بیشک اللہ بڑی قوت والا، غالب ہے۔

اللہ کی قدر کی جائے جیسا اس کا حق ہے

"مَا قَدَرُوا اللّٰه" عَظَّمُوهُ "حَقّ قَدْره" عَظَمَته إذْ أَشْرَكُوا بِهِ مَا لَمْ يَمْتَنِع مِنْ الذُّبَاب وَلَا يَنْتَصِف مِنْهُ "إنَّ اللّٰه لَقَوِيّ عَزِيز" غَالِب

ان (کافروں) نے اللہ کی قدر نہ کی جیسی اس کی قدر کرنا چاہئے تھی۔ کیونکہ انہوں نے ان چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جو مکھی سے بھی حفاظت نہیں کر سکتے اور نہ اس سے اپنا حق لے سکتے ہیں۔ بیشک اللہ بڑی قوت والا غالب ہے۔

اور اس کی عظمت نہ پہچانی جنہوں نے ایسوں کو خدا کا شریک کیا جو مکھی سے بھی کمزور ہیں معبود وہی ہے جو قدرت کاملہ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کی بیبس مخلوق کو اس کا ہمسر اور شریک قرار دے لیتے ہیں۔ اگر ان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، اس کی قدرت و طاقت اور اس کی بے پناہی کا صحیح صحیح اندازہ اور علم ہو تو وہ کبھی اس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ○
اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی، بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسولان گرامی کا انتخاب فرمالیا ہے

"اللّٰه يَصْطَفِي مِنْ الْمَلَائِكَة رُسُلًا وَمِنْ النَّاس" رُسُلًا وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُشْرِكُونَ "أَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْر مِنْ بَيْننَا" "إنَّ اللّٰه سَمِيع" لِمَقَالَتِهِمْ "بَصِير" بِمَنْ يَتَّخِذهُ رَسُولًا كَجِبْرِيل وَمِيكَائِيل وَإِبْرَاهِيم وَمُحَمَّد وَغَيْرهمْ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ

اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے چنتا ہے اور لوگوں سے بھی رسولان گرامی کا انتخاب کرتا ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے کہا کہ کیا ہم میں سے صرف انہی پر ذکر یعنی قرآن نازل کیا گیا ہے۔ بے شک اللہ ان کی باتوں کو سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ جس کو اس نے رسول بنایا ہے جس طرح حضرت جبرائیل و میکائیل ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نبی

مکرم حضرت محمد ﷺ ہیں۔

سورہ حج آیت ۷۵ کے شان نزول کا بیان

یہ آیت ان کفار کے رد میں نازل ہوئی جنہوں نے بشر کے رسول ہونے کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ بشر کیسے رسول ہو سکتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اللہ مالک ہے جسے چاہے اپنا رسول بنائے وہ انسانوں میں سے بھی رسول بناتا ہے اور ملائکہ میں سے بھی جنہیں چاہے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ حج، لاہور)

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝
وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے نامہ اعمال سے واقف ہونے کا بیان

"يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" أَيْ مَا قَدَّمُوا وَمَا خَلَّفُوا وَمَا عَمِلُوا وَمَا هُمْ عَامِلُونَ بَعْد

وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے یعنی جو کچھ پہلے بھیج چکے ہو اور جو کچھ بعد میں بھیجتا ہے۔ اور وہ اس کے بعد کوئی عمل نہیں کرتے۔ اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔

جب تمام معاملات کا مرجع اللہ ہی ہے تو پھر انسان اس کی نافرمانی کر کے کہاں جا سکتا ہے اور اس کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے؟ کیا اس کے لئے یہ بہتر نہیں ہے کہ وہ اس کی اطاعت اور فرماں برداری کا راستہ اختیار کر کے اس کی رضا حاصل کرے؟ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی صراحت کی جا رہی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیکی کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا بیان

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا" أَيْ صَلُّوا "وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ" وَحِّدُوهُ "وَافْعَلُوا الْخَيْر" كَصِلَةِ الرَّحِم وَمَكَارِمِ الْأَخْلَاق "لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ" تَفُوزُونَ بِالْبَقَاءِ فِي الْجَنَّة

اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو یعنی نماز پڑھو۔ اور اپنے رب کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو اور نیکی کرو، جس طرح صلہ رحمی اور اچھے اخلاق ہیں۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یعنی بقاء کے ساتھ کامیاب ہو کر جنت کو حاصل کر سکو۔

سورہ حج کی آیت ۷۷ کے سجدہ ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب اربعہ

سورہ حج میں ایک آیت تو پہلے گزر چکی ہے جس پر سجدہ تلاوت کرنا باتفاق واجب ہے۔ اس آیت پر جو یہاں مذکور ہے سجدہ

تلاوت کے وجوب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، سفیان ثوری رحمہم اللہ کے نزدیک اس آیت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں کیونکہ اس میں سجدہ کا ذکر رکوع وغیرہ کے ساتھ آیا ہے جس سے نماز کا سجدہ مراد ہونا ظاہر ہے جیسے وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ میں سب کا اتفاق ہے کہ سجدہ نماز مراد ہے اس کی تلاوت کرنے سے سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا اسی طرح آیت مذکورہ پر بھی سجدہ تلاوت واجب نہیں۔ امام شافعی، امام احمد وغیرہ کے نزدیک اس آیت پر بھی سجدہ تلاوت واجب ہے ان کی دلیل ایک حدیث ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ سورہ حج کو دوسری سورتوں پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدہ تلاوت ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اس روایت کے ثبوت میں کلام ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ
مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِیْ هٰذَا لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ۝
اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا اس کے جہاد کا حق ہے۔ اسی نے تمہیں چنا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی،
اپنے باپ ابراہیم کی ملت کے مطابق۔ اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا، اس سے پہلے اور اس (کتاب) میں بھی، تا کہ رسول
تم پر شہادت دینے والا بنے اور تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو۔ سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑو،
وہی تمہارا مالک ہے، سو اچھا مالک ہے اور اچھا مددگار ہے۔

قیام دین کیلئے جہاد کرنے کا بیان

"وَجَاهِدُوا فِي اللّٰه" لِإِقَامَةِ دِينه "حَقّ جِهَاده" بِاسْتِفْرَاغِ الطَّاقَة فِيهِ وَنُصِبَ حَقّ عَلَى الْمَصْدَر "هُوَ اجْتَبَاكُمْ" اخْتَارَكُمْ لِدِينِهِ "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّين مِنْ حَرَج" أَيْ ضِيق بِأَنْ سَهَّلَهُ عِنْد الضَّرُورَات كَالْقَصْرِ وَالتَّيَمُّم وَأَكْل الْمَيْتَة وَالْفِطْر لِلْمَرَضِ وَالسَّفَر "مِلَّة أَبِيكُمْ" مَنْصُوب بِنَزْعِ الْخَافِض الْكَاف "إِبْرَاهِيم" عَطْف بَيَان "هُوَ" أَيْ اللّٰه "سَمَّاكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْل" أَيْ قَبْل هَذَا الْكِتَاب "وَفِي هَذَا" أَيْ الْقُرْآن "لِيَكُونَ الرَّسُول شَهِيدًا عَلَيْكُمْ" يَوْم الْقِيَامَة أَنَّهُ بَلَّغَكُمْ "وَتَكُونُوا" أَنْتُمْ "شُهَدَاء عَلَى النَّاس" أَنَّ رُسُلهمْ بَلَّغُوهُمْ "فَأَقِيمُوا الصَّلَاة" دَاوِمُوا عَلَيْهَا "وَآتُوا الزَّكَاة وَاعْتَصِمُوا بِاللّٰهِ" ثِقُوا بِهِ "هُوَ مَوْلَاكُمْ" نَاصِركُمْ وَمُتَوَلِّي أُمُوركُمْ "فَنِعْمَ الْمَوْلَى" هُوَ "وَنِعْمَ النَّصِير" النَّاصِر لَكُمْ

اور اللہ کے بارے میں یعنی اس کے دین کو قائم کرنے کیلئے جہاد کرو جیسا اس کے جہاد کا حق ہے۔ یعنی اپنی طاقت کے مطابق کرو۔ یہاں پر حق کو نصب مصدر ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ اسی نے تمھیں چنا ہے یعنی تمہیں تمہارے دین کیلئے منتخب کیا ہے۔ اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، بلکہ تنگی کے وقت تم پر آسانی کی ہے جس طرح ضرورت کے وقت نماز قصر، تیمم، مردار کا کھانا اور مریض ومسافر کیلئے روزے کا افطار ہے۔ اپنے باپ ابراہیم کی ملت کے مطابق۔ یہاں پر لفظ ملۃ یہ حرف جار کاف کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور ابراہیم یہ ابیکم سے عطف بیان ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا، اس سے پہلے یعنی اس کتاب سے پہلے اور اس کتاب یعنی قرآن مجید میں بھی، تا کہ رسول مکرم ﷺ تم پر قیامت کے دن شہادت دینے والے ہوں۔ اور تم لوگوں پر شہادت دینے والے بنو۔ کہ ان کے رسولان گرامی نے کما حقہ پیغام پہنچا دیا ہے۔ لہٰذا نماز قائم کرو یعنی اس پر ہیشگی اختیار کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑو، یعنی اسی پر مضبوط رہو۔ وہی تمہارا مالک ہے، یعنی تمہاری مدد کرنے والا ہے۔ اور تمہارے معاملات کا متولی ہے۔ اور وہ کتنا اچھا مالک ہے اور تمہارے لئے کتنا اچھا مددگار ہے۔

مسلمان کے نام میں عظمت ہونے کا بیان

ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں کہ تمہارے دین میں کوئی تنگی وسختی نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ملتہ کا نصب بہ نزع خفض ہے گویا اصل میں کملتہ ابیکم تھا۔ اور ہوسکتا ہے کہ الزموا کو محذوف مانا جائے اور ملتہ کو اس کا مفعول قرار دیا جائے۔ اس صورت میں یہ اسی آیت کی طرح ہو جائے گا دینا قیما الخ، اس نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے، ابراہیم علیہ السلام سے پہلے۔ کیونکہ ان کی دعا تھی کہ ہم دونوں باپ بیٹوں کو اور ہماری اولا دمیں سے بھی ایک گروہ کو مسلمان بنادے۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قول کچھ جچتا نہیں کہ پہلے سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلے سے ہو اس لئے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امت کا نام اس قرآن میں مسلم نہیں رکھا۔ "پہلے سے" کے لفظ کے معنی یہ ہیں کہ پہلی کتابوں میں ذکر میں اور اس پاک اور آخری کتاب میں۔ یہی قول حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا ہے اور یہی درست ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اس امت کی بزرگی اور فضیلت کا بیان ہے ان کے دین کے آسان ہونے کا ذکر ہے۔

دین اسلام کے سبب نجات کا بیان

پھر انہیں دین کی مزید رغبت دلانے کے لئے بتایا جا رہا ہے کہ یہ دین وہ ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام لے کر آئے تھے پھر اس امت کی بزرگی کے لئے اور انہیں مائل کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارا ذکر میری سابقہ کتابوں میں بھی ہے۔ مدتوں سے انبیاء کی آسمانی کتابوں میں تمھارے چرچے چلے آ رہے ہیں۔ سابقہ کتابوں کے پڑھنے والے تم سے خوب آگاہ ہیں پس اس قرآن سے پہلے اور اس قرآن میں تمہارا نام مسلم ہے اور خود اللہ کا رکھا ہوا ہے۔ نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جو شخص جاہلیت کے دعوے اب بھی کرے (یعنی باپ دادوں پر حسب نسب پر فخر کرے دوسرے مسلمانوں کو کمینہ اور ہلکا خیال کرے)

وہ جہنم کا ایندھن " ہے۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ وہ روزے رکھتا ہو؟ اور نمازیں بھی پڑھتا ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں اگر چہ وہ روزے دار اور نمازی ہو۔ یعنی مسلمین، مومنین اور عباد اللہ۔

ہم نے تمہیں عادل عمدہ بہتر امت اسلئے بنایا ہے اور اس لئے تمام امتوں میں تمہاری عدالت کی شہرت کر دی ہے کہ تم قیامت کے دن اور لوگوں پر شہادت دو۔ تمام اگلی امتیں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور فضیلت کا اقرار کریں گی۔ کہ اس امت کو اور تمام امتوں پر سرداری حاصل ہے اس لئے ان کی گواہی اس پر معتبر مانی جائے گی۔ اس بارے میں کہ اس کے رسولوں نے اللہ کا پیغام انہیں پہنچایا ہے، وہ تبلیغ کا فرض ادا کر چکے ہیں اور خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت پر شہادت دیں گے کہ آپ نے انہیں دین پہنچا دیا اور حق رسالت ادا کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ حج، بیروت)

امام ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں حضرت وہیب بن ورد سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم اپنے غصے کے وقت تو مجھے یاد کر لیا کر۔ میں بھی اپنے غضب کے وقت تجھے معاف فرما دیا کروں گا۔ اور جن پر میرا عذاب نازل ہوگا میں تجھے ان میں سے بچا لونگا۔ برباد ہونے والوں کے ساتھ تجھے برباد نہ کروں گا۔ اے ابن آدم جب تجھ پر ظلم کیا جائے تو صبر وضبط سے کام لے، مجھ پر نگاہیں رکھ، میری مدد پر بھروسہ رکھ میری امداد پر راضی رہ، یاد رکھ میں تیری مدد کروں یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ تو آپ اپنی مدد کرے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ حج، بیروت)

سورہ الحج کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ الحج کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے، اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

یہ قرآن مجید کی سورت مؤمنون ہے

سورت مؤمنون کی آیات وکلمات کی تعداد کا بیان

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ (مَكِّيَّةٌ وَ آيَاتُهَا 118 أَوْ 119 نَزَلَتْ بَعْدَ الْأَنْبِيَاء)

سورہ مؤمنون مکیہ ہے، اس میں چھ ٦ رکوع اور ایک سو اٹھارہ آیات ہیں اور ایک ہزار آٹھ سو چالیس کلمات اور چار ہزار آٹھ سو دو حروف ہیں۔ یہ سورت سورہ انبیاء کے بعد نازل ہوئی ہے۔

سورہ مؤمنون کی وجہ تسمیہ کا بیان

اس سورت مبارکہ کے شروع کی آیات میں اہل ایمان کے اوصاف اور اس کے بعد ان کے مقام آخرت کو بیان کیا گیا ہے پس اسی سبب سے اس سورت مبارکہ کا نام سورہ مؤمنون ہے۔

سورہ مؤمنون کے شان نزول کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کے پاس شہد کی مکھی کی طرح گنگناہٹ محسوس ہوئی۔ ایک مرتبہ وحی نازل ہوئی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ دیر ٹھہرے۔ جب وہ حالت ختم ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی طرف رخ کیا اور دونوں ہاتھ بلند کئے اور یہ دعا کی اے اللہ! ہمیں اور زیادہ دے اور کم نہ کر۔ ہمیں عزت دے ذلیل نہ کر۔ ہمیں عطا کر محروم نہ کر۔ ہمیں غالب کر مغلوب نہ کر۔ ہمیں بھی راضی کر اور خود بھی ہم سے راضی ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی دس آیات نازل کی گئی ہیں کہ اگر کوئی ان پر عمل کرے گا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت مومنون کی پہلی دس آیات پڑھیں قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

(جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1119)

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ○
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ○

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ○ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○

بیشک ایمان والے مراد پا گئے۔ جو لوگ اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ اور جو بیہودہ باتوں سے (ہر وقت) کنارہ کش رہتے ہیں۔ اور جو (ہمیشہ) زکوٰۃ ادا (کر کے اپنی جان و مال کو پاک) کرتے رہتے ہیں۔ اور جو (دائما) اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جو ان کے ہاتھوں کی مملوک ہیں، بیشک (احکام شریعت کے مطابق ان کے پاس جانے سے) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان (حلال عورتوں) کے سوا کسی اور کا خواہش مند ہوا تو ایسے لوگ ہی حد سے تجاوز کرنے والے (سرکش) ہیں۔ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی (مداومت کے ساتھ) حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ (جنت کے) وارث ہیں۔ یہ لوگ جنت کے سب سے اعلیٰ باغات کی وراثت پائیں گے، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

سورہ مؤمنون کی ابتدائی آیات میں اہل جنت کے اوصاف کا بیان

"قَدْ" لِلتَّحْقِيقِ "أَفْلَحَ" فَازَ، "الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتهمْ خَاشِعُونَ" مُتَوَاضِعُونَ "وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْو" مِنْ الْكَلَام وَغَيْره "وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ" مُؤَدُّونَ "وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ" عَنْ الْحَرَام "إِلَّا عَلَى أَزْوَاجهمْ" أَيْ مِنْ زَوْجَاتهمْ "أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانهمْ" أَيْ السَّرَارِي "فَإِنَّهُمْ غَيْر مَلُومِينَ" فِي إِتْيَانهنَّ

"فَمَنْ ابْتَغَى وَرَاء ذَلِكَ" مِنْ الزَّوْجَات وَالسَّرَارِي كَالِاسْتِمْنَاءِ بِالْيَدِ فِي إِتْيَانهنَّ "فَأُولَئِكَ هُمْ الْعَادُونَ" الْمُتَجَاوِزُونَ إِلَى مَا لَا يَحِلّ لَهُمْ

"وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ" جَمْعًا وَمُفْرَدًا "وَعَهْدهمْ" فِيمَا بَيْنهمْ أَوْ فِيمَا بَيْنهمْ وَبَيْن اللَّه مِنْ صَلَاة وَغَيْرهَا "رَاعُونَ" حَافِظُونَ

"وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَوَاتهمْ" جَمْعًا وَمُفْرَدًا "يُحَافِظُونَ" يُقِيمُونَهَا فِي أَوْقَاتهَا "أُولَئِكَ هُمْ الْوَارِثُونَ" لَا غَيْرهمْ "الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْس" هُوَ جَنَّة أَعْلَى الْجِنَان "هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ" فِي ذَلِكَ إِشَارَة إِلَى الْمَعَاد وَيُنَاسِبهُ ذِكْر الْمَبْدَأ بَعْده"

یہاں پر قد تحقیق کیلئے آیا ہے۔ بیشک ایمان والے مراد پا گئے۔ جو لوگ اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔ یعنی عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور جو بیہودہ باتوں سے ہر وقت کنارہ کش رہتے ہیں۔ اور جو ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اور جو اپنی شرم گاہوں کی حرام حفاظت کرتے رہتے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جو قید ہو کر ان کے ہاتھوں کی مملوک ہیں، بیشک (احکام

شریعت کے مطابق ان کے پاس جانے سے) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو شخص ان حلال عورتوں یعنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور کا خواہش مند ہوا جس طرح استمناء بالید ہے تو ایسے لوگ ہی حد سے تجاوز کرنے والے سرکش ہیں۔ یعنی جوان کیلئے حلال نہیں ہے۔ اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں۔ امانات یہ جمع اور مفرد کیلئے بھی آتا ہے۔ اور وعدے جو ان کے آپس میں اور جو ان کے درمیان اور اللہ کے درمیان جس طرح نماز وغیرہ ہے وہ رعایت کرتے ہیں یعنی حفاظت کرتے ہیں۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہاں پر صلوات کی دونوں قرأتیں جمع اور مفرد کی بھی ہے۔ اور حفاظت سے مراد ان کے اوقات میں ان کو قائم کرتے ہیں۔ یہی لوگ (جنت کے) وارث ہیں۔ ان کے سوا نہیں ہیں۔ یہ لوگ فردوس یعنی جنت کے سب سے اعلیٰ باغات کی وراثت بھی پائیں گے، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اس میں معاد کی جانب اشارہ ہے اور اس کے بعد مبداء کا ذکر کرنا مناسب ہے۔

سورہ مؤمنوں کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک منہ کی قریب شہد کی مکھی کی آواز کی مانند آواز سنی جاتی تھی چنانچہ ایک دن (ہمارے سامنے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی ہم تھوڑی دیر ٹھہرے رہے (یعنی ہم اس انتظار میں رہے کہ نزول وحی کی جو سختی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہے وہ ختم ہو جائے) جب سختی کی وہ کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ قبلہ کی طرف کیا اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض رساں ہوئے۔ دعا (اللّٰھم زدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تھنا واعطنا ولا تحرمنا واٰثرنا ولا توثر علینا وارضنا وارض عنا)۔ اے اللہ! ہماری دنیاوی اور اخروی نعمتوں یا مسلمانوں کی تعداد میں زیادتی کر اور ان نعمتوں یا مسلمانوں میں کمی نہ کر ہمیں دنیا میں حاجت روائی کے ساتھ اور عقبیٰ میں بلندی درجات کے ذریعہ معزز بنا اور ہمیں ان چیزوں سے محروم رکھ کر ذلیل نہ کر ہمیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرما اور ہمیں محروم نہ کر! ہمیں اپنی رحمت وعنایت کے ذریعہ برگزیدہ بنا اور ہم پر غیروں اپنے لطف وکرم کے ذریعہ برگزیدہ نہ بنایا کہ ہمارے دشمنوں کو ہم پر غالب نہ کر ہمیں اپنی قضاء قدر پر صبر و شکر کی توفیق عطا فرما کر راضی رکھ اور تو ہی ہماری تھوڑی سی بھی عبادت وطاعت پر ہم سے راضی ہو پھر آپ نے فرمایا ابھی مجھ پر دس آیتیں نازل ہوئی ہیں جو شخص ان پر عمل کرتا رہے وہ جنت میں نیکیوں کے ساتھ داخل ہوگا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ) 23۔ المومنون: 1-10) دس آیتوں تک پڑھی۔ (احمد، ترمذی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1025)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کلام الٰہی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے تو صحابہ حضرت جبرائیل کی آواز کو سنتے تو تھے مگر اسے سمجھ نہیں پاتے تھے جیسا کہ شہد کی مکھی کی آواز سنی تو جاتی ہے مگر سمجھ میں نہیں آتی اسی لئے حضرت جبرائیل کی اس آواز کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شہد کی مکھی کی آواز سے مشابہت دی۔ وہ دس آیتیں اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں اور جن پر عمل کرنے والے کے لئے مذکورہ بالا حدیث میں آپ صلی

اللہ علیہ وسلم نے بشارت عطا فرمائی یہ ہیں۔

بے شک ایمان والے رستگار ہو گئے (یعنی انہوں نے فلاح پائی) جو نماز میں باطنی وظاہری طور پر عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ چیزوں سے خواہ وہ کہنے کی ہوں یا کرنے کی منہ موڑتے رہتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو حرام کاری سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی کنیزوں سے صحبت کرتے ہیں تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ہاں جو اس کے علاوہ کے طالب ہوں یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے اور کنیزوں کے علاوہ دوسرے افعال بد میں مبتلا ہوں۔ مثلا اغلام بازی، جلق یا متعہ وغیرہ کریں تو وہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے یعنی دائرہ حلال سے تجاوز کرنے والے اور حرام میں مبتلا ہونے والے ہیں اور جو امانتوں اور عہد و پیمان کی محافظت کرتے ہیں اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں یعنی شرائط وآداب کے ساتھ نمازیں پابندی سے ادا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو وارث ہیں کہ یہی فردوس کے مالک ہوں گے جو جنت کا اعلیٰ درجہ ہے وہ لوگ (یعنی یہ مومنین جن کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں) اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ○
اور بیشک ہم نے انسان کی تخلیق مٹی کے خلاصہ سے فرمائی۔ پھر اسے نطفہ بنا کر ایک مضبوط جگہ میں رکھا۔

انسان کی ابتدائی تخلیق کا بیان

وَ" اللّٰهِ "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَان " آدَم "مِنْ سُلَالَة" هِيَ مِنْ سَلَلْت الشَّيْء مِنْ الشَّيْء أَيْ اسْتَخْرَجْته مِنْهُ وَهُوَ خُلَاصَته "مِنْ طِين " مُتَعَلِّق بِسُلَالَةٍ "ثُمَّ جَعَلْنَاهُ " أَيْ الْإِنْسَان نَسْل آدَم "نُطْفَة" مَنِيًّا "فِي قَرَار مَكِين" هُوَ الرَّحِم،

اور بیشک ہم نے انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی کے کیمیائی اجزاء کے خلاصہ سے فرمائی۔ یہاں پر من طین یہ سلالہ کے متعلق ہے پھر اسے یعنی انسان جو نسل آدم سے ہے کو نطفہ (تولیدی قطرہ) بنا کر ایک مضبوط جگہ (رحمِ مادر) میں رکھا۔

انسان کی تخلیق سے اُخروی مقام تک تقدیر ہونے کا بیان

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور وہ صادق ومصدوق تھے کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش ماں کے پیٹ میں پوری کی جاتی ہے چالیس دن تک (نطفہ رہتا ہے) پھر اتنے ہی دنوں تک مضغہ گوشت رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتوں کا حکم دے کر بھیجتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ اس کا عمل اس کا رزق اور اس کی عمر لکھ دے اور یہ (بھی لکھ دے) کہ وہ بدبخت (جہنمی) ہے یا نیک بخت (جنتی) پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے بیشک تم میں سے ایک آدمی ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور جنت کے درمیان (صرف) ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اس کا نوشتہ (تقدیر) غالب آجاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرنے لگتا ہے اور (ایک آدمی) ایسے عمل کرتا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان (صرف) ایک

گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اتنے میں تقدیر (الہی) اس پر غالب آ جاتی ہے اور وہ اہل جنت کے کام کرنے لگتا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد دوم: حدیث نمبر 468)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ
لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○
پھر ہم نے اس قطرے کو ایک جما ہوا خون بنایا، پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو ایک بوٹی بنایا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں
بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں کو کچھ گوشت پہنایا، پھر ہم نے اسے ایک اور صورت میں پیدا کر دیا، سو بہت برکت والا ہے
اللہ جو پیدا کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے۔

انسان کی ابتدائی تخلیق کے مختلف مراحل کا بیان

"ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً" دَمًا جَامِدًا "فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً" لَحْمَةً قَدْر مَا يُمْضَغ "فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَام لَحْمًا" وَفِي قِرَاءَة عَظْمًا فِي الْمَوْضِعَيْنِ وَخَلَقْنَا فِي الْمَوَاضِع الثَّلَاث بِمَعْنَى صَيَّرْنَا "ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَر" بِنَفْخِ الرُّوح فِيهِ "فَتَبَارَكَ اللَّه أَحْسَن الْخَالِقِينَ" أَيْ الْمُقَدِّرِينَ وَمُمَيِّز أَحْسَن مَحْذُوف لِلْعِلْمِ بِهِ : أَيْ خَلْقًا

پھر ہم نے اس قطرے کو ایک جما ہوا خون بنایا، پھر ہم نے اس جمے ہوئے خون کو ایک بوٹی بنایا، یعنی اتنی مقدار کا گوشت جس کو چبایا جا سکے۔ پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں کو کچھ گوشت پہنایا، ایک قرأت میں عظما دونوں مقامات پر آیا ہے۔ اور خلقنا تینوں مقامات پر صیرنا کے معنی میں آیا ہے۔ پھر ہم نے اسے ایک اور صورت میں پیدا کر دیا، یعنی اس میں روح پھونک دی۔ پس بہت برکت والا ہے اللہ جو پیدا کرنے والوں میں سب سے اچھا ہے۔ یہاں پر خالقین بہ معنی مقدرین ہے اور احسن ممیز محذوف ہے کیونکہ یہ معلوم ہے۔ جو خلقا ہے۔

انسان کی پیدائش اور جسمانی اعضاء کی تخلیق کا بیان

اللہ تعالیٰ انسانی پیدائش کی ابتدا بیان کرتا ہے کہ اصل آدم مٹی سے ہیں، جو کیچڑ کی اور بجنے والی مٹی کی صورت میں تھی پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پانی سے ان کی اولاد پیدا ہوئی۔ جیسے فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کر کے پھر انسان بنا کر زمین پر پھیلا دیا ہے۔ مسند میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک کی ایک مٹھی سے پیدا کیا، جسے تمام زمین پر سے لیا تھا۔ پس اسی اعتبار سے اولاد آدم کے رنگ روپ مختلف ہوئے، کوئی سرخ ہے، کوئی سفید ہے، کوئی سیاہ ہے، کوئی اور رنگ کا ہے۔ ان میں نیک ہیں اور بد بھی ہیں۔ آیت (ثم جعلنہ)۔ میں ضمیر کا مرجع جنس انسان کی طرف ہے۔

پس انسان کے لئے ایک مدت معین تک اس کی ماں کا رحم ہی ٹھکانہ ہوتا ہے جہاں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف اور

ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نطفے کی جو ایک اچھلنے والا پانی ہے جو مرد کی پیٹ سے عورت کے سینے سے نکلتا ہے شکل بدل کر سرخ رنگ کی بوٹی کی شکل میں بدل جاتا ہے پھر اسے گوشت کے ایک ٹکڑے کی صورت میں بدل دیا جاتا ہے جس میں کوئی شکل اور کوئی خط نہیں ہوتا۔ پھر ان میں ہڈیاں بنادیں سر ہاتھ پاؤں ہڈی رگ پٹھے وغیرہ بنائے اور پیٹھ کی ہڈی بنائی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انسان کا تمام جسم سڑ گل جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے۔ اسی سے پیدا کیا جاتا ہے اور اسی سے ترکیب دی جاتی ہے۔ پھر ان ہڈیوں کو وہ گوشت پہناتا ہے تا کہ وہ پوشیدہ اور قوی رہیں۔ پھر اس میں روح پھونکتا ہے جس سے وہ ہلنے جلنے چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے اور ایک جاندار انسان بن جائے۔ دیکھنے کی سننے کی سمجھنے کی اور حرکت وسکون کی قدرت عطا فرماتا ہے۔ وہ بابرکت اللہ سب سے اچھی پیدائش کا پیدا کرنے والا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نطفے پر چار مہینے گزر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو تین تین اندھیریوں میں اس میں روح پھونکتا ہے یہی معنی ہے کہ ہم پھر اسے دوسری ہی پیدائش میں پیدا کرتے ہیں یعنی دوسری قسم کی اس پیدائش سے مراد روح کا پھونکا جانا ہے پس ایک حالت سے دوسری اور دوسری سے تیسری کی طرف ماں کے پیٹ میں ہی ہیر پھیر ہونے کے بعد بالکل ناسمجھ بچہ پیدا ہوتا ہے پھر وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ جوان بن جاتا ہے پھر ادھیڑ پن آتا ہے پھر بوڑھا ہوجاتا ہے پھر بالکل ہی بڈھا ہوجاتا ہے الغرض روح کا پھونکا جانا پھر ان کے انقلابات کا آنا شروع ہوجاتا ہے۔

آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک کی پیدائش چالیس دن تک اس کی ماں کے پیٹ میں جمع ہوتی ہے پھر چالیس دن تک خون بستہ کی صورت میں رہتا ہے پھر چالیس دن تک وہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور بحکم الٰہی چار باتیں لکھ لی جاتی ہیں روزی، اجل، عمل، اور نیک یا بد، برا یا بھلا ہونا پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کہ ایک شخص جنتی عمل کرتا رہتا یہاں تک کہ جنت سے ایک ہاتھ دور رہ جاتا ہے لیکن تقدیر کا وہ لکھا غالب آجاتا ہے اور خاتمے کے وقت دوزخی کام کرنے لگتا ہے اور اسی پر مرتا ہے اور جہنم رسید ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان برے کام کرتے کرتے دوزخ سے ہاتھ بھر کے فاصلے پر رہ جاتا ہے لیکن پھر تقدیر کا لکھا آگے بڑھ جاتا ہے اور جنت کے اعمال پر خاتمہ ہوکر داخل فردوس بریں ہوجاتا ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نطفہ جب رحم میں پڑتا ہے تو وہ ہر ہر بال اور ناخن کی جگہ پہنچ جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد اس کی شکل جمے ہوئے خون جیسی ہوجاتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب سے باتیں بیان کررہے تھے کہ ایک یہودی آ گیا تو کفار قریش نے اس سے کہا یہ نبوت کے دعویدار ہیں اس نے کہا اچھا میں ان سے ایک سوال کرتا ہوں جسے نبیوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ آپ کی مجلس میں آکر بیٹھ کر پوچھتا ہے کہ بتاؤ انسان کی پیدائش کس چیز سے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا مرد وعورت کے نطفے سے۔ مرد کا نطفہ غلیظ اور گاڑھا ہوتا ہے اس سے ہڈیاں اور پٹھے بنتے ہیں اور عورت کا نطفہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے اس سے گوشت اور خون بنتا ہے۔ اس نے کہا۔ آپ سچے ہیں اگلے نبیوں کا بھی یہی قول ہے۔ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب نطفے کو رحم میں چالیس دن گزر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے دریافت کرتا ہے کہ اے اللہ یہ نیک ہوگا یا بد؟ مرد ہوگا یا عورت؟ جو جواب ملتا ہے وہ لکھ لیتا ہے اور عمل، عمر، اور نرمی گرمی سب کچھ لکھ لیتا ہے پھر دفتر لپیٹ لیا جاتا ہے اس میں پھر کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں رہتی بزار کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہے جو عرض کرتا ہے اے اللہ اب نطفہ ہے، اے اللہ اب لوتھڑا ہے، اے اللہ اب گوشت کا ٹکڑا ہے۔ جب جناب باری تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہتا ہے وہ پوچھتا ہے اے اللہ مرد ہو یا عورت، شقی ہو یا سعید؟ رزق کیا ہے؟ اجل کیا ہے؟ اس کا جواب دیا جاتا ہے اور یہ سب چیزیں لکھ لی جاتی ہیں ان سب باتوں اور اتنی کامل قدرتوں کو بیان فرما کر فرمایا کہ سب سے اچھی پیدائش کرنے والا اللہ برکتوں والا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے جب یہ آیت اتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا ہے تو بے ساختہ میری زبان سے فتبارك الله احسن الخالقين نکلا۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمنون، بیروت)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ
سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ قلے وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝
پھر بیشک تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو۔ پھر بیشک تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے
تمھارے اوپر سات راستے بنائے اور ہم کبھی مخلوق سے غافل نہیں۔

حساب وجزاء کیلئے قیامت کے دن اٹھائے جانے کا بیان

"ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَة تُبْعَثُونَ" لِلْحِسَابِ وَالْجَزَاء "وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقكُمْ سَبْع طَرَائِق" أَيْ سَمَاوَات: جَمْع طَرِيقَة لِأَنَّهَا طُرُق الْمَلَائِكَة "وَمَا كُنَّا عَنْ الْخَلْق" الَّتِي تَحْتهَا "غَافِلِينَ" أَنْ تَسْقُط عَلَيْهِمْ فَتُهْلِكهُمْ بَلْ نُمْسِكهَا كَآيَةِ "وَيُمْسِك السَّمَاء أَنْ تَقَع عَلَى الْأَرْض"

پھر بیشک تم قیامت کے دن حساب اور جزاء کیلئے اٹھائے جاؤ گے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم نے تمھارے اوپر سات راستے بنائے یعنی آسمان۔ لفظ طرائق یہ طریقہ کی جمع ہے یعنی فرشتوں کے راستے۔ اور ہم کبھی بھی ماتحت مخلوق سے غافل نہیں۔ یہ ان کو ان پر گرا دیں تو وہ ان کو ہلاک کر دیں بلکہ ہم نے ان آسمانوں کو روک رکھا ہے۔ جس طرح دوسری آیت میں ہے۔ "وَيُمْسِك السَّمَاء أَنْ تَقَع عَلَى الْأَرْض"

طرائق سبعہ کا بیان

طرائق، طریقہ کی جمع ہے مراد آسمان ہیں عرب، اوپر تلے چیز کو بھی کہتے ہیں آسمان بھی اوپر تلے ہیں اس لئے انہیں طرائق کہا۔ یا طریقہ بمعنی راستہ ہے، آسمان ملائکہ کے آنے جانے یا ستاروں کی گزرگاہ ہے، اس لئے انہیں طرائق قرار دیا۔ خَلَق سے

مراد مخلوق ہے۔یعنی آسمانوں کو پیدا کر کے ہم اپنی زمینی مخلوق سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم نے آسمانوں کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھا ہے تاکہ مخلوق ہلاک نہ ہو۔یا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کی مصلحتوں اوران کی ضروریات زندگی سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ ہم اس کے انتظام کرتے ہیں۔اور بعض نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ زمین سے جو کچھ نکلتا یا داخل ہوتا،اسی طرح آسمان سے جو اترتا اور چڑھتا ہے،سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر وہ نظر رکھتا ہے اور ہر جگہ وہ اپنے علم کے لحاظ سے تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۟ۚ
اور ہم نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ کچھ پانی اتارا،پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور یقیناً ہم اسے کسی بھی
طرح لے جانے پر ضرور قادر ہیں۔

مقدار کفایت کے مطابق آسمان سے پانی نازل کرنے کا بیان

"وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ " مِنْ كِفَايَتِهِمْ "فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْض وَإِنَّا عَلَى ذَهَاب بِهِ لَقَادِرُونَ". فَيَمُوتُونَ مَعَ دَوَابّهمْ عَطَشًا

اور ہم نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ کچھ پانی اتارا،جو ان کیلئے کافی ہو۔پھر اسے زمین میں ٹھہرایا اور یقیناً ہم اسے کسی بھی طرح لے جانے پر ضرور قادر ہیں۔پس وہ تو اپنے جانورں سمیت مر جاتے۔

اللہ تعالیٰ کی یوں تو بے شمار اوران گنت نعمتیں ہیں۔لیکن چند بڑی بڑی نعمتوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے کہ وہ آسمان سے بقدر حاجت وضرورت بارش برساتا ہے۔نہ تو بہت زیادہ کہ زمین خراب ہو جائے اور پیداوار گل سڑ جائے۔نہ بہت کم کہ پھل اناج وغیرہ پیدا ہی نہ ہو۔بلکہ اس اندازے سے کہ کھیتی سرسبز رہے،باغات ہرے بھرے رہیں۔حوض،تالاب،نہریں ندیاں،نالے،دریا بہہ نکلیں نہ پینے کی کمی ہو نہ پلانے کی۔یہاں تک کہ جس جگہ زیادہ بارش کی ضرورت ہوتی ہے زیادہ ہوتی ہے اور جہاں کم کی ضرورت ہوتی ہے کم ہوتی ہے اور جہاں کی زمین اس قابل ہی نہیں ہوتی وہاں پانی نہیں برستا۔

لیکن ندیوں اور نالوں کے ذریعہ وہاں قدرت برساتی پانی پہنچا کر وہاں کی زمین کو سیراب کر دیتی ہے۔جیسے کہ مصر کے علاقہ کی زمین جو دریائے نیل کی تری سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔اسی پانی کے ساتھ سرخ مٹی کھینچ کر جاتی ہے جو حبشہ کے علاقہ میں ہوتی ہے وہاں کی بارش کے ساتھ مٹی بہہ کر پہنچتی ہے جو زمین پر ٹھہر جاتی ہے اور زمین قابل زراعت ہو جاتی ہے ورنہ وہاں کی شور زمین کھیتی باڑی کے قابل نہیں۔(تفسیر ابن کثیر،سورہ مؤمنون،بیروت)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۟ۙ
پھر ہم نے تمہارے لئے اس سے کھجور اور انگور کے باغات بنا دیئے۔تمہارے لئے زمین میں بہت سے پھل
اور میوے اور تم ان میں سے کھاتے ہو۔

زمین میں مختلف پھلوں کے ہونے کا بیان

"فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّات مِنْ نَخِيل وَأَعْنَاب" هُمَا أَكْثَر فَوَاكِه الْعَرَب "لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِه كَثِيرَة وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ" صَيْفًا وَشِتَاء

پھر ہم نے تمہارے لئے اس سے کھجور اور انگور کے باغات بنا دیئے، کیونکہ یہ دونوں پھل اکثر عرب میں پائے جاتے تھے تمہارے لئے زمین میں اور بھی بہت سے پھل اور میوے پیدا کئے اور تم ان میں سے موسم سردی اور موسم گرمی میں کھاتے ہو۔

آسمانی بارش سے رب العالمین تمہارے لئے روزیاں اگاتا ہے، لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں، کہیں سرسبز باغ ہیں جو خوش نما اور خوش منظر ہونے کے علاوہ مفید اور فیض والے ہیں۔ کھجور انگور جو اہل عرب کا دل پسند میوہ ہے۔ اور اسی طرح ہر ملک والوں کے لئے الگ الگ طرح طرح کے میوے اس نے پیدا کر دیے ہیں۔ جن کے حصول کے عوض اللہ کے شکر گزاری بھی کسی کے بس کی نہیں۔ بہت میوے تمہیں اس نے دے رکھے ہیں جن کی خوبصورتی بھی تم دیکھتے ہو اور ان کے ذائقے سے بھی کھا کر فائدہ اٹھاتے ہو۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ٥
اور یہ درخت۔ جو طور سینا سے نکلتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اگتا ہے۔

زیتون کے فوائد کا بیان

"وَ" أَنْشَأْنَا "شَجَرَة تَخْرُج مِنْ طُور سَيْنَاء" جَبَل بِكَسْرِ السِّين وَفَتْحهَا وَمَنْع الصَّرْف لِلْعَلَمِيَّةِ وَالتَّأْنِيث لِلْبُقْعَةِ "تَنْبُت" مِنْ الرُّبَاعِيّ وَالثُّلَاثِيّ "بِالدُّهْنِ" الْبَاء زَائِدَة عَلَى الْأَوَّل وَمُعَدِّيَة عَلَى الثَّانِي وَهِيَ شَجَرَة الزَّيْتُون "وَصِبْغ لِلْآكِلِينَ" عَطْف عَلَى الدُّهْن أَيْ إدَام يَصْبُغ اللُّقْمَة بِغَمْسِهَا فِيهِ وَهُوَ الزَّيْت،

اور یہ درخت (زیتون بھی ہم نے پیدا کیا ہے) جو طور سینا سے نکلتا ہے۔ طور پہاڑ ہے، جو سین کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے اور علمیت اور تانیث کے سبب یہ غیر منصرف ہے۔ جس کا معنی بقعہ ہے۔ اور تنبت یہ رباعی اور ثلاثی دونوں سے درست ہے۔ اور بالدہن میں باء پہلی صورت میں زائدہ ہے جبکہ دوسری دوسری صورت میں با برائے تعدیت ہے۔ اور وہ زیتون کا درخت ہے۔ تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن لے کر اگتا ہے۔ اس جملے کا عطف دہن پر ہے۔ یعنی جب اس سالن سے لقمہ لگایا جاتا ہے تو وہ زیتون کا تیل اس کو رنگ دیتا ہے۔

زیتون کے تیل وغیرہ کی تعریف کا بیان

طور سینا وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بات چیت کی تھی اور اس کے ارد گرد کی پہاڑیاں طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو ہرا اور درختوں والا ہو ورنہ اسے جبل کہیں گے طور نہیں کہیں گے۔ پس طور سینا میں جو درخت زیتون پیدا ہوتا ہے

اس میں سے تیل نکلتا ہے جو کھانے والوں کو سالن کا کام دیتا ہے۔ حدیث میں ہے زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ وہ مبارک درخت میں سے نکلتا ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک صاحب عاشورہ کی شب کو مہمان بن کر آئے تو آپ نے انہیں اونٹ کی سری اور زیتون کھلایا اور فرمایا یہ اس مبارک درخت کا تیل ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ
وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ وَعَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۠
اور بیشک تمہارے لیے چوپایوں میں سمجھنے کا مقام ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں اس میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے اور تمہارے
لیے ان میں بہت فائدے ہیں۔ اور ان سے تمہاری خوراک ہے۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو۔

جانوروں میں فوائد ہونے کا بیان

"وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَام" الْاِبِل وَالْبَقَر وَالْغَنَم "لَعِبْرَة" عِظَة تَعْتَبِرُونَ بِهَا "نُسْقِيكُمْ" بِفَتْحِ النُّون وَضَمّهَا "مِمَّا فِي بُطُونهَا" اللَّبَن "وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِع كَثِيرَة" مِنْ الْاَصْوَاف وَالْاَوْبَار وَالْاَشْعَار وَغَيْر ذَلِكَ، وَمِنْهَا تَاْكُلُونَ، "وَعَلَيْهَا" الْاِبِل "وَعَلَى الْفُلْك" السُّفُن،

اور بیشک تمہارے لیے چوپایوں یعنی اونٹ، گائے اور بکری میں عبرت یعنی سمجھنے کا مقام ہے، ہم تمہیں پلاتے ہیں۔ یہاں پر نسقی نون کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اس میں سے جو ان کے پیٹ میں دودھ ہے اور تمہارے لیے ان میں اون، بالوں وغیرہ میں بہت فائدے ہیں۔ اور ان سے تمہاری خوراک ہے۔ اور ان اونٹوں پر اور کشتیوں پر تم سوار کئے جاتے ہو۔

جانوروں میں حیران کن صنعت کا بیان

چوپایوں میں عبرت یا حیران کن بات یہ ہے کہ گھاس پھوس کھانے والے اور چرنے والے مویشی (ماداؤں) کے جسم میں جب غذا جاتی ہے تو اس سے خون اور فضلہ یا گوبر کے علاوہ ایک تیسری چیز بھی بنتی ہے۔ جو اوصاف میں ان دونوں چیزوں سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ خون اور گوبر دونوں نجس اور حرام چیزیں ہیں۔ جبکہ دودھ نہایت پاکیزہ، حلال، طیب، انتہائی سفید رنگ، مزہ میں شیریں اور پینے میں خوشگوار ہوتا ہے اور مکمل غذا کا کام دیتا ہے۔ اس سے بھوک بھی دور ہو جاتی ہے اور پیاس بھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ محیر العقول کارنامہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماداؤں کے جسم میں ایسی مشینری فٹ کر دی ہے جو گھاس پھوس سی چیز کو ایک نہایت اعلیٰ اور قیمتی چیز میں تبدیل کر دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ یہ مشینری صرف اس وقت حرکت میں آتی ہے۔ جب حمل قرار پا جائے اور اس کا نتیجہ فوری طور پر نہیں نکلتا۔ بلکہ بچہ کے وضع ہونے کے وقت تک یہ مشینری خود کو دودھ میں تبدیل کر دینے

کے قابل بن جاتی ہے ادھر پیدا ہوتا ہے تو ادھر ماں کے پستان دودھ سے بھر جاتے ہیں اور بچہ پیدا ہوتے ہی جب ماں کے پستانوں کی طرف لپکتا ہے تو اسے فوراً یہ قدرتی غذا مہیا ہو جاتی ہے جبکہ وہ کوئی اور غذا کھانے کے قابل ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر ماں کو حمل قرار نہ پائے تو اس بات کے باوجود کہ دودھ بنانے والی یہی گوشت پوست اور رگ ریشہ پر مشتمل یہ مشینری اس کے اندر موجود ہے۔ کبھی اپنا کام نہ کرے گا اور نہ دودھ بے گانہ پستانوں میں اترے گا۔

مویشیوں کی ایک ایک چیز انسان کے کام کی چیز ہے۔ ان کی کھال، ان کے بال، ان کی ہڈیاں، غرضیکہ ہر چیز سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ زندہ ہوں تو ان پر سواری بھی کرتا ہے اور یہ کھیتی باڑی اور بار برداری کے کام بھی آتے ہیں۔ پھر ان کا گوشت انسان بطور خوراک بھی استعمال کرتا ہے اور دودھ جو ان سے حاصل ہوتا ہے وہ ان سب فوائد سے بڑھ کر ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
اور بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی عبادت کیا کرو
اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تو کیا تم نہیں ڈرتے؟

حضرت نوح علیہ السلام کا قوم کو پیغام توحید دینے کا بیان

"وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَى قَوْمه فَقَالَ يَا قَوْم اُعْبُدُوا اللّٰه" أَطِيعُوا اللّٰه وَوَحِّدُوهُ "مَا لَكُمْ مِنْ إِلَه" وَهُوَ اسْم مَا وَمَا قَبْله الْخَبَر وَمِنْ زَائِدَة "أَفَلَا تَتَّقُونَ" تَخَافُونَ عُقُوبَته بِعِبَادَتِكُمْ غَيْره،

اور بیشک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے فرمایا: اے لوگو! تم اللہ کی عبادت کیا کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، یہاں پر لفظ الہ یہ ما کا اسم ہے اور لفظ الہ کا ماقبل یعنی لکم یہ ما کی خبر ہے اور من زائدہ ہے۔ تو کیا تم نہیں ڈرتے؟ یعنی تم اپنے دوسرے معبودوں کی عبادت کر کے اس کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو؟

نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر بنا کر ان کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ نے ان میں جا کر پیغام الٰہی پہنچایا کہ اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہاری عبادت کا حقدار کوئی نہیں۔ تم اللہ کے سوا اس کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہوئے اللہ سے ڈرتے نہیں ہو؟

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝
تو ان کی قوم کے سردار جو کفر کر رہے تھے کہنے لگے: یہ شخص محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، یہ تم پر فضیلت و برتری قائم کرنا
چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو اتار دیتا، ہم نے تو یہ بات اپنے اگلے آباء و اجداد میں نہیں سنی۔

قوم نوح کا باپ دادا کی گمراہی پر اڑے رہنے کا بیان

"فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمه" لِأَتْبَاعِهِمْ "مَا هَذَا إِلَّا بَشَر مِثْلكُمْ يُرِيد أَنْ يَتَفَضَّل" يَتَشَرَّف "عَلَيْكُمْ" بِأَنْ يَكُون مَتْبُوعًا وَأَنْتُمْ أَتْبَاعه "وَلَوْ شَاءَ اللَّه" أَنْ لَا يُعْبَد غَيْره "لَأَنْزَلَ مَلَائِكَة" بِذَلِكَ لَا بَشَرًا "مَا سَمِعْنَا بِهَذَا" الَّذِي دَعَا إِلَيْهِ نُوح مِنْ التَّوْحِيد "فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ" الْأُمَم الْمَاضِيَة

تو ان کی قوم کے سردار یعنی جن کی وہ اتباع کرتے تھے، جو کفر کر رہے تھے کہنے لگے: یہ شخص محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے اس کے سوا کچھ نہیں، یہ تم پر اپنی فضیلت و برتری قائم کرنا چاہتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا کہ اس کے سوا کی عبادت نہ ہو تو فرشتوں کو اتار دیتا، نہ کہ کسی انسان کو، ہم نے تو یہ بات یعنی جس توحید کی طرف نوح علیہ السلام بلاتے ہیں، اپنے اگلے آباء و اجداد یعنی سابقہ قوموں میں کبھی نہیں سنی۔

قوم کے بڑوں نے اور سرداروں نے کہا یہ تو تم جیسا ہی ایک انسان ہے۔ نبوت کا دعویٰ کر کے تم سے بڑا بننا چاہتا ہے سرداری حاصل کرنے کی فکر میں ہے بھلا انسان کی طرف وحی کیسے آتی؟ اللہ کا ارادہ نبی بھیجنے کا ہوتا تو کسی آسمانی فرشتے کو بھیج دیتا۔ یہ تو ہم نے کیا، ہمارے باپ دادوں نے بھی نہیں سنا کہ انسان اللہ کا رسول بن جائے۔ یہ تو کوئی دیوانہ شخص ہے کہ ایسے دعوے کرتا ہے اور ڈینگیں مارتا ہے۔ اچھا خاموش رہو دیکھ لو ہلاک ہوگا۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّى حِينٍ ○ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ○
یہ نہیں ہے مگر ایک آدمی، جسے ایک جنون ہے، سو ایک وقت تک اس کے بارے میں انتظار کرو۔ اس نے کہا: اے میرے رب!
میری مدد کر، اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی گستاخی کرنے کے سبب ہلاکت کی دعا بیان

"إِنْ هُوَ" مَا نُوح "إِلَّا رَجُل بِهِ جِنَّة" حَالَة جُنُون "فَتَرَبَّصُوا بِهِ" انْتَظِرُوهُ "حَتَّى حِين" إِلَى زَمَن مَوْته، "قَالَ" نُوح "رَبّ انْصُرْنِي" عَلَيْهِمْ "بِمَا كَذَّبُونِ" بِسَبَبِ تَكْذِيبهمْ إِيَّايَ بِأَنْ تُهْلِكهُمْ قَالَ تَعَالَى مُجِيبًا دُعَاءَهُ،

یہ یعنی نوح علیہ السلام نہیں ہیں مگر ایک آدمی، جسے ایک جنون ہے، یعنی جنون کی حالت میں ہیں۔ سو ایک وقت تک یعنی ان کے وصال تک ان کے بارے میں انتظار کرو۔ تو حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! میری مدد کر، اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ یعنی میری تکذیب کر کے مجھے جھٹلایا ہے لہٰذا تو انہیں ہلاک کر دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا۔

جب نوح علیہ السلام ان سے تنگ آ گئے اور مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میرے پروردگار میں لاچار ہو گیا ہوں میری

مدد فرما۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ
فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ
وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝
پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ سو جب ہمارا حکم آ جائے اور تنور ابلنے لگے
تو تم اس میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو جوڑے بٹھالینا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان میں سے اس شخص کے جس پر فرمان
پہلے ہی صادر ہو چکا ہے، اور مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں کچھ عرض بھی نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا ہے، وہ ڈبو دیئے جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں اہل ایمان کیلئے نجات کا بیان

"فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعْ الْفُلْكَ" السَّفِينَة "بِأَعْيُنِنَا" بِمَرْأًى مِنَّا وَحِفْظِنَا "وَوَحْيِنَا" أَمْرِنَا "فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا" بِإِهْلَاكِهِمْ "وَفَارَ التَّنُّور" لِلْخَبَّازِ بِالْمَاءِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَامَة لِنُوحٍ "فَاسْلُكْ فِيهَا" أَيْ أَدْخِلْ فِي السَّفِينَة "مِنْ كُلّ زَوْجَيْنِ" ذَكَر وَأُنْثَى أَيْ مِنْ كُلّ أَنْوَاعهمَا "اثْنَيْنِ" ذَكَرًا وَأُنْثَى وَهُوَ مَفْعُول وَمِنْ مُتَعَلِّقَة بِاسْلُكْ وَفِي الْقِصَّة أَنَّ اللّٰه تَعَالَى حَشَرَ لِنُوحٍ السِّبَاع وَالطَّيْر وَغَيْرهمَا فَجَعَلَ يَضْرِب بِيَدَيْهِ فِي كُلّ نَوْع فَتَقَع يَده الْيُمْنَى عَلَى الذَّكَر وَالْيُسْرَى عَلَى الْأُنْثَى فَيَحْمِلهُمَا فِي السَّفِينَة وَفِي قِرَاءَة كُلّ بِالتَّنْوِينِ فَزَوْجَيْنِ مَفْعُول وَاثْنَيْنِ تَأْكِيد لَهُ "وَأَهْلَك" زَوْجَته وَأَوْلَاده "إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْل مِنْهُمْ" بِالْإِهْلَاكِ وَهُوَ زَوْجَته وَوَلَده كَنْعَان بِخِلَافِ سَام وَحَام وَيَافِث فَحَمَلَهُمْ وَزَوْجَاتهمْ ثَلَاثَة وَفِي سُورَة هُود "وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيل" قِيلَ كَانُوا سِتَّة رِجَال وَنِسَاؤُهُمْ وَقِيلَ جَمِيع مَنْ كَانَ فِي السَّفِينَة ثَمَانِيَة وَسَبْعُونَ نِصْفهمْ رِجَال وَنِصْفهمْ نِسَاء "وَلَا تُخَاطِبنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا" كَفَرُوا بِتَرْكِ إِهْلَاكهمْ، إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ،

پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم ہماری نگرانی یعنی ہماری حفاظت میں ہمارے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ سو جب ہمارا حکم ہلاکتا جائے اور نان والے کا تنور بھر کر پانی ابلنے لگے۔ اور یہ حضرت نوح علیہ السلام کیلئے علامت تھی۔ تو تم اس میں ہر قسم کے جانوروں میں سے دو دو جوڑے نر و مادہ بٹھالینا یہاں پر اثنین یہ اسلک کا مفعول ہے۔ اور من کل یہ اسلک کے متعلق ہے۔ اور قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کیلئے چرند و پرند وغیرہ جو جمع کر لیا۔ حضرت نوح علیہ السلام ہر قسم پر اپنے دونوں ہاتھوں کو ڈالتے تو دایاں ہاتھ مذکر جنس پر جبکہ بایاں ہاتھ مؤنث جنس پر پڑتا تھا۔ تو آپ انہیں اپنی کشتی میں سوار کر لیتے۔ یہاں پر ایک قرأت کے مطابق کل یہ تنوین کے ساتھ آیا ہے۔ تو زوجین مفعول جبکہ اثنین اس کی تاکید ہے۔ اور اپنے گھر والوں یعنی زوجہ محترمہ

اور اولاد کو بھی اس میں سوار کر لینا سوائے ان میں سے اس شخص کے جس پر فرمان عذاب پہلے ہی صادر ہو چکا ہے، یعنی وہ بیوی اور بیٹا کنعان ہے جبکہ آپ نے سام، حام اور یافث اور تین ازواج کو آپ نے کشتی پر سوار کر لیا۔ اور سورہ ہود میں ہے کہ آپ پر بہت قلیل لوگ ایمان لائے۔ اور کہا گیا ہے وہ چھ مرد اور ان کی عورتیں تھیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی کشتی میں ۷۸ لوگ تھے جن میں نصف مرد اور نصف عورتیں تھیں۔ اور مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں کچھ عرض بھی نہ کرنا جنہوں نے تمہارے انکار واستہزاء کی صورت میں ظلم کیا ہے، وہ بہر طور ڈبو دیئے جائیں گے۔

جھٹلانے والوں پر مجھے غالب کر اسی وقت فرمان الٰہی آیا کہ کشتی بناؤ اور خوب مضبوط چوڑی چکلی۔ اس میں ہر قسم کا ایک ایک جوڑا رکھ لو حیوانات نباتات پھل وغیرہ وغیرہ اور اسی میں اپنے والوں کو بھی بٹھا لو مگر جس پر اللہ کی طرف سے ہلاکت سبقت کر چکی ہے جو ایمان نہیں لائے۔ جیسے آپ کی قوم کے کافر اور آپ کا لڑکا اور آپ کی بیوی۔ واللہ اعلم۔ اور جب تم عذاب آسمانی بصورت بارش اور پانی آتا دیکھو پھر مجھ سے ان ظالموں کی سفارش نہ کرنا۔ پھر ان پر رحم نہ کرنا نہ ان کے ایمان کی امید رکھنا۔ بس پھر تو یہ سب غرق ہو جائیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوگا۔ اس کا پورا قصہ سورۃ ھود کی تفسیر میں گزر چکا ہے ہے اس لئے ہم نہیں دہراتے۔ جب تو اور تیرے مومن ساتھی کشتی پر سوار ہو جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی جیسے فرمان ہے کہ اللہ نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے ہیں تاکہ تم سواری لے کر اپنے رب کی نعمت کو مانو اور سوار ہو کر کہو کہ وہ اللہ پاک ہے جس نے ان جانوروں کو ہمارے تابع بنا دیا ہے حالانکہ ہم میں خود اتنی طاقت نہ تھی بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے یہی کہا اور فرمایا آؤ اس میں بیٹھ جاؤ اللہ کے نام کے ساتھ اس کا چلنا اور ٹھیرنا ہے پس شروع چلنے کے وقت بھی اللہ کو یاد کیا۔ اور جب وہ ٹھیرنے لگی تب بھی اللہ کو یاد کیا اور دعا کی کہ اے اللہ مجھے مبارک منزل پر اتارنا اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے اس میں یعنی مومنوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت میں انبیاء کی تصدیق کی نشانیاں ہیں اللہ کی الوہیت کی علامتیں ہیں اس کی قدرت اس کا علم اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ یقیناً رسولوں کو بھیج کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش اور ان کا پورا امتحان کر لیتا ہے۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ وَ
قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ○ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ○
پھر جب تم اور تمہاری سنگت والے کشتی میں ٹھیک طرح سے بیٹھ جائیں تو کہنا ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں
ظالم قوم سے نجات بخشی۔ اور عرض کرنا: اے میرے رب! مجھے بابرکت منزل پر اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔
"بیشک اس میں نشانیاں ہیں اور یقیناً ہم آزمائش کرنے والے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعہ میں دلائل ہونے کا بیان

"فَإِذَا اسْتَوَيْتَ" اعْتَدَلْتَ "أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ " الْكَافِرِينَ وَإِهْلَاكِهِمْ، "وَقُلْ" عِنْدَ نُزُولِكَ مِنَ الْفُلْكِ "رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا" بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِ الزَّايِ مَصْدَرًا وَاسْمِ مَكَانٍ وَبِفَتْحِ الْمِيمِ وَكَسْرِ الزَّايِ مَكَانِ النُّزُولِ "مُبَارَكًا" ذَلِكَ الْإِنْزَالِ أَوِ الْمَكَانِ "وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ" مَا ذُكِرَ، إِنَّ فِي ذَلِكَ" الْمَذْكُورِ مِنْ أَمْرِ نُوحٍ وَالسَّفِينَةِ وَإِهْلَاكِ الْكُفَّارِ "لَآيَاتٍ" دَلَالَاتٍ عَلَى قُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالَى "وَإِنْ" مُخَفَّفَةٌ مِنَ الثَّقِيلَةِ وَاسْمُهَا ضَمِيرُ الشَّأْنِ "كُنَّا لَمُبْتَلِينَ" مُخْتَبِرِينَ قَوْمَ نُوحٍ بِإِرْسَالِهِ إِلَيْهِمْ وَوَعْظِهِ،

پھر جب تم اور تمہاری سنگت والے لوگ کشتی میں ٹھیک طرح سے بیٹھ جائیں تو کہنا کہ ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم یعنی کفار اور ان کی طرح ہلاکت سے نجات بخشی۔ اور کشتی سے اترتے وقت عرض کرنا: اے میرے رب! مجھے با برکت منزل پر اتار۔ یہاں پر لفظ منزلا یہ میم کے ضمہ اور زاء کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے اور اسم مکان ہے اور میم کے فتحہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ یہ ظرف مکان ہے۔ یعنی نزول کی جگہ ہے۔ اور تو سب سے بہتر جگہ کا مکان پر اتارنے والا ہے۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بیشک اس واقعہ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر اور کشتی اور کفار کی ہلاکت میں بہت سی نشانیاں یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلائل ہیں یہاں اِن مخففہ جو ثقل سے آیا ہے۔ اور اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ جو محذوف ہے اور یقیناً ہم آزمائش کرنے والے ہیں۔ یعنی ان کی جانب نوح علیہ السلام کو پیغام حق نصیحت دیکر بھیجنے والے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت کا بیان

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۚ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قوم کو پیدا فرمایا۔ پھر ان میں انھی سے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو،
اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں؟

"ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا" قَوْمًا "آخَرِينَ" هُمْ عَادٌ "فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ" هُودًا "أَنْ" بِأَنْ "اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ" عِقَابَهُ فَتُؤْمِنُونَ

پھر ہم نے ان کے بعد دوسری قوم یعنی قوم عاد کو پیدا فرمایا۔ پھر ان میں انھی سے ایک رسول حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم ڈرتے نہیں؟ یعنی تم اس کے عذاب سے ڈرو تا کہ ایمان لے آؤ۔

قوم عاد وثمود کا بیان

اللہ تعالیٰ بیان فرتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی بہت سی امتیں آئیں جیسے عاد جوان کے بعد آئی یا ثمود قوم جن پر چیخ کا عذاب آیا تھا۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے ان میں بھی اللہ کے رسول علیہ السلام آئے اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی تعلیم دی لیکن انہوں نے جھٹلایا، مخالفت کی، اتباع سے انکار کیا۔ محض اس بنا پر کے یہ انسان ہیں۔ قیامت کو بھی نہ مانا، جسمانی حشر کے منکر بن گئے اور کہنے لگے کہ یہ بالکل دوراز قیاس ہے۔ بعثت ونشر، حشر وقیامت کوئی چیز نہیں۔ اس شخص نے یہ سب باتیں ازخود گھڑ لی ہیں ہم ایسی فضول باتوں کے ماننے والے نہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور ان پر مدد طلب کی۔ اسی وقت جواب ملا کہ تیری ناموافقت ابھی ابھی ان پر عذاب بن کر برسے گی اور یہ اُٹھ کرآنسو روئیں گے۔ آخر ایک زبردست چیخ اور بے پناہ چنگھاڑ کے ساتھ سب تلف کر دیئے گئے اور وہ مستحق بھی اسی کے تھے۔ تیز وتند آندھی اور پوری طاقتور ہوا کے ساتھ ہی فرشتے کی دل دہلانے والی خوف ناک آواز نے انہیں پارہ پارہ کر دیا وہ ہلاک اور تباہ ہو گئے۔ بھوسہ بن کر اڑ گئے۔ صرف مکانات کے کھنڈران گئے گزرے ہوئے لوگوں کی نشاندہی کے لئے رہ گئے وہ کوڑے کرکٹ کی طرح ناچیز محض ہو گئے۔ ایسے ظالموں کے لئے دوری ہے۔ ان پر رب نے ظلم نہیں کیا بلکہ انہی کا کیا ہوا تھا جوان کے سامنے آیا پس اے لوگو! تمہیں بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے ڈرنا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمنون، بیروت)

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝
اوران کی قوم کے سردار بول اٹھے جو کفر کر رہے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں آسودگی
دے رکھی تھی کہ یہ شخص تو محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، وہی چیزیں کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔

تعلیمات نبوت اور آخرت کی تکذیب کرنے والوں کا بیان

"وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ" بِالْمَصِيْرِ اِلَيْهَا "وَاَتْرَفْنَاهُمْ" نَعَّمْنَاهُمْ اوران کی قوم کے سردار بول اٹھے جو کفر کر رہے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انہیں دنیوی زندگی میں مال ودولت کی کثرت کے باعث آسودگی بھی دے رکھی تھی (لوگوں سے کہنے لگے) کہ یہ شخص تو محض تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہے، وہی چیزیں کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی کچھ پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ
وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝

اور بلاشبہ اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کا کہنا مان لیا تو یقیناً تم اس وقت ضرور خسارہ اٹھانے والے ہوگے۔ کیا یہ تم سے یہ وعدہ
کررہا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور تم مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے۔

کفار کے انکار بعث کا بیان

"وَ" اللّٰهِ "لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ" فِيهِ قَسَم وَشَرْط وَالْجَوَاب لِأَوَّلِهِمَا وَهُوَ مُغْنٍ عَنْ جَوَابِ الثَّانِي "إِنَّكُمْ إِذًا" أَيْ إِذَا أَطَعْتُمُوهُ "لَخَاسِرُونَ" أَيْ مَغْبُونُونَ، "أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُمْ مُخْرَجُونَ" هُوَ خَبَر أَنَّكُمْ الْأُولَى وَأَنَّكُمْ الثَّانِيَة تَأْكِيد لَهَا لَمَّا طَالَ الْفَصْل

اور بہ خدا! بلاشبہ اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کا کہنا مان لیا، یہاں پر واؤ قسمیہ ہے اور شرط ہے اور ان دونوں کیلئے جواب شرط ہے جبکہ وہ دوسرے جواب کی ضرورت نہیں رکھتا۔ تو یقیناً تم اس وقت ضرور خسارہ اٹھانے والے ہوگے۔ یعنی نقصان اٹھانے والے بن جاؤ گے۔ کیا یہ شخص تم سے یہ وعدہ کررہا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور تم مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم دوبارہ زندہ ہوکر نکالے جاؤ گے۔ یہاں پر مخرجون پہلے اَنّ کی خبر ہے۔ جبکہ دوسرا اَنّ تاکید کیلئے آیا ہے تاکہ فصل کیا جائے۔

ایعدکم ۔ ہمزہ استفہامیہ ہے۔ یعد وعد سے مضارع واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے کم ضمیر جمع مذکر حاضر۔ کیا وہ تم سے (یہ) وعدہ کرتا ہے۔ متم ۔ ماضی جمع مذکر حاضر۔ ماجی بمعنی مستقبل (موت) مصدر (باب ضرب وسمع) (جب) تم مرجاؤ گے۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝
کتنی دور ہے کتنی دور ہے جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ وہ نہیں ہماری زندگانی تو یہی دنیا ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں
اور، ہم نہیں اٹھائے جائیں گے۔

کفار کا عقیدہ آخرت سے دور ہوجانے کا بیان

"هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ" اسْم فِعْل مَاضٍ بِمَعْنَى مَصْدَر : أَيْ بَعُدَ بَعُدَ "لِمَا تُوعَدُونَ" مِنَ الْإِخْرَاج مِنَ الْقُبُور وَاللَّام زَائِدَة لِلْبَيَانِ، "إِنْ هِيَ" أَيْ مَا الْحَيَاة "إِلَّا حَيَاتنَا الدُّنْيَا نَمُوت وَنَحْيَا" بِحَيَاةِ أَبْنَائِنَا

کتنی دور ہے کتنی دور ہے جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔ یہاں پر ھیھات یہ اسم فعل ماضی بہ معنی مصدر ہے۔ یعنی دور ہوا جو تمہیں قبروں سے خروج کا وعدہ کیا گیا۔ یہاں پر لام زائدہ بیان کیلئے آیا ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کچھ نہیں ہماری زندگانی تو یہی دنیا ہے ہم یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور بس ختم، ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

اسم فعل ہے اور یہ اس موقع پر استعمال کیا جاتا ہے جب کسی چیز کو نہایت مستبعد اور بعید از امکان قرار دیا جائے۔ اور پھر تکرار سے اس میں اور شدت اور تاکید پیدا کی جاتی ہے۔ اور یہی حال ہوتا ہے ایمان کی روشنی اور یقین کی دولت سے محروم انسان کا کہ وہ عالم غیب اور وحی خداوندی سے تعلق رکھنے والے اہم اور بنیادی امور کو حقیقت سے بہت دور اور امکان ووقوع سے بعید سمجھنے لگتا ہے۔

جس سے وہ اعراض و انکار میں مزید آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس طرح وہ ظلمتِ کفر و انکار کی سیاہی کو اور گاڑھا و گہرا اور مزید پکا کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہتا ہے۔

اس دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں۔ پس مرنا جینا اسی دنیا کا ہے اور پھر دوبارہ زندہ ہونا نہیں) یہی قول عام کفار کا ہے جو قیامت کے منکر ہیں۔ یہ انکار جو زبان سے کرتے ہیں وہ تو کھلے کافر ہیں ہی، لیکن افسوس اور بہت فکر کی چیز یہ ہے کہ اب بہت سے مسلمانوں میں بھی عملی طور پر یہ انکار ان کے ہر قول و فعل سے مترشح ہوتا ہے کہ آخرت اور قیامت کے حساب کی طرف کبھی دھیان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اس مصیبت سے نجات عطا فرمائے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ○ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ○
یہ تو محض ایسا شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے اور ہم بالکل اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔
عرض کی کہ اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔

کفار اقوام کا موت کے بعد کی زندگی کے انکار کا بیان

"إِنْ هُوَ" مَا الرَّسُولَ "إِلَّا رَجُل افْتَرَى عَلَى وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ" مُصَدِّقِينَ بِالْبَعْثِ بَعْد الْمَوْت

یہ تو یعنی رسول مکرم علیہ السلام ہیں جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے اور ہم بالکل اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ یعنی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں۔

اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تھے۔ اور ان کے نزدیک حضرت ہود کا اللہ پر جھوٹ باندھنا یہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں" یا یہ کہ "مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں دوبارہ پیدا کرے گا اور تم سے تمہارے اعمال کا مواخذہ کرے گا" اور یہ دونوں باتیں ہم ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

پیغمبر علیہ السلام جب ان کے ایمان سے مایوس ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ قوم انتہائی سرکشی پر ہے تو ان کے حق میں دعائے ضرر کی اور بارگاہ الٰہی میں کہا۔ اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ○ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○
ارشاد ہوا: تھوڑی ہی دیر میں وہ پشیماں ہو کر رہ جائیں گے۔ پس سچے وعدہ کے مطابق انہیں خوفناک آواز نے آ پکڑا
سو ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا، پس ظالم قوم کے لئے دوری و محرومی ہے۔

جھوٹی قوم کا رحمت سے محروم رہ جانے کا بیان

"قَالَ عَمَّا قَلِيل "مِنْ الزَّمَان وَمَا زَائِدَة "لَيُصْبِحُنَّ" لَيَصِيرُنَّ "نَادِمِينَ" عَلَى كُفْرهمْ وَتَكْذِيبهمْ، "فَأَخَذَتْهُمْ الصَّيْحَة" صَيْحَة الْعَذَاب وَالْهَلَاك كَائِنَة " الْحَقّ " فَمَاتُوا "فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاء "

وَهُوَ نَبَتَ يَبِسَ أَيْ صَيَّرْنَاهُمْ مِثْله فِي الْيَبَس "فَبُعْدًا" مِنَ الرَّحْمَة "لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ" الْمُكَذِّبِينَ

ارشاد ہوا: تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے کفر اور تکذیب کے سبب پشیماں ہو کر رہ جائیں گے۔ یہاں پر عما کے اندر لفظ ماء زائدہ ہے۔ پس سچے وعدہ کے مطابق انہیں خوفناک آواز یعنی عذاب اور ہلاکت نے آ پکڑا سو ہم نے انہیں خس وخاشاک بنا دیا، خشک گھاس کو غثاء کہتے ہیں یعنی ویسا بنا دیا۔ پس ظالم قوم یعنی جھوٹی قوم کے لئے ہماری رحمت سے دوری ومحرومی ہے۔

یعنی بالکل ٹھیک اسی وقت ان پر عذاب آیا جو وقت ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہاں ہیبت ناک چیخ کے عذاب سے بعض علماء نے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ قصہ قوم عاد اولیٰ کا نہیں کیونکہ ان پر تند و تیز اور شدید سرد آندھی کا عذاب آیا تھا۔ بلکہ یہ قصہ عاد ثانی۔ یعنی ثمود) کی قوم کا ہے۔ اس آیت میں بالحق کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم نے جو انہیں سزا دی تو وہ ٹھیک ان کے گناہوں کی پاداش کے مطابق تھی۔ عدل و اصناف کا یہی تقاضا تھا اور اس سلسلہ میں ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہوا۔ غثاء بمعنی کوڑا، کرکٹ، کچرا، خس و خاشاک۔ یعنی وہ ہمارے عذاب کی رو میں یوں بہہ گئے جیسے سیلاب خس وخاشاک کو بہا لے جاتا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝
پھر ان کے بعد ہم نے کئی اور زمانوں کے لوگ پیدا کیے۔ کوئی بھی امت اپنے وقت مقرر سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے
اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

گذشتہ اقوام کے بعد دوسری اقوام کو پیدا کرنے کا بیان

"ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدهمْ قُرُونًا" أَقْوَامًا ، "مَا تَسْبِق مِنْ أُمَّة أَجَلهَا " بِأَنْ تَمُوت قَبْله "وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ " عَنْهُ ذُكِرَ الضَّمِير بَعْد تَأْنِيثه رِعَايَة لِلْمَعْنَى،

پھر ان کے بعد ہم نے کئی اور زمانوں کے لوگ یعنی اقوام پیدا کیں۔ کوئی بھی امت اپنے وقت مقرر یعنی موت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ یہاں پر معنی کی رعایت کے سبب مؤنث کی ضمیر کے بعد یستاخرون میں مذکر کی ضمیر لائے ہیں۔

اس سے مراد حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قومیں ہیں، کیونکہ سورہ اعراف اور سورہ ہود میں اسی ترتیب سے ان کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ بعض کے نزدیک بنو اسرائیل مراد ہیں۔ قرون، قرن کی جمع ہے اور یہاں بمعنی امت استعمال ہوا ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا
وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

پھر ہم نے پے در پے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آتا وہ اسے جھٹلا دیتے تو ہم ان میں سے بعض
کو بعض کے پیچھے کرتے چلے گئے اور ہم نے انہیں داستانیں بنا ڈالا، پس ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے۔

اقوام کی طرف مسلسل انبیائے کرام کی بعثت کا بیان

"ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلنَا تَتْرَى" بِالتَّنْوِينِ وَعَدَمه مُتَتَابِعِينَ بَيْن كُلّ اثْنَيْنِ زَمَان طَوِيل "كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّة" بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيل الثَّانِيَة بَيْنهَا وَبَيْن الْوَاو "رَسُولهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضهمْ بَعْضًا" فِي الْهَلَاك، وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيث فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ،

پھر ہم نے پے در پے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ یہاں لفظ تترٰی یہ تنوین اور بغیر تنوین کے بھی آیا ہے یعنی دونوں رسولان گرامی کے درمیان ایک طویل مدت تھی۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آتا، یہاں دونوں ہمزوں کی تحقیق جبکہ ثانی کی تسہیل کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ان دونوں درمیان واؤ ہے۔ وہ اسے یعنی رسولان گرامی کو جھٹلا دیتے۔ تو ہم بھی ان میں سے بعض کو بعض کے پیچھے ہلاک در ہلاک کرتے چلے گئے اور ہم نے انہیں داستانیں بنا ڈالا، پس ہلاکت ہو ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں لاتے۔

قوم عاد اولیٰ اور عاد ثانی کے بعد، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک درج ذیل انبیاء مبعوث ہوئے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت ایوب، اور حضرت شعیب علیہم السلام یہ تو وہ انبیاء ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا وہ ان سے بہت زیادہ ہیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں مبعوث ہونے والے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۳۱۳ تا ۳۱۵ بتلائی اور انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتلائی جبکہ قرآن میں صرف ۱۲۷ انبیاء و رسل کا ذکر ہے۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝
پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر بھیجا۔ فرعون اور
اس کے سرداروں کی طرف تو انہوں نے بھی تکبر و رعونت سے کام لیا اور وہ بھی ظالم و سرکش لوگ تھے۔

فرعون اور اس کے لشکر کی سرکشی کا بیان

"ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَى وَأَخَاهُ هَارُون بِآيَاتِنَا وَسُلْطَان مُبِين" حُجَّة بَيِّنَة وَهِيَ الْيَد وَالْعَصَا وَغَيْرهمَا مِنْ الْآيَات، "إِلَى فِرْعَوْن وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا" عَنْ الْإِيمَان بِهَا وَبِاَللَّهِ "وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ" قَاهِرِينَ بَنِي إِسْرَائِيل بِالظُّلْمِ

پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل یعنی واضح حجت جو ید بیضاء اور عصا وغیرہ ہیں۔ دے کر بھیجا۔

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو انہوں نے بھی آپ پر اور اللہ پر ایمان لانے کی بجائے تکبر ورعونت سے کام لیا اور وہ بھی بڑے ظالم وسرکش لوگ تھے۔ یعنی بنی اسرائیل پر ظلم کرتے تھے۔

دریا میں ڈوبنے والے فرعون کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون اور قوم فرعون کے پاس پوری دلیلوں کے ساتھ اور زبردست معجزوں کے ساتھ بھیجا لیکن انہوں نے بھی سابقہ کافروں کی طرح اپنے نبیوں کی تکذیب ومخالفت کی اور سابقہ کفار کی طرح یہی کہا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کی نبوت کے قائل نہیں ان کے دل بھی بالکل ان جیسے ہی ہوگئے بالآخر ایک ہی دن میں ایک ساتھ سب کو اللہ تعالیٰ نے دریا برد کردیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات ملی۔ دوبارہ مومنوں کے ہاتھوں کافر ہلاک کئے گئے جہاد کے احکام اترے اس طرح عام عذاب سے کوئی امت فرعون اور قوم فرعون یعنی قبطیوں کے بعد ہلاک نہیں ہوئی۔ ایک اور آیت میں فرمان ہے گذشتہ امتوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عنائت فرمائی جو لوگوں کے لئے بصیرت ہدایت اور رحمت تھی۔ تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ۝
تو انھوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کے لوگ ہمارے غلام ہیں۔ تو انھوں نے دونوں
کو جھٹلا دیا تو وہ ہلاک کیے گئے لوگوں میں سے ہوگئے۔

فرعونیوں کا ایمان لانے سے انکار کرنے کا بیان

فَقَالُوا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمهمَا لَنَا عَابِدُونَ" مُطِيعُونَ خَاضِعُونَ

تو انھوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان کے لوگ ہمارے غلام ہیں۔ یعنی وہ ہماری حکمرانی کے تحت ہیں۔

یہاں بھی انکار کے لیے دلیل انہوں نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کی بشریت ہی پیش کی اور اسی بشریت کی تاکید کے لیے انہوں نے کہا کہ یہ دونوں اسی قوم کے افراد ہیں جو ہمارے غلام ہے۔ ان میں کے دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ۝ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً
وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ۝

اور بیشک ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا فرمائی تا کہ وہ لوگ ہدایت پا جائیں۔اور ہم نے ابن مریم (عیسیٰ علیہ السلام) کواوران کی ماں کواپنی نشانی بنایااور ہم نے ان دونوں کوایک بلندزمین میں سکونت بخشی جوباآسائش وآرام رہنے کے قابل تھی اوروہاں آنکھوں کے لئے بہتے پانی تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کوتورات عطا ہونے کا بیان

"وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَاب" التَّوْرَاة "لَعَلَّهُمْ" قَوْمه بَنِي إسْرَائِيل "يَهْتَدُونَ" بِهِ مِنْ الضَّلَالَة وَأُوتِيهَا بَعْد هَلَاك فِرْعَوْن وَقَوْمه جُمْلَة وَاحِدَة، "وَجَعَلْنَا ابْن مَرْيَم" عِيسَى "وَأُمّه آيَة" لَمْ يَقُلْ آيَتَيْنِ لِأَنَّ الْآيَة فِيهِمَا وَاحِدَة : وِلَادَته مِنْ غَيْر فَحْل "وَآوَيْنَاهُمَا إلَى رَبْوَة" مَكَان مُرْتَفِع وَهُوَ بَيْت الْمَقْدِس أَوْ دِمَشْق أَوْ فِلَسْطِين أَقْوَال "ذَات قَرَار" أَيْ مُسْتَوِيَة يَسْتَقِرّ عَلَيْهَا سَاكِنُوهَا "وَمَعِين" وَمَاء جَارٍ ظَاهِر تَرَاهُ الْعُيُون،

اور بیشک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب یعنی تورات عطا فرمائی تا کہ وہ لوگ یعنی بنی اسرائیل گمراہی سے ہدایت پا جائیں۔اور یہ کتاب انہیں ایک ہی دفعہ فرعون اوراس کی قوم کی ہلاکت کے بعد دی گئی۔اور ہم نے ابن مریم عیسیٰ علیہ السلام کواور ان کی ماں کواپنی زبردست نشانی بنایا یہاں پر دونشانیاں نہیں کہا کیونکہ ان دونوں میں ایک ہی نشانی ہے اور وہ بغیر مرد کے ولادت کا ہونا ہے۔اور ہم نے ان دونوں کوایک ایسی بلندزمین میں سکونت بخشی جوباآسائش وآرام رہنے کے قابل بھی تھی اوروہ بیت المقدس ہے یادمشق ہے یافلسطین ہے۔اس میں کئی اقوال ہیں۔اوروہاں آنکھوں کے نظارے کے لئے بہتے پانی یعنی نہریں، آبشاریں اور چشمے بھی تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ومریم رضی اللہ عنہا میں قدرت کی نشانی کا بیان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کواللہ نے اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کی ایک زبردست نشانی بنایا آدم کومردوعورت کے بغیر پیدا کیا حوا کوصرف مرد سے بغیر عورت کے پیدا کیا عیسیٰ علیہ السلام کوصرف عورت سے بغیر مرد کے پیدا کیا۔بقیہ تمام انسانوں کومرد وعورت سے پیدا کیا۔ربوہ کہتے ہیں بلندزمین کوجو ہری اور پیداوار کے قابل ہو وہ جگہ گھاس پانی والی تروتازہ اور ہری بھری تھی۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس غلام اور نبی کواورانکی صدیقہ والدہ کوجواللہ کی بندی اورلونڈی تھیں جگہ دی تھی۔وہ جاری پانی والی صاف ستھری ہموارزمین تھی۔کہتے ہیں یہ ٹکڑامصر کا تھا یادمشق کا یافلسطین کا۔ربوۃ ریتلی زمین کوبھی کہتے ہیں۔چنانچہ ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ تیراانتقال ربوہ میں ہوگا۔وہ ریتلی زمین میں فوت ہوئے۔ان تمام اقوال میں زیادہ قریب قول وہ ہے کہ مراداس سے نہر ہے جیسے اورآیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے آیت (قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ، -مریم:24) تیرے رب نے تیرے قدموں تلے ایک جاری نہر بہادی ہے۔پس یہ مقام بیت

المقدس کا مقام ہے تو گویا اس آیت کی تفسیر یہ آیت ہے اور قرآن کی تفسیر اولاً قرآن سے پھر حدیث سے پھر آثار سے کرنی چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمنون، بیروت)

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ
وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ؕ
اے رُسُلِ (عظام!) تم پاکیزہ چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک عمل کرتے رہو، بیشک میں جو عمل بھی تم کرتے ہو اس سے
خوب واقف ہوں۔ اور بیشک یہ تمہاری امت ہے ایک ہی امت اور میں تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ڈرا کرو۔

ملت اسلامیہ پر ایک امت ہونے کا بیان

"يٰۤاَيُّهَا الرُّسُل كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَات" الْحَلَالَاتِ "وَاعْمَلُوا صَالِحًا" مِنْ فَرْض وَنَفْل "اِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيم" فَأُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ، "وَ" اعْلَمُوا "اِنَّ هٰذِهِ" أَيْ مِلَّة الْإِسْلَام "أُمَّتكُمْ" دِينكُمْ أَيّهَا الْمُخَاطَبُونَ أَيْ يَجِب أَنْ تَكُونُوا عَلَيْهَا "أُمَّة وَاحِدَة" حَال لَازِمَة وَفِي قِرَاءَة بِتَخْفِيفِ النُّون وَفِي أُخْرَى بِكَسْرِهَا مُشَدَّدَة اسْتِئْنَافًا "وَأَنَا رَبّكُمْ فَاتَّقُونِ" فَاحْذَرُونِ،

اے رُسُلِ (عظام!) تم پاکیزہ یعنی حلال چیزوں میں سے کھایا کرو اور نیک عمل یعنی فرائض ونوافل میں سے کرتے رہو، بیشک میں جو عمل بھی تم کرتے ہو اس سے خوب واقف ہوں۔ لہٰذا اس پر میں تمہیں جزاء دوں گا۔ اور بیشک یہ ملت اسلام تمہاری امت ہے جو حقیقت میں ایک ہی امت ہے۔ یعنی اے اہل خطاب! تم پر تمہارا دین لازم ہے۔ یہ حال لازمہ ہے اور ایک قرأت میں نون کی تخفیف جبکہ دوسری قرأت میں تشدید کے ساتھ آیا ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں سو مجھ سے ڈرا کرو۔

خطاب کا یہ انداز اس لحاظ سے نہیں کہ سارے رسول کسی ایک جگہ اکٹھے کیے گئے تھے تو انہیں اس طرح مخاطب کیا گیا ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ چونکہ سارے رسولوں کی اصولی تعلیم ایک ہی جیسی رہی ہے۔ لہٰذا بطور اختصار یہاں خطاب کا مشترکہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ نیز اس آیت میں اگرچہ خطاب رسولوں کو ہے تاہم اس کا حکم عام ہے۔ اور قرآن کریم نے بعض مقامات پر تو یاَ ایُّھَا النَّاسُ کہہ کر حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے اور بعض مقامات پر اس حکم کے مخاطب ایمان لانے والے ہیں۔

پاکیزہ چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا کھانا شریعت نے حلال قرار دیا ہو اور انہیں حلال ذرائع سے ہی حاصل کیا گیا ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مرغی بذات خود حلال چیز ہے مگر جب یہ چوری کی ہو تو حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح سود یا دوسرے ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ حرام مال تصور ہوگا۔ کسب حلال اور حرام سے اجتناب اس قدر اہم حکم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال سے پہلے ذکر فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کی کمائی حرام کی ہو تو اس کے نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِىْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝
پس انہوں نے اپنے امر کو آپس میں اختلاف کر کے فرقہ فرقہ کر ڈالا، ہر فرقہ والے اسی قدر سے جو ان کے پاس ہے خوش ہیں۔
پس آپ ان کو ایک عرصہ تک ان کے نشہ جہالت وضلالت میں چھوڑے رکھئے۔

موت تک کفار مکہ کو گمراہی و جہالت میں چھوڑ دینے کا بیان

"فَتَقَطَّعُوا" أَیْ الْأَتْبَاع "أَمْرهمْ" دِينهمْ "بَيْنهمْ زُبُرًا" حَال مِنْ فَاعِل تَقَطَّعُوا أَیْ أَحْزَابًا مُتَخَالِفِينَ كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَغَيْرهمْ "كُلّ حِزْب بِمَا لَدَيْهِمْ" أَیْ عِنْدهمْ مِنْ الدِّين "فَرِحُونَ" مَسْرُورُونَ، "فَذَرْهُمْ" اُتْرُكْ كُفَّار مَكَّة "فِي غَمْرَتهمْ" ضَلَالَتهمْ "حَتَّى حِين" إلَى حِين مَوْتهمْ،

پس انہوں نے اپنے دین کے امر کو آپس میں اختلاف کر کے فرقہ فرقہ کر ڈالا، یہاں پر زبرا یہ تقطعوا کے فاعل سے حال ہے یعنی مخالف فرقے جس یہود ونصاریٰ وغیرہ ہیں۔ ہر فرقہ والے اسی قدر دین کے حصہ سے جو ان کے پاس ہے خوش ہیں۔ پس آپ ان کفار مکہ کو ایک عرصہ تک یعنی ان کی موت تک ان کے نشہ جہالت وضلالت میں چھوڑے رکھئے۔

اُمّۃ سے مراد دین ہے، اور ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایک اللہ کی عبادت ہی کی دعوت پیش کی ہے۔ لیکن لوگ دین توحید چھوڑ کر الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے اور ہر گروہ اپنے عقیدہ وعمل پر خوش ہے، چاہے وہ حق سے کتنا بھی دور ہو۔
زبر، زبور کی جمع ہے جو کتاب کے معنے میں آتا ہے اس معنے کے اعتبار سے مراد آیت کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو سب انبیاء اور ان کی امتوں کو اصول اور عقائد کے مسائل میں ایک ہی دین اور طریقہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی تھی مگر امتوں نے اس کو نہ مانا اور آپس میں ٹکڑے مختلف ہو گئے ہر ایک نے اپنا اپنا طریقہ الگ اور اپنی کتاب الگ بنالی۔ اور زبر کبھی زبرہ کی جمع بھی آتی ہے جس کے معنے قطعہ اور فرقہ کے ہیں۔ یہی معنے اس جگہ زیادہ واضح ہیں اور مراد آیت کی یہ ہے کہ یہ لوگ عقائد اور اصول میں بھی مختلف فرقے بن گئے لیکن فروعی اختلاف ائمہ مجتہدین کا اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ ان اختلافات سے دین وملت الگ نہیں ہو جاتا اور ایسا اختلاف رکھنے والے الگ الگ فرقے نہیں کہلاتے۔ اور اس اجتہادی اور فروعی اختلاف کو فرقہ واریت کا رنگ دینا خالص جہالت ہے جو کسی مجتہد کے نزدیک جائز نہیں۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝
کیا وہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال واولاد کے ذریعہ ان کی مدد کر رہے ہیں۔ تو ہم ان کے لئے بھلائیوں میں
جلدی کر رہے ہیں، بلکہ انہیں شعور ہی نہیں ہے۔

کفار کیلئے دنیا میں مہلت ملنے کا بیان

"أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدّهُمْ بِهِ" نُعْطِيهِمْ "مِنْ مَال وَبَنِينَ" فِي الدُّنْيَا، "نُسَارِع" نُعَجِّل "لَهُمْ فِي الْخَيْرَات" لَا "بَلْ لَا يَشْعُرُونَ" أَنَّ ذَلِكَ اسْتِدْرَاج لَهُمْ،

کیا وہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں مال واولاد کے ذریعہ ان کی مدد کر رہے یعنی عطا کر رہے ہیں۔تو ہم ان کے لئے بھلائیوں کی فراہمی میں جلدی کر رہے ہیں، ایسا نہیں بلکہ انہیں شعور ہی نہیں ہے۔کہ اس میں ان کیلئے مہلت ہے۔

یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد و خیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے۔کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا، خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیے بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ یہ اپنی غفلت و جہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔یہاں تک کہ وہ گھڑی آ پہنچے جب ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے سروں پر منڈلانے لگے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝
بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں۔

اللہ کے عذاب سے ڈرنے والے لوگوں کا بیان

"إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ" خَوْفِهِمْ مِنْهُ "مُشْفِقُونَ" خَائِفُونَ مِنْ عَذَابه، "وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ" الْقُرْآن "يُؤْمِنُونَ" يُصَدِّقُونَ

بے شک وہ لوگ جو اپنے رب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔یعنی اس کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیات یعنی قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔یعنی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ایمان والوں کی تعریف کا بیان

احسان اور ایمان کے ساتھ ہی ساتھ نیک اعمال اور پھر اللہ کی ہیبت سے تھرتھرانا اور کانپتے رہنا یہ ان کی صفت ہے۔یہ ان کی صفت ہے حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مومن نیکی اور خوف الٰہی کا مجموعہ ہوتا ہے۔منافق برائی کے ساتھ نڈر اور بیخوف ہوتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی شرعی اور فطری آیات اور نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں جیسے حضرت مریم علیہا السلام کا وصف بیان ہوا ہے کہ وہ اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کا یقین رکھتی تھیں اللہ کی قدرت قضا اور شرع کا انہیں کامل یقین تھا۔اللہ کے ہر امر کو وہ محبوب رکھتے ہیں اللہ کے منع کردہ ہر کام کو وہ ناپسند رکھتے ہیں، ہر خبر کو وہ سچ مانتے ہیں وہ موحد ہوتے ہیں شرک سے بیزار رہتے ہیں، اللہ کو واحد اور بے نیاز جانتے ہیں اسے بے اولاد اور بیوی کے بغیر مانتے ہیں، بےنظیر اور بے کفو سمجھتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اللہ کے نام پر خیراتیں کرتے ہیں لیکن خوف زدہ رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو قبول نہ ہوئی ہو۔

(تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمنون، بیروت)

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝
اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے۔اور وہ کہ انھوں نے جو کچھ دیا اس حال میں دیتے ہیں کہ ان کے

دل ڈرنے والے ہوتے ہیں کہ یقیناً وہ اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

دلوں پر خوف طاری ہونے کی حالت میں نیک اعمال کرنے والوں کا بیان

"وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ" مَعَهُ غَيْره، "وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ" يُعْطُونَ "مَا آتَوْا" أَعْطَوْا مِنَ الصَّدَقَة وَالْأَعْمَال الصَّالِحَة "وَقُلُوبهمْ وَجِلَة" خَائِفَة أَنْ لَا تُقْبَل مِنْهُمْ "أَنَّهُمْ" يُقَدَّر قَبْله لَام الْجَرّ "إِلَى رَبّهمْ رَاجِعُونَ"،

اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اور وہ کہ انھوں نے جو کچھ دیا اس حال میں دیتے ہیں یعنی صدقہ اور نیک اعمال کرتے ہیں کہ ان کے دل ڈرنے والے ہوتے ہیں یعنی انہیں یہ خوف ہے شاید یہ قبول بھی نہ کیا جائے، یہاں پر انھم سے پر لام جر مقدر ہے۔ کہ یقیناً وہ اپنے رب ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

سورہ مؤمنون آیت ۶۰ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق پوچھا، وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ، اور جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل اس سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور عرض کیا کہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے نماز پڑھتے صدقہ دیتے اور اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان سے قبول نہ کیا جائے۔ یہی لوگ اچھے اعمال میں جلدی کرتے اور سبقت لے جاتے ہیں۔ یہ حدیث عبدالرحمن بن سعید بھی ابوحازم سے وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1122)

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
یہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان کی طرف آگے نکلنے والے ہیں۔ اور ہم کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے
مگر اس کی وسعت کے مطابق اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔

انسان کی طاقت کے مطابق مکلف کرنے کا بیان

أُولَئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَات "وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ" فِي عِلْم اللّٰه، "وَلَا نُكَلِّف نَفْسًا إِلَّا وُسْعهَا" طَاقَتهَا فَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ قَائِمًا فَلْيُصَلِّ جَالِسًا وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يَصُوم فَلْيَأْكُلْ "وَلَدَيْنَا" عِنْدنَا "كِتَاب يَنْطِق بِالْحَقِّ" بِمَا عَمِلَتْه وَهُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ تُسْطَر فِيهِ الْأَعْمَال "وَهُمْ" أَيْ

النُّفُوس الْعَامِلَة "لَا يُظْلَمُونَ" شَيْئًا مِنْهَا فَلَا يُنْقَص مِنْ ثَوَاب أَعْمَال الْخَيْرَات وَلَا يُزَاد فِي السَّيِّئَات،

وہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی لوگ اللہ کے علم میں ان کی طرف آگے نکلنے والے ہیں۔ اور ہم کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ پس جب کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور جب وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے تو افطار کرلے۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو حق کے ساتھ بولتی ہے۔ جس میں اعمال لکھے جاتے ہیں اور وہ لوح محفوظ ہے۔ یعنی لوگ کا اعمال نامہ ہے۔ اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ یعنی خیرات کرنے والے کسی شخص کے ثواب میں کمی نہ کی جائے گی اور برائیوں والوں کے گناہوں میں اضافہ نہیں کیا جائے۔ (بلکہ وہی لکھا ہوا موجود ہو جو کسی نے عمل کیا تھا)

نیک لوگوں کے اوصاف کا بیان

ان لوگوں کے مقابلہ میں اب اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی چند صفات بیان فرمائیں سب سے پہلی بات یہ کہ ان میں نیک کام کرتے رہنے کے باوجود ان میں نیکی کا غرور اور گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس بات سے اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کے یہ اعمال شاید اللہ کی بارگاہ میں قبول ہونے کے لائق تھے یا نہیں یا ان میں کچھ تقصیر تو نہیں ہوگئی۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ منزل من اللہ آیات پر ہی ایمان لاتے ہیں اور کائنات میں ہر طرف اللہ کی بکھری ہوئی آیات میں غور کر کے ان سے معرفت حاصل کرتے ہیں جن سے ان دلوں میں اللہ کی عظمت اور جلال کا سکہ بیٹھتا ہے تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شرک کی ہر چھوٹی بڑی قسم سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور چوتھی صفت یہ کہ اپنے اموال اور دوسری اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے صدقہ وخیرات وغیرہ ادا کرنے کے باوجود اللہ کے حضور اعمال کی باز پرس سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔

دین کے آسان ہونے کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین بہت آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی کرے گا وہ اس پر غالب آجائے گا، پس تم لوگ میانہ روی کرو اور (اعتدال سے) قریب رہو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمہیں ایسا دین ملا) اور صبح اور دوپہر کے بعد اور کچھ رات میں عبادت کرنے سے دینی قوت حاصل کرو۔

(صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 38)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝
حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ۝
بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور اس کے سوا ان کے کئی اور اعمال ہیں جن پر وہ عمل پیرا ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم
ان کے امیر اور آسودہ حال لوگوں کو عذاب کی گرفت میں لیں گے تو اس وقت وہ چیخ اٹھیں گے۔

کفار کو جہالت وغفلت میں چھوڑنے کے بعد عذاب کی گرفت کا بیان

"بَلْ قُلُوبهمْ" أَيْ الْكُفَّار "فِي غَمْرَة" جَهَالَة "مِنْ هَذَا" الْقُرْآن "وَلَهُمْ أَعْمَال مِنْ دُون ذَلِكَ" الْمَذْكُور لِلْمُؤْمِنِينَ "هُمْ لَهَا عَامِلُونَ" فَيُعَذَّبُونَ عَلَيْهَا، "حَتَّى" ابْتِدَائِيَّة "إذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ" أَغْنِيَاء هُمْ وَرُؤَسَاء هُمْ "بِالْعَذَابِ" أَيْ السَّيْف يَوْم بَدْر "إذَا هُمْ يَجْأَرُونَ" يَضِجُّونَ يُقَال لَهُمْ،

بلکہ ان کفار کے دل اس قرآن کے پیغام سے غفلت و جہالت میں پڑے ہیں اور اس کے سوا بھی ان کے کئی اور اعمال ہیں جو مسلمانوں کے ذکر کردہ اعمال کے خلاف ہیں۔ جن پر وہ عمل پیرا ہیں۔ پس انہیں ان پر عذاب دیا جائے گا۔ یہاں پر حتیٰ یہ ابتدائے غایت کیلئے آیا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے امیر اور آسودہ حال لوگوں کو عذاب کی گرفت میں لیں گے۔ جس طرح بدر کے دن ان کے ساتھ عذاب نے کیا۔ تو اس وقت وہ چیخ اٹھیں گے۔ جبکہ انہیں کہا جائے اب مت چلاؤ۔

یعنی آخرت کے حساب کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل شک و تردد اور غفلت و جہالت کی تاریک موجوں میں غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایک دم کو ان سے جدا نہیں ہوتے، اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام ان کی سوءِ استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ ان کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ○قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ○
تم آج مت چیخو، بیشک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ بیشک میری آیتیں تم پر پڑھ پڑھ کر سنائی
جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل الٹے پلٹ جایا کرتے تھے۔

قرآن کو سن کر کفار کے پلٹ جانے کا بیان

"لَا تَجْأَرُوا الْيَوْم إنَّكُمْ مِنَّا لَا تُنْصَرُونَ" لَا تُمْنَعُونَ، "قَدْ كَانَتْ آيَاتِي" مِنْ الْقُرْآن "تُتْلَى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَى أَعْقَابكُمْ تَنْكِصُونَ" تَرْجِعُونَ الْقَهْقَرَى،

ان سے کہا جائے گا تم آج مت چیخو، بیشک ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گے۔ بیشک میری آیتیں یعنی قرآنی آیات تم پر پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم ایڑیوں کے بل الٹے پلٹ جایا کرتے تھے۔ یعنی قہر وعذاب کی طرف لوٹنے والے ہو۔

یعنی جب دنیاوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا

وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہوگا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا جہاں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہوگئے۔ عورتیں مہینوں تک ان کا نوحہ کرتی رہیں، سر کے بال کٹوا کر ماتم کیے گئے، روئے پیٹے، چیخے چلائے، کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظالم سے تنگ آ کر دعائے ضرر فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا مردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آ گئی، آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دے کر دعا کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اٹھایا۔ اس وقت نہ "لات ومنات" کام آئے نہ ہبل ونائلہ۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ○ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّالَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○
اس سے غرور وتکبّر کرتے ہوئے رات کے اندھیرے میں بیہودہ گوئی کرتے تھے۔ سو کیا انہوں نے اس فرمان میں غور وخوض
نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنے والے قرآن کو چھوڑ دینے والوں کا بیان

"مُسْتَكْبِرِينَ" عَنْ الْإِيمَان "بِهِ" أَيْ بِالْبَيْتِ أَوْ الْحَرَم بِأَنَّهُمْ أَهْله فِي أَمْن بِخِلَافِ سَائِر النَّاس فِي مَوَاطِنهمْ "سَامِرًا" حَال أَيْ جَمَاعَة يَتَحَدَّثُونَ بِاللَّيْلِ حَوْل الْبَيْت "تَهْجُرُونَ" مِنْ الثُّلَاثِيّ تَتْرُكُونَ الْقُرْآن وَمِنْ الرُّبَاعِيّ أَيْ تَقُولُونَ غَيْر الْحَقّ فِي النَّبِيّ وَالْقُرْآن، "أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا" أَصْله يَتَدَبَّرُوا فَأُدْغِمَتْ التَّاء فِي الدَّال "الْقَوْل" أَيْ الْقُرْآن الدَّالّ عَلَى صِدْق النَّبِيّ، أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمْ الْأَوَّلِينَ،

اس سے یعنی ایمان کی وجہ سے یا حرم یا حرم کے اہل کی وجہ سے کیونکہ وہ امن میں جبکہ دوسرے وطنوں کے لوگ ایسے نہیں ہیں غرور وتکبّر کرتے ہوئے رات کے اندھیرے میں بیہودہ گوئی کرتے تھے۔ سامرا یہ حال ہے۔ یعنی ایک گروہ بیت اللہ کے اردگرد باتیں کرتی تھی۔ یہاں تہجرون یہ ثلاثی سے یعنی انہوں نے تم نے قرآن کو چھوڑ دیا اور رباعی سے یعنی قرآن اور نبی مکرم ﷺ کے بارے میں حق کے سوا کہتے ہو۔ کیا انہوں نے اس فرمان الٰہی میں غور وخوض نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آ گئی ہے یہاں اس میں تاء کا دال میں ادغام ہے۔ یعنی قول یعنی قرآن جو نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلیل ہے۔ جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی۔

قریش مکہ کی بے ہودہ قصہ گوئی کا بیان

قریش مکہ کا اللہ کی آیتیں سن کر پچھلے پاؤں بھاگنے اور نہ ماننے کا سبب حرم مکہ کی نسبت اور اس کی خدمت پر ان کا تکبر اور ناز تھا۔ اور سامراً، سمر سے مشتق ہے جس کے اصل معنے چاندنی رات کے ہیں۔ عرب کی عادت تھی کہ چاندنی رات میں بیٹھ کر قصے

کہانیاں کہا کرتے تھے اس لئے لفظ سمر قصہ کہانی کے معنے میں استعمال ہونے لگا اور سامر قصہ گو کو کہا جاتا ہے یہ لفظ اگرچہ مفرد ہے مگر معنی میں جمع کے لئے بھی بولا جاتا ہے اس جگہ سامر بمعنے سامرین جمع کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مشرکین کا ایک حال جو آیات الٰہیہ سے انکار کا سبب بنا ہوا تھا حرم مکہ کی نسبت و خدمت پر ان کا ناز تھا۔ دوسرا حال یہ بیان فرمایا کہ یہ لوگ بے اصل اور بے بنیاد قصے کہانیوں میں مشغول رہنے کے عادی ہیں ان کو اللہ کی آیات سے دلچسپی نہیں۔ تھجرون، یہ لفظ ہجر بضم الہاء سے مشتق ہے جس کے معنے فضول بکواس اور گالی گلوچ کے ہیں یہ تیسرا حال ان مشرکین کا بیان کیا گیا کہ یہ لوگ فضول بکواس اور گالی گلوچ کے عادی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بعض ایسے ہی گستاخانہ کلمات کہتے رہتے ہیں۔

عشاء کے بعد قصہ گوئی کی ممانعت کا بیان

رات کو افسانہ گوئی کا مشغلہ عرب وعجم میں قدیم سے چلا آتا ہے اور اس میں بہت سے مفاسد اور وقت کی اضاعت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم کو مٹانے کے لئے عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد فضول قصہ گوئی کو منع فرمایا۔ حکمت یہ تھی کہ عشاء کی نماز پر انسان کے اعمال یومیہ ختم ہو رہے ہیں جو دن بھر کے گناہوں کا بھی کفارہ ہو سکتا ہے۔ یہی اس کا آخری عمل اس دن کا ہو تو بہتر ہے اگر بعد عشاء فضول قصہ گوئی میں لگ گیا تو اولاً یہ خود فعل عبث اور مکروہ ہے اس کے علاوہ اس کے ضمن میں غیبت جھوٹ اور دوسرے طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب ہوتا ہے اور ایک برا انجام اس کا یہ ہے کہ رات کو دیر تک جاگے گا تو صبح کو سویرے نہیں اٹھ سکے گا اسی لئے حضرت فاروق اعظم جب کسی کو عشاء کے بعد فضول قصوں میں مشغول دیکھتے تو تنبیہ فرماتے تھے اور بعض کو سزا بھی دیتے تھے اور فرماتے کہ جلد سو جاؤ شاید آخر رات میں تہجد کی توفیق ہو جائے۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مؤمنون، بیروت)

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ
بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ○
یا انھوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا تو وہ اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ یا یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنون
ہو گیا ہے، بلکہ وہ ان کے پاس حق لے کر تشریف لائے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔

قرآن مجید کا نبی کریم ﷺ کی صداقت پر دلیل ہونے کا بیان

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ "اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ" اِلاسْتِفْهَامِ لِلتَّقْرِیرِ بِالْحَقِّ مِنْ صِدْقِ النَّبِیِّ وَمَجِیءِ الرُّسُلِ لِلْاُمَمِ الْمَاضِیَةِ وَمَعْرِفَةِ رَسُولِهِمْ بِالصِّدْقِ وَالْاَمَانَةِ وَاَنْ لَا جُنُونَ بِهٖ "بَلْ" لِلْانْتِقَالِ "جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ" اَیْ الْقُرْآنِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى التَّوْحِیدِ وَشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ، وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ.

یا انھوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا تو وہ اس کا انکار کرنے والے ہیں۔ یا یہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون لاحق ہو گیا ہے، یہاں

استفہام تقریری ہے یعنی نبی کریم ﷺ کی صداقت اور سابقہ رسولان گرامی کی بعثت حق ہے۔ اور ان رسولان گرامی کی صداقت اور امانت اور یہ کہ آپ کی ذات کو کوئی جنون نہیں ہے۔ (ایسا ہرگز نہیں) یہاں پر لفظ بل انتقال کے معنی میں آیا ہے۔ بلکہ وہ ان کے پاس حق یعنی قرآن لے کر تشریف لائے ہیں جو توحید اور احکام اسلام پر مشتمل ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ حق کو پسند نہیں کرتے۔

اور حضور ﷺ کی عمر شریف کے جملہ احوال کو نہ دیکھا اور آپ کے نسب عالی اور صدق و امانت اور وفورِ عقل وحسن اخلاق اور کمالِ حلم اور وفا و کرم و مُروّت وغیرہ پاکیزہ اخلاق ومحاسنِ صفات اور بغیر کسی سے سیکھے آپ کے علم میں کامل اور تمام جہان سے اعلم اور فائق ہونے کو نہ جانا کیا ایسا ہے؟ حقیقت میں یہ بات تو نہیں بلکہ وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اوصاف وکمالات کو خوب جانتے ہیں اور آپ کے برگزیدہ صفات شہرہ آفاق ہیں۔

کفار مکہ کا نبی کریم ﷺ کی نبوت سے انکار کرنے کا بیان

انکار ایک تیسری وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنے رسول کو دیوانہ سمجھ کر اس کی باتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھیں۔ اگر وہ اسے دیوانہ کہہ بھیدیں تو ان کے دل ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ جب دعوت توحید کا چرچا عام ہونے لگا تو قریش سرداروں کو بہت فکر لاحق ہوگئی۔ وہ اس دعوت کو روکنے کے لئے مشورہ کی خاطر ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ ولید بن مغیرہ ابوجہل کا چچا تھا اور حرب بن امیہ کی وفات کے بعد قریش کی سیادت اسی کے ہاتھ آئی تھی) ولید بن مغیرہ ایک سمجھدار آدمی تھا۔ کہنے لگا اس سلسلہ میں اپنی اپنی تجاویز پیش کرو انہیں پیش کردہ تجاویز میں سے ایک سردار نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ہم لوگوں کو کہیں گے کہ "وہ تو ایک مجنون آدمی ہے" یہ سن کر ولید بن مغیرہ کہنے لگا: "اللہ کی قسم! وہ دیوانہ نہیں ہے۔ ہم نے دیوانوں کو بار ہا دیکھا ہے۔ اس کے اندر نہ دیوانوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت ہے، نہ الٹی سیدھی حرکتیں ہیں اور نہ ہی ان جیسی بہکی بہکی باتیں ہیں۔ (الرحیق المختوم ص ۱۲۱)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ○
اور اگر حق ان کی خواہشوں کے پیچھے چلے تو یقیناً سب آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، بگڑ جائیں، بلکہ ہم ان کے پاس
ان کی نصیحت لے کر آئے ہیں تو وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں۔

زمین وآسمان کا قیام ایمان کے سبب ہونے کا بیان

"وَلَوْ اتَّبَعَ الْحَقّ" أَيْ الْقُرْآن "أَهْوَاءَهُمْ" بِأَنْ جَاءَ بِمَا يَهْوَوْنَهُ مِنْ الشَّرِيك وَالْوَلَد لِلَّهِ تَعَالَى اللَّه عَنْ ذَلِكَ "لَفَسَدَتْ السَّمَاوَات وَالْأَرْض وَمَنْ فِيهِنَّ" خَرَجَتْ عَنْ نِظَامهَا الْمُشَاهَد لِوُجُودِ التَّمَانُع فِي الشَّيْء عَادَة عِنْد تَعَدُّد الْحَاكِم "بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ" أَيْ الْقُرْآن الَّذِي فِيهِ ذِكْرهمْ وَشَرَفهمْ،

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ،

اور اگر حق یعنی قرآن ان کی خواہشوں کے پیچھے چلے یعنی وہ وہ اللہ کا شریک اور اس کیلئے اولاد وغیرہ بنالائیں تو یقیناً سب آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، بگڑ جائیں، یعنی یہ نظام جو ہم دیکھ رہے ہیں یہ سب درہم برہم ہو جائے کیونکہ تعدد حاکم کے سبب چیزوں میں عام طور اختلاف ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت لے کر آئے ہیں جس میں ان کا شرف وعزت ہے۔ تو وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں۔

خواہشات کو دین کے تابع کرنے کا بیان

حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز (دین و شریعت) کی تابع نہیں ہوتیں جس کو میں (اللہ کی جانب سے لایا ہوں یہ حدیث شرح السنۃ میں روایت کی گئی ہے اور امام نووی نے اپنی "چہل حدیث" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے جس کو ہم نے کتاب الحجہ میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔ (مشکوۃ شریف: جلد اول: حدیث نمبر 164)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایمان کامل اس آدمی کا ہوتا ہے جو دین و شریعت کا پوری طرح پیری اور ان کی صداقت وحقانیت کا ایقان واعتقاد پورے رسوخ کے ساتھ رکھتا ہو، نیز اس کی زندگی کے ہر پہلو میں خواہ اعتقادات وعبادات ہوں یا اعمال وعادات سب میں کمال رضا ورغبت اور بخوشی دین و شریعت کارفرما ہوں اور ظاہر ہے کہ روحانی پاکیزگی و لطافت اور عرفانی عروج کا یہ مرتبہ اس آدمی کو حاصل ہو سکتا ہے جس کا قلب ودماغ خواہشات نفسانی کی تمام گندگی وثقالت سے پاک وصاف ہو کر نور الٰہی کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھے، چنانچہ اولیاء اللہ اور صالحین حقیقت ومعرفت کے اسی عظیم مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ○ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○
یا تو ان سے کسی آمدنی کا مطالبہ کرتا ہے تو تیرے رب کی آمدنی بہتر ہے اور وہ سب رزق دینے والوں سے بہتر ہے۔
اور بیشک آپ تو انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں۔

دعوت ایمان پر کسی اجرت کا مطالبہ نہ کرنے کا بیان

"أَمْ تَسْأَلهُمْ خَرْجًا" أَجْرًا عَلَى مَا جِئْتهمْ بِهِ مِنْ الْإِيمَان "فَخَرَاج رَبّك خَيْر" أَجْره وَثَوَابه وَرِزْقه وَفِي قِرَاءَة: خَرْجًا فِي الْمَوْضِعَيْنِ وَفِي أُخْرَى خَرَاجًا فِيهِمَا "وَهُوَ خَيْر الرَّازِقِينَ" أَفْضَل مَنْ أَعْطَى وَآجَرَ، "وَإِنَّك لَتَدْعُوهُمْ إلَى صِرَاط" طَرِيق "مُسْتَقِيم" أَيْ دِين الْإِسْلَام

یا تو ان سے کسی آمدنی کا مطالبہ کرتا ہے یعنی ان کے ایمان لانے کی اجرت کا مطالبہ ہے تو تیرے رب کی آمدنی یعنی اس کا ثواب، اجر اور رزق بہتر ہے۔ ایک قرأت میں لفظ خرجا جبکہ دوسری قرأت کے مطابق خراجا آیا ہے۔ اور وہ سب رزق دینے والوں

سے بہتر یعنی افضل واعلیٰ ہے۔ اور بیشک آپ تو انہی کے بھلے کے لئے انہیں سیدھی راہ یعنی دین اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔
اور اس کا فضل آپ پر عظیم اور جو نعمتیں اس نے آپ کو عطا فرمائی وہ بہت کثیر اور اعلیٰ تو آپ کو ان کی کیا پرواہ پھر جب وہ آپ کے اوصاف وکمالات سے واقف بھی ہیں، قرآن پاک کا اعجاز بھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہے اور آپ ان سے ہدایت و ارشاد کا کوئی اجر وعوض بھی طلب نہیں فرماتے تو اب انہیں ایمان لانے میں کیا عذر رہا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ○ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ
وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ○
اور بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ضرور راہ سے کترائے رہتے ہیں۔ اور اگر ہم ان پر رحم فرما دیں اور جو
تکلیف انہیں ہے اسے دور کر دیں تو وہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی میں مزید پکے ہو جائیں گے۔

تکالیف دور کر دینے کے باوجود کفار کا عقیدہ آخرت سے انکار کا بیان

"وَاِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ" بِالْبَعْثِ وَالثَّوَاب وَالْعِقَاب "عَنْ الصِّرَاط" أَيْ الطَّرِيق "لَنَاكِبُونَ" عَادِلُونَ، "وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرّ" أَيْ جُوع أَصَابَهُمْ بِمَكَّة سَبْع سِنِينَ "لَلَجُّوا" تَمَادَوْا "فِي طُغْيَانهمْ" ضَلَالَتهمْ "يَعْمَهُونَ" يَتَرَدَّدُونَ،

اور بیشک جو لوگ آخرت یعنی بعث، ثواب اور عذاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ ضرور سیدھی راہ سے کترائے رہتے ہیں۔ یعنی پھرنے والے ہیں۔ اور اگر ہم ان پر رحم فرما دیں اور جو تکلیف یعنی مکہ میں سات سال انہیں بھوک لاحق ہے اسے دور کر دیں تو وہ بھٹکتے ہوئے اپنی سرکشی میں مزید پکے ہو جائیں گے۔ یعنی شک وشبہ میں پھرتے رہیں گے۔

سورہ مؤمنون آیت ۷۵ کے شان نزول کا بیان

جب قریش سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سات برس کے قحط میں مبتلا ہوئے اور حالت بہت ابتر ہو گئی تو ابوسفیان ان کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اپنے خیال میں رحمۃ للعالمین بنا کر نہیں بھیجے گئے؟ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک، ابوسفیان نے کہا کہ بڑوں کو تو آپ نے بدر میں تہِ تیغ کر دیا اولاد جو رہی وہ آپ کی بددعا سے اس حالت کو پہنچی کہ مصیبت قحط میں مبتلا ہوئی، فاقوں سے تنگ آ گئی، لوگ بھوک کی بیتابی سے ہڈیاں چاپ گئے، مردار تک کھا گئے میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور قرابت کی، آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم سے اس قحط کو دور فرمائے۔ حضور نے دعا کی اور انہوں نے اس بلا سے رہائی پائی۔ اس واقعہ کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں۔
(تفسیر خزائن العرفان، مومنون)

وَلَقَدْ اَخَذْنٰـهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ○ حَتّٰى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ○

اور بیشک ہم نے انہیں عذاب میں پکڑ لیا پھر انہوں نے اپنے رب کے لئے عاجزی اختیار نہ کی اور نہ وہ گڑگڑائے۔ یہاں تک کہ جب ہم ان پر نہایت سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے، اس وقت وہ اس میں انتہائی حیرت سے ساکت و مایوس رہیں گے۔

ہر بھلائی سے مایوس ہونے والے کفار کا بیان

وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ" الْجُوع "فَمَا اسْتَكَانُوا " تَوَاضَعُوا "لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ " يَرْغَبُونَ إِلَى اللّٰه بِالدُّعَاءِ، "حَتّٰى " ابْتِدَائِيَّة "إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا" صَاحِب "عَذَاب شَدِيد " هُوَ يَوْم بَدْر بِالْقَتْلِ "إِذْ هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ" آيِسُونَ مِنْ كُلّ خَيْر،

اور بیشک ہم نے انہیں عذاب یعنی بھوک میں پکڑ لیا پھر بھی انہوں نے اپنے رب کے لئے عاجزی اختیار نہ کی اور نہ وہ اس کے حضور گڑگڑائے ۔یعنی وہ اللہ بارگاہ میں دعا کیلئے راغب نہ ہوئے۔ یہاں پر حتیٰ ابتدائے غایت کیلئے آیا ہے۔ یہاں تک کہ جب ہم ان پر نہایت سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے، جو بدر کے دن قتل کا عذاب تھا تو اس وقت وہ اس میں انتہائی حیرت سے ساکت و مایوس پڑے رہیں گے۔ یعنی ہر بھلائی سے مایوس ہوں گے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اہل مکہ سے قحط دور ہونے کا بیان

پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ پر قحط کا عذاب مسلط ہونے کی دعا کی تھی۔ اس کی وجہ سے یہ سخت قحط میں مبتلا ہوئے اور مردار وغیرہ کھانے پر مجبور ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور صلہ رحمی کی، کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ میں اہل عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، آپ نے فرمایا بیشک کہا ہے اور واقعہ بھی یوں ہی ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ آپ نے اپنی قوم کے بڑوں کو تو بدر کے معرکہ میں تلوار سے قتل کر دیا اور جو اب رہ گئے ہیں ان کو بھوک سے قتل کر رہے ہیں اللہ سے دعا کیجئے کہ یہ عذاب ہم سے ہٹ جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی یہ عذاب اسی وقت ختم ہو گیا اسی پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی:

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ ۔

اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ عذاب میں مبتلا ہونے پھر اس سے نجات پانے کے بعد بھی یہ لوگ اپنے رب کے سامنے نہیں جھکے چنانچہ واقعہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط رفع بھی ہو گیا مگر مشرکین مکہ اپنے شرک و کفر پر اسی طرح جمے رہے۔ (تفسیر مظہری، سورہ مومنون، لاہور)

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـئِدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○

وَهُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

اور وہی ہے جو تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل رفتہ رفتہ وجود میں لایا، تم لوگ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پیدا کر کے پھیلا دیا اور تم اسی کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔

اللہ کا شکر ادا نہ کرنے والوں کا بیان

"وَهُوَ الَّذِی أَنْشَأَ" خَلَقَ "لَكُمُ السَّمْع" بِمَعْنَى الْأَسْمَاع الْقُلُوب "وَالْأَبْصَار وَالْأَفْئِدَة" الْقُلُوب "قَلِيلًا مَا" تَأْكِيد لِلْقِلَّةِ "وَهُوَ الَّذِی ذَرَأَكُمْ" خَلَقَكُمْ "فِی الْأَرْض وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ" تُبْعَثُونَ،

اور وہی ہے جو تمہارے لئے کان، بمعنی اسماع قلوب اور آنکھیں او ودل و دماغ رفتہ رفتہ وجود میں لایا، مگر تم لوگ بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔ یہاں پر قلیلا یہ قلت کیلئے تاکید ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں روئے زمین پر پیدا کر کے پھیلا دیا اور تم اسی کے حضور جمع کئے جاؤ گے۔

تم نے ان نعمتوں کی قدر نہ جانی اور ان سے فائدہ نہ اٹھایا اور کانوں، آنکھوں اور دلوں سے آیات الٰہیہ کے سننے، دیکھنے، سمجھنے اور معرفتِ الٰہی حاصل کرنے اور مُنعمِ حقیقی کا حق پہچان کر شکر گزار بننے کا نفع نہ اٹھایا۔

صبر و شکر پر ثواب کا بیان

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مومن (کامل) کا عجب حال ہے اگر اسے راحت و بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو جب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے اور صبر کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا مومن کو اس کے ہر کام میں ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ وہ جو لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے (اس پر بھی ثواب ملتا ہے) (بیہقی، مشکوٰۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 222)

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ○

اور وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور شب و روز کا گردش کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔ سو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ بلکہ یہ لوگ اسی طرح کی باتیں کرتے ہیں جس طرح کی اگلے کرتے رہے ہیں۔

دن رات میں غور و فکر کے ذریعے سمجھنے کا بیان

"وَهُوَ الَّذِی يُحْيِي" بِنَفْخِ الرُّوح فِی الْمُضْغَة "وَيُمِيت وَلَهُ اخْتِلَاف اللَّيْل وَالنَّهَار" بِالسَّوَادِ وَالْبَيَاض وَالزِّيَادَة وَالنُّقْصَان "أَفَلَا تَعْقِلُونَ" صُنْعه تَعَالَى فَتَعْتَبِرُونَ

اور وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے یعنی مضغہ کے اندر روح پھونکتا ہے۔اور موت دیتا ہے اور شب وروز کا گردش کرنا یعنی سیاہی وسفیدی اور زیادہ وکمی بھی اسی کے اختیار میں ہے۔پس کیا تم اللہ تعالیٰ کی صنعت کو سمجھتے نہیں ہو۔

ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بعد آنا اور تاریکی وروشنی اور زیادتی وکمی میں ہر ایک کا دوسرے سے مختلف ہونا یہ سب اس کی قدرت کے نشان ہیں۔کہ ان سے عبرت حاصل کرو اور ان میں خدا کی قدرت کا مشاہدہ کر کے مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کو تسلیم کرو اور ایمان لاؤ۔

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا
هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝
انھوں نے کہا کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے، کیا واقعی ہم ضرور اٹھائے جانے والے ہیں؟
بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے ہمیں اور ہمارے باپ دادا کو یہی وعدہ دیا گیا۔یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں۔

کافر اقوام کا حق کو پہلے لوگوں کی کہانیاں کہنے کا بیان

"قَالُوا" أَيْ الْأَوَّلُونَ "أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ" لَا وَفِي الْهَمْزَتَيْنِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ التَّحْقِيق وَتَسْهِيل الثَّانِيَة وَإِدْخَال أَلِف بَيْنهمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ، "لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا" أَيْ الْبَعْث بَعْد الْمَوْت "مِنْ قَبْل إنْ" مَا "هَذَا إلَّا أَسَاطِير" أَكَاذِيب "الْأَوَّلِينَ" كَالْأَضَاحِيكِ وَالْأَعَاجِيب جَمْع أُسْطُورَة بِالضَّمِّ،

انھوں یعنی پہلے لوگوں نے کہا کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے، کیا واقعی ہم ضرور اٹھائے جانے والے ہیں؟ ہرگز نہیں۔یہاں پر دونوں ہمزے دونوں مقامات پر تحقیق اور دوسرے کی تسہیل کے ساتھ بھی آئے ہیں۔اور دونوں صورتوں میں ان دونوں کے درمیان الف کو داخل کیا گیا ہے۔بلاشبہ یقیناً اس سے پہلے ہمیں اور ہمارے باپ دادا کو یہی وعدہ یعنی بعث وموت کا وعدہ دیا گیا۔یہ تو پہلے لوگوں کی جھوٹی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں۔جس طرح مذاحیہ وعجیب کہانیاں ہوتی ہیں یہاں پر اساطیر یہ اسورہ کی جمع ہے اور یہ الف کے ضمہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔

کفار مکہ سے جب بدوی لوگ پوچھتے کہ تم میں جو نبی پیدا ہوا ہے اس کی تعلیم کیا ہے؟ تو وہ کہہ دیتے کہ اس میں کوئی نئی بات تو ہے نہیں وہی پرانے لوگوں کی داستانیں اور قصے کہانیاں ہیں۔جو ہم پہلے بھی سنتے آئے ہیں۔اور یہ بات وہ اس لئے کہتے تھے کہ انبیاء کی بنیادی اور اصولی تعلیم ایک ہی جیسی رہی ہے۔ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ خود بھی تو اپنے پیغمبر کو وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان کے آباء واجداد انبیاء کی مخالفت میں کہتے چلے آئے ہیں کہ "جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا پھر ہمیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟" یہ خود بھی تو وہی پرانی گھسی پٹی بات دہرا رہے ہیں۔دلیل کے ساتھ انہیں کوئی نیا جواب

میسر نہیں آرہا۔ پھر کیا ان کا یہ قول ہی پرانے افسانے پر نہیں؟ جو محض تقلید آباؤ کے طور پر کہی جاتی ہے۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ○
تم فرماؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ اللہ کا ہے، آپ فرمائیں:
پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے؟

اللہ تعالیٰ قدرت کیلئے دلیل بتانے کا بیان

"قُلْ" لَهُمْ "لِمَنِ الْأَرْض وَمَنْ فِيهَا" مِنَ الْخَلْق "إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" خَالِقهَا وَمَالِكهَا، "سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ" لَهُمْ "أَفَلَا تَذَّكَّرُونَ" بِإِدْغَامِ التَّاء الثَّانِيَة فِي الذَّال تَتَّعِظُونَ فَتَعْلَمُونَ أَنَّ الْقَادِر عَلَى الْخَلْق ابْتِدَاء قَادِر عَلَى الْإِحْيَاء بَعْد الْمَوْت،

تم فرماؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں مخلوق ہے اگر تم ان کے خالق و مالک کو جانتے ہو۔ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ سب کچھ اللہ کا ہے، تو آپ ان سے فرمائیں پھر تم نصیحت قبول کیوں نہیں کرتے؟ یہاں پر تذکرون میں تائے ثانیہ کا ذال میں ادغام ہے۔ یعنی تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے کہ جب وہ ابتدائی طور پر خلق کی تخلیق پر قادر ہے تو موت کے بعد کیونکر نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ جل وعلا اپنے وحدانیت، خالقیت، تصرف اور ملکیت کا ثبوت دیتا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ معبود برحق صرف وہی ہے اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ وہ واحد اور لاشریک ہے پس اپنے محترم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان مشرکین سے دریافت فرمائیں تو وہ صاف لفظوں میں اللہ کے رب ہونے کا اقرار کریں گے اور اس میں کسی کو شریک نہیں بتائیں گے۔ آپ انہیں کے جواب کو لے کر انہیں قائل کریں کہ جب خالق، مالک، صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں پھر معبود بھی تنہا وہی کیوں نہ ہو؟ اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کیوں کی جائے؟

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ○
فرمائیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً کہیں گے: یہ اللہ کا ہے۔ آپ فرمائیں: پھر تم ڈرتے کیوں نہیں ہو۔

اللہ تعالیٰ کا زمین و آسمان اور عرش عظیم کا رب ہونے کا بیان

"قُلْ مَنْ رَبّ السَّمَوَات السَّبْع وَرَبّ الْعَرْش الْعَظِيم" الْكُرْسِيّ، "سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ" تَحْذَرُونَ عِبَادَة غَيْره،

ان سے دریافت فرمائیے کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش عظیم یعنی کرسی کا مالک کون ہے؟ وہ فوراً کہیں گے: یہ سب کچھ اللہ کا ہے تو آپ ان سے فرمائیں: پھر تم اس کے سوا کی پوجا کر کے ڈرتے کیوں نہیں ہو۔

پہلی آیت میں صرف زمین اور اس میں موجودات کی ملکیت کے متعلق سوال تھا۔ اس آیت میں پوری کائنات کی ملکیت کا

سوال ہے۔ کفار مکہ کو یہ بھی اعتراف تھا کہ اس پوری کائنات کا مالک ومختار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے معبودوں کے اس کائنات میں تصرف کے اختیار کہاں سے آ گئے؟ انہیں اس بات سے ڈر نہیں لگتا کہ اللہ کے تصرف واختیار میں ایسی چیزوں کو شریک بنا رہے ہیں۔ جو دوسروں کے تو کیا، اپنے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ ایسے صریح ظلم اور اس کے انجام سے انہیں ڈر نہیں لگتا؟

قُلْ مَنْ ۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝
سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ۝
آپ فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف پناہ نہیں دی
جاسکتی، اگر تم جانتے ہو۔ وہ فوراً کہیں گے: یہ اللہ ہی کے لئے ہیں، آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے فریب دیا جا رہا ہے۔

اللہ کی مدد جیسی کوئی مدد نہ ہونے کا بیان

"قُلْ مَنْ بِیَدِهِ مَلَكُوت " مُلْكٌ وَالتَّاء لِلْمُبَالَغَةِ "وَهُوَ یُجِیر وَلَا یُجَار عَلَیْهِ " یَحْمِی وَلَا یُحْمَى عَلَیْهِ، "سَیَقُولُونَ لِلَّهِ" وَفِی قِرَاءَة لِلَّهِ بِلَامِ الْجَرّ فِی الْمَوْضِعَیْنِ نَظَرًا إلَى أَنَّ الْمَعْنَى مَنْ لَهُ مَا ذُكِرَ "قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ " تُخْدَعُونَ وَتُصْرَفُونَ عَنْ الْحَقّ وَعِبَادَة اللَّه وَحْده أَیْ كَیْفَ تَخَیَّلَ لَكُمْ أَنَّهُ بَاطِل،

آپ ان سے فرمایئے کہ وہ کون ہے جس کے دستِ قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت یعنی بادشاہت ہے یہاں ملکوت میں تاء مبالغہ کیلئے آئی ہے۔ اور جو پناہ دیتا ہے اور جس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دی جاسکتی، یعنی وہ حمایت کرتا ہے اور اس کے سوا کوئی ایسی حمایت کرنے والا نہیں ہے۔ اگر تم کچھ جانتے ہو۔ وہ فوراً کہیں گے: یہ سب شانیں اللہ ہی کے لئے ہیں، یہاں لفظ اللہ ایک قرأت کے مطابق دونوں مقامات پر بغیر لام جر کے آیا ہے اور یہاں پر اس کے ذکر کردہ معنی کی رعایت کی گئی ہے۔ تو آپ فرمائیں: پھر تمہیں کہاں سے فریب دیا جا رہا ہے۔ یعنی تمہیں کیوں دھوکہ ہو رہا ہے اور تم حق سے اعراض کر رہے ہو اور اللہ کی عبادت وتوحید سے اعراض کر رہے ہو۔ تمہارا کیسا باطل خیال ہے؟

یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج وتکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلہ پر کسی کو پناہ دے کر اس کے عذاب وتکلیف سے بچالے۔ یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف وعذاب دینا چاہے اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔

اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کرے گا اس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جس کو جنت اور راحت دے گا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔ (تفسیر قرطبی، سورہ مومنون، بیروت)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝

بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے ہیں اور بے شک وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اللہ نے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو ضرور لے جاتا اور یقیناً وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرتے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔

حق بات کی تکذیب کرنے والے کفار کے نظریے کا بیان

"بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِالْحَقِّ" بِالصِّدْقِ "وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ" فِي نَفْيِه وَهُوَ، "مَا اتَّخَذَ اللَّه مِنْ وَلَد وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إلَه إذًا" أَيْ لَوْ كَانَ مَعَهُ إلَه "لَذَهَبَ كُلّ إلَه بِمَا خَلَقَ" انْفَرَدَ بِهِ وَمَنَعَ الْآخَر مِنْ الِاسْتِيلَاء عَلَيْهِ "وَلَعَلَا بَعْضهمْ عَلَى بَعْض" مُغَالَبَة كَفِعْلِ مُلُوك الدُّنْيَا "سُبْحَان اللَّه" تَنْزِيهًا لَهُ "عَمَّا يَصِفُونَ" ـهُ بِهِ مِمَّا ذُكِرَ،

بلکہ ہم ان کے پاس سچائی کے ساتھ حق لائے ہیں اور بے شک وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ یعنی سچی بات کی نفی کر کے جھوٹے ہیں۔ اللہ نے اپنے لئے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ورنہ ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو ضرور الگ لے جاتا اور یقیناً وہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرتے جس طرح دنیا کے بادشاہوں کے کاموں میں غلبہ ہوتا ہے۔ اللہ ان باتوں سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی جن کو ذکر کیا گیا ہے۔

وہ ہر شان میں بے مثال ہے

اللہ تعالیٰ اس سے اپنی برتری بیان فرما رہا ہے کہ اس کی اولاد ہو یا اس کا شریک ہو۔ ملک میں، تصرف میں، عبادت کا مستحق ہونے میں، وہ یکتا ہے، نہ اسکی اولاد ہے، نہ اس کا شریک ہے۔ اگر مان لیا جائے کہ کئی ایک اللہ ہیں تو ہر ایک اپنی مخلوق کا مستقل مالک ہونا چاہے تو موجودات میں نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ حالانکہ کائنات کا انتظام مکمل ہے، عالم علوی اور عالم سفلی، آسمان و زمین وغیرہ کمال ربط کے ساتھ اپنے اپنے مقررہ کام میں مشغول ہیں۔ دستور سے ایک انچ ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان سب کا خالق مالک اللہ ایک ہی ہے نہ کہ متفرق کئی ایک اور بہت سے اللہ مان لینے کی صورت میں یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر ایک دوسرے کو پست و مغلوب کرنا اور خود غالب اور طاقتور ہونا چاہے گا۔ اگر غالب آ گیا تو مغلوب اللہ نہ رہا اگر غالب نہ آیا تو وہ خود اللہ نہیں۔ پس یہ دونوں دلیلیں بتا رہی ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے۔

متکلمین کے طور پر اس دلیل کو دلیل تمانع کہتے ہیں۔ ان کی تقریر یہ ہے کہ اگر دو اللہ مانے جائیں یا اس سے زیادہ پھر ایک تو ایک جسم کی حرکت کا ارادہ کرے اور دوسرا اس کے سکون کا ارادہ کرے اب اگر دونوں کی مراد حاصل نہ ہو تو دونوں ہی عاجز ٹھہرے

اور جب عاجز ٹھہرے تو اللہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ واجب عاجز نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ دونوں کی مراد پوری ہو کیونکہ ایک کے خلاف دوسرے کی چاہت ہے۔ تو دونوں کی مراد کا حاصل ہونا محال ہے۔ اور یہ محال لازم ہوا ہے اس وجہ سے کہ دو یا دو سے زیادہ اللہ فرض کیے گئے تھے پس یہ تعدد میں باطل ہو گیا۔ اب رہی تیسری صورت یعنی یہ کہ ایک کی چاہت پوری ہو اور ایک کی نہ ہو تو جس کی پوری ہوئی وہ تو غالب اور واجب رہا اور جس کی پوری نہ ہوئی اور مغلوب اور ممکن ہوا۔

کیونکہ واجب کی صفت یہ نہیں کہ وہ مغلوب ہو تو اس صورت میں بھی معبودوں کی کثرت تعداد باطل ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ ایک ہے وہ ظالم سرکش، حد سے گزر جانے والے، مشرک جو اللہ کی اولاد ٹھراتے ہیں اور اس کے شریک بتاتے ہیں، ان کے ان بیان کردہ اوصاف سے ذات الٰہی بلند و بالا اور برتر و منزہ ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے جو مخلوق سے پوشیدہ ہے۔ اور اسے بھی جو مخلوق پر عیاں ہے۔ پس وہ ان تمام شرکا سے پاک ہے، جسے منکر اور مشرک شریک اللہ بتاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، مومنون، بیروت)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّىْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝
غائب اور حاضر کو جاننے والا ہے، پس وہ بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔ آپ فرمائیے کہ اے میرے رب!
اگر تو مجھے وہ دکھانے لگے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

کفار کیلئے اللہ تعالیٰ کے وعدہ عذاب کے سچ ہونے کا بیان

"عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" مَا غَابَ وَمَا شُوهِدَ بِالْجَرِّ صِفَةٌ وَالرَّفْعِ خَبَرُ هُوَ مُقَدَّرًا "فَتَعَالَى" تَعَظَّمَ "عَمَّا يُشْرِكُونَ" ـهُ مَعَهُ، "قُلْ رَبِّ إِمَّا" فِيهِ إِدْغَامُ نُونِ إِنْ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةِ "تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ" يُوعَدُونَهُ مِنَ الْعَذَابِ هُوَ صَادِقٌ بِالْقَتْلِ بِبَدْرٍ،

غائب اور حاضر کو جاننے والا ہے، یعنی جو غائب ہوا ہے اور جو موجود ہے۔ یہاں پر لفظ عالم یہ صفت کی وجہ سے مجرور ہے جبکہ ھو مقدر کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ پس وہ بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔ آپ فرمائیے، یہاں پر ان شرطیہ کا ماء زائدہ میں ادغام ہے۔ کہ اے میرے رب! اگر تو مجھے وہ عذاب دکھانے لگے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اور وہ وعدہ بدر میں کفار کے قتل سے سچا ہوا۔

یعنی جس کی قدرت عامہ و تامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر و باطن اور غیب و شہادت اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہوں گی جن کی قدرت اور علم وغیرہ سب صفات محدود و مستعار ہیں؟

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِىْ فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝
اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝

تو اے میرے رب! مجھے ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا۔ اور بے شک ہم اس بات پر کہ تجھے وہ دکھائیں جس کا ہم
ان سے وعدہ کرتے ہیں، ضرور قادر ہیں۔ آپ برائی کو ایسے طریقہ سے دفع کیا کریں جو سب سے بہتر ہو،
ہم ان کو خوب جانتے ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں۔

ظالم قوم کے شر وغیرہ سے بچنے کی دعا کا بیان

"رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ" فَأَهْلِكْ بِإِهْلَاكِهِمْ، "ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" أَيْ الْخَصْلَةَ مِنْ الصَّفْحِ وَالْإِعْرَاضِ عَنْهُمْ "السَّيِّئَةَ" أَذَاهُمْ إِيَّاكَ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ "نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ" يَكْذِبُونَ وَيَقُولُونَ فَنُجَازِيهِمْ عَلَيْهِ

تو اے میرے رب! مجھے ظالم لوگوں میں شامل نہ کرنا۔ یعنی ان کی ہلاکت کے ساتھ ہلاک نہ کرنا۔ آپ برائی کو ایسے طریقہ سے دفع کیا کریں جو سب سے بہتر ہو، یعنی درگذر کی خصلت کے ساتھ دور کریں۔ یہ حکم جہاد والے حکم کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ ہم ان باتوں کو خوب جانتے ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں۔ یعنی وہ جھوٹ کہتے ہیں پس انہیں اس پر ہم جزاء دیں گے۔

سختیوں کے اترنے کے وقت کی دعا تعلیم ہو رہی ہے کہ اگر تو ان بدکاروں پر عذاب لائے اور میں ان میں موجود ہوں۔ تو مجھے ان عذابوں سے بچا لینا۔ مسند احمد اور ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ اے اللہ جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے، تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تعلیم دینے کے بعد فرماتا ہے کہ ہم ان عذابوں کو تجھے دکھا دینے پر قادر ہیں۔ جو ان کفار پر ہماری جانب سے اترنے والے ہیں۔ پھر وہ بات سکھائی جاتی ہے جو تمام مشکلوں کی دوا، اور رفع کرنے والی ہے اور وہ یہ کہ برائی کرنے والے سے بھلائی کی جائے۔ تاکہ اس کی عداوت محبت سے اور نفرت الفت سے بدل جائے۔ جیسے ایک اور آیت میں بھی ہے کہ بھلائی سے دفع کر تو جانی دشمن، دلی دوست بن جائے گا۔ لیکن یہ کام انہیں سے ہو سکتا ہے جو صبر کرنے والے ہوں۔ یعنی اس کے حکم کی تعمیل اور اس کی صفت کی تحصیل صرف ان لوگوں سے ہو سکتی ہے جو لوگوں کی تکلیف کو برداشت کر لینے کے عادی ہو جائیں۔ اور گو وہ برائی کریں لیکن یہ بھلائی کرتے جائیں۔ یہ وصف انہی لوگوں کا ہے جو بڑے نصیب دار ہوں۔ دنیا اور آخرت کی بھلائی جن کی قسمت میں ہو۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝
اور آپ (دعا) فرمایئے: اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے رب!
میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔

شیطانی وسواس سے بچنے کی دعا مانگنے کا بیان

"وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ" أَعْتَصِمُ "بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ" نَزَعَاتِهِمْ بِمَا يُوَسْوِسُونَ بِهِ، "وَأَعُوذُ بِكَ

رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ" فِی اُمُوْرِیْ لِاَنَّھُمْ اِنَّمَا یَحْضُرُوْنَ بِسُوْءٍ؛

اور آپ دعا کے طور پر فرمایئے: اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔یعنی اس کے وسواس سے محفوظ رکھ۔اور اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس میری معاملات میں آموجود ہوں۔کیونکہ وہ برائی کے ساتھ آتے ہیں۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔جب تم میں سے کوئی شخص نیند میں ڈرے تو اسے چاہئے کہ یہ کلمات پڑھے۔دعا(اعوذ بکلمات اللہ التامات من غضبه وعقابه وشر عباده ومن همزات الشياطين وان يحضرون) ۔میں اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب سے اس کے عذاب سے اس کے بندوں کی برائی سے شیطان کے وسوسوں سے اور اس بات سے کہ شیطان میرے پاس آئیں۔لہٰذا ان کلمات کے کہنے والے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کلمات کو اپنی اولاد میں سے ہر اس شخص کو سکھاتے جو بالغ ہوتا اور ان کی اولاد میں جو نابالغ ہوتے ان کلمات کو کاغذ کے ٹکڑے پر لکھ کر ان کے گلے میں ڈال دیتے۔اس روایت کو ابوداؤد و ترمذی نے روایت کیا ہے لیکن الفاظ ترمذی کے ہیں)(مشکوۃ شریف: جلد دوم: حدیث نمبر 1008)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نیند میں ڈرنا شیطان کے تصرف اور اس کی شرارت کی وجہ سے ہوتا ہے۔نیز یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ گلے میں تعویذ ڈالنا اور لٹکانا جائز ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ○
یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔

موت کے وقت واپس آنے کی تمنا کرنے کا بیان

"حَتّٰی" اِبْتِدَائِیَّة "اِذَا جَاء اَحَدھمُ الْمَوْت" وَرَأٰی مَقْعَده مِنَ النَّار وَمَقْعَده مِنَ الْجَنَّة لَوْ آمَنَ "قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ" الْجَمْع لِلتَّعْظِيم

یہاں پر حتیٰ یہ ابتدائے غایت کیلئے آیا ہے۔یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے اور جب وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں دیکھ لیتا ہے اور اگر اس کا ٹھکانہ جنت ہوتو امن پاتا ہے تو کہتا ہے اے میرے رب! مجھے واپس بھیجو۔یہاں پر ارجعون کو بہ طور تعظیم جمع لایا گیا ہے۔

موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کرلوں۔

ابن جریر نے بروایت ابن جریج نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کے وقت مومن جب رحمت کے فرشتے اور رحمت کے سامان سامنے دیکھنے لگتا ہے تو فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر تمہیں دنیا میں واپس کر دیا جائے تو وہ کہتا ہے کہ میں اس غموں اور تکلیفوں کے عالم میں جا کر کیا کروں گا مجھے تو اب اللہ کے پاس لے جاؤ اور کافر سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتا ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی مجھے دنیا میں لوٹا دو۔ (تفسیر جامع البیان، سورہ مومنون، بیروت)

لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○
تا کہ میں اس میں کچھ نیک عمل کر لوں جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ ہر گز نہیں، یہ وہ بات ہے جسے وہ کہہ رہا ہوگا اور
ان کے آگے اس دن تک ایک پردہ ہے وہ اٹھائے جائیں گے۔

موت کے بعد کسی کے بھی لوٹ کر نہ آنے کا بیان

"لَعَلِّی أَعْمَل صَالِحًا" بِأَنْ أَشْهَد أَنْ لَا إِلَه إِلَّا اللّٰه "فِیمَا تَرَکْت" ضَیَّعْت مِنْ عُمُرِی أَیْ فِی مُقَابَلَته "کَلَّا" أَیْ لَا رُجُوع "إِنَّهَا" أَیْ رَبّ ارْجِعُونِ "کَلِمَة هُوَ قَائِلهَا" وَلَا فَائِدَة لَهُ فِیهَا "وَمِنْ وَرَائِهِمْ" أَمَامهمْ "بَرْزَخ" حَاجِز یَصُدّهُمْ عَنْ الرُّجُوع "إِلَی یَوْم یُبْعَثُونَ" وَلَا رُجُوع بَعْده

تا کہ میں اس دنیا میں کچھ نیک عمل کر لوں یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دے دوں، جسے میں چھوڑ آیا ہوں۔ یعنی میں نے اپنی عمر کو ضائع کر دیا ہے۔ تا کہ یہ اس کے بدلے میں کچھ ہو جائے۔ ہر گز واپس نہیں آئے گا، یہ وہ بات ہے جسے وہ بطورِ حسرت کہہ رہا ہوگا اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اور ان کے آگے اس دن تک ایک پردہ یعنی برزخ حائل ہے جو ان کو واپس آنے سے روکے ہوئے ہے۔ جس دن وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اس کے بعد کوئی لوٹ کر نہ آئے گا۔

برزخ کے معنی ومفہوم کا بیان

جب انسان اس دنیا کی عارضی زندگی ختم کر کے دوسری دنیا میں پہنچتا ہے تو اس کی سب سے پہلی منزل قبر ہوتی ہے، جسے عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے، مردہ کو قبر میں اتارنے کے بعد جب اس کے عزیز واقارب واپس لوٹتے ہیں تو اس میں اللہ کی جانب سے وہ قوت سماعت دے دی جاتی ہے جس کے ذریعہ وہ ان لوٹنے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا رہتا ہے اس کے بعد منکر نکیر قبر میں آتے ہیں اور اس سے دوسرے سوالات کے علاوہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں پوچھتے ہیں کہ ان کے متعلق تمہارا اعتقاد کیا ہے، اگر مرد مومن صادق ہوتا ہے تو وہ صحیح جواب دے دیتا ہے اور اگر وہ کافر ہے تو جواب نہیں دے پاتا بعد میں نتیجہ سنا دیا جاتا ہے کہ صحیح جواب دینے والا اللہ کی رحمت اور اس کی نعمتوں کا مستحق قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اس کی آخری منزل جنت کی طرف اس کی راہنمائی کر دی جاتی ہے، غلط جواب دینے والا اللہ کے غضب کا مستحق قرار دے دیا جاتا ہے اور اسے اس کی آخری منزل دوزخ کی راہ دکھا دی جاتی ہے۔ برزخ کے لفظی معنے حاجز اور فاصل کے ہیں۔ دو حالتوں یا دو چیزوں کے درمیان جو چیز فاصل ہو اس کو برزخ

کہتے ہیں اسی لئے موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی حیات اور آخرت کی حیات کے درمیان حد فاصل ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر، فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آچکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ اس لئے نہیں کہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعث ونشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ٥
پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن نہ رشتے رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔

صور پھونکنے کے بعد دنیاوی انساب کا خیال تک ختم ہو جانے کا بیان

"فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّور" الْقَرْن النَّفْخَة الْأُولَى أَوْ الثَّانِيَة "فَلَا أَنْسَاب بَيْنهمْ يَوْمئِذٍ" يَتَفَاخَرُونَ بِهَا "وَلَا يَتَسَاءَلُونَ" عَنْهَا خِلَاف حَالهمْ فِي الدُّنْيَا لِمَا يَشْغَلهُمْ مِنْ عِظَم الْأَمْر عَنْ ذَلِكَ فِي بَعْض مَوَاطِن الْقِيَامَة وَفِي بَعْضهَا يُفِيقُونَ وَفِي آيَة "فَأَقْبَلَ بَعْضهمْ عَلَى بَعْض يَتَسَاءَلُونَ"

پھر جب صور پھونکا جائے گا یعنی نفخہ اولیٰ یا ثانیہ ہوگا تو ان کے درمیان اس دن نہ رشتے باقی رہیں گے یعنی جن کی بناء پر فخر کرتے تھے۔ اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔ جس طرح دنیا میں پوچھا کرتے تھے۔ اور قیامت کے بعض مواقع میں وہ مشغول ہونے کی وجہ سے کچھ نہ پوچھ بتا سکیں گے۔ اور جب بعض مواقع پر کچھ افاقہ ہوگا تو جس دوسری آیت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کچھ پوچھ سکیں گے۔

"صور" اصل میں نرسنگا (سنکھ) اور قرنا کو کہتے ہیں جس میں پھونکنے سے ایک بلند آواز پیدا ہوتی ہے اور یہاں وہ مخصوص نرسنگا (سنکھ) مراد ہے جس کو حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے حضرت اسرافیل علیہ السلام کا یہ صور پھونکنا دو مرتبہ ہوگا ایک بار تو اس وقت جب قیامت آنے کو ہوگی اور اس صور کی آواز سے تمام لوگ مر جائیں گے اور دوسری بار اس وقت جب تمام لوگوں کو میدان حشر میں جمع کرنے کے لئے دوبارہ زندہ کرنا مقصود ہوگا چنانچہ اس صور کی آواز سے تمام لوگ زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ٥ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ٥
پس جن کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب وکامران ہوں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے
تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

میزان میں اچھے یا برے اعمال ہونے کا بیان

"فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينه" بِالْحَسَنَاتِ "فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" الْفَائِزُونَ، "وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينه" بِالسَّيِّئَاتِ "فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسهمْ" فَهُمْ "فِي جَهَنَّم خَالِدُونَ"

پس جن کے پلڑے زیادہ نیک اعمال کے باعث بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب وکامران ہوں گے۔اور جن کے پلڑے برے اعمال کا وزن ہونے کے باعث ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔

وزن اعمال کی کیفیت کا بیان

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود انسان مومن وکافر کو میزان عدل میں رکھ کر تولا جائے گا۔کافر کا کوئی وزن نہ ہوگا خواہ وہ کتنا ہی فربہ اور موٹا ہو۔(بخاری ومسلم من حدیث ابی ہریرۃ)

اور بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نامہ اعمال تولے جائیں گے۔ترمذی،ابن ماجہ،ابن حبان اور حاکم نے یہ مضمون حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے۔اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال جو دنیا میں بے وزن بے جسم اعراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجسم کر کے میزان عمل میں رکھا جائے گا وہ تولے جائیں گے۔طبرانی وغیرہ نے یہ روایت ابن عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ان سب روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔اسی آخری قول کی تائید میں ایک حدیث عبدالرزاق نے فضل العلم میں ابراہیم نخعی سے نقل کی ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص کے اعمال وزن کے لئے لائے جائیں گے اور ترازو کے پلہ میں رکھے جائیں گے تو یہ پلہ ہلکا رہے گا پھر ایک چیز ایسی لائی جائے گی جو بادل کی طرح ہوگی اس کو بھی اس کے حسنات کے پلہ میں رکھ دیا جائے گا تو یہ پلہ بھاری ہو جائے گا اس وقت اس شخص سے کہا جائے گا کہ تم جانتے ہو یہ کیا چیز ہے (جس نے تمہاری نیکیوں کا پلہ بھاری کر دیا) وہ کہے گا مجھے کچھ معلوم نہیں۔تو بتلایا جائے گا کہ یہ تیرا علم ہے جو تو لوگوں کو سکھایا کرتا تھا۔اور ذہبی نے فضل علم میں حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز شہیدوں کا خون اور علماء کی روشنائی (جس سے انہوں نے علم دین کی کتابیں لکھی تھیں) باہم تولے جائیں گے تو علماء کی روشنائی کا وزن شہیدوں کے خون سے زیادہ نکلے گا۔

(تفسیر مظہری،مومنون)

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝
ان کے چہروں کو آگ جھلسائے گی اور وہ اس میں تیوری چڑھانے والے ہوں گے۔کیا میری آیتیں تم پر پڑھی نہ جاتی تھیں،
تو تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے؟

قرآنی آیات کو جھٹلانے والوں کے چہروں کو جلا دیا جائے گا

"تَلْفَح وُجُوههمْ النَّار" تُحْرِقهَا "وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ" شَمَّرَتْ شِفَاههمْ الْعُلْيَا وَالسُّفْلَى عَنْ أَسْنَانهمْ وَيُقَال لَهُمْ، "أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي" مِنْ الْقُرْآن "تُتْلَى عَلَيْكُمْ" تُخَوَّفُونَ بِهَا

ان کے چہروں کو آگ جھلسائے گی یعنی ان کو جلا دے گی۔ اور وہ اس میں تیوری چڑھانے والے ہوں گے۔ یعنی اوپر کے ہونٹ اوپر سکڑ جائیں گے جبکہ نیچے والے ہونٹ نیچے لٹک جائیں گے۔ اور ان سے کہا جائے گا۔ کیا میری آیتیں یعنی قرآنی آیات تم پر پڑھی نہ جاتی تھیں، یعنی ان کے ذریعے تمہیں ڈرایا جاتا تھا، تو تم انہیں جھٹلایا کرتے تھے؟

سورہ مؤمنون آیت ۱۰۵ کی تفسیر بہ حدیث کا بیان

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ، اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ آگ اسے اس طرح بھون دے گی کہ اس کا اوپر کا ہونٹ سکڑ کر سر کے درمیان پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ لٹک کر ناف کو چھونے لگے گا۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ (جامع ترمذی: جلد دوم: حدیث نمبر 1123)

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ٥ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا
فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ٥ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ٥
وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال لے،
پھر اگر ہم دوبارہ ایسا کریں تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے۔ فرمائے گا اس میں دور دفع رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔

اہل جہنم کا دوزخ میں پکار پکار کر کے مایوس ہو جانے کا بیان

"قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتنَا" وَفِي قِرَاءَة شَقَاوَتنَا بِفَتْحِ أَوَّله وَأَلِف وَهُمَا مَصْدَرَانِ بِمَعْنًى "وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ" عَنْ الْهِدَايَة، "رَبّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا" إلَى الْمُخَالَفَة، "قَالَ" لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِك بَعْد قَدْر الدُّنْيَا مَرَّتَيْنِ "اخْسَئُوا فِيهَا" ابْعُدُوا فِي النَّار أَذِلَّاء "وَلَا تُكَلِّمُونِ" فِي رَفْع الْعَذَاب عَنْكُمْ لِيَنْقَطِع رَجَاؤُهُمْ،

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آ گئی یہاں پر لفظ شقوتنا ایک قرأت کے مطابق شقاوتنا یعنی اول حرف اور الف کے فتحہ کے ساتھ آیا ہے اور یہ ایک ہی معنی میں دونوں مصدر ہیں اور ہم ہدایت سے گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اس سے نکال لے، پھر اگر ہم دوبارہ ایسا یعنی مخالفت کریں تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے۔ تو دنیا کی مقدار کے دوگنا مالک کی زبان سے انہیں کہا جائے گا اس میں دور دفع رہو یعنی اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور عذاب دور کرنے کے بارے میں مجھ سے کلام نہ کرو۔ لہٰذا ان کی امید ختم ہو جائے گی۔

ترمذی کی حدیث میں ہے کہ دوزخی لوگ جہنم کے داروغہ مالک کو چالیس برس تک پکارتے رہیں گے اس کے بعد وہ کہے گا کہ تم جہنم ہی میں پڑے رہو گے پھر وہ پروردگار کو پکاریں گے اور کہیں گے اے رب ہمارے ہمیں دوزخ سے اور یہ پکار ان کی دنیا سے دونی عمر کی مدت تک جاری رہے گی، اس کے بعد انہیں یہ جواب دیا جائے گا جو اگلی آیت میں ہے (خازن) اور دنیا کی عمر کتنی ہے، اس میں کئی قول ہیں بعض نے کہا کہ دنیا کی عمر سات ہزار برس ہے، بعض نے کہا بارہ ہزار برس، بعض نے کہا تین لاکھ ساٹھ برس۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تذکرہ قرطبی)

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝
بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے بندوں میں سے کچھ لوگ تھے جو کہتے تھے اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے،
سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔

مہاجرین کی مغفرت کے قابل رشک ہونے کا بیان

"اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ" هُمُ الْمُهَاجِرُوْنَ

بے شک حقیقت یہ ہے کہ میرے بندوں یعنی جو مہاجرین ہیں ان میں سے کچھ لوگ تھے جو کہتے تھے اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: اے اللہ! تو نے قریش کو ابتداء میں (غزوہ بدر اور غزوہ احزاب کے موقع پر شکست و تباہی کا) عذاب چکھایا (جب کہ انہوں نے دین حق کی مخالفت اور تیرے رسول کا راستہ اختیار کر رکھا تھا) پس اب (جب کہ انہوں نے اسلام قبول کر کے اور تیرے رسول کی اطاعت اختیار کر کے دین اور مسلمانوں کو تقویت و مدد پہنچائی ہے تو) آخر میں ان کو عطاء و بخشش سے نواز دے۔

(ترمذی، مشکوٰۃ شریف 589)

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝
تو تم نے انہیں مذاق بنالیا، یہاں تک کہ انھوں نے تم کو میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسا کرتے تھے۔

ہنسی مذاق میں رہ کر عبادت کو بھلا دینے کا بیان

"فاتخذتموهم سُخْرِيًّا" بِضَمِّ السِّين وَكَسْرهَا مَصْدَر بِمَعْنَى الْهُزْء مِنْهُمْ: بِلَال وَصُهَيْب وَعَمَّار وَسَلْمَان "حَتّٰى أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي" فَتَرَكْتُمُوهُ لِاشْتِغَالِكُمْ بِالِاسْتِهْزَاءِ بِهِمْ فَهُمْ سَبَب الْإِنْسَاء فَنُسِبَ إِلَيْهِمْ، وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ،

تو تم نے انہیں مذاق بنالیا، لفظ سخر یہ سین کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ مصدر آیا ہے جس کا معنی مذاق ہے۔ ان میں سے یعنی

حضرت بلال، صہیب، عمار اور سلمان رضی اللہ عنہم ہیں۔ یہاں تک کہ انھوں نے تم کو میری یاد بھلا دی یعنی تم نے مذاق واستہزا میں معروف ہونے کی وجہ سے میرا ذکر چھوڑ دیا۔ کیونکہ بھلانے کا سبب لوگ ہیں اسی لئے ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور تم ان سے ہنسا کرتے تھے۔

سورہ مؤمنون آیت ۱۱۰ کے شان نزول کا بیان

یہ آیتیں کفار قریش کے حق میں نازل ہوئیں جو حضرت بلال وحضرت عمار وحضرت صہیب وحضرت خباب وغیرہ رضی اللہ عنہم فقراء اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تمسخر کرتے تھے۔ (تفسیر خزائن العرفان، سورہ مؤمنون، لاہور)

کیونکہ دنیا میں تمہاری حالت یہ تھی کہ جب میرے مخلص بندے تیرے آگے دعاء استغفار کرتے تھے یا میری عبادت کرتے تھے تو تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور ان کی نیک خصلتوں کی اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑے رہنے کی وجہ سے تم نے میری یاد بھی بھلا دی۔ اور تمہیں اس بات کا احساس ہی نہ رہا تھا کہ تمہارے سر پر کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو ہر وقت تمہارے اعمال کو دیکھ رہی ہے۔ اور وہ تمہیں شرارتوں کی سزا دینے پر قادر بھی ہے۔

اِنِّیْ جَزَیْتُھُمُ الْیَوْمَ بِمَاصَبَرُوْٓا اَنَّھُمْ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ۰
بے شک میں نے انہیں آج اس کے بدلے جوانھوں نے صبر کیا، یہ جزا دی ہے کہ بے شک وہی کامیاب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کرنے والوں کیلئے اجر کا بیان

"إِنِّي جَزَيْتهمْ الْيَوْم" النَّعِيم الْمُقِيم "بِمَا صَبَرُوا" عَلَى اسْتِهْزَائِكُمْ بِهِمْ وَأَذَاكُمْ إيَّاهُمْ "إنَّهُمْ" بِكَسْرِ الْهَمْزَة "هُمْ الْفَائِزُونَ" بِمَطْلُوبِهِمْ اسْتِئْنَاف وَبِفَتْحِهَا مَفْعُول ثَانٍ لِجَزَيْتُهُمْ

بے شک میں نے انہیں آج اس کے بدلے جوانھوں نے تمہارے استہزاء پر اور تمہاری طرف سے پہنچائی گئی تکالیف پر صبر کیا، یہ جزا یعنی دائمی نعمتیں دی ہیں۔ کہ بے شک وہی کامیاب ہیں۔ یہاں پر انہم ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے۔ اس صورت میں نیا جملہ ہوگا اور ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ کی صورت میں یہ فعل جزیتھم کا مفعول ثانی ہوگا۔

فتنہ کے وقت صبر کرنے والے کیلئے نیک بختی کا بیان

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ یقیناً نیک بخت وہ شخص ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو، یقیناً نیک بخت وہ شخص ہے جو فتنوں سے محفوظ رکھا گیا ہو (گویا آپ نے بات کی اہمیت کو زیادہ موثر اور تاکیدی انداز میں بیان کرنے کے لئے یہ جملہ تین بار ارشاد فرمایا) اور یقیناً نیک بخت وہ شخص بھی ہے جو فتنہ میں مبتلا کیا گیا لیکن اس نے صبر وضبط کا دامن پکڑے رکھا اور قابل افسوس وہ شخص ہے جو نہ فتنوں سے محفوظ رکھا گیا اور نہ اس نے صبر وضبط اختیار کیا۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد چہارم: حدیث نمبر 1341)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّيْنَ ۝

فرمائے گا تم زمین میں سالوں کی گنتی میں کتنی مدت رہے؟ وہ کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے، سو شمار کرنے والوں سے پوچھ لے۔

آخرت میں دنیا کی زندگی ایک دن یا بعض دن محسوس ہونے کا بیان

"قَالَ" تَعَالَى لَهُمْ بِلِسَانِ مَالِكٍ وَفِي قِرَاءَةٍ قُلْ "كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ" فِي الدُّنْيَا وَفِي قُبُورِكُمْ "عَدَدَ سِنِيْنَ" تَمْيِيزٌ، "قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ" شَكُّوا فِي ذَلِكَ وَاسْتَقْصَرُوهُ لِعِظَمِ مَا هُمْ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ "فَاسْأَلِ الْعَادِّيْنَ" أَيِ الْمَلَائِكَةَ الْمُحْصِينَ أَعْمَالَ الْخَلْقِ

اللہ تعالیٰ زبان مالک سے فرمائے گا اور ایک قرأت میں قل آیا ہے۔تم زمین یعنی دنیا اور قبروں میں سالوں کی گنتی میں کتنی مدت رہے؟ یہاں پر عدد سنین یہ کم کی تمیز ہے۔سو کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے، یعنی وہ اس مدت میں شک کریں گے اور عذاب کی سختی کی وجہ سے کم مدت سمجھیں گے۔سو شمار کرنے والوں یعنی مخلوق کے اعمال کا احاطہ کرنے والے فرشتوں سے پوچھ لے۔

دنیا کی قلیل زندگی میں انسان دھوکے میں رہ جاتا ہے

بیان ہو رہا ہے کہ دنیا کی تھوڑی سے عمر میں یہ بدکاریوں میں مشغول ہو گئے اگر نیکیوں کا ر رہتے تو اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ ان نیکیوں کا بڑا اجر پاتے آج ان سے سوال ہوگا کہ تم دنیا میں کس قدر رہے جواب دیں گے کہ بہت ہی کم ایک دن یا اس بھی کم حساب داں لوگوں سے دریافت کر لیا جائے جواب ملے گا کہ اتنی مدت ہو یا زیادہ لیکن واقع میں وہ آخرت کی مدت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے اگر تم اسی کو جانتے ہوتے تو اس فانی کو اس جاودانی پر ترجیح نہ دیتے اور برائی کر کے اس تھوڑی سی مدت میں اس قدر اللہ کو ناراض نہ کر دیتے وہ ذرا سا وقت اگر صبر وضبط سے اطاعت الٰہی میں بسر کر دیتے تو آج راج تھا۔خوشی ہی خوشی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب جنتی دوزخی اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے تو جناب باری عزوجل مومنوں سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے؟ وہ کہیں گے یہی کوئی ایک آدھ دن اللہ فرمائے گا پھر تو بہت ہی اچھے رہے کہ اتنی سی دیر کی نیکیوں کا یہ بدلہ پایا کہ میری رحمت رضامندی اور جنت حاصل کر لی۔جہاں ہمیشگی ہے۔

آخرت کیلئے نیک اعمال بجالانے کا بیان

خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو! تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دے گئے یاد رکھو کہ وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کیلئے نازل ہوگا۔وہ نقصان میں پڑا اس نے خسارہ اٹھایا وہ بے نصیب اور بدبخت ہو گیا، وہ محروم اور خالی ہاتھ

رہا، جو اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا اور جنت سے روک دیا گیا، جس کی چوڑائی مثل کل زمینوں اور آسمانوں کے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن عذاب الٰہی سے وہ بچ جائے گا، جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے، اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کیلئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے گزشتہ لوگ ہلاک ہوئے، جن کے قائم مقام اب تم ہو۔ اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے

یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیر الوارثین کے دربار میں حاضری دے گی۔ لوگو خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں سے اپنی گور کی طرف جا رہے ہو، تمہارے پھل پک رہے ہیں، تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں، تمہاریں عمریں پوری ہو رہی ہیں۔ تمہاری اجل نزدیک آ گئی ہے، تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے، جہاں نہ کوئی بستر ہو گا، نہ تکیہ، دوست احباب چھوٹ جائیں گے، حساب کتاب شروع ہو جائے گا، اعمال سامنے آ جائیں گے، جو چھوڑ آئے وہ دوسروں کا ہو جائے گا۔ جو آگے بھیج چکے، اسے سامنے پاؤ گے، نیکیوں کے محتاج ہو گے، بدیوں کی سزائیں بھگتو گے۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اس کی باتیں سامنے آ جائیں اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے۔ اس سے پہلے جواب دہی کیلئے تیار ہو جاؤ، اتنا کہا تھا کہ رونے کے غلبہ نے آواز بلند کر دی۔ منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ و زاری شروع ہو گئی۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے افحسبتم سے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں وہ اچھا ہو گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عبداللہ رضی اللہ عنہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا تھا؟" آپ نے بتایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے جلا دیا۔ واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی باایمان اور بایقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔ (تفسیر ابن ابی حاتم رازی، سورہ مؤمنون، بیروت)

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝
ارشاد ہو گا: تم نہیں ٹھہرے مگر بہت ہی تھوڑا عرصہ، کاش! تم جانتے ہوتے۔ تو کیا تم نے گمان کر لیا کہ ہم نے تمہیں
بے مقصد ہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ بے شک تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟

دنیا کی طویل ترین مدت بھی آخرت کے مقابلے میں قلیل ہے

"قَالَ" تَعَالَى بِلِسَانِ مَالِكٍ وَفِي قِرَاءَةٍ قُلْ "إِنْ" أَيْ مَا "لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ" مِقْدَار لُبْثِكُمْ مِنَ الطُّول كَانَ قَلِيلًا بِالنِّسْبَةِ إِلَى لُبْثِكُمْ فِي النَّار، "أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا" لَا لِحِكْمَةٍ

"وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ" بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَلِلْمَفْعُوْلِ؟ لَا بَلْ لِنَتَعَبَّدَكُمْ بِالْاَمْرِ وَالنَّهْيِ تُرْجَعُوْنَ اِلَيْنَا وَنُجَازِيْ عَلٰى ذٰلِكَ،

اللہ تعالیٰ زبان مالک سے فرمائے گا، ایک قرأت میں قل آیا ہے۔ تم وہاں نہیں ٹھہرے مگر بہت ہی تھوڑا عرصہ، کاش! تم یہ بات وہیں جانتے ہوتے۔ کہ تمہارے وہاں ٹھہرنے کی طویل کی مدت تمہارے جہنم میں ٹھہرے کی مدت کی نسبت واقعی تھوڑی تھی۔ تو کیا تم نے گمان کرلیا کہ ہم نے تمھیں بے مقصد یعنی بغیر کسی حکمت کے ہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ بے شک تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟ یہاں پر ترجعون معروف ومجہول دونوں طرح آیا ہے۔ ہرگز بیکار نہیں بلکہ تمہیں امر ونہی کا مکلف کیا لہٰذا تم ہماری جانب لوٹائے جاؤ گے۔ اور ہم تمہیں اس پر جزاء دیں گے۔

ابونعیم نے روایت کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر میں بھیجا اور حکم فرمایا کہ ہم صبح شام آیت (اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ، المؤمنون:115) پڑھتے رہیں ہم نے برابر اس کی تلاوت دونوں وقت جاری رکھی۔ الحمدللہ ہم سلامتی اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے۔ دعا وآیت (بسم اللہ الملك الحق و ماقدرو واللہ حق قدره والارض جميعا قبضته يوم القيامه والسموت مطويات بيمينه سبحانه و تعالىٰ عما يشركون بسم الله مجريها و مرسها ان ربی لغفور رحیم،

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝
پس اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے بلند وبرتر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بزرگی اور عزت والے عرش کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ عرش عظیم کا رب ہے

"فَتَعَالَى اللّٰه" عَنِ الْعَبَثِ وَغَيْرِه مِمَّا لَا يَلِيقُ بِهِ "الْمَلِكُ الْحَقّ لَا إِلَٰه إِلَّا هُوَ رَبّ الْعَرْش الْكَرِيم" الْكُرْسِيّ : وَهُوَ السَّرِير الْحَسَن

پس اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے جو عبث وغیرہ جو اس کی طرف ملایا جاتا ہے وہ اس سے بلند وبرتر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بزرگی اور عزت والے عرش یعنی کرسی کا مالک ہے۔ جو خوبصورت تخت ہے۔

پھر جہنمیوں سے یہ سوال ہوگا وہ بھی اتنی ہی مدت بتائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تمہاری تجارت بڑی گھاٹے والی ہوئی کہ اتنی سی مدت میں تم نے میری ناراضگی غصہ اور جہنم خرید لیا، جہاں تم ہمیشہ پڑے رہو گے کیا تم لوگ یہ سمجھے ہوئے ہو کہ تم بیکار بیقصد ارادہ پیدا کیئے گے ہو؟ کوئی حکمت تمہاری پیدائش میں نہیں؟ محض کھیل کے طور پر تمہیں پیدا کردیا گیا ہے؟ کہ مثل جانوروں کے تم اچھلتے کودتے پھرو ثواب عذاب کے مستحق ہو یہ گمان غلط ہے تم عبادت کے لئے اللہ کے حکموں کی بجا آوری کے لئے پیدا کیے گئے ہو۔ کیا تم یہ خیال کر کے بے فکر ہو گے ہو گئے ہو کہ تمہیں ہماری طرف لوٹنا ہی نہیں؟ یہ بھی غلط خیال ہے جیسے فرمایا آیت (اَيَحْسَبُ

الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى 36)-75 القیامۃ:36) کیا لوگ یہ گماں کرتے ہیں کہ وہ مہمل چھوڑ دیئے جائیں گے اللہ کی بات اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ کوئی عبث کام کرے بیکار بنائے بگاڑے وہ سچا بادشاہ اس سے پاک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش عظیم کا مالک ہے جو تمام مخلوق پر مثل چھت کے چھایا ہوا ہے وہ بہت بھلا اور عمدہ ہے خوش شکل اور نیک منظر ہے جیسے فرمان ہے زمین میں ہم نے ہر جوڑا عمدہ پیدا کر دیا ہے

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّـهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○
اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو پوجے جس کی اس کے پاس کوئی سند نہیں، تو اس کا حساب اس کے رب
کے یہاں ہے، بیشک کافروں کیلئے نجات نہیں۔

اللہ کے سوا دوسرے معبودان باطلہ کی پوجا کرنے والوں کا بیان

"وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰه إلٰهًا آخَر لَا بُرْهَان لَهُ بِهِ" صِفَة كَاشِفَة لَا مَفْهُوم لَهَا "فَإِنَّمَا حِسَابه" جَزَاؤُهُ "عِنْد رَبّه إِنَّهُ لَا يُفْلِح الْكَافِرُونَ" لَا يَسْعَدُونَ

اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو پوجے جس کی اس کے پاس کوئی سند یعنی کوئی دلیل نہیں، یعنی ایسی صفت کاشفہ جس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ تو اس کا حساب یعنی اس کی جزاء اس کے رب کے یہاں ہے، بیشک کافروں کیلئے نجات نہیں۔ یعنی وہ سعادت والے نہ ہوں گے۔

ایک شخص سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تو کس کس کو پوجتا ہے؟ اس نے کہا صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کام آنے والا وہی ہے تو پھر اس کے ساتھ ان دوسروں کی عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ کیا تیرا خیال ہے کہ وہ اکیلا تجھے کافی نہ ہوگا؟ جب اس نے کہا یہ تو نہیں کہہ سکتا، البتہ ارادہ یہ ہے کہ اوروں کی عبادت کر کے اس کا پورا شکر بجا لاسکوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سبحان اللہ! علم کے ساتھ یہ بے علمی؟ جانتے ہو اور پھر انجان بنے جاتے ہو؟ اب کوئی جواب بن نہ پڑا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو جانے کے بعد کہا کرتے تھے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائل کر لیا۔ یہ حدیث مرسل ہے ترمذی میں سنداً بھی روایت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، سورہ مؤمنون، بیروت)

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○
اور آپ عرض کیجئے: اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خیر الراحمین ہونے کا بیان

"وَقُلْ رَبّ اغْفِرْ وَارْحَمْ" الْمُؤْمِنِينَ فِي الرَّحْمَة زِيَادَة عَنْ الْمَغْفِرَة "وَأَنْتَ خَيْر الرَّاحِمِينَ" أَفْضَل رَاحِم

اور آپ عرض کیجئے: اے میرے رب! تو اہل ایمان کو رحمت سے بخش دے اور رحم فرما، رحمت مغفرت کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور تو ہی سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ یعنی سب سے افضل رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اللہ کے لئے سو رحمتیں ہیں ان میں سے ایک جنات انسانوں چوپاؤں اور کیڑوں مکوڑوں کے لئے نازل کی جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت و مہربانی اور رحم کرتے ہیں اور اسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچہ پر شفقت کرتا ہے اور اللہ نے ننانوے رحمتیں بچا کر رکھی ہیں جن سے قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحمت فرمائے گا۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2473)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب العزت سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا کسی بندے نے گناہ کیا پھر عرض کیا اے اللہ میرے گناہ کو معاف فرما دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے پھر وہ دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے پھر عرض کرتا ہے اے میرے رب میرے گناہ کو معاف فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے پھر وہ دوبارہ گناہ کر بیٹھتا ہے تو عرض کرتا ہے اے میرے رب میرے گناہ کو معاف فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا پس وہ جانتا ہے کہ اس کا رب گناہ کو معاف بھی فرماتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے تو جو چاہے کر میں نے تجھے معاف کر دیا عبدالاعلی نے کہا میں نہیں جانتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا کہ جو چاہو عمل کرو۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2485)

سورہ مؤمنون کی تفسیر مصباحین کے اختتامی کلمات کا بیان

الحمدللہ! اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور نبی کریم ﷺ کی رحمت عالمین جو کائنات کے ذرے ذرے تک پہنچنے والی ہے۔ انہی کے تصدق سے سورہ مؤمنون کی تفسیر مصباحین اردو ترجمہ وشرح تفسیر جلالین کے ساتھ مکمل ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے ،اے اللہ میں تجھ سے کام کی مضبوطی، ہدایت کی پختگی، تیری نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق اور اچھی طرح عبادت کرنے کی توفیق کا طلبگار ہوں اے اللہ میں تجھ سے سچی زبان اور قلب سلیم مانگتا ہوں تو ہی غیب کی چیزوں کا جاننے والا ہے۔ یا اللہ مجھے اس تفسیر میں غلطی کے ارتکاب سے محفوظ فرما، آمین، بوسیلۃ النبی الکریم ﷺ۔

من احقر العباد محمد لیاقت علی رضوی حنفی